



سیرت حضرت امیر معاویہ

رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ



مولانا محمد نافع مدظلہ

دارالکتاب





سیرت
حضرت امیر معاویہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا محمد نافع مدظلہ

ناشران و تاجران کتب
دارالکتب

6-A یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور
0300-8099774

جلد حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب — سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (دونوں جلدیں یکجا)

مصنف — حضرت مولانا محمد نافع دامت برکاتہم

ناشر — دارالکتاب

6-A یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

تابع — اشتیاق مشتاق پرنٹرز، لاہور

اشاعت — جنوری ۲۰۱۱ء

قیمت —

باہتمام

حافظ محمد ندیم

0300-8099774

فہرست مضامین حصہ اول

۲۱	تقریظ
۲۱	سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
۲۳	سیرت سیدنا معاویہ
۲۳	ومكانته فی الاسلام (رضی اللہ عنہ)
۲۶	معذرت
۲۶	مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
۲۷	کتاب اللہ کی روشنی میں
۲۳	روایات کی روشنی میں
۲۵	شرف صحبت کا لحاظ
۲۶	مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا فرمان
۲۷	شیخ عبدالقدوس گنگوہی رضی اللہ عنہ کا قول
۲۷	حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان
۲۸	عدالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
۳۱	تکمیل مسئلہ (حاشیہ)
۳۲	علامات منافقین
۳۳	تعالیٰ نبوی
۳۳	مسئلہ ہذا کی مزید وضاحت
۳۶	ایک اشتباہ پھر اس کا جواب
۳۷	حاصل بحث
۳۷	ترتیب مضامین
۵۰	سیرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ
۵۰	بنو امیہ کا امتیازی مقام

- ۵۱ نام و نسب
- ۵۲ ایک شبہ کا ازالہ
- ۵۳ مادری نسب
- ۵۵ چند ایک اہم واقعات
- ۵۸ تنبیہ..... مخالفین صحابہ کی طرف سے لعنت کا وظیفہ
- ۶۰ دعوت غور و فکر
- ۶۱ ولادت
- ۶۲ نسبی تعلقات
- ۶۳ قبول اسلام
- ۶۶ دور نبوت میں غزوات میں شرکت اور حصول غنائم
- ۷۰ عہد نبوت میں مناصب
- ۷۳ رسالت مآب ﷺ کی جناب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مراسلہ نبوی کے قاری تھے
- ۷۳ قیصر روم کے قاصد کا واقعہ
- ۷۶ قطعہ اراضی کی تسلیم
- ۷۷ تنبیہ
- ۷۷ ایک دیگر واقعہ
- ۷۸ فرمان نویسی
- ۷۹ فوائد و نتائج
- ۷۹ ایک واقعہ
- ۸۱ حقائق رضی اللہ عنہ سے مواخات
- ۸۱ تنبیہ
- ۸۲ ایک فضیلت (قصر شعر نبوی یعنی نبی اقدس ﷺ کے بال مبارک کا ثنا)
- ۸۳ تنبیہ
- ۸۳ زبان نبوت سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائیں
- ۸۴ ① عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات
- ۸۵ ② عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی مرویات

۸۶	③ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی مرویات
۸۶	④ وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کی روایت
۸۷	اثرات دعا
۸۸	بعض فوائد
۸۹	عدم فضیلت کا شبہ پھر اس کا ازالہ
۹۱	امارت و خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اشارات
۹۳	چند دیگر تائیدات
۹۶	خلاصۃ المرام
۹۶	غلط نظریہ کی تردید
۹۷	غلط فہمی کا ازالہ
۹۷	اختتامی کلمات برائے دور اول
۹۹	دور دوم
۹۹	منصب کتابت اور وثیقہ نویسی
۱۰۱	بغزوات میں شرکت
۱۰۱	جنگ یمامہ
۱۰۲	علاقہ شام کی طرف روانگی
۱۰۳	ایک حکمت عملی
۱۰۳	فتح اردن
۱۰۵	مرج الصفر
۱۰۵	سواحل دمشق
۱۰۶	فتح قیساریہ
۱۰۹	شیعہ کی طرف سے تائید
۱۰۹	تنبیہ
۱۱۰	ایک واقعہ
۱۱۰	فتح عسقلان
۱۱۳	بعض نصح اور ہدایات و مکتوبات

- ۱۱۵ تحفظ حدیث کا اہتمام
- ۱۱۶ قدر شناسی اور قدر دانی کے کلمات
- ۱۱۷ تنبیہ
- ۱۱۷ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور والدین کے متعلق ہدایت
- ۱۱۸ ایک دیگر ملاقات
- ۱۱۹ تنبیہ
- ۱۱۹ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے سالانہ وظیفہ
- ۱۲۰ اختتام عہد فاروقی اور ابتدا عہد عثمانی
- ۱۲۰ تحصیل سواحل (سواحل کی مضبوطی)
- ۱۲۲ فتح بلاد روم میں مرکز کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاونت
- ۱۲۲ گرمیوں کے غزوات (صائفہ)
- ۱۲۳ فتح قبرص
- ۱۲۵ محل وقوع
- ۱۲۶ واقعہ شہادت ام حرام رضی اللہ عنہا اور نمازیوں کے لیے جنت کا مشرکہ
- ۱۲۸ فوائد
- ۱۲۸ ایک فقہی اختلاف
- ۱۳۱ فوائد و نتائج
- ۱۳۲ تنبیہ
- ۱۳۲ ہدایات
- ۱۳۳ ایک اشتباہ
- ۱۳۳ ازالہ
- ۱۳۵ اختتامی کلمات برائے دور دوم
- ۱۳۷ دور سوم
- ۱۳۷ شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حفاظتی تدابیر
- ۱۳۹ محاصرہ دار عثمان رضی اللہ عنہ اور تحفظ کی مساعی
- ۱۴۰ شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، جنازہ اور دفن

- ۱۴۱ قاتلین عثمانؓ کیسے افراد تھے؟ اور ان کا حکم
- ۱۴۲ کیا قتل عثمانؓ پر صحابہ راضی تھے؟
- ۱۴۲ مدافعت عثمانی میں اہل مدینہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار
- ۱۴۳ مزار عثمانؓ
- ۱۴۴ ایک معذرت
- ۱۴۴ خلیفہ چہارم کی بیعت
- ۱۴۵ بیعت سے تاخیر
- ۱۴۶ مکہ کی طرف روانگی
- ۱۴۶ اہل شام کی طرف شہادت عثمانی کی اطلاع
- ۱۴۷ ایک وضاحت یعنی عمال عثمانی کی معزولی
- ۱۴۷ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی شام روانگی
- ۱۴۸ حالات کی پراگندگی
- ۱۴۸ صفین کی طرف اقدام
- ۱۴۹ صفین کا محل وقوع اور تاریخ اجتماع
- ۱۴۹ صفین میں ہر ایک فریق کا اپنا موقف
- ۱۵۰ فریق مقابل کا موقف
- ۱۵۲ ایک شبہ اور اس کا ازالہ
- ۱۵۴ فریقین میں صلح کی مساعی
- ۱۵۴ عزلت نشینی
- ۱۵۷ فساد یوں کا کردار
- ۱۵۷ جنگی تفصیلات سے اجتناب
- ۱۵۹ حکیم
- ۱۵۹ خوارج کی ابتدا
- ۱۶۰ ایک وضاحت
- ۱۶۱ اجتماع فریقین اور فیصلہ میں ناکامی
- ۱۶۳ ایک تشریح

- ۱۶۳ اختیاء
- ۱۶۳ سند پر کلام
- ۱۶۵ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ
- ۱۶۶ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ
- ۱۶۹ بعض اہم مباحث اور ازالہ شبہات
- ۱۷۰ گشتی مراسلہ
- ۱۷۱ ① اظہار تأسف
- ۱۷۲ ② ایک شبہ کا ازالہ
- ۱۷۲ ایک وضاحت
- ۱۷۳ شیعہ کی طرف سے تائید
- ۱۷۷ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تاثرات
- ۱۸۰ ③ ایک دیگر شبہ کا ازالہ
- ۱۸۳ ④ اہل صفین کے ساتھ حسن معاملہ
- ۱۸۳ مقتولین صفین جنتی ہیں
- ۱۸۵ تنبیہ
- ۱۸۵ تنبیہ
- ۱۸۵ چند فقہی احکام
- ۱۸۶ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان
- ۱۸۸ ⑤ واقعات ہذا اکابرین امت کی نظروں میں
- ۱۸۹ قاعدین حضرات کا موقف
- ۱۸۹ اختیاء
- ۱۹۰ سلف صالحین کی ہدایات
- ۱۹۲ ہدایات کا ماخذ
- ۱۹۵ آخر کلام
- ۱۹۵ اہل صفین کے حق میں رویائے صالحہ
- ۱۹۵ ابو میسرہ کا خواب

- ۱۹۷ تنبیہ
- ۱۹۷ (۲) بشارت ثانیہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا خواب
- ۱۹۹ تنبیہ
- ۲۰۰ چند واقعات
- ۲۰۳ تنبیہ
- ۲۰۵ تنبیہ
- ۲۰۵ مصالحت و مہادنت یعنی فریقین میں معاہدہ جنگ بندی
- ۲۰۶ اجتماعی قتل کا اہم منصوبہ
- ۲۰۶ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ
- ۲۰۷ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ
- ۲۰۸ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ
- ۲۰۹ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اظہار تاسف اور مدح سرائی
- ۲۱۰ شیعہ علماء کی طرف سے تائید
- ۲۱۱ اختیابہ
- ۲۱۱ بیعت خلافت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ
- ۲۱۳ شیعہ کی طرف سے تائید
- ۲۱۳ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح
- ۲۱۵ فائدہ
- ۲۱۶ تنبیہ
- ۲۱۷ شرائط صلح شیعہ کے بیانات کی روشنی میں
- ۲۱۹ فائدہ
- ۲۲۰ تنبیہ
- ۲۲۱ صلح و مصالحت کی تاریخ
- ۲۲۲ صلح کے بعد باہمی گفتگو کا ایک منظر
- ۲۲۳ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی بیعت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ (شیعہ کتب سے)
- ۲۲۴ تنبیہ

- ۲۲۵ عام الجماعت
- ۲۲۶ صلح ہذا کے متعلقہ چند فوائد
- ۲۲۷ شیعہ کی طرف سے تائید
- ۲۳۰ تشبیہ
- ۲۳۱ (۳) ایک اہم فیصلہ
- ۲۳۱ ایک اشتباہ
- ۲۳۲ ازالہ
- ۲۳۳ اکابرین امت کی جانب سے تائید
- ۲۳۶ الحاصل
- ۲۳۷ اختتامی کلمات برائے دور سوم
- ۲۳۸ دور چہارم
- ۲۳۸ عہد خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
- ۲۳۹ فصل اول
- ۲۳۹ مسئلہ خوارج، بغاوتیں، شرقی ممالک کی فتوحات
- ۲۳۹ خوارج
- ۲۴۰ خروج علی الخوارج
- ۲۴۲ ۳۳ھ میں واقعہ خوارج
- ۲۴۲ بغاوتیں
- ۲۴۳ فتوحات
- ۲۴۵ خراسان، ترکستان، بھجستان، سمرقند و بخارا وغیرہ کی فتوحات
- ۲۴۷ ایک اہم واقعہ
- ۲۴۸ تشبیہ
- ۲۴۹ فائدہ
- ۲۴۹ طبرستان کی مہم
- ۲۴۹ سندھ
- ۲۵۲ فصل دوم

- ۲۵۲ بلاد روم کی فتوحات
- ۲۵۴ ایک اہم واقعہ
- ۲۵۵ فائدہ
- ۲۵۵ سلسلہ فتوحات
- ۲۵۶ بحری غزوات
- ۲۵۶ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی غیر فانی مساعی
- ۲۵۶ غزوہ قسطنطنیہ (مدینہ قیصر)
- ۲۵۸ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی بیماری اور وفات
- ۲۵۹ ایک کرامت
- ۲۶۱ ایک شبہ کا ازالہ
- ۲۶۳ فتح روڈس
- ۲۶۵ قلعہ کح کی فتح
- ۲۶۵ دیگر قلعوں کی فتوحات
- ۲۶۶ بلاد افریقہ کی فتوحات
- ۲۶۶ رومیغ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی مساعی
- ۲۶۷ عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کے کارنامے
- ۲۶۸ قیروان کی آباد کاری میں ایک اہم واقعہ
- ۲۶۸ تشبیہ
- ۲۶۹ قیروان میں مسجد کا تعین
- ۲۶۹ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی کوششیں
- ۲۷۰ فتح جلولا
- ۲۷۱ حسان بن نعمان رضی اللہ عنہ کی خدمات
- ۲۷۱ فتح قرطاجنہ (افریقہ)
- ۲۷۲ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خراج و جزیہ کی آمدنی کا اجمالی تذکرہ
- ۲۷۳ دمشق
- ۲۷۳ عراق

- ۲۷۳ مصر
- ۲۷۴ اختتامی کلمات (برائے فصل دوم)
- ۲۷۷ فصل سوم
- ۲۷۷ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عہدہ داروں کا ایک اجمالی خاکہ
- ۲۷۷ ① ولایت و حکام
- ۲۸۲ (۲-۳) قضاة، فقہاء اور معلمین
- ۲۸۴ شیعہ کی طرف سے تائید
- ۲۸۵ اہم تنبیہ
- ۲۸۵ محاسبہ
- ۲۸۶ ایک واقعہ
- ۲۸۶ ④ مراسلات و خطوط و ذرائع خبر رسانی
- ۲۸۷ تنبیہ
- ۲۸۸ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مراسلت
- ۲۸۸ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مراسلہ
- ۲۸۹ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک مکتوب
- ۲۸۹ خارجہ بن زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک مراسلہ
- ۲۹۰ فوائد
- ۲۹۱ ⑤ سینڈ فوج و محکمہ پولیس
- ۲۹۱ فوجی ضرورت کے لیے مراکز
- ۲۹۱ محکمہ پولیس
- ۲۹۲ حفاظتی دستہ
- ۲۹۲ حاجب
- ۲۹۲ ⑥ امیران حج
- ۲۹۴ فصل چہارم
- ۲۹۴ رفاہی امور
- ۲۹۴ آباد کاری

۲۹۶	نہروں اور چشموں کا اجرا اور پانی کے تالاب
۲۹۸	فائدہ
۲۹۸	آثار حرم کا تحفظ
۳۰۰	③ دار خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا حفاظت
۳۰۱	مدینہ منورہ میں آثار نبوی کی جستجو اور رفاہ عامہ کے مقامات کی تعمیری خدمات
۳۰۱	مواقف و آثار نبوی
۳۰۲	قصر خل
۳۰۲	قصر بنی جدیدہ
۳۰۳	قصر دارین
۳۰۳	دار القضاء
۳۰۳	دار القضاء
۳۰۴	قرش لگوانا
۳۰۴	رعایا کی خبر گیری
۳۰۵	قطیم کے لیے وظیفہ
۳۰۶	ایذا سے بچاؤ کی تدبیر
۳۰۷	فصل پنجم
۳۰۷	علمی مذاکرات اور ثقافتی کارنامے
۳۰۸	بعض مرویات
۳۱۰	نقل حدیث اور وعظ گوئی میں احتیاط
۳۱۴	دینی مسائل کی اہمیت
۳۱۶	ثقافتی امور کی طرف توجہ
۳۱۹	یونانی طب کے لیے خدمات
۳۲۰	فصل ششم
۳۲۰	مکارم اخلاق
۳۲۰	صفت حلم
۳۲۲	تائید از شیعہ

- ۳۲۳ مروت
- ۳۲۴ بعض حکیمانہ اقوال اور جائزے
- ۳۲۶ خشیت الہی اور فکر آخرت
- ۳۲۸ فائدہ
- ۳۲۸ تنبیہ
- ۳۲۸ اعتراف حقیقت
- ۳۳۰ اظہار مافی الضمیر کی آزادی اور اعتراف قصور
- ۳۳۱ انصاف پسندی، رواداری اور حقوق کی رعایت
- ۳۳۳ تنبیہ
- ۳۳۸ حکمت عملی
- ۳۳۸ بعض معمولات
- ۳۳۸ آداب مسجد کی رعایت اور احترام
- ۳۳۸ تنبیہ
- ۳۴۰ مجلسی طریق کار
- ۳۴۲ تنبیہ
- ۳۴۳ فصل ہفتم
- ۳۴۳ اتباع سنت، منکرات سے منع اور عہد و پیمان کی رعایت
- ۳۴۴ ① اقامت صلوٰۃ
- ۳۴۵ تنبیہ
- ۳۴۷ ② امر بالمعروف
- ۳۴۸ ③ نہی عن المنکر
- ۳۴۹ تنبیہ
- ۳۵۰ فائدہ
- ۳۵۱ ④ عہد و پیمان کی رعایت
- ۳۵۲ نوٹ
- ۳۵۳ تنبیہ

فصل ہشتم

۳۵۳

استجابت دعا اور نصرت غیبی اور کرامات کا ظہور

۳۵۴

طلب باران کے لیے دعا

۳۵۴

۳۵۵

قبولیت دعا

۳۵۶

نصرت غیبی

۳۵۶

تنبیہ

۳۵۸

فصل نہم

۳۵۸

بنی ہاشم و اولاد ابی طالب کے ساتھ ربط و تعلق کی چیزیں

۳۵۸

(مع عطیات و ہدایا کے)

۳۵۸

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبانی فضیلت بنی ہاشم کا اقرار

۳۵۹

حضرت عقیل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما

۳۶۰

سیدنا امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما

۳۶۳

سیدنا حسین اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما

۳۶۴

تنبیہ

۳۶۵

باہم معاہدہ کی رعایت اور بیعت کا لحاظ

۳۶۷

نوٹ

۳۶۸

اکابر شیعہ کی طرف سے مزید تائید و تصدیق

۳۶۹

نوٹ

۳۶۹

محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۳۷۱

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے وظائف اور عطیات

۳۷۳

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے عطیات خصوصی

۳۷۵

ایک ملاقات

۳۷۵

شیعہ اکابر کی طرف سے تائید

۳۷۶

نوٹ

۳۷۶

مالی امداد کا ایک دیگر واقعہ

۳۷۷

عین صید کا عطیہ

- ۳۷۷ ایک قریہ کا عطیہ
- ۳۷۸ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے عطیات خصوصی
- ۳۷۹ عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے لیے عطا یا و ہدایا
- ۳۸۰ ایک لطیفہ
- ۳۸۰ تنبیہ
- ۳۸۱ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے عطیہ
- ۳۸۲ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
- ۳۸۲ رعایت کا معاملہ
- ۳۸۵ تنبیہ
- ۳۸۶ فوائد و نتائج
- ۳۸۸ فصل دہم
- ۳۸۸ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہنما کے ساتھ حسن سلوک
- ۳۹۰ تنبیہ
- ۳۹۱ عطیات و ہدایا
- ۳۹۲ زہد و تقویٰ
- ۳۹۳ حصول تبرک
- ۳۹۴ ہمیشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے عطیہ
- ۳۹۴ قدر دانی و نفع رسانی
- ۳۹۸ فصل یازدہم
- ۳۹۸ آخری مراحل
- ۳۹۸ اسلامی حکومت کی وسعت
- ۳۹۸ بیعت یزید کا مسئلہ
- ۴۰۰ تنبیہ
- ۴۰۲ مکہ مکرمہ میں خطبہ
- ۴۰۲ شام میں خطبہ
- ۴۰۳ نصف مال دینا

- ۴۰۳ موئے مبارک سے تبرک حاصل کرنا
- ۴۰۴ ناخن کے تراشے
- ۴۰۶ قیص مبارک سے تبرک
- ۴۰۶ آثار نبوی کا احترام، کساء (چادر) مبارک سے تبرک
- ۴۰۷ ایک دیگر واقعہ
- ۴۰۹ بعض دیگر وصایا
- ۴۱۰ تقویٰ کی تلقین
- ۴۱۰ وفات، جنازہ اور دفن
- ۴۱۲ یزید کی واپسی
- ۴۱۲ تشبیہ
- ۴۱۳ تاریخ وفات و عمر و مدت خلافت
- ۴۱۵ ازواج و اولاد
- ۴۱۶ اختتامی گزارش
- ۴۱۷ فصل دوازدهم
- ۴۱۷ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکابرین امت کی نظروں میں
- ۴۱۷ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات
- ۴۱۹ تشبیہ
- ۴۱۹ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیانات
- ۴۲۱ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فرمودات
- ۴۲۱ قیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ
- ۴۲۲ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
- ۴۲۲ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ
- ۴۲۲ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ
- ۴۲۳ تابعین و غیر ہم رضی اللہ عنہم کی نظروں میں
- ۴۲۳ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ
- ۴۲۴ کعب احبار رضی اللہ عنہ

- ۲۲۳ ابو مجلز رضی اللہ عنہ کا بیان
- ۲۲۴ امام اوزاعی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۵۸ھ) کا بیان
- ۲۲۶ عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ
- ۲۲۷ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۰۱ھ)
- ۲۲۸ امام مالک رضی اللہ عنہ کا فرمان (المتوفی ۱۷۹ھ)
- ۲۲۸ اعمش رضی اللہ عنہ کا بیان
- ۲۲۹ ابواسحاق رضی اللہ عنہ کا قول
- ۲۲۹ ابوتوبہ حلبی رضی اللہ عنہ
- ۲۳۰ ابوسعود معانی بن عمران ازدی موصلی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۸۵ھ)
- ۲۳۱ فضل بن عنبسہ رضی اللہ عنہ
- ۲۳۱ امام احمد رضی اللہ عنہ (المتوفی ۲۴۱، ۲۴۰ھ) کا فرمان
- ۲۳۲ ابوشکور سالمی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۲۶۵ھ)
- ۲۳۲ امام غزالی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۰۵ھ) کا فرمان
- ۲۳۳ رئیس المشائخ حضرت شیخ جیلانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۶۰ھ) کا بیان
- ۲۳۴ مولانا جلال الدین رومی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۶۷۲ھ) کا بیان (بصورت حکایت)
- ۲۳۵ اشعار مثنوی
- ۲۳۶ امام نووی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۶۷۶ھ) کا قول
- ۲۳۶ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی رضی اللہ عنہما کا بیان
- ۲۳۷ ملا علی قاری رضی اللہ عنہ کا قول
- ۲۳۷ شاہ ولی اللہ دہلوی رضی اللہ عنہ کا بیان
- ۲۳۹ حضرت اعلیٰ خولجہ شمس العارفین رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۳۰۰ھ) کا فرمان
- ۲۴۰ علمائے بریلی کا بیان
- ۲۴۰ الجواب
- ۲۴۳ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) کا بیان
- ۲۴۴ خاتمۃ الکتاب
- ۲۴۶ رائے گرامی حضرت مولانا عبدالستار تونسوی دامت برکاتہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریظ

از حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ

دارالعلوم..... کراچی نمبر ۱۳

سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ (جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ) کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنی متعدد تالیفات کے ذریعے سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حقیقی سیرت و کردار کو مستحکم علمی اور تاریخی دلائل کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ جن انصاف نا آشنا حلقوں نے ان حضرات پر طرح طرح کے اعتراضات و مطاعن کی بھرمار کی ہے، ان کے اعتراضات کا شافی اور اطمینان بخش جواب دیا ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو علمی اور سیاسی اختلافات پیش آئے، ان کے حقیقی اسباب کی دلنشین وضاحت فرمائی ہے۔

مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب *رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ* جو تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اپنے موضوع پر ایک ایسی نادر کتاب ہے کہ اس کی نظیر عربی زبان میں بھی موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ”مسئلہ اقربا نوازی“، ”بنات اربعہ“ اور ”حدیث ثقلین“ پر ان کی کتابیں انتہائی مفید اور قابل قدر ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ان کی کتاب ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ منظر عام پر آ چکی ہے جس میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت بڑے دلآویز انداز میں تحریر فرمائی ہے۔ اب ان کی تازہ کتاب ”سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ“ اسی مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کے خلاف اعتراضات و مطاعن کے ترکش سے کوئی تیر بچا کر نہیں رکھا گیا۔ موجودہ کتاب میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے ان کی سیرت کے حقیقی روشن پہلوؤں کو مضبوط دلائل کے ساتھ اجاگر فرمایا ہے۔ پہلی جلد کے پہلے حصے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سوانح، عہد رسالت میں ان کے منصب و مقام اور کارنامے اور ان کے مناقب کی احادیث کو پوری تحقیق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی جلد کے دوسرے حصے میں حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمات، ان کی جنگی مہمات اور دیگر کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل ہیں۔ تیسرے حصے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے واقعات زیر بحث لائے ہیں اور اسی

ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے اختلافات، جنگ صفین اور تحکیم کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور فاضل مؤلف نے ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان غیر مستند روایات سے نہ صرف پاک رکھا ہے، بلکہ ان کی مدلل تردید کی ہے جو ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآن و سنت اور مستند روایات کے بیان کردہ اوصاف سے کسی طرح میل نہیں کھاتیں۔

چوتھے حصے میں فاضل مؤلف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے کارناموں، ان کی فتوحات، ان کے قائم کیے ہوئے انتظامی ڈھانچے، ان کی رفاہی اور ترقیاتی خدمات، ان کی علمی کاوشوں، ان کے مکارم اخلاق، ان کے فقہی اجتہادات، اہل بیت کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات اور ان کے اعزاز و اکرام کے واقعات کا انتہائی مبسوط جائزہ لیا ہے جو اس کتاب کی جان ہے۔ آخر میں حضور اقدس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے عشق و محبت کے مظاہر اور ان کے بارے میں اکابر امت کی آرا نہایت تفصیل اور استقصا کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

کتاب کی دوسری جلد خاص طور پر ان مطاعن کے جواب کے لیے مخصوص ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مختلف حلقوں کی طرف سے وارد کیے گئے ہیں۔ فاضل مؤلف نے ان مطاعن میں سے ایک ایک کو موضوع بحث بنا کر بڑی جانفشانی کے ساتھ حقائق کی تحقیق کی ہے اور مستحکم دلائل سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی صاحب علم محقق کو مؤلف کے اخذ کردہ نتائج سے کسی مقام پر جزوی اختلاف ہو، لیکن یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ موصوف نے افراط و تفریط سے الگ رہ کر اہل سنت کے صحیح موقف کی ترجمانی کی ہے اور اس موضوع پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کی ہر بات تاریخی حوالوں سے مزین ہے، بلکہ انھوں نے صرف اہل سنت ہی کے نہیں، اہل تشیع کے مآخذ سے بھی اپنے موقف کو ثابت کیا ہے جن پر ان کی بڑی وسیع اور گہری نظر ہے۔

پھر قابل تعریف بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف کا انداز بیان مناظرانہ اور جارحانہ نہیں، بلکہ باوقار اور متین ہے اور سنجیدہ علمی تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر جو کتابیں اب تک میری نظر سے گزری ہیں، یہ کتاب ان سب میں بہتر ہے اور ان شاء اللہ طالبان علم و تحقیق کی عرصے تک رہنمائی کرے گی۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۳

۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

باسمہ تعالیٰ شانہ و جل مجدہ

وَ كَلَّا وَ وَعَدَ اللَّهُ الْخُسْفَىٰ (الحمد، پ ۲۷ رکوع اول)

”یعنی اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ سب سے کیا ہے، (وہ پہلے اسلام لائے ہوں یا بعد میں)“

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ (سورۃ الانبیاء)

”یعنی بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے الحسنى (جنت) کا وعدہ ہماری جانب سے پہلے ہو چکا ہے وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔“

سیرت سیدنا معاویہ

ومكانته في الاسلام (رضی اللہ عنہ)

کتاب میں امیر المومنین سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی سیرت و سوانح اور وقائع زندگی کو چار ادوار میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے (مقدمہ میں اس کی وضاحت آ رہی ہے) اس میں خاندانی احوال، فضائل و کمالات اور اخلاق، مصلحانہ کردار، دینی خدمات، ان کے دور کے عظیم کارنامے، اشاعت دین و فروغ اسلام کے اہم واقعات، بے شمار ممالک کی فتوحات، پھر ان کے استحکام و دفاع کے لیے پر خلوص مساعی، اقصائے عالم تک اسلام کے غلبہ اور تفوق کو بہترین انداز میں پیش کیا ہے، اس سے آں موصوف کی ملی خدمات واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام میں جو ان کا رفیع مرتبہ اور بلند مقام ہے وہ سامنے آ جائے گا۔

دعا جو نا چیز

محمد نافع عفا اللہ عنہ

محمدی شریف، ضلع جھنگ (پنجاب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الاولين والآخرين
امام الرسل وخاتم النبيين وعلى ازواجه المطهرات وبناته الاربعة
الطاهرات وعلى اله الطيبين واصحابه المزكين المنتخبين الذين جاهدوا
فى دين الله حق جهاده وعلى سائر اتباعه باحسان الى يوم الدين وعلى
جميع عباد الله الصالحين۔

حمد و ثنا اور صلوة و سلام کے بعد مؤلف کتاب ہذا (بندہ محمد نافع عفا اللہ عنہ) ناظرین کرام کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ دور حاضر میں بعض حلقوں کی طرف سے سید الکونین رضی اللہ عنہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رفعت منزلت اور علم مرتبت میں بہت تفریط اور تنقیص کی جاتی ہے، اور ان کی شان عظمت کے خلاف مواد نشر کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان حضرات کے بارے میں سوء ظن اور بدگمانی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

ناقدین کے ہاں اکابر صحابہ بنو امیہ کے معائب و نقائص پھیلانے کو خاص طور پر کار خیر اور دین کی خدمت سمجھا جاتا ہے اور ان کی تان بے جا حملے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ٹوٹتی ہے۔

ان حالات میں ضرورت اس چیز کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رفعت اور عظمت جو عند اللہ الکریم اور عند رسول اللہ الامین رضی اللہ عنہ ثابت ہے، اس کو صحیح انداز میں پیش کیا جائے اور ان حضرات کے اعلیٰ اخلاق و کردار اسلامی خدمات اور کارناموں کو اہل اسلام تک پہنچانے میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ اسی بنا پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جو بنو امیہ کی مشہور شخصیت ہیں، کے مقام کو بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ (بعونہ تعالیٰ)

اس مقصد کے حصول کے لیے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیر و سوانح، اخلاق و کردار، ملی خدمات اور تعمیری کاموں پر مشتمل ہے۔ جبکہ دوسرے حصے میں آں موصوف پر وارد کردہ الزامات و شبہات کا تحقیقی انداز میں دفاع کیا گیا ہے، اور قدیم و جدید قریباً اکتالیس مطاعن کے جوابات پیش کیے ہیں۔

یہ چیز واضح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اشاعت اسلام میں بڑا مقام ہے۔ اشاعت دین کے

سلسلہ میں ان کے بڑے اعلیٰ کارنامے پائے جاتے ہیں۔ اس بنا پر جس طرح دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیات پر لوگوں نے قلم اٹھایا ہے اور ان کی سوانح اور سیرتیں لکھی ہیں، اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت و حالات زندگی پر بھی مورخین اور علماء نے بہت کچھ تحریر کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک قدیمی مورخ عوانہ بن حکم عیاض کلبی ابو الحکم (۱۳۸ھ) نے ان پر اور بنو امیہ کے دور پر ایک کتاب تدوین کی تھی۔ بقول ابن ندیم، عوانہ بن حکم علمائے کوفہ میں سے تھا۔ بیان اخبار، نسب دانی اور شعر گوئی وغیرہ علوم میں فاضل تھا۔ اس کی متعدد تصانیف ذکر کی گئی ہیں۔

ابن ندیم نے تحریر کیا ہے کہ عوانہ بن حکم کی تصانیف میں ایک کتاب التاریخ ہے۔ اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت اور بنو امیہ کے حالات ہیں۔ ”.....وله من الکتب کتاب التاریخ، کتاب سیرة معاویة وبنی امیة“

لیکن اس تاریخ کا بعد میں ہمیں کچھ علم نہیں ہو سکا کہ کیا وہ امتداد زمانہ کی وجہ سے ضائع ہو گئی یا اصل مخطوطہ کہیں محفوظ ہے؟

پھر ہر دور میں مورخین تاریخ اسلام مدون کرتے چلے آئے ہیں۔ تیسری صدی ہجری میں محمد بن جریر طبری نے مفصل تاریخ تیار کی۔ تاریخ طبری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے حالات کی روایات ملتی ہیں، مگر رطب و یابس، صحیح و سقیم، ضعیف و مجروح اور متروک سب قسم کی ہیں۔ بعدہ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تاریخ بلدہ دمشق میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ترجمہ تفصیل سے درج کیا ہے۔

تراجم کی کتابوں کو علمائے فن نے تاریخ سے الگ کر دیا، اب کتب رجال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تراجم دستیاب ہیں۔

بندہ نے احادیث، روایات، تاریخ، تراجم وغیرہ کتب سے آں موصوف کے حالات اپنی ناقص تلاش کی حد تک جمع کیے ہیں۔ تمام واقعات کے فراہم کر لینے کا دعویٰ نہیں۔ دیگر کتب کی طرح البدایہ والنہایہ لابن کثیر سے کافی استفادہ کیا گیا۔ یہ کتاب بھی تاریخی کتب کے درجہ میں ہی ہے۔ احادیث کی کتب کے مرتبہ میں بالکل نہیں لیکن نسبتاً دیگر کتب تو تاریخ سے بہتر اور مفید ہے۔

جن کتابوں سے مواد لیا گیا ہے ان کے حوالہ جات حاشیہ میں ذکر کر دیے ہیں تاکہ اہل تحقیق حضرات اگر رجوع کرنا چاہیں تو انھیں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ ان ماخذ کی فہرست آخر کتاب میں دے دی گئی ہے، اور سن وفات یا سن تالیف ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

اس بات کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ بندہ نے قبل ازیں اپنی تصنیف ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اقربا نوازی کے طعن کے جواب کے طور پر قریب ایک صد صفحات پر

بیان کیا ہے۔ وہاں آں موصوف کے جتہ جتہ حالات کو ایک ضرورت کے تحت یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے رشتے داروں کی صلاحیت اور کارگزاری کے سلسلے میں دیگر حضرات کے ساتھ بالاختصار ذکر کر دیا تھا۔

لیکن اب اس مقام پر آنجناب کے حالات بالاستقلال پیش کرنے مقصود ہیں۔ مندرجہ سابقہ احوال میں سے بعض امور کو تسلسل مضمون اور تکمیل واقعات کے طور پر دہرانا ایک ضروری امر ہے جس سے احتراز و اجتناب نہیں ہو سکتا۔ بنا بریں بعض واقعات و احوال کا اعادہ بامر مجبوری ہوگا۔ امید ہے اہل علم حضرات اس معاملہ میں ہمیں معذور سمجھیں گے۔

معذرت

✽ ناچیز مؤلف نہ عالم ہے نہ خطیب، نہ اعلیٰ انشاء پرداز اور نہ اہل قلم بلکہ ایک بہت ہی کم علم آدمی ہے اور مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسئلہ کا ادنیٰ خادم ہے۔

✽ تالیف ہذا میں اپنی محدود معلومات کی حد تک اس موضوع پر علمی مواد پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور حتی المقدور باحوالہ بات ذکر کی ہے اور بیشتر مقامات میں اصل عبارات ساتھ ذکر کر دی ہیں، تاکہ اہل علم حضرات کو تسلی ہو سکے اور عبارت سے مزید فوائد حاصل کر سکیں۔

✽ بندہ ناچیز کو غلطیوں سے مبرا ہونے کا ہرگز دعویٰ نہیں، اس بنا پر اگر کسی مقام میں نادانستہ طور پر کوئی غلط چیز درج ہو گئی ہو تو ناظرین درگزر فرماتے ہوئے اس کی اصلاح فرمادیں، اور فوری طور پر راقم الحروف کو مطلع کریں، اور دعا فرمائیں کہ مالک کریم بھی ہمیں معاف فرمائے۔

اور بعض حالات کی بنا پر کتاب ہذا کا دوسرا حصہ یعنی ”جواب المطاعن“ پہلے مرتب کیا گیا ہے جبکہ حصہ اول (سیر و سوانح) بعد میں تالیف کیا جا رہا ہے۔ امید ہے ناظرین کرام دوران مطالعہ اس چیز کو ملحوظ رکھیں گے۔

✽ دیگر گزارش یہ ہے کہ بندہ کی یہ آخری تالیفات ضعف طبع کی وجہ سے عموماً بطور املا کے مرتب ہوئی ہیں، یعنی قلم برداشتہ تحریر نہیں، املا اور قلم برداشتہ تحریر کا جو فرق ہوتا ہے وہ اہل علم پر واضح ہے، ربط عبارات و ارتباط مضامین کے سلسلے میں یہ معذرت پیش نظر رہے۔

اب تمہیدی امور (مقام صحابہ، عدالت صحابہ وغیرہ مضامین) پیش خدمت ہیں۔ اس کے بعد اصل مضمون کتاب شروع ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ
مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

تمہیدی امور میں جناب نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور رفیع مقام کے متعلق مختصراً چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پائی جاتی ہے اور دیگر صحابہ کی طرح ان

فضائل و مکارم میں صحابہ کرام بنو امیہ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بھی داخل اور شامل ہیں۔

کتاب اللہ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے پیغمبر کریم ﷺ کی جماعت کے حق میں متعدد عنوانات کے ساتھ ان کے مقام و مرتبہ کو ذکر فرمایا ہے۔

جماعت صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

لَكُمْ خَيْرٌ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
 ”یعنی تم سب امتوں سے بہتر ہو جو بھیجی گئی عالم میں، حکم کرتے ہو تم اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو
 برے کاموں سے اور اللہ پر تم ایمان لاتے ہو۔“

اس مقام پر ابن حجر مکی رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((فأثبت الله لهم الخيرة على سائر الامم، ولا شيء يعادل شهادة الله لهم
 بذلك، لانه تعالى اعلم بعباده وما فعلوا عليه من الخيرات وغيرها، بل لا
 يعلم ذلك غيره تعالى فاذا شهد تعالى فيهم بانهم خير الامم وجب على
 كل احد اعتقاد ذلك والايمان به، والا كان مكذبا لله في اخباره))

(الصواعق المحرقة (ابن حجر مکی) ص ۲۰۸-۲۰۹ تحت بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ)

”مطلب یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے تمام امم پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیر ہونے کو ثابت کیا اور ان کے حق
 میں اللہ تعالیٰ کی شہادت کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اپنے بندوں کے حالات کا اللہ
 کریم زیادہ عالم ہے اور ان سے جو امور خیر صادر ہوئے ان کا بھی زیادہ جاننے والا ہے، بلکہ ان
 تمام باتوں کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیر الامم ہونے کی اللہ تعالیٰ نے
 شہادت دے دی تو ہر شخص پر اس چیز کا اعتقاد و یقین رکھنا لازم ہے ورنہ (العیاذ باللہ) وہ اللہ تعالیٰ
 کی خبروں کی تکذیب کرنے والا ہوا۔“

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا
 ”یعنی اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو معتدل امت تاکہ تم شہادت دو لوگوں پر (قیامت کے روز)
 اور رسول تم پر گواہ ہوں۔“

آیت ہذا کی وضاحت میں ابن حجر مکی رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے:

((.....والصحابۃ فی هذه الایۃ والتی قبلها هم المشافهون بهذا الخطاب علی

لسان رسول اللہ ﷺ حقیقۃ فانظر الی کونہ تعالیٰ خلقہم عدولا و خیارا لیکونوا شہداء علی بقیۃ الامم یوم القیامۃ، حیثئذ فکیف یتشهد اللہ تعالیٰ بغیر عدول او بمن ارتدوا بعد وفاة نبیہم الاستۃ انفس منہم کما زعمته الرافضۃ)) (الصواعق المحرقة (ابن جریر) ص ۲۰۹ تحت بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ)

”یعنی اس آیت میں اور اس کے ماقبل والی آیت کُنْتُمْ خَیْرًا اُمَّوُاُ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر ان الفاظ کے ساتھ اولاً بالذات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کیا گیا ہے، اور وہی بالمشافہہ آپ کے مخاطب ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف مسلمان کو نظر کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عادل اور خیار پیدا فرمایا ہے تاکہ یہ باقی امتوں پر قیامت کے دن شہادت دے سکیں۔ پس اس وقت عادل کے بغیر اس مقام پر اللہ تعالیٰ کیسے شہادت لائے گا؟ کیا ایسے لوگوں نے جو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے اور صرف چھ افراد باقی رہ گئے؟ جیسا کہ رافضیوں کا خیال ہے۔“

مقصد یہ ہے کہ شہادت میں عادل اور خیار ہونا ضروری ہے۔ عادل اور خیار شخص کے بغیر کوئی آدمی شہادت کا اہل نہیں ہوتا اور اس کا قول دیگر شخص پر نافذ اور موثر نہیں ہوتا۔ فلہذا گواہی دینے والے عادل صادق اور خیار ہوں گے۔ ظالم، کاذب، اشرار اور فسادی لوگ نہیں ہوں گے۔

پس قرآن کریم کی ان آیات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عادل، صادق اور خیار ہونا ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثنا اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ ان میں سے ایک آیت سورۃ تحریم میں وارد ہے کہ:

یَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُوْرُهُمْ يَسْمُوْنَ بِنُوْرِهِمْ وَيَأْتِيَانِهِمْ

”یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمائیں گے جس کے نیچے نہریں چلتی ہیں، جس روز اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے، رسوا نہیں فرمائیں گے۔ ان کا نور ان کے سامنے اور دائیں طرف دوڑتا ہوگا۔“

اس آیت کی تشریح میں علماء فرماتے ہیں:

((.....ومنها قوله تعالى يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ..... (الآية پ ۲۸) فامنهم الله من خزيه ولا يأمن من خزيه في ذلك اليوم الا الذين ماتوا والله سبحانه ورسوله عنهم راض فامنهم من الخزي صريح في موتهم على كمال الايمان وحقائق الاحسان وفي ان الله لم يزل راضيا عنهم وكذلك رسولہ ﷺ)) (الصواعق المحرقة (ابن جریر) ص ۲۰۹ تحت اعتقاد بیان اہل السنۃ)

”اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اس دن کی رسوائی سے بچائیں گے، اور اس دن رسوائی سے نہیں بچ سکیں گے مگر وہ لوگ جو فوت ہوئے اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان سے راضی ہے۔ ان لوگوں کا رسوائی سے محفوظ رہنا اس بات کی وضاحت ہے کہ کمال ایمان اور نیکیوں پر ان کا خاتمہ ہوا، نیز اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ان سے ہمیشہ راضی رہے ہیں۔“

مطلب یہ ہے کہ نبی اقدس ﷺ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والی جماعت (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کی بدولت اس دن عذاب کی رسوائی سے محفوظ رہیں گے جبکہ کفار اور فساق کو اللہ تعالیٰ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کر کے . . .

پس یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی فضیلت اور عزت افزائی ہے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں داخل ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل اور مکارم کو کئی عنوانات کے تحت بیان فرمایا ہے۔

اگر بالفرض بعض دفعہ ان سے لغزش صادر ہوگئی تو اسے معاف فرما کر کمال شفقتوں سے نوازا اور وقتی خطاؤں سے درگزر فرما کر ان پر بے شمار رحمتیں برسائیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں ”غزوہ حنین“ پیش آیا تھا۔ سردار دو جہاں رضی اللہ عنہم کے ساتھ صحابہ کرام، مہاجرین و انصار اور جدید الاسلام مسلمانوں کی عظیم جمعیت تھی۔

قبیلہ ہوازن و ثقیف کے ساتھ اہل اسلام کا مقابلہ ہوا اور شدید جنگ پیش آئی۔ ایک دفعہ مجاہدین کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن اس کے بعد فوراً اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کریم رضی اللہ عنہم کی اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نصرت فرمائی اور سیکنہ نازل فرما کر احسان عظیم فرمایا اور ساتھ ہی نزول ملائکہ کی صورت میں نبی امداد فرمائی جس کو عام لوگ نہیں دیکھ رہے تھے۔ یہ خصوصی رحمت تھی اور یہ نصرت اور فتح مندی مسلمانوں کو جناب نبی کریم رضی اللہ عنہم کی برکت سے حاصل ہوئی اور کفار کو بھاری شکست ہوئی اور مسلمانوں کو بے شمار غنائم حاصل ہوئے۔

اس موقع پر اموال غنیمت کو سردار دو جہاں رضی اللہ عنہم نے جن مجاہدین میں تقسیم فرمایا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ان کو بھی غنائم سے وافر حصہ عنایت فرمایا گیا۔

(۱۱) تیب (ابن عبد البر) ص ۱۸۳ ج ۲ مع الاصابہ تحت صخر بن حرب، طبع مصر)

(۱۲) الفہرست ۱۲-۱۳ ج ۳، تحت صخر بن حرب، طبع تہران)

اس مقام پر جہاں دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت و منقبت ثابت ہے اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما بھی اس فضیلت میں شامل و شریک ہیں۔

آیات و روایات میں کہیں کسی صاحب کا استثنا نہیں واقع ہوا۔ واقعہ حنین میں شرکت کرنے والے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ان فضائل سے مستفیع ہوئے اور اس شرف سے مشرف ہوئے.....

سورہ توبہ میں اس واقعہ کے متعلق فرمان خداوندی اس طرح ہے کہ

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۗ وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ۖ ثُمَّ وَحَبْتُمْ لَكُمْ ۗ وَ لَيْتُمْ مُدَبِّرِينَ ۖ ۝ لَمْ أَنْزَلْ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ ۖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۖ وَ عَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۖ ۝ لَمْ يَتُوبَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَ اللَّهُ عَفُوفٌ رَحِيمٌ

(سورہ توبہ)

اور غزوہ حنین کے متعلق جو آیات سورت توبہ کے چوتھے رکوع میں آئی ہیں ان میں اللہ نے شاطین غزوہ حنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں متعدد فضیلتیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) ایک تو فرشتوں کے ذریعے ان کی نصرت و اعانت کا ذکر فرمایا ہے۔

(۲) اس مقام میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (ﷺ) پر اور مومنین جو غزوہ حنین میں شامل ہوئے ان پر سکینہ کے نزول کا ذکر فرمایا ہے۔

(۳) نیز اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر ان مومنین کے حق میں اپنے نبی لشکر نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

(۴) اس موقع پر جو بعض حضرات سے کوتاہی سرزد ہوئی تھی اس پر اللہ تعالیٰ نے رجوع فرمانے اور توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

ان تمام عنایات خداوندی کے مستحقین میں حضرت امیر معاویہ جناب ابوسفیان اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں اور مذکورہ فضیلتیں حاصل کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید میں سورہ الحدید کے پہلے رکوع میں انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ يَتْلُو الْآيَاتِ ۖ وَ الْأَرْضِ ۖ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ ۖ وَ قَتَلَ ۖ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ ۖ وَ قَاتَلُوا ۖ وَ

كَلَّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (پ ۲۷)

”یعنی کیا ہے تمہارے لیے کہ تم نہیں خرچ کرتے اللہ تعالیٰ کے راستے میں، حالانکہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی میراث ہے، تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا وہ فتح (مکہ) کے بعد والے لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ لوگ باعتبار درجہ کے ان لوگوں کے مقابلہ میں بہت بڑے ہیں جنہوں نے (فتح) مکہ کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ”حسنى“ یعنی جنت کا وعدہ سب سے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔“

ایک ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ فتح مکہ سے قبل یا اس کے بعد ایمان لانے والے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جنتی ہیں اگرچہ ان کا باہمی فرق مراتب مسلم ہے۔

(۱) علامہ قرطبی رضی اللہ عنہ نے تفسیر الجامع الاحکام القرآن میں تحریر کیا ہے کہ:

((..... وَكَلَّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ اِی الْمَتَقَدِّمُونَ الْمَتَنَاهُونَ السَّابِقُونَ وَالْمَتَاخِرُونَ

اللاحقون، وعدهم الله جميعا الجنة مع تفاوت الدرجات))

(تفسیر قرطبی ص ۲۴۱، ج ۱۷ تحت الآیہ سورۃ الحدید)

”یعنی وہ لوگ جو متقدمین اور بہت سبقت کرنے والے ہیں اور دوسرے وہ لوگ جو متاخرین اور ان سے لاحق ہونے والے ہیں ان دونوں فریقوں کے تمام افراد سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، باوجودیکہ یہ لوگ باہم درجات میں متفاوت ہیں۔“

اور تفسیر روح المعانی میں سید محمود آلوسی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

((وَكَالَّا) اِی كِلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْفَرِیْقِیْنِ لَا الْاَوَّلِیْنَ فَقَطْ وَوَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ اِی الْمَثُوبَةَ

الحسنی وهی الجنة)) (تفسیر روح المعانی ص ۱۷۲، ج ۲۷ تحت الآیہ سورۃ الحدید)

(۲) اس مقام پر حافظ ابن حجر عسقلانی اور شیخ سفارینی اور علامہ ابن حجر مکی رضی اللہ عنہم نے ابن حزم رضی اللہ عنہ کے

حوالے سے بیان کیا ہے کہ:

((..... فَقَالَ ابْنُ حَزْمٍ الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَطْعًا، قَالَ تَعَالَى لَا یَسْتَوِی

مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَتَلَ اَوْلَیْكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ

وَ قَتَلُوا ۗ وَ كَلَّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَقَالَ تَعَالَى اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنْهُ الْحُسْنَىٰ اَوْلَیْكَ

عَنْهَا مُبْعَدُونَ فَثَبَتَ اَنْ جَمِیْعُهُمْ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنَّه لَا یَدْخُلُ اَحَدٌ مِنْهُمْ النَّارَ

لَا نَهُمُ الْمَخَاطَبُونَ بِالْاِیَةِ الْاَوَّلَى الْتِی اَثْبَتَتْ لِكُلِّ مِنْهُمْ الْحُسْنَى وَهِيَ

(الجنة)) (حوالہ ہذا ہمارے کتابچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ کی تمہید میں قبل ازیں درج ہو چکا ہے)۔

”یعنی ابن حزم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قطعی طور پر جنتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاہے فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے ہوں یا فتح مکہ کے بعد، سب بے شک اہل جنت ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا، اس لیے کہ پہلی آیت مذکورہ میں لفظ منکم کا مصداق اور مخاطب یہی حضرات ہیں اور ان تمام حضرات کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے، پھر جن لوگوں کے حق میں حسنی (یعنی جنت) سابقاً ثابت ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے، لہذا یہ مخاطبین تمام کے تمام حسب وعدہ الہی جنت کے مستحق ہیں اور دوزخ سے دور کر دیے گئے ہیں، اور اللہ کریم کا وعدہ سچا ہے، وہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔“

مسئلہ ہذا کی تشریح میں مزید یہ چیز ذکر کی جاتی ہے، کہ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا مقام ہے اور جہنم اس کی ناراضگی کی جگہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی (حسب فرمان خداوندی) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے اور رضامندی اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے، (یعنی صفت حادثہ نہیں ہے) اور رضامند ہونے کا فرمان انی شخص کے حق میں دیتے ہیں کہ جس کے متعلق اللہ کریم کو معلوم ہے کہ یہ شخص موجبات رضا پورا کرے گا اور اس کا انجام درست اور اس کی وفات موجبات رضا پر ہوگی۔

پھر جس شخص پر اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے وہ آئندہ کبھی اس پر ناراض نہیں ہوتا۔ حافظ ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((ان الرضا من الله صفة قديمة فلا يرضى الا من عبد علم انه يوافيه على موجبات الرضى ومن رضى الله عنه لم يسخط عليه ابدا))

(الصارم المسلول (ابن تیمیہ) ص ۷۷ فصل فی حکم سب الصحابہ)

”مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس کی صفت قدیمہ ہے، (صفت حادثہ نہیں ہے کہ زائل

۱ الصواعق المحرقة (ابن حجر مکی) ص ۲۱۱ تحت بیان اعتقاد اہل السنة والجماعة۔

۱۱۱ صابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۹ جلد اول تحت نطبة الكتاب۔

عقیدہ سفارینی ص ۳۷۲ جلد ۲۔

مکلی (ابن حزم) ص ۴۴ ج ۱ تحت مسئلہ ۸۵ طبع بیروت

ہو جائے) فلہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں رضامندی دائمی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان کے حق میں دواماً رضامندی ثابت ہونے کی رو سے ان کا دائمی مقام جنت ہے۔“
حاصل یہ ہے کہ جو شخص بھی کتاب اللہ کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اس کے لیے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اہل جنت ہونے کا یقین رکھنا لازم ہے، اور ان تمام حضرات سے ہر قسم کی سوء ظنی اور بدگمانی سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

مندرجات بالا نصوص قرآنیہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بنو امیہ کا استثنا کہیں نہیں پایا جاتا۔ جب ایسا کہیں نہیں تو صحابہ بنی امیہ بھی قطعاً اور یقیناً اس بشارت میں داخل ہیں، اور قاعدہ یہ ہے کہ العبرة لعموم الفاظ لا لخصوص الموارد پس ان فضائل و مکارم کے مصداق جس طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ نیز جنت کی بشارت کے حقدار جیسے باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مژدہ جنت کے مستحق ہیں۔

روایات کی روشنی میں

گزشتہ صفحات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مکارم کے سلسلے میں چند ایک چیزیں کتاب اللہ کی روشنی میں ذکر کی ہیں۔ اب سطور ذیل میں ان حضرات کی فضیلت اور قدر و منزلت روایات کی روشنی میں مختصراً پیش کی جاتی ہے۔

① ایک روایت میں ہے کہ جناب نبی اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اكرموا اصحابي انهم خياركم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم))

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۳-۵۵۴ تحت باب مناقب الصحابہ، فصل ثانی، طبع دہلی)

”یعنی میرے صحابہ کا احترام اور عزت کرو۔ سابق ہوں یا لاحق ہوں، زندہ ہوں یا فوت شدہ ہوں کیونکہ یہ لوگ پسندیدہ اور بہترین لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے ساتھ ملتے ہیں، (تابعین) اور پھر وہ لوگ جو ان کے ساتھ ملتے ہیں (تابع تابعین)۔“

② ایک دوسری روایت میں ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خير امتي قرني ثم الذين يلونهم.....))

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۳-۵۵۴ تحت باب مناقب الصحابہ، فصل ثانی، طبع دہلی)

”یعنی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کا بہترین دور میرا قرن ہے، یعنی جن لوگوں نے میرے دور کو پایا اور میرے ساتھ ایمان لائے وہ اصحاب ہیں، پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان سے ملتے ہیں یعنی رتبے میں ان سے قریب ہوتے ہیں اور ایمان اور یقین میں ان کے پیچھے چلنے والے

ہیں..... یہ تابعین ہیں..... پھر وہ لوگ جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں..... (یہ تبع تابعین ہیں)“

③ ایک دیگر روایت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((.....اللہ اللہ فی اصحابی، لا تتخذوہم غرضاً من بعدی فمن احبہم

فحبیبی احبہم، ومن ابغضہم فببغضی ابغضہم..... الخ))

”یعنی میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو اور میرے اصحاب کے معاملہ میں کسی

کی تنقیص مت کرو، اور ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بناؤ، اور ان کی تعظیم و توقیر قائم رکھو۔“

مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کو مکروہ باتوں کا نشانہ مت بناؤ، جو شخص ان کے ساتھ محبت رکھتا ہے وہ

میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے، جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض

رکھتا ہے..... الخ

یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص ان سے محبت کرے وہ ان کے اعمال، مقامات اور ان کی قربانیوں کی وجہ

سے ان سے محبت کرے۔ نہیں ایسا نہیں بلکہ ان کی محبت کی لم (وجہ) ان کی نبی اقدس ﷺ سے نسبت ہے۔

ظاہر ہے کہ جن کے کمالات ان کے اعمال پر مبنی نہیں ان کے اعمال سے بحث ایک بے جا محنت ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے انھیں جو شان دی ہے وہ نسبت رسول اللہ ﷺ سے دی ہے اور وہ مقام صحابیت ہے۔ (سبحان اللہ)

④ عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی بریدہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:

((.....ما من احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائداً و نورا لہم یوم

القیامۃ)) (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۳ تحت باب مناقب الصحابہ فصل الثانی)

”فرمایا میرے صحابہ میں سے جو صحابی جس علاقے میں فوت ہوا ہے، وہ قیامت کے دن اس زمین

والوں کا قائد اور نور ہدایت بنا کر لایا جائے گا۔“

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توقیر اور عظمت کے لیے روایات کا ایک ذخیرہ ہے، جن میں سے صرف

چند روایات یہاں ذکر کی ہیں۔ ان تمام روایات میں جناب نبی اقدس ﷺ نے اپنے صحابہ کے مقام اور قدرو

منزلت کو واضح فرمادیا ہے اور تمام صحابہ ان مکارم و فضائل کے مصداق اور مستحق ہیں اور ان میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم

کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان فضائل اور مکارم میں داخل ہیں۔

علماء ان کے مقام فضیلت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((.....واما معاویۃ فهو من العدول الفضلاء والصحابة الاخيار))

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ملاحظی قاری، ص ۲۷۲، ج ۱۱، باب مناقب الصحابہ، طبع لبنان)

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل اور صاحب فضیلت صحابہ میں سے ہیں اور اختیار میں ان کا شمار ہے۔“

⑤ امارت اور خلافت کے سلسلے میں جناب نبی کریم ﷺ سے متعدد فرمودات مروی ہیں جن میں یہ امر بیان کیا گیا ہے کہ الائمة من قریش، یعنی قوم کے امام اور پیش رو قریش میں سے ہوں گے، اور دیگر روایات میں فرمایا گیا ہے کہ امارت و خلافت کے معاملے میں قریش باقی اقوام سے زیادہ فائق اور متبوع ہیں اور باقی لوگ ان کے تابع اور پیروکار ہیں۔ اس فرمان نبوی کو متعدد محدثین کرام نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے کہ:

((قام معاویة علی المنبر فقال: قال رسول الله ﷺ الناس تبع القریش فی هذا الامر۔ خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا..... الخ))
مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۸، ج ۱۲، کتاب فضائل، طبع کراچی۔

مسند احمد ص ۱۰۱، ج ۴ تحت احادیث معاویہ بن ابی سفیان۔

المطاب العالیہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۰۳، ج ۲، روایت نمبر ۲۰۲۵ باب الخلافة فی قریش

”یعنی نبی اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دین یا خلافت و امارت کے معاملہ میں دیگر اقوام، قوم قریش کے تابع ہیں۔ دور جاہلیت میں جو لوگ پسندیدہ و اختیار تھے وہ اسلام میں بھی پسندیدہ اور اختیار ہیں جبکہ دین میں سمجھ پیدا کریں اور دین اسلام پر عمل پیرا ہوں۔“

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے قریش کا جاہلیت کے دور کا مرتبہ و شرف کم نہیں کیا۔ جس طرح جاہلیت کے دور میں قریش اپنی قوم کے قائد و رئیس تھے اسی طرح اسلام میں سردار و پیش رو ہیں، بشرطیکہ دین پر قائم رہیں۔

مختصر یہ ہے کہ قبائل قریش کے اسلام لانے سے اسلام میں ان کی عزت افزائی ہوئی، انھیں پچھلی مخالفت کے باعث کہیں عزت و شرف سے محروم نہیں رکھا گیا۔ قریش کے متعدد قبائل تھے ان میں بنو امیہ ممتاز قبیلہ تھا۔ جس طرح باقی قبائل کے افراد کو اختیار و اختیار فرمایا گیا اسی طرح بنو امیہ قبیلہ کے افراد بھی اس شرف سے نوازے گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو امیہ کی نامور شخصیت ہیں، وہ بھی اس شرف و اعزاز میں شریک و شامل ہیں۔

شرف صحبت کا لحاظ

اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے سلسلہ میں یہ چیز بڑی قابل قدر ہے کہ نبی اقدس ﷺ کی

صحبت کے شرف کو ایک نعمت غیر مترقبہ اور نعمت کبریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں عہد فاروقی کا ایک واقعہ علماء ذکر کیا کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اصحابہ کی ابتدا میں اور ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے صواعق محرقة میں لکھا ہے کہ: ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بدوی لایا گیا، اس نے (کسی وجہ سے) حضرات انصار کی ہجو کر دی تھی، بطور سزا دلوانے کے اسے پیش کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حالات کی جستجو کی) تو معلوم ہوا کہ یہ بدوی تو صحابی ہے۔

اس کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس نے ہجو تو کیا کچھ کی، مجھے معلوم نہیں، اس پر اس کو سزا دی جاتی لیکن اس کے لیے تو شرف صحبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے، (اس وجہ سے رعایت کر دی اور کوئی سزا نہیں دی)۔

روایت میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے، سزا تو اپنی جگہ ہے، عتاب بھی نہیں کیا کیونکہ انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ثابت ہے۔

علماء نے فرمایا کہ یہ واقعہ اس چیز کی شہادت دیتا ہے کہ دور اول میں یہ حضرات اعتقاد رکھتے تھے کہ شان صحبت پیغمبر کے برابر کوئی چیز نہیں۔

((.....ذالك البدوي اتى به عمر بن الخطاب رضي الله عنه وقد هجا الانصار فقال لهم عمر لو لا ان له صحبة من رسول الله صلى الله عليه وسلم ما ادري ما نال فيها لكفيتكموه ولكن له صحبة من رسول الله صلى الله عليه وسلم - لفظ علي بن الجعد ورجال الحديث ثقات وقد توقف عمر رضي الله عنه عن معاتبته فضلا عن معاقبته لكونه علم انه لقي النبي صلى الله عليه وسلم وفي ذلك ابين شاهد علمي انهم كانوا يعتقدون ان شان الصحبة لا يعدله شيء))

۱۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۱ ج ۱، تحت خطبة الكتاب الفصل الثالث

۲۔ الصواعق المحرقة (ابن حجر مکی) ص ۲۱۲ تحت الخاتمة فی بیان اعتقاد اہل السنن

۳۔ تاریخ ابن عساکر مخطوطہ عکسی ص ۴۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان

مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا فرمان

اسی طرح مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں فضیلت صحبت کے مضمون کو بار بار دہرایا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

((.....فانهم في فضيلة صحبة خير البشر مشتركون وفضيلة الصحبة فوق جميع الفضائل والكمالات ولهذا لم يبلغ اويس القرني الذي هو خير

التابعین مرتبة ادنی من صحبته علیہ الصلوٰۃ والسلام، فلا تعدل بفضیلة الصحابة شیئا کائنا من کان فان ايمانهم ببركة الصحابة ونزول الوحي بصیر شهودیا ولم يتفق لاحد بعد الصحابة هذا الرتبة من الايمان والاعمال متفرعة علی الايمان کمالها علی حسب کمال الايمان))

(مکتوبات امام ربانی ص ۳۰، دفتر اول، حصہ دوم مکتوب نمبر ۵۹، طبع لاہور)

”یعنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اقدس کی صحبت کی فضیلت میں مشترک ہیں اور صحبت کی فضیلت تمام فضائل و کمالات پر فوقیت رکھتی ہے، اسی بنا پر حضرت اولیس قرنی رضی اللہ عنہ جو خیر التابعین ہیں، وہ ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ پس صحبت کی فضیلت کے برابر کوئی چیز بھی نہیں۔ صحبت پیغمبر اور نزول وحی کی برکت سے ان کا ایمان شہودی قرار پایا ہے۔ (یعنی مشاہدہ کا ایمان ہے، غائبانہ نہیں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کسی ایک کے لیے بھی اس مرتبے کا ایمان حاصل نہیں، اور اعمال ایمان پر متفرع ہوتے ہیں اور اعمال کا کامل ہونا ایمان کے کمال کے موافق اور مطابق ہوتا ہے۔“

ان ضوابط کے پیش نظر شیخ موصوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات کی فضیلت کے انکار سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضل و اکرام کا انکار لازم آتا ہے، کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحبت نبوی کے شرف سے یکساں طور پر مشرف ہیں۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رضی اللہ عنہ کا قول

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رضی اللہ عنہ اپنے دور کی شخصیت کاملہ ہیں اور اکابر صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں، وہ

اپنے ”مکتوبات قدوسیہ“ میں صحابیت کی فضیلت اور مقام صحبت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”..... آ رہے در اعتقاد است کہ غیر صحابہ اگرچہ در مرتبہ رفیعہ رسد و صاحب ولایت، و صاحب تصرف، و عطا گردد بمرتبہ صحابہ کرام نہ رسد کہ فضل صحبت فضل کلی است۔ و آں فضل جزوی، و فضل جزوی با فضل کلی برابر بود۔“ (منتخب مکتوبات قدوسیہ ص ۵۰ طبع مجبائی دہلی)

”مطلب یہ ہے کہ اعتقادات میں یہ چیز مسلم ہے کہ غیر صحابی اگرچہ بلند مرتبہ ولایت اور مقام تصرف و عطا کو پہنچ جائے پھر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبہ و مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ صحبت نبوی کو فضیلت کلی کا درجہ حاصل ہے جبکہ مقام ولایت وغیرہ کو فضیلت جزوی کا مرتبہ حاصل ہے اور جزوی فضیلت، فضیلت کلی کے برابر اور مساوی نہیں ہو سکتی۔“

حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان

اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفصیل کے مسئلے کو نہایت عمدہ انداز

سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

”سر تفضیل صحابہ بر ہر کہ بعد از ایشاں آمد آنست کہ ایشاں واسطہ اند میاں پیغمبر ﷺ و ایں جماعت متاخرہ و از جہت غلبہ اسلام بواسطہ ایشاں و رسیدن علم بسبب ایشاں۔ امر ملت مشابہت تمام دارد بدیوارے کے ہر خشت فوقانی متفرع است بر خشت تحتانی دواسطہ استقامت اوست، تا آنکہ کار باساس رسد۔ ہم چنین ہر قرن متاخرہ مستمد و منت پذیر قرن مقدم است در شرایع اسلام و علوم و ہدایت و شرع تا آنکہ امر منتہی گردد بصاحب شرع کہ از جانب خدا تعالیٰ شریعت را بی واسطہ آوردہ۔“ (قرۃ العینین از شاہ ولی اللہ ص ۴۵، طبع مجہائی دہلی)

”مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے لوگوں پر صحابہ کی تفضیل کی حکمت یہ ہے کہ متاخرین جماعت اور پیغمبر کریم ﷺ کے مابین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واسطہ اور رابطہ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وجہ سے اسلام غالب آیا اور ان کی بدولت ہمیں علم دین پہنچا۔ ملت کے اس معاملہ کی کامل تمثیل ایک دیوار کے ساتھ دی جاسکتی ہے کہ جس کی ہر خشت فوقانی ہر خشت تحتانی پر متفرع ہے اور اس کی استقامت کا واسطہ اور ذریعہ ہے۔ اس طریقہ سے دیوار کی تکمیل ہوئی ہے۔ اسی طرح ہر متاخر دور ہر مقدم دور سے استفادہ کرنے والا ہے اور اس کا منت پذیر ہے، یعنی احکام شرعی و علوم دینی و حصول ہدایت میں متاخرین کا انحصار متقدمین پر ہے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ صاحب شرع (ﷺ) تک جا کر منتہی ہوتا ہے جس ذات نے بلا واسطہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جانب سے شریعت لائی ہے۔“

حاصل یہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم امت مسلمہ اور پیغمبر کریم ﷺ کے درمیان حصول دین، وصول شریعت اور اخذ ہدایت کے لیے واسطہ اور ذریعہ ہیں اور یہ عظیم شرف اور کمال فضیلت کسی دیگر قوم کو نصیب نہیں، یہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔

عدالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

مسئلہ ہذا جمہور علمائے امت کے نزدیک مسلم ہے کہ نبی اقدس ﷺ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل تھے اور ان کا عادل اور خیار ہونا جمہور اہل اسلام کے نزدیک مجمع علیہ اور فیصلہ شدہ امر ہے، کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں۔

اس چیز پر ہم اکابر علماء کے چند ایک بیانات بطور تائید و تصدیق پیش کرتے ہیں تاکہ ناظرین کرام کے اطمینان کا باعث ہو سکیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی رضی اللہ عنہ تحریر کرتے ہیں کہ:

((.....(اعلم) ان الذی اجمع علیہ اهل السنة والجماعة انه يجب علی کل مسلم تزکیة جمیع الصحابة باثبات العدالة لهم، والكف عن الطعن فیہم

والثناء علیہم)) (الصواعق المحرقة (ابن جریر) ص ۲۰۸ بیان اعتقاد اہل السنۃ)

”یعنی جس چیز پر اہل سنت والجماعت نے اتفاق کر لیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں عدالت کا اثبات، ان کے خلاف طعن و تشنیع سے کف لسان اور ان کی ثنا کے ساتھ تزکیہ پیش کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔“

① اور خطیب بغدادی رضی اللہ عنہ نے کفایہ میں لکھا ہے کہ:

((ان عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم واخباره عن طهارتهم واختياره لهم في نص القرآن)) (الكفایہ (خطیب بغدادی) ص ۳۶ باب ماجاء فی تعديل الله ورسوله)
”یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عادل ہونا، ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی تعديل اور ان کے حق میں تزکیہ کی دینے اور ان کو اپنی کتاب میں پسندیدہ قرار دینے کی وجہ سے یقیناً ثابت ہے۔“

② ابن عبد البر رضی اللہ عنہ نے استیعاب کے مقدمہ میں مسئلہ ہذا کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

((فهم خير القرون وخير امة اخرجت للناس ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عزوجل عليهم وثناء رسول الله ﷺ - ولا اعدل ممن ارتضاه الله لصحبة نبيه ﷺ ونصرته ولا تزكية افضل من ذلك ولا تعديل اكمل منها))

(الاستیعاب، ابن عبد البر مع الاماہ ص ۲ ج ۱، تحت خطبة الكتاب)

”یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیر القرون اور بہترین امت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں کے قائدے کے لیے پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ان کی مدح و ثنا کی بدولت ان کی عدالت ثابت ہے۔ اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی صحبت اور نصرت کے لیے پسند فرمایا اس سے زیادہ عادل اور کون ہو سکتا ہے؟ اور اس تزکیہ سے بڑھ کر کوئی اور تزکیہ افضل نہیں ہو سکتا، اور اس تعديل سے زیادہ کمال اور کوئی تعديل نہیں ہو سکتی۔“

③ اور اسی مضمون کی تائید میں ہم حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

((.....وجميع ذلك (النصوص) يقتضى القطع بتعديلهم ولا يحتاج احد منهم مع تعديل الله له الى تعديل احد من الخلق))

(الاماہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۷ ج ۱، فصل ثالث فی بیان حال صحابہ)

”یعنی یہ تمام نصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعديل کے یقینی ہونے کی متقاضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعديل کے ہوتے ہوئے مخلوقات کی طرف سے کسی تعديل کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔“

④ اور ابن صلاح نے علوم الحدیث میں مسئلہ ہذا کو نہایت صریح کر دیا ہے اور ایک مقام پر فرماتے ہیں:

((.....الثانية للصحابة باسرههم خصيصة وهي انه لا يسأل عن عدالة احد منهم، بل ذلك امر مفروغ منه لكونهم على الاطلاق معدلين بنصوص الكتاب والسنة واجماع من يعتد به في الاجماع من الامة)) (علوم الحديث (مقدمه ابن ملاح) ص ۲۶۳، ۲۶۵۔ تحت النوع ۳۹)

”یعنی تمام صحابہ کے لیے خاص طور پر یہ بات ثابت ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی عدالت کے بھی متعلق سوال نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ امر فیصلہ شدہ ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نصوص (کتاب و سنت) کے ذریعے سے علی الاطلاق عادل قرار دیے گئے ہیں۔ اور جن حضرات کا اجماع میں اعتبار کیا جاتا ہے ان کے اتفاق کرنے کی وجہ سے بھی عادل قرار پائے گئے ہیں۔“

⑤ اور دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں کہ:

((.....ثم ان الامة مجمعة على تعديل جميع الصحابة ومن لا بس الفتن منهم فكذلك باجماع العلماء الذين يعتد بهم في الاجماع احسانا للظن بهم ونظراً الى ما تمهدلهم من الماثر، كان الله سبحانه وتعالى اتاح الاجماع على ذلك لكونهم نقلة الشريعة، والله اعلم))

۱۔ علوم الحديث (مقدمه ابن ملاح) ص ۲۶۳ تحت نوع ۳۹

۲۔ التريب مع تريب الراوى ص ۴۰۰، ۴۰۱ تحت نوع ۳۹

”یعنی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعدیل اور خیر ہونے پر امت کا اتفاق ہو چکا ہے اور اسی طرح جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے دور کے فتنوں میں مبتلا ہوئے ان کی تعدیل پر بھی قابل اعتماد علماء کا اجماع ہے۔ یہ ان کے ساتھ حسن ظن رکھنے اور ان کے ماثر خیر کی طرف نظر کرنے کی بنا پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر اجماع مقدر کر دیا، اس وجہ سے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریعت اسلامیہ کے ناقل اور دین کے پہنچانے والے ہیں۔“

⑥ مسئلہ ہذا کو ابن ہمام رضی اللہ عنہ (المتوفى ۵۸۶ھ) نے اپنی مشہور کتاب التحریر میں، ابن امیر الحاج رضی اللہ عنہ نے التقریر والتجیر (شرح التحریر) میں علامہ سبکی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مفصل ذکر کیا ہے، لیکن اختصار کے پیش نظر ہم نے صرف حوالہ ذکر کر دیا ہے۔

(التقریر والتجیر از ابن الحاج ص ۲۶۰۔ ۲۶۱ تحت مسئلہ علی الاکثر علی عدالة الصحابة)

④ اور ابن مظفر اسفرائینی رضی اللہ عنہ نے بھی التہمیر فی الدین تحت باب الخامس عشر الفصل الاول فی بیان اعتقاد اہل السنہ میں اس مسئلہ کی عمدہ تفصیل ذکر کی ہے۔ (التہمیر فی الدین، ابن مظفر اسفرائینی ص ۱۶۳۔ ۱۶۵ باب ۱۵)

اہل تحقیق حضرات ان مقامات کی طرف رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت اور وثاقت کا مسئلہ امت کے اکابر علماء کے نزدیک مسلمات میں سے ہے۔ ان میں سے کسی ایک صحابی پر غیر ثقہ یا غیر عادل ہونے کا طعن کرنا ہرگز روا نہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی زمرہ کے ممتاز فرد ہیں اور اسلام کی نامور شخصیت ہیں اور حاکم عادل ہیں۔ فلہذا ان کی دیانت، عدالت اور وثاقت میں کوئی کلام نہیں۔ اس مسئلہ میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کا یکساں حکم ہے۔

تکمیل مسئلہ (حاشیہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت کا مسئلہ جب ذکر کیا جاتا ہے تو مخالفین اور معاندین صحابہ اس مسئلہ کے معارضہ میں ”معیار صحابیت“ کے عنوان سے ایک دستاویز تیار کر کے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعدد معاصی سرزد ہوئے اور وہ گناہوں میں مبتلا پائے گئے۔ فلہذا صحابہ رضی اللہ عنہم عادل اور ثقہ نہیں۔

چنانچہ اس پر وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خطاؤں کی ایک فہرست مرتب کرتے ہیں جس میں ان کی ایک ایک لغزش شمار کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوء ظن پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں اور عوام میں نفرت اور انتشار پھیلاتے ہیں۔ مثلاً:

- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے، شراب خوری، زنا کا صدور اور کذب کا ارتکاب وغیرہ۔
- خطبہ جمعہ کے دوران میں صحابہ اٹھ کر چلے گئے۔
- بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوات میں دشمن کے مقابلہ میں میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، یا ان سے جہاد میں شرکت سے کوتاہی ہوئی۔
- بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے باہم قتال کیا جو شرعاً مذموم ہے۔
- اسی طرح کئی خطائیں صحابہ رضی اللہ عنہم سے سرزد ہوئیں۔

بعض مرویات میں ہے کہ اصیحابی اصیحابی انک لا تدری ما احدثوا بعدک بقول معترضین اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا احداث فی الدین اور اعراض عن الدین ثابت ہے۔

اس چیز کے جواب میں چند ایک امور ذیل میں پیش خدمت ہیں جن پر بنظر انصاف غور کرنے سے ان شبہات کا ازالہ ہو سکے گا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوء ظنی مرتفع ہو سکے گی اور اصل صورت حال واضح ہوگی۔

اولاً یہ چیز قابل توجہ ہے کہ بعض دفعہ ایسا مواد بھی کتابوں میں پایا جاتا ہے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مطاعن فراہم کیے جاتے ہیں مگر یہ مواد بیشتر تو خالص جھوٹ و افتراء اور اختراع ہوتا ہے اور سبائیوں کی خود ساختہ اور روافض و خوارج وغیرہ کی مجروح روایات ہوتی ہیں جو بے سرو پا ہونے کی وجہ سے خرافات کے

درجہ میں ہیں۔ اور عموماً ارباب فضول کی یہ منقولات ہوتی ہیں اور ارباب فضول کی مرویات کا اہل فن کے نزدیک کوئی وزن نہیں۔

اس نوع کی مشتبہ وغیر متیقنہ مرویات سے صحابہ کے حق میں اعتراضات مرتب کر کے میدان طعن میں لانا بالکل غلط ہے اور ناقابل تسلیم ہے۔

ثانیاً یہ چیز قابل وضاحت ہے کہ اس دور میں بعض لوگ مرض نفاق میں مبتلا تھے جنہیں منافقین کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور بعض لوگ اعراب (بادیہ نشین) تھے جو جدید الاسلام ہونے کی وجہ سے آداب شرعی سے ناواقف تھے۔

پھر اس دور میں منافقوں اور اعراب سے خلاف شرع امور کا صدور اور ان کی کوتاہیوں کا قرآن مجید میں الگ ذکر موجود ہے اور قرآن مجید نے کئی مقامات پر ان لوگوں کے غلط کردار و افعال کا الگ ذکر کیا ہے اور انہیں ایک گروہ کی حیثیت سے بیان کرتے ہوئے ان کی منافقانہ صفات و حالات کو واضح کر دیا ہے۔ (جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نہیں پائی جاتیں)۔

علامات منافقین

وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالٍ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا
وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَوْهُونٌ
يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ لَسُوا اللَّهُ فَتَسِيحُهُمْ
بَشِيرِ السُّفْحِينَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَاءْنَا بِالْبَشِيرِ وَالنَّذِيرِ إِنَّهُمْ لَمِنَ الْكَافِرِينَ أُولَئِكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
وغیرہ وغیرہ کئی آیات میں منافقوں کی صفات و علامات ذکر کی گئی ہیں۔

مندرجہ بالا آیات کا مفہوم یہ ہے کہ:

- جس وقت منافق لوگ نماز کی طرف کھڑے ہوتے ہیں تو ست اور بوجھل ہو کر کھڑے ہوتے ہیں۔
- یہ لوگ لوگوں کے سامنے دکھلاوا کرتے ہیں
- اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ نہیں یاد کرتے مگر تھوڑا سا
- یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) نہیں خرچ کرتے مگر برے دل سے (دلی کراہت سے کچھ خرچ کرتے ہیں)
- یہ لوگ برائی کا حکم کرتے ہیں اور اچھائی سے منع کرتے ہیں
- یہ لوگ اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں (خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں) انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بھلا دیا ہے۔

✽ منافقین کو بشارت دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

✽ یہ لوگ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔

ما قبل میں منافقین کی چند ایک چیدہ چیدہ صفات کا ذکر قرآن مجید کی روشنی میں ہوا۔ ہر ایک صفت پر نظر کریں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان صفات و عادات رذیلہ سے کوسوں دور ہیں اور مومنانہ صفات کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ منافقانہ خصائل کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اس چیز پر کتاب و سنت شاہد عادل ہے اور اس دور کے واقعات و حالات گواہ ہیں۔

مخالفین صحابہ اپنی کج روی اور کج فہمی کی بنا پر ان منافقانہ صفات سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملوث کرنے کی جسارت کرتے ہیں حالانکہ منافقانہ صفات کے حامل الگ افراد تھے جن کی منافقانہ صفات کا ذکر قرآن مجید نے بصراحت بیان کیا ہے۔

تعالل نبوی

مثلاً: علاوہ ازیں جناب نبی اقدس ﷺ کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدت العمر جو ”تعالل“ رہا اور جو ”معاملہ“ فرماتے رہے یہ چیز بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے اخلاص دینی کے لیے مستقل شواہد کے درجہ میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جناب نبی کریم ﷺ کے تعالل اور معاملات میں ان اعتراضات کا واضح طور پر جواب موجود ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحیح ایماندار تھے اور منافقانہ صفات کے حامل ہرگز نہیں تھے ورنہ ان کے ساتھ صاحب نبوت ﷺ کی طرف سے یہ معاملات روانہ رکھے جاتے بلکہ ان سے اجتناب و احتراز اختیار کرتے ہوئے ان کے ساتھ غلطی اور شدت کا معاملہ کیا جاتا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ..... الخ

رابعاً: قرآن مجید کے نزول کا دور مسلمانوں کے لیے حصول تربیت اور اصلاح کا دور ہے، عقائد و اعمال کی تصحیح اور تکمیل دین کا زمانہ ہے۔ ان ایام میں اہل اسلام کی کوتاہیوں اور تقصیروں پر تنبیہ کیا جانا کوئی معیوب نہیں۔ اور دین کے تکمیلی مدارج میں کسی لغزش پر عتاب و سرزنش کا پایا جانا کوئی قبیح چیز نہیں۔ بلکہ یہ چیزیں حسب موقع اصلاحات کے درجہ میں شمار ہوتی ہیں۔

دیگر یہ چیز بھی مسلمات میں سے ہے کہ شریعت کے تمام مسائل بیک وقت نافذ نہیں ہوئے بلکہ احکام شرعی کا اجرا بتدریج عمل میں آیا اور حسب موقع احکام نازل ہوتے رہے اور ان فرمودات پر عمل درآمد ہوتا رہا۔

ان حالات میں بعض مسلمانوں سے آداب شریعت کی ناواقفیت کی بنا پر نادانستہ طور پر کئی امور صادر ہوئے۔ اس صورت میں ان سے خطاؤں کا سرزد ہونا قابل اعتراض نہیں۔ کیونکہ انھیں شرعی مسائل کا پہلے سے علم نہیں تھا۔ مسئلہ کی صحیح صورت معلوم ہو جانے کے بعد انھوں نے اپنے عمل و کردار کو درست کر لیا اور اپنی غلطی

سے تابع ہو کر اس سے کنارہ کش ہو گئے اور بقا علی الخطا سے محفوظ رہے۔

خامساً: بعض مواقع میں اس طرح بھی ہوا کہ چند افراد سے شرعی احکام کے خلاف عمل صادر ہوا تو ان کی غلطی کی اصلاح کے لیے احکام نازل ہوئے جو اس سے قبل مستور اور پوشیدہ تھے اور ان کی غلطی کی وجہ سے امت کے لیے ان مستور احکام کی وضاحت سامنے آئی۔ جیسا کہ بعض لوگ اپنی لاعلمی کی بنا پر خطبہ جمعہ کے دوران میں اٹھ کر چلے گئے تو اس پر قرآن مجید میں ان لوگوں کے متعلق تنبیہ کی گئی اور اس موقع کے آداب امت مسلمہ کے سامنے آئے جو اس سے قبل معلوم نہیں تھے۔

اب اس چیز نے آئندہ کے لیے ہدایت کا کام دیا۔ ایسے واقعات کو مقام طعن میں پیش کرنا عقلمندی نہیں اور ان سے اعتراض تجویز کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

سادساً: صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعلق بعض خطاؤں اور معاصی کے ایسے واقعات منسوب ہیں جن میں وہ مجتہد ہیں اور انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر وہ فعل کیا۔ لیکن بہت سے لوگوں کو ان کی وجہ اجتہاد کا اور اک نہ ہونے کی وجہ سے وہ افعال خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ شرعی حکم پر عمل کرنے کی ایک دوسری شکل ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنے اجتہاد کی بنا پر اگر لغزش اور غلطی سرزد ہو بھی جائے تو وہ اجتہادی خطا ہوتی ہے اور حسب تصریح حدیث اجتہاد میں خطا ہونے پر گناہ لازم نہیں بلکہ ان کو ایک اجر ملنے کی امید ہے۔ چنانچہ فرمان نبوت اس طرح ہے کہ:

((إذا حکم الحاکم فاجتهد و اصاب فله اجران اذا حکم واجتهد و اخطأ فله

اجر واحد)) (متفق علیہ)

۱۔ بخاری جلد ۲ ص ۲۹۰۱ باب اجر الحاکم اذا اجتهد الخ)

۲۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۳ باب العمل فی القضا)

سابعاً: اگر بعض افراد سے ایسے کام سرزد ہوئے جو اجتہاد سے متعلق نہیں بلکہ واقع میں معصیت ہیں تو ایسے افعال و اعمال ان کی اسلامی زندگی میں عموماً قلیل و شاذ ہوں گے اور ان کے بے شمار حسنات اور اسلامی خدمات کے پیش نظر یہ قابل ذکر ہی نہیں۔ ان الحسنات ینذہبن السینات ایک مسلم قاعدہ ہے پھر وہ لوگ خشیت الہی اور اپنی فطرت سلیمہ کی بنا پر معاصی پر قائم و دائم نہیں رہے بلکہ تابع ہو گئے اور ان کے لاتعداد اعمال صالحہ اور حسنات کثیرہ کی وجہ سے ان کی وہ خطائیں معاف ہو گئیں اور اس معافی کا اعلان کتاب اللہ میں اللہ کریم کی رضامندی (رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ) کے عنوان سے کر دیا گیا۔ (السنن، ذہبی ص ۲۲۰-۲۲۰)

مسئلہ ہذا کی مزید وضاحت

اگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے گناہ سرزد ہو گئے اور لغزش پائی گئی تو یہ چیز قابل قدح نہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے "معلوم

فضائل“ اور ”سوابق اعمال خیر“ کے مقابلہ میں یہ چیز معجز نہیں۔ کیونکہ آخرت میں معصیت کے عقاب کے مرتفع ہونے کے لیے کتاب و سنت کی روشنی میں متعدد صورتیں موجود ہیں جن سے اخروی سزا مرتفع ہو جاتی ہے اور معافی کا سامان ہو جاتا ہے۔

چنانچہ درج ذیل امور پر توجہ فرمائیں:

● اللہ کریم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں نہ صرف مغفرت کا وعدہ فرمایا بلکہ ان سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ بعض مقامات میں وَ لَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ فرمایا اور بعض جگہ ارشاد ہوا کہ لَمْ أَنْزَلِ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ... الخ یہ تمام صورتیں مالک کریم کی طرف سے معافی کی ہیں۔

● توبہ گناہ اور معصیت کو مٹا دیتی ہے اور یہ چیز مسلم ہے ((التائب من الذنب كمن لا ذنب له))

● مومن کی حسنات اور نیکیاں اس کے معاصی کو ختم کر دیتی ہیں ((ان الحسنات يذهبن السيئات))

● زندگی میں مومن پر جب مصائب آتے ہیں اور ان پر صبر کرتا ہے تو یہ عمل اس کے معاصی کا کفارہ ثابت ہوتا ہے اور اس سے اس کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔

● مومن کی مومن بھائی کے حق میں دعائے مغفرت سے اس کے معاصی معاف کر دیے جاتے ہیں۔

● جناب نبی کریم ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں استغفار فرمانا ثابت ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے شفاعت و سفارش ہوگی جو یقیناً مغفرت کا باعث اور معافی کا ذریعہ ہے۔

● مومن کے ایسے اعمال صالحہ جاریہ جو اس کی موت کے بعد بھی اس کے لیے اجر و ثواب کا ذریعہ ہیں معاصی کی تلافی کا باعث بنتے ہیں۔

● مومن کی وفات کے بعد دوسرے مومن کا اپنے بھائی کے لیے اعمال صالحہ کا اہدا کرنا اور ثواب پہنچانا نجات اخروی کا باعث ہے مثلاً (صدقہ، حج وغیرہ)

● اگر کسی صاحب سے گناہ کی بات سرزد ہوئی اور اتفاقاً اسے توبہ کا موقع نہیں ملا تو برزخی سزا کے ذریعے سے اسے پاک و صاف کر دیا جائے گا تاکہ آخرت کا عذاب اس پر نہ رہے اور اسے اخروی سزا سے نجات مل جائے۔

● اولاد صالحہ ایک صدقہ جاریہ ہے اور پھر اولاد صالحہ کی اپنے والدین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنا عند اللہ الکریم مقبول ہے اور اس سے اخروی نجات ہو جاتی ہے۔ (المستغنی ذہبی ص ۳۸۶-۳۹۲)

خلاصہ یہ ہے کہ افراد امت کے معاصی کے سقوط کی جو صورتیں پائی جاتی ہیں ان تمام میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زیادہ حقدار ہیں، اور بعد والی امت سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدح و ثنا کے بھی زیادہ مستحق ہیں اور ہر مذمت و عیب کے ازالہ کے لیے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔ (المستغنی، ذہبی ص ۳۲۰)

اسی بنا پر علمائے امت بطور نصیحت تحریر کرتے ہیں کہ:

صحابہ کے ماسوا لوگوں پر ناقدانہ کلام کرنے کی بہ نسبت صحابہ پر نقد کرنا شدید ہے اور اعتراض وارد کرنا زیادہ گناہ ہے کیونکہ یہ حضرات باعتبار عزت و عظمت کے زیادہ محترم ہیں اور باعتبار مرتبہ کے زیادہ قدر و منزلت والے ہیں اور پاکیزہ انساب کے حامل ہیں۔ (المستغنی، ذہبی ص ۳۲۵)

نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمومی و خصوصی فضائل کتاب و سنت سے اس قدر ثابت ہیں جو ان کے ماسوا کے لیے نہیں پائے جاتے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہیں اور یہ لوگ جنت کے مستحق ہیں اور خیر امت ہیں، ان کا انجام بالآخر پایا گیا۔ اور شرعی قاعدہ ہے کہ ((ان العبرة بالخواتیم)) ان حضرات کا خاتمہ بالآخر ہوا۔

ایک اشتباہ پھر اس کا جواب

مخالفین صحابہ کی طرف سے صحابہ پر ایک مشہور اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ قیامت میں صحابہ کو دوزخ کی طرف لے جانے لگیں گے تو جناب نبی کریم ﷺ ارشاد فرمائیں گے: اصحابی اصحابی الخ یا اصحابی اصحابی تو قادر مطلق کی جانب سے فرمان ہو گا کہ ((انک لا تدری ما احدثوا بعدک.....)) اور فرمایا جائے گا کہ ((انہم لن یزالوا مرتدین علی اعقابہم منذ فارقتہم))

روایت ہذا میں محدثین نے روایت کی تشریح کے تحت یہ بات ذکر کی ہے کہ ان اصحاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام لائے تھے لیکن بعد میں انہوں نے ارتداد اختیار کر لیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتد ہو گئے۔ اکثر یہ لوگ بنی حنیفہ اور بنی تمیم وغیرہ میں سے تھے جو بطریق وفادت (وفود کی صورت میں) نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر بعد میں دین سے انحراف کر کے خائب و خاسر ہوئے۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”مراد از اشخاص مذکورین مرتدین اند کہ موت آنها بر کفر شد و هیچ کس از اہل سنت آں جماعہ را صحابی نمی گوید و معتقد خوبے و بزرگے آنها نمی شود اکثر بنی حنیفہ و بنی تمیم کہ بطریق وفادت بزیارت آنحضرت مشرف شدہ بودند باین بلا مبتلا گشتند و خائب و خاسر شدند۔“

مخالفین صحابہ (شیعہ) نے روایت مذکورہ میں اکابر اور مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مراد لے کر طعن ہذا وارد کیا ہے۔

یہ چیز ہرگز درست نہیں اس لیے کہ ان حضرات کے حق میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بے شمار

مقامات میں ان کے اوصاف حمیدہ بیان کیے ہیں اور ان کے ایمان، اسلام اور اعمال صالحہ پر بشارات ذکر فرمائی ہیں اور احسن جزا کا وعدہ فرمایا ہے۔

الشُّهَدَاءُ الْأَوْلَىٰ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ
رَاضُوا عَنْهُ..... الخ (توبہ)

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتْلَ أُولِيكَ أَعْظَمَ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا
مِنْ بَعْدُ وَكُنْتُمْ أَكْثَرًا ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (الحديد)

اسی طرح بے شمار احادیث میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مغفرت اخروی، کامیابی اور دخول جنت کی بشارات ذکر کی گئی ہیں۔ مثلاً عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اسی عالم میں جنت کی بشارت زبان نبوت سے ثابت ہے۔ بنا بریں مذکورہ بالا روایت (اصیحابی اصیحابی..... الخ) میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد نہیں ہو سکتے اور ان پر اس روایت کے ذریعے سے اخروی عذاب کی سزا کا اطلاق ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ ہے کہ روایت بالا میں ایسے لوگ ہی مراد ہیں جنہوں نے اسلام چھوڑ کر ارتداد اختیار کیا اور دین سے برگشتہ ہو گئے۔ وہ صحابہ میں شمار نہیں۔

حاصل بحث

یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اگر بعض مواقع میں خلاف صواب اعمال صادر ہوئے اور خطائیں سرزد ہوئیں تو ان کی معافی و تلافی کا سامان کئی طریقوں سے ہو گیا اور ان کی مغفرت کی بے شمار صورتیں پائی گئیں جیسا کہ ہم نے اس چیز کو سابق سطور میں عرض کر دیا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت اور وثاقت کا مسئلہ نصوص قطعیہ کی روشنی میں یقیناً صحیح ہے اور ضروریات دین میں سے ہے اور اکابرین امت کے فرمودات کے موافق اسے تسلیم کرنا واجب ہے جس طرح کہ اصل متن کتاب میں درج کیا ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتاب اللہ کی حقانیت اور رسالت کی صداقت کے عینی گواہ ہیں پھر ان کا عادل و صادق العمل ہونا یقینی ہے۔ ان کی ثقاہت و دیانت میں اشتباہ پیدا کرنے اور ان عینی شواہد کو مشکوک تسلیم کر لینے سے دین و اسلام کا اصل مسئلہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اسلام کے مخالفین بھی یہی کچھ چاہتے ہیں کہ ”نہ رہے بانس نہ بجے بانسری“

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسئلہ سمجھنے کی توفیق بخشے اور اس کے ساتھ یقین نصیب

فرمائے۔ آمین

ترتیب مضامین

کتاب ہذا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات و سوانح کو مدون کر کے اس کو چار ادوار میں تقسیم کیا

ہے:

دور اول: آں موصوف کی ولادت سے لے کر اختتام عہد نبوی تک۔ یہ پہلا دور ہے، اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات، خاندانی واقعات، اسلام لانا پھر بعد از اسلام عہد نبوت میں قابل قدر دینی خدمات بجالانا درج کیے ہیں۔

دور دوم: اس دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد صدیقی و فاروقی و عثمانی میں غزوات میں شرکت کرنا، جنگی کارنامے، ملکی فتوحات، پھر اسلام کی اشاعت کے لیے اہم دینی امور سرانجام دینا وغیرہ تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں۔

دور سوم: اختتام خلافت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں فتوں کا کھڑا ہونا اور شہادت عثمانی کا وقوع پھر اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار اور دفاعی کوششیں، پھر عہد خلافت علوی کے واقعات، واقعہ صفین کے متعلقہ حالات اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت اور ان کی خلافت سے دستبرداری وغیرہ کا بیان مذکور ہے، اور یہ دور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح تک چلا گیا ہے۔

دور چہارم: صلح حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال تک۔ یہ ان کا اپنا عہد خلافت و امارت ہے، اس کی تفصیل ۱۲ فصول پر مشتمل ہے۔ تمام فصول ہی قابل دید واقعات کے حامل ہیں۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد یہ دور زریں عہد ہے۔ اس میں اسلام کی بہت بڑی اشاعت اور ترقی ہوئی حتیٰ کہ اسلام اقصائے عالم تک پہنچا۔ اعدائے اسلام اس عہد میں مغلوب ہوئے اور دین غالب آیا اور اس کا تفوق باقی ادیان عالم پر ثابت ہوا۔ آنحضرت ﷺ کی ان ممالک کے مفتوح و مغلوب ہونے کے متعلق جو پیش گوئیاں تھیں وہ اس عہد میں تمام ہوئیں، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی کا ظہور ہوا۔ اس عہد میں فروغ اسلام کی یہ سب صورتیں حضرت امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے اللہ کریم نے پیدا فرما دیں۔ نیز ان کے ساتھ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت مدد و معاون تھی اور دیگر تابعین کی بھی مساعی شامل حال تھیں۔ ان تمام بزرگوں کی شب و روز کی پیہم کوششوں سے اقوام عالم پر اسلام کا پرچم بلند ہوا۔

حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین اس دور کو بغاوت کا عہد، ظلم و تعدی کا سیاہ دور، جاہلانہ حکومت کا زمانہ وغیرہ وغیرہ نازیبا عنوانات سے تعبیر کرتے ہیں۔

ناظرین کرام سے گزارش ہے کہ انصاف کے ساتھ اس عہد کے تمام واقعات پر نظر ڈالیں اور اس کے بعد اس دور کے متعلق منصفانہ رائے قائم کریں۔ جن تاریخی روایات کے پیش نظر اس عہد پر نقد کیا جاتا ہے اور

اعتراضات قائم کیے جاتے ہیں وہ روایات قابل اعتماد نہیں، اور ان کی وجہ سے مقام صحابہ کو مجروح و مقدوح نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم ان کے دفاع کے لیے ہم نے ”جواب المطاعن“ کے نام سے مستقل تالیف بدون کردی ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ وارد کردہ شبہات کا ازالہ ہو سکے گا۔ (بعونہ تعالیٰ)
ان تمہیدی امور کو ذکر کرنے کے بعد کتاب ہذا کے ہر چہار ادوار کو علی الترتیب ملاحظہ فرمائیں۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

دور اول

امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نسب اور خاندان کی متعلقہ چیزیں پہلے ذکر کرنا مناسب ہیں۔

● آنجناب کا خاندان دیار عرب میں مشہور قبیلہ ”عبدمناف“ میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔

● قبیلہ ”عبدمناف“ کی مشہور شاخیں ”بنو ہاشم“ اور ”بنو امیہ“ ہیں۔

● قبیلہ بنو ہاشم جناب سید الکائنات نبی اقدس ﷺ کی ذات بابرکات کی وجہ سے تمام قبائل پر فوقیت رکھتا ہے اور شرف و فضیلت میں اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہے۔

● اس دور میں بنی ہاشم کے ذمے سقایہ (آب نوشی کرانا) ہوتا تھا اور حجاج کو دیگر سہولیات فراہم کرنا ان کے فرائض میں تھا۔

● اور قبیلہ بنی عبد شمس اور بنو امیہ وغیرہ وغیرہ اپنی جگہ پر صاحب فضیلت ہیں لیکن بنی ہاشم کے بعد ان کا مقام ہے۔

بنو امیہ کا امتیازی مقام

قبائل قریش میں ان کے جاہلیت کے دور میں کارنامے اس دور کی تاریخوں میں نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں۔ خصوصاً حرب و ضرب اور جنگی معاملات میں قبیلہ بنو امیہ کو فوقیت اور برتری حاصل تھی، اور یہ دیگر قبائل قریش میں سردار اور صاحب دستار شمار ہوتے تھے۔

چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ ابواحجہ سعید بن عاص بن امیہ اپنے قبیلہ بنی امیہ میں صاحب دستار کے نام سے موسوم تھا۔ اس کو ذوالعمامہ کہتے تھے اور اس کے عمامہ کا رنگ مخصوص تھا اور اس دور کے خاندانی دستور کے مطابق کوئی شخص مکہ میں احتراماً اس رنگ کی دستار استعمال نہیں کرتا تھا۔

((وفی بنی امیہ ابو احیحة هو سعید بن العاص بن امیہ وهو ذوالعمامة کان

لا یعتنم احد بمکة بلون عمامته اعظاما له))^۱

مختصر یہ ہے کہ اپنے مخصوص اوصاف اور کردار کے لحاظ سے یہ قبیلہ دیگر قبائل قریش میں ایک امتیازی حیثیت کا حامل تھا اور انھیں خاندانی تفوق حاصل تھا۔

نام و نسب

معاویہ بن ابی سفیان (صحرا) بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔^۲

اور آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن ہے اور آپ کو رشتہ نبوت کے تعلق سے خال المؤمنین احتراماً کہا جاتا ہے۔

((هو معاویة بن ابی سفیان صحرا بن حرب بن امیة بن عبد شمس بن عبد

مناف بن قصی القرشی الاموی ابو عبد الرحمن خال المؤمنین))^۳

اس مقام سے واضح ہے کہ سید الکونین جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پانچواں

دادا "عبد مناف" مشترک ہے۔

نیز یہ چیز بھی ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے متعلقہ

کچھ احوال ہم نے قبل ازیں اپنے کتابچہ "حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ" میں ذکر کر دیے ہیں۔ تاہم

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق یہاں بھی کچھ چیزیں مختصراً ذکر کی جاتی ہیں۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل اسلام اور اہل سلام کی مخالفت میں پیش پیش رہے اور آپ مخالفین

کے رئیس شمار ہوتے تھے۔ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ جاہلیت کے دور میں قریش کے سرداروں میں سے تھے اور

جنگ بدر کے بعد رئیس قوم اور اپنی قوم کا مرجع سمجھے جاتے تھے۔ آپ اپنی قوم کی طرف سے امیر الحروب بھی

تھے۔

((وقد کان ابوہ (ابو سفیان بن حرب) من سادات قریش فی الجاهلیة وآلت

الیہ ریاسة قریش بعد یوم بدر فکان هو امیر الحروب من ذالک الجانب،

۱ کتاب الحجر (ابو جعفر بغدادی) ص ۱۶۰ تحت اشراف قریش

اسد الغابہ ص ۳۱۰، ج ۲ تحت سعید بن العاص

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۸۳-۸۴، ج ۸ تحت سنہ ۵۸ھ

۲ نسب قریش، (مصعب زبیری) ص ۱۴۳ تحت ولد ابی سفیان صحرا بن حرب

جمہرة الانساب (ابن حزم) ص ۱۱۱ تحت ولد حرب بن امیہ۔

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷، ج ۸ تحت ترجمہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۰، ج ۸ تحت فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

وكان رئيسا مطاعا ذا مال جزيل))^۱

لیکن جب ان کی تقدیر بدلی ہے اور بخت یاور ہوا ہے اور دولت اسلام سے مشرف ہوئے تو اب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سابق ابوسفیان بن حرب نہیں رہے بلکہ نور ایمان سے منور شدہ تھے ان کا اسلام لانا مقبول ہوا اور حسن اسلام کے ساتھ مدوح ہوئے۔

((وكان ابوه من سادات قریش وتفرد بالسئود بعد يوم بدر ثم لما اسلم حسن بعد ذلك اسلامه وكان له مواقف شريفه وآثار محموده في يوم يرموك وما قبله وما بعده))^۲

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ (والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) پر بلاوجہ معترض ہوتے ہیں اور ان کے دور جاہلیت اور قبل الاسلام کے معاندانہ واقعات کو پیش نظر رکھ کر ان کی تنقیص و تفتیح اور بدگوئی کو کار خیر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسلام لانا اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو دور کر دیتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برائی سے یاد کرنے سے مسلمان کی اپنی عاقبت خراب ہوتی ہے اور ایمان ضائع ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قبیلہ قریش اور غیر قریش میں بے شمار لوگ اولادین اسلام کے دشمن تھے تدریجاً اسلام میں ترقی ہوتی گئی اور وہی مخالفت کرنے والے افراد و قبائل دین حق قبول کر کے اسلام میں داخل ہوتے گئے اور اپنے دور اسلام میں وہی حضرات ملت اسلامیہ کے بہترین خادم ثابت ہوئے، اور فتح مکہ ۸ھ کے بعد اسلام کا غلبہ ہو گیا اور مخالفین خود بخود شکر و کفر ترک کر کے دین اسلام قبول کرتے گئے۔

اس سلسلے میں بہت سے واقعات تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ مثلاً ایک ہاشمی بزرگ ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے، یہ قبل الاسلام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے اور اسلام و اہل اسلام کے ساتھ کمال عداوت رکھتے تھے اور قادر الکلام شاعر ہونے کی وجہ سے اپنی شاعری میں دین اسلام کی ججو اور مذمت کرتے تھے۔ جبکہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہا اپنے اشعار میں دفاع کرتے ہوئے ان کے اشعار کا جواب دیتے تھے۔ چنانچہ ابوسفیان بن حارث مذکور کے ترجمہ میں علمائے تراجم نے یہ امور تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔

البدایہ والنہایہ لابن کثیر میں ہے کہ:

((وكان ابوسفیان بن الحارث) قبل ذلك من اشد الناس على رسول الله

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱، ج ۸، تحت فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷، ج ۸، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سنہ ۶۰ھ

وَعَلَىٰ دِينِهِ وَعَلَىٰ مَنْ تَبِعَهُ وَكَانَ شَاعِرًا مَطِيقًا يَهْجُو الْإِسْلَامَ وَاهْلَهُ ،
 وَهُوَ الَّذِي رَدَّ عَلَيْهِ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ قَوْلَهُ - وَلَمَّا جَاءَهُ هُوَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ
 أَبِي أُمِيَّةٍ يَسْلُمَا لَمْ يَأْذَن لِهَمَا عَلَيْهِ السَّلَامَ حَتَّى شَفَعَتْ أُمُّ سَلَمَةَ فَأْذَنَ
 لَهُ..... الخ) ۱

”حاصل یہ ہے کہ قبل الاسلام تو ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کی مخالفت انتہا درجے کی پائی جاتی تھی اور وہ جب اسلام لانے کے لیے فتح مکہ کے موقع پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ساتھ ایک دوسرا ساتھی بھی تھا، تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی بارگاہ میں حاضری کی اجازت نہیں دی مگر بعد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سفارش سے ان کا یہ مسئلہ حل ہوا اور اس وقت ابوسفیان بن حارث مذکور کو پریشان کن حالت کے بعد یہ حاضری نصیب ہوئی تھی۔ آخر کار جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرمائی تو خدمت اقدس میں یہ حاضر ہوئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول فرمایا۔ اس کے بعد اسلام کی انہوں نے جو بہترین خدمات سرانجام دیں وہ اہل علم پر واضح ہیں۔“

مختصر یہ ہے کہ یہ دونوں ابوسفیان ہمنام بزرگ ہیں، ایک ہاشمی ہیں ایک بنو امیہ سے ہیں، دونوں کا قبل الاسلام ایک جیسا کردار پایا جاتا ہے دونوں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین معاند و معارض تھے۔ جب ان کی تقدیر کا رخ بدلا ہے تو دونوں میں عداوت کی جگہ محبت آ گئی، دشمنی دوستی سے تبدیل ہو گئی، سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بن گئے اور دین و اسلام کے مخلص خدام میں شمار ہوئے (جیسا کہ واقعات اس پر شاہد عادل ہیں)

نہایت افسوس ہے کہ اب بنو امیہ کے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو تو ہدف ملامت قرار دیا جاتا ہے اور ہاشمی ابو سفیان رضی اللہ عنہ پر کوئی طعن و نقد نہیں کیا جاتا۔ کیا علمی دیانت یہی ہے؟
 ناظرین کرام! یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہے بلکہ یہ قبائلی تعصب ہے اور خاندانی عصبیت ہے۔ کیا کتاب و سنت کے فرمودات ان حضرات کو فراموش ہو گئے ہیں؟

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللَّهَ..... الخ

المسلم اخوا المسلم لا يظلمه ولا يخذله..... الخ

وكونوا عباد الله اخوانا الخ وغيره وغيره

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۰۳ ج ۷ تحت ابی سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ

اسد الغابہ (ابن جزیری) اور الاصابہ (ابن حجر) میں بھی یہ مضمون مذکور ہے۔ تحت ابی سفیان بن حارث ہذا

سطور بالا میں اختصاراً چند چیزیں بطور موازنہ کے ذکر کر دی ہیں۔ اہل انصاف حق بات کو قبول فرمائیں گے البتہ زلیغ عن الحق اور تعصب قبائلی کا کوئی علاج نہیں۔

مادری نسب

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کا نام ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے۔^۱ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی کچھ حالات ہم نے اپنے کتابچہ ”حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ“ میں ذکر کر دیے ہیں۔ تفصیلات کے لیے وہاں رجوع فرمائیں۔ لیکن چند ایک چیزیں یہاں ذکر کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ یہ بعد میں دستیاب ہوئیں اور قبل ازیں درج نہیں ہو سکیں۔

یہ ظاہر بات ہے کہ قبول اسلام سے قبل ہند بنت عتبہ اہل اسلام کے ساتھ انتہائی عناد اور مخالفت کیا کرتی تھیں۔ اس پر بہت سے واقعات شاہد ہیں۔ لیکن جب ان کے خاوند حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور میاں بیوی کی قسمت کا رخ بدلا تو ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے ایک رات بعد فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئیں اور نبی اقدس ﷺ نے دونوں کا اسلام منظور فرمایا۔ اس موقع پر علمائے کرام نے لکھا ہے کہ اسلام لانے کے بعد ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا دین اسلام پر نہایت مستقیم ہو گئیں اور ان کا اسلام نہایت پختہ تھا اور صادق الایمان والیقین تھیں۔

چنانچہ امام نووی اور حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہما وغیرہ نے ان کے حسن اسلام کی تائید باقفاظ ذیل تحریر کی ہے:

((ان ہنداً اسلمت یوم الفتح وحسن اسلامها ہی ام معاویة بن ابی سفیان اسلمت فی الفتح بعد اسلام زوجها ابی سفیان بليلة وحسن اسلامها ﷺ))^۲

اور ابن حجر مکی رضی اللہ عنہ نے تظہیر البیان الفصل الاول کے آخر میں لکھا ہے کہ:

((ولما اسلمت کانت علی غایة من الثبوت والیقظة قانها اثر البیعة الخ))

”یعنی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے جب دین قبول کر لیا اور مسلمان ہو گئیں تو دین و اسلام پر نہایت پختہ

۱۔ نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۲۵، تحت ولد ابی سفیان مخر بن حرب رضی اللہ عنہ

جمہرة الانساب (ابن حزم) ص ۱۱۱، تحت ولد حرب بن امیہ۔

الاصابة (ابن حجر) ص ۴۰۹، ج ۲ تحت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا۔

۲۔ تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۳۵۷ ج ۲ تحت حرف الہا (ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا)

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۱ ج ۷ تحت سنہ ۱۴ھ طبع اول معمر

اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ص ۳۸۵ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تھیں اور یقین و استقلال کے ساتھ قائم تھیں۔ یہ چیز بیعت نبوی کے اثرات و برکات میں سے تھی۔“

چند ایک اہم واقعات

پہلا واقعہ: محمد شین اور مورخین دونوں حضرات نے حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کا مندرجہ ذیل واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی والدہ ہند سے سنا، وہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرتے ہوئے بیان کرتی تھیں کہ جنگ احد میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بزرگوار اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ (اپنے غیظ و غضب کی حالت میں) میں نے مثلہ کا معاملہ کیا تھا۔

جب قبیلہ قریش احد سے واپس ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس آئی۔ اس کے بعد میں نے ایک خواب تین شب لگا تار دیکھا:

① (خواب کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ) ایک رات خواب میں دیکھتی ہوں کہ میں ایک ایسے اندھیرے میں ہوں کہ پہاڑ، زمین کچھ دکھائی نہیں دیتا، ہر طرف ظلمت ہی ظلمت ہے۔ پھر ایک روشنی نمودار ہوئی جس کی بدولت تمام اندھیرا دور ہو گیا۔ میں دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پکار رہے ہیں اور دعوت دے رہے ہیں۔

② پھر دوسری شب خواب میں دیکھتی ہوں کہ گویا میں ایک راستہ پر کھڑی ہوں۔ میرے دائیں جانب ہبل (بت) موجود ہے وہ مجھے اپنی طرف بلاتا ہے اور میرے بائیں طرف سیاف (بت) موجود ہے وہ مجھے اپنی طرف بلاتا ہے، اس کشمکش کی حالت میں تھی کہ ناگہاں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے ہیں اور مجھے فرماتے ہیں کہ اس طرف آؤ۔

③ پھر تیسری شب خواب دیکھتی ہوں کہ میں دوزخ کے کنارے پر کھڑی ہوں۔ ڈالنے والے مجھے دوزخ میں ڈالنا چاہتے ہیں ناگہاں ہبل (بت) مجھے کہتا ہے کہ اس میں داخل ہو جاؤ۔ اس حالت میں میں نے توجہ کی تو میری پشت کی طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ آنجناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے میرے ثياب (کپڑوں) کو پکڑا اور اس طرح میں دوزخ کے کنارہ سے دور ہو گئی۔

ان مسلسل خوابوں کو دیکھ کر میں خوف زدہ ہو گئی اور میں نے کہا کہ قدرت کی طرف سے میرے لیے یہ راستہ واضح کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد میں اپنے صنم (بت) کی طرف اٹھی (یہ ہمارے گھروں میں موجود تھا) اور اس کو توڑنے لگی اور میں اسے کہتی تھی کہ ایک مدت دراز سے ہم تیری وجہ سے فریب خوردہ تھے۔ آپ کہتی ہیں کہ میں اس کے بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئی اور شرف بیعت سے سرفراز ہوئی۔

((عن عمر بن عبدالعزیز قال سمعت سلمی مولاة مروان بن الحكم تقول حدثني مروان بن الحكم يقول سمعت معاوية بن ابي سفيان يقول سمعت امي هند بنت عتبة تقول وهي تذكر رسول الله ﷺ تقول فعلت يوم احد ما فعلت من المثلة بعمه واصحابه كلما سارت قريش مسيرا فانا معها بنفسي حتى رايت في النوم ثلاث ليال رايت كاني في ظلمة لا ابصر سهلا ولا جبلا واري ان تلك الظلمة انفرجت عني بضوء مكانه فاذا رسول الله ﷺ يدعوني- ثم رايت في الليلة الثانية كاني على طريق واذا بهبل عن يميني يدعوني واذا يساف يدعوني عن يساري واذا رسول الله ﷺ بين يدي قال ﷺ هلمى الى الطريق ثم رايت الليلة الثالثة كاني واقف على سفير جهنم يريدون ان يدفعوني فيها واذا بهبل يقول ادخلى فيها فالتفت فاذا رسول الله ﷺ من ورائي آخذاً بشيبي فتباعدت عن سفير جهنم وفزعت فقلت هذا شيء قد بين لي فغدوت الى صنم في بيتنا فجعلت اضربه واقول طالما كنت منك في غرور واتي رسول الله ﷺ فاسلمت وبايعت))^۱

صنم ہذا کی بت شکنی کا واقعہ ہمارے کتابچہ مذکورہ پر بھی درج ہے لیکن اس کے پس منظر کی تفصیلات وہاں ذکر نہیں ہو سکیں، وہ اس روایت کے ذریعے سے مکمل ہوتی ہیں۔
دوسرا واقعہ: ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اپنی مفصل تاریخ دمشق میں ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کے بعد کا ایک اور واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ:

ابو حصین ہذلی ذکر کرتے ہیں کہ جب ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں تو انہوں نے جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں چمڑے کا ایک مشکیزہ اور بکری کے بھنے ہوئے دو چھوٹے بچے اپنی ایک خادمہ کے ذریعے سے بطور ہدیہ کے ارسال کیے۔ اس وقت آنجناب ﷺ وادی ابلح میں فرودکش تھے۔ جب خادمہ آنجناب ﷺ کے خیمہ کے قریب پہنچی تو سلام عرض کیا اور خیمہ کے اندر حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر آنجناب ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ اس وقت جناب نبی اقدس ﷺ اپنی ازواج مطہرات حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر ہاشمی خواتین کے درمیان تشریف فرما تھے۔

۱۔ مسند عمر بن عبدالعزیز، ص ۱۳، طبع قدیم مکان ۱۳۳۹ھ

تاریخ ابن عساکر، جلد تراجم النساء، ص ۲۳۸-۲۳۹ تحت ہند بنت عتبہ بن ربیعہ طبع دمشق

خادمہ نے آ کر عرض کیا کہ میری مالکہ ہند بنت عتبہ نے یہ ہدیہ جناب کی خدمت میں ارسال کیا ہے اور ساتھ ہی وہ آنجناب ﷺ کی خدمت میں اعتذار کرتے ہوئے عرض کرتی ہیں کہ ہماری بکریوں نے ان ایام میں قلیل سے بچے جنے ہیں، سر دست یہ ہدیہ حاضر خدمت ہے تو جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہاری بکریوں کے اندر برکت عطا فرمائے اور ان کی اولاد میں اضافہ فرمائے۔ اس کے بعد وہ خادمہ اپنی مالکہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آئی اور ان کو جناب نبی کریم ﷺ کے مذکورہ کلمات برکت کے ساتھ دعا فرمانے کی خبر دی، تو ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا ان دعائیہ کلمات سے نہایت خوش ہوئیں اور ان کی خادمہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہماری بکریوں اور ان کی اولاد میں ایسی کثرت اور زیادتی پائی گئی جو اس سے قبل ہم نے نہیں دیکھی تھی ہند رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ کی یہ دعا و برکت کا نتیجہ ہے اور فرماتیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت فرمائی اور پھر ہند رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ دھوپ میں کھڑی ہوں اور ایک سایہ میرے قریب ہے لیکن میں اس کے حاصل کرنے پر قادر نہیں ہوں اس حالت میں جناب نبی کریم ﷺ ہمارے قریب تشریف لائے اور تب میں سایہ میں داخل ہو سکی (یعنی کفر کی دھوپ سے نکل کر اسلام کے سایہ میں آ پہنچی)۔ یہ تمام آنجناب ﷺ کے وجود مسعود کی برکات کا اثر تھا میں از خود یہ سعادت حاصل نہ کر سکتی تھی۔

ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((عن ابی حصین الہذلی قال لما اسلمت ہند بنت عتبہ ارسلت الی رسول اللہ ﷺ بہدیة وهو بالابطح مع مولاة لها بجدین مرضوفین وقد فانتہت الجاریة الی خیمۃ رسول اللہ ﷺ فسلمت واستاذنت فاذن لها۔ فدخلت علی رسول اللہ ﷺ وهو بین نسائه ام سلمة زوجته ومیمونة و نساء من نساء بنی عبدالمطلب فقالت ان مولاتی ارسلت الیک بهذا الہدیة وہی معذرة الیک وتقول: ان غنمنا الیوم قلیلة الوالدة فقال رسول اللہ ﷺ باریک اللہ لکم فی غنمکم واکثر والدتها۔ فرجعت المولاة الی ہند فاخبرتها بدعاء رسول اللہ ﷺ فسرت بذالك وكانت المولاة تقول: لقد راہینا من کثرة غنمنا و والدتها ما لم نکن نری قبل ولا قریب فتقول ہند هذا دعاء رسول اللہ ﷺ وبرکتہ، فالحمد لله الذی ہدانا للاسلام ثم تقول کنت اری فی النوم انی فی الشمس ابدا قائمة والظل منی قریب لا اقدر فلما دنا

رسول اللہ ﷺ منا رأیت کانی دخلت الظل) ۱

مطلب یہ ہے کہ میں کفر کی دھوپ سے نکل کر اسلام کے سایہ میں آ پہنچی۔ یہ تمام آنجناب ﷺ کے وجود مسعود کی برکات طیبہ کا اثر تھا جو اس طریقہ سے ظاہر ہوا۔

ان ہر دو واقعات کی پوری طویل عبارت ہم نے اصل ماخذ سے علمائے کرام کی تسلی کے لیے نقل کر دی ہے امید ہے باعث اطمینان ہوگی اور مزید چیزیں استنباط کرنے میں بھی یہ روایت مفید ہوگی۔

تنبیہ..... مخالفین صحابہ کی طرف سے لعنت کا وظیفہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کے واقعات اور پھر ان کی اسلام پر پختگی کی چند ایک چیزیں یہاں ذکر کی ہیں۔ اپنے کتابچہ ”حضرت ابوسفیانؓ اور ان کی اہلیہ“ میں حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے احوال کچھ تفصیل سے ہم نے تحریر کیے ہیں جن سے نبی اقدس ﷺ سے ان کی عقیدت کا تعلق، دینی حیثیت اور اسلامی خدمات واضح ہوتی ہیں۔

حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اسلام کی خواتین میں ایک بلند پایہ، دین دار اور اعلیٰ کردار کی مالک خاتون تھیں اسلام لانے کے بعد اسلام کی خدمت اور حمایت میں ہمیشہ پیش پیش رہیں اور دین پر مضبوطی سے قائم رہیں۔

یہ چیز حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے اعلیٰ مناقب میں سے ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ بیعت کرنے والی ان خواتین میں یہ داخل ہیں جن کے حق میں فرمان خداوندی ہے:

قَابِلُہُنَّ وَاسْتَغْفِرُ لہُنَّ اللّٰہُ (ممنحنة)

”یعنی جناب نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ان خواتین سے بیعت لیجئے اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے۔ (یعنی جب یہ خواتین مذکورہ شش شرائط تمام کریں)۔“

مسئلہ بیعت کو مورخین نے بہ عبارت ذیل درج کیا ہے اور جہاں مبايعات کی طویل فہرست دی ہے وہاں لکھا ہے کہ:

((وہند بنت عتبہ بن ربیعۃ بايعة یوم الفتح)) ۲

”یعنی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے روز نبی کریم ﷺ سے بیعت کی اور اس نعمت سے شرف اندوز ہوئیں۔“

۱ تاریخ دمشق (ابن عساکر) ص ۳۵۶-۳۵۷ جلد تراجم النساء تحت ہند بنت عتبہ، طبع دمشق

۲ کتاب الحجر (ابو جعفر بغدادی) ص ۲۰۸ تحت اسماء النساء المبايعات۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اسلام قبول کر لینے کے بعد دیگر صحابیات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مذکورہ عز و شرف سے سرفراز ہوئیں اور اپنے پیغمبر کریم ﷺ سے حصول بیعت کے بعد مغفرت کی دعائیں حاصل کیں۔

لیکن بعض لوگوں کو ان کے ساتھ قلبی عداوت اور ازلی عناد ہے اس بنا پر حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کو مذموم خطابات اور برے عنوانات سے یاد کرتے ہیں کہ یہ جگر خوار تھی۔ اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ یہ چیزیں قبل از اسلام کی تھیں اور بعد از اسلام یہ سب معاف ہو گئیں اور اسلام لانے کے بعد شرف و عزت کے متعدد امور سے متمتع ہوئیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے۔

نیز مخالفین صحابہ یہ کہتے ہیں کہ ان کے ”ائمہ کرام“ نے دن میں پانچ مرتبہ یعنی ہر نماز کے بعد ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعنت برسانے کی تعلیم و تلقین کر رکھی ہے۔

حالانکہ ائمہ عظام رضی اللہ عنہم کتاب و سنت کی تعلیم کرنے والے تھے اور دین کی تعلیم یہ ہے کہ شخصی لعنت منع ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ اسے ذکر کر رہے ہیں۔ پھر وہ کس طرح اس قسم کے فرمان جاری کرتے تھے؟ یہ سب ان بزرگوں پر افترا ہے۔

تاہم مخالفین کی معتبر روایت ذیل میں پیش کی جاتی ہے جس میں یہ حکم مذکور ہے۔

ملا باقر مجلسی اپنی مشہور تالیف عین الحیوۃ میں لکھتے ہیں:

”بند معتبر منقول است کہ حضرت امام جعفر صادق از جائے نماز خود بر نمی خواستند تا چہار ملعون و چار ملعونہ را لعنت نمی کردند پس باید کہ بعد از ہر نماز بگوید:

اللهم العن ابابکر و عمر و عثمان و معاویة و عائشة و حفصة و هند و ام
الحکم۔^۱

”اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر نمازی ہر پانچ وقت میں نماز کے بعد یہ الفاظ کہے کہ اے اللہ!

(ان چار مردوں) پر لعنت فرما اور ان (چار خواتین) عائشہ، حفصہ، ہند اور ام الحکم پر لعنت فرما۔“

(استغفر اللہ ربی انا للہ وانا الیہ راجعون)

واضح ہو کہ مردوں میں حضرات خلفائے ثلاثہ اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان ہیں (رضی اللہ عنہم)۔ اور چار

خواتین میں سے پہلی دو خواتین حضرت عائشہ بنت ابی بکر اور حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما امہات المؤمنین ہیں

تیسری خاتون حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا ہیں اور چوتھی خاتون ام الحکم رضی اللہ عنہا

^۱ عین الحیوۃ تالیف ملا باقر مجلسی شیخی ص ۲۶۹ طبع تہران، تحت عنوان اذکار و ادعیہ کہ در عقب ہر نماز باید خواندہ شود (فصل دوم)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر (بہن) ہیں۔

یہ تشریح ہم نے عام دوستوں کے لیے لکھ دی ہے ورنہ اہل علم حضرات اس مفہوم سے اچھی طرح واقف ہیں۔

یہ ان لوگوں کا ورد اور وظیفہ ہے جو یہ بیچ گانہ نماز کے بعد ادا کرتے ہیں۔ اس وظیفہ کے بغیر ان کی نماز تمام نہیں ہوتی۔

مندرجات بالا سے ناظرین کرام اندازہ فرما سکتے ہیں کہ سردار دو جہاں رضی اللہ عنہم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، امہات المؤمنین اور اکابر صحابیات رضی اللہ عنہن اور اس دور کی اسلام کی معزز خواتین کے ساتھ مخالفین صحابہ کا کیا رویہ رہا ہے اور ان کے دل میں ان کے خلاف کس قدر بغض و عناد بھرا ہوا ہے۔ ان کے حق میں بدگوئی کرنا ان کے معمولات دین اور بیخ وقتی اوراد و وظائف میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت بخشیں اور اپنے پیغمبر کریم رضی اللہ عنہ کی جماعت کے ساتھ حسن ظن کی توفیق عنایت فرمائیں جو آخرت کی نجات میں مفید ہوگا اور بدگوئی و بدگمانی سے دور رکھیں جو قیامت میں موجب خسران ہوگی۔

دعوت غور و فکر

ما قبل میں ناظرین کرام نے مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ کار اور شخصی لعن طعن کا طرز عمل ملاحظہ فرمایا۔ اب اس مسئلہ میں ان حضرات کی معتبر کتب سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ امام موصوف نے شخصی لعنت کے مورد محل کا مسئلہ بیان فرماتے ہوئے کیا حکم صادر فرمایا ہے؟

ابوالعباس عبداللہ بن جعفر میدی قمی کی تصنیف قرب الاسناد میں ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

((ثم قال ابی (ابو عبداللہ) ان اللعنة اذا خرجت من صاحبها ترددت بينها

وبین الذی یلعن فان وجدت مساغا والاعادت الی صاحبها وکان احق بها

فاحذروا ان تلعنوا مؤمنا فیحل بکم))^۱

”مطلب یہ ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لعنت جب لعنت سمجھنے والے سے صادر

ہوتی ہے تو وہ اپنے (محل لعنت) اور لعنت کنندہ کے درمیان تردد کرتی ہے اگر محل لعنت ٹھیک اور

جائز ہو تو اس پر پڑتی ہے ورنہ وہ لعنت کنندہ کی طرف عود کرتی ہے اور وہی اس کا زیادہ حقدار ہوتا

ہے۔ پس اے لوگو! کسی مومن شخص پر لعنت کرنے سے اجتناب کرو ورنہ وہ لعنت تم پر اترے گی۔“

شخصی لعنت کے متعلق امام صاحب کی یہ تعلیم ہے جو من و عن پیش کر دی ہے۔

① نیز ابوالائمہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بیچ البلاغہ میں مروی ہے کہ جب انھوں نے بعض لوگوں کو اہل

شام پر سب و شتم کرتے ہوئے سنا تو فرمایا:

((انی اکرہ لکم ان تکونوا سباً بین..... الخ))^۱
 ”یعنی میں تمہارے حق میں سباب (سب و شتم اور لعن طعن کرنے والا) ہونے کو مکروہ جانتا اور
 ناپسند کرتا ہوں۔“

④ اسی طرح دیگر مقام پر بھی لعن کرنے والوں کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ:
 ((کرہت لکم ان تکونوا شتامین لعانین))^۲
 ”یعنی میں تمہارے لیے سب و شتم اور لعن طعن کرنے کو مکروہ جانتا ہوں۔“

مختصر یہ ہے کہ ناظرین کرام کے سامنے ہم نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فرمودات اور ہدایات ان کی اونچے درجے کی معتبر کتابوں سے پیش کر دیے ہیں اور گیارہویں صدی کے ان کے علماء ملا باقر مجلسی وغیرہ کے اقوال بھی ذکر کر دیے ہیں۔

اب قارئین کرام نتائج قائم کر کے خود ہی فیصلہ فرمادیں کہ کون سی بات صحیح ہے؟ اور کونسا طریقہ کار درست ہے؟
 ولادت

حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے سن ولادت کے متعلق ایک چیز تو اہل سیرت نے یہ ذکر کی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سن ولادت کے چونتیس سال بعد سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ اور سید الکونین جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت مشہور اقوال کے اعتبار سے عام الفیل میں ذکر کی جاتی ہے۔

((وفی سنة اربع وثلاثین من مولده ﷺ ولد معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ))^۳

اور اس مسئلہ میں دیگر اقوال اس فن کے علمائے کرام نے اس طرح درج کیے ہیں کہ

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ برس قبل حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ سات سال بعثت سے پہلے ولادت ہوئی اور نیز تیرہ برس قبل از بعثت کا قول بھی پایا جاتا ہے لیکن حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول (یعنی بعثت نبوت سے پانچ برس پہلے ولادت ہونا) زیادہ مشہور ہے۔

((ولد قبل البعثة بخمس سنین وقيل بسبع وقيل بثلاث عشرة والاول اشهر))^۴

ہم نے یہاں تخمیناً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت کا سن تحریر کیا ہے، صحیح طور پر سال، مہینہ اور تاریخ

۱۔ نوح البلاغہ ص ۴۲۰، ج ۱، تحت من کلام لہ علیہ السلام قد سمع قوم من اصحابہ یسبون اہل الشام۔

۲۔ اخبار الطوال (دینوری شیعہ) ص ۱۶۵ طبع قاہرہ مصر تحت وقعہ الصغیر۔

۳۔ سیرۃ حلبیہ ص ۴۰۵ ج ۳ تحت بیان ما وقع من الحوادث من عام ولادۃ ﷺ الی زمن وفاتہ ﷺ الخ

۴۔ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۱۲ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (مع الاستیعاب)

پیدائش کا تعین مشکل ہے۔

نسبی تعلقات

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خاندانی تعلق جناب نبی کریم ﷺ اور دیگر خاندان بنی ہاشم کے ساتھ بہت قریبی پایا جاتا ہے اور ان دونوں خاندانوں کے نسبی روابط انساب اور تاریخ کی کتابوں میں بڑے مفصل مذکور ہیں۔ دونوں قبیلوں کے نسبی تعلقات ذکر کرنے سے ان کا آپس میں ارتباط ظاہر کرنا مقصود ہے تاکہ ان دونوں قبائل کا آپس میں قرب واضح ہو جائے۔

اول: اس سلسلے میں پہلا رشتہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا ذکر کرنا مناسب ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جن کا نام رملہ بنت ابوسفیان ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر (بہن) اور ابوسفیان صحرا بن حرب رضی اللہ عنہ کی دختر ہیں۔

آپ نبی اقدس ﷺ کے حرم محترم ہونے کی وجہ سے ام المومنین کے لقب سے مشرف ہیں اور اسی رشتہ کی بدولت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنجناب ﷺ کے ”برادر نسبتی“ ہونے کا شرف حاصل ہے، اور رشتہ ہذا بے شمار نعمتوں اور برکات کا سرچشمہ ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ ہے اور یہ حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی بھائی حنظلہ بن ابی سفیان جنگ بدر میں قریش مکہ کی حمایت میں قتل ہو گیا تھا۔ یہ اسلام نہیں لایا تھا۔

جاہلیت کے دور میں جناب ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا سابق زوج عبید اللہ بن جحش بن رثاب الاسدی تھا جو ارض حبشہ میں فوت ہو گیا تھا۔ اس زوج سے ان کی ایک لڑکی حبیبہ بنت عبید اللہ پیدا ہوئی جس کے نام سے آپ کی کنیت ام حبیبہ مشہور ہوئی۔

دوم: جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک اور تعلق علمائے انساب نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب ﷺ کے ”ہم زلف“ تھے۔

مندرجہ بالا تمام چیزوں کی تصدیق کے لیے مندرجہ ذیل مقامات ملاحظہ فرمائیں:

نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۲۳-۱۲۴، تحت ولد ابی سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ۔

طبقات ابن سعد ص ۶۸ ج ۸ تحت رملہ بنت ابی سفیان ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔

جمہور الانساب (ابن حزم) ص ۱۱۱ تحت ولد حرب بن امیہ

تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) ص ۷۰-۷۲ ج ۲ تراجم النساء، تحت رملہ بنت ابی سفیان، طبع دمشق۔

کتاب المراسل (ابن ابی داؤد) ص ۲۳-۲۵، باب النظر عند التزوج، طبع مصر

تاریخ یعقوبی شیبی ص ۸۳ ج ۲ تحت ازواج رسول اللہ ﷺ

یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن مسامت قریبہ صغریٰ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ان سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

((وسالفہ من قبل ام سلمة معاوية بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ کانت

عنده قریبة الصغریٰ بنت امیہ بن المغیرة اخت ام سلمة لابیہا لم تلد له))^۱

سوم: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ (ہند بنت ابی سفیان بن حرب) سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی کے فرزند حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے نکاح میں تھیں اور اس سے اولاد بھی ہوئی، ان کے ایک بیٹے کا نام محمد تھا۔

((ہند بنت ابی سفیان بن حرب بن امیہ الامویة اخت معاوية کانت زوج

الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب بن ہاشم فولدت له ابنہ

محمد))^۲

چہارم: سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند علی اکبر بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ (جو شہید کر بلا ہیں) ان کی والدہ لیلیٰ بنت ابی مرہ کی ماں میمونہ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔

یہ میمونہ بنت ابی سفیان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی خوشدامن ہیں، اور علی اکبر بن حسین رضی اللہ عنہ کی نانی ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ علی بن حسین کی والدہ لیلیٰ بنت مرہ کے سگے ماموں ہیں کیونکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نکاح میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سگی بھانجی یعنی (خواہر زادی) تھی۔

((ولد الحسین بن علی بن ابی طالب علیا اکبر قتل بالطف مع ابیہ وامہ لیلیٰ

بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود الثقفی وامہا میمونہ بنت ابی سفیان بن

حرب بن امیہ))^۳

۱ کتاب الحجر (ابو جعفر بغدادی) ص ۱۰۲، طبع حیدرآباد دکن۔

۲ الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۸-۵۹ ج ۳ تحت عبد اللہ بن حارث بن نوفل..... الخ

الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۰۹ ج ۳ تحت ہند بنت ابی سفیان بن حرب

تہذیب التہذیب ص ۱۸۱ ج ۵ تحت عبد اللہ بن حارث

طبقات ابن سعد ص ۱۵ ج ۵ تحت عبد اللہ بن حارث بن نوفل (طبع لیڈن)

۳ نسب قریش ص ۵۷ تحت ولد حسین بن علی بن ابی طالب

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۵۵ ج ۱ تحت ۶۱ ھ مقتل حسین واصحابہ

مقاتل الطالبین (ابو الفرج اصفہانی شیبی) ص ۵۳ ج ۱ باب ذکر خبر حسین بن علی ومقتلہ..... الخ

نوٹ: یہ رشتے شیعہ سنی سب علماء کے نزدیک مسلم ہیں۔

پنجم: حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی پوتی لبابہ بنت عبید اللہ بن عباس، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نکاح میں تھی۔

((وتزوجت لبابة بنت عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب العباس بن علی بن

ابی طالب، ثم خلف علیها الولید بن عتبہ بن ابی سفیان))^۱

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان یہ چند ایک نسبی تعلقات اور رشتہ داریاں بطور نمونہ ذکر کی ہیں ورنہ اس کے علاوہ بھی متعدد نسبی روابط انساب کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور وہ اس فن کے علماء پر مخفی نہیں۔

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ خاندان امیر معاویہ خاندان بنو ہاشم کے قریب تر ہے اور یہ کوئی غیر قبیلہ نہیں بلکہ سب اولاد عبدمناف ہیں۔

نیز یہ بات بھی واضح ہوئی کہ ان ہر دو خانوادوں میں قبائلی عصبیت اور نسلی تعصب نہیں تھا اسلام لانے کے بعد دیرینہ عداوتیں اور دھڑے بندیاں ختم ہو چکی تھیں۔

جو لوگ ان دونوں قبیلوں کے درمیان قبل از اسلام والی عداوت اور عناد کو بعد از اسلام بھی قائم اور ثابت رکھنا چاہتے ہیں اور دن رات اسے پھر سے قائم کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں وہ قبائلی تعصب کا پرچار کرتے ہیں اور یہ درست نہیں حقیقت واقعہ کے خلاف ہے اور یہ رشتہ داریاں اس تخیل کے غلط ہونے پر بطور واقعات کے شاہد عادل ہیں۔

اسلام نے ان قبائل کو ایک دوسرے کے قریب تر کر دیا تھا اور انھیں جاہلی تعصبات سے دور کر دیا تھا اور دینی روابط ان پر غالب آ گئے تھے۔

قبول اسلام

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف اسلام سے مشرف ہونے کے متعلق متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔ بعض مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں عمرۃ القضا سے قبل اسلام قبول کر چکا تھا لیکن اپنی والدہ (ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا) کے خوف

۱۔ منتخب التواریخ (محمد ہاشم خراسانی شیبی) ص ۲۷۱ مقصد سوم امر چہارم باب پنجم طبع جدید تہران۔

منتہی الامال (شیخ عباس قمی شیبی) ص ۳۶۳ ج ۱ تحت تذکرہ ازواج حسین بن علی رضی اللہ عنہ

کتاب الحجر (ابو جعفر بغدادی) ص ۳۴۱

کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۳۳ تحت ولد عتبہ بن ابی سفیان

کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۳۲ تحت اولاد عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

حواشی عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب (ابن عبد شیبی) ص ۴۳ تحت اولاد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سے مدینہ شریف کی طرف ہجرت نہ کی کیونکہ وہ مجھے کہتی تھیں کہ اگر تو مدینہ کی طرف گیا تو ہم تیرا نفقہ بند کر دیں گے اور تیرے ساتھ کوئی تعاون نہیں کریں گے۔

((وحكى ابن سعد انه كان يقول لقد اسلمت قبل عمرة القضية ولكنى كنت اخاف ان اخرج الى المدينة لان امي كانت تقول ان خرجت قطعنا عنك القوت))^۱

اور بعض حضرات نے ان کا اسلام لانا فتح مکہ کے موقع پر اپنے والد ابو سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہما کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنا قول یہ ہے کہ انھوں نے صلح حدیبیہ کے بعد عمرہ القضاء میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام قبول کیا مگر اسے بوجہ خوف اپنے والدین سے مخفی رکھا یہاں تک کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ سب کے سامنے قبول اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ عمرہ القضاء میں پیش آیا تھا۔

پس اس مسئلہ میں بہ نسبت عام مورخین کے اقوال کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے قول کو ترجیح دینا زیادہ قرین قیاس ہے۔

مورخین کے ایک اندازے کے مطابق اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عمر کم و بیش اٹھارہ برس کی ہوگی۔

① چنانچہ مصعب زبیری رضی اللہ عنہ نے نسب قریش میں لکھا ہے کہ:

((ومعاوية بن ابى سفيان رضي الله عنه كان يقول اسلمت عام العمرة القضية ولقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ووضعت اسلامي عنده وقبل مني))^۲

② اور خطیب بغدادی رضی اللہ عنہ نے اسی مسئلہ کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے

((اسلم وهو ابن ثمانى عشرة سنة وكان يقول اسلمت عام القضية ولقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضعت عنده اسلامي))^۳

③ اسی طرح صاحب اسد الغابہ نے تحریر کیا ہے کہ:

((وكان معاوية رضي الله عنه يقول انه اسلم عام القضية وانه لقي رسول الله صلى الله عليه وسلم مسلما وكتم اسلامه من ابيه وامه..... الخ))^۴

۱ الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (مع الاستیعاب)

۲ نسب قریش ص ۱۴۴ تحت اولاد ابی سفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہما۔

۳ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۰۷ ج ۱ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

۴ اسد الغابہ، ص ۳۸۵ ج ۴ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

④ ((فهو في عمرة القضية المتأخرة عن الحديبية الواقعة سنة سبع قبل فتح مكة بسنة كان مسلماً... الخ)) ۱

⑤ اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ثم لما دخل عام الفتح اظهرت اسلامي فجبته فرحب بي)) ۲

”یعنی جب فتح مکہ ہوئی تو میں نے اپنے اسلام کو ظاہر کیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ازراہ کرم آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مرحبا کہا۔“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے متعلق اکابر علماء کی یہ چند عبارات بلفظہ نقل کر دی ہیں۔ اس مسئلہ کو دیگر مورخین نے اپنی تصانیف کے مندرجہ ذیل مقامات میں نقل کیا ہے مزید تسلی کے لیے ان کی طرف رجوع فرمائیں، یہاں صرف حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں:

① تاریخ مدینہ دمشق، (ابن عساکر) (مخطوط) ص ۶۷۲ ج ۱۶، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

② کتاب دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۸ ج ۱ تحت ۶۰ھ

③ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۸ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

④ تہذیب الاسماء واللغات (نوی) ص ۱۰۲ ج ۲ ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

⑤ البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۱، ۱۱۷ ج ۸ تحت فضل معاویہ۔

دور نبوت میں غزوات میں شرکت اور حصول غنائم

فتح مکہ رمضان شریف ۸ھ میں ہوئی اس کے بعد ابتدائے شوال میں غزوہ حنین اور غزوہ طائف پیش آئے یہ دونوں غزوات اسلام کے اہم معرکے تھے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے تحت اور آنجناب کی زیر قیادت بقول بعض مورخین قریباً بارہ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان غزوات میں شریک ہوئے۔ چنانچہ بنی ثقیف اور بنی ہوازن کے خلاف حنین کے مقام پر شدید قتال پیش آیا۔

اس غزوہ میں جہاں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کی وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے دینی جذبات کے تحت شریک ہو کر حصہ لیا اور اسلامی اقتدار کی سر بلندی کے لیے جہاد و قتال کی مساعی کیں اور آنجناب کی اطاعت و رفاقت میں عنایات کریمانہ سے مستفید ہوئے۔

۱ تطہیر الجنان (ابن حجر کی) ص ۷ ابتداء الفصل الاول مع الصواعق المحرقة

۲ البدایہ (ابن کثیر) تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۱۷ ج ۸۔

طبقات ابن سعد ص ۱۲۸ ج ۷ قسم ثانی طبع لیڈن تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

اس مقام کی تفصیلات تو احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مفصل مذکور ہیں لیکن صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے متعلقہ چند ایک چیزیں یہاں اجمالاً ذکر کی جاتی ہیں۔ واقعات کی تفصیل ذکر کرنا یہاں مقصود نہیں۔

① ان غزوات میں بعض دفعہ فریق مقابل (بنی ثقیف) کے ساتھ کلام کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت اہل اسلام کی طرف سے حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما نے پیش قدمی کی اور ان کو آواز دے کر امان کی صورت میں گفتگو کی۔ اس چیز کو ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

((وتقدم ابو سفیان بن حرب والمغیرة بن شعبه رضی اللہ عنہما فنادیا ثقیفا بالامان حتی یکلموهم فامنوهم))^۱

② اسی طرح جب غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو فتح نصیب فرمائی اور انھیں بہت سے غنائم حاصل ہوئے اور مخالفین کے چھ ہزار کے قریب افراد کو قیدی بنا لیا گیا۔ تو ان قیدیوں کی نگرانی اور حفاظت کی اشد ضرورت تھی، سو اس منصب کے لیے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوسفیان صحرا بن حرب رضی اللہ عنہ کو ان کے معاملے کا والی مقرر فرمایا گیا اور امین قرار دیا (جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی لیاقت اور صلاحیت اور ان پر دینی اعتماد کی بین دلیل ہے)

((وفی کلام السہیلی وکان سبب سبب حنین ستة الاف رأس قد ولی رضی اللہ عنہ ابا سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ امرهم وجعله امینا علیہم هذا کلامہ ای و لعل هذا بعد رجوعه رضی اللہ عنہ من الطائف لان ابا سفیان رضی اللہ عنہ کان معہ رضی اللہ عنہ بالطائف کما سیاتی))^۲

③ غزوہ طائف کے موقع پر کفار کے ساتھ جب اہل اسلام کا مقابلہ ہوا تو ان کی طرف سے مسلمانوں پر شدید تیر اندازی کی گئی اور بہت سے مسلمان تیروں سے مجروح ہوئے۔ ان مجروحین میں جناب ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کی آنکھ میں آ کر ایک تیر پیوست ہوا تو آنکھ اپنے مقام سے الگ ہو کر باہر آ گئی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسی چشم کو ہاتھ میں لیے ہوئے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

((فقال یا رسول اللہ هذا عینی اصیبت فی سبیل اللہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان شئت دعوت فردت عینک وان شئت فالجنة وفی لفظ فعین فی الجنة قال فالجنة ورمی بها من یدہ ای وقدمت عینہ الثانیة فی القتال یوم الیرموک عند

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۸ ج ۴ تحت غزوة الطائف

۲ سیرة حلبیہ ص ۱۳۱ ج ۳ تحت غزوة الطائف

مقاتلة الروم) ۱

”یعنی ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری یہ آنکھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں گئی ہے۔ آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور آپ کو آنکھ واپس مل جائے گی اور اگر آپ اس کے عوض میں جنت چاہتے ہیں (تو اس کو رہنے دیجیے) پس ملے گی، تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسے پھینک دیا اور کہا کہ مجھے جنت مطلوب ہے۔ اور ان کی دوسری آنکھ یوم یرموک میں روم کے خلاف مقاتلہ میں فی سبیل اللہ ختم ہوئی۔“

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی دونوں چشموں (آنکھوں) کی قربانی دینے کو ہم نے قبل ازیں کتابچہ (حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ) میں تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔

④ ان غزوات میں اللہ تعالیٰ نے خاص نصرت فرماتے ہوئے اہل اسلام کو فتح نصیب فرمائی اور اسلام کے قاعدہ کے مطابق سردار دو جہاں رضی اللہ عنہ نے غنائم کو جہاد میں شامل حضرات میں تقسیم فرمایا۔ اس موقع پر بعض افراد اور اشخاص کو عام قاعدہ سے کچھ زائد حصہ خصوصی رعایت سے دیا اور ان کی مالی اعانت فرمائی۔

اس مقام پر خصوصی رعایت کو اہل علم حضرات ”تالیف قلب“ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ وقتی مصالح میں سے ایک تدبیر اور مصلحت تھی جس کے تحت بعض حضرات کو یہ مالی رعایت دی گئی تھی۔

اس مقام پر خصوصی رعایت پانے والوں کی ایک خاصی تعداد ہے جو اہل سیر نے اپنے اپنے مقام پر ذکر کی ہے۔ ان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قابل ذکر افراد ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق چند حوالہ جات ہم یہاں ذکر کرنا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین کرام اصل عبارت میں اس چیز کو ملاحظہ فرمائیں۔ عبارت کے بعد ان کا مفہوم ذکر کیا جائے گا۔

① ((وشهد معہ حنینا واعطاء مائة من الابل واربعین اوقیة من ذهب ووزنها بلال، وشهد الیمامة)) ۲

② ((الذین اعطاهم رسول اللہ ﷺ یومئذ مائة من الابل وهم ابوسفیان بن حرب، وابنه معاویة و حکیم بن حزام و العارث بن کلدة اخو بنی عبدالدار..... الخ)) ۳

③ ((فاعطی ﷺ للمولفة ای من اسلم من اهل مكة فكان اولهم اباسفیان

۱ سیرة طبریہ ص ۱۳۲، ج ۳ تحت غزوة الطائف۔

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سنہ ۶۰ھ

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۶۰ ج ۳ تحت غزوة الطائف

بن حرب رضی اللہ عنہ اعطاه اربعین اوقیة ومائة من الابل وقال ابني يزيد ويقال له يزيد الخير فاعطاه كذلك وقال ابني معاوية فاعطاه كذلك فاخذ ابوسفیان رضی اللہ عنہ ثلث مائة من الابل ومائة وعشرين اوقیه من الفضة وقال بابي انت وامی یا رسول الله لانت کریم فی الحرب وفي السلم ای وفي لفظ لقد حاربتك فنعم المحارب كنت وقد سالمتك فنعم المسالم انت هذا غاية الكرم جزاك الله خيرا))^۱

① ”مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غزوہ حنین میں نبی اقدس ﷺ کے ساتھ حاضر ہوئے اور آنجناب ﷺ نے ایک سواونٹ ان کو عنایت فرمائے چالیس اوقیہ بھی عنایت فرمایا۔ جس کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وزن کر کے ان کو دیا تھا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کے بعد جنگ یمامہ میں بھی شریک جہاد ہوئے تھے۔“

② ”غزوہ طائف اور غزوہ حنین کے بعد جن لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے اس روز سوسو شتر عنایت فرمایا تھا ان لوگوں میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے فرزند معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور حکیم بن حزام بن خویلد رضی اللہ عنہ (برادرزادہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) تھے اور حارث بن کلدہ اخو بنی عبدالدار وغیرہم تھے۔“

③ ”اہل مکہ میں سے جو اسلام لائے اور مولفۃ القلوب تھے ان کو نبی کریم ﷺ نے مال عنایت فرمایا۔ ان لوگوں میں سے پہلے شخص حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کو ایک سواونٹ اور چالیس اوقیہ عنایت فرمایا۔ پھر انھوں نے عرض کیا کہ میرے بیٹے یزید کے لیے بھی عنایت فرمائیے جس کو یزید الخیر کہا جاتا ہے، تو آنجناب ﷺ نے ان کے لیے بھی اتنا ہی حصہ عنایت فرمایا اور پھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے فرزند معاویہ کے لیے بھی عنایت فرمائیے تو آنجناب ﷺ نے ان کے لیے بھی اتنی ہی مقدار عنایت فرمائی۔ پس اس طرح حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے تین سواونٹ اور ایک سو بیس اوقیہ وصول کیے۔“

اس کے بعد آنجناب ﷺ کی خدمت میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کو میں نے جنگ میں بھی کریم پایا اور صلح میں بھی مہربان پایا۔ اور بعض روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ جنگ کا معاملہ پیش آیا تو آپ بہتر جنگ کرنے والے پائے گئے اور آپ کے ساتھ صلح و مصالحت کا معاملہ پیش آیا تو آپ بہترین صلح کرنے والے ثابت ہوئے۔ یہ آپ کی نہایت درجہ کی عنایت اور غایت درجہ کی شفقت

ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔“

حاصل یہ ہے کہ یہ واقعات دور نبوی میں پیش آئے۔ مذکورہ حضرات قیادت نبوت کے تحت اسلامی مہمات میں شریک ہوئے۔ جہاں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی قربانیاں پیش کیں اور ثواب آخرت کے ساتھ مالی منافع سے بھی متمتع ہوئے، انی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور برادر حضرت یزید رضی اللہ عنہ کو بھی اخروی ثواب کے ساتھ مالی فوائد سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملا۔

عہد نبوت میں مناصب

① اسلام سے قبل دور جاہلیت میں اہل مکہ میں قبیلہ قریش کے صرف چند افراد نوشت و خواند جانتے تھے اور بعض مصنفین نے لکھا ہے کہ قریش نے اس دور میں حرب بن امیہ سے تحریر کو سیکھا۔ حرب بن امیہ اپنے دور کا اہم خواندہ شخص شمار ہوتا تھا۔^۱

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ جب اسلام آیا تو قریش مکہ میں سترہ آدمی ایسے تھے جو تحریر اور نوشت و خواند کا فن جانتے تھے۔ ان افراد میں حضرت عمر بن خطاب، علی المرتضیٰ بن ابی طالب، عثمان بن عفان، ابو عبیدہ بن جراح، طلحہ بن عبید اللہ، ابوسفیان صحر بن حرب، یزید بن ابی سفیان، اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

((دخل الاسلام وفي قریش سبعة عشر رجلا كلهم يكتب عمر بن خطاب وعلی بن ابی طالب و عثمان بن عفان و ابو عبیدة بن الجراح و طلحة و یزید بن ابی سفیان و ابو سفیان بن حرب بن امیة و معاویة بن ابی سفیان
رضی اللہ عنہم..... الخ))^۲

تاریخ کے اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، آپ کے برادر یزید رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس دور میں نوشت و خواند کی صلاحیت رکھتے تھے اور ان کا شمار خواندہ حضرات میں ہوتا تھا۔

② اس مقام پر دوسری یہ چیز قابل ذکر ہے کہ حضرت رسالت مآب رضی اللہ عنہم کی جناب میں جہاں دیگر کاتب حضرات تھے وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے خاندانی وقار کے پیش نظر کتابت کے منصب سے سرفراز فرمایا گیا تھا اور آنجناب رضی اللہ عنہم کے کاتبوں میں ان کا خاص مقام تھا۔ یہ چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلاحیت و صداقت اور امانت کی دلیل ہے اور یہ ان کے حضور رضی اللہ عنہم کے ہاں معتمد ہونے کا واضح ثبوت ہے۔

۱ کتاب المصاحف (ابو بکر عبد اللہ بن ابی داؤد سجستانی) ص ۵ تحت خطوط المصاحف

۲ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۷۷ تحت امر الخط، طبع مصر۔

① محدثین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت کا فریضہ ادا کیا کرتے تھے۔

② جب کبھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر کرانے کی ضرورت پیش آتی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلوا کر تحریر کرایا کرتے تھے۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ جاؤ معاویہ کو بلا کر لاؤ پس وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر کی ضرورت ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ کبار علماء نے یہ تصریح بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتابت وحی کا فریضہ بھی دیگر کاتبین وحی کی معیت میں ادا کیا کرتے تھے۔

① ((وعن عبد الله بن عمرو ان معاوية كان يكتب بين يدي رسول الله ﷺ)) (رواه الطبرانی واسناده حسن) ۱

② جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ:

((فقال اذهب فادع لي معاوية قال و كان كاتبه فسعيت فاتيت معاوية فقلت اجب نبى الله ﷺ فانه على حاجة)) ۲

③ ((ثنا عفان ثنا ابو عوانة قال انا ابو حمزة قال سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہما يقول كنت غلاما اسعى مع الصبيان قال فالتفت فاذا نبى الله ﷺ خلفي مقبلا فقلت ما جاء نبى الله ﷺ الا الى قال فسعيت حتى اختبى وراء باب دار قال فلم اشعر حتى تناولني قال فاخذ بقفاي فحطاني حطاءة قال اذهب فادع لي معاوية و كان كاتبه قال فسعيت فقلت اجب نبى الله ﷺ فانه على حاجة)) ۳

④ ((ان معاوية كان يكتب الوحي لرسول الله ﷺ مع غيره من كتاب الوحي ﷺ)) ۴

۱ مجمع الزوائد (شمسی) ص ۳۵۷ ج ۹ تحت باب ما جاء في معاوية بن ابي سفيان رضی اللہ عنہ

۲ مسند امام احمد ص ۳۳۵ ج ۱ تحت مسند ابن عباس رضی اللہ عنہما

۳ مسند امام احمد ص ۲۹۱ ج ۱ تحت مسند ابن عباس رضی اللہ عنہما

۴ الهدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱ ج ۸ تحت فضل معاوية بن ابي سفيان رضی اللہ عنہ

((وكتب له معاوية بن ابي سفيان وحنظلة الاسيدي..... الخ))

⑤ ((وصحب معاوية رسول الله ﷺ وكتب الوحي بين يديه مع الكتاب))

⑥ ((واكثر هم ملازمة له زيد بن ثابت و معاوية بن ابي سفيان رضي الله عنهما بعد

الفتح..... الخ))

یہ چند عبارات اس مسئلہ پر بطور نمونہ درج کر دی ہیں تفصیلات میں جانے سے تطویل کا خوف ہے۔ مزید حوالہ جات اس مضمون پر مطلوب ہوں تو ہماری کتاب مسئلہ اقربا نوازی صفحہ ۱۳۶-۱۳۷ تحت عنوان ”کاتب نبوی ہونا“ کی طرف رجوع فرمائیں۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ مسئلہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتبان نبوی میں شمار تھا اور کتابت وحی وغیر وحی دونوں چیزوں کے تحریر کرنے والے تھے۔ یہ فضیلت انھیں طبعی صلاحیت کی بنا پر حاصل تھی اور دین میں پختگی کی علامت ہے اور ان کے عادل و امین ہونے کا بین ثبوت ہے۔ کیونکہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ:

((كان لا يستكتب الا عدلا امينا))

”یعنی آنجناب ﷺ عادل اور امانت دار شخص کے بغیر کسی کو کاتب نہیں بناتے تھے۔“

③ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ ایک موقع پر نبی اقدس ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مراسلت نویسی کی فہمائش کرتے ہوئے اس تحریر کی ترتیب بھی تعلیم فرمائی۔

چنانچہ ایک شخص مسعود بن وائل نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا اور اس کا اسلام آنجناب ﷺ نے قبول فرمایا۔ اس کے بعد مسعود بن وائل نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ آنجناب (ﷺ) اپنے ایک شخص کو میری قوم کی طرف روانہ فرمائیں جو میری قوم کو اسلام کی دعوت دے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آنجناب (ﷺ) کی برکت سے ان کو ہدایت فرمائے گا۔ تو اس کی اس گزارش کے بعد آنجناب ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس قوم کی طرف ایک مراسلہ لکھنے کا حکم کرتے ہوئے فرمایا کہ میری طرف سے لکھو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کس طرح لکھوں؟ تو آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پہلے تحریر کرو (اس کے بعد دیگر دعوت اسلامی کا مضمون لکھا جائے گا)

((ان مسعود بن وائل قدم على النبي ﷺ فاسلم وحسن اسلامه فقال يا

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفيان رضی اللہ عنہما

۲ تاریخ الخلیفہ (شیخ دیار بکری) ص ۱۸۲ ج ۲ تحت کتابہ ﷺ

۳ ازلة الخفاء ص ۱۲۷ تحت تنبیہ سوم طبع قدیم بریلی۔

رسول الله انى احب ان تبعث الى قومي رجلا يدعوهم الى الاسلام عسى الله ان يهديهم بك فقال لمعاوية اكتب له فقال يا رسول الله كيف اكتب له؟

قال اكتب بسم الله الرحمن الرحيم فذكر الحديث))^۱

رسالت مآب ﷺ کی جناب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مراسلہ نبوی کے قاری تھے گزشتہ سطور میں ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ چیز واضح کر دی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی تحریرات کے لیے خواہ وحی ہوں یا غیر وحی آپ ﷺ خصوصی محرر تھے۔

اس کے بعد مزید یہ چیز بھی واضح کی جاتی ہے کہ پیغمبر اسلام کی طرف دیگر ملوک اور بادشاہوں کی طرف سے مراسلت ہوتی تھی اور اس میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان تحریرات کے قاری ہوتے تھے۔ یہ چیز آنجناب ﷺ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں عظیم اعتماد ظاہر کرتی ہے۔

قیصر روم کے قاصد کا واقعہ

چنانچہ اس پر ”قیصر روم“ کے قاصد کا ایک خاص واقعہ محدثین اور مؤرخین نے بڑی تفصیل سے درج کیا

ہے۔

اس واقعہ کو ہم ناظرین کرام کی خدمت میں ذکر کرتے ہیں اور اس پر چند ایک عبارات بھی ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ اہل علم حضرات کو پورا اعتماد ہو سکے اور واقعہ کی حقیقت ان کے ہاں صحیح طور پر نمایاں ہو سکے۔

قاسم بن سلام رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

((عن سعيد بن ابى راشد قال لقيت التنوخي رسول هرقل الى رسول الله

ﷺ بحمص وكان جاراً لى شيخاً كبيراً قد بلغ الفند او قرب منه قال اتيت

رسول الله ﷺ وهو يتبوك بكتاب هرقل ، فناوله رجلاً عن يساره فقراه

فقلت من صاحب كتابكم الذى يقراه فاذا هو معاوية رضي الله عنه فلما ان فرغ من

قراءة كتابى قال ان لك حقاً انك رسول ، ولو وجدت عندنا جائزة جوزناك

بها ، انا سفر فقام رجل فقال انا اجوزه ففتح رحله فاتى بحله فوضعها فى

حجرى فقلت من صاحب الجائزة؟ فقالوا عثمان فقال رسول الله ﷺ من

ينزل هذا؟ فقال فتى من الانصار ، انا قال فذهب بنى الانصارى - مكنت

معه))^۲

۱ الاصابه مع الاستيعاب (ابن حجر عسقلانى) ص ۳۹۳ ج ۳ تحت (۷۹۶۰) مسعود بن وائل

۲ كتاب الاموال (امام ابو عبید قاسم بن سلام التوفى ۲۲۳ھ) ص ۲۵۵-۲۵۶ طبع مصر (تحت فصل ما بين الغيمه والغنى ومعرف كل منهما)

یہی واقعہ مسند ابی یعلیٰ میں اس طرح ہے کہ قاصد قیصر روم تنوخی کہتا ہے کہ
 ((فَأْتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ مَعَ أَصْحَابِهِ وَهُمْ مُحْتَبُونَ بِحِمَائِلِ سَيُوفِهِمْ
 حَوْلَ بَيْتِ تَبُوكَ فَقُلْتُ أَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ؟ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى نَفْسِهِ، فَدَفَعْتُ إِلَيْهِ
 الْكِتَابَ، فَدَفَعَهُ إِلَى رَجُلٍ إِلَى جَنْبِهِ فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ فَقَالُوا: مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي
 سَفْيَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَرَأَهُ فَأَذَا فِيهِ كَتَبْتَ تَدْعُونِي إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ
 فَإِنَّ النَّارَ إِذَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "يَا سَبْحَانَ اللَّهِ" إِذَا جَاءَ اللَّيْلُ فَإِنَّ
 النَّهَارَ؟ فَكَتَبْتَهُ عِنْدِي ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّكَ رَسُولُ قَوْمٍ فَإِنَّ لَكَ حَقًّا.
 وَلَكِنْ جِئْتَنَا وَنَحْنُ مَرْمَلُونَ قَالَ عَثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَكْسُوهُ حِلَّةَ صَفُورِيَّةٍ فَقَالَ رَجُلٌ
 مِنَ الْإِنصَارِ عَلَى ضِيَاغَتِهِ..... الخ)) ۱۔

رسول قیصر کے اس واقعہ کو دیگر محدثین اور مورخین نے بھی اپنی اپنی عبارات میں تفصیل سے ذکر کیا

ہے۔ مندرجہ ذیل مقامات پر یہ واقعہ مذکور ہے ناظرین کرام حوالہ جات ہذا کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں:

- ① مسند امام احمد ص ۴۴۱-۴۴۲، جلد ۳ تحت حدیث تنوخی عن النبی ﷺ۔
 - ② مسند امام احمد ص ۷۴-۷۵ ج ۳ تحت حدیث رسول قیصر الی رسول اللہ ﷺ۔
 - ③ مجمع الزوائد (پنجمی) ص ۲۳۵-۲۳۶، ج ۸ رجال ابی یعلیٰ ثقات، تحت باب ما کان عند اہل الکتاب
 من امر نبوتہ ﷺ۔
 - ④ ابن عساکر کامل ص ۴۱۸ ج ۱، طبع اول دمشق، تحت باب غزاة النبی ﷺ بنفسہ تبوک و ذکر مکاتبتہ..... الخ
 - ⑤ ابن عساکر کامل ص ۴۱۹ ج ۱، طبع اول دمشق، تحت باب غزاة النبی ﷺ بنفسہ تبوک و ذکر مکاتبتہ و
 مراسلتہ منها الملوک۔
 - ⑥ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۶ ج ۵، تحت قدم رسول قیصر الی رسول اللہ ﷺ تبوک۔
- مطلب یہ ہے کہ جناب نبی اقدس ﷺ نے مشہور صحابی دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے قیصر روم کی طرف
 دعوت اسلام کے لیے مراسلہ ارسال فرمایا تھا۔ اس کے جواب میں قیصر روم کا قاصد تنوخی اپنے بادشاہ ہرقل کی
 طرف سے ایک مکتوب لایا تھا۔
- تنوخی بیان کرتا ہے کہ آنجناب ﷺ غزوہ تبوک کے سلسلے میں تبوک کے مقام پر اپنے اصحاب کے
 درمیان تشریف فرما تھے۔ (میں آنجناب ﷺ کو نہیں پہچانتا تھا) میں نے دریافت کیا کہ محمد (ﷺ) کون
 ہیں؟ تو آنجناب ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنی ذات گرامی کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس پر میں نے وہ

مکتوب آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آنجناب رضی اللہ عنہم نے وہ مراسلہ اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لیے دیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ تو اہل مجلس نے بتایا کہ یہ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مراسلہ آنجناب رضی اللہ عنہم کی خدمت میں پڑھ کر سنایا۔ اس مکتوب میں یہ چیز بھی درج تھی کہ آپ مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے تو فرمائیے کہ دوزخ کہاں ہے؟ اس پر آنجناب رضی اللہ عنہم نے فرمایا: سبحان اللہ! جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ (مراسلہ کے مضمون کی تفصیلات اپنی جگہ پر درج ہیں)

جب مراسلہ پڑھ لیا گیا تو آنجناب رضی اللہ عنہم نے رسول قیصر کو ارشاد فرمایا کہ آپ پیغام رساں ہیں اور پیغام رساں کا احتراماً حق ہوتا ہے۔ ہم اس وقت مسافر ہیں اگر ہمارے پاس کوئی عطیہ اور ہدیہ ہوتا تو ہم آپ کو دے دیتے۔ یہ بات سن کر آنجناب رضی اللہ عنہم کے اصحاب میں سے ایک شخص اٹھا اور کہا کہ میں اس قاصد کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں اور وہ شخص اپنے سامان میں سے ایک عمدہ پوشاک نکال لایا اور اسے میری گود میں رکھ دیا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ تو حاضرین مجلس نے کہا یہ عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

اس کے بعد جناب نبی اقدس رضی اللہ عنہم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اقامت دینے (ٹھہرانے) کی ضرورت ہے۔ کون اس کو جگہ دینے کے لیے تیار ہے؟ تو انصار میں سے ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور اپنے پاس ٹھہرایا۔

حاصل یہ ہے کہ قیصر روم کے اس مراسلے کی خواندگی کے فرائض سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیے۔

آخر میں شیعہ کے اکابر کا ایک حوالہ اس مسئلہ کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ اہلسنت والجماعت اور شیعہ دونوں کے نزدیک دور نبوت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کتابت وحی وغیر وحی و مراسلہ نویسی نیز عہد نامے تحریر کرنے اور پڑھنے کی خدمات پر مامور تھے اور انشا پر داز تھے۔

شیعہ کے قدیم ثقہ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے:

((وكان كتابه الذين يكتبون الوحي والكتب والعهد على بن ابي طالب
وعثمان بن عفان و خالد بن سعيد بن العاص بن امية و معاوية بن ابي
سفيان و شرحبيل بن حسنة رضي الله عنهم الخ))^۱

”یعنی مطلب یہ ہے کہ آنجناب رضی اللہ عنہم کے لیے وحی و مراسلت و عہد و مواثیق وغیرہ تحریر کرنے والے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت خالد بن سعید بن عامر، حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور شرحبیل بن حسنة وغیرہم رضی اللہ عنہم تھے۔“

قطعہ اراضی کی تسلیم

① یمن کے علاقہ حضرموت کے مقام سے ایک شخص وائل بن حجر کندی رضی اللہ عنہ جو اپنے علاقہ کے رئیس اور اپنی قوم کے سردار تھے جناب نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ ان کے حق میں نبی اقدس ﷺ نے دعائیں فرمائیں اور صحابہ کے سامنے ارشاد فرمایا کہ یہ وائل بن حجر ہیں، یہاں سے بعید ایک مقام حضرموت سے آ کر یہاں بخوشی اسلام لائے (ان پر کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا گیا)۔ ان حالات میں جناب نبی کریم ﷺ نے ان کو ایک قطعہ اراضی عطا فرمانے کا ارادہ فرمایا۔

امام بخاری رضی اللہ عنہ تاریخ کبیر میں لکھتے ہیں کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے خود ذکر کیا کہ:

((فبعث معی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ قال وامره ان يعطينی ارضا فیدفعها الی و کتب لی کتابا خاصا یفضلنی فیہ علی قومی و کتابا لی و لاهل بیتی بماننا..... الخ))^۱

”یعنی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ نے (حضرت) معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کو میرے ساتھ روانہ فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا کہ میرے لیے زمین کا ایک قطعہ متعین کر کے میری تحویل میں دے دیں اور ساتھ ہی میرے لیے ایک خاص مکتوب تحریر کرایا جس میں میری قوم پر میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے لیے اور میرے اہل خانہ کے لیے مال و متاع کے متعلق مزید ایک وثیقہ بطور مکتوب عنایت فرمایا۔“

واقعہ ہذا مندرجہ ذیل مقامات پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ان علماء نے یہ واقعہ اپنی اپنی عبارات میں ذکر کیا

ہے۔

① صحیح ابن حبان ص ۱۶۶-۱۶۷ ج ۹، ۱۰، تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ

② مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۹ فصل ثانی، باب احیاء الموات والشرب بحوالہ ترمذی و دارمی۔

③ کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۳۲۵ ج ۳ باب الواؤ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ

④ اسد الغابہ ص ۸۱ ج ۵ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ طبع تہران۔

⑤ الاصابہ (ابن حجر) مع الاستیعاب ص ۵۹۲ ج ۳ تحت ذکر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ۔

مختصر یہ ہے کہ واقعہ ہذا کے ذریعے سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کامل اعتماد تھا اور وہ باصلاحیت شخصیت تھے۔ اسی بنا پر قطعہ ارضی کی تعیین و تسلیم جیسے اہم کام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

تنبیہ

اس مقام پر بعض روایات میں وائل بن حجر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مناقشانہ کلمات مذکور ہیں جن میں وائل کی زبانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص و تحقیر معلوم ہوتی ہے۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ مقولہ مشہور ہے کہ ”یک من علم رادہ من عقل باید“ عقلمند آدمی کو سوچنا چاہیے کہ وائل رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک ”اعزاز“ اور ”منصب“ مرحمت فرمایا گیا اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کام کی سفید و تکمیل کے لیے وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ اب ان حالات میں وائل رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ آدمی کا احترام ملحوظ رکھنا اور اس کی رضامندی کا خیال رکھنا قرین قیاس ہے اور آنجناب رضی اللہ عنہ کے فرستادہ شخص کے ساتھ بہتر سلوک سے پیش آنا اخلاقی فرض ہے۔

یہاں روایت کے راویوں کو خدا خیر سمجھائے انہوں نے واقعہ ہذا میں الٹا معاملہ کر دیا اور وائل رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحقیر ذکر کی ہے اور ذلت آمیز رویہ دکھایا ہے۔ کیا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کو وائل رضی اللہ عنہ کے سامنے ذلیل کرنے کے لیے بھیجا تھا؟ غور کرنے کا مقام ہے۔

یہ سب راویوں کی طرف سے واقعہ میں اضافے ہیں اور ان کو درخور اعتنا نہ سمجھا جائے بلکہ اصل واقعہ پر نظر رکھی جائے جیسا کہ ہم نے پیش کر دیا ہے۔

اس روایت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتماد نبوت کا ثبوت اور ان کی صلاحیت کا اثبات واضح طور پر پایا جاتا ہے۔

ایک دیگر واقعہ

② اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ محدثین اور مورخین نے ذکر کیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص بلال بن حارث مزی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے (بلال رضی اللہ عنہ کے احوال کی تفصیل اپنی جگہ موجود ہے) ان کے لیے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساحل البحر کے علاقہ معادن القبلیہ سے قطعاً اراضی عنایت فرمائے اور وہاں سے بعض مواضع کو متعین کر کے بطور وثیقہ کے ایک تحریر لکھ دی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے قطعاً اراضی عطا کرنے کا یہ وثیقہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا تھا۔

((ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقطعه القطیعة وکتب له ”هذا ما اعطی محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلال بن الحارث اعطاه معادن القبلیة غوریہا وجلسیہا وکتب

معاویہ))۔^۱

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ نوع کی اہم خدمات کا سرانجام دینا آنحضرت ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری میں دے رکھا تھا اور یہ آپ کے فرائض میں داخل تھا۔

فرمان نویسی

③ اسی طرح فرمان نویسی کا ایک اور واقعہ مشہور مورخ ابن شہہ رضی اللہ عنہ نے "تاریخ مدینہ منورہ" میں تحریر کیا ہے کہ:

سہل بن حنظلہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار سردار دو جہاں رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دو شخص (عیینہ بن حصن بن بدر اور اقرع بن حابس) حاضر ہوئے اور انھوں نے بعض ضروریات کے متعلق سوال کیا تو آنجناب رضی اللہ عنہ نے ان کے سوال کو پورا کرنے کا امر فرمایا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ ان کی حاجت روائی کی خاطر ایک تحریر لکھ کر ان کے حوالہ کی جائے تو حسب ارشاد نبوی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو الگ الگ تحریر لکھ کر دے دی۔

((حدثنا سهل ان عيينة بن حصن بن بدر والاقرع ابن حابس دخلا على

رسول الله ﷺ فسألاه فامر لهما بما سألاه، و امر معاوية ﷺ ان يكتب

لهما بذلك، فكتب و دفع الى كل واحد منهما صحيفة))^۲

اسی ضمن میں سیرت نگاروں نے جناب نبی کریم ﷺ کے دور کا ایک دیگر واقعہ بھی ذکر کیا ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ ہماری لیے سابقہ وثیقہ از سر نو تحریر کر کے عنایت فرمایا جائے (جبکہ قبل ازیں ان کو قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں ایک تحریر لکھ کر دی گئی تھی) تو اس پر حضور اکرم ﷺ نے تمیم داری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے جدید تحریر لکھوا کر ان کے حوالے کی۔ اس تحریر کا مضمون یہ تھا کہ:

"بسم الله الرحمن الرحيم، یہ وہ وثیقہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے تمیم داری اور اس کے ساتھیوں کو لکھ کر

دیا ہے۔ (آنجناب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ) میں نے تم کو مقام عینون، جبرون، مطوم اور بیت ابراہیم

اور وہ تمام کے لیے انھیں اور ان کی اولاد کو سپرد کر دی ہے۔ پس جو شخص ان کو اذیت پہنچائے گا اللہ

تعالیٰ اس کو تکلیف میں مبتلا فرمائیں گے۔"

۱۔ مستدرک حاکم ص ۵۱۷ ج ۳ کتاب معروض الصحابہ تحت ذکر بلال بن حارث رضی اللہ عنہ۔

تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوط قلمی ص ۴۴۳ ج ۳) تحت ترجمہ بلال بن حارث رضی اللہ عنہ۔

۲۔ معجم البلدان (یاقوت حموی) (ص ۳۰۷، ۳۰۸ ج ۱۵) تحت القلیہ طبع بیروت۔

۳۔ تاریخ المدینہ المنورہ (ابن شہہ) ص ۵۳۵ ج ۲ طبع قاہرہ

اور اس وثیقہ پر مندرجہ ذیل گواہ اور شاہد قائم فرمائے:

((شہد بذالك ابوبكر بن ابى قحافة وعمر بن الخطاب و عثمان بن عفان بن عفان و على بن ابى طالب و معاوية بن ابى سفيان رضي الله عنه) و كتب - نقل ذلك فى الموهب))^۱

- ① سیرت حلبیہ ص ۲۳۰-۲۳۱ جلد ۳، تحت ما یذکر فیہ ما یعلق بالوفود..... الخ
 - ② شرح مواہب لدنیہ (زرقاتی) ص ۳۵۹ جلد ۳، تحت مکاتباتہ علیہ الی السلوک وغیرہم
- یعنی اس وثیقہ پر خلفائے اربعہ اور امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کو شاہد قرار دیا گیا اور اس وثیقہ کو حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا ہے۔

یہ چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عند النبوت و وثاقت، عدالت اور دیانت کی واضح دلیل ہے۔

فوائد و نتائج

مندرجات بالا کی روشنی میں مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

- ① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر باش خادم تھے اور پہلے نبوت میں بیٹھنے کے شرف سے مشرف تھے۔ (سبحان اللہ)
- ② حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم اعتماد تھا اور آپ کو خصوصی قرب نبوی حاصل تھا۔ آپ وحی اور غیر وحی دونوں طرح کی تحریر سرانجام دیتے تھے۔
- ③ نیز بادشاہوں کی طرف مراسلات اور پھر ان کے جواب کی اہم ذمہ داری بھی آپ کے سپرد تھی جو بڑا باوقار منصب ہے نیز قطعہ اراضی کا تعین اور وثیقہ نویسی کی خدمات سرانجام دینے کی سعادت بھی ان کو نصیب تھی۔
- ④ کوئی منافق یا عامی قسم کا آدمی ان جلیل القدر مناصب کا اہل نہیں ہو سکتا اور سلطنت کے ایسے اہم امور اس کی تحویل میں نہیں دیے جاسکتے۔

یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کامل ایماندار شخصیت اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معتمد صحابی تھے اور مخلصین صحابہ کرام میں ان کا ایک اہم اور مقتدر مقام تھا۔

ایک واقعہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدینہ منورہ میں آپ کے پاس مقیم رہے۔ اس دوران میں آپ کو مختلف اسلامی خدمات سرانجام دینے کا موقع

نصیب ہوتا رہا۔ ان ایام میں آپ کی مالی و معاشی حالت کچھ اچھی نہ تھی، فقر و فاقہ کا دور تھا لیکن آپ نے اس حالت میں بھی صبر و استقلال کا دامن نہیں چھوڑا اور صابر و قانع رہ کر ملتی و دینی خدمات سرانجام دیں۔ صحیح روایات میں ایک واقعہ مذکور ہے جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس وقت کی معاشی اور مالی حالات کی ایک کیفیت ملتی ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ اس دور میں ایک خاتون فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو اپنے خاوند (ابو حفص بن مغیرہ مخزومی رضی اللہ عنہ) سے طلاق مل گئی اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنا واقعہ طلاق عرض کیا۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں عدت گزارنی ہوگی اور جب یہ مدت گزر جائے تو مجھے آ کر اطلاع دینا۔ چنانچہ ایام عدت گزارنے کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دوبارہ حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے دو شخصوں (معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہم رضی اللہ عنہما) نے نکاح کا پیغام دیا ہے۔ یعنی مگنی کی گفتگو کی ہے۔ اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کرتی ہوں کہ میں کس شخص کے ساتھ نکاح کروں؟ تو سردار دو جہاں رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ ابو جہم اپنی لاشمی اپنے کندھے پر اٹھائے رکھتا ہے (یعنی غصہ ور ہے اور مار پیٹ کرتا ہے) اور معاویہ بن ابی سفیان معلوک ہے یعنی وہ مالدار نہیں مفلوک الحال اور نادار ہے۔ تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو۔

مذکورہ خاتون کہتی ہیں کہ پہلے تو میں نے اسے پسند نہیں کیا لیکن پھر میں نے حسب فرمان نبوی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں مجھے وہ خیر و برکت عطا فرمائی کہ مجھ پر دیگر خواتین رشک کرنے لگیں۔

((قالت (فاطمة بنت قيس) فلما حللت ذكرت له ان معاوية بن ابي سفيان و ابا جهم خطباني فقال اما ابو الجهم فلا يضع عصاه عن عاتقه و اما معاوية فصعلوك لا مال له انكحى اسامة بن زيد فكرهته ثم قال انكحى اسامة فنكحته فجعل الله فيه خيرا و اغتبطت))^۱

واقعہ ہذا کے ذریعے سے واضح ہوا کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد مدینہ شریف میں مقیم تھے تو اس دوران میں ان پر فقر و فاقہ کی حالت غالب تھی۔ معاشی کمزوری اور مالی پریشان ان کو دینی امور کی بجا آوری سے پیچھے نہیں ہٹا سکی، اور آپ ان حالات میں بھی اسلامی خدمات بڑی مستعدی سے سرانجام دیتے

۱۔ مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۸ بحوالہ مسلم شریف تحت باب العدة فصل اول طبع نور محمدی۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۶ ج ۶ تحت باب العدة فصل اول طبع لبنان۔

منتخب من مسند عبد بن حمید ص ۳۵۸ تحت حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا۔

تھے۔ یہ چیز ان کی دین پر ثابت قدمی کا واضح ثبوت ہے۔

حکات رضی اللہ عنہما سے مواخات

دور نبوی کے آخری سالوں میں بہت سے قبائل مشرف باسلام ہوئے۔ ان قبائل میں بنو تمیم ایک مشہور قبیلہ ہے جو نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا۔ اس قبیلہ میں ایک شخص بشر حکات بن یزید بن علقمہ تمیمی مجاشعی بھی تھے جو دیگر افراد قبیلہ کے ہمراہ مشرف باسلام ہوئے۔

اہل تراجم نے لکھا ہے کہ:

① ((ان النبی ﷺ آخی بین حکات و معاویة ﷺ فمات الحتات عند معاویة ﷺ فی خلافتہ))^۱

② ((ان الحتات وفد علی معاویة فمات عنده..... وآخی رسول اللہ ﷺ بینہ و بین معاویة بن ابی سفیان ﷺ))^۲

”مطلب یہ ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے حکات بن یزید اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔“

”حکات رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے آخری سالوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں دمشق تشریف لے گئے اور وہیں مقیم رہے حتیٰ کہ آپ کا وصال بھی دمشق میں ہوا۔“

تنبیہ

① یہاں اس چیز کی تھوڑی سی وضاحت کی جاتی ہے کہ مشہور و معروف مواخات بین المہاجرین والانصار جو غزوہ بدر سے قبل قائم فرمائی گئی تھی وہ اپنی جگہ پر مسلم ہے۔ لیکن یہ مواخات الگ ہے جو نبی اقدس ﷺ نے معاویہ بن ابی سفیان اور حکات بن یزید رضی اللہ عنہما کے درمیان بعد میں قائم فرمائی تھی۔ اس کو سابقہ مواخات کے تحت شمار نہیں کیا جاتا۔

② اور یہاں بعض روایات میں یہ چیز مذکور ہے کہ ”فورثہ بالاخوة“ یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حکات رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے اموال کے وارث ہوئے اور فرزدق شاعر نے اس سلسلے میں چند اشعار کہہ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تعریف کی۔

اکابر علماء نے اس چیز کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

۱ الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۱۰ ج ۱ تحت حکات بن یزید رضی اللہ عنہ

۲ اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۷۹ ج ۱ تحت باب الحاء والفاء

سیرت ابن ہشام ص ۵۶۰-۵۶۱ ج ۲ تحت قدم وفد بنی تمیم ونزول سورة الحجرات۔

((وهذا القول ليس بشيء لان معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لم يكن يجهل ان هذه الاخوة لا يرث بها احد))^۱

”مطلب یہ ہے کہ یہ قول بے اصل ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس مسئلہ سے ناواقف نہیں تھے بلکہ خوب جانتے تھے کہ اس اخوت کی بنا پر کوئی شخص وارث نہیں بن سکتا۔ الا یہ کہ حیاتِ نبویؐ نے وارث ہونے کی صورت میں اس اخوت کے حق میں کوئی وصیت کر دی ہو۔“

ایک فضیلت (قصر شعر نبوی یعنی نبی اقدس ﷺ کے بال مبارک کا ثنا)

محدثین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مختلف قسم کی خدمات سرانجام دیتے تھے جن میں سے بعض اہم خدمات کا ذکر ماقبل میں بقدر ضرورت آچکا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس ﷺ کے سر مبارک سے بال مشقص سے کاٹے تھے۔ (مشقص ایک قسم کا لوہے کا آلہ تھا جس سے بالوں کو کاٹا جاسکتا تھا)

((عن ابن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عن معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قال قصرت عن رأس رسول الله ﷺ بمشقص))^۲

روایت مندرجہ بالا کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ سردار دو جہاں ﷺ کی ذات بابرکات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خاص تعلق تھا اور مختلف خدمات سرانجام دینے میں شریک رہتے تھے۔ اور جب بعض دفعہ بال مبارک تراشنے کی ضرورت پیش آئی ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس خدمت کے سرانجام دینے کی بھی سعادت حاصل کی۔

تنبیہ

شارحین حدیث کے نزدیک یہاں بحث چلتی ہے کہ یہ واقعہ کب پیش آیا تھا؟ اور کس جگہ پر پیش آیا؟ یہ مباحث اہل علم حضرات کے لیے مقام تحقیق ہے۔

۱ تاریخ اکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۳۲ ج ۳ تحت ذکر ہرب فرزدق من زیاد سنہ ۵۵۰ھ۔

۲ بخاری شریف ص ۲۳۳ ج ۱ کتاب الحج باب الحلق والتقصیر عند الاحلال

مسلم شریف ص ۳۰۸ ج ۱ باب جواز التقصیر العمر من شعره، طبع نور محمدی، دہلی

سنن اکبری (بیہقی) ص ۱۰۲ ج ۵ کتاب الحج باب ما یفعل المستمر بعد الصفا والرودة

مسند امام احمد ص ۹۶-۹۷ ج ۴ تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ

عام دوستوں کے لیے اتنا قدر ذکر کر دینا کافی ہے کہ جہاں اور جس موقع پر بھی یہ (قصر شعر نبوی) کا واقعہ پیش آیا وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یقیناً اس خدمت کو سرانجام دینے کا شرف حاصل کیا۔

چنانچہ تابعین کے دور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں مجاہد و عطا وغیرہ بزرگ نے اس واقعہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی اور صاحب اس کے ناقل نہیں ہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ:

((ما كان معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ مَتَّهِمَا))^۱

”مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں متہم نہیں ہیں۔ یعنی آنجناب ﷺ کے متعلق غلط بات منسوب نہیں کرتے بلکہ ٹھیک بات ہی ذکر کرتے ہیں اور قصر شعر (یعنی بال کاٹنے) کا واقعہ درست ہے۔“

تنبیہ

قصر شعر نبوی کے اس واقعہ سے اس بات کی تائید و تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بال مبارک بطور تبرک کے محفوظ تھے، تمام زندگی انھوں نے ان کو بحفاظت رکھا اور زندگی کے آخری لمحات میں انھیں اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت کی جسے ان کی دلی خواہش کے موافق پورا کیا گیا۔ (سبحان اللہ!) یہ چیز حضرت موصوف رضی اللہ عنہ کے حق میں بیش بہا فضیلت ہے۔

زبان نبوت سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائیں

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب ﷺ کے بعض خصوصی امور میں خاص خادم تھے اور آنجناب ﷺ کے فرمان کے مطابق اسلامی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ اس بنا پر ان کے حق میں وقتاً فوقتاً نبی کریم ﷺ نے دعائیہ کلمات بھی ارشاد فرمائے جو جناب باری تعالیٰ میں یقیناً مقبول و منظور ہوئے اور ان دعاؤں کی برکات کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت اہم دینی خدمات سرانجام دینے کی عمدہ توفیق نصیب ہوئی۔

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب ﷺ کی زبان نبوت سے متعدد دعائیں اپنے اپنے مواقع پر صادر ہوئی ہیں اور ان کو محدثین و مورخین نے اپنی اپنی تصانیف میں بے شمار مقامات پر متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔

ان دعاؤں کو ہم ناظرین کی خدمت میں ایک ترتیب سے پیش کرتے ہیں۔ اپنی ناقص جستجو کے مطابق ہم نے حوالہ جات ساتھ تحریر کر دیے ہیں۔ اہل علم رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۔ مسند امام احمد ص ۹۵ ج ۴ تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ طبع مصر۔

مسند امام احمد ص ۱۰۲ ج ۴ تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ طبع مصر۔

① عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات

عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی ہیں وہ آنجناب ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے حق میں جناب نبی کریم ﷺ نے کلمات ذیل سے دعا فرمائی:

((عبدالرحمن بن ابی عمیرة المزنی رضی اللہ عنہ يقول سمعت النبی ﷺ يقول
فی معاویة بن ابی سفیان اللهم اجعله هاديا مهديا واهده واهد به))

”یعنی ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! معاویہ کو (لوگوں کے لیے) ہادی بنا اور ہدایت یافتہ فرما۔ یا اللہ! اس کو ہدایت دے اور اس کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت نصیب فرما۔“

حاصل یہ ہے کہ ان ”دعا یہ کلمات“ کی برکت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے دال علی الخیر ہیں اور فی نفسہ اپنے مقام پر ہدایت یافتہ ہیں، اور مخلوق کے لیے باعث ہدایت ہیں۔ یہاں تکرار الفاظ میں مفہوم و مضمون کی تاکید و تکمیل پائی گئی ہے۔

عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کو بے شمار کبار علمائے محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے۔ ناظرین کرام کی تسلی کے لیے ہم ذیل میں صرف چند حوالہ جات تحریر کرتے ہیں:

- ① کتاب فضائل الصحابة (امام احمد) ص ۹۱۳-۹۱۴ ج ۲ تحت فضائل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ② معجم الاوسط (طبرانی) ص ۳۸۰ ج ۱ مطبوعہ ریاض۔
- ③ موارد الظمآن (پیشی) ص ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ④ مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۹ بحوالہ ترمذی شریف باب جامع المناقب فصل ثانی۔
- ⑤ ترمذی شریف ص ۵۴۷ ابواب المناقب تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (قال الترمذی حسن غریب)
- ⑥ تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۲۴۰ ج ۳ تحت باب عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ
- ⑦ طبقات ابن سعد ص ۱۳۶ ج ۷ قسم ثانی تحت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ
- ⑧ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۰۸ ج ۱ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ⑨ حلیۃ الاولیاء (ابو نعیم اصفہانی) ص ۳۵۸ ج ۸ تحت بشر بن حارث حافی
- ⑩ اخبار اصفہان (ابو نعیم اصفہانی) ص ۱۸۰ ج ۱ تحت ابراہیم بن عیسیٰ

① تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۳۲۷ ج ۳ قسم اول تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ طبع دکن

② تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۹ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

③ تلخیص الجمان (ابن حجر مکی) ص ۱۲۰ ج ۱ تحت فصل ثانی فی فضائلہ و مناقبہ

- ۱۱) اسد الغابہ ص ۳۸۶ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ۱۲) البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۱ ج ۸ بحوالہ طبرانی و امام احمد وغیرہما تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
- ۱۳) الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۰۶-۴۰۷ ج ۲ تحت عبدالرحمن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ
- ۱۴) تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوطہ) ص ۶۸۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ۱۵) تہذیب الاسماء واللغات (نودی) ص ۱۰۳-۱۰۴ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ۱۶) علل الحدیث (ابن ابی حاتم رازی) ص ۳۶۲ ج ۳ تحت علل الاخبار فی الفقہا کل
- ۱۷) کتاب الاباطیل (جوزقانی) المتوفی ۵۲۳ھ، ص ۱۹۲-۱۹۳ ج ۱ روایت ۱۸۲ (ہذا حدیث حسن)
- (۲) عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی مرویات
- نیز عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ (صحابی) فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیہ کلمات میں نے سماعت کیے، آپ فرماتے تھے:
- ((بقول (عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: اللہم علم معاویہ الكتاب والحساب وقره العذاب))
- ”یعنی اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عنایت فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔“
- اس روایت کو مندرجہ ذیل محدثین اور مورخین اور کبار علماء نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے، درج ذیل مقامات ملاحظہ فرمائیں:
- ۱) فضائل الصحابہ، امام احمد ص ۹۱۳-۹۱۴ ج ۲ تحت فضائل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ۲) مسند امام احمد ص ۱۲۷ ج ۴ تحت مسندات عرباض بن ساریہ الاسلمی رضی اللہ عنہ
- ۳) صحیح ابن حبان ص ۳۵۶ ج ۹ تحت باب ماجاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ۴) مجمع الزوائد (بیہقی) ص ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ۵) موارد النظم (بیہقی) ص ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ۶) کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) صفحہ ۳۴۵ ج ۲
- ۷) انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۰۷ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ۸) تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوطہ) ص ۶۸۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ۹) تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۸ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ۱۰) الاستیعاب (مع الاصابہ) ص ۳۸۱ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ۱۱) البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۰ ج ۸ بحوالہ احمد و ابن جریر تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ
- ۱۲) الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۸۵، ۳۸۶ ج ۲ تحت حارث بن زیاد شامی روایت نمبر ۲۰۳۶

- ⑬ کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۱۹۰ ج ۶ تحت فضائل الصحابہ حرف میم (طبع اول) دکن
- ⑭ کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۸۸، ج ۷ کتاب الفضائل تحت میم (عن عرباض رضی اللہ عنہ بحوالہ ابن نجار) طبع اول
- ⑮ جزء الحسن بن عرفہ عبدی ص ۶۱ روایت ۳۶، عن حارث بن زیاد، مکتبہ دارالاقصیٰ کویت
- ⑯ جزء الحسن بن عرفہ عبدی ص ۷۹، روایت ۶۶، عن حریر بن عثمان رجبی (المتوفی ۲۵۷ھ) مکتبہ دارالاقصیٰ کویت
- ⑰ کتاب الاباطیل (محدث ابو عبد اللہ حسین بن ابراہیم الجوزقانی) ص ۱۹۰ ج ۱ روایت ۱۸۱ (بذ حدیث حسن)
- ⑱ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی مرویات

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حمص کے علاقہ پر عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ (صحابی) کو والی مقرر فرمایا پھر کچھ عرصہ بعد ان کو اس منصب سے الگ کر کے ان کی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حمص کا حاکم بنا دیا۔ اس وقت لوگ اس تبدیلی پر اعتراض کرنے لگے۔ اس موقع پر عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں درج ذیل روایت ذکر کی:

((عن ابی ادریس الخولانی عن عمیر بن سعد قال: لا تذکروا معاویة الا بخیر فانی سمعت رسول الله ﷺ يقول: اللهم اهده))

”یعنی عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معاویہ (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) کا تذکرہ خیر و خوبی کے سوا مت کرو کیونکہ میں نے آنجناب ﷺ سے سنا ہے کہ آپ معاویہ کے حق میں فرماتے تھے کہ ”اے اللہ! انھیں ہدایت نصیب فرما۔“

روایت مندرجہ بالا کو درج ذیل مقامات پر بھی ملاحظہ فرمائیں:

- (۱) تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۳۲۸ ج ۴ قسم اول تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، طبع حیدرآباد، دکن
- (۲) ترمذی شریف ص ۵۴۷ ابواب المناقب، تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، طبع قدیم لکھنؤ۔
- (۳) تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوط) ص ۶۸۷ ج ۱۶، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- (۴) البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱۲، ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

⑳ وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کی روایت

بعض مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ آپ (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھے۔ آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب تر ہے؟ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرا شکم آپ کے نزدیک ہے۔ تو اس وقت آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اے اللہ! اسے علم اور حلم سے پر فرما دے۔“

((كان معاوية ردف النبي ﷺ فقال يا معاوية ما يليني منك قال بطني
قال اللهم املاءه علماء و حلما))

روایت ہذا مقامات ذیل پر مذکور ہے ملاحظہ فرمائیں:

- ① تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۱۸۰ ج ۲ قسم ثانی باب وحشی بن حرب حبشی رضی اللہ عنہ۔
- ② علل الحدیث (ابن ابی حاتم) ص ۳۵۹ ج ۲ روایت ۲۵۹۴ تحت اخبار فی الفصائل
- ③ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (قلمی مخطوط) ص ۶۸۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ④ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۹ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
- ⑤ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ صاحب سیادت و حکمرانی کے میں نے نہیں دیکھا۔

((..... عن المطلب بن عبدالله بن حنطب عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: ما رأيت

احداً من الناس بعد رسول الله ﷺ اسود من معاوية رضى الله عنه))

تفرد به هشام بن عمار

- ⑥ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے

اور کہا کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے حق میں وصیت فرمائیے۔ یہ اللہ کی کتاب کے امین ہیں اور عمدہ امین ہیں۔

((..... عن عطاء عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: جاء جبريل الى النبي ﷺ فقال: يا

محمد! استوص معاوية فانه امين على كتاب الله و نعم الامين هو))

- ⑦ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت:

عروہ بن زریق: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب نبی کریم

۱ بحجم الاوسط (طبرانی) ج ۷ ص ۳۸۹ روایت ۶۷۵۵ طبع ریاض

۲ بحجم الاوسط (طبرانی) ج ۳ ص ۵۳۷ روایت ۳۹۱۳ طبع ریاض

ﷺ اپنی زوجہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف فرما تھے۔ باہر سے کسی نے دروازہ پر دستک دی تو آنجناب رضی اللہ عنہم نے فرمایا: دیکھو کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرمایا: اسے اندر آنے کی اجازت ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ اندر آئے اس حالت میں کہ ان کے کان پر قلم اٹکا ہوا تھا جس سے وہ لکھتے تھے۔ آنجناب رضی اللہ عنہم نے فرمایا: معاویہ! یہ تیرے کان پر کیا قلم ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے کام کے لیے ہے۔ جواب میں جناب نبی کریم رضی اللہ عنہم نے ارشاد فرمایا کہ تجھے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور اللہ کی قسم! میں تمھ سے کتابت اس کی وحی کی بنا پر کراتا ہوں، چھوٹا کام ہو یا بڑا میں وحی الہی کے تحت بجا لاتا ہوں۔

اگر اللہ تعالیٰ تجھے قیص (خلافت) پہنائے تو اس وقت تیری حالت کیا ہوگی؟ (تو کس طرح معاملہ کرے گا؟)

یہ فرمان سن کر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنجناب رضی اللہ عنہم کے سامنے حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ! کیا میرے برادر کو اللہ تعالیٰ قیص پہنائے گا؟ آنجناب رضی اللہ عنہم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں!! لیکن (اس دور میں) شرور ہوں گے تو ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کے حق میں دعائے خیر فرمائیے۔ تو جناب نبی کریم رضی اللہ عنہم نے مندرجہ ذیل کلمات کے ساتھ دعا فرمائی:

((اللهم..... الخ))

”اے اللہ! اسے ہدایت کی طرف راہنمائی فرما اور ہلاکت سے بچا۔ اس عالم میں اور عالم آخرت میں اس کی مغفرت فرمادے۔“

((..... عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: لما كان يوم ام حبيبة رضی اللہ عنہا من النبي ﷺ دق الباب داق. فقال النبي ﷺ انظروا من هذا؟ قالوا: معاوية. فقال: ائذنوا له. و دخل وعلى اذنه قلم له يخط به. فقال ما هذا القلم على اذنك يا معاوية؟ قال: اعدته لله ولرسوله. قال: جزاك الله عن نبيك خيرا. والله ما استكتبتك الا بوحي من الله عز وجل. وما افعل من

صغيرة ولا كبيرة الا بوحى من الله عزوجل۔ كيف بك لو قد قمصك الله قميصاً؟ يعنى الخلافة۔ فقامت ام حبيبة رضی اللہ عنہا وجلست بين يديه۔ فقالت: يا رسول الله! وان الله مقمص اخى قميصاً؟ قال: نعم۔ ولكن فيه هنات و هنات وهنات۔ فقالت: يا رسول الله! فادع له۔ فقال: اللهم اهده بالهدى وجنبه الردى واغفر له فى الآخرة والاولى)) ۱

اثرات دعا

حاصل کلام یہ ہے کہ زبان نبوت سے یہ چند ایک دعائیں یہاں ذکر کی ہیں جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمائیں کہ اے اللہ! ان کو ہادی بنا اور ان کو ہدایت یافتہ کر دے اور ان کو دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔ اے اللہ! ان کو حساب و کتاب کی تعلیم فرما اور اپنے عذاب سے محفوظ فرما۔ نیز ارشاد نبوی ہے کہ اے اللہ! ان کو علم اور حلم سے سرفراز فرما۔

اور یہ واضح امر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے حق میں یہ دعائیں ارشاد فرمائیں جسے آپ نے ان کا اہل اور مستحق سمجھا۔ کسی نا اہل اور غیر مستحق کے لیے نہیں فرمائیں۔

اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعائیں پائی جاتی ہیں وہ بھی اہلیت کی بنا پر ہیں۔ مثلاً:

① حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں یمن کی طرف روانگی کے وقت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

((اللهم ثبت لسانه واهد قلبه)) ۲

② اور جریر بن عبداللہ بجلي رضی اللہ عنہ کے حق میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جبکہ ان کو قبیلہ خثعم کے ”کعبہ یمانیہ“ کو گرانے کے لیے بھیجا تھا۔ اس وقت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی تھی کہ ”میں گھوڑے کی پیٹھ پر قائم نہیں رہ سکتا“ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ مبارک پھیر کر دعا فرمائی:

((اللهم اجعله هادياً مهدياً۔ حتى وجدت بردها)) ۳

۱ یہ ہنات اسی خصال شر (یعنی عقاب قسم کے امور شر پیدا ہوں گے۔ واللہ اعلم)

۲ تعجم اوسط (طبرانی) ج ۲ ص ۳۹۸ روایت ۱۸۵۹ طبع مکتبہ المعارف، ریاض

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۰۷ ج ۵ تحت بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ الی یمن، بحوالہ مسند احمد۔

۴ مصنف ابن ابی شیبہ، ص ۱۵۳ ج ۱۲ تحت کتاب الفعائل، طبع کراچی۔

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۶ ج ۸ تحت ترجمہ جریر بن عبداللہ بجلي رضی اللہ عنہ

③ نیز عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب و حکمت کی دعا دی تھی اور فرمایا تھا:
 ((اللهم علمه الكتاب والحكمة))

تو وہ بڑے اعلیٰ درجہ کے مفسر قرآن ثابت ہوئے۔

اسی طرح متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دعائیں منقول ہیں اور وہ یقیناً ان حضرات کے حق میں مقبول و منظور ہوئیں۔ فلہذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو دعائیں صادر ہوئی ہیں وہ بھی یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں منظور ہوئیں اور اپنی جگہ پر موثر اور نتیجہ خیز ثابت ہوئیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

((ولا ارتياب ان دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستجاب فمن كان هذا حاله كيف يرتاب في حقه))^۱

”یعنی اس میں کچھ شک نہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یقیناً مستجاب ہوتی ہے تو جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے حق میں قبولیت میں کس طرح شبہ کیا جاسکتا ہے؟“

اور انھی دعاؤں کی برکات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دینی خدمات سرانجام دینے کی بہتر توفیق نصیب ہوئی اور انھوں نے ایک مدت دراز تک اسلام کی سر بلندی و سرفرازی کے لیے مساعی کیے اور بے شمار ممالک پر اسلام کا پرچم بلند کیا اور دین اسلام کے غالب ہونے کا باعث ہوئے۔

بعض فوائد

① ناظرین کرام مطلع رہیں کہ یہ دعائیں قبل ازیں ہم نے اپنی تصنیف ”اقربا نوازی“ میں صفحہ ۱۳۰ سے ۱۳۵ تک درج کی ہیں لیکن یہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت میں ان کو دوبارہ تفصیل سے درج کیا ہے اور یہاں بعض مزید اضافہ جات ذکر کیے ہیں جو مفید تر ہیں۔

② نیز یہاں ہر ایک دعا کے تحت کثرت سے حوالہ جات ذکر کیے ہیں اس میں بعض علمی مصالح پیش نظر ہیں:

(۱) ایک تو یہ چیز ہے کہ روایت میں اگر بعض اسانید کے اعتبار سے کچھ ضعف ہو تو تعدد طرق کی وجہ سے اس کے ضعف کا ازالہ ہو جائے اور اس کی کمزوری کا انجبار محدثین کے نزدیک اس طریقہ سے درست ہو کیونکہ کثرت طرق کی بنا پر روایت مقبول ہو جاتی ہے۔

۱ بخاری شریف ص ۵۳۱ ج ۱ تحت کتاب المناقب، مناقب ابن عباس رضی اللہ عنہما

۲ مرقۃ شرح مشکوٰۃ (ملا علی قاری) ص ۴۳۸ ج ۱۱ تحت باب جامع المناقب، فصل ثانی تحت روایت اللهم اجعله هادیا۔

(ب) دوسری چیز یہ ہے کہ تمام کتابیں ہر ایک اہل علم کے پاس نہیں ہوتیں تو متعدد کتابیں ذکر کر دینے سے یہ فائدہ ہے کہ جو کتاب ان کے پاس ہوگی اس سے مسئلہ ہذا کے لیے رجوع کر کے اطمینان حاصل کر سکیں گے۔

عدم فضیلت کا شبہ پھر اس کا ازالہ

بعض لوگوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ”عدم فضیلت“ کا ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے جو محض ایک قول ہے، نہ وہ قول نبوی ہے نہ کسی صحابی کا فرمان ہے اور نہ کسی تابعی کا بلکہ یہ بعد کے ایک عالم کا اپنا خیال ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ:

((لا یصح عن النبی ﷺ فی فضل معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما شیء))

”یعنی فضیلت معاویہ میں نبی کریم ﷺ سے کوئی صحیح چیز منقول نہیں۔“

اس شبہ کے ازالہ کے متعلق ہم نے جوابات مطاعن میں ایک مستقل عنوان ”عدم فضیلت کا شبہ اور اس کا ازالہ“ کے تحت بقدر ضرورت کلام کر دیا ہے۔ تاہم یہاں بھی ہم اس شبہ کا اجمالاً ازالہ کیے دیتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نبی اقدس ﷺ نے متعدد مواقع پر دعائیں ارشاد فرمائی ہیں جن کو ہم نے گزشتہ صفحات میں مع حوالہ جات کے ذکر کر دیا ہے۔ یہ دعائیں ایک ”مستقل فضیلت“ کا باب ہے۔ جس شخص کے حق میں زبان نبوت سے یہ دعائیں صادر ہوئی ہوں وہ یقیناً بڑا خوش بخت اور صاحب فضیلت ہے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ان دعاؤں کے اثرات یقیناً پائے گئے اور ان کو ان دعاؤں کی برکات کی وجہ سے اسلامی و دینی خدمات کی بہترین توفیق نصیب ہوئی۔

یہ دعائیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف اثبات فضیلت کے لیے کافی ثبوت اور شواہد ہیں۔ تاہم نفی فضیلت کے شبہ کے جواب میں ہم ذیل میں علماء کے کچھ بیانات پیش کرتے ہیں جو اس مسئلہ میں نہایت وزنی ہیں۔

① ابن عساکر دمشقی نے تاریخ بلدہ دمشق میں نفی فضیلت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((واصح ما روى فی فضل معاویة حدیث ابی حمزة عن ابن عباس انه کان

کاتب النبی ﷺ فقد اخرجہ مسلم فی صحیحہ۔ وبعده حدیث العرباض:

اللهم علمہ الكتاب الخ وبعده حدیث ابن ابی عمیرة: اللهم اجعلہ ہادیا

مہدیا))

② اور اسی طرح ابن عراق کنانی رضی اللہ عنہ نے تنزیہ الشریعہ میں مسئلہ ہذا کے تحت علامہ سیوطی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ:

((وقال السيوطي الشافعي اصح ما ورد في فضل معاوية رضي الله عنه (بن ابي سفيان) حديث ابن عباس انه كاتب النبي ﷺ فقد اخرجہ مسلم في صحيحه بعده حديث العرياض: اللهم علمه الكتابة۔ وبعده حديث ابن ابي عميرة: اللهم اجعله هاديا مهديا))^۱

مطلب یہ ہے کہ ابن عساکر و سیوطی و ابن عراق کنانی وغیرہم رضی اللہ عنہم کبار علماء نے اپنے اپنے مقام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ”نفی فضیلت“ کے جواب میں ان امور کو زیادہ صحیح چیزیں قرار دیا ہے:

(۱) مثلاً مسلم شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کتابت کے متعلق روایت منقول ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اس میں بہترین فضیلت کا ثبوت موجود ہے۔

(۲) اس کے بعد عرباض بن ساریہ (صحابی رضی اللہ عنہ) سے دعائے نبوی کی روایت مذکور ہے وہ بالکل درست ہے اور اس سے فضیلت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ثابت ہے۔

(۳) بعد ازاں ابن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت درج کی ہے جس میں دعائے نبوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مذکور ہے وہ بھی درست ہے اور شرف و فضیلت کا باعث ہے۔

(۴) اسی طرح حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے البدایہ میں مندرجہ بالا روایات پر بحث کرنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ:

((واكتفينا بما اوردناه من الاحاديث الصحاح والحسان والمستجدات عما سواها من الموضوعات والمنكرات))^۲

”یعنی ہم نے اس مسئلہ میں موضوع و منکر روایات سے احتراز کر کے صحیح و حسن اور جید روایات پر اکتفا کر کے انھیں بیان کیا ہے (جو اس فن کے اکابر علماء کے نزدیک قابل اعتماد ہیں)۔“

حاصل یہ ہے کہ مندرجہ روایات حسن کے درجہ میں ہیں اور علمائے امت نے خصوصی طور پر حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے حق میں انھیں فضیلت کی چیزیں شمار کیا ہے اور علی فرق المراتب ان کو لائق استناد قرار دیا ہے۔

۱ تنزیہ الشریعہ (ابن اسحاق کنانی) ص ۸ ج ۲ فصل اول تحت باب فی طائفہ من الصحابہ رضی اللہ عنہم۔

۲ ذیل الابی الی المصنوع (سیوطی) کتاب المناقب ص ۵ مطبع علوی کھنؤ۔

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۲ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔

نیز اکابر علماء فرماتے ہیں کہ حدیث حسن لذاتہ جمہور کے نزدیک قابل حجت ہے فلہذا اس اعتبار سے بھی یعنی حسن ہونے کی وجہ سے یہ روایات مقبول ہیں اور نفی فضیلت کے شبہ کے ازالہ کے لیے کافی ہیں۔

مزید یہ چیز قابل لحاظ ہے کہ آئندہ بحث غزوات میں غزوہ قبرص کے تحت ایک صحیح بشارت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی کے مطابق اس جیش میں شامل ہونے والوں کے لیے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے جیش ہذا کے امیر خود حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ فلہذا وہ جنت کے مژدہ کے مستحق ہیں اور اس صحیح بشارت کے مصداق ہیں۔ یہ امر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یقیناً عمدہ ترین فضیلت ہے۔ لہذا حضرت موصوف کے حق میں فضیلت کی نفی کا قول کرنا صحیح نہیں۔

علی سبیل التنزل کے درجہ میں اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یہ قول درست ہے تو اس مقام پر بعض علماء نے ”لا یصح“ کے قول کی ایک دوسری توجیہ ذکر کی ہے۔ ناظرین کرام کے فائدہ کے لیے پیش کی جاتی ہے:

((ومرادہ ومراد من قال ذالک من اهل الحدیث انه لم یصح حدیث فی مناقبہ بخصوصہ والا فما صح عندہم فی مناقب الصحابة رضی اللہ عنہم علی العموم و مناقب قریش فمعاویہ رضی اللہ عنہ داخل فیہ))

”یعنی ان لوگوں کی مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصوصی مناقب کے لیے عدم صحت حدیث کا قول ہے۔ ورنہ وہ تمام صحیح و مسلم مناقب جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قریش کے لیے کتاب و سنت میں علی العموم موجود ہیں ان مناقب و فضائل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شامل اور داخل ہیں۔“

مختصر یہ ہے کہ مندرجہ بالا دعائیں، بشارات صحیحہ اور توجیہات کے باوجود یہ کہنا کہ ”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی صحیح فضیلت ثابت نہیں“ ہرگز درست نہیں۔ فلہذا ”نفی فضیلت کا قول“ قابل رد ہے اور قبول کے لائق نہیں بلکہ اپنا خیال یہ ہے کہ نفی فضیلت کا قول کسی متعصب ذہن کی پیداوار ہے پھر اس نے ایک مشہور عالم دین کی طرف منسوب کر دیا ہے تاکہ اسے قبولیت عام حاصل ہو جائے۔

امارت و خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اشارات

سابقہ اوراق میں زبان نبوی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض دعائیں ذکر کی گئی ہیں پھر ان دعاؤں کے نتائج و ثمرات اپنی جگہ پر مسلم ہیں اور ان کے اثرات کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اسلامی خدمات کی توفیق کی صورت میں نمایاں ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جسے مورخین نے اپنے مقام پر درج کیا ہے۔

اب اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت اور خلافت کے متعلق جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف سے بعض اشارات پائے جاتے ہیں جن کو بشارات سے تعبیر کرنا بھی درست ہے۔ انھیں محدثین نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ ان کو یہاں ذکر کر دینا مفید خیال کیا ہے۔ پھر اس مسئلہ کی بعض تائیدات بھی دستیاب ہوتی ہیں ان کو بھی ساتھ ذکر کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

محدثین نے اس امر کے متعلق متعدد روایات اپنے اپنے مقام پر ذکر کی ہیں۔ ذیل میں ایک ترتیب کے ساتھ ان کو پیش کیا جاتا ہے:

مشہور محدث ابن ابی شیبہ نے اس مسئلہ پر درج ذیل روایت ذکر کی ہے:

① ((عن عبد الملك بن عمير قال قال معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: ما زلت اطمع في

الخلافة منذ قال لي رسول الله ﷺ: يا معاوية ان ملكت فاحسن))^۱

اور ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی مشہور تاریخ بلدہ دمشق میں بالفاظ ذیل یہی روایت نقل کی ہے۔ اور نیز ذکر کیا ہے کہ علامہ بیہقی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے لیے دیگر شواہد موجود ہیں اس لیے اگر اس میں ضعف پایا جائے تو اس کا ازالہ ان شواہد کی وجہ سے ہوگا:

② ((عن اسماعيل بن ابراهيم بن مهاجر عن عبد الملك بن عمير قال قال

معاوية: والله ما حملني على الخلافة الا قول النبي ﷺ لي يا معاوية ان

ملكك فاحسن قال البيهقي اسماعيل بن ابراهيم هذا ضعيف الا ان

للحديث شواهد))^۲

نیز عبد الملک بن عمیر کی روایت ہذا کے متعلق کبار علماء نے یہ تصریح بھی ذکر کر دی ہے کہ

((والحديث حسن كما علمت فهو مما يحتج به على فضل معاوية..... الخ))^۳

”یعنی یہ روایت درجہ حسن میں ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر استدلال کے قابل ہے۔“

اس مضمون کی متعدد روایات مزید بھی دستیاب ہوتی ہیں مگر اصل مضمون کے اثبات کے لیے اتنا ہی کافی

ہے۔

۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴۷-۱۴۸ ج ۱۱ آخر کتاب الامراء، طبع کراچی۔

۲ المطالب العالیہ (ابن حجر) ص ۱۰۸ ج ۴ تحت باب فضل معاویہ طبع کویت

۳ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوط قلمی ص ۲۹۹ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۴ الصواعق المحرقة (ابن حجر کی) ص ۱۳۰ بہامہ تطہیر الجنان، الخاتمہ فی بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعہ فی الصحابہ رضی اللہ عنہم، طبع قدیم

مصری مطبع مینہ۔

اور ان روایات کا مضمون یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے حق میں ارشاد فرمایا کہ ”اے معاویہ! جب تجھے اقتدار اور جہان بانی نصیب ہو تو رعایا سے بہتر معاملہ کرنا۔“ اس چیز نے خلافت کے معاملہ میں مجھے امید دلائی اور اس بات پر مجھے آمادہ کیا۔

حضرت موصوف ارشاد نبوی کے پیش نظر رعایا کے ساتھ خیر و صلاح کا معاملہ کرتے تھے اور اپنی زندگی کو بھلائی کے ساتھ وابستہ کیے ہوئے تھے۔ اور آں موصوف نے امارت اور خلافت کے معاملہ میں جو مساعی کیس وہ گویا ان بشارات نبوی کی روشنی میں ان کی تکمیلی صورت تھی۔

③ اور اس مقام پر ایک دیگر روایت جو سعید بن عمرو سے مروی ہے ذکر کی جاتی ہے یہ بھی مضمون سابق کی تائید میں ہے اور شواہد کا درجہ رکھتی ہے۔ اسے علماء نے مرسل و موصولاً درج کیا ہے اور ساتھ فرمایا ہے کہ اس کی سند کے رجال صحیح ہیں یعنی ضعیف نہیں۔

((عن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص ان معاویة رضی اللہ عنہ اخذ الاداوة بعد ابی هريرة رضی اللہ عنہ تبع رسول الله ﷺ واشتکی ابو هريرة رضی اللہ عنہ فینا هو یوضی رسول الله ﷺ رفع رأسه الیه مرة او مرتین وهو یتوضاء فقال یا معاویة ”ان ولیت امر ا فاتق الله واعدل“ قال فما زلت اظن انی مبتلی بعمل لقول رسول الله ﷺ حتی ابتلیت۔“ رواه احمد وهو مرسل ورجاله رجال الصحیح۔ ورواه ابو یعلی عن سعید عن معاویة فوصله ورجاله رجال الصحیح“ الخ))

”یعنی مطلب یہ ہے کہ سعید بن عمرو کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (جو نبی کریم ﷺ کو وضو کرایا کرتے تھے) ایک دفعہ بیمار ہو گئے ان کی جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مشکیزہ (جس سے وضو کرایا جاتا

۱۔ مجمع الزوائد (طبری) ص ۳۵۵ ج ۹ تحت ما جاء فی معاویہ رضی اللہ عنہ

مجمع الزوائد (طبری) ص ۱۸۶ ج ۵ تحت امرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ

مسند امام احمد ص ۱۰۱ ج ۴ تحت منادات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

دلائل النبوة (بیہقی) ص ۳۳۶ ج ۶ تحت ما جاء فی اخبارہ بملک معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ عکسی) ص ۶۹۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۳ فصل ثالث کتاب الامارۃ بحوالہ مسند احمد

النہایہ عن طعن معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۳۳ طبع مکتبۃ از مولانا عبدالعزیز پراوٹی

تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۱۵ فصل ثانی فی فضائلہ ومناقبہ وخصوصیۃ الخ مع صواعق محرقة۔

تھا) اٹھا لیا اور وہ وضو کرانے کی خدمت سرانجام دینے لگے۔ اسی اثنا میں سرور دو عالم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اپنا سر مبارک ایک بار یا دو بار اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ ”اے معاویہ! اگر امارت و خلافت کا تم کو والی بنایا جائے تو خدا سے خوف کرنا اور عدل و انصاف کرنا۔“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے پیش نظر برابر مجھے یہ خیال رہا کہ میں اس کام میں مبتلا ہوں گا حتیٰ کہ میں اس آزمائش میں داخل ہوا اور مجھے یہ بوجھ اٹھانا پڑا۔ بہت سے علمائے کبار نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور تائید کی ہے ان میں سے بعض حضرات کے حوالہ جات حاشیہ میں درج کر دیے ہیں رجوع کر کے تسلی کی جاسکتی ہے۔

چند دیگر تائیدات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت و خلافت کے متعلقہ ذخیرہ مرویات میں سے چند ایک روایات جو سابقاً ذکر کی ہیں وہ براہ راست اصل مضمون کی موید ہیں۔ اب سطور ذیل میں بعض چیزیں مسئلہ ہذا کے لیے بطور تائید ذکر کی جاتی ہیں۔ ان میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی فضیلت بالواسطہ پائی جاتی ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت ان چیزوں کا صحیح مصداق اور محمل ہے کیونکہ ایک مدت دراز تک آں موصوف کی امارت و خلافت قائم رہی۔

① چنانچہ حدیث شریف میں نبی اقدس ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ آنجناب ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

((عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الخلافة بالمدينة والملك بالشام))^۱

”مطلب یہ ہے کہ اسلامی خلافت مدینہ طیبہ میں ہوگی اور اسلام کی امارت و حکمرانی ملک شام میں قائم ہوگی۔“

② اور تورات میں جناب نبی کریم ﷺ کے متعدد فضائل و مناقب موجود ہیں۔ ایک مشہور تابعی کعب (احبار) نے یہ فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ:

((عن کعب (الاحبار) یحکمی عن التوراة قال نجد مکتوبا محمد رسول اللہ۔ مولده بمکة و هجرته بطیبة و ملکہ بالشام..... الخ))^۲

”یعنی نبی اقدس ﷺ کا اسم گرامی تورات میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے آنجناب ﷺ کی ولادت

۱ مشکوٰۃ شریف ص ۵۸۳ تحت باب ذکر الیمن والشام فصل ثالث

۲ مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۴ فصل ثانی من باب فضائل سید المرسلین (طبع نور محمدی دہلی)

مکہ مکرمہ میں ہوگی اور آپ کی دار ہجرت و سکونت مدینہ طیبہ میں ہوگی، آپ کے دین کی حکمرانی ملک شام میں ہوگی۔“

مشہور شارح حدیث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت ہذا کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((ملکہ ای بعد انتهاء مدته وایام خلافتہ بالشام کما کان لمعاویۃ رضی اللہ عنہ و من بعده لبنی امیۃ علی ذالک النظام۔ الخ))^۱

”یعنی آپ کے ایام خلافت کی انتہا ملک شام میں ہوگی، جیسا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد خلفائے بنو امیہ کے دور میں ہوا۔“ (یہ بطور غالب احوال کے ہے)

نیز کعب الاحبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت و حکومت کے متعلق ایک پیش گوئی منقول ہے کہ:

((قال کعب الاحبار لن یملك احد هذه الامة ما ملک معاویۃ))

(الصواعق المحرقة لابن حجر المکی ص ۲۰۰ تحت الحاتم)

”یعنی جس طرح حکومت و امارت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملے گی اس طرح کسی کو نہیں ملے گی۔“

یہ کعب کی پیش گوئی ہے اس لیے کہ کعب خلافت معاویہ سے قبل ہی وفات پا گئے تھے۔

نیز شرح بن عبید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک بار کسی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اہل شام کا تذکرہ قبیح الفاظ میں کیا اور ساتھ ہی کہا گیا کہ اے امیر المؤمنین اہل شام پر لعنت کیجیے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا اہل شام پر لعنت کرنا ہرگز جائز نہیں کیونکہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عن شریح بن عبید قال ذکر اهل الشام عند علی و قیل العنہم یا امیر المؤمنین قال لا۔ انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الابدال یكونون بالشام وهم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل الله مکانہ رجلا یسقی بہم الغیث ویتنصر بہم علی الاعداء ویصرف عن اهل الشام بہم العذاب))^۲

”مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ملک شام میں چالیس (۴۰) ابدال ہوتے ہیں جب ان میں سے کوئی ابدال فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا شخص متعین فرما دیتے ہیں اور یہ ایسے بابرکت لوگ ہیں کہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ بارش برساتے ہیں، دشمنوں پر ان کے ذریعے سے غلبہ ہوتا ہے اور ان کے ذریعے سے اہل شام سے عذاب دور کر دیا جاتا ہے۔“

پھر اس کے بعد ملک شام کے حق میں سردار دو جہاں رضی اللہ عنہ کی مشہور دعا ذکر کی جاتی ہے جو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مجلس میں بعض علاقوں کے حق میں برکت کی دعا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اللہم بارک لنا فی شامنا۔ اللہم بارک لنا فی یمنا))

”یعنی اے اللہ! ہمارے ملک شام میں برکت عطا فرما اور ہمارے علاقہ یمن میں برکت دے۔“

اور جب بعض لوگوں نے علاقہ نجد کے لیے دعا کرنے کی استدعا کی تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ نجد کو نظر

۱۔ مرقات شرح مشکوٰۃ (ملا علی قاری) ص ۶۶ ج ۱۱ تحت الروایۃ طبع لبنان۔

۲۔ مشکوٰۃ شریف ص ۵۸۲-۵۸۳ تحت باب ذکر اہل الیمین والشام فصل ثالث طبع دہلی۔

انداز فرماتے ہرے ایک دفعہ پھر ملک شام اور ملک یمن کے حق میں دعائیہ کلمات دہرائے اور علاقہ نجد میں فتن و فساد لے ظاہر ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔

چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ:

((و عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال النبی ﷺ اللهم بارک لنا فی شامنا۔ اللهم بارک لنا فی یمننا۔ قالوا یا رسول اللہ! وفی نجدنا قال اللهم بارک لنا فی شامنا اللهم بارک لنا فی یمننا۔ قالوا یا رسول اللہ! وفی نجدنا فاظنه قال فی الثالثة هناك الزلازل والفتن و بها یطلع قرن الشیطان۔ رواه البخاری))^۱

خلاصۃ المرام

① مندرجات سابقہ کے پیش نظر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ علاقہ شام کے حق میں کئی بشارات پائی جاتی ہیں اور یہ علاقہ بے شمار برکات و فضائل کا حامل ہے۔

یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی و خوش بختی ہے کہ انھیں قدرت کی طرف سے اس ملک شام میں ایک طویل مدت تک امارت و خلافت کا موقع نصیب ہوا اور انھوں نے اشاعت دین اور بقائے اسلام کے لیے خوب خدمات سرانجام دیں اور خیر و برکات کے مستحق ہوئے۔

② نیز عنوان سابق کے تحت جو چیزیں پیش کی گئی ہیں ان کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ امارت و خلافت کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو کوششیں کیں وہ کسی ذاتی داعیہ نفس کی بنا پر نہیں تھیں بلکہ آس موصوف کے لیے اس مسئلہ میں دیگر اسباب و وجوہ کے ساتھ بصورت اشارات و بشارات کے یہ دوائی بھی موجود تھے۔ اس بنا پر انھوں نے خلافت کے معاملہ میں اپنی مساعی کو جاری رکھا اور دینی و ملی خدمات کو پورا کرنے میں کامیاب ہوئے۔

غلط نظریہ کی تردید

اور بعض لوگوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق جو یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ: ”وہ بہر حال خلیفہ ہونا چاہتے تھے، انھوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی، لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا، وہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے۔“ وغیرہ وغیرہ

یہ چیز درست نہیں ہے اور واقعات کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ ان احادیث کے مضمون کے مخالف بھی ہے جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امارت کے متعلق ایما پایا جاتا ہے۔ ان کا ہم نے گزشتہ اوراق میں حوالہ پیش کر دیا ہے۔

اور اس فن کے کبار علماء کی تحقیق کے بھی برعکس ہے فلہذا یہ نظریہ مذکور قابل اعتماد نہیں بلکہ اس سے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں سوء ظن پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اجتناب کی توفیق بخشے۔

گزشتہ سطور میں جو مواد پیش کیا گیا ہے وہ مذکورہ غلط نظریہ کے جواب کی خاطر کافی ہے تاہم ایک مشہور عالم حدیث کی تحقیق ناظرین کے مزید اطمینان کے لیے درج کی جاتی ہے جس میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو خلافت حاصل کی اور منصب خلافت پر فائز ہوئے تو نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے انھیں یہ مرتبہ ملا ہے وہ متغلب خلیفہ نہیں۔

شیخ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ: نسیم الریاض میں فرماتے ہیں کہ:

((فنال الخلافة ای صار خلیفة و سلطانا مالکا للبلاد بدعائه ﷺ وهو

اشارة الی حدیث..... الخ))^۱

((و صار خلیفة حقیقة بعد ما کان الحق مع علی ﷺ لا متغلبا کما اشار الیہ

المصنف بقوله نال الخلافة..... الخ))^۲

غلط فہمی کا ازالہ

اور بعض اہل علم نے یہ قول کیا ہے کہ:

”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بالکل آخر میں اسلام لائے تھے اس لیے ان کو آنجناب ﷺ کی زندگی

میں کوئی نمایاں کارنامہ دکھانے کا موقع نہ مل سکا۔“

مندرجات بالا کی روشنی میں ناقدین کا مذکورہ قول ہرگز درست نہیں اور واقعات کے خلاف ہے۔ اس

پہلے دور میں جو چند چیزیں ذکر کی گئی ہیں ان پر نظر انصاف ڈالنے سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ اس قلیل مدت میں اسلام کی نہایت اعلیٰ خدمات سر

انجام دیں اور دینی امور کے فروغ میں مکمل طور پر حصہ لیا اور آنجناب ﷺ کے وصال تک ان خدمات پر

مامور اور ان کی انجام دہی میں مصروف رہے۔

اختتامی کلمات برائے دور اول

گزشتہ اوراق میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات سے لے کر جناب نبی کریم ﷺ کے

وصال تک کے واقعات کو بیان کیا ہے۔ یہ دور اول ہے۔ اس عہد میں درج ذیل چیدہ چیدہ حالات آ گئے

ہیں:

✽ خاندان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے پدری و مادری نسب کے حالات۔

۱۔ نسیم الریاض (خفاجی) ص ۱۲۶-۱۲۷ ج ۳ طبع استنبول فصل فی اجابۃ دعاءہ

❁ بنی ہاشم کے ساتھ آپ کے خاندانی (نسبی) روابط۔

❁ حضرت موصوف کا قبول اسلام، غزوات میں شرکت اور حصول غنائم، نیز عہد نبوت میں متعدد مناسب مثلاً کتابت وحی وغیر وحی و فرمان نویسی اور مراسلات نبوی کی خواندگی اور قطعہ اراضی کی تسلیم وغیرہ وغیرہ کا حاصل کرنا۔

❁ نیز آں موصوف کے حق میں چند فضائل مثلاً جناب نبی کریم ﷺ کے بال مبارک کا ٹٹا، آپ کے حق میں نبوی دعائیں اور پھر اثرات دعا وغیرہ کا منقول ہونا۔

❁ عدم فضیلت کے شبہ کا ازالہ

❁ خلافت و امارت کے متعلق اشارات نبوی اور بشارات وغیرہ کا پایا جانا۔

❁ خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک حاضر باش خادم ہونے کی حیثیت سے علمی فوائد حاصل کرنا اور بے شمار دینی مسائل سے مستفیع ہونا مندرجات بالا امور کے علاوہ ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خصوصی طور پر علمائے کبار نے ایک دیگر چیز یہ بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سید دو عالم ﷺ سے ایک سو تریسٹھ احادیث حاصل کر کے امت مسلمہ کو پہنچائی ہیں۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

((روی له عن رسول الله ﷺ مائة حدیث وثلاثة وستون حدیثاً))^۱

حاصل یہ ہے کہ عہد نبوت میں اسلام لانے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ان علمی و دینی خدمات کا سرانجام دینا اور وصال نبوی تک ان پر مامور رہنا یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا کوئی صاحب انصاف اہل علم انکار نہیں کر سکتا۔ اس پر دور اول کے مذکورہ حالات شاہد عادل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں سے حضرت موصوف رضی اللہ عنہ کے دینی مقام کی رفعت واضح طور پر ثابت ہے۔

دور دوم

سابقہ دور میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی چند دینی و اسلامی خدمات ذکر کی ہیں جن کا تعلق عبد نبوی سے تھا پھر سردار دو جہاں رضی اللہ عنہم کے انتقال اور وصال کے بعد خلافت راشدہ کا دور شروع ہوا۔ اس میں صدیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی چار دور ہیں ان ادوار میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلقہ امور ذکر کرنے کا قصد ہے تاکہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملی خدمات ایک طریقہ سے ناظرین کرام کے سامنے یکجا پیش کی جاسکیں۔

ظاہر بات ہے کہ ان ادوار کے تمام واقعات (جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے) کو یکجا فراہم کرنا بہت مشکل مسئلہ ہے اور عادتاً دشوار ہے تاہم اپنے مقدر کے موافق جو حالات دستیاب ہو سکے ہیں انہیں ایک ترتیب سے پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ (بعونہ تعالیٰ)

منصب کتابت اور وثیقہ نویسی

اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصب کتابت اور وثیقہ نویسی کی بعض خدمات دور صدیقی اور دور فاروقی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کو اختصاراً لکھا جاتا ہے:

① چنانچہ علمائے کرام نے اس سلسلے میں صدیقی دور کا ایک واقعہ تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ اپنے والد عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عروہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عروہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اس ”خاص تحریر“ کا کیا ہوا؟ تو عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ تحریر میرے پاس محفوظ ہے۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! وہ تحریر میں نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھی اور اس کی تفصیل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیان کرتے ہوئے ذکر کیا کہ آپ کے والد زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک قطعہ اراضی متعین فرمایا اور اس کے متعلق یہ وثیقہ میں نے لکھا۔ اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے اور اس تحریر کو اپنے پاس پردہ میں رکھ لیا۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ شاید آپ کسی خاص کام میں مصروف تھے؟ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ واپس تشریف لے

گئے۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ تحریر برآمد کی اور اس کی تکمیل کا حکم فرمایا۔ چنانچہ میں نے وہ تحریر مکمل کی۔ (واقعہ ہذا کے شروع میں اسی تحریر کو ”المسلول“ سے تعبیر کیا گیا ہے)

((عن هشام بن عروه عن ابیہ قال دخلت علی معاویہ رضی اللہ عنہ فقال لی ما فعل ”المسلول“ قال قلت ہو عندی فقال انا واللہ خططہ بیدی۔ اقطع ابوبکر الزبیر رضی اللہ عنہ ارضا فکنت اکتبها قال فجاء عمر رضی اللہ عنہ فاخذ ابوبکر رضی اللہ عنہ یعنی الكتاب فادخله فی ثنی الفراش فدخل عمر رضی اللہ عنہ کانکم علی حاجہ فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ نعم فخرج فاخرج ابوبکر الكتاب فاتممتہ))

② مذکورہ واقعہ کی طرح ایک دوسرا واقعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آیا تھا۔ اس میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک اہم سرکاری کام میں تعاون کرتے ہوئے وثیقہ نویسی کا فریضہ ادا کیا۔ مورخین نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس کے علاقہ میں جابیہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں کفار (نصاری) کی طرف سے ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی قوم کی طرف سے انھوں نے اہل اسلام سے صلح اور امان طلب کرنے کا مطالبہ پیش کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے صلح کرنے اور امان اور مصالحت کا ایک وثیقہ تحریر کرایا اور ان پر جزیہ (شرعی ٹیکس) عائد کیا اور دیگر شرائط بھی ان پر لگائیں جن کو مورخین ابن جریر طبری وغیرہ نے لکھا ہے۔

اس وثیقہ میں اہل اسلام کی طرف سے جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت درج کی گئی وہ مندرجہ ذیل اصحاب ہیں:

خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عبدالرحمن بن عوف، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم۔

اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ شاید ہونے کے ساتھ ساتھ اس وثیقہ کے انشاء (تحریر) کرنے والے بھی تھے۔ اور یہ وثیقہ ۵۷ھ میں تحریر کیا گیا تھا۔ اور بقول بعض مورخین یہ واقعہ ۱۶ھ میں پیش آیا تھا اور فتح بیت المقدس بھی ۱۶ھ میں ہوئی تھی۔

((فقال عمر رضی اللہ عنہ ان هولاء قوم یستامنون فساروا نحوهم فاذا هم جند من بیت المقدس یطلبون الامان والصلح من امیر المؤمنین حین سمعوا بقدمہ فاجابهم عمر رضی اللہ عنہ الی ما سألوا، وکتب لهم کتاب امان و مصالحة و ضرب علیهم الجزیة، واشترط علیهم شروطا ذکرها ابن جریر، و شهد فی الكتاب خالد بن ولید و عمرو بن العاص و عبدالرحمن بن عوف و

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ وهو كاتب الكتاب وذلك في سنة خمس
عشر) ۱

کتابت اور وثیقہ نویسی کے صرف دو واقعات یہاں ناظرین کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ ایک واقعہ کا تعلق صدیقی عہد خلافت سے ہے اور دوسرا واقعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آیا۔ اسی طرح ان ادوار میں اسی نوع کے کئی دیگر واقعات یقیناً پیش آئے جن کو شمار کر لینا آسان کام نہیں۔ ان واقعات کے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ”دینی اعتماد“ ثابت ہوتا ہے اور اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وثاقت و صلاحیت معتمد طریقہ سے پائی جاتی ہے اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام اعتماد واضح ہوتا ہے کہ ان اہم وثیقہ جات میں بطور شاہد کے ان کو شامل و شریک کیا جاتا تھا۔

غزوات میں شرکت

جنگ یمامہ

عہد صدیقی میں ایک اہم جنگ ربیع الاول ۱۲ھ میں پیش آئی جسے ”جنگ یمامہ“ کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے یہ جنگ عقیدہ ختم نبوت پر واقع ہوئی۔

آنجناب رضی اللہ عنہ کے بعد سلسلہ نبوت ختم ہو چکا۔ اس دور میں ”مسلمہ بن حبیب“ نامی ایک کذاب نے یمامہ کے علاقہ میں اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کذاب کو ختم کرنے کے لیے اس کے ساتھ ایک خون ریز جنگ کی۔ جنگ یمامہ میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہوئے اور اس مسئلہ ختم نبوت کو ان حضرات نے کسی ”زبانی بحث و مباحثہ“ یا ”کتابی مناظرہ“ کے ذریعے سے نہیں بلکہ تیغ و سنان اور قوت بازو سے حل کیا اور باطل نبوت کے مدعی کو اور متبعین کو تہ تیغ کر کے ان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

اس سلسلے میں مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شامل ہوئے اور بقول بعض مورخین مسلمہ کذاب کے قتل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ بھی شریک تھے۔ مسلمہ کذاب کو اول اول نیزہ لگانے والے وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ تھے جبکہ ابو جہانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے اسے تلوار کے ذریعے سے زخمی کیا تھا اور عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بھی قتل مسلمہ میں شریک تھے۔

ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں حاضر ہوئے اور بقول بعض مسلمہ کے

۱ البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۷ جلد ۷ تحت ذکر فتح بیت المقدس ... الخ

تاریخ طبری ص ۱۶۰ ج ۴ تحت ذکر فتح بیت المقدس

قتل میں بھی شامل تھے۔

((وشهد یمامة وزعم بعضهم انه هو الذی قتل مسیلمة حکاه ابن عساکر۔

وقد یكون له شرك في قتله۔ انما الذی طعنه وحشی و جلاله ابودجانہ سماک

بن خرشة رضی اللہ عنہ بالسيف))^۱

اور صاحب تاریخ خمیس نے یہ قول کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ مسیلمہ کذاب کو قتل

کرنے والوں میں میں بھی شریک تھا۔

((وکان معاویة بن ابی سفیان یقول انا قتلته))^۲

مختصر یہ ہے کہ مندرجہ بالا مورخین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسلام کی

اس مہم میں شامل ہوئے تھے اور مسیلمہ کے قتل میں بھی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی شرکت ثابت ہے۔

علاقہ شام کی طرف روانگی

صدیقی دور میں علاقہ شام کی طرف مسلمانوں کے مختلف جیوش اور عساکر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت

ارسال کیے گئے۔ شام کی مہمات میں جیوش کے ارسال کا سلسلہ متعدد بار پیش آیا۔

چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف صدیقی دور میں

مہمات سر کرنے کے لیے بھیجا گیا اور ان کے ساتھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان مہمات میں شامل تھے۔

بعض دفعہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو مزید کمک کی ضرورت پیش آئی اور حالات کا تقاضا ہوا کہ مزید

آدمی روانہ کیے جائیں تو اس وقت بعض لوگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقاضا

کیا کہ ملک شام کی طرف مزید ایک امدادی دستہ بھیجنے کی ضرورت ہے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک دستہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا اور ان کو ہدایت فرمائی کہ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ)

کے ساتھ شامل ہوں اور ان کی ماتحتی میں خدمات سرانجام دیں۔

چنانچہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ:

① ((واجتمع الی ابی بکر رضی اللہ عنہ اناس فامر علیہم معاویة رضی اللہ عنہ وامره

باللحاق بیزید فخرج معاویة رضی اللہ عنہ حتی لحق بیزید))^۳

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

فتوح البلدان (بازری) ص ۹۶ تحت مسئلہ ہذا

۲۔ تاریخ الخمیس (شیخ دیار بکری) ص ۲۱۶ ج ۲ تحت واقعہ ہذا

۳۔ تاریخ ابن جریر طبری ص ۳۰ ج ۳ تحت سنہ ۱۳ھ

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس چیز کو بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

② ((ثم اجتمع عند الصديق طائفة من الناس فامر عليهم معاوية رضی اللہ عنہ بن

ابی سفیان رضی اللہ عنہما وارسله وراء اخيه يزيد بن ابي سفیان رضی اللہ عنہما))^۱

نیز ابن جریر طبری نے ”خبر الیرموک“ کے تحت بھی ایک موقع پر ذکر کیا ہے کہ لشکر کے کئی دستے تیار ہوئے ان میں سے بعض دستوں پر جو امیر مقرر ہوئے ان میں امیر معاویہ اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہما کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امیر بنا کر روانہ کیا تھا۔

((امر عليهم ابوبکر رضی اللہ عنہ معاوية و شرحبیل رضی اللہ عنہما الخ))^۲

ایک حکمت عملی

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے حکمرانی کے مسئلہ میں عمیق بصیرت عطا فرمائی تھی جو عام حکمرانوں میں بہت کم ہوتی ہے۔ حکام کو مناصب دہی اور والیوں میں تقسیم عہدہ جات ایک خاص دقیق امر ہے جو عام لوگوں کے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا طرز عمل ایک خاص بصیرت کا حامل تھا۔ آں موصوف کی کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ”حکمت عملی“ یہ تھی کہ اکابرین امت مثلاً حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر آپ ان سے کم درجے کے حضرات مثلاً عمرو بن عاص، معاویہ بن ابی سفیان، مغیرہ بن شعبہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کو عامل بناتے تھے حالانکہ پہلے حضرات کی بصیرت اور ان کا عمل سب سے فائق اور افضل تھا۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے بعض حضرات نے اس حکمت عملی کی وجہ دریافت کی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان کی شان سے کم درجہ کے عمل میں ان کو ملوث نہیں کرنا چاہتا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے نگران ہوں اور مشورہ کے ساتھ حکومت کی بہتری کے لیے تدبیر کریں اور خلیفہ اسلام کے ساتھ اہم معاملات میں تعاون قائم رکھیں تاکہ مرکز مضبوط اور محفوظ رہے۔

گویا کہ ان اکابرین امت کے حق میں ایک گونہ ”خصوصی تحفظ“ مقصود خاطر تھا جس کی خاطر یہ صورت انھوں نے اختیار کر رکھی تھی۔

اسی مضمون کو ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ”طبقات“ میں بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((وكان يستعمل رجلا من اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مثل عمرو بن العاص

و معاوية بن ابي سفیان والمغيرة بن شعبه رضی اللہ عنہم ويدع من هو افضل منهم

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۲ تحت سنہ ۱۳ھ

۲ تاریخ ابن جریر طبری ص ۳۲ ج ۳ تحت خبر الیرموک سنہ ۱۳ھ

مثل عثمان و علی و طلحہ و الزبیر و عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم و نظر ائہم
لقوة اولئک علی العمل و البصر بہ و لا شراف عمر علیہم و ہیبتہم لہ و قیل
لہ ما لک لا تولى الاکابر من اصحاب رسول اللہ ﷺ فقال اکرہ ان
ادنسہم بالعمل))^۱

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مذکورہ ”حکمت عملی“ کی روشنی میں حکام اور ولات کو ملک
کے مختلف جوانب و اطراف میں روانہ کیا جاتا تھا بعض کو عراق وغیرہ کی طرف اور بعض کو ملک شام کی جانب
بھیجا جاتا۔

چنانچہ اس سلسلے میں شام کے چند وہ واقعات پیش کیے جاتے ہیں جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مرکز
اسلامی کی طرف سے امیر بنا کر روانہ کیا گیا یا ان کا اس ملک میں اسلامی خدمات بجالانے میں براہ راست
تعلق ہے۔ اس دور کے تمام واقعات (جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہیں) کو فراہم کر لینا عملاً دشوار ہے۔
سردست جو واقعات دستیاب ہوئے ہیں انہیں پیش کیا جاتا ہے۔

فتح اردن

علاقہ شام کی فتوحات میں فتح اردن ۱۵ھ میں ہوئی۔ یہ ایک مستقل مہم تھی۔ اس موقع پر لشکر اسلام کے
سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس موقع پر امیر الافواج تھے لیکن ابو
عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ امیر الامراء تھے۔ جب سواحل اردن کا معاملہ پیش آیا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے
حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو کمک بھیجنے کے لیے لکھا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
کو ان کی طرف بھیجنے کے لیے آمادہ کیا اور ان کے ساتھ جو دستہ فوج روانہ کیا اس کے مقدمہ اکبیش پر حضرت
امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نگران تھے۔

سواحل اردن پر اسلامی افواج نے بڑی زبردست جنگ لڑی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی یہ فتح
حاصل کرنے والے یزید بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔

سواحل اردن کی فتح کی خوشخبری حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے مرکز روانہ کی اور یزید بن ابی سفیان اور عمرو بن
عاص رضی اللہ عنہ کی مساعی کا ذکر کیا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ سواحل اردن کی مہم میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی نمایاں کارنامے اور اہم
کارکردگی پائی جاتی ہے جو قابل ستائش ہے اور معاملہ نہیں و جنگی بصیرت کا روشن نشان ہے۔

((فکتب (عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) الی ابی عبیدة رضی اللہ عنہ یستمده فوجه ابو

عبیدہ رضی اللہ عنہ یزید ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فسار یزید رضی اللہ عنہ و علی مقدمته معاویہ رضی اللہ عنہ اخوه ففتح یزید و عمرو رضی اللہ عنہما سواحل الاردن۔ فکتب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بفتحها لهما وکان لمعاویہ رضی اللہ عنہ فی ذالک بلاء حسن و اثر جمیل))^۱

مرج الصفر

مرج الصفر کے قتال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ معرکہ میں خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور ان کی تلوار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی۔ جب مسلمان مرج الصفر کے قتال سے فارغ ہوئے تو پندرہ بیس دن بعد انہوں نے شہر دمشق کی طرف رجوع کیا یہ محرم الحرام ۱۴ھ کا واقعہ ہے۔ فتح دمشق کے بعد مسلمانوں نے غوطہ کے مقام پر قبضہ کیا۔^۲

سواحل دمشق

فتح دمشق میں اکابر صحابہ کرام حضرت ابو عبیدہ، خالد بن ولید، یزید بن ابی سفیان وغیر ہم رضی اللہ عنہم حضرات کی مساعی شامل ہے۔ فتح دمشق کے ساتھ ہی اس علاقے کے سواحل صیدا، عرقہ، جبیل، بیروت وغیرہ کی طرف اسلامی فوجوں نے توجہ کی اور ان علاقوں کو بڑی کوشش سے فتح کیا۔

اس موقع پر لشکر کے ”مقدمۃ الجیش“ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی کمان میں یہ فتوحات کثیرہ ہوئیں خصوصاً ”عرقہ“ کی فتح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوشش سے ہوئی تھی۔ یہ ان کے فہم و تدبیر کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔

((ان یزید اتی بعد فتح مدینة دمشق صیداء، عرقہ و جبیل و بیروت وھی

سواحل۔ و علی مقدمته اخوه معاویہ رضی اللہ عنہ ففتحها فتحاً یسیراً و جلاً کثیراً

من اهلها و تولى فتح عرقه معاویہ رضی اللہ عنہ نفسه فی ولاية یزید))^۳

دمشق کی فتح کے بعد اس کے ملحقہ علاقہ جات کی فتح کے لیے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو طرابلس کے علاوہ دیگر سواحل دمشق کی طرف روانہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان علاقہ جات کے قلعوں کی طرف تشریف لے گئے۔ بعض اوقات انھیں وہاں دو دن قیام کرنا پڑتا اور بعض دفعہ کچھ زیادہ ایام صرف ہو جاتے۔ بعض مقامات پر قتال کی نوبت بھی آئی اور بعض دفعہ تیر اندازی ہی کافی رہی۔

۱۔ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۲۳ تحت امر اردن، طبع اولی (مصر)

۲۔ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۲۶ تحت مرج الصفر

۳۔ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۲۷ تحت فتح مدینہ دمشق وارضها۔

۴۔ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۳ تحت فتح مدینہ دمشق وارضها

پس انھوں نے ان علاقوں کو بڑی آسانی سے فتح کر کے حکومت اسلامی میں لے لیا اور ان پر اسلام کا جھنڈا بلند کر دیا۔

چنانچہ بلاذری رضی اللہ عنہ نے اس مضمون کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((عن الوضین: قال کان یزید بن ابی سفیان وجه معاویة ۛ الی سواحل دمشق سوی طرابلس فانه لم یکن یطمع فیہا۔ فکان یقیم علی الحصن الیومین والایام الیسیرة فر بما قوتل قتالا غیر شدید وربما رمی ففتحها))^۱
مختصر یہ ہے کہ دمشق اور اس کے ملحقہات کی فتوحات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مع دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بڑی قابل قدر مساعی کیں اور شاندار کارنامے بجالاتے اور ان تمام ممالک پر عظمت اسلام کا پرچم لہرایا۔
فتح قیساریہ

مورخین نے لکھا ہے کہ قیساریہ کی مہم میں کافی وقت صرف ہوا تھا اور اس میں اکابر صحابہ کرام عمرو بن عاص، ابو عبیدہ بن جراح اور یزید بن ابی سفیان وغیر ہم رضی اللہ عنہم نے متعدد بار چڑھائی کی۔ اسی دوران میں ۱۸ھ میں طاعون عمواس سے دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی فوت ہو گئے اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اسی مہم کے دوران میں قیساریہ سے مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو فلسطین اور شام کے علاقوں میں لشکروں کا والی بنایا اور غزوہ قیساریہ کی مہم کو سر کرنے کا حکم دیا۔ اس دوران میں قیساریہ کا محاصرہ جاری تھا اور کئی ہزار فوج قیساریہ کے مقام پر پہنچی ہوئی تھی۔

بقول بعض مورخین اس مہم پر سات سال صرف ہوئے۔

۱۸ھ کے آخر میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے اور دمشق کی طرف چلے گئے اور قیساریہ کی مہم پر اپنے بھائی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیساریہ کو فتح کیا اور فتح کی نوید سرت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تحریر کی۔

بقول بعض مورخین ۱۹ھ میں دمشق میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ جب آپ کی وفات کی خبر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے برادر کی جگہ جنود اسلام کا امیر اور اس علاقے کا والی مقرر فرمایا۔

اس موقع پر حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو متوفی فرزند یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے قائم مقام کیے جانے پر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جناب نے صلہ رحمی کا خیال رکھا ہے۔

- ① ((ولی عمر رضی اللہ عنہ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فلسطین مع ما ولاء من اجناد الشام و کتب الیہ یامرہ بغزو قیساریة وقد كانت حوصرت قبل ذلك فنهض الیہا فی سبعة عشر الفا فقاتله اهلها ثم حصرهم و مرض فی اخر سنة ۱۸ هـ فمضى الی دمشق و استخلف علی قیساریة اخاه معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ففتحها و کتب الیہ بفتحها ولما توفي یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کتب عمر رضی اللہ عنہ الی معاویة رضی اللہ عنہ بتولیتہ ما کان یتولاه فشکر ابو سفیان رضی اللہ عنہما ذلك له))^۱
- ② ((وکان یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما هذا نائب عمر رضی اللہ عنہ علی دمشق فلما مات ولی النیابة بعده اخوه معاویة رضی اللہ عنہ))^۲
- ③ ((فلما مات یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سنة بضع عشره وجاء البريد الی عمر رضی اللہ عنہ بموته۔ رد عمر رضی اللہ عنہ البريد الی الشام بولاية معاویة مکان اخیه یزید۔ ثم عزى ابا سفیان رضی اللہ عنہما فی ابنه یزید۔ فقال: یا امیر المؤمنین من ولیت مکانہ؟ قال: اخوه معاویة۔ قال وصلت رحما یا امیر المؤمنین))^۳
- مورخین کہتے ہیں کہ ۱۹ھ میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیساریہ کے فتح ہونے کا اعلان فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بھی اور دوسرے مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کے نعرے لگائے۔ اس مہم پر سات سال تک محاصرہ رہا۔ آخر کار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے یہ فتح ہوئی۔
- ④ ((ان قیساریة فتحت قسرا فی سنة ۱۹ هـ فلما بلغ عمر رضی اللہ عنہما فتحها نادى ان قیساریة فتحت قسرا و کبر و کبر المسلمون و كانت حوصرت سبع سنین و فتحها معاویة رضی اللہ عنہ))^۴
- اور تاریخ طبری میں ہے کہ

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۷ تحت امر فلسطین، طبع اول مصر

۲ تاریخ ابن خلدون ص ۹۴۷ ج ۲ تحت وقدمت الروم و فتوح مدائن الشام بعد ما

الهدایہ ص ۱۲۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ۔

۳ دول الاسلام (ذہبی) ص ۵ ج ۱

۴ الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۸ ج ۸ تحت ترجمہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۳۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن شبہ ص ۸۴۷ ج ۳ طبع ق ۲ د۔

۵ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۷-۱۴۹ تحت امر فلسطین، طبع اول مصر

((قال ابو معشر كان فتح قيسارية في هذه السنة اعنى سنة تسع عشرة و
اميرها معاوية بن ابي سفيان رضي الله عنه))^۱

”یعنی ۱۹ھ میں فتح قیساریہ ہوئی اور اس مہم کے امیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے ان کی کوشش سے یہ فتح
سرا انجام پائی۔“

اور حافظ ابن حجر رضي الله عنه نے ابن عساکر رضي الله عنه کے حوالہ سے اسے ”الاصابة“ میں اس طرح تحریر کیا ہے کہ
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چند ماہ کم سات سال قیساریہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ پھر ایک شخص نے مسلمانوں کو
قلعہ کے خفیہ راستے کی نشاندہی کی تو اس کے ذریعے سے مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ وہ اتوار کا روز تھا اور
رومی اپنے کنیسہ (معبد) میں مجتمع تھے۔ ان کو مسلمانوں کے قلعہ میں داخل ہونے کا علم ہی نہ ہو سکا کہ یکا یک
مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور اس طرح رومی مغلوب ہو گئے۔

اس فتح کا مترادف تمیم بن ورقا رضي الله عنه نامی قاصد کے ذریعے سے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضي الله عنه کی
خدمت میں ارسال کیا گیا۔ فتح قیساریہ کی خوشخبری سن کر جناب امیر المومنین بلند مقام پر کھڑے ہو گئے اور
قیساریہ کی فتح کا اعلان فرمایا۔

((هشام بن عمار حدثنا يزيد بن سمرة عن الحاكم بن عبدالرحمن بن ابي
العصماء وكان ممن شهد قيسارية قال حاصرها معاوية رضي الله عنه سبع سنين و
مقاتلة الروم الذين يرزقون فيها مائة الف فدلهم النطاق على عورة وكان من
الرهون فادخلهم من قناة يمشى فيها الجمل بالحمل وكان في يوم الاحد
وهم بالكنيسة فلم يشعروا الا بالتكبير فكان بوارهم ، قال يزيد بن سمرة
فبعثوا بالفتح الى عمر رضي الله عنه مع تميم بن ورقاء عريف خثعم فقام عمر رضي الله عنه
فقال الا ان قيسارية فتحت قسرا))^۲

اور ابو عبید قاسم بن سلام رضي الله عنه نے کتاب الاموال میں مسئلہ ہذا کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((حاصرها معاوية رضي الله عنه سبع سنين الا اشهرا ثم فتحوها وبعثوا بفتحها الى
عمر بن الخطاب فقام عمر رضي الله عنه فنادى الا ان قيسارية فتحت قسرا))^۳

۱ تاریخ ابن جریر طبری، ص ۲۲۵ ج ۳ تحت سنہ ۱۹ھ طبع قدیم۔

۲ الاصابة (ابن حجر مستقلائی) ص ۱۹۰ ج ۱ تحت (۸۶۳) تمیم بن ورقاء

تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ نکسی) ص ۲۰۷ ج ۵ تحت حکم بن عبدالرحمن رضي الله عنه۔

۳ کتاب الاموال (ابو عبید قاسم بن سلام) ص ۱۰۱ روایت نمبر ۲۷۹ التوتنی ۲۲۳ھ

شیعہ کی طرف سے تائید

مشہور شیعہ مورخ یعقوبی نے اپنی تصنیف ”کتاب البلدان“ میں اسی واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے:

((فخلف علیہا (قیساریہ) ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فافتتحها سنة ثمان عشرة))^۱

” (بقول یعقوبی) اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ بن ابی

سفیان رضی اللہ عنہ کو قیساریہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے ۱۸ھ میں فتح کیا۔“

اس مقام کے فتح ہونے کی تاریخ میں اگرچہ مورخین کے کئی اقوال پائے جاتے ہیں تاہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فاتح ہونا شیعہ سنی مصنفین دونوں نے نقل کیا ہے اور اسلامی فتوحات میں فتح قیساریہ ایک عظیم مہم تھی جس کو فتح کرنے کی سعادت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی اور یہ شرف ان کے حصے میں آیا۔

تمثیل

جب علاقہ شام میں اہل اسلام کے ہاتھوں بے شمار فتوحات ہوئیں اور مقام حمص اور قنسرین بھی فتح ہو گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کے علاقے کا والی مقرر فرمایا تو مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر نگرانی دو اور جلیل القدر صحابہ حضرت ابودرداء اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو دمشق اور اردن میں منصب قضا پر فائز کیا اور اس کے ساتھ صلوٰۃ کے نظم و نسق پر بھی والی بنایا۔ اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو حمص اور قنسرین میں عہدہ قضا پر والی بنایا اور انھیں بھی نماز کے معاملات کا نگران مقرر کیا۔

یہ حضرات صحابہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت اپنے اپنے مناصب پر فائز تھے اور اسلامی خدمات سر انجام دیتے تھے۔ ان جلیل القدر صحابہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر حکم ہونا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت شان کا پتہ دیتا ہے۔

احمد بن یحییٰ بلاذری لکھتے ہیں کہ:

((عن تمیم بن عطیة قال ولی عمر رضی اللہ عنہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ الشام بعد یزید رضی اللہ عنہ و ولی معہ رجلین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلاة والقضاء فولی ابا الدرداء رضی اللہ عنہ قضاء دمشق والاردن و صلاتہما و ولی عبادة رضی اللہ عنہ قضاء حمص وقنسرین و صلاتہما))^۲

۱ کتاب البلدان (احمد بن واضح یعقوبی شیعہ) ص ۸۵ تحت جند فلسطین۔

۲ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۸ تحت امر فلسطین۔

ایک واقعہ

روایات پر نظر کرنے سے یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ تقاضائے ضرورت علاقہ شام کی طرف ایک سے زائد سفر کیے۔ اس سلسلے میں ایک بار آنجناب شام کی طرف تشریف لے گئے تو ان ایام میں شام کے علاقہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس علاقہ پر مرکز کی طرف سے والی اور حاکم بنائے گئے تھے وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کی اطلاع ملنے پر آنجناب کے استقبال کے لیے حاضر ہوئے اور امیر المؤمنین کی خدمت میں گزارش کی کہ جس علاقہ میں آنجناب تشریف لے جانا چاہتے ہیں وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے، اور میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے سنا ہوا ہے کہ جب کسی علاقہ میں وبا واقع ہو جائے اور اس مقام پر تم مقیم نہیں ہو تو وہاں مت جاؤ اور اگر تم وہاں موجود ہو اور وبا پھیل گئی ہے تو (فرار کے طور پر) اس مقام سے مت نکلو۔“

چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان نبوی سننے کے بعد واپسی کا ارادہ کر لیا اور وبا کے علاقہ میں تشریف نہیں لے گئے۔

چنانچہ ابو علی اہوازی رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف ”شرح عقد الایمان“ میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:

((عن ابی وائل قال خرجنا مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و هو یرید الشام وقد وقع الوباء و معاویة امیر علیہا۔ فلما دنوا خرج الینا معاویة فقال: یا امیر المؤمنین انا سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: اذا وقع الوباء بارض ولستم بها فلا تدخلوها۔ و اذا کنتم بها فلا تخرجوا عنها۔ فرجع عمر)۔^۱

معلوم ہوا کہ نبی اقدس ﷺ کی احادیث جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے مروی ہیں ان پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ اعتماد کر کے عمل درآمد کرتے تھے۔ یہ چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر علمی اعتماد اور دینی وثاقت کی بین دلیل ہے۔

فتح عسقلان

فاروقی دور میں فلسطین کے علاقہ میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور بہت سے علاقے اہل اسلام نے فتح کیے ان مواضع میں عسقلان کی فتح کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ مرکز اسلام (مدینہ طیبہ) سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے والی شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب ارسال کیا کہ فلسطین کے باقی علاقوں میں

۱ شرح عقد الایمان فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (مخطوط) تحت باب مارواہ عن النبی ﷺ انه قال اذا وقع الوباء بارض فلا تدخلوها (مخطوط فی مکتبۃ الاسد سوریا)

سے عسقلان کی طرف توجہ کریں اور اسے فتح کرنے کی سعی کی جائے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کے اس حکم کی تعمیل میں عسقلان کی طرف پیش قدمی کی اور اسے فتح کر لیا۔

اور بعض مورخین نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عسقلان کو فتح کیا تھا اور جب آپ اسے فتح کرنے کے بعد واپس ہوئے تو اہل عسقلان کی روم نے مدد کی اور انہوں نے نقض عہد کر دیا (اور باغی ہو گئے)۔ ان حالات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عسقلان کی طرف پیش قدمی کی اور اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ پھر وہاں اپنی افواج کو ٹھہرایا اور حفاظی دستے متعین کیے۔

((قالوا وكتب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الى معاوية رضی اللہ عنہ يا امره بتبوع ما بقى من فلسطين ففتح عسقلان صلحا بعد كيد۔ ويقال ان عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ كان فتحها ثم نقض اهلها وامدهم الروم ففتحها معاوية واسكنها الروابط و وكل بها الحفظة))^۱

مورخین نے لکھا ہے کہ ۲۱ھ میں شام کے علاقہ میں دمشق، ہثیہ، حوران، حمص، قنسرین اور جزیرہ کے علاقہ پر حضرت عمیر بن سعید (سعد) انصاری رضی اللہ عنہ امیر تھے، اور بلقاء، اردن، فلسطین، سواحل اور انطاکیہ وغیرہ پر حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ والی اور حاکم تھے۔

((قال ابن جریر وكان امیر دمشق فی هذه السنة (۲۱ھ) عمیر بن سعید رضی اللہ عنہ وهو ایضاً علی حمص و حوران و قنسرین و الجزیرة وكان معاویہ علی البلقاء الاردن، و فلسطین و السواحل و انطاکیہ، و غیر ذلك))^۲

ملک شام میں بے شمار فتوحات ہوئیں اور اسلامی حکومت کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا۔ ان علاقوں میں انتظامات قائم کرنے اور نظم برقرار رکھنے کی ضرورتیں پیش آئیں تو مرکز کی جانب سے ان مقامات پر مندرجہ بالا حکام کا تعین کیا گیا۔ یہ ۲۱ھ تک علاقہ ہذا کے والیوں کا ایک اجمالی خاکہ ہے جو اہل تاریخ نے درج کیا ہے اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملتی خدمات دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں۔

اس طرح فاروقی دور خلافت میں بلاد شام میں فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور اس ملک کے مختلف علاقہ جات کو بڑی جدوجہد سے فتح کیا گیا۔

اس سلسلے میں بلاد روم کی طرف بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیش قدمی کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۹ تحت امر فلسطین طبع مصر

۲ الہدایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۳ ج ۷ تحت ۲۱ھ

تاریخ ابن جریر طبری ص ۲۵۰ ج ۲ تحت آخر ۲۱ھ

صائفہ کے غزوات جاری رکھے حتیٰ کہ عموریہ کے مقام تک جا پہنچے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیگر صحابہ کرام جو بلاد روم کے غزوات میں شامل تھے ان میں حضرت عبادہ بن صامت، ابویوب انصاری، ابوذر غفاری، شداد بن اوس وغیرہم رضی اللہ عنہم زیادہ قابل ذکر ہیں۔

ان حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں ان مہمات کو سر کیا اور ان مقامات کو اسلامی حکومت کے دائرہ میں شامل کیا۔

((وقال ابن جریر وفي هذه السنة ٢٣هـ توفي قتادة بن النعمان رضی اللہ عنہ وفيها غزا معاوية رضی اللہ عنہ الصائفة حتى بلغ عمورية معه من الصحابة عبادة بن الصامت و ابويوب و ابوذر و شداد بن اوس رضی اللہ عنہم - وفيها فتح معاوية عسقلان صلحا))^۱

بعض نصاب اور ہدایات و مکتوبات

① حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعتیں مختلف اسلامی خدمات پر متعین ہو کر کام کرتی تھیں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان حضرات کو حسب موقع نصاب و ہدایات فرماتے اور خطوط بھی ارسال کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات آپ نے والی شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی قیمتی نصاب تحریر فرمائے اور ان کے لیے ہدایات جاری کیں اور کئی خطوط ارسال کیے۔

محدثین نے لکھا ہے کہ ایک بار فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو درج ذیل نصیحت تحریر فرمائی جو اپنی جگہ بہت پر مغز اور اعلیٰ معانی کی حامل ہے:

((حدثنا معتمر بن سليمان عن النعمان قال كتب عمر رضی اللہ عنہ الى معاوية

رضی اللہ عنہ الزم الحق يلزمك الحق))^۲

”مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ حق بات کو لازم پکڑیں، حق آپ کے ساتھ

لازم رہے گا۔“

یعنی ہر معاملہ میں امر حق کو ملحوظ رکھیں اور حق بات سے انحراف نہ کریں تو اس کے اثرات و فوائد آپ کو

حاصل رہیں گے۔

بعض دیگر مصنفین نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((عن عمر رضی اللہ عنہ انه كتب الى معاوية بن ابي سفيان رضی اللہ عنہما اما بعد: فالزم الحق

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۱ ج ۷ تحت خبر سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ و ۱۱۱ کراؤ۔

۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲۸ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء طبع کراچی

يبين لك الحق منازل اهل الحق- ولا تقض الا بالحق- والسلام (ابو الحسن بن زرقوية في جزئه) ۱

”مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف تحریر فرمایا (حمد و صلوة کے بعد) کہ آپ حق بات پر مضبوطی سے قائم رہیں، اس سے اہل حق کے منازل و مراتب آپ پر واضح ہوں گے اور دانا حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجیے۔“

② ایک دوسرے مقام پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک نصیحت تحریر کی گئی۔ اسے علماء نے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اس نصیحت میں آپ نے معاشرہ کے بعض آداب ذکر کیے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے معاویہ! ملاقات کرنے والوں سے تم پردے میں ہو کر مت بیٹھو اور کمزور اور ضعیف آدمی کے لیے تم کو قریب ہونا چاہیے اور اس کو اپنے قریب کرنا چاہیے حتیٰ کہ اس کی زبان کھل کر اپنے معروضات پیش کر سکے اور اس کا دل جبری ہو۔ اور جو غریب الدیار اور مسافر ہو اس کی خاص نگہداشت کیجیے۔ کیونکہ جب اس کا رُکے رہنا زیادہ ہوگا اور انتظار طویل ہو جائے گا تو وہ تنگی محسوس کرے گا۔ اور اس کی دل شکستگی ہوگی اور وہ حق کو چھوڑ بیٹھے گا (اور اپنے حق سے محروم رہے گا)

((وكتب (عمر رضی اللہ عنہ) الى معاوية رضی اللہ عنہ اياك والاحتجاب دون الناس وادن للضعيف وادنه حتى ينبسط لسانه ويجتري قلبه وتعهد الغريب فانه اذا طال حبسه ضاق اذنه وضعف قلبه وترك حقه)) ۲

③ نیز قدیم مورخین نے تحریر کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عام رعایا کی اصلاح کی طرف توجہ دلانے کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مکتوب ارسال فرمایا کہ

((عن ابيه عن جده عطاء بن مسلم قال كتب عمر رضی اللہ عنہ الى معاوية رضی اللہ عنہ اما بعد فانك لم تؤدب رعيتك بمثل ان تبداهم بالغلظة والشدة على اهل الريبة بعدوا او قربوا۔ فان اللين بعد الشدة امنع للرعية واحشد لها۔ وان الصفع بعد العقوبة ارغب لاهل الحزم)) ۳

”مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اہل شک و تہمت والے لوگوں پر ابتدا میں تمہیں شدید گرفت رکھنی چاہیے خواہ وہ قریب ہوں یا بعید

۱ کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۲۰۸ ج ۸ تحت روایت ۳۵۰۶ کتاب المواعظ والرقائق الخ

۲ ازلة الخفا (شاہ ولی اللہ) ص ۱۸۲-۱۹۱-۱۹۲، مقصد دوم تحت الفصل السادس طبع قدیم بریلی۔

۳ تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۷۷۵ ج ۲ تحت تقدیر غیبة المجاہد بعید امن ابلہ، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ

ہوں کیونکہ فطری طور پر سختی کے بعد نرمی اختیار کرنا رعیت کو نافرمانی سے روکنے اور اطاعت و فرمانبرداری پر مجتمع کرنے والا ہوتا ہے۔ اس طرح سزا دینے کے بعد ان سے درگزر کرنا ہوش مند لوگوں کے لیے زیادہ باعث ترغیب ہوتا ہے۔ تم نے رعیت کو ادب سکھانے اور مہذب بنانے کا یہ طریقہ اختیار نہیں کیا۔“

④ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۱۷ھ یا بقول بعض مورخین ۱۸ھ میں ایک دفعہ مدینہ طیبہ کے علاقہ میں قحط سالی واقع ہوئی۔ اس کو عام الرمادہ کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقامی لوگوں کی امداد کے لیے اپنے دیگر علاقوں کے عمال کی طرف مکتوب ارسال فرمائے۔ چنانچہ کوفہ میں سعد بن ابی وقاص، بصرہ میں ابو موسیٰ اشعری، مصر میں عمرو بن عاص، اور شام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف تعاون کے لیے تحریر فرمایا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام عمال نے اپنے اپنے علاقوں سے خوراک کی ضرورت کی اشیاء آنا، گھی، چربی، زیتون وغیرہ اپنے وسائل کے ذریعے سے مرکز اسلام مدینہ طیبہ ارسال کیں۔

مشہور مورخ ابن شہہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تاریخ میں اسی چیز کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((قال: فكتب اليه ابو موسى رضي الله عنه اما بعد فاني قد وجهت اليك غيرا تحمل الدقيق والزيت والسمن والشحم والمال. وكتب اليه سعد و معاوية رضي الله عنهما بمثل ذلك. وكتب اليه عمرو بن العاص رضي الله عنه قد وجهت السفين تترى بعضها في اثر بعض))^۱

⑤ اسی طرح مورخین نے اس مقام پر حضرت عمر فاروق اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی ملاقات کا ایک

اور واقعہ لکھا ہے۔

چنانچہ ابن کثیر رضی اللہ عنہ ابن ابی الدنیا رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ علاقہ شام میں تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اس حال میں کہ ان کے ہمراہ سواروں کی ایک کثیر جماعت تھی اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ آ کر آپ سے ملے۔ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فطری طور پر سادگی پسند تھے) تو اس حالت کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ جماعت تمہاری نگرانی میں ہے؟ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جی ہاں یا امیر المؤمنین! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس طرح بڑی شان و شوکت سے رہتے ہو؟ دیگر بات یہ ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حاجت مند لوگ تمہارے دروازے پر دیر تک انتظار میں کھڑے رہتے ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ بات درست ہے، تو حضرت

۱ تاریخ مدینہ منورہ (ابن شہہ) ص ۷۷ ج ۲ مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ تحت امر الرمادہ و ما فعل عمر رضی اللہ عنہ ذالک العام۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ (تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں تمہیں اس بات کا حکم دوں کہ تم یہاں سے پاپیادہ چل کر حجاز تک جاؤ۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! ہم ایسے علاقہ میں مقیم ہیں جہاں مسلمانوں کے دشمن کثیر تعداد میں رہتے ہیں اور ان سے ہمیں سابقہ رہتا ہے اور جاسوسی کرتے ہیں۔ ان حالات میں مخالفین کی ریشہ دوانیوں سے متنبہ رہنا ضروری ہے اور ان کی نظر میں رعب اور ہیبت قائم رکھنے اور اہل اسلام اور مسلمانوں کے لیے شان و شوکت سے رہنے کی ضرورت ہے۔ اب جو آنجناب ارشاد فرمائیں وہی کیا جائے گا اور جس چیز سے آپ منع فرمائیں گے اس سے اجتناب کیا جائے گا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (ایسی صورت میں) نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تعرض نہیں فرمایا۔

اس موقع پر حاضرین میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ کی گرفت سے کس خیر و خوبی سے معاویہ نے اپنے آپ کو بچا لیا ہے؟ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اسی وجہ سے ہم نے اس کے کندھوں پر بارگراں ڈال رکھا ہے (اور اہم ذمہ داریاں اس کے سپرد کر رکھی ہیں)

((لما قدم عمر بن خطاب الشام تلقاه معاویة فی موكب عظیم ، فلما دنا من عمر رضی اللہ عنہ قال له: انت صاحب الموكب؟ قال نعم یا امیر المؤمنین قال: هذا حالک مع ما بلغنی من طول وقوف ذوی الحاجات ببابک؟ قال هو ما بلغک من ذالک قال ولم تفعل هذا؟ لقد هممت ان آمرک بالمشی حافیا الی بلاد الحجاز، قال: یا امیر المؤمنین انا بارض جواسیس العدو فیها کثیرة، فیجب ان نظهر من عز السلطان ما یکون فیہ غزل الاسلام واهله ویرهبهم به۔ فان امرتنی فعلت، وان نهیتنی انتهیت فقال له عمر رضی اللہ عنہ: لا آمرک ولا انهاک۔ فقال رجل: یا امیر المؤمنین ما احسن ما صدر الفتی عما اورده فیہ؟ فقال عمر رضی اللہ عنہ لحسن مواردہ و مصادره جشمناہ ما جشمناہ))

تحفظ حدیث کا اہتمام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے اور روایت کرنے میں ایک خاص نظم

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۳، ۱۲۵ ج ۸ تحت ترجمہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

ازلہ الخا (شاہ ولی اللہ) ص ۱۸۳ مقصد دوم طبع اول بریلی۔

قائم کر رکھا تھا اس کے تحت خاص خاص اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس منصب پر متعین کر کے اطراف و اکناف میں اس امر کے لیے روانہ فرمایا کرتے تھے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ حدیث نبوی ﷺ ہی حضرات بیان کریں اور لوگ ان کی راہنمائی میں روایت حاصل کریں۔

چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ کیا اور معقل بن یسار اور عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم کو بصرہ کے علاقہ کی طرف بھیجا۔ عبادہ بن صامت اور ابو دردا رضی اللہ عنہما کو ملک شام کی طرف روانہ فرمایا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو امیر شام تھے ان کو خاص ہدایت تحریر کی گئی اور اس چیز کا پابند کیا گیا کہ ان حضرات کے بغیر دیگر لوگوں سے حدیث حاصل نہ کریں اور ان کے سوا کوئی دیگر شخص وہاں حدیث روایت نہ کرے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں کہ:

”سوم آنکہ علماء صحابہ را در آفاق فرستند و ایشان را امر نمایند بر روایت حدیث و مردمان را حاصل کنند براخذ از ایشان چنانکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ را با جمع بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین رضی اللہ عنہم را بصرہ و عبادہ بن صامت و ابو دردا رضی اللہ عنہما را بشام و بمعویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نہ کنند۔“

اس دور میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے ”حفاظت حدیث“ کی یہ ایک تدبیر تھی جو اختیار کی گئی۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جہاں مرکز کی طرف سے دیگر ہدایات دی جاتی تھیں ان میں سے ایک یہ ہدایت بھی تحریر کی گئی تھی کہ حدیث نبوی کے بیان کرنے اور روایت کرنے کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ ہر کہ و مہ اس معاملہ میں دخیل ہو کر حدیث نبوی کے اصل مضامین میں کوئی کمی بیشی نہ کر دے اور روایت کے مضمون کو تحفظ حاصل رہے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مرکز کی طرف سے اس ہدایت کا خاص خیال رکھتے تھے۔

قدر شناسی اور قدر دانی کے کلمات

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے حکام اور ولات پر سخت گیری اور شدید گرفت فرمایا کرتے تھے جس کے واقعات ناظرین کرام کے سامنے واضح ہیں۔ اور بسا اوقات معمولی چیزوں پر بھی آپ کا احتساب فرمانا منقول ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ولات اور عمال کی عمدہ کارکردگی پر ان کی قدر دانی قدر شناسی اور عزت افزائی بھی فرماتے تھے۔

اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر کی اور دانشمندی کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قدر

دانی کے کلمات تاریخ میں پائے جاتے ہیں جن میں ان کی طبعی فراست و کمال ہوشمندی کو بہت عمدہ طریقہ سے بیان فرمایا ہے۔ اس چیز کو مورخین نے اپنی اپنی عبارات میں ذکر کیا ہے۔

① ((قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تذکرون کسریٰ و قیصر و دہاء ہما و عندکم معاویہ رضی اللہ عنہ))^۱

② ((قال تعجبون من دہاء ہرقل و کسریٰ و تدعون معاویہ رضی اللہ عنہ))^۲

③ ((کان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اذا رئی معاویہ رضی اللہ عنہ قال هذا کسری العرب و هكذا حکى المدائنی عن عمر رضی اللہ عنہ انه قال ذالک))^۳
ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ:

① سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ قیصر و کسریٰ کی دانائی اور زیرکی کا ذکر کرتے ہو حالانکہ تمہارے ہاں معاویہ جیسے دانشمند اور زیرک آدمی موجود ہیں۔

② یعنی تم ہرقل اور کسریٰ کی ہوشیاری اور ہوشمندی سے تعجب کرتے ہو اور معاویہ کو چھوڑ بیٹھتے ہو۔

③ بعض دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر نظر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ دانائی و زیرکی میں معاویہ تو عرب کے کسریٰ ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ان کلمات کے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دانشمندی اور فکری صلاحیتوں کا اعتراف پایا جاتا ہے اور ان کی فہم و فراست کی حد درجہ قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی گئی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے مدبر و مفکر اور معاملہ فہم کی نظروں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کتنا بلند مقام تھا اور ان کے نزدیک آپ کتنے عظیم درجہ کے حامل تھے۔

تشبیہ

بعض لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے کسریٰ کا لفظ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اپنی فکر کے مطابق طعن پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے اور اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو مخالف لینا چاہتا ہے بلکہ اس کا معنی اور محمل وہ ہے جو اوپر بیان کر دیا ہے۔ ”فکر ہر کس بقدر ہمت اوست“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور والدین کے متعلق ہدایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جانب سے ملک شام کے والی و حاکم تھے

۱ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۶۲ ج ۳ تحت ذکر بعض سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ

۲ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۰ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۵ ج ۸، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بحوالہ ابن ابی الدنیا۔

وہاں سے وقتی تقاضوں کے تحت ان کی ملاقات کے لیے بعض دفعہ حاضر خدمت ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں صرف چند مواقع ملاقات ذکر کیے جاتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دور میں حج کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ کب پہنچے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ابھی پہنچا ہوں اور ابتداءً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو سب سے پہلے اپنے والدین کے پاس جانا چاہیے اور خصوصاً اپنی والدہ ہند رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوں۔

چنانچہ اس ہدایت کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ ہند رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ گفتگو کی۔ ان کی والدہ ہند رضی اللہ عنہا نے بطور نصیحت کہا کہ امیر المومنین کے ذریعے سے تم کو ترقی ملی ہے، اس لیے ہمیشہ جو چیز ان کو پسند ہو اس کا خیال رکھو اور جو چیز انھیں ناپسند ہو اس سے اجتناب کرو۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور حسب حال ان سے گفتگو فرمائی۔

((وقد حج عمر رضی اللہ عنہ فدخل عليه معاوية رضی اللہ عنہ فقال له عمر رضی اللہ عنہ متى قدمت قال الان وبدات بك قال: فانت ابو يك وابدأ بهند رضی اللہ عنہا فانصرف معاوية رضی اللہ عنہ فبدأ بهند رضی اللہ عنہا فقالت له: يا بني انه والله - وقد استنهضكم هذا الرجل فاعلموا بما يوافقه و اجتنبوا ما يكرهه..... الخ))

ایک دیگر ملاقات

مشہور مورخ ابن شبہ نے "تاریخ مدینہ منورہ" میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما نو عمر تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک بار فرمایا کہ آپ ملاقات کے لیے نہیں آتے؟ تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک روز آپ کے ہاں ملاقات کے لیے آیا تھا لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ خلوت میں گفتگو میں مصروف تھے اور آپ کے فرزند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوئی وہ واپس آ گئے تو میں بھی ان کو دیکھ کر واپس آ گیا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ میرے فرزند ابن عمر سے اجازت میں زیادہ حقدار ہیں۔

((قال (حسین بن علی رضی اللہ عنہما) فاتيته يوما وهو خال بمعاوية رضی اللہ عنہ وابن عمر رضی اللہ عنہما بالباب لم يدخل فرجع ابن عمر رضی اللہ عنہما فلما رايتہ يرجع رجعت۔

فلقینی عمر رضی اللہ عنہ بعد ذلك فقال ای بنی لم ارك اتيتنا۔ قلت قد جئت وانت
خال بمعاوية فرأيت ابن عمر يرجع فرجعت قال انت احق بالاذن من ابن
عمر..... الخ))^۱

اس واقعہ میں حضرت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی توقیر و عزت افزائی کے علاوہ یہ چیز بھی ثابت
ہوتی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلوت میں ملاقات کے مواقع
میسر آتے تھے اور ان کے ساتھ اہم امور میں باہم مشورے کیے جاتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ،
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نظروں میں قابل اعتماد شخصیت تھے نیز اہل مشورہ لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

تنبیہ

یہ واقعہ قبل ازیں *سُحَاءُ بَيْنَهُمْ* حصہ فاروقی ص ۲۶۱ باب سوم فصل سوم میں بھی گزر چکا ہے لیکن وہاں
واقعہ مختصراً بیان کیا گیا تھا۔ اس مقام پر ذرا تفصیل پائی گئی ہے اور ایک قدیم ماخذ ابن شہبہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے سالانہ وظیفہ
تراجم کی کتابوں سے مسئلہ ہذا تلاش کرنے سے اگرچہ متعدد روایات ملتی ہیں لیکن ایک روایت ابن
عبدالبر (صاحب الاستیعاب) نے اس طرح ذکر کی ہے کہ:

((ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رزق معاوية رضی اللہ عنہ على عمله الشام عشرة الاف
دينار كل سنة))^۲

”یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دس ہزار دینار سالانہ بطور وظیفہ کے
مقرر فرمائے جب آپ علاقہ شام پر والی مقرر کیے گئے۔“
اور بقول ذہبی رضی اللہ عنہ اتنی (۸۰) دینار ماہوار مشاہرہ مقرر کیا۔

((ان عمر افرد معاوية بالشام ورزقه في كل شهر ثمانين دينار))^۳

اس مسئلہ میں دیگر روایات بھی موجود ہیں لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر صرف دو عدد روایات بالا ذکر
کر دی ہیں۔

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد کے حکام اور والیوں کے مشاہرے عموماً

۱ تاریخ مدینہ منورہ (ابوزید عمر بن شہبہ نسیری بصری) ص ۷۹۹ ج ۳ التونی ۲۶۲ ھ تحت جس عمر رضی اللہ عنہ الحظیہ فی اجاہ الزبرقان بن بدر،
طبع قاہرہ (مکتبہ ابن تیمیہ)

۲ الاستیعاب مع الاصابہ ص ۲۸۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۱۹ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

قلیل مقدار میں ہوتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سالانہ وظیفہ ایک کثیر رقم مقرر کیا گیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قریباً چار برس تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ والی شام رہے لیکن ان کو کبھی تبدیل نہیں کیا گیا اور نہ ان کو معزول کیا بلکہ مزید علاقہ جات ان کی تحویل میں دیتے رہے اور اختیارات میں توسیع کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مشاہرہ یا سالانہ وظیفہ دیگر حکام سے زیادہ دیا۔ یہ چیز جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ صلاحیتوں کی دلیل اور ان کی حسن کارکردگی کی تصدیق و تائید ہے وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے نقاد خلیفہ کے ہاں ان کے مقبول و معتمد ہونے کا بین ثبوت ہے اور ملتی خدمات کو صحیح طور پر بجالانے کی شہادت ہے۔

اختتام عہد فاروقی اور ابتدا عہد عثمانی

۲۳ھ کے آخر میں ۲۷ ذی الحجہ کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ آپ کی شہادت کا باعث ایرانی مجوسیوں کی سازش تھی۔ ابولولو فیروز نامی ایرانی نژاد مجوسی اصل قاتل تھا اور اس کے ساتھ ہرمزان اور جھینہ وغیرہ اس کام میں اس کے معاون تھے اور یہ لوگ ایک خاص منصوبہ کے تحت مرکز اسلام کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ چنانچہ ان اعدائے اسلام کے ہاتھوں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو شہادت پائی اور اللہ کریم کی جناب میں حاضر ہو گئے اس واقعہ ہاکمہ کی تفصیلات اپنی جگہ پر مذکور ہیں ہم ان کی طرف اس وقت نہیں جاسکتے۔

تحصین سواحل (سواحل کی مضبوطی)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ملک شام کے بیشتر علاقے فتح ہو چکے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان تمام مقامات پر حاکم تھے۔ یہ مفتوحہ علاقہ جات انھی کے زیر انتظام تھے اور ان میں پوری طرح نظم قائم تھا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے اور انھوں نے زمام خلافت سنبھالی تو جہاں انھوں نے دیگر مفتوحہ ممالک اسلامیہ کی طرف فرامین جاری کیے وہاں انھوں نے ملک شام کے لیے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع فرمایا اور جن انتظامات کی مزید ضرورت محسوس کی ان کی جانب انھیں توجہ دلائی حالات معلوم کرنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب ارسال فرمایا اس مکتوب میں سواحل بحر کی مضبوطی اور حفاظتی دستوں کے تعین کا حکم دیا اور جو لوگ ان مقامات میں اقامت پذیر ہوں ان کے لیے وظائف اور جاگیریں مقرر کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے کہ:

((فلما استخلف عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ كتب الى معاوية يامرہ بتحسين

السواحل وشحنتها واقطاع من ينزله اياها القطائع ففعل))^۱

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۴ تحت فتح مدینہ دمشق وارضها۔

اس مقام پر ایک دوسری روایت مورخین نے اس طرح ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس علاقے کے سواحل بحر کے حالات تحریر کیے اور اس بات کی اجازت طلب کی کہ بحری غزوات شروع کیے جائیں۔ اس کے جواب میں جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف درج ذیل فرامین ارسال کیے کہ ان سواحل بحر کے قلعوں کی مرمت کی جائے اور وہاں دفاعی قنال کرنے والوں کو تیار رکھا جائے، قلعوں پر نگران دستے مقرر کیے جائیں اور وہاں روشنی کا بھی انتظام کیا جائے۔

لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وقتی تقاضوں کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بحری غزوات کی اجازت نہیں دی اور ان کے اس تقاضے کو اس وقت ملتوی رکھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بحری غزوات کے اجرا کے سلسلے میں اس لیے متقاضی تھے کہ ان کے خیال میں اس سے اسلام کی تبلیغ و ترویج میں ترقی ہوگی اور یہ دین اسلام کے غلبہ و تفوق کا باعث ہوگا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری غزوات شروع کرنے کی تجویز جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی تو انھوں نے اپنی ابتدائے خلافت میں ہی بحری غزوات شروع کرنے کی اجازت دے دی اور فرمان جاری کیا کہ سواحل بحر پر جہاد کرنے کی پوری تیاری کریں۔ سابقہ جیوش کے علاوہ مزید لوگوں کو اس مہم کے لیے آمادہ کریں اور ان لشکریوں کے لیے مستقل جاگیریں متعین کر دیں۔ مجاہدین کو اقامت گاہیں عطا کریں اور علاقوں میں مسجدیں تعمیر کریں اور جو مسجد ان کی خلافت سے پہلے تعمیر ہو چکی ہیں ان کو مزید وسیع کریں۔ اسی مسئلہ کو بلاذری نے بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((عن سعید بن عبدالعزیز قال ادرکت الناس و ہم يتحدثون ان معاوية رضی اللہ عنہ كتب الى عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بعد موت اخيه يزيد بصف له حال السواحل فكتب اليه في مرمة حصونها و ترتيب المقاتلة فيها واقامة الحرس على مناظرها واتخاذ المواقيد لها ولم ياذن له في غزو البحر وان معاوية رضی اللہ عنہ لم يزل بعثمان رضی اللہ عنہ حتى اذن له في الغزوة بحرا و امره ان يعد في السواحل اذا غزا و اغزا جيوشا سوى من فيها من الرتب وان يقطع الرتب ارضين ويعطيهم ما جلا عنه اهله من المنازل ويبني المساجد ويكبر ما كان ابنتي منها قبل خلافته))

فتح بلاد روم میں مرکز کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاونت

ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ ۲۳ھ میں اہل روم نے ایک عظیم لشکر تیار کیا جس سے اہل شام خائف ہو گئے اور انھوں نے مرکز اسلام میں امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس امر کی اطلاع بھیجی اور امداد اور تعاون کی درخواست کی۔

اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے حاکم ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو تحریری حکم ارسال فرمایا کہ یہ مکتوب پہنچنے پر آپ ملک شام میں مسلمان بھائیوں کی امداد کے لیے ایک امانت دار اور بہادر شخص کی ماتحتی میں آٹھ یا نو ہزار مجاہدین بھیج دیں۔

چنانچہ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ والی کوفہ نے مرکز کی طرف سے مکتوب ملنے پر لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور ان کو امیر المؤمنین کے فرمان کی اطلاع دی اور مسلمانوں کو جہاد کی اس مہم میں شرکت پر آمادہ کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاونت اور اہل شام سے تعاون کی ترغیب دلائی اور تین دن کے اندر قریباً آٹھ ہزار مجاہدین کا لشکر تیار کر کے سلمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ملک شام روانہ کیا۔ وہاں لشکر اسلام کے امیر حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ تھے۔ جب یہ دونوں لشکر مجتمع ہوئے تو انھوں نے اجتماعی طور پر بلاد روم پر حملہ کیا اور فتح حاصل کر کے بے شمار لوگوں کو قیدی بنا لیا، بہت سے غنائم حاصل کیے اور متعدد قلعوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

((فقام الولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ فی الناس خطیبا حین وصل الیہ کتاب عثمان رضی اللہ عنہ فاخبرہم بما امرہ بہ امیر المؤمنین (عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ) و ندب الناس و حثہم علی الجہاد و معاونة معاویة رضی اللہ عنہ و اهل الشام۔ و امر سلمان بن ربیعة علی الناس الذین یخرجون الی الشام فانتدب فی ثلاثہ ایام ثمانیة آلاف فبعثہم الی الشام و علی جند المسلمین حبیب بن مسلمة الفہری رضی اللہ عنہ۔ فلما اجتمع الجیشان شنوا الغارات علی بلاد الروم۔ فغنموا و سبوا شیاء کثیرا و فتح حصونا کثیرة ولله الحمد))

گرمیوں کے غزوات (صائفہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی ابتدا میں (دو سال کے بعد) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلاد روم کی فتوحات کا ایک دوسرا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اس طرح کہ اس ملک کے جن علاقوں میں سخت سردی ہوتی تھی

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ج ۱۵۰ ص ۷۰ بحوالہ طبری تحت سنہ ۲۳ھ

تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۰۰ ج ۲ تحت ولایۃ الولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ الکوفہ صلح آرمینیہ و آذربایجان

فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۰۵-۲۰۶ تحت فتوح آرمینیہ۔

ان کی طرف موسم گرما میں مجاہدین کو روانہ کیا جاتا تھا ان غزوات کو صائفہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں سردیوں میں جہاد موقوف کر دیا جاتا اور آئندہ موسم گرما میں پھر مجاہدین کو ان علاقوں میں جہاد پر روانہ کر دیا جاتا۔ ایک مدت تک جہاد کا یہی سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران میں بہت سے قلعے فتح کیے گئے اور بے شمار غنائم حاصل ہوئے اور کئی لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ اس طرح دشمنان اسلام پر ایک گونہ رعب قائم ہو گیا۔

اور بقول بعض اہل تاریخ ان ایام میں مجاہدین بلاد روم میں عموریہ تک جا پہنچے اور اس سے آگے انطاکیہ اور طرسوس کے مقامات میں انھوں نے قلعوں کو خالی پایا، وہاں انھوں نے اپنے عساکر اور جیوش جمع کر دیے۔

((ان الشام کان قد جمعها لمعاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما لستین مضتا من خلافة عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وقد احزره غاية الحفظ وحمی حوزته۔ و مع هذا له فی کل سنة غزوة فی بلاد الروم فی زمن الصیف و لهذا یسمون هذا الغزوة الصائفة۔ فیقتلون خلقا و یاسرون اخرین، ویفتحون حصونا و یغنمون اموالا و یرعبون الاعداء))^۱

((ثم غزا معاویة الروم و بلغ عمورية و وجد ما بین انطاکیة و طرسوس من الحصون خالیا فجمع فیها العساکر حتی رجع و خربها))^۲

جیسا کہ سابقاً ذکر کیا ہے کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں موسم گرما میں بلاد روم کی جانب غزوات کا سلسلہ جاری تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی نگرانی کرتے تھے اور ان کی ماتحتی میں یہ مہم شروع رہتی تھی اسی چیز کو قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط نے (جو طبری سے قدیم لوگوں میں شمار ہوتے ہیں) اپنی تاریخ میں یہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

((الصائفة: کتب عثمان الی معاویة ان یغزی بلاد الروم فوجه یزید ابن الحر العبسی ثم عبدالرحمن بن خالد بن الولید علی الصائفین جمیعاً ثم عزله و ولی سفیان بن عوف الغامدی فکان سفیان یخرج من البر و یتخلف علی البحر جنادة بن ابی امیة فلم یزل کذالك حتی مات سفیان فولی معاویة عبدالرحمن بن خالد بن ولید ثم ولی عبید الله بن رباح و شتی فی ارض الروم))^۳

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۷ ج ۷ تحت سنہ ۳۱ھ (ابتدا)

۲۔ تاریخ ابن خلدون، ص ۱۰۰۱-۱۰۰۲ ج ۲ تحت ولایة الولید بن عقبہ الکوفی الخ

۳۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۹ ج ۱ تحت آخر سنہ ۳۵ھ طبع عراق۔

”یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مکتوب ارسال کیا کہ بلاد روم کی طرف غزوات کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ چنانچہ اس فرمان کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن حربسی اور عبدالرحمن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو اس اہم کام کے لیے متوجہ کیا اور گرمیوں میں جہاد کرنے والے مجاہدین پر انھیں امیر تجویز کیا۔ (اس طرح ایک مدت تک یہ کام جاری رہا) اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن حربسی کو معزول کر کے ان کے قائم مقام سفیان بن عوف غامدی رضی اللہ عنہ کو والی بنایا۔

سفیان بن عوف غامدی رضی اللہ عنہ اپنی آمد و رفت کی صورت میں جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو بحر میں اپنا نائب مقرر کرتے تھے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا حتیٰ کہ سفیان بن عوف رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ عبدالرحمن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کو والی بنایا پھر ان کے بعد عبید اللہ بن رباح کو والی بنانے کی بھی ضرورت پیش آئی اور ان کو والی بنایا۔“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس علاقہ کے حالات کے تقاضوں کے موافق ان اشخاص کو بلاد روم میں پھیلائے ہوئے اور اس طریقہ سے ملک کا نظم و نسق قائم کیے ہوئے تھے۔

ملک روم کی فتوحات کے سلسلے میں یہ چند ایک چیزیں اختصاراً ذکر کی گئی ہیں لیکن فی الواقع ان کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں۔ یہ سب مراحل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوششوں کے نتائج میں حل ہوئے اور ان کا آں موصوف کے اعلیٰ کارناموں میں شمار ہوتا ہے۔

فتح قبرص

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں جو غزوات ہوئے ان میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے، غزوات کا یہ سلسلہ نہایت وسیع تھا اور ان کی بڑی تفصیلات ہیں۔ تاہم ان میں سے بعض مہمات کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

۲۵ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کئی قلعوں کو فتح کیا۔ اور مورخین لکھتے ہیں کہ ۲۷ھ میں آپ نے قسریں کو بھی فتح کر لیا۔ اور بعض مورخین کا قول ہے کہ ۲۷ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص کی طرف پیش قدمی کی اور اسے فتح کر لیا۔

((وفیہا ۲۵ھ فتح معاویة الحصون))^۱

((وفیہا ۲۷ھ غزا معاویة قسریں))^۲

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۷ تحت سنہ ۲۵ھ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۲ ج ۷ تحت سنہ ۲۷ھ

((فی هذه السنة ۲۷ھ غزا معاویہ قبرص))

فتح قبرص کے متعلق اہل تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض مورخین نے اس غزوہ کا وقوع ۲۷ھ اور بعض نے ۲۸ھ لکھا ہے اس کے ماسوا بھی اقوال پائے جاتے ہیں۔ اس غزوہ کی تفصیلات اپنی جگہ پر بہت کچھ دستیاب ہیں لیکن ہم اختصار کے پیش نظر اس میں سے صرف چند ایک چیزیں اس مقام پر ذکر کرتے ہیں۔

محل وقوع

معلوم ہونا چاہیے کہ قبرص بلاد شام کے مغرب میں ایک الگ مستطیل شکل کا معروف جزیرہ ہے جو ساحل دمشق کے قریب ہے۔ اس جزیرہ میں بے شمار ثمرات پائے جاتے ہیں اور اس میں معادن (کانیں) بھی ہیں اور یہ بہت عمدہ اور زرخیز علاقہ ہے۔

((وهی جزيرة غربی بلاد الشام فی البحر مخلصه وحدها ولها ذنب مستطیل الی نحو الساحل مما یلی دمشق و غربیها اعرضها و فیها فواکہ کثیرة ومعادن وهی بلدة جید))

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بحری غزوات کی بڑی کوشش سے اجازت حاصل کی تھی جیسا کہ قبل ازیں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ جزیرہ قبرص کی طرف بھی اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے عظیم لشکر کے ساتھ پیش قدمی کی۔ اور ساتھ ہی دوسری جانب سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ ایک لشکر کثیر لے کر ان کی امداد کے لیے آ پہنچے۔ ان حضرات کی کمان میں دونوں افواج اس مقام پر مجتمع ہو گئیں۔

اہل قبرص کے ساتھ اہل اسلام کی عظیم جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور انھوں نے مخالفین کے بے شمار لوگوں کو تہ تیغ کیا اور لاتعداد لوگوں کو قید کر لیا۔ مسلمانوں کو اس سے کثیر اموال بطور غنیمت حاصل ہوئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ فتح عظیم عنایت فرمائی۔ آخر کار اہل قبرص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سات ہزار دینار سالانہ جزیہ ادا کرنے کی شرط قبول کرتے ہوئے صلح کر لی۔

((فلما کان عثمان رضی اللہ عنہ الح معاویة رضی اللہ عنہ علیہ فی ذالک فاذن له فرکب فی المراكب فانتھی الیہا و وافاه عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ الیہا من الجانب الاخر۔ فالتقیا علی اهلها فقتلوا خلقا کثیرا و سبوا سبایا کثیرة

و غنموا مالا جزیلاً جیداً))^۱

((ثم صالحهم (اهل قبرص) معاوية رضی اللہ عنہ على سبعة الاف دينار في كل سنة
وهادنهم))^۲

واقعہ شہادت ام حرام رضی اللہ عنہا اور نمازیوں کے لیے جنت کا مشرودہ

اکابر علماء نے لکھا ہے کہ معرکہ قبرص میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بذات خود شرکت فرمائی آپ کی اہلیہ فاخہ بنت قرظہ من بنی عبد مناف اس معرکہ میں آپ کے ساتھ تھیں۔ علاوہ ازیں اکابر صحابہ کرام مثلاً ابوذر غفاری، ابودرداء، شداد بن اوس اور عبادہ بن صامت وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی اس غزوہ میں آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ تھیں جن کے متعلق حدیث صحیح میں ایک پیش گوئی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود ہے۔ آپ نے خواب سے بیدار ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا اس نے اپنے اوپر جنت کو واجب کر لیا۔ اس ارشاد کے سننے پر حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں ان میں شامل ہوں گی؟ تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان میں داخل ہو۔

((قال ابن الاثير وكانت (ام حرام رضی اللہ عنہا) تلك الغزوة غزوة قبرص - فدفنت فيها وكان امير ذلك الجيش معاوية بن ابي سفيان في خلافة عثمان رضی اللہ عنہ و معه ابو ذر، ابودرداء، وغيرهما من الصحابة رضی اللہ عنہم وذلك في سنة سبع و عشرين قال ابو عمر كان معاوية غزا تلك الغزوة بنفسه و معه امراته فاخه بنت قرظة من بنی نوفل بن عبد مناف))^۳

اور بخاری شریف میں ہے کہ

((قال عمير فحدثنا ام حرام انها سمعت النبي صلی اللہ علیہ وسلم يقول: "اول جيش من امتي يغزون البحر قد اوجبوا - قالت ام حرام: قلت يا رسول الله! انا فيهم؟

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۳ ج ۷ تحت فتح قبرص سنہ ۲۸ھ

فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱ تحت امر قبرص

۲۔ الاصابہ، ابن اثیر جزری ص ۳۲۳ ج ۳ تحت (۱۲۱۵) ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۳۵-۱۳۶ جلد ۱ تحت سنہ ۲۸ھ طبع اول عراق

قال انت فيهم))^۱

یہ پیش گوئی بخاری شریف کے متعدد مقامات پر مذکور ہے اور مسلم شریف میں بھی ام حرام رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ مفصل ذکر کیا گیا ہے ان مقامات کے بعض حوالہ جات حاشیہ میں دیے گئے ہیں۔ واقعہ کی تمام عبارات کو نقل کرنا موجب طوالت تھا اس لیے اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

آنجناب رضی اللہ عنہم کی اس پیش گوئی کے دو حصے ہیں:

ایک ام حرام رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھیوں کے متعلق ہے کہ اس غزوہ میں شامل لوگوں کو جنت نصیب ہوگی یہ واقعہ ۲۷ ہجری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اہل اسلام کی افواج کو پیش آیا۔

اور اس پیش گوئی کا دوسرا حصہ مدینہ قیصر (قسطنطینیہ) کے غزوہ کے متعلق ہے جو ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں پیش آیا۔ اس کی مزید تشریح و تفصیل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے عہد خلافت کے حالات کے تحت ان شاء اللہ ذکر کی جائے گی۔ مدینہ قیصر والے مجاہدین کے حق میں بھی مغفرت کا ارشاد نبوی موجود ہے۔

((وكان فتحها على يدى معاوية بن ابي سفيان ركب اليها في جيش

كثيف من المسلمين ومعه عبادة بن صامت ركبته وزوجته ام حرام بنت

ملحان التي تقدم حديثها في ذلك حين نام رسول الله ﷺ في بيتها

ثم استيقظ يضحك..... الخ))^۲

جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوہ قبرص سے فارغ ہو کر واپسی کا سفر اختیار کرنے لگے تو حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا ایک بغلہ (خچر) پر سوار ہوئیں مگر اس سے گر پڑیں اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

علماء نے ذکر کیا ہے کہ جزیرہ قبرص میں ان کی قبر مبارک ہے وہاں کے لوگ ان کا بہت احترام کرتے ہیں اور بعض اوقات بارش طلب کرنے کے لیے ان سے توسل کرتے ہیں وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایک صالحہ خاتون کی قبر ہے۔

اس واقعہ سے جناب نبی کریم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی کیونکہ ام حرام رضی اللہ عنہا پہلے بحری غزوہ میں شریک ہوئیں اور وہیں انتقال کر کے جنت میں خیمہ زن ہوئیں۔

۱ بخاری شریف ص ۴۱۰ ج ۱ کتاب الجہاد باب ما قيل في قتال الروم

بخاری شریف ص ۳۹۱ ج ۱ ص ۴۰۳ ج ۱ ص ۹۲۹ ج ۲ طبع نور محمدی دہلی۔

مسلم شریف ص ۱۳۱-۱۳۲ ج ۲ کتاب الامارة باب فضل الغزوة في البحر طبع نور محمدی دہلی

حلیۃ الاولیاء (ابو نعیم احمد بن عبد اللہ) ص ۶۲ ج ۲ تحت ترجمہ (نمبر ۱۳۰) ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۳ ج ۷ تحت فتح قبرص سنہ ۲۸ھ

((فلما ارادوا الخروج منها (قبرص) قدمت لام حرام بغلة لتركبها فسقطت عنها فاندقت عنقها فماتت هناك قبرها۔ هنالك يعظمونه ويستسقون به ويقولون قبر المرأة الصالحة))^۱

فوائد

مختصر یہ ہے کہ جزیرہ قبرص کی فتح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے ہوئی اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس مہم میں ان کے ساتھ شامل تھے اور اس غزوہ کے اہل جیش کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت یہ حضرات اس بشارت کے حق دار ہوئے یہ ایک بڑی خوش نصیبی ہے اور پیغمبر اسلام کی طرف سے ان لوگوں کے حق میں ایک بہت بڑی سعادت مندی کا ثرہ ہے۔ اور یہ بحری جنگیں مذکورہ پیش گوئیوں اور بشارتوں کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہترین فضائل و کمالات میں شمار کی جاتی ہیں۔

نیز یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ غزوات اسلامی تھے اور جہاد فی سبیل اللہ کے مصداق تھے کیونکہ ان میں شریک و شامل مجاہدین کو جنت اور مغفرت کی بشارتوں سے نوازا گیا ہے۔ فلہذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک حریص، ملک گیر اور مغلوب بادشاہ نہیں تھے بلکہ اس بشارت نبوی کے اعتبار سے برحق والی و حاکم تھے اور اسلام کے صحیح خادم اور دین کے علمبردار تھے اور اس کو فروغ بخشنے والے تھے۔

ایک فقہی اختلاف

آنجناب رضی اللہ عنہ کے ایک مشہور صحابی ابو ذر غفاری (جندب بن جنادہ) رضی اللہ عنہ کی اقامت بلاد شام میں تھی اور اس دور کے متعدد اہم واقعات میں ان کی شمولیت پائی جاتی ہے جیسا کہ اہل علم پر واضح ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت ۳۰ ہجری میں ایک فقہی مسئلہ میں اختلاف رائے رونما ہوا۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں رائے یہ تھی کہ سیم وزر ہو یا دوسرے اموال ہوں ان کو خزانہ بنانا اور جمع کرنا ناجائز ہے۔ آپ ضرورت سے زائد مال جمع کرنے کو ناجائز قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ زائد مال کو صدقہ کر دیا جائے۔ آپ دلیل میں یہ آیت پیش کرتے تھے کہ:

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۳ ج ۷ تحت فتح قبرص سنہ ۲۸ھ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۷۸ ج ۲ تحت سنہ ۲۷ھ

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۳۶ ج ۱ تحت ۲۸ھ

الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۲۳ ج ۲ تحت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا

فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۶۰ تحت امر قبرص

وَالَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ

اور لوگوں میں اس مسئلہ کو علانیہ بیان کرتے تھے جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی اس مسئلہ میں یہ رائے تھی کہ مالی صدقات واجبہ ادا کرنے کے بعد اموال کو جمع کرنا جائز اور مباح ہے۔ اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ کی عوام الناس میں تشہیر سے منع کرتے تھے۔ لیکن ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں شدت اختیار کی اور لوگوں میں اس وجہ سے ایک قسم کی پریشانی رونما ہونے لگی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس معاملے کی پوری تفصیل تحریر کی اور ساتھ ہی اس مسئلے کا حل طلب کیا۔ جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمان ارسال کیا کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو واپس مدینہ طیبہ بھیج دیا جائے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمان دیا کہ آپ واپس آ جائیں۔

چنانچہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ روانہ کر دیا گیا۔ جب آپ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ پر تنبیہ کی اور اس موقف سے رجوع کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کیونکہ اس مسئلہ سے عوام میں ایک قسم کا حرج واقع ہوتا ہے اور پریشانی بڑھتی ہے۔ لیکن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر زہد کا غلبہ تھا اس بنا پر وہ اپنے موقف سے باز نہ آئے اور رجوع اختیار نہیں کیا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ طیبہ سے باہر ربذہ کے مقام پر اقامت اختیار کرنے کا حکم فرمایا اور بقدر کفایت ان کے لیے مالی وظیفہ جاری کر دیا۔

اس مسئلہ کو ابن جریر اور ابن کثیر وغیرہ نے عبارت ذیل میں ذکر کیا ہے:

((فخرج (ابوذر رضی اللہ عنہ) حتى نزل الربذة فخط بها مسجدا واقطعه عثمان رضی اللہ عنہ صرمة من الابل واعطاه مملوكين وارسل اليه ان تعاهد المدينة حتى لا ترد اعرابيا ففعل))^۱

اور علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

((ونزل (ابوذر رضی اللہ عنہ) الربذة وبنى بها مسجدا واقطعه عثمان رضی اللہ عنہ صرمة من الابل (يعنى قطعة منها) واعطاه مملوكين واجرى عليه رزقا وكان يتعاهد المدينة وبين المدينة والربذة ثلاثة اميال))^۲

۱ تاریخ ابن جریر طبری ص ۶۷ ج ۵ تحت سنہ ۳۰ھ اخبار ابی ذر رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۵-۱۵۶ ج ۷ تحت سنہ ۳۰ھ

کتاب التہمید والہیان ص ۷۳-۷۵-۷۶، (محمد بن یحییٰ بن ابی بکر اشعری مالکی اندلسی) طبع بیروت

۲ تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۲۹ ج ۲ تحت بدأ الانقراض علی عثمان رضی اللہ عنہ طبع بیروت لبنان

لیکن محدثین میں سے ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مصنف میں اور امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی صحیح میں ایک باسند روایت ذکر کی ہے جس میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اس واقعہ کے متعلق ایک اپنا بیان ہے۔ ہم اس بیان کو اہل علم کی معلومات میں اضافہ کے لیے پیش کرتے ہیں۔ یہ روایت حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی ان مطاعن سے براءت کرتی ہے جو اس سلسلے میں ان حضرات پر کیے جاتے ہیں۔

((عن زید بن وہب قال مررنا علی ابی ذر بالربذة، فسالنا عن منزله قال: (ابو ذر رضی اللہ عنہ) كنت بالشام، فقرات هذه الاية: الَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الخ))

((فقال معاویہ رضی اللہ عنہ: انما هی فی اهل الكتاب۔ فقلت: انها لفینا وفیہم۔ قال: فكتب الی عثمان رضی اللہ عنہ ان اقبل، فلما قدمت رکبني الناس کانهم لم یرونی قبل ذالك فشکوت ذالك الی عثمان رضی اللہ عنہ فقال: لو اعتزلت فکنت قریبا فنزلت هذا المنزل فلا ادع قوله ولو امروا علی عبدا حبشیا))

یعنی ایک شخص زید بن وہب کہتے ہیں کہ ربذہ کے مقام پر ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ پر ہمارا گزر ہوا تو (عند الملاقات) ہم نے ان سے ربذہ کے مقام پر ان کے مقیم ہونے کی وجہ دریافت کی تو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جن دنوں میں علاقہ شام میں تھا اس دوران میں قرآن مجید کی آیت الَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الخ (یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجیے) کا مضمون لوگوں میں اس طرح بیان کیا کہ اس آیت میں ہر ایک کے لیے حکم عام ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ آیت اہل کتاب کے حق میں ہے اور میرا اصرار تھا کہ یہ آیت اہل کتاب اور ہم سب کے لیے ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ ماجرا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب میں میرے لیے حکم دیا کہ آپ مدینہ شریف واپس آ جائیں (تا کہ مناقشہ ختم ہو جائے) پھر جب میں حسب الحکم واپس آ گیا تو لوگ میرے پاس جمع ہو جاتے گویا انھوں نے مجھے قبل ازیں نہیں دیکھا ہوا تھا۔ پس اس معاملہ کی میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (فتنہ کو فرو کرنے کے لیے اور شکایت کا ازالہ کرنے کے لیے) فرمایا کہ آپ مدینہ شریف کے

قریب کسی الگ مقام پر قیام پذیر ہو جائیں تو بہتر ہے پس میں نے یہاں قیام اختیار کر لیا اور ان کے حکم کو ترک نہیں کیا۔“

فوائد و نتائج

مسائل میں فقہی اختلاف کا رونما ہونا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف جب اخلاص نیت پر مبنی ہو اور حدود شرعی سے متجاوز نہ ہو تو کوئی معیوب چیز نہیں ہے۔

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حق میں کسی توہین اور ان کی تنقیص کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کے مطابق ان کو باعزت طریقہ سے شام سے مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ میں موقف متفردانہ تھا اس لیے ان کو ”خلیفۃ المسلمین“ نے ایک مقام پر اقامت پر پابند کر دیا اور ساتھ وظیفہ مالی بھی جاری کیا اور ان پر کسی قسم کا ظلم و تشدد روا نہیں رکھا گیا اور یہی طریقہ ان کی شان کے شایاں تھا۔

لوگوں نے اس واقعہ کے متعلق بہت طول طوال قصے تصنیف کر لیے ہیں اور جبر و اکراہ کی ایک داستان بنا دی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اصل واقعہ یہی کچھ تھا جو ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ اور مندرجہ بالا مسئلہ کو حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اپنی عبارت میں بطریق ذیل نقل کیا ہے۔ علمائے کرام ملاحظہ فرمائیں:

((وفی هذه السنة (۳۰ھ) وقع بين معاوية و ابي ذر رضی اللہ عنہما بالشام و ذلك ان ابا ذر رضی اللہ عنہ انكر على معاوية رضی اللہ عنہ بعض الامور۔ و كان ينكر على من يقتنى مالا من الاغنياء و يمنع ان يدخر فوق القوت و يوجب ان يتصدق بالفضل و يتاول قول الله سبحانه و تعالى و الذين يكدون الذهب و الفضة و لا ينفقونها في سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم..... الخ) فيها معاوية عن اشاعة ذلك فلا يمتنع فبعث يشكوه الى عثمان رضی اللہ عنہ ، فكتب عثمان رضی اللہ عنہ الى ابي ذر رضی اللہ عنہ ان يقدم عليه المدينة فقدمها فلامه عثمان رضی اللہ عنہ على بعض ما صدر منه ، و استرجعه فلم يرجع فامرہ بالمقام بالربذة و هي شرق المدينة))^۱

اب اہل علم حضرات کو ان حوالہ جات سے اصل واقعہ اور اس کا پس منظر معلوم کرنے میں کوئی دقت نہیں

ہوگی۔

تشبیہ

اس مقام پر یہ چیز بیان کر دینا ضروری خیال کیا گیا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بعض اوقات بعض فقہی مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اور یہ اجتہادی اختلاف رائے اپنی ذات میں کوئی عیب نہیں ہے۔ معترض لوگ اس من وجہ اختلاف کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایک مستقل طعن کی شکل دے دیتے ہیں اور لوگوں میں اسے نہایت قبیح تعبیر کے ساتھ پیش کرتے ہیں حالانکہ وہ اجتہاد و رائے کی چیز ہوتی ہے کوئی لائق اعتراض اور قابل طعن بات نہیں ہوتی۔

اسی زمرہ میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جو عبادہ بن صامت اور ابو درداء اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آئیں۔ وہ فقہی مسائل میں تحقیق کے اختلاف کے درجہ میں ہیں اور یہ حضرات اپنی جگہ مجتہد اور فقیہ تھے۔

مختصر یہ ہے کہ ابو ذر غفاری، عبادہ بن صامت اور ابو درداء رضی اللہ عنہم وغیرہم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فقہی مسائل میں اختلاف کسی ذاتی رجحان اور عناد کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ تحقیق کے مختلف ہونے کے درجہ میں تھا۔ اور یہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین بھی بعض دفعہ پایا جاتا ہے اور اس کو کوئی شخص قبیح نہیں سمجھتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی ان اختلافات کو اسی طرح سمجھنا چاہیے۔

ہدایات

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بعض دفعہ خصوصی ہدایات جاری کی جاتی تھیں اور آپ ان ہدایات کے مطابق عمل پیرا ہوتے تھے۔ اس دور میں اہل اسلام کو فتوحات کی بنا پر بے شمار غنائم حاصل ہوتے تھے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین نے بعض ہدایات اس طرح ارسال فرمائیں کہ جب مال غنیمت جمع ہو جائے تو اس کے پانچ برابر برابر حصے کیے جائیں (اور قرعہ اندازی کے لیے) ایک حصہ پر "لہ" کا لفظ تحریر کیا جائے پھر ان پانچ حصوں میں قرعہ اندازی کی جائے اور قرعہ اندازی کے ذریعے سے جو حصہ اللہ کے لیے متعین ہو اسے امیر حاصل کرے۔

((عن مالك بن عبدالله الخثعمي قال كنا جلوسا عند عثمان رضي الله عنه فقال: من هاهنا من اهل الشام؟ فقلت فقال ابلغ معاوية رضي الله عنه اذا غنم غنيمة ان يأخذ خمسة اسهم فيكتب على سهم منها "لله" ثم ليقرع فحيثما خرج منها فليأخذها))^۱

۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۹-۳۳۰ ج ۱۲ تحت کتاب الجہاد طبع کراچی

در منثور (سیوطی) ص ۱۸۷ ج ۳ تحت الآیہ وَاعْتَصِمُوا أَلْتْنَا غَنْمَتُمْ مِنْ رَبِّنَا

- ① ((عن مالك بن عبدالله الخثعمي قال: كنت بالمدينة فقام عثمان بن عفان رضي الله عنه فقال هل هاهنا من اهل الشام احد؟ فقلت نعم يا امير المؤمنين! قال فاذا اتيت معاوية فامرہ ان فتح الله عليه ان يأخذ خمسة اسهم ثم يكتب في احدها "لله" ثم يقرع فحيث ما وقع فليأخذہ))
- ② ((وفي هذا بيان انه لا ينبغي للامير ان يتخير اذا ميز الخمس من الاربعة الاخماس ولكنه يميزه بالقرعة الخ))

مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تقسیم اموال کی صحت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور فتوحات میں غنائم کی تقسیم حسب طریق شرعی ہوتی تھی اور ان معاملات کو مرکز کی ہدایات کی روشنی میں سرانجام دیا جاتا تھا اور ان مسائل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرعی حدود سے متجاوز نہیں ہوتے تھے بلکہ احکام شرعی کا لحاظ رکھتے تھے اور ان پر کاربند تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ان مسائل میں خود روی اور خود رائی کا پروپیگنڈا درست نہیں ہے اور واقعات کے خلاف ہے۔

ایک اشتباہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین اس بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک جغرافیائی اور جنگی نقطہ نظر سے نہایت اہم صوبے کا بارہ سال کے طویل عرصہ تک گورنر متعین کیے رکھا جس کی وجہ سے ان علاقوں پر آپ کے گہرے اثرات مرتب ہوئے اور انھوں نے یہاں اپنی جڑیں مضبوط کر لیں گویا یہ صوبہ شام ان کی خود مختار ریاست کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس مشترکہ طعن کرنے میں مخالفین کا مقصد یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس منصب اور اقتدار سے غلط فائدہ اٹھایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مرکز کی ہدایات قبول نہیں کیں اور امیر المؤمنین کی اطاعت سے سرتابی کی اور اپنے صوبہ کی خود مختاری کی بنا پر ان سے جنگ و پیکار پر آمادہ ہو گئے۔

ازالہ

مذکورہ بالا اشتباہ کے ازالہ کے لیے درج ذیل چیزوں پر نظر انصاف فرمائیں، امید ہے مسئلہ صاف ہو جائے گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے علاقہ شام پر کوئی جدید حاکم نہیں بنایا بلکہ حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ (جو اپنی فراست و دانش مندی اور نقاد ہونے میں معیاری خلیفہ راشد تھے) نے ان کے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ کو اس علاقہ کا والی مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تاریخ مدینہ دمشق میں اور مندرجہ ذیل علماء نے اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

① ((ثم جمع (عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ) الشام كلها لمعاوية بن ابی سفیان

رضی اللہ عنہ وافر عثمان رضی اللہ عنہ معاوية بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ علی الشام))^۱

”مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سابق خلیفہ راشد کی متابعت میں ان کو ولایت شام پر برقرار

رکھا سابق خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا تمام علاقہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر نگرانی کر دیا تھا۔“

② اور خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے یوں ذکر کیا ہے کہ جناب نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے انھوں نے مجھے دینی امور میں امیر مقرر فرمایا۔ پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو انھوں نے بھی مجھے والی اور حاکم بنایا پھر ان کے بعد

حضرت عمر بن خطاب امیر المؤمنین منتخب ہوئے تو انھوں نے بھی مجھے والی اور حاکم بنائے رکھا اور پھر

ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ المسلمین منتخب ہوئے تو انھوں نے بھی مجھے والی اور حاکم برقرار

رکھا۔ اور میں نے ان سب حضرات کی خدمت بجالانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور جس نے بھی مجھے

والی اور حاکم مقرر کیا وہ مجھ سے راضی رہا۔

چنانچہ اس چیز کو طبری نے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان معصوما فولاني وادخلني في امره ثم استخلف

ابوبكر رضی اللہ عنہ فولاني ثم استخلف عمر رضی اللہ عنہ فولاني ثم استخلف عثمان رضی اللہ عنہ

فولاني فلم ال لاحد منهم ولم يولني الا هو راض عني الخ))^۲

③ نیز یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ رعایا اور عوام الناس کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف

کوئی اہم شکایت پیش نہیں آئی جس کی وجہ سے خلفائے راشدین کو ان کے معزول اور برطرف یا کم از

۱ تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوط عکسی) ص ۶۹۹ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان۔

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۲۹ ج ۱ تحت الشامات

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۸۸ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۱۲ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (مع الاستیعاب)

تہذیب اللغات واللغات (نووی) ص ۱۰۳ ج ۲ تحت معاویہ رضی اللہ عنہ

۲ تاریخ طبری ص ۸۷ ج ۵ تحت ذکر تسمیہ من سیر من اهل کوفہ الیہا، سنہ ۳۳ھ طبع قدیم مصر۔

کم تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔

④ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی طبعی صلاحیتوں کی بنا پر اپنی ذمہ داریوں کو بطریق احسن سرانجام دیتے تھے اور اپنے فرائض منصبی عمدہ طریقہ سے ادا کرتے تھے اور حکمرانی کے بہترین سلیقہ کی بنا پر عوام الناس کے مسائل حل کرنے میں کوئی سقم باقی نہیں چھوڑتے تھے۔

⑤ ان حالات کے تحت اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے مزید مفتوحہ علاقے ان کی تحویل میں دے دیے اور ان کے اختیارات وسیع کر دیے تو یہ اپنی جگہ پر ایک درست کارروائی تھی اور اس سے فتنہ و فساد کھڑا ہونے کا کوئی اندیشہ اور امکان نہیں تھا۔ اور اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اس منصب سے الگ نہیں کیا اور علاقہ شام کی ولایت سے تبدیل نہیں کیا۔

فلہذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس طریقہ کار کو گروہی تعصب یا قبائلی عصبیت پر محمول کرنا نہایت ناانصافی ہے اور بے جا طعنہ زنی ہے۔

جن لوگوں نے اس مسئلہ میں حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں پر اعتراضات قائم کیے ہیں انھوں نے اپنے قلبی عناد اور تعصب کا ثبوت دیا ہے۔ یہ امر ہرگز قابل اعتراض نہیں بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ صلاحیتوں اور امور حکمرانی میں مہارت کی دلیل ہے۔

حقیقت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کی مدت کا طویل ہونا اور سولہ سترہ برس تک حاکم اور والی رہنا مرکز کے ساتھ ان کے نزاع کا باعث نہیں تھا بلکہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حالات میں جو ابتری واقع ہوئی اور لوگوں میں اس کی وجہ سے جو اختلافات رونما ہوئے وہ امور باعث نزاع تھے اور خصوصاً دم عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مسئلہ بنیادی اختلاف کی حیثیت رکھتا تھا۔

چنانچہ حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بھی یہی مذکور مسائل تھے جن کی بنا پر فریقین میں تنازعات قائم ہوئے۔ یہ فریق کسی منصب پر نہیں تھا اور نہ انھوں نے تحفظ منصب کے لیے یہ تنازعات کھڑے کیے تھے۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مرکز سے اختلاف تحفظ منصب کے لیے نہیں تھا بلکہ مخالفت کے وجوہ وہی ہیں جو اوپر ذکر کر دیے ہیں۔

یہاں دور دوم ختم کیا جاتا ہے اس کے بعد شہادت عثمانی سے دور سوم شروع ہو گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اختتامی کلمات برائے دور دوم

سید الکونین رضی اللہ عنہ کے مبارک عہد کے بعد خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دور خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دینی و ملی خدمات کو ”دور دوم“ کے عنوان کے تحت مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔

اس دور دوم میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد میں

بھی مراسلت نگاری اور وثیقہ نویسی کی خدمات سرانجام دیں اور صدیقی دور خلافت میں مسئلہ ختم نبوت کے سلسلہ میں جنگ یمامہ میں شرکت کی۔

اسلام کے غزوات میں پہلے نائب امیر کے طور پر اور پھر اپنے برادر گرامی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد اسلامی افواج کے امیر عساکر کی حیثیت سے ملتی خدمات کا فریضہ بطریق احسن تمام کیا اور ان کی مساعی سے علاقہ شام میں متعدد فتوحات ہوئیں۔ اردن، فتح قیساریہ، عسقلان، قبرص وغیرہ اور بلاد روم کے وسیع علاقہ جات مفتوح ہو کر اسلامی سلطنت کے زیر نگیں ہوئے۔ علاوہ ازیں متعدد دینی و ملی خدمات بھی سر انجام دیں جن کی تفصیلات گزشتہ اوراق میں آچکی ہیں۔

مندرجات بالا کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا اسلام کے حق میں نفع بخش ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

دور سوم

شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حفاظتی تدابیر
 امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں جو اختلافات کھڑے کیے گئے ان کا پس منظر اور
 ان کے اسباب و علل ہم قبل ازیں ”مُحَمَّدٌ بَيْنَهُمْ“ حصہ عثمانی کے اواخر باب پنجم میں اور ”مسئلہ اقربا نوازی“
 کی آخری بحث خاص میں وضاحت سے ذکر کر چکے ہیں کہ

ان مسائل کو کھڑا کرنے والے لوگ فسادِ فطرت تھے دین و اسلام کی ترقی اور دینی اقتدار انھیں ایک
 آنکھ نہ بھاتا تھا اور وہ اسلام کے استحکام اور اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرنے کے خواہش مند تھے۔ پھر ان مذموم
 مقاصد کے حصول کے لیے انھوں نے مرکز اسلام کو ختم کرنے کی سازشیں کیں۔ اور بظاہر ان اشارے نے یہ
 عنوان قائم کر رکھا تھا کہ خلیفہ اسلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کارندوں اور حکام نے اسلامی احکام کو ترک کر رکھا
 ہے اور اسلامی تعلیمات کے خلاف جبر و استبداد کا نظام اپنا رکھا ہے، سو اب جب خلیفہ وقت ان مسائل کے حل
 کرنے میں ناکام ہیں اور بے بس ہیں، فلہذا انھیں منصبِ خلافت سے الگ ہو جانا چاہیے۔

ان کے یہ نظریات ایک قسم کی سازش اور فریب دہی تھی اور مرکز اسلام کو نقصان پہنچا کر اہل اسلام میں
 تفرقہ قائم کرنا اور پھوٹ ڈالنا ان کا اصل مقصد نظر تھا۔ اور ان لوگوں کو علمائے محققین نے اشارے، ظالم، سرکش،
 عنادی و فسادی وغیرہ کے عنوانات سے ذکر کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ قتل عثمانی کا فتنہ کھڑا کرنے والے یہ
 افراد ان عنوانات کے واقعی حقدار اور مصداق تھے۔

ان حالات میں ان شورشوں کے باعث جہاں دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان تھے اسی طرح حضرت
 امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس سلسلے میں اپنی جگہ بڑے متفکر تھے کہ یہ لوگ اپنے مذموم مقاصد میں کہیں کامیاب نہ
 ہو جائیں اور خلافت اسلامی کو کوئی ضعف نہ پہنچے۔

اس صورت حال کے پیش نظر بعض دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے بطور فہمائش کلام کیا
 اور فرمایا جناب نبی کریم ﷺ کی بعثت اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور ان کو پیغمبر اسلام کا منصب عطا فرمایا۔ پھر اللہ
 کریم نے ان کے تعاون کے لیے ایسے صحابہ کو پسند فرمایا جن میں قبیلہ قریش کے بہترین لوگ تھے۔ ان کے

ذریعے سے اسلام کی حکومت قائم ہوئی اور ان میں اسلامی خلافت کو جاری کیا گیا۔ پس خلافت اس دور میں ان ہی کی شان کے مناسب ہے۔

چنانچہ ابن خلدون نے اس چیز کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((ثم ذكر (معاوية رضی اللہ عنہ) بعثة النبي ﷺ وان الله ارتضى له اصحابا كان خيارهم قريشا فبنى الملك عليهم وجعل الخلافة فيهم، ولا يصلح ذلك الا بهم))^۱

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ خلیفہ اسلام امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کئی قسم کے بے جا اعتراضات اٹھائے ہوئے تھے اور اس طریقہ سے خلفاء کی تنقیص شان کے درپے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کی کوشش کی اور ان کے لیے افہام و تفہیم کی سعی کی لیکن اس چیز کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ اپنی مفسدانہ کارروائیوں میں لگے رہے اور جارحانہ اقدامات میں بڑھتے گئے۔

اس کے بعد اس دور میں جب ایسے حالات پیدا ہو گئے اور محسوس کیا جانے لگا کہ شاید یہ مفسد لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی ہجومی کارروائی نہ کریں تو اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ اسلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ ملک شام میں تشریف لائیں کیونکہ وہاں کے لوگوں میں امراء کی اطاعت عام ہے۔

اس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ نبی اقدس ﷺ کے قرب و جوار کو چھوڑ کر کسی دوسرے مقام پر جانا پسند نہیں کرتا۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ دوسری صورت یہ ہے کہ ملک شام سے ایک دستہ فوج آپ کی خدمت میں بھیج دیتا ہوں جو آپ کی حفاظت و نگرانی بطریق احسن سر انجام دے گا۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس صورت میں یہ جیش مدینہ طیبہ کے باشندوں مہاجرین و انصار کے لیے تنگی کا باعث ہوگا اور اہل مدینہ پر ایک قسم کا بوجھ پڑے گا جو مجھے پسند نہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے امیر المومنین! خطرہ ہے کہ آپ پر اچانک حملہ نہ ہو جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ میرے لیے کافی ہے اور وہی کار ساز ہے جب ان حفاظتی تدابیر پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رضامند نہ ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے سفر شام کے لیے تلوار اور کمان سے مسلح ہو کر نکلے اور مہاجرین و انصار کی مجالس میں بھی گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر وغیر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملے اور ان حضرات کے ساتھ اس نازک موضوع پر گفتگو کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت اور انھیں ان

کے اعداء سے بچانے کی تاکیدات کیں اور پھر اس کے بعد سفر شام پر روانہ ہو گئے۔
مورخین نے یہ واقعہ بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

((ان معاویة لما ودعه عثمان حين عزم على الخروج الى الشام عرض عليه ان يرحل معه الى الشام فانهم قوم كثيرة طاعتهم للامراء فقال: لا اختار بجوار رسول الله ﷺ سواه۔ فقال اجهد لك جيشا من الشام يكونون عندك ينصرونك؟ فقال: انى اخشى ان اضيق بهم بلد رسول الله ﷺ على اصحابه من المهاجرين والانصار۔ قال معاوية رضي الله عنه فوالله يا امير المؤمنين لتغتالن۔ او قال: لتغزين، فقال عثمان رضي الله عنه: حسبي الله ونعم الوكيل۔ ثم خرج معاوية رضي الله عنه من عنده وهو متقلد السيف وقوسه في يده، فمر على ملاء من المهاجرين والانصار فيهم على بن ابي طالب وطلحة والزبير رضي الله عنهم فوقف عليهم واتكأ على قوسه وتكلم بكلام بليغ يشتمل على الوصاية بعثمان بن عفان رضي الله عنه والتحذير من اسلامه الى اعداءه، ثم انصرف ذاهبا))^۱

محاصرہ دار عثمان رضي الله عنه اور تحفظ کی مساعی

مورخین نے لکھا ہے کہ مختلف علاقہ جات سے سرکش اور فسادی عناصر جو آگے چل کر خوارج کے نام سے موسوم ہوئے، مدینہ طیبہ میں مجتمع ہو گئے اور انہوں نے خلیفہ اسلام سیدنا عثمان غنی رضي الله عنه کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ حالات اس قدر سنگین ہو گئے کہ امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضي الله عنه کو مسجد نبوی تک جانا دشوار ہو گیا۔ ان حالات میں حضرت عثمان رضي الله عنه نے والی شام حضرت امیر معاویہ رضي الله عنه اور والی بصرہ حضرت عبداللہ بن عامر اور والی کوفہ کو مدینہ طیبہ کے ان اہم حالات سے مطلع کیا اور مفسدین کی مدافعت اور مدینہ طیبہ سے ان کے اخراج کے لیے فوجی دستے طلب کیے۔

اس پر حضرت امیر معاویہ رضي الله عنه نے شام سے حبیب بن مسلمہ فہری رضي الله عنه کی قیادت میں ایک جیش روانہ کیا۔ یزید بن اسد قشیری نے بھی ایک دستہ ارسال کیا اور اسی طرح اہل کوفہ و بصرہ نے حفاظتی دستے مدینہ طیبہ کی طرف بھیجے۔ لیکن جب مدینہ طیبہ میں مفسدین کو امدادی لشکروں کی آمد کی خبر ہوئی تو انہوں نے محاصرہ تنگ کر دیا اور امدادی لشکروں کے مدینہ طیبہ پہنچنے سے قبل ہی خلیفہ اسلام کو شہید کر ڈالا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
امدادی جیوش جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے اور بقول بعض مورخین وادی القرئی میں آ گئے تو ان کو امیر

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۶۹ ج ۷ تحت سنہ ۳۴ھ

تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۴۰ ج ۲ تحت حصار عثمان رضي الله عنه ومقتله..... الخ طبع لبنان

المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو یہ امدادی اور حفاظتی دستے شام اور کوفہ بصرہ وغیرہ کو واپس چلے گئے۔

اس واقعہ کو حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے بحوالہ ابن جریر بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے۔ اور فتوح البلدان میں بھی یہ مضمون درج ہے:

((وقد ذکر ابن جریر ان عثمان رضی اللہ عنہ لما رای ما فعل هولاء الخوارج من اهل الامصار من محاصرته فی داره۔ و منعه الخروج الی المسجد۔ کتب الی معاویة رضی اللہ عنہ بالشام و الی عبدالله بن عامر بالبصرة و الی اهل الکوفة، یتنجدهم۔ فی بعث جيش یطردون هولاء من المدینة فبعث معاویة رضی اللہ عنہ حبيب بن مسلمة و انتدب یزید بن اسد القشیری فی جيش، و بعث اهل الکوفة جيشا و اهل البصره جيشا۔ فلما سمع اولئك بخروج الجيوش الیهم صمموا فی الحصار فما اقترب الجيوش الی المدینة حتی جاءهم قتل عثمان رضی اللہ عنہ كما سنذكره))^۱

شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، جنازہ اور دفن

ان اشرار اور مفسدین نے خلیفہ اسلام کے گھر کا ایک طویل مدت تک محاصرہ جاری رکھا۔ مدت محاصرہ کے متعلق متعدد اقوال تاریخ میں موجود ہیں۔ بعض اہل تاریخ کے نزدیک یہ محاصرہ قریباً بائیس (۲۲) روز رہا اور بعض نے مدت محاصرہ اس سے زیادہ تحریر کی ہے۔ بہر کیف ان لوگوں نے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ بعد العصر خلیفہ اسلام حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بے دردی سے اپنے مکان میں ہی شہید کر ڈالا۔ یہ مکان مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے قریب واقع تھا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس دن روزہ دار تھے جمعہ کے روز وہ شہید کیے گئے اور ہفتہ کی رات مغرب اور عشا کے درمیان جنازہ پڑھا گیا اور انھیں جنت البقیع کے قریب حش کو کب میں دفن کیا گیا۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ محدثین کے قول کے مطابق مشہور صحابی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور دفن کیا۔

((عن قتادة صلی الزبیر علی عثمان رضی اللہ عنہ ودفنه الخ))^۲

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۸۰ ج ۷ تحت ذکر حصر امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ سنہ ۳۵ھ

کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۱۲ تحت عنوان فتح ارمینہ

۲ مسند احمد ص ۷۴ ج ۱، تحت منادات عثمان رضی اللہ عنہ

تاریخ الخلفاء (سیوطی) ص ۱۱۵ تحت سنہ ۳۵ھ فصل فی خلافتہ طبع دہلی

((وكان يومئذ صائما و دفن ليلة السبت بين المغرب والعشاء))^۱

مسئلہ ہذا کی مزید تفصیلات کے لیے ہماری کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ باب پنجم صفحہ ۳۹۰-۳۹۱ ملاحظہ فرمائیں۔

قاتلین عثمانؓ کیسے افراد تھے؟ اور ان کا حکم

علمائے امت اور کبار مورخین نے اس مسئلہ کو واضح طور پر ذکر کیا ہے کہ قاتلین عثمانؓ میں امت کے بہترین لوگوں میں سے کوئی شخص شریک نہیں تھا، اور نہ مہاجرین و انصار میں سے کوئی ان مفسدین کے ساتھ تھا۔ اس فعل شنیع کا ارتکاب کرنے والے مفسدین اشرار، اوباش اور اجد قسم کے لوگ تھے۔

((ثنا عبد الاعلی بن الہیثم قال حدثنی ابی قال قلت للحسن رضی اللہ عنہ اکان فی من قتل عثمان رضی اللہ عنہ احد من المهاجرین والانصار؟ قال: لا! كانوا اعلاجا من اهل مصر))^۲

اور دیگر علماء نے قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حیثیت اور کیفیت مندرجہ ذیل عبارات میں ذکر کی ہے جس سے ان کا فسادی اور شریر ہونا واضح طور پر ثابت ہے:

① ((ان اخیار المسلمین لم یدخل واحد منهم دم عثمان رضی اللہ عنہ لا قتل ولا امر بقتله وانما قتله طائفة من المفسدین فی الارض من اوباش القبائل واهل الفتن))^۳

② ((فمن الذی اجتمع علی قتل عثمان رضی اللہ عنہ؟ هل هم الا طائفة من اولی الشر والظلم ولا دخل فی قتله احد من السابقین))^۴

③ ((ان قتلة عثمان رضی اللہ عنہ لم یكونوا بغاة بل ظلمة وعتاة لعدم الاعتداد بشبهتهم ولانهم اصرروا علی الباطل بعد كشف الشبهة وایضاح الحق لهم))^۵

۱ کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۰۱ تحت ولد ابی العاص بن امیہ

طبقات ابن سعد ص ۵۴ جلد ثالث قسم اول تحت من دفن عثمان ومتی دفن، طبع لیڈن

۲ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۵ ج ۱ تحت حالات شہادت عثمانی

۳ منہاج السنہ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۶ ج ۲

۴ منہجی (ذہبی) ص ۵۴۳

۵ السامرة فی شرح المسارہ ص ۱۵۹-۱۶۰ ج ۲ تحت الاصل الثامن۔ طبع مصر

ان حوالہ جات کا مفہوم یہ ہے کہ:

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے میں اس دور کے بہترین مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی شامل نہیں تھا اور نہ اچھے لوگوں نے کسی کو ان کے قتل کے لیے کہا تھا۔ خلیفہ اسلام کے قتل کرنے والے فسادی، شریر، فتنہ انگیز اور اوباش و اجد قسم کے لوگ تھے۔

علمائے عقائد ان لوگوں کے حق میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ باغی نہیں تھے بلکہ ظالم اور سرکش اور مذہب کے نافرمان تھے۔ باغی کے لیے تو پھر بھی کسی شبہ اور تاویل کی گنجائش ہوتی ہے یہ تو نرے مفسد تھے۔ ان کے پیدا کردہ شبہات کا کچھ اعتبار اور وزن نہیں۔ شبہات کے رفع دفع ہونے اور حق بات کھل جانے کے باوجود وہ باطل چیز پر اصرار کیے ہوئے تھے۔

کچھ مدت کے بعد یہی لوگ خوارج کی شکل میں رونما ہوئے اور خلفائے برحق سیدنا علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ادوار خلافت میں انہوں نے ان حضرات کے لیے مشکلات پیدا کر دیں۔
کیا قتل عثمانؓ پر صحابہ راضی تھے؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل عبارت درج کی ہے:

((واما ما يذكره بعض الناس من ان بعض الصحابة اسلمه ورضى بقتله فهذا لا يصح عن احد من الصحابة انه رضى بقتل عثمان رضي الله عنه بل كلهم كرهه ومقته وسب من قتله ولكن بعضهم كان يود لو خلع نفسه من الامر كعمار رضي الله عنه و محمد بن ابي بكر وغيرهم))^۱

”یعنی یہ بات جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر کچھ صحابہ راضی تھے یہ چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہیں بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کو مکروہ اور مبغوض جانا اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے براءت کا اظہار کیا اگرچہ بعض لوگ چاہتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امر خلافت سے دستبردار ہو جائیں جیسے عمار و محمد بن ابی بکر وغیرہ۔“

لیکن حقیقت یہ ہے کہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نظریہ یہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حق پر ہیں ان کا موقف اور کردار صحیح ہے اور خلیفہ صالح ہیں، خلافت سے دستبرداری کا تقاضا بالکل بے جا اور غلط ہے۔

مدافعت عثمانی میں اہل مدینہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار

اس مقام پر ایک شبہ کا رفع کرنا مناسب ہے کہ جب مفسدین اور اشرار نے دار عثمان کا محاصرہ کر لیا اور

حالات شدید تر ہو گئے تو اہل مدینہ طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدافعت کا فریضہ کیوں ادا نہیں کیا؟ اور خلیفہ

برحق کی حمایت کرنے سے کیوں کنارہ کش رہے؟ اس شبہ کے ازالہ کے لیے درج ذیل چیزیں ملحوظ رکھیں:

ایک بات یہ ہے کہ اسلام کا قاعدہ ہے کہ خلیفہ اسلام کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم ہے (بشرطیکہ وہ حکم اسلام کے شرعی قواعد کے خلاف نہ ہو)

اس قاعدہ کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مدافعت کی اجازت طلب کی جو انہوں نے نہ دی اب ظاہر ہے کہ خلیفہ کے اذن کے بغیر کوئی اقدام کرنا اس اسلامی ماحول میں ممکن العمل نہ تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بار بار اس امر کی اجازت چاہی لیکن جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ”میں اپنی ذات کی حفاظت کے لیے قتال کی اجازت نہیں دے سکتا۔“ اور آپ نے قتال کی اجازت طلب کرنے والوں کو قسمیں دلا کر واپس کر دیا۔

تکوار سے قتال کی اجازت طلب کرنے والوں میں زید بن ثابت انصاری، عبد اللہ بن عمر، ابو ہریرہ اور سلیط بن سلیط رضی اللہ عنہم وغیرہم کے اسماء مورخین اور محدثین نے ذکر کیے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات کی حفاظت کی خاطر مسلمانوں کے گروہوں میں جٹ و قتال کی اجازت نہیں دی اور امت مسلمہ کو اپنی ذات کے لیے خون ریزی سے بچالیا اور خود شہید ہو گئے۔ اہل اسلام کے حق میں خیر خواہی کا یہ جذبہ بے مثال ہے۔

اس مسئلہ کو قبل ازیں اپنی کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں صفحہ ۳۸۴-۳۸۸ پر باحوالہ ذکر کر دیا ہے لہذا یہاں حوالہ جات کی عبارت درج کرنے سے بخوف طوالت گریز کیا ہے۔ حاشیہ میں حوالہ جات مذکور ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

مزار عثمانؓ

گزشتہ سطور میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اجمالاً ذکر کر دی گئی ہے اور آپ کے جنازہ اور دفن کا ذکر بھی اختصاراً ہو چکا ہے۔ اب یہاں یہ چیز ذکر کرنا مناسب ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کرنے سے اس وقت اثرار و مفسدین (خوارج) مانع ہوئے تھے اس وجہ سے جنت البقیع سے ملحق مقام پر مرقد بنائی گئی تھی۔ بقول بعض اس جگہ کو حش کو کب کہا جاتا تھا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسے ذرا مزید محفوظ کیا گیا اور مزار اور بقیع کے درمیان دیوار قائم کی گئی اور اہل مدینہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے موتی کو اس قبر کے پاس دفن کریں۔

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۱ تحت س ۳۵ ھ الفتحہ فی زمن عثمان رضی اللہ عنہ

سنن سعید بن منصور ص ۶۲ ج ۳ قسم ۵۱ طبع مجلس علمی ڈابھیل
طبقات ابن سعد ص ۳۸-۳۹ ج ۳ تحت ذکر ما قبل لعثمان فی البقیع

حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے البدایہ میں ذکر کیا ہے کہ:

((وقد اعتنى معاوية رضي الله عنه في ايام امارته بقبر عثمان رضي الله عنه ورفع الجدار بينه

وبين البقيع وامر الناس ان يدفنوا موتاهم حوله))^۱

لیکن مرور زمانہ کے بعد یہ دیوار ختم ہو گئی اور قبرستان بقیع کا حلقہ وسیع ہوتا گیا حتیٰ کہ یہ مقام جنت البقیع

میں شامل ہو گیا۔

ایک معذرت

اس بات کو ذکر کر دینا فائدہ مند ہے کہ یہاں چند عنوانات (مثلاً شہادت عثمان، جنازہ، دفن، قاتلین

عثمان کا تعارف اور اہل مدینہ کا معاملہ وغیرہ) کو ایک ضرورت کے تحت اختصاراً مکرر درج کیا گیا ہے۔ اسی

طرح آئندہ صفحات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت سے لے کر آنجناب کی شہادت تک کے

بعض واقعات کو بھی بقدر ضرورت مکرر ذکر کیا گیا ہے (حالانکہ یہ مباحث سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں سابقاً

بیان ہو چکے ہیں)

ان امور کا یہاں (سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) میں دوبارہ بیان کرنا ایک مجبوری امر ہے کیونکہ ان

مواقع کے مباحث اور حالات باہم مشترک ہیں ان کے ترک کر دینے سے مضامین کتاب کا تسلسل قائم نہیں رہ

سکتا اور کتاب کے قاری کے لیے یہ واقعات ایک نظر میں سامنے نہیں آسکتے۔ امید ہے ناظرین کرام مضامین

کے اس تکرار میں ہمیں معذور سمجھیں گے اور اس وضاحت کے بعد اس قسم کے اعتراضات کرنے سے اجتناب

فرمائیں گے۔

نیز گزارش ہے کہ تکرار مضامین کا لفظ دیکھ کر یہاں کے مندرجات کو چھوڑ نہ دیں بلکہ ملاحظہ فرمائیں

کیونکہ کئی اہم چیزوں کا اضافہ بعد میں کیا گیا جو سیرت علوی مرتب ہونے کے وقت سامنے نہ تھیں۔ والعدر

عند کرام الناس مقبول

خلیفہ چہارم کی بیعت

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہونے کے بعد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں نے

بہت تیزی سے بیعت کرنے کا تقاضا کیا جو لوگ واقعہ شہادت کا باعث تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چونکہ ان

لوگوں سے دلبرداشتہ اور ناخوش تھے اس لیے انھوں نے برسر عام ان کی بیعت لینے سے انکار کیا۔ پھر صورت

حال اور پیچیدہ ہو گئی اور مسلمانوں میں عام خانہ جنگی کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ سو آخر کار آپ نے حالات کی

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۹۱ ج ۲ تحت فصل کانت مدہ حصارہ عثمان الخ

نزاکت کی وجہ سے بیعت کرنا قبول کر لیا۔ کیونکہ ان حالات میں امت کو بغیر امیر کے چھوڑ دینا کسی صورت میں درست نہیں تھا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس منصب کے لیے بیشک اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکابر حضرات حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی ان لوگوں نے مجبور کیا تھا اور وہ ہر وقت ان کے قتل کے درپے تھے۔ سو بقول مورخین انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان حالات میں بیعت کی کہ وہ کوئی فیصلہ از خود نہ کر سکتے تھے انہوں نے اس اضطراری کیفیت میں بیعت کی۔ حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

((ثم قال الزبير (بن عوام رَضِيَ اللهُ عَنْهُ) انما بايعت علياً واللعج علي عنقياً والسلام))^۱
جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ میں اس بحث کے تحت ذکر کیا ہے کہ ایک قول کے مطابق یہ بیعت بروز پنجشنبہ بتاریخ چوبیس (۲۴) ماہ ذی الحجہ ۳۵ ہجری میں ہوئی اور اس کے بعد دوسرے روز عام اہل مدینہ نے مسجد نبوی میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

((وخرج علي رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الى المسجد فصعد المنبر ويتوكأ على قوسه فبايعه
عامه الناس))^۲

ان فسادی عناصر نے بیعت ہذا پر اس بنا پر زیادہ زور دیا تھا کیونکہ وہ اس مسئلہ میں جناب امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے ایک گونہ اپنی سیاسی پناہ چاہتے تھے اور اس کے بغیر ان کے سامنے کوئی اور صورت پناہ کی نہیں تھی۔ اس چیز کو شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ نے قرۃ العینین میں اس طرح درج کیا ہے۔ حوالہ ہذا کی عبارت ”سیرت علوی“ میں دے دی گئی ہے۔

بیعت سے تاخیر

یہاں ایک چیز ذکر کر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ ان پیش آمدہ حالات کے تحت بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور قاتلین کے ذمہ تالیفات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت میں پیش پیش ہونے سے بہت پریشان خاطر تھے اور قصاص دم عثمان کے مسئلہ و تاخیر میں ڈالنے کی وجہ سے بہت مضطرب تھے۔ نزاکت حالات کے پیش نظر انہوں نے بیعت کے مسئلہ میں تاخیر اختیار کی اور اس موقع پر بیعت میں شامل نہیں ہوئے۔

ان میں مندرجہ ذیل حضرات کے نام ذکر کیے جاتے ہیں: مثلاً عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص، صہیب

روی، محمد بن مسلمہ انصاری، زید بن ثابت اور اسامہ بن زید وغیر ہم رضی اللہ عنہم۔^۳

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۶ ج ۷ ذکر بیعت علی رضی اللہ عنہ بالخلافہ

۲۔ البدایہ ص ۲۲۵ ج ۷ تحت ذکر بیعت علی رضی اللہ عنہ بالخلافہ

۳۔ قرۃ العینین از شاہ ولی اللہ ص ۱۳۳ طبع چھپائی دہلی تحت مسئلہ ہذا

۴۔ البدایہ ص ۲۲۶ ج ۷ تحت بیعت علی رضی اللہ عنہ بالخلافہ

اصل میں ان حضرات کے سامنے بھی یہی رائے تھی کہ قصاص دم عثمان کی کوئی بہتر صورت پیدا کر کے پہلے اس مسئلہ کو حل کیا جائے اس کو تاخیر میں ڈالنا موجب فساد ہے اور کئی خرابیوں کا باعث ہے۔
مکہ کی طرف روانگی

”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ میں قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جب اہل مدینہ نے بیعت کر لی تو اس کے بعد جلد ہی حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور بعض امہات المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وغیرہا پہلے ہی حج کے موقع پر وہاں تشریف لے گئی ہوئی تھیں۔ پھر ان حضرات کے وہاں ”شہادت عثمانی“ کے قصاص کے مسئلہ میں مذاکرات ہوئے اور دیگر اکابرین کے ساتھ بھی اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ آخر کار ان حضرات نے بصرہ کی طرف سفر اختیار کیا اور وہاں جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا جس کی تفصیلات اپنی جگہ پر مذکور ہیں۔

اہل شام کی طرف شہادت عثمانی کی اطلاع

شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس حسرت ناک واقعہ کے اثرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم پر غالب تھے۔ اس سلسلے میں بقول بعض مؤلفین نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی حضرات ملک شام کی طرف چلے گئے۔ وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین کی خدمت میں واقعہ شہادت عثمانی کے اندوہ گیس حالات اور دردناک منظر بیان کیے اور ساتھ ساتھ قاتلین کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینا اور ان کے ساتھ مجتمع رہنا بھی بیان کیا، اور ان لوگوں کی شرانگیزیوں اور سرگرمیوں کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا۔

تو واقعات ہذا معلوم ہونے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم نے بھی قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کا اظہار کیا۔ ان حضرات کی بھی یہی رائے ہوئی کہ ان قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے قصاص لیا جائے پھر اس کے بعد ہم خلیفہ رابع کی بیعت تسلیم کریں گے۔ اس صورت کے بغیر ہمارا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت تسلیم کر لینا مشکل ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اکیلے نہیں تھے بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ متعدد اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جو شام میں مقیم تھے) مثلاً عبادہ بن صامت، ابودرداء، ابوامامہ اور عمرو بن عبسہ وغیرہ رضی اللہ عنہم و دیگر اکابر تابعین رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔

الہدایہ میں ہے کہ:

((قام فی الناس معاویة رضی اللہ عنہ و جماعة من الصحابة رضی اللہ عنہم معه یحرضون الناس علی المطالبة بدم عثمان رضی اللہ عنہ ممن قتله من اولئک الخوارج فہم عبادة بن الصامت و ابودرداء و ابو امامة و عمرو بن عبسة و غیرہم))^۱

۱ الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۲۷ ج ۷ تحت واقعات بعد از بیعت علی رضی اللہ عنہ (طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اس مطالبہ قصاص دم عثمان میں ابتدا سے ہی اکیلے نہ تھے ان کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی اور ان حضرات کی نظر انتقام جن لوگوں کی طرف تھی وہ خوارج تھے۔ یہ خوارج کی بالکل ابتدائی صورت ہے۔ انھی لوگوں نے آگے چل کر باقاعدہ خوارج کا نام پایا۔

ایک وضاحت یعنی عمال عثمانی کی معزولی

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عنان خلافت سنبھالنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ ولات اور حکام میں تبدیلیاں کرنے کا قصد فرمایا تو اس معاملہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے اس کے خلاف تھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ عثمانی حکام اور ولات کو فی الحال اپنے اپنے مناصب پر متعین رہنے دیا جائے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ملک شام میں اپنے حال پر چھوڑا جائے اور ان کو اپنے مقام سے نہ ہلایا جائے۔ بعد میں حالات کے موافق جو تبدیلی چاہے عمل میں لائی جائے۔

چنانچہ الہدایہ لابن کثیر میں ہے کہ

((ثم ان ابن عباس رضی اللہ عنہما اشار علی رضی اللہ عنہ باستمرار نوابہ فی البلاد، الی

ان يتمكن الامر، وان يقر معاوية خصوصا على الشام))^۱

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کو قبول نہیں کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعین کردہ عمال کو اپنے مناصب سے معزول کر دیا اور اپنے آدمی ان کے قائم مقام مقرر کر دیے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر ان خارجیوں کے پروپیگنڈے پر تھی جس سے ان لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا کہ یہ ولات و حکام اپنی ذمہ داریاں صحیح ادا نہیں کر رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ ان لوگوں کو نئے نظم و عمل میں لانے کے لیے ان کے ابتدائی خیالات کا یکسر خاتمہ کر دیا جائے۔ یہ نہیں کہ آپ واقعی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ان تعینات سے ناخوش تھے۔

سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی شام روانگی

اس سلسلے میں آپ نے ملک شام پر سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جگہ والی شام بنا کر روانہ فرمایا۔ جب وہ یہ حکم نامہ لے کر تہوک کے مقام پر پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھڑ سوار دستوں سے معارضہ ہوا انھوں نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے شام کے لیے امیر متعین کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر تو آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی شام مقرر کیے گئے ہیں تو تشریف لائیں اور اگر آپ کو کسی دوسرے نے امیر شام متعین کیا ہے تو واپس چلے جائیں۔ اس پر سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ

نے کہا کہ تم لوگوں نے جو کچھ واقعہ ہو چکا ہے سن نہیں لیا؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں معلوم ہے اور ہم واقعات سن چکے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو آگے جانے نہیں دیا گیا اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔

((وعلی الشام سہل بن حنیف بدل معاویة رضی اللہ عنہ فسار حتی بلغ تبوک فتلقته خیل معاویة رضی اللہ عنہ فقالوا من انت؟ فقال: امیر، قالوا: علی ای شیء؟ قال: علی الشام، فقالوا: ان کان عثمان بعثک فحی هلابک، وان کان غیره فارجع فقال: او ما سمعتم الذی کان؟ قالوا: بلی فرجع الی علی رضی اللہ عنہ))^۱

حالات کی پراگندگی

یہ صورت حال صرف شام کے علاقوں میں ہی نہیں بلکہ کوفہ اور بصرہ وغیرہ کے علاقہ جات میں بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے روانہ کردہ والیوں کے ساتھ اسی قسم کے معارضے پیش آئے اور مخالفتیں بھی سامنے آئیں اور دم عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ بھی بر جگہ سنا گیا بلکہ یہ بات روز بروز شدت اختیار کرتی گئی اور حالات دگرگوں ہوتے گئے۔ علمائے کرام نے ان پیدا شدہ حالات اور کوائف کو مختصر کلمات میں اس طرح درج کیا ہے کہ:

((وانتشرت الفتنة وتفاقم الامر واختلفت الكلمة))^۲

”یعنی اس فتنہ کی بنا پر لوگوں میں انتشار پھیل گیا اور معاملہ حدود سے متجاوز ہو گیا اور بجائے اس کے کہ کلمہ اسلام میں وحدت ہو حالات میں افتراق واقع ہوا اور اب امت باقاعدہ دو گروہوں میں بٹ گئی۔“

صفین کی طرف اقدام

واقعہ جمل کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے علاقہ شام کی طرف تشریف لے جانے کا قصد کیا اور کوفہ سے نخیلہ کے مقام پر پہنچے۔ وہاں اپنے جیوش اور عساکر کے متعلقہ انتظامات درست کیے اور کوفہ پر ابو مسعود عقبہ بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام متعین فرمایا۔ اس مقام پر حالات کے اعتبار سے ضروری تیاری کے بعد آں جناب ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور دریائے فرات کے قریب ذی الحجہ ۳۶ھ میں قیام فرمایا۔ بصرہ کے علاقہ میں جنگ جمل جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں لڑی جا چکی تھی اور وہ بھی اسی قصاص و خبر عثمانؓ کے مسئلے کی بنا پر فریقین میں پیش آئی تھی۔ یہ ابتدا ایک ”مجلس مصالحت“ تھی جسے مفسدین نے انجام کار جنگ

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۸-۲۲۹ ج ۷ تحت ابتدا سنہ ۳۶ھ

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۹ ج ۷ تحت ۳۶ھ

بنا دیا۔ اس جنگ میں حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فریق مغلوب ہوا جبکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کامیاب ہوئے اختتام جنگ پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام المومنین کے بارے میں اعلان فرمایا کہ ان کی حرمت و عزت آج کے اس واقعہ کے بعد بھی وہی ہے جو اس سے پہلے تھی۔ واقعہ ہذا قبل ازیں ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ میں اپنے متعلقات کے ساتھ ہم بیان کر چکے ہیں اس بنا پر ہم یہاں واقعہ جمل کی تفصیلات ذکر نہیں کر رہے اس کتاب کا موضوع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے اس لیے ماقبل کے مضامین کے اعتبار سے ہم یہاں واقعہ صفین کے کچھ متعلقات بقدر ضرورت ذکر کریں گے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ جنگ جمل کے حالات و واقعات جب ملک شام پہنچے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اس جنگ میں شہید ہو چکے ہیں اہل بصرہ شکست سے دو چار ہوئے ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت غالب آ چکی ہے تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہل شام نے قصاص دم عثمان کی طلب کے لیے آمادہ کیا اور اہل شام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس سلسلے میں اپنا امیر بنا کر بیعت کی یہ بیعت دم عثمان کے قصاص کی طلب کے لیے تھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے منعقد نہ ہوئی تھی۔

چنانچہ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((عن ابن شہاب الزہری قال لما بلغ معاویة رضی اللہ عنہ واهل الشام قتل طلحة والزبیر رضی اللہ عنہما وهزيمة اهل البصرة وظهور علی رضی اللہ عنہ علیہم دعا اهل الشام معاویة رضی اللہ عنہ للقتال معه علی الشوری والطلب بدم عثمان رضی اللہ عنہ فبايع معاویة اهل الشام علی ذالك امیر غیر خلیفة))^۱

صفین کا محل وقوع اور تاریخ اجتماع

بلاد شام کے مشرقی جانب میں ”صفین“ نام کا ایک مقام ہے جہاں فریقین کی جماعتوں کا اجتماع ہوا۔ یہ محرم ۳۷ھ کا واقعہ ہے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے جنود و عساکر کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ بھی اپنے لشکر کے ہمراہ شام کی مشرقی سرحد کے قریب آ پہنچے۔ اس مقام پر دونوں فریق اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ مجتمع ہوئے۔

صفین میں ہر ایک فریق کا اپنا موقف

اس مقام پر اس چیز کو واضح کر دینا مناسب ہے کہ فریقین کے درمیان ”ماہ النزاع“ اور ”ماہ الاختلاف“ کون سا مسئلہ تھا جس کی بنا پر فریقین میں یہ قتال پیش آیا تو اس سلسلے میں ہر ایک فریق کا موقف

پیش کیا جاتا ہے:

① امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ مہاجرین اور انصار نے میری بیعت قبول کر لی ہے فلہذا اہل شام پر لازم ہے کہ وہ بھی میری بیعت کر لیں اور اطاعت قبول کریں اگر یہ صورت اختیار نہیں کریں گے تو پھر قتال ہوگا۔

② نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ موقف بھی تھا کہ فریق مقابل کے مطالبہ قصاص دم عثمان کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ پہلے وہ لوگ میری بیعت کریں پھر مطالبہ قصاص دم عثمان پیش کریں اس کے بعد اس کا شرعی فیصلہ کیا جائے گا۔^۱

اور ابن العربی رضی اللہ عنہ نے شرح ترمذی میں اور علامہ قرطبی رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر میں یہی مسئلہ بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

((وكان علي رضي الله عنه يقول ادخل في البيعة واحضر مجلس الحكم واطلب الحق تبلغه))

((فقال لهم علي رضي الله عنه ادخلوا في البيعة واطلب الحق تصلوا اليه))^۲

③ علمائے کرام نے یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے پیش نظر یہ بات تھی کہ فریق مقابل ہمارے نزدیک اہل نبی میں سے ہے فلہذا جب تک یہ لوگ حق کی طرف رجوع نہ کریں ان کے ساتھ قتال لازم ہے۔

ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ:

((اذ حجة علي رضي الله عنه ومن معه ما شرع لهم من قتال اهل البغي حتى يرجعوا الى الحق))^۳

فریق مقابل کا موقف

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت (جن میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے جو ملک شام میں مقیم تھے) کی رائے یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً شہید کیے گئے ہیں اور ان کے قاتلین علوی جیش میں موجود

۱ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۷ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ طبع اول مصر

۲ شرح ترمذی (ابن العربی مالکی) ص ۲۲۹ ج ۱۳ تحت شرح مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ

تفسیر قرطبی ص ۳۱۸ ج ۱۶ سورۃ الحجرات تحت مسئلہ رابعہ

الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۰۱ ج ۲ تحت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (مع الاستیعاب)

۳ فتح الباری (ابن حجر) ص ۲۳۶ ج ۱۳ تحت باب ما یذکر من ذم الراوی وتکلف التیاس

کتاب التہدید (ابو شکور سالمی) ص ۱۶۶، ۱۶۷ تحت القول السابع فی خروج معاویہ رضی اللہ عنہ طبع حزب الاحناف لاہور۔

ہیں ان سے قصاص لیا جائے، اور ہمارا مطالبہ صرف قصاص دم عثمانؓ کے متعلق ہے خلافت کے بارے میں ہمارا نزاع نہیں ہے۔

② نیز جب تک کہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ کے لشکر میں ہیں اور ان کو شرعی سزا نہیں دی جاتی اس وقت تک ہم بیعت نہیں کر سکتے۔ یا پھر دیگر صورت یہ ہے کہ قاتلین کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تاکہ ان سے قصاص لیا جاسکے۔

③ حاصل مقصد یہ ہے کہ امر خلافت آپ کے لیے ہم تسلیم نہیں کریں گے جب تک کہ اہل فساد اور اہل شر کو ختم نہ کیا جائے، جنہوں نے خلیفہ برحق کا محاصرہ کر کے انہیں ناحق شہید کیا ہے۔ یہ چیز دین کے معاملہ میں بڑی رخصت انداز ہوئی ہے اور اہل اسلام میں خلل عظیم کا موجب ہے۔

مندرجات بالا کی تائید میں درج ذیل حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

① ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ذکر کیا ہے کہ:

((قال معاویة رضی اللہ عنہ ما قاتلت علیا الا فی امر عثمان))^۱

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ میرا قتال صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ہے۔“

② شیعہ کے ایک مشہور مورخ نصر بن مزاحم منقری نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہی قول نقل کیا ہے کہ

((واما الخلافة فلسنا نطلبها))^۲

”یعنی ہم اس مقام پر خلافت کے طلبگار نہیں۔“

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے علمائے کرام نے یہ وجہ تحریر کی ہے کہ:

((حجة معاویة ومن معه ما وقع معه من قتل عثمان مظلوما و وجود قتلته

باعیانہم فی العسکر العراقی))^۳

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا لوگوں کی دلیل یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کر دیے گئے ہیں اور ان کے قاتلین بذات خود عراقی جیش میں موجود ہیں۔

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۲ ج ۱۱ کتاب الامراء (کراچی)

۲۔ واقعہ صفین (نصر بن مزاحم منقری شیعہ) ص ۷۰ تحت کتاب معاویہ و عمرو رضی اللہ عنہما ابی اہل المدینہ

۳۔ فتح الباری (ابن حجر) ص ۲۳۶ ج ۱۳ کتاب الاعتصام باب ما یذکر من ذم الراعی الخ

تفسیر قرطبی ص ۳۱۸ ج ۱۲ تحت سورة الحجرات مسئلہ رابعہ

④ شیخ شعرانی اور صاحب مسامرہ وغیرہ رضی اللہ عنہما نے اصل نزاع کی وضاحت کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے کہ:
 ((ولیس المراد بما شجر بین علی و معاویة رضی اللہ عنہما المنازعة فی الامارة کما توهمه بعضهم وإنما المنازعة كانت بسبب تسلیم قتلة عثمان رضی اللہ عنہ الی عشیرته لیقتصوا منهم))^۱
 ”یعنی ان دونوں حضرات کے مابین خلافت میں نزاع نہیں تھا (جیسا کہ بعض کو وہم ہوا) بلکہ قاتلوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارثوں کے سپرد کر دینے میں تنازع تھا تا کہ وہ ان سے قصاص لے سکیں۔“

مندرجات بالا کی روشنی میں فریقین کے الگ الگ نظریات اور موقف سامنے آ گئے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پیش کردہ وجوہ کے جواب میں جناب علی الرضی رضی اللہ عنہ کی دلیل معذرت یہ ذکر کی گئی ہے کہ موجودہ حالات میں قاتلین کو شرعی سزا دینا یا فریق مقابل کے سپرد کرنا عظیم شر و فساد کا موجب ہوگا اور اس کی وجہ سے قبائل میں ایک اور انتشار اور اضطراب واقع ہوگا اور معاملہ نظم و ضبط سے خارج ہو جائے گا لہذا اس معاملہ میں تعجیل کے بجائے تاخیر لازم ہے۔ اس چیز کو اکابر علماء نے بہ عبارت ذیل درج کیا ہے:

((لان علیا کان رای ان تاخیر تسلیمهم اصوب اذا المبادرة بالقبض علیهم مع کثرة عشائرهم واختلاطهم بالعسکر یؤدی الی اضطراب امر الامامة العامة))^۲

اس طرح ہر ایک فریق کے مواقف سامنے آ گئے لیکن یہ دونوں فریق اپنے اپنے نظریات پر شدت سے قائم رہے اور نتیجہ خیز امر سامنے نہ آ سکا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں ایک چیز قابل وضاحت ہے اس کا ذکر کر دینا مفید سمجھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ شرعی قواعد کی رو سے مقتول کے قریبی ورثاء کو قصاص طلب کرنے کا حق ہوتا ہے اور یہی لوگ مطالبہ قصاص کے صحیح حقدار ہوتے ہیں۔ اس ضابطہ کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو

۱ کتاب البواقیت والجواہر (شعرانی) ص ۷۷ ج ۲ تحت بحث الرابع والاربعون فی بیان وجوب الکف، الخ

المسامرہ (کمال بن ابی شریف) ص ۱۵۸-۱۵۹ ج ۲ تحت ۱۱ اصل الثامن فی فضل الصحابہ

الصواعق المحرقة ص ۲۱۶ مع تطہیر الجنان تحت بحث ہذا

۲ البواقیت والجواہر (شعرانی) ص ۷۷ ج ۲ تحت بحث ۳۳ بیان وجوب الکف

الصواعق المحرقة ص ۲۱۶ مع تطہیر الجنان تحت بحث ہذا

قصاص دم عثمانؓ کا مطالبہ پیش رکھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ فلہذا ان کا یہ اقدام ضابطہ کے اعتبار سے صحیح نہیں۔ اس اشتہاء کے رفع کرنے کے لیے درج ذیل چیز پیش خدمت ہے:

مطالبہ قصاص دم عثمانؓ اٹھانے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند شامل تھے اور خاص طور پر حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی کبار علماء نے ذکر کیا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے چنانچہ شیعہ کے اکابر علماء اور مصنفین نے اس مسئلہ کو تصریحاً ذکر کر کے اشکال رفع کیے ہیں ذیل میں حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

سلیم بن قیس ہلالی شیبی کہتے ہیں کہ:

((ان معاویة یطلب بدم عثمان و معہ ابان بن عثمان و ولد عثمان))^۱

”یعنی دم عثمانؓ کے قصاص کے مطالبہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابان بن عثمان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دیگر فرزند شامل تھے۔ مطالبہ ہذا کے معاملہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منفرد اور اکیلے نہیں تھے۔“

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے ساتھ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے وضاحت کی تھی کہ

((انا ابن عمہ و انا اطلب بدمہ و امرہ الی الخ))^۲

”یعنی میں مقتول مظلوم خلیفہ کے چچا کا بیٹا ہوں اور یہ معاملہ (والیوں کی طرف سے) میرے سپرد

کیا گیا ہے اس بنا پر میں مقتول کے خون کے قصاص کا مطالبہ کر رہا ہوں۔“

ان تصریحات کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ از روئے ضابطہ درست ہے اور اقدام صحیح

ہے۔

پس اس اشتہاء کو شیعہ کے کبار علماء اور اہل سنت کے مصنفین نے رفع کر دیا ہے اب اہل پر مزید کسی جواب کی حاجت نہیں۔

ناظرین کرام کی معلومات میں اضافہ کے لیے اتنی بات مزید درج ہے کہ سلیم بن قیس ہلالی کو شیعہ کے علماء اصحاب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ میں شمار کرتے ہیں تو اس استشہاد سے زیادہ پختہ اور کیا بات ہو سکتی ہے؟

بعض لوگوں کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطالبہ قصاص کو غیر آئینی اقدام قرار دینا ان کی معلومات کی کمی کی بنا پر ہے اور ان کے وسعت مطالعہ کا یہ پہلو خاصاً کمزور ہے۔ ورنہ یہ معاملہ کوئی قابل اعتراض نہیں ہے اور ہرگز اصول شرعی کے خلاف نہیں بلکہ مطابق ہے۔

۱ کتاب سلیم بن قیس الکوئی الہدای الشیخ العاصمی ص ۱۵۳ مطبوعہ نجف اشرف تحت بٹ معاویہ قراء الشام وقضاہم۔

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ۔

فریقین میں صلح کی مساعی

ہر دو فریق کے درمیان اس دور کے بعض اکابر حضرات نے رفع نزاع کی کوششیں کیں۔ ان میں سے بعض کاوشوں کا ہم یہاں مختصراً ذکر کرتے ہیں:

① ایک تو یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو ایک مراسلہ دے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب روانہ فرمایا۔

خط کا مضمون یہ تھا کہ مہاجرین و انصار (رضی اللہ عنہم) نے ہماری بیعت کر لی ہے۔ آپ کو اور آپ کے علاقہ کے لوگوں کو اس بیعت میں داخل ہونا چاہیے۔ واقعہ جمل اسی نزاع کی وجہ سے پیش آچکا ہے۔

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ملک شام جا کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ خط پیش کیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر اہل شام کو اس خط سے مطلع کرنے کے بعد مشورہ طلب کیا تو ان حضرات نے بیعت سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک کہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کیا جائے یا قاتلین کو ہمارے حوالے نہ کیا جائے ہم ہرگز بیعت نہیں کریں گے۔

((وبعثنه وكتب معه كتابا الى معاوية رضي الله عنه يعلمه باجتماع المهاجرين والانصار على بيعته ويخبره بما كان في وقعة الجمل ويدعوه الى الدخول فيما دخل فيه الناس..... فلما انتهى اليه جرير بن عبدالله اعطاه الكتاب فطلب معاوية عمرو بن العاص ورواس اهل الشام فاستشارهم فابوا ان يبايعوا حتى يقتل قتلة عثمان رضي الله عنه او ان يسلم اليهم قتلة عثمان رضي الله عنه..... الخ))^۱

اور جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس جواب سے آگاہ کر دیا۔

عزلت نشینی

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ جب اس مسئلے میں ناکام ہو گئے تو انھوں نے فریقین سے الگ ہو کر قریسیا کے مقام پر عزلت نشینی اختیار کر لی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطلع کر دیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کی شرائط کو قبول نہیں کیا۔^۲

((ثم سكن جرير رضي الله عنه الكوفة وارسله على رضي الله عنه رسولا الى معاوية رضي الله عنه ثم

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵۳ ج ۷ تحت وقعة الجملین

تاریخ طبری، ص ۲۳۵ ج ۵ تحت توجیہ علی جریر بن عبد اللہ

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵۳ ج ۷ تحت وقعة الجملین

اخبار الطوال (دینوری شیعہ) ص ۱۶۱ تحت بحث ہذا

اعتزل الفريقین وسکن قرقیسیا حتی مات سنة احدى وقيل اربع
وخمسين))^۱

”یعنی اس مراسلت اور پیغام رسائی کے بعد حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بجلی رضی اللہ عنہ فریقین سے غیر
جانبدارانہ طور پر الگ ہو کر قرقیسیا کے مقام پر سکونت پذیر ہو گئے حتیٰ کہ (علی اختلاف الاقوال)
۵۱ یا ۵۲ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔“

یہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آدمی تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس رد عمل سے ان کا ان سے علیحدہ
ہو جانا بتلاتا ہے کہ اب وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختیار کردہ موقف میں کچھ وزن محسوس کرنے لگے تھے۔
② اسی طرح ایک مشہور تابعی عبیدہ سلمانی رضی اللہ عنہ نے اپنے دیگر احباب (علقمہ بن قیس، عامر بن عبد قیس،
عبداللہ بن عتبہ بن مسعود وغیرہم) کے ہمراہ کوشش کی کہ فریقین میں رفع نزاع کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔
چنانچہ یہ حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس مسئلے کے لیے پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کا
اس سلسلہ میں کیا مطالبہ ہے؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ
درپیش ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاں قاتلین پناہ لیے ہوئے ہیں اس بنا پر ہم ان سے یہ مطالبہ کیے
ہوئے ہیں۔

پھر یہ مطالبہ ان حضرات نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا کر عرض کیا تو حضرت علی المرتضیٰ
رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((والله ما قتلت ولا امرت ولا مالیت))^۲

”یعنی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے نہ میں نے اس بات کا
حکم دیا ہے اور نہ میں نے اس چیز پر قاتلین سے تعاون کیا ہے۔“

قاتلین اپنی تاویلات فاسدہ کی بنا پر اس فتنہ میں پڑ گئے اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو میری
خلافت سے قتل کر دیا۔ میرا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے جواب میں تقاضا کرتے تھے کہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے جنود و
جیوش میں موجود ہیں ان سے قصاص دلایا جائے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل سے براءت کے بعد ان کا اپنی بیعت اور
اطاعت کا مطالبہ مقدم تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے قصاص دم عثمان، تقاضا پیش پیش تھا۔ اس

۱ الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۳۴ ج ۱ تحت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵۸ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ بحث ہذا

جدوجہد کے باوجود کوئی مابہ الاتفاق چیز سامنے نہ آسکی جس پر نزاع ختم ہو سکتا۔
 ④ اس موقع پر کبار علماء نے ایک اور کوشش کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ:
 ایک بزرگ ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ ہیں جو اپنے زہد و تقویٰ اور عبادت میں مشہور تھے انھوں نے بھی اپنے احباب کے ہمراہ جذبہ اخلاص کے تحت اس مسئلہ میں رفع اختلاف کی کوشش کی۔
 چنانچہ ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ اپنے احباب کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ خلافت کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تنازع کرتے ہیں کیا آپ ان کے ہم پایہ ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں ان کا ہم مرتبہ نہیں ہوں وہ مجھ سے افضل ہیں اور امر خلافت میں بھی زیادہ حقدار ہیں لیکن کیا تم جانتے نہیں ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً قتل کیے گئے ہیں؟ اور میں ان کا قریبی رشتہ دار، چچا کا بیٹا ہوں اور میں ان کے خون کے قصاص کا طالب ہوں۔ تم جناب علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ قاتلین عثمان ہمارے سپرد کر دیں، ہم امر خلافت ان کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور مذکورہ گفتگو ان کی خدمت میں ذکر کی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان کو ان کے حوالے نہیں کیا۔
 اور اس مقام پر بعض روایات میں اس طرح بھی مذکور ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ وہ بیعت میں داخل ہو جائیں اور اطاعت قبول کر لیں اس کے بعد یہ مسئلہ میرے ہاں پیش کریں اور فیصلہ طلب کریں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس چیز پر آمادہ نہ ہوئے۔
 چنانچہ ابن عساکر، ابن کثیر، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ رضی اللہ عنہم نے اس گفتگو کو اپنے اپنے الفاظ میں ذکر کیا ہے:

((جاء ابو مسلم الخولانی واناس معه الى معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فقالوا له انت تنازع علياً رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ام انت مثله؟ فقال معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لا والله اني لاعلم ان عليا افضل مني وانه لا حق بالامر مني ولكن الستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوما وانا ابن عمه وانما اطلب بدم عثمان فاتوه فقولوا له فليدفع الي قتلة عثمان رَضِيَ اللهُ عَنْهُ واسلم له فاتوا علياً رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فكلموه بذلك فلم يدفعهم اليهم))^۱

۱ تاریخ بلد دمشق (ابن عساکر) (مخطوط) ص ۱۰۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ ص ۱۴۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۹۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۱۶۸ ج ۲ تحت وقعة الصغین سنہ ۳۷ھ طبع معر

عقیدہ سفارینی ص ۳۲۸-۳۲۹ ج ۲ تحت قتل عمار و القول فی المعاویہ

اور بعض روایات میں مندرجہ بالا مضمون کے ساتھ مزید یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔

((و یحاکمہم الی فامتنع معاویۃ رضی اللہ عنہ))^۱

رفع نزاع کے لیے ناظرین کرام کے سامنے متعدد مساعی ذکر کر دی گئی ہیں۔ ان حضرات کی جانب سے یہ مخلصانہ کد و کاوش تھی جو نتیجہ خیز نہ ہو سکی اور فریقین اپنے اپنے موقف سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے اس کے بعد حالات میں روز بروز اور شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔

فسادیوں کا کردار

اس موقع پر مخلصین حضرات کے علاوہ عوامی قسم کے بہت سے شریر عناصر بھی یہاں موجود تھے جن کی منازعت کے ہولناک عواقب اور خطرناک انجام پر نظر نہیں تھی یہ لوگ اپنی ”جہلی شریپندی“ اور ”فطرتی فساد انگیزی“ سے باز نہیں رہ سکتے تھے چنانچہ ان عناصر نے جانبین کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے بجائے ان میں اور بدظنی پھیلائی اور انہیں ایک دوسرے سے دور کیا اور معاملہ سلجھانے کے بجائے الجھا دیا اور صلح کے بجائے قتال قائم رکھنے پر اصرار کیا۔

ان مفسدین نے اہل اسلام میں ایک عظیم فساد برپا کر دیا جس کے مضر اثرات سے امت مسلمہ نہ بچ سکی اور اس کے مہلک نتائج سے قوم محفوظ نہ رہی اور ان واقعات کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے اختلافی مباحث کا ایک باب مفتوح ہو گیا جس کے انسداد کی کوئی صورت نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ باہمی مساعی اور مراسلت نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور شریروں کی شرانگیزیوں کی وجہ سے فریقین میں اختلاف اور شدید ہوتا گیا جو اس دور کے اندوہناک واقعات میں شمار کیا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((فترا سلوا فلم یتم لہم امر فوق القتال الی ان قتل من الفریقین))^۲

”یعنی جانبین میں مراسلت ہوئی لیکن کسی بات پر معاملہ تمام نہ ہو سکا تو قتال واقع ہوا اور فریقین سے لوگ مقتول ہوئے۔“

جنگی تفصیلات سے اجتناب

کتب تاریخ میں جنگ صفین کی بہت کچھ طویل طویل تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔ ان طویل واقعات کو ذکر کرنا موضوع کو بلا مقصد طویل کرنا ہے۔ پھر ان میں واقعات کی نوعیت، تعداد شرکاء اور ان کے جیوش کی تعداد، پھر ان کے امرا کا تقرر، پھر محاذ جنگ میں جنگی تفصیلات اور مقتولین جانبین کی تعداد وغیرہ یہ سب چیزیں مختلف

۱ فتح الباری شرح بخاری شریف (ابن حجر عسقلانی) ص ۷۲-۷۳ ج ۱۳ تحت کتاب الفتن بعد از باب خروج انار۔

۲ فتح الباری شرح بخاری ص ۷۳ ج ۱۳ تحت بحث ہذا (کتاب الفتن)

فیہ امور ہیں اور ان کا ذکر متنوع تعبیرات کے ساتھ پایا جاتا ہے اور ان متخالف امور میں کوئی توجیہ و تطبیق پیدا کر لینا اور واقعات کی نئے سرے سے جانچ پڑتال نہ صرف یہ کہ بے فائدہ ہے بلکہ ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر ہے اور حلقہ انضباط سے خارج ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان واقعات کی وادی تفصیلات میں قدم رکھنا پھر ان کی وسعتوں کو سلامتی سے طے کر لینا کوئی سہل امر نہیں ہے بلکہ صعب تر ہے اور ”محالات عادیہ“ کے درجہ میں ہے۔ فلہذا کبار علماء نے اس میں جو اجمال اختیار کیا ہے ہم نے اس پر اکتفا کرنا بہتر خیال کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اگرچہ طبری سے کم تفصیلات درج کی ہیں لیکن پھر بھی قتال کے کچھ واقعات لکھے ہیں اور اس کے باوجود وہ بعض مقامات پر تحریر کرتے ہیں کہ:

((فقتل فی هذا الموطن خلق كثير من الفریقین لا يعلمهم الا الله وقتل من العراقیین خلق كثير ایضاً))^۱

اور ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ:

((فقتل خلق كثير من الاعیان من الفریقین فانا لله وانا الیہ راجعون))^۲

ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ ان مواضع میں فریقین کی جانب سے بہت سے لوگ مقتول ہوئے جن کی صحیح تعداد اللہ جل شانہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ (انا لله وانا الیہ راجعون)

البتہ اتنی چیز ذکر کرنے میں حرج نہیں ہے کہ فریقین کی طرف سے جن اکابر کی اس قتال میں شہادت ہوئی ہے ان میں جناب عمار بن یاسر، خزیمہ بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے تھے اور اس معرکہ میں ان کی شہادت ہوئی۔ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی حدیث شریف میں موجود ہے۔ مزید اس کا تذکرہ ان شاء اللہ آئندہ اپنے مقام پر پیش کیا جائے گا۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت سے عبید اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ذوالکلاع اور حوشب وغیرہم اہل عراق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

جنگ صفین میں متعدد اکابر حضرات کی شہادت ہوئی جیسا کہ اجمالاً سطور بالا میں لکھا ہے لیکن ان کے اسماء کی تصریحات نہیں تحریر کی جا رہی ہیں۔ اور مندرجہ بالا بزرگوں (حضرت عمار رضی اللہ عنہ، ذوالکلاع و حوشب) کے نام ذکر کرنے میں ایک خاص وجہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ان مباحث کے آخر میں درج ہوگی کچھ انتظار فرمائیں۔

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۱ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ بحث صفین

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۶۵ ج ۷ تحت سنہ ۳۷ھ تحت واقعات صفین

تحکیم

صفین کے مقام پر فریقین کے درمیان شدید قتال واقع ہوا۔ بقول بعض مورخین چہار شنبہ، پنج شنبہ، جمعہ اور شب شنبہ ابتدائے ماہ صفر ۳۷ھ کے اوقات اس جنگ میں مشکل ترین لمحے تھے اور ان ایام میں سخت لڑائی ہوئی۔

اس موقع پر اہل شام کی طرف سے قتال ختم کرنے کے لیے یہ تدبیر کی گئی کہ ”اللہ کی کتاب کا فیصلہ فریقین کو تسلیم کر لینا چاہیے۔“ چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ پیش کش کی گئی اور آنجناب نے مصالحت کی اس دعوت کو قبول کر لیا۔ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق دونوں فریق عمل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لڑائی بند کر دی گئی اور یہ طے ہوا کہ ہر ایک فریق کی طرف سے ایک ایک حکم (ثالث) اس مسئلہ کے فیصلہ کے لیے مقرر کیا جائے۔

بنا بریں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حکم منتخب ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ثالث تسلیم کر لیے گئے۔ کتاب اللہ کی روشنی میں یہ حضرات جو فیصلہ کریں وہ منظور ہوگا۔ اور اس طرح طے ہوا کہ ہر دو فریق کے یہ دونوں ثالث حضرات دومۃ الجندل کے مقام پر مجتمع ہو کر فیصلے کا اعلان کریں۔

اور بعض علماء نے تحریر کیا ہے کہ ”اذرح“ نامی دومۃ الجندل کے قریب ایک مقام تھا اس میں فیصلہ تحکیم تجویز کیا گیا اور علی اختلاف الاقوال یہ واقعہ ۱۰ یا ۱۳ صفر ۳۷ھ کا ہے۔

خوارج کی ابتدا

اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے بعض لوگوں نے آنجناب کے حکم تسلیم لینے کو غلط قرار دیا اور اس فیصلہ کے خلاف رائے کا اظہار کیا اور سختی سے کہا کہ حکمین کو تسلیم کرنا شرعاً درست نہیں ہے اور **إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ** کا نعرہ لگا کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت سے الگ ہو گئے اور آپ کے

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۶۱ ج ۷ تحت حالات صفین سنہ ۳۷ھ

۲۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۳، ۱۷۴ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ

العمر (ذہبی) ص ۴۳ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ

طبقات ابن سعد ص ۴۱ ج ۳ تحت ذکر تحکیم الحکمین

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۲ ج ۷ تحت بحث واقعہ صفین ۳۷ھ

طبقات ابن سعد ص ۴۲ ج ۲ ق ۲ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

۳۔ معجم البلدان (یا قوت جموی) ص ۲۸۸ ج ۸ تحت دومۃ الجندل

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۳، ۱۷۴ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ

ساتھ تعاون سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ایک الگ مقام پر جا ٹھہرے جسے 'حروراء' کہتے تھے اور بقول بعض مورخین یہ جماعت بارہ ہزار کے قریب تھی۔ ان کو خوارج کہا جاتا ہے۔

((وابوا ان یساکنوه فی بلده ونزلوا بمکان یتقال له "حروراء" وانکروا علیہ
اشیاء فی ما یزعمون انه ارتکبھا))^۱

"یعنی ان لوگوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک شہر میں سکونت اختیار کرنے کو بھی گوارا نہ کیا اور حروراء کے مقام پر اقامت اختیار کی اور اپنے زعم میں انہوں نے آنجناب پر کئی چیزوں کے ارتکاب کے اعتراضات قائم کر لیے۔"

ایک وضاحت

علمائے کرام تو اس چیز سے واقف ہیں لیکن عام ناظرین کے لیے ذکر کر دینا مفید ہے کہ یہ خارجی طبقہ اپنی کج فکری اور شدت ذہنی کی بنا پر جس طرح سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے، اسی طرح یہ لوگ حضرت عثمان، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بھی سخت خلاف تھے اسی وجہ سے ان لوگوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر یورش کی پھر اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہر سے حضرات پر ایک پروگرام کے تحت قاتلانہ حملے کیے۔ یہ واقعات اپنے مقام پر ذکر کیے جائیں گے ان شاء اللہ۔

چنانچہ واقعہ حکیم پیش آنے کے بعد ہر ایک فریق اپنے اپنے بلاد کی طرف واپس ہو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ آ گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت بلاد شام کی طرف واپس ہوئے۔ اس واقعہ حکیم کے اثرات یہ تھے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں اس مسئلہ پر افتراق و انتشار واقع ہو گیا تھا (جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے) اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت اور اہل شام میں سکون تھا اور اس سلسلہ میں کوئی اضطراب و اختلاف نہیں تھا۔

((ورجع علی رضی اللہ عنہ الکوفۃ باصحابہ مختلفین علیہ۔ ورجع معاویہ رضی اللہ عنہ الی الشام باصحابہ متفقین علیہ))^۲

اور اپنے اپنے بلاد کی طرف فریقین کی یہ واپسی صفر ۳۷ھ میں پیش آئی۔ بعدہ درمیان میں چند ماہ وقفہ رہا اور مراسلت جاری رہی اور فیصل حضرات کے متعین مقام دومۃ الجندل (اذرح) میں مجتمع ہونے کے لیے

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۸ ج ۷ تحت خروج الخوارج

۲ نصب الرایہ (زیلعی) ص ۷۰ ج ۲ کتاب المبعوث تحت الحدیث الخامس

طبقات ابن سعد ص ۲۱ ج ۳ بحث حکیم الحکمین طبع لیدن

کوششیں ہوتی رہیں۔

اجتماع فریقین اور فیصلہ میں ناکامی

آخر کار دونوں فریق رمضان المبارک ۳۷ھ میں دومۃ الجندل (اذرح) کے مقام پر مجتمع ہوئے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ ان کی جانب سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما شریک مجلس ہوئے اور دیگر ان کے ہم نوا حضرات ساتھ تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود شامل اجتماع ہوئے اور ان کے ہم خیال احباب بھی شریک ہوئے۔

فریقین کے منتخب فیصل حضرات حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مقام مذکور پر تشریف لائے۔ مزید جو اکابرین امت اس موقع پر شامل ہوئے تھے ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے بعض کے اسماء ذکر کیے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، مغیرہ بن شعبہ، عبدالرحمن بن حارث مخزومی، ابو جہم بن حدیفہ، عبدالرحمن بن ابی بکر وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

اس مقام پر مورخین کے بیانات بہت کچھ مختلف ہیں۔ بنا بریں حقیقت واقعہ کے مطابق مسئلہ کو صاف کر لینا سہل کام نہیں ہے تاہم اتنی چیز ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں کہ جب دونوں فیصل حضرات جمع ہوئے تو انھوں نے مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر اور خیر اندیشی کی خاطر غور و فکر فرمایا۔ دونوں بزرگوں کی رائے یہ ہوئی کہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو اپنے مناصب سے الگ کر دیا جائے اور یہ معاملہ پھر سے اکابرین امت کی صوابدید پر چھوڑا جائے۔ وہ جس شخصیت کو اس منصب کے لائق تر سمجھیں اس کو منتخب کر لیں۔ انتخاب میں مذکور حضرات میں سے کسی ایک پر اتفاق کریں یا ان کے ماسوا کسی دوسرے شخص کو تجویز کر لیں۔

((فلما اجتمع الحکمان تراوضا علی المصلحة للمسلمین ونظرا فی تقدیر

امور ثم اتفقا علی ان یعزلا علیا و معاویة رضی اللہ عنہما ثم یجعل الامر شوری بین

الناس یتفقوا علی الاصلح لهم منہما او من غیرہما))^۱

یہاں ان دونوں حکمین کی رائے کا ذکر بعض مورخین نے اس طرح کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو والی بنانے کی طرف اشارہ کیا جبکہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو والی بنانے کی رائے پیش کی کہ وہ بھی علم و عمل اور زہد میں ایک مقام کے حامل تھے۔ اس پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ آدمی تو صادق اور صحیح ہیں لیکن آپ

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۸۱-۲۸۲ ج ۷ تحت صفۃ اجتماع الحکمین ۳۷ھ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۸۲ ج ۷ تحت صفۃ اجتماع الحکمین۔

نے اپنے فرزند کو ان فتنوں میں ملوث کر دیا ہے۔

((وقد اشار ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بتولية عبدالله بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما فقال له عمرو

رضی اللہ عنہ: قول ابني عبدالله فانه يقاربه في العلم والعمل والزهد۔ فقال له ابو موسیٰ

رضی اللہ عنہ: انك قد غمست ابنك في الفتن معك وهو مع ذلك رجل صدق))^۱

اور بعض دیگر مورخین کے نزدیک حضرت عمرو بن ناص رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ تجویز بھی پیش کی گئی کہ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو منتخب کر لیا جائے مگر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس رائے سے متفق نہیں ہوئے۔ اس طرح مزید اس مسئلہ میں بحث و تمیث چلتی رہی لیکن ان امور میں اختلاف آراء کی بنا پر انتشار واقع ہو گیا اور کوئی متفق فیصلہ نہ ہو سکا اور حکیم نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی۔ اصلاح بین المسلمین کی یہ آخری کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ اس چیز کو خلیفہ ابن خیاط (جو طبری سے قدیم تر مورخ ہیں) نے مختصر الفاظ میں بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فلم يتفق الحكمان على شيء وافترق الناس))^۲

”یعنی دونوں فیصل حضرت کسی ایک چیز پر متفق نہ ہو سکے اس بنا پر لوگوں میں افتراق و انتشار واقع ہو گیا اور لوگ مختلف ہو گئے۔“

ان حالات میں فریقین اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ واپس چلے گئے اس کے بعد اہل شام نے حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر جا کر بیعت خلافت کی۔ اس سے قبل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے بیعت خلافت نہیں لی تھی اور نہ خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔

((وبایع اهل الشام لمعاوية رضی اللہ عنہ بالخلافة في ذي القعدة سنة سبع وثلاثين))^۳

”یعنی اہل شام نے حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ذی القعدہ ۳۷ھ میں بیعت خلافت کی۔“

اس سے قبل وہ اپنے سابقہ منصب امیر شام پر فائز تھے جو ان کو سابق خلفاء کی جانب سے حاصل تھا۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرۃ العینین (ص ۲۷۸ طبع دہلی) میں یہ چیز اس طرح ذکر کی ہے کہ:

”معاویہ قبل حکیم ادعاء خلافت نہ کردہ بود و بیعت خلافت نکرده۔“

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۸۲ ج ۷ تحت صفۃ اجتماع الحکمین۔

۲۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۴ ج ۱ تحت وقۃ الصغین ۳۷ھ (التونی ۲۳۰ھ)

۳۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط (التونی ۲۳۰ھ) ص ۱۷۴ ج ۱، تحت وقۃ الصغین ۳۷ھ

تاریخ ابن خلدون ص ۱۱۲۵ ج ۲ تحت ولایہ عمرو بن ناص رضی اللہ عنہ

ایک تشریح

تحکیم کے موقع پر مورخین اور ان کے بعض رواۃ نے جو تعبیریں اختیار کی ہیں وہ حقائق و واقعات کے خلاف ہیں ان کے متعلق یہاں ایک انتباہ ذکر کر دینا مفید ہے۔

انتباہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ معاملات میں ظاہر بین تھے اور سیاسی بصیرت کے حامل نہیں تھے۔ نیز وہ معاملہ فہمی میں زیرک نہیں تھے۔

اور اسی طرح کئی مورخین حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو واقعہ ہذا میں ”خداع اور مکار“ شخص کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

یہ سب بیان کرنے والوں کی اپنی فبیح تعبیریں ہیں جو ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں تنقیص کا موجب بنتی ہیں اور تحقیر کا تاثر دیتی ہیں۔ سو یہ روایات کسی صورت میں صحیح نہیں۔

اس مقام پر پہلے ہم حضرت ابو موسیٰ اشعری اور جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے باہم مکالمہ کی روایات پر نقد اور تجزیہ پیش کرتے ہیں، جن کی بنا پر لوگوں نے ان ہر دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو مورد الزام ٹھہرایا اور ان کی تحقیر و تنقیص کے درپے ہوئے۔

اس کے بعد ہم ان حضرات کے مقام و مرتبہ کو اختصاراً بیان کر کے ان کے حق میں صفائی پیش کریں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اس سلسلے میں عموماً طبری کی روایات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جن کے رواۃ پر اہل فن نے جرح اور تنقید ذکر کی ہے۔ فلہذا یہ روایتیں درجہ اعتماد سے ساقط ہیں۔

سند پر کلام

طبری کی ان روایات کا بنیادی راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہے۔ یہ شخص علمائے رجال کے نزدیک سخت قسم کا شیعہ اور رافضی ہے ضعیف ہے اور کچھ قابل اعتماد نہیں، اخباری آدمی ہے۔

((لوٹ بن یحییٰ ابو مخنف اخباری لا یوثق بہ..... تالف لا یوثق بہ..... ترکہ

ابوحاتم وغیرہ۔ قال الدارقطنی ضعیف، قال یحییٰ بن معین (مرہ) لیس

بشیء۔ قال ابن عدی شیعہ محترق صاحب اخبارہم))^۱

مطلب یہ ہے کہ ابو مخنف ناقابل اعتماد ہے متروک ہے بیکار ہے، صحابہ کے نام سے جلنے والا ہے شیعہ

۱ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۴۱۹، ۴۲۰ ج ۳ طبع بیروت، تحت لوط بن یحییٰ

لسان المیزان (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۹۲ ج ۴ تحت لوط بن یحییٰ (طبع دکن)

ہے روایتیں چلانے والا اخباری ہے (اور قصہ گو راوی ہے) اور قصہ گو لوگوں کے بیانات قابل تسلیم نہیں ہوتے۔

طبری کی ان روایات کا دوسرا راوی ابو جناب کلبی یحییٰ بن ابی حبیہ ہے۔ یہ شخص اہل فن کے نزدیک مندرجہ ذیل جرح و نقد کے ساتھ مجروح و مقدوح ہے۔ ابن حبان رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں:

((كان ممن يدللس عن الثقات۔ ما سمع من الضعفاء فالتزق به المناكير التي يرويها عن المشاهير۔ قال (يحيى بن سعيد القطان) ليس بشيء۔ قال (يحيى بن معين) كان ضعيفا))^۱

اسی ابو جناب کلبی پر ابن عدی رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل جرح اور نقد کیا ہے:

((متروك الحديث..... كوفي ضعيف..... وهو من جملة المتشيعين بالكوفة))^۲
اور علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا ہے کہ:

((قال يحيى بن سعيد القطان لا استحل ان لروى عنه۔ قال النسائي والدارقطني ضعيف..... كان يدللس))^۳

مندرجہ بالا تنقیدات کا حاصل یہ ہے کہ:

یہ شخص مدلس تھا اور ضعیف راویوں سے جو کچھ سنتا اس چیز کو ثقات کی طرف منسوب کر کے نقل کر دیتا تھا۔ اس طرح اس نے مشاہیر لوگوں سے منکر روایات نقل کی ہیں۔ علمائے فن کے نزدیک یہ شخص ضعیف ہے بلکہ کسی درجہ میں نہیں اور اس کو مترذک الحدیث قرار دیا ہے۔ یہ شخص شیعان کوفہ میں سے تھا اور یحییٰ قطان رضی اللہ عنہ اس کے متعلق فیصلہ دیتے ہیں کہ میں اس شخص سے روایت نقل کرنا حلال نہیں سمجھتا۔

مختصر یہ ہے کہ اس مقام کی روایات کے مرکزی رواۃ مندرجہ بالا جرح کے ساتھ مجروح اور مقدوح ہیں اور اہل فن کے نزدیک نہایت غیر معتمد اور ناقابل اعتبار ہیں۔

پس ان روایات کی روشنی میں مذکور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف جو تنقیص و تحقیر کی جاتی ہے وہ سراسر افتراء اور دروغ گوئی ہے۔ اس قسم کے تاریخی اور اخباری ملفوبات کی بنا پر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو داغدار نہیں کیا جاسکتا۔

اب ہم سطور ذیل میں ان ہر دو صحابہ کرام کے دینی مقام کو واضح کرنے کے لیے چند ایک چیزیں پیش

۱ کتاب البحر و زمین (ابن حبان) ص ۷۲ ج ۳ تحت یحییٰ بن ابی حبیہ (طبع دکن)

۲ الکامل (ابن عدی) ص ۲۶۹، ۲۷۰ ج ۷ تحت یحییٰ بن ابی حبیہ

۳ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۳۷۱ ج ۳ تحت یحییٰ بن ابی حبیہ (طبع بیروت)

کرتے ہیں جن سے ان حضرات کی اہلیت و صلاحیت اور دیانت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے اور یہ چیزیں ان کی عدالت پر شواہد کے درجہ میں ہیں۔ ان کے ملاحظہ کر لینے کے بعد ایک منصف مزاج اور حق پسند آدمی حضرت ابو موسیٰ اشعری اور جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما پر اس قسم کے مطاعن وارد کرنے کا ہرگز روادار نہیں ہوگا بلکہ تحکیم کے موقع کے حالات کو ان کے فکری اختلاف اور اجتہادی رائے کے تنوع پر محمول کرے گا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

حضرت ابو موسیٰ اشعری (عبداللہ بن قیس) رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب سے ان کے تراجم مملو ہیں۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ آپ جلیل القدر اور فاضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔

① آپ متعدد بار اسلامی حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے حتیٰ کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بعض علاقوں (زبید، عدن) پر عامل اور والی مقرر فرمایا۔

② اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ اور کوفہ کا والی بنایا۔

((استعمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابا موسیٰ الاشعری (عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ))

علی زبید و عدن۔ ثم ولی الكوفة والبصرة لعمر رضی اللہ عنہ))^۱

③ بعدہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اہل کوفہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کسی معاملہ میں اختلاف کی بنا پر کوفہ سے نکال دیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر تسلیم کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی مقرر کریں۔ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی مقرر فرمایا اور آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کوفہ کے عامل اور والی رہے۔

((وفیہا (سنة ۳۳ھ) اخرج اهل الكوفة سعید بن العاص وولوا ابا موسیٰ

الاشعری وکتبوه الی عثمان رضی اللہ عنہ یسالونہ ان یولی ابا موسیٰ فولاه))^۲

یہ چیزیں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی فطری اہلیت اور طبعی صلاحیت پر دال ہیں۔ کسی سطحی آدمی اور سادہ لوح شخصیت کو ایک وسیع علاقہ کی حکومت سپرد نہیں کی جاتی اور نہ اس کو امیر اور والی مقرر کیا جاتا ہے۔ نیز جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے انتخاب کو تسلیم و منظور کر لینا ان کی دیانت و امانت و لیاقت کی بڑی قوی دلیل ہے۔

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۵۵ ج ۲ تحت ترجمہ ابو موسیٰ اشعری عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ

۲ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۳۵ ج ۱ تحت سنہ ۳۳ھ

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۵۷ ج ۱ تحت تسمیہ عمال عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

اسی طرح حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی دیانت، امانت اور صداقت اسلام میں مسلمات میں سے ہے اور بے شمار فضائل و کمالات کے یہ حامل ہیں۔

① نبی اقدس ﷺ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ”عمرو بن عاص قریش کے صالحین میں سے ہیں۔“

((قال طلحة بن عبيدالله رضي الله عنه سمعت رسول الله ﷺ يقول: ان عمرو بن

العاص من صالحى قریش))^۱

② نیز آپ کی دیانت کی یہ زبردست دلیل ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے عمان کے علاقہ پر ان کو عامل مقرر فرمایا اور آپ پورے عہد نبوی میں وہاں عامل رہے پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو ولایت عمان سے تبدیل نہیں فرمایا۔

((واستعمله رسول الله ﷺ على عمان فلم يزل عليها مدة حياة رسول الله

ﷺ واقره عليها الصديق رضي الله عنه))^۲

③ اسی طرح عہد نبوت کا ایک دیگر واقعہ محدثین نے ذکر کیا ہے۔ اس سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مقام دیانت اور اخلاص مزید واضح ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خود ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار نبی اقدس ﷺ کو ایک جنگی مہم پیش آئی تو آنجناب ﷺ نے میری طرف فرمان دے کر آدمی بھیجا کہ عمرو بن عاص سے جا کر کہو کہ وہ اپنی تیاری کے ساتھ ہتھیار اور جنگی لباس پہن کر ہمارے پاس پہنچے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آں جناب ﷺ کے ارشاد کے مطابق تیاری کر کے حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت سردار دو جہاں ﷺ وضو فرما رہے تھے۔ میرے حاضر ہونے پر آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم تجھے ایک خاص مہم پر بھیجنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس میں تجھے سلامت رکھے گا اور مال غنیمت عنایت فرمائے گا اور ہم اس مال میں سے تجھے بھی عنایت کریں گے۔

((فقلت يا رسول الله! ما كان هجرتي للمال وما كانت الا لله ولرسوله قال

نعما بالمال الصالح للرجل الصالح- رواه فى شرح السنة وروى احمد

نحوه وفى روايته نعم المال الصالح للرجل الصالح))^۳

۱۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن اثیر جزری) ص ۱۱۷ ج ۴ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۶ ج ۸ بحوالہ ترمذی تحت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵ ج ۸ تحت سنہ ۴۳ھ

۳۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۶ فصل ثانی، باب رزق الولاة وهدایاہم، طبع نور محمدی دہلی۔

اور بعض روایات میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ:

((قلت یا رسول اللہ! انی لم اسلم رغبة فی المال انما اسلمت رغبة فی الجهاد والکینونة معک قال یا عمرو نعمما بالمال الصالح للمرء الصالح))^۱
 ”یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواباً عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے مال کے لیے ہجرت نہیں کی بلکہ میں اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی اور جہاد کے لیے ایمان لایا اور ہجرت کی۔“
 بقول بعض روایات ”میں نے اس لیے ہجرت کی تھی کہ مجھے جناب کی معیت نصیب رہے“ تو آنجناب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”اے عمرو! پاک اور حلال مال نیک اور صالح شخص کے لیے عمدہ ہوتا ہے۔“

④ اسی طرح مسند امام احمد میں دور نبوت کا ایک واقعہ درج ہے۔ وہ بھی قابل لحاظ ہے۔

ایک بار سید دو عالم رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں دو شخص اپنا ایک تنازع (کیس) لے کر حاضر ہوئے۔ اتفاقاً عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔ آنجناب رضی اللہ عنہ نے انھیں ارشاد فرمایا کہ ان متخاصمین کے درمیان تنازع کا فیصلہ تم کرو۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس معاملہ میں آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ جناب نبی کریم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اگرچہ میں زیادہ اولی ہوں (پھر بھی تم ہی فیصلہ کرو) اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے (بطور استفادہ اور طلب وضاحت کے) عرض کیا کہ اگر میں ان کے مابین تنازع کا فیصلہ کروں تو یہ میرے لیے کس طرح سود مند ہوگا؟ ان کی اس گزارش پر بطور قاعدہ کے ارشاد نبوت ہوا کہ (واقعہ ہذا کی عبارت اس طرح ہے)

((عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال جاء رسول الله ﷺ خصمان يختصمان فقال لعمرو اقض بينهما يا عمرو! فقال انت اولی بذالك منی يا رسول الله! قال وان كان قال فاذا قضيت بينهما فما لی؟ قال ان انت قضيت بينهما فاصبت القضاء فلك عشر حسنات وان انت اجتهدت فاخطأت فلك حسنة))^۲

فضائل الصحابة، امام احمد ص ۹۱۲ ج ۲ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

روایت ہذا کا مضمون درج ذیل مقامات پر بھی ہے:

• مسند امام احمد ص ۱۹۷ ج ۳ تحت حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)

• مسند امام احمد ص ۲۰۲ ج ۳ تحت بقیہ حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)

• مسند احمد ص ۲۰۵ ج ۳ تحت بقیہ حدیث عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)

”یعنی اگر تم نے ان کے مابین درست اور صحیح فیصلہ کیا تو تمہارے لیے دس نیکیاں ہوں گی اور اگر تم نے اپنے اجتہاد میں خطا کی تو پھر بھی تمہارے لیے ایک نیکی ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ مندرجات بالا سے واضح ہوا کہ آنجناب رضی اللہ عنہم کی نگاہ نبوت میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایک نہایت صالح مخلص اور دیانتدار شخص تھے۔ آنجناب رضی اللہ عنہم نے ان کو اپنے سامنے دو متخاصمین کے تنازع کا فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا اور بطور ترغیب ساتھ ہی قضا کا قاعدہ فہمائش کیا۔

یہ چیزیں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طبعی صلاحیت اور دینی وثاقت پر دال ہیں۔ یہ بزرگ بارگاہ نبوت سے ہدایت یافتہ اور کمال اخلاص کے حامل تھے۔ عہد نبوت میں ان پر پورا پورا اعتماد کیا جاتا تھا اور ان میں خدع و نفاق ہرگز نہیں تھا۔

⑤ نیز اکابر تابعین میں سے ایک بزرگ قبیسہ بن جابر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم نشین رہے۔ ان حضرات کی ہم نشینی کے تاثرات اپنی ایک روایت میں ذکر کرتے ہیں جس سے ان حضرات کی کمال دیانت اور کمال اخلاص اور دینی وثاقت ثابت ہوتی ہے۔

قبیسہ بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((قال صحبت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فما رأيت رجلا اقرأ لكتاب الله ولا افقه في دين الله ولا احسن مداراة منه وصحبت طلحة بن عبيدالله رضی اللہ عنہ فما رأيت رجلا اعطى لجزيل عن غيره مسألة منه وصحبت معاوية رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ فما رأيت رجلا اثقل حلما منه وصحبت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فما رأيت رجلا ابين او قال انصح ظرفا منه ولا اكرم جليسا ولا اشبه سريرة بعلانية منه..... الخ))^۱

”یعنی میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا وہ اللہ کی کتاب کے بہت قاری اور اس کے دین کے بڑے نقیہ تھے، بڑی عمدہ خاطر و مدارات کرنے والے تھے۔ ان صفات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بہتر میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا میں ہم نشین رہا وہ سوال کیے بغیر بہت کچھ عطا کیا کرتے تھے۔ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی رہا ہوں۔ میں نے ان سے بہتر حلیم الطبع کوئی شخص نہیں دیکھا۔ پھر قبیسہ بن جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت

۱ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوط) ص ۵۲۶ ج ۱۳ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۹ ج ۲ تحت تذکرہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

اصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲-۳ ج ۳ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (مختصراً)

عمر و بن عاص رضی اللہ عنہما کی مصابحت میں رہا ہوں تو میں نے ان کا ظرف نہایت خالص پایا۔ وہ بڑے باعزت اور شریف ہم نشین تھے ان کا باطن ظاہر کے بالکل موافق اور مشابہ تھا (صاحب اخلاق تھے ان میں نفاق نہیں تھا)۔“

مندرجہ بالا امور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تحکیم کے ثالث اور فیصل حضرات ایماندار، دیانتدار اور صاحب اخلاص تھے۔ ان میں غداری اور بدعتی نہ تھی۔ یہ حضرات نفاق سے دور تھے۔ امت کے مصالح ان کے پیش نظر تھے۔ اپنی دیانتدارانہ رائے کی بنا پر انہوں نے اپنی اپنی فریق کی جانب سے نمایندگی کی۔ کسی حیلہ اور مکر کی بنا پر انہوں نے یہ معاملہ نہیں کیا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ تحکیم کے مسئلے میں اجتہاد فکر کی بنا پر رائے میں اختلاف واقع ہوا تھا جو دوسرے فریق نے تسلیم نہیں کیا۔ اس وجہ سے یہ حضرات کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچ سکے۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ ”المجتهد قد یخطی ویصیب“ یعنی مجتہد اپنے اجتہاد میں خطا اور صواب دونوں کا محتمل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہ حضرات اس مقام پر قابل اعتراض اور مورد طعن نہیں۔ اور اگر یہ چیز پیش نظر رکھی جائے کہ ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن اور وَ مَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ یَشَاءَ اللّٰهُ تو اس نوع کا تردد دور ہو جاتا ہے۔

بعض اہم مباحث اور ازالہ شبہات

گزشتہ اوراق میں ”واقعہ صفین“ کا ایک مختصر سا خاکہ تفصیلات سے اجتناب کرتے ہوئے پیش کیا گیا ہے۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس کے وقوع کے بعد اسلامی تاریخ میں کئی پیچیدہ مسائل پیدا ہوئے معترضین نے مطاعن صحابہ کے لیے اس سے ایک مستقل دستاویز تیار کر لی۔ اعدائے اسلام نے طعن و تشنیع کے لیے اس کو ہدف بنا لیا اور مخالفین صحابہ نے طعنہ زنی کی خاطر اس کو زینہ قرار دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ بندوں کی تدبیر پر خدا تعالیٰ کی تقدیر غالب رہتی ہے۔ جمل و صفین کے واقعات جن حالات میں پیش آئے وہ نہایت ہنگامی اور ناقابل ضبط حالات تھے۔ اب ان حالات و واقعات کو صحیح طور پر ضبط کر لینا اور منقح کرنا ہمارے لیے ”محالات عادیہ“ میں سے ہے، اور ان کے تکوینی حکم و مصالح کو دریافت کرنا ہمارے دائرہ فکر و دانش سے بالاتر ہے۔

اکابرین امت کی ہدایات کی روشنی میں ان واقعات کے متعلق چند مباحث درج کیے جاتے ہیں جو اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوء ظنی رفع کرنے اور بدظنی دفع کرنے میں مفید ہوں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تحفظ کے لیے سود مند ثابت ہوں گے۔ (بعونہ تعالیٰ)

نیز ان مباحث کے ساتھ ساتھ ازالہ شبہات کا سلسلہ بھی چلایا گیا ہے تاکہ ان مواقع پر پیش آمدہ اعتراضات کا ازالہ بھی حسب موقع ہو سکے اور ان کے لیے کوئی الگ فصل قائم کرنے کی حاجت نہ رہے۔

گشتی مراسلہ

اس سلسلے میں ہم بطور تمہید و مبادی کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان درج کرتے ہیں جس میں خود انہوں نے اہل صفین کے ساتھ ماہ اختلاف مسئلہ کی نوعیت واضح کر دی ہے اور اس میں کوئی خفا باقی نہیں چھوڑا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا گشتی فرمان بالفاظ ذیل شیعہ کی معتمد کتب میں مذکور ہے:

((وكان بدء امرنا انا التقينا والقوم من اهل الشام والظاهر ان ربنا واحد، ونبينا واحد، ودعوتنا في الاسلام واحدة، لا نستزيدهم في الايمان بالله والتصديق برسوله ﷺ ولا يستزيدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فيه من دم عثمان ونحن منه براء))^۱

”حاصل یہ ہے کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جو چٹھی اپنے مملوکہ شہروں کی طرف لکھ کر ارسال کی اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے جو ان کو اہل صفین کے ساتھ پیش آئے تھے اور فرمایا کہ ابتداءً منذ واقعات کی یہ ہوئی کہ ہم لوگ اور ملک شام کے لوگ (ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کے لیے) جمع ہوئے حالانکہ واضح بات یہ ہے کہ ہم دونوں (قوموں) کا رب ایک اور ہم دونوں کا نبی ایک اور ہماری اور ان کی دعوت اسلام ایک ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور نہ وہ ہم سے زیادہ ہیں پس ان کا اور ہمارا تمام (دینی معاملہ) بالکل ایک جیسا ہے۔ لیکن خون عثمان کے بارے میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہو گیا ہے حالانکہ ہم اس سے بری ہیں..... الخ (یعنی ہمارا اس میں کچھ دخل نہیں)“

گشتی مراسلہ ہذا کے ذریعے سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ:

① اہل صفین (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ و جماعت معاویہ) کا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کا کوئی مذہبی اختلاف نہ تھا بلکہ دونوں فریق کا مذہب ایک تھا اور دونوں جماعتیں مومن و مسلمان ہونے میں ایک تھیں اور دونوں کی دعوت دینی متحد و متفق تھی۔

۱۔ نوح البلاغہ ص ۱۱۴ ج ۲ تحت من کتاب لہ علیہ السلام کتباتی اہل الامصار ناقض فیہ ماجری بینہ و بین اہل صفین (طبع مصر)

شرح نوح البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۱۹۳ ج ۵ خطبہ ۵۷ طبع تہران۔

شرح نوح البلاغہ الدرۃ الخبیئہ ص ۳۴۳ تحت من کلام لہ علیہ السلام الی الامصار ناقض الخ (طبع قدیم) ایران۔

② تصدیق ایمانی میں دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے فائق نہ تھا یکساں اور برابر تھے اور کامل الایمان تھے کوئی ناقص الایمان نہ تھا۔

③ صرف ایک سیاسی مسئلہ باعث اختلاف ہوا یعنی دم عثمان اور صرف اس ایک مسئلہ میں باہمی نزاع تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں صراحت فرمائی کہ ”ہم خون عثمان سے بری ہیں۔“
مراسلہ ہذا کے ذریعے سے بہت سے شبہات خود بخود مرتفع ہو گئے تاہم اب حاصل مباحث چند عنوانات کی صورت میں بھی پیش خدمت ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں۔

① اظہار تأسف

واقعہ ہذا پر اکابر حضرات کی جانب سے اظہار تأسف پایا جاتا ہے۔ یہ قتال جن حضرات کے درمیان واقع ہوا وہ سب اس پر متأسف ہوئے۔ کئی غلط فہمیاں حائل تھیں جن کی بنا پر غیر اختیاری حالات پیدا ہوئے اور قتال تک نوبت پہنچی۔ یہ حضرات اس واقعہ پر نہایت کبیدہ خاطر تھے اور اس کے وقوع پر ہر دو فریق نہایت مغموم و محزون ہوئے۔

① چنانچہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے متعدد روایات اس نوع کی کبار علماء نے نقل کی ہیں ایک موقع پر جناب حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا آپ فرماتے تھے:

((یا لیت امی لم تلدنی ولیت انی مت قبل الیوم))^۱

”یعنی جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پریشانی کے عالم میں فرمایا کاش میری ماں نے مجھے جنم نہ دیا ہوتا اور کاش میں اس روز سے قبل فوت ہو گیا ہوتا۔“

② اسی طرح ایام صفین میں ایک دوسرے موقع پر جب آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فیصلہ کرنے کے لیے اپنی جانب سے حکم تجویز کیا تو آپ پر ایک اضطرابی کیفیت تھی اسے علماء نے نقل کیا ہے۔ چنانچہ محدث ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ اسے بہ عبارت ذیل نقل کرتے ہیں:

((عن سلیمان بن مهران قال حدثنی من سمع علیاً رضی اللہ عنہ یوم صفین وهو عاض علی شفتیه لو علمت ان الامر یكون هكذا ما خرجت۔ اذهب یا ابا موسیٰ فاحکم ولو خر عنقی))^۲

”یعنی سلیمان بن مهران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بیان کیا جس نے صفین کے موقع پر

۱ تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۲۸۴ ج ۳ قسم ثانی طبع دکن

کتاب السنۃ (امام احمد) طبع مکہ مکرمہ ص ۱۹۶

۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۳ ج ۱۵ طبع کراچی روایت ۱۹۶۹۸ تحت کتاب الجمل

خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا تھا۔ اس وقت آپ کی اضطرابی کیفیت یہ تھی کہ آپ اپنے لب مبارک کو زیر دندان کرتے تھے اور فرماتے تھے اگر اس معاملہ کے متعلق مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہاں تک نوبت پہنچے گی تو میں اس کے لیے کبھی نہ نکلتا۔ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ تشریف لے جائیں اور فیصلہ کریں اگرچہ اس میں مجھے خسارہ ہی کیوں نہ ہو۔“

اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے بھی کتاب الآثار میں اپنی سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ کلام نقل کیا ہے۔ اہل علم کی تسلی کے لیے بقدر ضرورت ذکر کیا جاتا ہے تمام روایت کتاب مذکور میں ملاحظہ فرمائیں۔

((عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال لابی موسیٰ رضی اللہ عنہ حین حکمہ خلصنی منها ولو بعرق رقبتی..... الخ))^۱

”یعنی جناب علی رضی اللہ عنہ نے جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم و فیصلہ بنایا تو ان سے ارشاد فرمایا کہ اس معاملہ میں ہمیں خلاصی دلائیے اگرچہ میری گردن کی رگ ہی کیوں نہ چلی جائے۔ (یعنی اگرچہ مجھے کمال نقصان ہی اٹھانا پڑے)۔“

یہ فرامین اظہار تاسف کے طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صادر ہوئے یہ ان حضرات کے تقویٰ، دیانت اور خشیت الہی کے غلبہ پر محمول ہیں۔ یہ کسی جرم کے ارتکاب کے بعد اس کی ندامت پر دلالت نہیں کرتے۔

نیز مندرجہ بالا فرامین علوی کا محمل اور موقف جو تجویز کیا گیا ہے بعینہ اس نوع کی اضطرابی کیفیت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بعض اوقات طاری ہوتی تھی اور آں موصوفہ رضی اللہ عنہا بھی واقعہ جمل پر اظہار تاسف اور گریہ فرماتی تھیں تو وہ کسی جرم کے ارتکاب کی تلافی پر ایسا نہیں کرتی تھیں بلکہ ان کا یہ فعل کمال اتقا اور خشیت الہی کے غلبہ کی بنا پر تھا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر اس نوع کی کیفیات غلبہ حال کی صورت میں پیش آیا کرتی ہیں۔

④ ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگوں نے اس مقام پر یہ طعن قائم کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں فریق کے باہم قتال ذاتی عناد اور نسلی عداوت کی بنا پر واقع ہوئے۔ ان حضرات کے درمیان دیرینہ دشمنی تھی اور ایک دوسرے کے خلاف ان کے سینے کینہ اور بغض سے پر تھے اور دنیاوی اغراض ان کے پیش نظر تھیں۔ اس بنا پر انھوں نے یہ جمل و صفیں کی جنگیں لڑیں اور اہل اسلام میں عظیم فساد برپا کر دیا۔

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں ہم چند امور پیش کرتے ہیں ان پر نظر غائر فرمائیں

۱ کتاب الآثار (امام ابو یوسف) ص ۲۰۸ روایت ۹۲۹ طبع بیروت لبنان بحوثی اہل الوفاء الافغانی

ان شاء اللہ تعالیٰ شبہات بالا رفع ہو سکیں گے۔

اس سلسلہ میں سب سے اول حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چند فرمودات اور ان کی جماعت کے اکابر حضرات کے اس موقع کے اقوال ایک ترتیب سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد فریق ثانی کی طرف سے چند چیزیں پیش کی جائیں گی جو اپنی جگہ پر اس شبہ کے ازالہ کا موجب ہو سکیں گی۔

اول: اپنے فریق مقابل (اہل صفین) کے حق میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک شخص کو جواب میں فرماتے ہیں جو اپنے مقابلین کے حق میں غلو کرتے ہوئے کفر کی نسبت کر رہا تھا۔ یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلین کو کافر کہہ رہا تھا۔ اس وقت اس شخص کو تنبیہ کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یوں ارشاد فرمایا کہ ایسا مت کہو بلکہ ان کے حق میں کلمہ خیر ہی کہو۔ تحقیق ان لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف بغاوت کی اور ہم اپنی جگہ پر یہ خیال کرتے ہیں کہ انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارا کفر اور اسلام کا اختلاف نہیں ہے اور نہ ہمارے دین الگ الگ ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ انھوں نے گمان کیا ہے کہ ہم نے ان کے خلاف تجاوز کیا اور ہم خیال کرتے ہیں کہ انھوں نے ہمارے حقوق سے تجاوز کیا۔ اس نقطہ نظر پر ہم نے ایک دوسرے کے خلاف قتال کیا۔

① تاریخ ابن عساکر میں مذکور ہے کہ:

((حدثنا ابو زرعة عن جعفر بن محمد عن ابيه قال سمع علي رضي الله عنه يوم الجمل او يوم صفين رجلا يغلوا في القول يقول الكفر قال لا تقولوا فانهم زعموا انا بغينا عليهم وزعمنا انهم بغوا علينا))^۱

② علامہ ابن تیمیہ اور ذہبی رحمتهما نے لکھا ہے کہ:

((قال اسحق بن راهوية حدثنا ابو نعيم حدثنا سفيان عن جعفر بن محمد عن ابيه قال سمع علي رضي الله عنه يوم الجمل او يوم صفين رجلا يغلوا في القول فقال لا تقولوا الا خيرا انهم قوم زعموا انا بغينا عليهم وزعمنا انهم بغوا علينا فقاتلناهم))^۲

③ نیز اسی طرح بعض دیگر روایات میں یہی سوال حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کیا اہل

۱ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) کامل ص ۳۲۹ ج ۱ طبع دمشق

۲ منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۶۱ ج ۳ تحت الکلام ولما قال السلف ان اللہ یامر الخ

المستغنی (ذہبی) ص ۳۳۵

تہذیب ابن عساکر (ابن بدران) ص ۷۳ ج ۱ باب ماورد من اقوال المنصفین

بغاوت (جمل و صفین والے) مشرک ہیں؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ یہ لوگ تو شرک سے فرار کر کے مسلمان ہوئے، یہ کیسے مشرک ہو سکتے ہیں؟

پھر سوال کیا گیا کہ کیا یہ لوگ منافق ہیں؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ منافق لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں (یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں) پھر دریافت کیا گیا کہ آخر ان کا کیا حکم ہے؟ اور یہ لوگ کس درجہ میں ہیں؟ تو جواب میں فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں ہمارے خلاف انہوں نے بغاوت کر دی ہے۔

((سئل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وهو القدوة عن قتال اهل البغی من اهل الجمل والصفین امشركون هم؟ قال لا من الشرك فروا فقیل امنافقون؟ قال لا لان المنافقین لا یذكرون الله الا قليلا قیل له فما حالهم؟ قال اخواننا بغوا علينا))^۱

ایک وضاحت

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات کی روشنی میں یہ چیز اس طرح واضح ہوئی کہ ”اخواننا بغوا علينا“ میں ”اخوت دینی“ مراد ہے اور بغی سے ”بغاوت لغوی“ مراد ہے (یعنی زیادتی اور حد سے تجاوز کرنا وغیرہ) اور اصطلاحی بغاوت مقصود نہیں۔ اس چیز پر روایات بالا قرینہ ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ ”بغاوت اصطلاحی“ اس کو کہا جاتا ہے کہ ایک خلیفہ برحق کے خلاف کسی شخص کا اپنی رائے اور تاویل کی بنا پر کھڑے ہونا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو کسی خلیفہ کے باغی نہ تھے پھر بھی فرماتے تھے کہ ان کا گمان ہے کہ ہم نے ان پر بغاوت کی۔ تو معلوم ہوا کہ مذکورہ کلمات میں بغاوت شرعی و اصطلاحی معنی میں مراد نہیں۔ یہاں لغوی مفہوم مراد ہے۔

شیعہ کی طرف سے تائید

① شیعہ اکابر نے اپنے ائمہ کرام سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں:

((جعفر عن ابیه (محمد باقر) ان علیاً رضی اللہ عنہ لم یکن ینسب احدا من اهل حربہ الی الشرك ولا الی النفاق ولكن یقول هم اخواننا بغوا علينا))^۲

”یعنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل

^۱ تفسیر قرطبی ص ۳۲۳-۳۲۴ ج ۱۶ تحت فاصلہوا بین اخویکم

قرب الاسناد (عبد اللہ بن جعفر حمیری) ص ۲۵ طبع قدیم

کرتے ہیں کہ جناب علی رضی اللہ عنہ اپنے محاربین کے حق میں شرک اور نفاق کی نسبت نہیں کرتے تھے بلکہ یوں فرماتے تھے کہ یقیناً وہ ہمارے بھائی ہیں انھوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے۔“

② اور اسی طرح امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((جعفر عن ابیہ ان علیاً رضی اللہ عنہ کان یقول لاہل حربہ انا لم نقاتلہم علی التکفیر لہم ولم نقاتلہم علی التکفیر لنا ولکننا راینا انا علی حق وراوا انہم علی حق))^۱

”مطلب یہ ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ امام باقر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مقابلین کے حق میں فرماتے تھے کہ ہم ان سے ان کی تکفیر کی بنا پر قتال نہیں کر رہے اور نہ ان سے اس وجہ سے قتال کر رہے ہیں کہ وہ ہماری تکفیر کرتے ہیں۔ (یہ بات نہیں ہے) بلکہ بات یہ ہے کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ یقیناً وہ حق پر ہیں۔“

حاصل یہ ہے کہ ان کا اور ہمارا قتال کفر و اسلام کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ حق ہونے اور ناحق ہونے پر ہوا

ہے۔

شیعہ کے اکابر نے اپنے ائمہ سے یہ فرمودات نقل کیے ہیں جو اپنے مفہوم میں واضح ہیں کسی تشریح کے

محتاج نہیں۔

گزشتہ اوراق میں ہر ایک فریق کا اپنا اپنا موقف بیان ہو چکا ہے، اعادہ کی حاجت نہیں۔ یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے اصرار تھا کہ پہلے خلافت کی بیعت تمام کی جائے، بعد میں مطالبات قصاص وغیرہ پیش کیے جائیں۔ فریق مقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا احباب کا مطالبہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مسئلہ اہم ہے اسے پہلے حل کیا جائے جبکہ مفسدین آپ کے گروہ میں موجود ہیں اور بیعت خلافت اس کے بعد ہوگی۔ پس یہی چیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان فرمودات میں بیان کی گئی ہے۔

دوم: اسی طرح ایک دوسرا واقعہ اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں پیش آیا۔ وہ اس طرح کہ ایک دن جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ تشریف لا رہے تھے تو اس وقت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے انھوں نے بنی طے کے ایک مقتول کو دیکھا جس کو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے قتل کر ڈالا تھا۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہنے لگے بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہ بے چارہ کل مسلمان تھا اور آج کافر مرا پڑا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ ایسا نہ کہو یہ کل بھی مومن تھا اور آج بھی مومن ہے۔

① ((عن سعد بن ابراہیم قال خرج علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ذات یوم و معہ

عدی بن حاتم الطائی فاذا رجل من طی قلیل قد قتله اصحاب علی فقال
عدی یا ویح هذا کان امس مسلما والیوم کافرا فقال علی رضی اللہ عنہ مهلا کان
امس مومنا وهو الیوم مؤمن))^۱

② ایک دیگر مقام پر جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے آنجناب سے اصحاب معاویہ کے مقتولین کے
متعلق سوال کیا کہ ان کا کیا حکم ہے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مومن ہیں (ان پر
کفر کا اطلاق درست نہیں)۔

((عن محمد بن راشد عن مکحول ان اصحاب علی رضی اللہ عنہ سألوہ عن من
قتلوا من اصحاب معاویة قال ہم المومنون... وفی روایة سئل عن من قتل
بصفین ما ہم؟؟ قال ہم المومنون))^۲

سوم: نیز اس مقام پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا ایک قول اپنے مقابلین (اہل شام) کے حق میں اکابر علماء
نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے اہل شام کے حق میں کفر کی نسبت کی اور ان کو کافر کہنے لگا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ
نے سن کر ارشاد فرمایا کہ ایسا مت کہو کیونکہ ان کے اور ہمارے نبی ایک ہیں اور ان کا اور ہمارا قبلہ ایک ہے
(یعنی ہم دونوں فریق اہل اسلام میں سے ہیں) لیکن بات یہ ہے کہ وہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہو کر امر حق سے متجاوز
ہو چکے ہیں، ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے ساتھ قتال کریں تاکہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

((عن زیاد بن الحارث قال کنت الی جنب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بصفین
ورکبتی تمس رکبته فقال رجل کفر اهل الشام فقال عمار رضی اللہ عنہ لا تقولوا
ذالك، نبینا و نبیہم واحد و قبلتنا و قبلتہم واحدة و لکنہم قوم مفتونون
حادوا عن الحق۔ فحق علینا ان نقاتلہم حتی یرجعوا الیہ))^۳

مندرجہ بالا چیزیں قبل ازیں ہم نے اپنی کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ ص ۱۶۷ تا ۱۷۹ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

۱ تاریخ ابن عساکر کامل ص ۳۳۰ ج ۱ طبع دمشق

تخصیص ابن عساکر (ابن بدران) ص ۷۳ ج ۱

۲ تاریخ ابن عساکر کامل ص ۳۳۰ ج ۱ طبع دمشق

منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۶۱ ج ۳ طبع لاہور

المستغنی (ذہبی) ص ۳۳۵ طبع مصر۔

۳ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۰ ج ۱۵ طبع جدید کراچی روایت ۱۹۶۸ تحت کتاب الجمل۔

منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۶۱ ج ۳

فتح الباری شرح بخاری ص ۷۳ ج ۱۳ تحت کتاب الفتن، طبع قدیم مصر

کے حالات میں ذکر کی ہیں اور یہاں کچھ مزید حوالے اضافہ شدہ ہیں اور عنوانات دوسرے طریق سے مرتب کیے ہیں۔

یہ ایک فریق کے متعلق چند چیزیں نقل کی ہیں اور آئندہ سطور میں فریق مقابل کی چند چیزیں درج کی جاتی ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تاثرات

ذیل میں چند چیزیں ایسی ذکر کی جا رہی ہیں جو اس بات پر قوی قرینہ ہیں کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان جدال و قتال عناد پر مبنی نہ تھا بلکہ ان سے اپنے اپنے نظریات کے تحت یہ امور صادر ہوئے، جانہیں ایک دوسرے کے حق میں نیک نیت تھے ان میں کوئی گروہی اور نسلی عداوت نہ تھی اور یہ حضرات ایک دوسرے کے حق میں کینہ و راور حاسد نہیں تھے مثلاً:

① اس مقام پر وہ گفتگو جو ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی تھی وہ بھی قابل ذکر ہے۔ ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ:

((انت تنازع علیاً رضی اللہ عنہ ام انت مثله؟ فقال معاویہ رضی اللہ عنہ لا! واللہ انی لاعلم ان علیاً افضل منی وانہ لاحق بالامر منی..... الخ))^۱

”کہ آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تنازع کرتے ہیں، کیا آپ ان کے ہم پایہ ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اللہ کی قسم! میں ان کا ہم مرتبہ نہیں ہوں اور وہ مجھ سے افضل ہیں اور امر خلافت میں بھی وہ زیادہ حقدار ہیں..... الخ“

یہ دونوں حوالہ جات قبل ازیں اپنے مقام پر ذکر ہو چکے ہیں لیکن یہاں اس مقصد کے لیے دوبارہ ذکر کیے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی ذاتی عناد اور نسلی عداوت نہیں تھی اور یہ حضرات ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور فرق مراتب کا لحاظ رکھتے اور اسے تسلیم کرتے تھے۔

② نیز علماء نے ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان قتال جاری تھا اور تاحال واقعہ تحکیم تک نوبت نہیں پہنچی تو ان ایام میں شاہ روم نے ان کے جنگی حالات پر نظر کرتے ہوئے اہل اسلام پر حملہ کر دینے کی تیاری کی اور موقع کو غنیمت سمجھا اور مسلمانوں پر حملہ کے لیے ایک

۱ تاریخ دمشق (ابن عساکر) (مخطوط) ص ۷۱۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۹۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۱۶۸ ج ۲ تحت وقعة الصغیر سنہ ۳۷ھ

عقیدہ سفارینی ص ۳۲۸، ۳۲۹ ج ۲ تحت قتل عمار رضی اللہ عنہ والقول فی معاویہ رضی اللہ عنہ

عظیم لشکر جمع کیا۔

ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شاہ روم کے اس مقصد کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے شاہ روم کو مراسلہ

بھیجا:

((والله لئن لم تنته و ترجع الی بلادك یالعین لاصطلحن انا و ابی عمی
علیک و لا یرجئک من جمیع بلادك و لا ضیق علیک الارض بما رحبت
فعند ذالک خاف ملک الروم و انکف و بعث یطلب الهدنة))^۱

”یعنی اللہ کی قسم! اگر تو اس اقدام سے باز نہیں آئے گا اور اپنے بلاد کی طرف واپس نہیں ہوگا تو
اے لعین! میں اور میرے چچا کے بیٹے (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) تیری مخالفت میں باہم صلح کر لیں
گے اور میں تجھے تیری آبادیوں سے نکال کر چھوڑوں گا اور زمین کے فراخ ہونے کے باوجود اسے
تم پر تنگ کر دوں گا۔ اس پر بادشاہ روم نے خوف کھایا اور ایسے اقدام سے رک گیا اور قاصد بھیج کر
صلح کا خواستگار ہوا۔“

② نیز اسی طرح ایک اور واقعہ اس مقام پر درج کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ اگرچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی
شہادت کے بعد کا ہے تاہم مقصد کے لیے مفید ہے یعنی ایک فریق کے دوسرے فریق کے حق میں نظریات
واضح ہوتے ہیں۔

واقعہ اس طرح ہے کہ جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت
میں پہنچی تو آپ بے ساختہ گریہ کرنے لگے۔ ان کی اہلیہ ان کے پاس موجود تھیں وہ کہنے لگیں کہ آپ علی المرتضیٰ
رضی اللہ عنہ کے ساتھ برسر پیکار رہے اور اب رونے لگے ہیں؟ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ پر کلمہ ترحم کہنے
کے بعد یوں ارشاد فرمایا کہ تو نہیں جانتی کہ اہل اسلام کا فضیلت، فقہ اور علم میں کس قدر نقصان ہوا ہے اور کیسی
گرا فقہر ہستی سے قوم محروم ہو گئی ہے۔

((لما جاء خبر قتل علی رضی اللہ عنہ الی معاویہ رضی اللہ عنہ جعل یبکی۔ فقالت له امراته
اتبکیه و قد قاتلته؟ فقال ویحک! انک لا تدرین ما فقد الناس من الفضل
والفقہ والعلم))^۲

③ گزشتہ واقعہ کی تائید میں ایک اور واقعہ مختصراً تحریر کیا جاتا ہے۔ یہ ضرار صدائی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جو شیعہ

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲۔ تاریخ العروس شرح قاموس (علامہ مرتضیٰ زبیدی) ص ۲۰۸ ج ۷ تحت مادہ اصطفین طبع قدیم۔

۳۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۰ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ و ذکر شی، من ایام و دولت

علماء نے بھی تفصیل سے لکھا ہے اور ہماری کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص حمایتی لوگوں میں سے ایک شخص ضرار صدائی تھے وہ آنجناب کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ وہ کہنے لگے اس مسئلہ میں مجھے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اصرار فرماتے ہوئے کہا کہ میں تجھے قسم دلاتا ہوں کہ تو یہ چیز ضرور بیان کر۔

پس ضرار رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرنا شروع کیے ادھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سن کر رونے لگے اتنا روئے کہ ان کی ریش تر ہو گئی۔

ضرار صدائی رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ نے استیعاب^۱ میں ذکر کیا ہے اور دیگر علماء نے بھی اسے لکھا ہے۔

((وكان ضرار من اصحابه (علی) رضی اللہ عنہ فدخل علی معاویة بعد موته فقال:

صف لی علیا فقال او تعفینی عن ذالك فقال والله لتفعلن فتکلم بهذا

الفصل فبکی معاویة حتی اخضلت لحيته))^۲

حاصل کلام یہ ہے کہ سابقہ سطور میں دونوں فریق کی جانب سے چند ایک چیزیں ذکر کی ہیں اور اس نوع کے واقعات مزید بھی تاریخ میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ تمام امور اس بات پر قرائن ہیں کہ ان ہردو حضرات (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) کے درمیان مذکورہ جنگ و جدال جو وقتی طور پر پیش آئے وہ بنا بر عناد نہ تھے اور فساد نیت پر مبنی نہ تھے بلکہ اجتہاد فکر اور نظریاتی اختلاف کی بنا پر پیش آئے یہ ہنگامی مسائل کے درجہ میں تھے اور ختم ہو گئے۔ جیسا کہ اس بحث کی ابتدا میں ہم نے ذکر کیا ہے۔

البتہ صاحب عناد راویوں نے اور زلیغ عن الحق کرنے والے ناقلین نے ان چیزوں کو دوامی کینہ اور عداوت کی صورت میں نقل کیا ہے۔

اس بحث کے آخر میں علمائے سیرت و حدیث اور مورخین کے وہ اقوال ذکر کیے جاتے ہیں جس سے اصل مسئلہ منقح ہو جاتا ہے اور وارد کردہ شبہ کا دفعیہ ہوتا ہے۔

① علامہ شہاب الدین خفاجی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

۱ الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۳۳ ج ۳ تحت تذکرہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۲ درہ نجفیہ شرح نوح البلاغہ ص ۳۶۰ طبع قدیم ایران۔

شرح نوح البلاغہ (ابن میثم، بحرانی) ص ۲۷۶ جلد ۵ طبع تہران

شرح نوح البلاغہ (حدیدی) ص ۳۷۴-۳۷۵ جلد ۲ طبع بیروت، تحت ذکر من خبر ضرار بن حنظلہ الصدائی لمعاویہ عند دخوله علی معاویہ

((فيما كان بينهم من الفتن كما وقع بين علي و معاوية رضي الله عنهما احسن التاويلات والمحاميل لانها امور وقعت باجتهاد منهم لا لاغراض النفسانية ومطامع دنيوية كما يظنه الجهلة))^۱

”یعنی حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے دور فتن میں جو واقعات پیش آئے ان کے لیے عمدہ تاویل اور بہترین محمل قائم کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات ان کے اجتہاد رائے کی بنا پر ان سے صادر ہوئے تھے کسی نفسانی اغراض کی خاطر اور دنیاوی طمع اور حرص کے لیے نہیں واقع ہوئے تھے جیسا کہ جاہل اور نادان لوگوں نے گمان کر رکھا ہے۔“

② مشہور مورخ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

((كان طريقهم فيها الحق والاجتهاد ولم يكونوا في محاربتهم لغرض دنيوي او لا يثار باطل او لاستشعار حقد كما قد يتوهمه متوهم وينزع اليه ملحد))^۲

”مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جب فتنہ واقع ہوا تو ان کا طریقہ اس معاملہ میں تلاش حق کی خاطر تھا اور بطور اجتہاد تھا کسی دنیاوی غرض کے لیے ان کے درمیان یہ محاربات نہیں تھے اور کسی باطل چیز کو ترجیح دینے کے لیے بھی نہیں تھے اور نہ کینہ و بغض کی بنا پر تھے جیسا کہ بعض لوگوں کو اس بات کا وہم ہوا ہے اور ملحد شخص اس کو باطل کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔“

③ ایک دیگر شبہ کا ازالہ

یہاں ایک اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہے کہ جمل و صفین میں جو قتال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں واقع ہوئے بظاہر یہ قرآن مجید کی آیت کریمہ رُحِمَاءُ بَيْنَهُمْ کے برخلاف ہیں۔ ان کا یہ عمل آیت مذکورہ کے مفہوم کے متعارض ہے۔ حالانکہ یہ حضرات بالیقین قرآن مجید کے عامل اور حامل تھے۔

اعتراض ہذا کو صاف کرنے کے لیے چند معروضات پیش کی جاتی ہیں ان پر بنظر انصاف غور کر لینے سے یہ اشکال رفع ہو سکتا ہے:

① اس مقام پر مسئلہ ہذا کی تفہیم کے لیے اہل علم ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ جب کسی جماعت یا گروہ

۱ نسیم الریاض شرح الشفاء (شہاب الدین خفاجی) ص ۴۶۷ ج ۳ تحت فصل من توفیرہ و برہ توفیر اسحابہ الخ، مطبوعہ مطبع عثمانیہ ترکی۔

۲ مقدمہ ابن خلدون ص ۳۶۳ تحت انقلاب الخلفاء الی الملک، طبع بیروت

کی تعریف کی جائے یا ان کے اوصاف و احوال ذکر کیے جائیں تو ان کا بیان کرنا ایک مجموعی حیثیت سے ہوتا ہے اور وہاں غالب احوال کے اعتبار سے ان اوصاف کو معتبر سمجھا جاتا ہے اور ان کا عمومی و اجتماعی طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے۔ خصوصی افراد کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔

پھر اگر وہاں اس کا جزوی طور پر خلاف پایا جائے یا اس جماعت کے بعض افراد سے بعض اوقات کوئی چیز اس کے متعارض صادر ہو جائے تو وہ اس حکم کلی اور قاعدہ عمومی کو نہیں توڑتی۔
مختصر یہ ہے کہ کسی امر جزوی کا کسی امر کلی کے خلاف پایا جانا اہل فہم کے نزدیک اس کلیہ میں قاذح اور متعارض نہیں سمجھا جاتا۔

② دوسری یہ چیز قابل لحاظ ہے کہ بعض اوقات ہر دو فریق میں اختلاف رونما ہوتے ہیں اور قتال تک نہایت پہنچتی ہے تاہم ان سے رحمت کی صفت بتمامہ مفقود نہیں ہوتی اور شان شفقت بالکلیہ مسلوب نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہاں بھی دونوں فریق نیک نیتی کے ساتھ اپنے فریق کو حق بجانب خیال کرتے ہوئے دوسرے فریق سے مجارب ہوئے تھے لیکن ذاتی عداوتوں اور نفسانی اغراض کے لیے نبرد آزما نہیں ہوئے۔ اس چیز پر یہ قرآن موجود ہیں:

① ہر ایک فریق نے مخالف فریق کے ایمان کا انکار نہیں کیا اور ان کو بے دین قرار نہیں دیا۔ نیز ایک فریق نے مقابل فریق کے فضائل اور دینی کارناموں کا انکار نہیں کیا بلکہ اعتراف کیا۔
② اسی طرح کوئی فریق دوسرے فریق کو ذلیل اور رسوا کرنے کے درپے نہیں ہوا حتیٰ کہ اپنے مقابل کو قیدی نہیں بنایا، مال نہیں لوٹا، ان کی خواتین کی بے حرمتی نہیں کی اور ان کے کسی زخمی کو مزید زخمی نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔

③ جمل وصفین کے واقعات میں ہر ایک فریق اپنے آپ کو حق پر خیال کرتا تھا اور اجتہاد حق کے لیے دوسرے فریق سے مناقشہ قائم کیے ہوئے تھا۔ دوسرے لفظوں میں ایک شرعی حق کی خاطر فریق مخالف کے ساتھ قتال پر آمادہ تھا اور یہ چیز **رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ** کے مفہوم کے خلاف نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ایک امر دینی اور اپنے شرعی حق کو قائم رکھنے کے لیے بعض اوقات شدت اختیار کی جاتی ہے۔ جیسے اجرائے حدود اور کفارات کے واقعات دور نبوی میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں پیش آئے۔ باوجود نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم "رحمت للعالمین" ہیں اور مومنوں پر "رؤف الرحیم"۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ** کی شان اخوت کی صفت موجود ہونے کے باوجود اجرائے حدود اور کفارات کے واقعات رونما ہوئے اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بعض دینی مسائل اور معاشرتی معاملات میں اختلافات پیش آتے رہے۔

پھر ان حضرات کے باہم قتال کی نوعیت اس قسم کی ہے جیسے اللہ جل شانہ کو مومنین کے بعض اعمال پر غصہ آتا ہے اور اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی اپنی امت کے برے اعمال پر ناراض ہوتے ہیں یا ماں کو اپنی اولاد کے افعال بد پر بعض دفعہ ناراضی ہوتی ہے حالانکہ ان سب میں رحمت اور شفقت کی صفت موجود ہے اس کے باوجود غیظ و غضب بھی پایا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان متقابل صفات کا اپنے اپنے مقام پر پایا جانا مسلمات میں سے ہے ان میں کوئی تعارض و تدافع نہیں۔

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے موضح القرآن میں اس آیت کے تحت بہترین چیز ذکر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

”جو تندی اور نرمی اپنی خو ہو وہ سب جگہ برابر چلے اور جو ایمان سے سنور کر آئے وہ تندی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ۔“

اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین مناقشات و قتال کا مسئلہ عمدہ طریقہ سے صاف ہو جاتا ہے کہ رحمت و شفقت کی صفات کا اپنا مقام ہے اور شدت اور سختی اپنی جگہ پر کی جاتی ہے۔

ان حضرات نے سختی کے مقام پر سختی اور شدت کا مظاہرہ کیا اور نرمی و شفقت کے موقع پر نرمی اور الفت کو اختیار کیا۔ پس اس طریقہ سے ان حضرات کے مذکورہ واقعات آیت کے خلاف نہیں پائے گئے اور نہ اس سے متعارض ہیں۔

علمائے عظام فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو منازعات جاری ہوئے ان کا درجہ اس طور پر سمجھنا چاہیے جیسا کہ

① حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان ماجرا پیش آیا۔ اس بات کے باوجود یہ لوگ حد نبوت اور حد ولایت سے خارج نہیں ہوئے۔ اسی طرح جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلافی واقعات پیش آئے وہ بھی اسی درجہ میں ہیں۔

((قال ابن فورک و من اصحابنا من قال ان سبیل ما جرت بین الصحابة من المنازعات کسبیل ما جرى بین اخوة یوسف مع یوسف علیہ السلام ثم انهم لم یخرجوا بذلك عن حد الولاية والنبوة فکذا لک الامر فیما جرى بین الصحابة رضی اللہ عنہم))^۱

② اسی نوع کا ایک دوسرا واقعہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام

① تفسیر قرطبی ص ۳۲۲ ج ۲ تحت الایہ۔ وان طانفتان من المومنین..... الخ (الحجرات)

میں ایک مسئلہ پر اختلاف رائے ہوا اور اس پر تنازع پیش آیا حتیٰ کہ سر کے بال کھینچنے اور دست و گریبان ہونے تک نوبت پہنچی۔

یہ تنازع دشمنی کی بنا پر واقع نہیں ہوا اور اس واقعہ کو کوئی بھی عداوت پر محمول نہیں کرتا۔

③ اسی طرح باپ کا بیٹے کو تادیب و تنبیہ کے طور پر زد و کوب کرنے کے واقعات محبت و شفقت پداری کے خلاف نہیں سمجھے جاتے۔ نیز جراح اور سرجن (ڈاکٹر) کا نشتر لگانا حتیٰ کہ بعض اعضاء کا کاٹ دینا اور مریض کو تکلیف پہنچانا مریض کے حق میں رحمت اور شفقت کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین تنازعات کے ان واقعات کو مذکورہ تمثیلات اور تشبیہات کی روشنی میں اہل فہم حضرات خوب سمجھ سکتے ہیں اور ان واقعات اور آیت مُحَاوَاةٌ بَيْنَهُمْ کے درمیان تطبیق پیدا کرنا کچھ دشوار نہیں۔

مذکورہ بالا چند چیزیں ہم نے مسئلہ ہذا کو قریب الی الفہم کرنے کے لیے پیش کر دی ہیں ورنہ اہل علم و فکر حضرات پر یہ مسئلہ مخفی و پوشیدہ امر نہیں۔

④ اہل صفین کے ساتھ حسن معاملہ

صفین کے مقام پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے فریق مقابل سے بہترین سلوک روارکھا گیا اور ان سے حسن معاملہ سے پیش آئے۔

اس سلسلہ میں کئی واقعات اس نوع کے دستیاب ہوئے ہیں ان میں سے چند ایک مقام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

صفین میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے کچھ زخمی افراد کو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے احباب نے اسیر بنا لیا پھر ان میں سے بعض کا جب انتقال ہوا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان لوگوں کے لیے غسل اور کفن و دفن کا انتظام کیا گیا اور ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔

ابن عساکر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

((قال عقبہ بن علقمة الیشکری شہدت مع علی رضی اللہ عنہ یوم صفین فاتی

بخمسة عشر اسیرا من اصحاب معاویة رضی اللہ عنہ فکان من مات منهم غسله

وکفنه وصلی علیہ))^۱

”یعنی عقبہ بن علقمہ یشکری کہتے ہیں کہ صفین میں میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے پندرہ عدد قیدی جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائے گئے

^۱ تلخیص ابن عساکر (ابن بدران) ص ۷۴ ج ۱، باب ماورد من اقوال المصطفین فی من قتل من اہل الشام بصفین۔

پھر ان میں سے جو شخص فوت ہو گیا اس کو آپ نے غسل اور کفن دلایا اور خود اس پر نماز جنازہ پڑھی۔“
مقتولین صفین جنتی ہیں

سعید بن منصور رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ نعیم بن ابی ہند رضی اللہ عنہ جو ایک بزرگ ہیں اپنے چچا سے مندرجہ ذیل واقعہ نقل کرتے ہیں:

ان کے چچا کہتے تھے کہ میں صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ نماز کا وقت ہوا تو ہم نے نماز کے لیے اذان کہی اور فریق مقابل نے بھی اپنی جگہ پر اذان دی۔ ہم نے بھی جماعت کے لیے اقامت کہی اور انہوں نے بھی نماز کے لیے اقامت کہی پھر انہوں نے نماز ادا کی اور ہم نے بھی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ہم لوگوں کے سامنے یہ منظر تھا کہ ہمارے اور ان کے درمیان مقتولین پڑے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا:

① ((ما تقول فی قتلانا وقتلاہم؟ فقال من قتل منا ومنہم یرید وجہ اللہ والدار الاخرہ دخل الجنة))^۱

”یعنی ہمارے مقتولین اور ہمارے فریق مقابل کے مقتولین کے حق میں جناب کا کیا ارشاد ہے؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی رضا اور فکر آخرت کے ارادہ پر ہم دونوں فریق میں سے مقتول ہوا؟ وہ جنت میں جائے گا۔“

مطلب یہ ہے کہ دونوں فریق میں سے اخلاص کی بنا پر قتل ہونے والے شہید ہیں اور جنت میں جائیں گے کیونکہ یہ کفر و اسلام کی جنگ نہیں بلکہ اختلاف رائے پر ہوئی ہے اس میں غرض فاسد نہیں اور ہر فریق کو اپنا موقف اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

② اسی نوع کی ایک دیگر روایت کبار علماء نے نقل کی ہے اس میں بھی یہی مسئلہ درج ہے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صفین کے مقتولین کے متعلق حکم دریافت کیا گیا تو آنجناب نے واشکاف الفاظ میں فرمایا:

((قتلانا وقتلاہم فی الجنة))^۲

”یعنی ہمارے مقتولین اور ان کے مقتولین دونوں فریق جنت میں جائیں گے۔“

۱ سنن سعید بن منصور ص ۳۷۳ ج ۳ قسم ثانی روایت ۲۹۶۸ طبع مجلس علمی کراچی

۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۳ ج ۱۵ باب ما ذکر فی الصفین روایت ۱۹۷۲۶

مجمع الزوائد (پیشی) ص ۳۵ ج ۹ باب ماجاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (بحوالہ طبرانی)

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۹۵ ج ۳ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص ۱۴ ج ۱۶ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

کنز العمال (علی نقی ہندی) ص ۸۷ ج ۶ تحت وقعد الصفین طبع اول

تنبیہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مخالف فریق کے مقتولین کو بھی جنت کا مستحق فرما رہے ہیں۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ان مقتولین کو اپنے فعل میں ایک مجتہد کا مقلد قرار دیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مجتہد تھے اور ان کی مخالفت خطا، اجتہادی پر محمول تھی اور ان کے مقتولین اپنے مجتہد کی تقلید میں قتل ہوئے ہیں لہذا وہ بھی جنتی ہیں۔

مندرجات بالا کے ذریعے سے واضح ہو گیا کہ ان حضرات کے درمیان تحاسد و تعاندی کی بنا پر یہ واقعات پیش نہیں آئے۔ جہاں باہم حسد و عناد پایا جائے وہاں اس نوع کے تبصرے نہیں ہوتے اور حسن معاملات کے سارے وجوہ مفقود ہوتے ہیں۔

③ اسی طرح اس مضمون کو عام شععی جنت نے اپنی عبارت میں بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((قال الشعبي هم اهل الجنة لقي بعضهم بعضا فلم يفر أحد من أحد))^۱
 ”یعنی اہل صفین اہل جنت میں سے ہیں ان کے بعض کا بعض سے قتال ہوا لیکن کسی ایک نے بھی دوسرے سے فرار نہیں کیا۔“

اور چونکہ ان کا قتال اخلاص کی بنا پر تھا (اور دل میں عناد نہیں رکھتے تھے) اس وجہ سے یہ لوگ جنت کے مستحق ہیں۔

تنبیہ

مندرجہ بالا حوالہ جات میں سے بعض حوالے ہم اپنی کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۷۰ پر پیش کر چکے ہیں۔ یہاں اس مضمون میں مزید اضافہ کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں دونوں فریق کے مقتولین کی مغفرت کے متعلق چند ایک بشارات (بصورت خواب) بھی ان احاث کے آخر میں ہدیہ قارئین ہوں گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

چند فقہی احکام

جمل و صفین کے واقعات سے علمائے سلف نے بعض فقہی احکام مرتب کیے ہیں ان کی توضیح اس طرح کرتے ہیں کہ دور نبوت میں کفار اور مشرکین کے ساتھ جنگ اور قتال ہوا تو ان کے متعلقہ احکام اس دور میں معلوم ہو گئے چنانچہ بعد میں کفار سے جو قتال پیش آئے تو ان کے حق میں سابقاً احکام اور قواعد موجود تھے۔ لیکن جب اہل تاویل اور اہل بغی کے ساتھ یعنی اہل اسلام میں باہمی حروب و قتال واقع ہوئے تو ان کے متعلق فقہی احکام (مثلاً غسل، جنازہ، کفن دفن اور فراہم شدہ مال وغیرہ کے متعلق) صراحاً معلوم نہ تھے اور نہ

۱۔ الہدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر) ص ۷۷۷ تحت آخر تصد صفین

مدون تھے اور ان کی کوئی مثال و نظیر بھی قبل ازیں سامنے نہ تھی۔

جمل و صفین پیش آنے کے بعد ان واقعات - کو ذریعے سے اس صورت حال کے احکام معلوم ہوئے اور بعد کے علماء و فقہائے کرام نے باغیوں کے احکام یہیں سے حاصل کیے۔ گویا یہ جنگیں ان مسائل کی تشریح کے لیے ایک تکوینی مصلحت و حکمت کا درجہ رکھتی ہیں۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان

اور امام الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس مقام میں یہ مسئلہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ امور اختیار نہ کرتے تو اہل اسلام کے ساتھ قتال کے متعلقہ احکام کسی کو معلوم نہ ہوتے۔ الخ

چنانچہ ابن حجر کی رضی اللہ عنہ نے تطہیر البیان میں ذکر کیا ہے:

((وقد مر عن الشافعی رحمہ اللہ انه قال اخذت احکام البغاة والخوارج من مقاتلة علی رضی اللہ عنہ لاهل الجمل و صفین والخوارج))^۱

”یعنی امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ باغیوں اور خارجیوں کے متعلقہ فقہی احکامات میں نے ان لوگوں کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتال کرنے سے حاصل کیے ہیں۔“

اور صاحب احکام القرآن فاضل قرطبی رحمہ اللہ نے درج ذیل عبارت میں اس مسئلہ کو نقل کیا ہے:

((ان حکمة الله تعالى في حرب الصحابة التعريف منهم لاحكام قتال اهل التاويل۔ اذ كان احكام قتال اهل الشرك قد عرفت على لسان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وفعله))^۲

”قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی حرب و جنگ کی (تکوینی) حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اہل شرک و کفر سے قتال کے احکامات قول و فعل نبوی کے ذریعے سے واضح ہو چکے تھے، لیکن اہل تاویل سے قتال کے احکام معلوم نہ تھے وہ صحابہ کی جنگوں کی وجہ سے معلوم ہوئے۔“

جناب علی رضی اللہ عنہ نے ان واقعات کے بعد متعدد فرمودات جاری کیے تھے۔ ذیل میں ان سے بعض فقہی احکام بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔ مثلاً

① جس شخص نے اپنا دروازہ بند کر لیا اس کو ایذا نہ دی جائے اس کو امان ہے۔

۱ کتاب المناقب، امام اعظم، موفق بن احمد کی ج ۲ ص ۸۳ طبع دار فہم جار ف دکن، باب ۲۲

۲ تطہیر البیان (ابن حجر کی) الصواعق المحرقة ص ۳۱ فصل ثالث طبع مصر تحت تنبیہ۔

۳ تفسیر قرطبی، ص ۳۱۹ ج ۱۶ تحت الآیہ فاصلحوا بینہما۔ الخ (سورۃ الحجرات)

- ② ہتھیار ڈالنے والے پر امان ہے۔ (پھر تعرض نہیں کیا جائے گا)
 - ③ مدبر (پیٹھ پھیر کے جانے والے) کا تعاقب نہ کیا جائے۔
 - ④ اسیر (قیدی) کو قتل نہ کیا جائے۔
 - ⑤ زخمی کو مزید زخمی نہ کیا جائے۔
 - ⑥ مقتولین سے ہتھیار و لباس سلب نہ کیے جائیں۔
 - ⑦ مسلمان مرد کو غلام اور مسلمان عورت کو لونڈی نہ بنایا جائے۔
 - ⑧ کسی عورت کی پردہ درمی نہ کی جائے یعنی اسے بطور لونڈی کے حلال نہ کیا جائے۔
 - ⑨ شکست خوردہ لوگوں کے اموال کو مال غنیمت کا حکم نہ دیا جائے۔
 - ⑩ جس مال کا مالک متعین طریقہ سے معلوم ہو جائے اسے مالک کی طرف لوٹایا جائے۔
- اسی طرح کے فقہی احکام کی اصل وہ فرمان نبوی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن قدامہ نے ”المغنی“ میں اسے نقل کیا ہے:

((عن عبد الله بن مسعود رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ان النبي ﷺ قال: يا ابن ام عبد: فقال ما حكم من بغى على امتي؟ فقلت: الله ورسوله اعلم. فقال: لا يتبع مدبرهم ولا يجهز على جريحهم ولا يقتل اسيرهم ولا يقسم فينهم))^۱

”یعنی نبی کریم ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: جو میری امت پر بغاوت کرے اس کا کیا حکم ہے؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ جناب ﷺ نے فرمایا ان سے (جنگ سے) پشت دے کر جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے، ان کے زخمی کو مزید زخمی نہ کیا جائے اور ان کے قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور ان کے اموال کو فے کا حکم دے کر تقسیم نہ کیا جائے۔“

مندرجہ بالا فقہی احکامات کو محدثین و فقہاء و مورخین اور اکابر علمائے کرام نے اپنی تصانیف میں بوضاحت نقل کیا ہے۔ یہ مسئلہ کوئی پوشیدہ امر نہیں اہل علم حضرات بخوبی واقف ہیں۔ واقعہ صفین کے متعلق خاص طور پر یہی احکام علماء نے ذکر کیے ہیں۔ مثلاً ابن ابی شیبہ اور ابن سعد رضی اللہ عنہما وغیرہ لکھتے ہیں کہ:

((عن ابی امامة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قال: شهدت صفين فكانوا لا يجهزون على جريح ولا يطلبون موليا ولا يسلبون قتيلا))^۲

۱۔ المغنی (ابن قدامہ) ص ۵۳۲ ج ۸ تحت کتاب قتال اہل البغی۔

۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۳ ج ۱۲ طبع کراچی تحت کتاب الجہاد، روایت ۱۵۱۲۵

طبقات ابن سعد ص ۱۳۲ ج ۷ ق ۲ تحت ابی امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ طبع اول

”یعنی ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں واقعہ صفین میں حاضر تھا اس موقع پر صورت حال یہ تھی کہ مجروح کو مزید مجروح نہیں کرتے تھے اور پشت دے کر جانے والے کا تعاقب نہیں کرتے تھے اور کسی مقتول کا لباس و ہتھیار سلب نہیں کرتے تھے۔“

ان مسائل کو فقہائے کرام اور اکابر علماء نے اپنی اپنی عبارت میں مفصل تحریر کیا ہے۔ ذیل میں چند ایک حوالہ جات درج کیے جاتے ہیں، ارباب تحقیق وہاں رجوع فرما کر تسلی حاصل کر سکتے ہیں:

- ① اہلبسوط (سرخسی) ص ۱۲۶-۱۳۶ ج ۱۰ تحت باب الخوارج
- ② نصب الراية (زیلعی) ص ۴۶۳ ج ۳ کتاب السیر باب البغاة
- ③ فتح القدير (ابن ہمام) ص ۴۱۲ ج ۲ باب البغاة، طبع مصر
- ④ فتح الباری (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۷-۴۸ ج ۱۳ باب قصة الجمل
- ⑤ کنز العمال (علی متقی ہندی) ص ۸۴ ج ۶ کتاب الفتن من قسم الافعال
- ⑥ الفتنة وقعة الجمل ص ۱۸۱ باب سيرة علي فيمن قاتل يوم الجمل
- ④ تاریخ ابن جریر طبری ص ۶ ج ۶ تحت سنہ ۳۷ھ

مذکورہ احکامات جو جمل و صفین کے متعلق ذکر کیے جاتے ہیں ان کو شیعہ کے کبار علماء نے بھی اسی نوعیت سے درج کیا ہے۔ ہم ذیل میں صرف حوالہ جات ذکر کرتے ہیں یہاں ان کتب کی عبارت درج کرنے میں طوالت ہوتی ہے۔ ناظرین کرام رجوع کر کے تسلی فرما سکتے ہیں:

- ① وقعة الصفين (نصر بن مزاحم منقري شيعي) ص ۲۳۰ تحت خطبة علي في التحريض على القتال، طبع مصر
- ② الاخبار الطوال (ابو حنيفة احمد بن داود دینوری شيعي) ص ۱۵۱ تحت وقعة الجمل، طبع مصر
- ③ علل الشرائع (ابن بابويه قمی شيعي) ص ۶۰۳ باب ۳۸۵ نوادر العلل۔

مختصر یہ ہے کہ علمائے کرام کے فرمان کے مطابق ان جنگوں سے قبل اہل اسلام میں قتال ہونے کے متعلق بعض فقہی احکام مستور تھے ان کے ”تکوینی مصالح“ بھی معلوم نہ تھے جو ان کے وقوع کے بعد سامنے آئے۔ ان چیزوں کو مالک کریم جل شانہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس طرح کیوں ہوا؟ یہ چیزیں ہم لوگوں کے فہم و ادراک کی رسائی سے بالاتر ہیں۔

⑤ واقعات ہذا اکابرین امت کی نظروں میں

اہل علم فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جن ایام میں باہمی مشاجرات و محاربات وقتی طور پر پیش آئے وہ ابتلا کا دور تھا اور اسے ”دور فتن“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس دور کے احکام پر امن دور کے ایام سے مختلف ہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ان مشاجرات کے مسائل میں دونوں فریق سے الگ

اور غیر جانبدار رہی اور کسی فریق کے ساتھ حمایت نہیں کی۔ ان حضرات کو ”قاعدین“ اور ”معتزلین“ کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ:

((وكان من الصحابة فريق لم يدخلوا في شيء من القتال))^۱

”یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو جدال و قتال کے ان واقعات میں کسی ایک فریق کے ساتھ بھی شامل نہیں ہوئی اور الگ رہی۔“

قاعدین حضرات کا موقف

① ان حضرات کا موقف تھا کہ بعض نصوص میں وارد ہے کہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ قتال کے ایام میں علیحدگی اختیار کرنا بہتر ہے۔

② نیز اہل اسلام کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر وعیدات وارد ہیں یہ بات ان کے پیش نظر تھی۔

③ دیگر یہ چیز بھی ان کے سامنے تھی کہ اس فتنہ کے مفاسد اس کے مصالح پر غالب آتے جا رہے ہیں اور ان کی اصلاح کی کوئی صورت سامنے نہیں آ رہی اس وجہ سے بھی ان امور سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

چنانچہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف ابن حجر رضی اللہ عنہ نے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وكان ابو مسعود رضي الله عنه على رأي ابي موسى رضي الله عنه في الكف عن القتال تمسكا بالاحاديث الواردة في ذلك وما في حمل السلاح على المسلم من الوعيد))^۲

”یعنی کف عن القتال کے معاملہ میں مسلمانوں کا مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے مسئلہ میں وعید موجود ہونے کی وجہ سے ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا وہی خیال تھا جو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا خیال تھا یعنی وہ ان امور میں عملاً حصہ لینے کے حق میں نہیں تھے۔“

اسی چیز کو شرح طحاویہ میں یہ عبارت ذیل بیان کیا گیا ہے:

((وقعد عن القتال اكثر الاكابر لما سمعوه من النصوص في الامر بالقعود في الفتنة ولما رأوه من الفتنة التي تربو مفسدتها عن مصلحتها))^۳

اغتہاہ

مقصد یہ ہے کہ ایک جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مشاجرات ہذا سے اجتناب کرنا اور غیر جانبدار رہنا یہ

۱ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۵۰۱، ۵۰۲ ج ۲ تحت ترجمہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (مع الاستیعاب)

۲ فتح الباری شرح بخاری ص ۵۰ ج ۳ تحت باب قصة الجمل

۳ شرح الطحاوی فی العقیدۃ السلفیہ ص ۳۳۱ تحت بحث ہذا، مطبوعہ مکتبۃ الریان

اہل اسلام کے لیے عملی سبق اور خاموش نصیحت ہے کہ ان تنازعات میں حصہ نہ لیا جائے اور یہاں جواز و عدم جواز کی بحثیں قائم نہ کی جائیں۔ ایک فریق کی طرفداری کر کے دوسرے فریق پر الزامات عائد نہ کیے جائیں اور تنقیدات کا باب مفتوح نہ کیا جائے ان مسائل میں بحث و مباحثہ سے کف لسان کیا جائے اور زبان طعن دراز نہ کی جائے اور دشنام طرازی سے زبان کو بچایا جائے۔

اسی میں ایمان کی خیر اور دین کی سلامتی ہے اور یہی طریق کبار علمائے اسلام کے نزدیک اسلم ہے اور اہل دیانت کے ہاں یہ شیوہ مستحسن ہے۔

سلف صالحین کی ہدایات

مشاجرات بین الصحابہ کے مسئلہ پر اکابر تابعین اور دیگر علمائے امت کے بے شمار فرمودات بطور نصیحت کے کتابوں میں مرقوم ہیں ان میں سے بقدر ضرورت چند ایک ناظرین کی خدمت میں تحریر کیے جاتے ہیں ایک منصف مزاج اور ذہین شخص کے لیے یہ کافی دوانی ہیں۔

① جلیل القدر بزرگ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (جو اپنے عدل اور انصاف میں مشہور ہیں) کی خدمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقشات اور اختلافات کا ذکر بعض افراد نے کیا (جیسا کہ لوگ اپنی مجالس میں گزشتہ واقعات کو تجزیہ و تبصرہ کی خاطر دہرایا کرتے ہیں) تو اس صورت کو دیکھ کر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

((قال (محمد بن النضر) ذکروا اختلاف اصحاب محمد ﷺ عند عمر بن

عبدالعزیز فقال امر اخرج اللہ ایدیکم منہ ما تعملون السنتکم فیہ؟))^۱

”یعنی یہ وہ معاملات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں کو دور رکھا تو پھر تم اپنی زبانوں کو

اس میں کیوں ملوث کرتے ہو؟“

مطلب یہ ہے کہ تمہیں زبان استعمال کر کے ان چیزوں میں حصہ نہیں لینا چاہیے اور آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔

② اسی نوعیت کی ایک دوسری روایت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے صاحب طبقات ابن سعد نے نقل

کی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہما اور اہل جمل و صفین کے درمیان جو

واقعات پیش آئے ان کے متعلق عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا تو اس خلیفہ عادل نے معقول انداز

میں بہترین جواب دیا کہ:

((سئل عمر بن عبدالعزیز عن علی و عثمان رضی اللہ عنہما والجمیل و صفین ہا کان

بینہم فقال تلك دما یدی اللہ یدی عنہا وانا اکرہ ان اغمس لسانی فیہا))^۲

۱ طبقات ابن سعد ج ۲۸۲ ص ۵ تحت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

۲ طبقات ابن سعد ج ۲۹۱ ص ۵ تحت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (طبع لیڈن)

”فرمایا کہ یہ خون ریزی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ کو دور رکھا تو میں اب اپنی زبان کو اس میں ملوث کرنا پسند نہیں کرتا (یعنی استعمال نہیں کرنا چاہتا اور کسی طرف حصہ نہیں لیتا)۔“

ان مشاجرات کے حق میں خلیفہ منصف کے یہ نصائح اور عملی ہدایات ہیں کہ ان واقعات میں کلمہ خیر کے بغیر زبان استعمال نہ کی جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات میں حرف شکایت زبان پر نہ لایا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اور اس میں اپنی رائے زنی کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

③ علامہ قرطبی رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر میں مشاجرات بین الصحابہ کے مسئلہ کے متعلق اکابرین امت کی آرا اور ان کی ہدایات بہترین پیرائے میں درج کی ہیں۔ ایک بزرگ محاسبی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے یہ ارشادات نقل کیے ہیں۔ قرطبی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

((وقد سئل الحسن البصری عن قتالهم فقال: قتال شهدہ اصحاب محمد ﷺ وغنبا وعلما وجہلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا قال المحاسبی رضی اللہ عنہ نحن نقول كما قال الحسن ونعلم ان القوم كانوا اعلم بما دخلوا فيه منا وابتدع ما اجتمعوا عليه ونقف عند ما اختلفوا فيه ولا تبتدع رايانا منا. ونعلم انهم اجتهدوا وارادوا الله عزوجل اذ كانوا غير متهمين في الدين ونسأل الله التوفيق))^۱

”یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات اور قتال کے حق میں جناب حسن بصری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ یہ کیسے پیش آئے تھے؟ اور ان کا حکم کیا ہے؟ اور ہمیں ان میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ تو اس پر جناب حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ:

① نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان معاملات میں موجود اور حاضر تھے ہم لوگ موجود نہ تھے بلکہ غائب تھے۔

② (شرکائے واقعہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان امور کو ہم سے بہتر جانتے تھے، ہم نہیں جانتے (کہ یہ واقعات کیسے اور کس طرح پیش آئے؟)

③ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن امور پر مجتمع اور متفق ہوئے ان میں ہم ان کی اتباع کرتے ہیں۔

④ اور جن چیزوں میں ان کا اختلاف اور تنازع واقع ہوا ہم ان چیزوں میں توقف اختیار کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ان زریں فرمودات کے بعد جناب محاسبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بھی

حضرت شیخ حسن بصری رضی اللہ عنہ کے فرمان کے موافق قول کرتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے ہدایت فرمائی اور ہمارا یقین ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم سے زیادہ عالم تھے جن امور میں وہ داخل ہوئے پھر جن چیزوں پر ان کا اجتماع ہو گیا اس میں ہم ان کے پیروکار ہیں اور جن امور میں ان کا اختلاف ہو گیا ان میں ہم مداخلت نہیں کرتے بلکہ توقف اور اجتناب کرتے ہیں اور ہم اپنی طرف سے کوئی جداگانہ رائے قائم نہیں کرتے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ انھوں نے اخلاص کی بنا پر مجتہدانہ رائے قائم کی (پھر اس پر گامزن ہوئے) یہ لوگ دین کے معاملہ میں غیر متہم تھے اللہ تعالیٰ سے ہم خیر کی توفیق طلب کرتے ہیں اور ان کے بارے میں حسن ظن اور نیک گمان رکھتے ہیں۔“

④ سابقہ ہدایات کی طرح امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس مسئلہ میں یہ نصیحت منقول ہے:

((قال الشافعی رحمہ اللہ وغیرہ من السلف تلك دما طهر الله عنها ايدنا فلنطهر عنها السنن))^۱

”یعنی امام شافعی رضی اللہ عنہ اور دیگر سلف صالحین کا فرمان ہے کہ یہ وہ خون ریزیاں ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا پس ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں اور بچائے رکھیں۔“

یہ ان حضرات کی اس مسئلہ میں بڑی قیمتی ہدایات ہیں ان کو پیش نظر رکھنا ہمارا دینی و اخلاقی فرض ہے۔

⑤ مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسئلہ میں اکابرین کے فرامین ایک تسلسل کے ساتھ ہم ذکر کر رہے ہیں اسی طریقہ کے مطابق حضرت شیخ المشائخ جناب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا جاتا ہے اس میں حضرت شیخ نے اس مسئلہ پر نہایت عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات کے حق میں کف کرنے اور ان کے عیوب و نقائص بیان کرنے سے رکنے پر اور ان کے فضائل و محاسن کے اظہار پر اہل سنت والجماعت متفق ہیں ان کا معاملہ اللہ کریم کے سپرد ہے جس طریقہ پر بھی پیش آیا۔

حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ، زبیر، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو اختلاف ہو ان تمام چیزوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور ہر فضیلت والے کو اس کے موافق فضیلت دینا درکار ہے۔

۱ شرح مواقف ص ۳۷۳ ج ۸ طبع مصر تحت المقصد السابع انه يجب تعظیم الصحابه کلہم۔

الجامع لاحکام القرآن (قرطبی) ص ۳۲۱-۳۲۲، الجزء سادس عشر تحت وان طانفتان من المومنین الخ (المجرات)

((واتفق اهل السنة على وجوب الكف عما شجر بينهم والامساك عن مساويهم واطهار فضائلهم ومحاسنهم وتسليم امرهم الى الله عزوجل على ما كان وجرى من اختلاف على و طلحة و الزبير و عائشة و معاوية رضي الله عنهم على ما قدمنا بيانه و اعطاء كل ذي فضل فضله..... الخ))^۱

- ⑥ نیز علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس قتال کے متعلق نصیحت کی ہے اور ساتھ ہی دلائل بھی ذکر کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان حضرات میں سے کسی ایک صحابی کے حق میں خطا کو متعین طور پر نسبت کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے ان افعال میں مجتہد کی حیثیت میں تھے اور اخلاص کی بنا پر ان سے یہ افعال صادر ہوئے۔ یہ تمام حضرات ہمارے لیے پیش رو اور مقتدر امام ہیں ہمیں ان کے باہمی مناقشات کے متعلق رکنے کے لیے حکم ہے اور ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کا ذکر خیر کے ساتھ کریں برائی کے ساتھ نہ کریں۔
- ① ایک وجہ تو یہ ہے کہ انھیں صحبت نبوی کا شرف حاصل ہے اور اس کا بہت بڑا احترام ہے۔
- ② دوسرا یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق سب اور طعن کرنے سے ہمیں منع فرمایا ہے۔
- ③ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خطائیں معاف فرمادی ہیں اور اس نے ہمیں ان کے حق میں رضامندی کی خبر دے رکھی ہے۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((لا يجوز ان ينسب الى احد من الصحابة خطأ فعلوه مقطوع به اذا كانوا كلهم اجتهدوا فيما فعلوه وارادوا الله عزوجل وهم كلهم لنا ائمة وقد تعبدنا بالكف عما شجر بينهم لا نذكرهم الا باحسن الذكر لحرمة الصحبة ونهى النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن سبهم وان الله غفر لهم واخبر بالرضا عنهم))^۲

”یعنی یہ جائز نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو یقینی طور پر خطا پر کہا جائے کیونکہ وہ سب کے سب ان کاموں میں جو انھوں نے کیے مجتہد کے درجہ میں تھے اور ان سب کے پیش نظر اللہ کی رضا تھی صحابہ سب ہمارے لیے امام ہیں اور جو کچھ ان میں اختلافات ہوئے ان سے زبان کو روک رکھنا ایک عبادت ہے اور ہم انھیں اچھے ذکر کے سوا اور کسی طرح یاد نہیں کرتے۔ یہ ان کی صحابیت کا احترام ہے اور اس لیے بھی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بے شک انھیں بخش دیا ہے اور اس نے اپنے ان سے راضی ہونے کی خبر بھی دے دی ہے۔“

۱ غنیۃ الطالبین ص ۱۳۰ (شیخ عبدالقادر جیلانی) تحت فصل و تعقد اهل السنة نول کشور لاہور

۲ الجامع الاحکام القرآن (قرطبی) ص ۳۲۱ ج ۱۶ تحت آیت وان طانفتان من المومنین الخ (المحجرات) طبع مصر۔

⑥ مشاجرات بین الصحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق جس طرح ہم نے سابقہ اکابرین امت کے اقوال ذکر کیے ہیں اسی طرح اب اس بحث کے اختتام پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ایک قول ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے فتح الباری میں تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

”صحابہ کرام میں جو تنازعات پیش آئے ان کی وجہ سے کسی ایک پر بھی طعن کرنے اور عیب لگانے سے اہل سنت والجماعت نے منع کیا ہے اور اس منع پر اہل السنۃ کا اتفاق ہے اگرچہ یہ جانا جائے کہ کون حق پر ہے وجہ یہ ہے کہ یہ باہمی حروب اجتہاد کی بنا پر تھیں (عناد اور نسلی عصبیت کی بنا پر نہ تھیں) اللہ تعالیٰ نے اجتہاد میں خطا کرنے والے کو معاف فرما دیا ہے۔ بلکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مجتہد مصیب کو دوا جردیے جاتے ہیں اور مجتہد مخطئ کو سزا جرم ملتا ہے۔“

((واتفق اهل السنة على وجوب منع الطعن على احد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذلك ولو عرف المحقق منهم لانهم لم يقاتلوا في تلك الحروب الا عن اجتهاد وقد عفا الله تعالى عن المخطئ في الاجتهاد بل ثبت انه يوجر اجرا واحدا وان المصيب يوجر اجرين كما سيأتي بيانه في كتاب الاحكام))^۱

یہ تمام فرمودات اپنے اپنے مفہوم میں واضح ہیں ان پر مزید کسی تشریح کی حاجت نہیں۔

ہدایات کا ماخذ

گزشتہ صفحات میں سلف صالحین کی متعدد روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان کا اصل ماخذ بعض وہ روایات ہیں جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں مثلاً:

((عن حذيفة بن يمان رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ يكون بين ناس من اصحابي فتنة يغفرها الله لهم لصحبتهم اياي - يستن بهم فيها ناس بعدهم يدخلهم الله بها النار))^۲

”یعنی آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ میں فتنہ ہوگا میری صحبت کی وجہ سے ان کی مغفرت ہو جائے گی۔ ان کے طریقہ پر ان کے بعد بعض لوگ فتنہ میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں داخل کرے گا۔“

۱ فتح الباری شرح بخاری ص ۲۸ ج ۱۳ کتاب الفتن باب اذا تقى المسلمین بسببہما

۲ تفسیر احکام القرآن (قرطبی) ص ۳۹۱ ج ۷ تحت آیت واتقوا فتنه لا تصيبن الذين ظلموا۔ الخ

مجمع الزوائد (بیہقی) ص ۳۳۳، ۳۳۴ ج ۷ باب فیما کان فی الجمل والصفین وغیرہما۔

حاصل یہ ہے کہ ”جمل و صفین“ جیسے فتنوں میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مبتلا ہوئے احادیث کی روشنی میں ان کی مغفرت اور بخشش ہو جائے گی۔ لیکن بعد والے لوگ جو اس طرح کی جنگ کھڑی کریں گے وہ دوزخ میں جائیں گے۔

ان ارشادات نبوی کے پیش نظر اکابرین امت نے اہل اسلام کو مذکورہ ہدایات و نصائح فرمائے ہیں کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرنے اور نقد و جرح کرنے سے کلی اجتناب کیا جائے کیونکہ ان کی مغفرت فرما دی گئی ہے۔

① حاصل یہ ہے کہ تنازعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بطور نقد و تنقید حصہ لینے سے اکابرین امت نے منع فرمایا ہے اور کف لسان کرنے کی ہدایات کی ہیں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

② ان کے ان معاملات میں حسن ظن رکھنے کا فرمان دیا ہے۔

③ اسی چیز میں دنیا و عقبیٰ کی سلامتی نسمر ہے اور حفاظت دین و ایمان کے لیے اسلم اور محتاط طریق یہی ہے۔

آخر کلام

اس طویل سمع خراشی سے مقصد یہ ہے کہ جمل و صفین والوں کے حق میں ہمارے نظریات سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے فرمودات کے موافق ہونے چاہئیں اور ہمارے تاثرات ان کے خلاف نہیں ہونے چاہئیں اور جداگانہ رائے زنی سے اجتناب اور جدید تجزیہ و تبصرہ سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ ہمارا ایمان محفوظ رہے۔

اہل صفین کے حق میں روئے صالح

اب ہم اہل صفین کے حق میں دو عدد بشارتیں بطریق خواب ذکر کرتے ہیں جو مسئلہ ہذا کی تائید میں پیش کرنے کے قابل ہیں امید ہے ناظرین کرام انھیں بنظر استحسان دیکھیں گے۔

یہ روئے صالح ہے جن کو اکابر محدثین اور مورخین نے اپنی معتد تصانیف میں ذکر کیا ہے اور اہل صفین کے حق میں یہ ”بشارت عظمیٰ“ تصور کی جاتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ دلائل شرعیہ اور تاریخی شواہد کی موجودگی میں اگرچہ اس کی چنداں حاجت نہیں تاہم فطری طور پر ”روئے صالح“ اور ”مبشرات صادقہ“ سے ایک قسم کا اطمینان اور سکون نیک طبائع میں پیدا ہو جاتا ہے۔

بنا بریں ذیل میں اس واقعہ کے متعلق چند مبشرات صحیحہ درج کی جاتی ہیں جنہیں کبار علماء نے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے اور ان کو رد نہیں کیا۔ یہ چیز عند العلماء قبولیت کی علامت ہے۔

ابو میسرہ کا خواب

تابعین میں ایک بزرگ عمرو بن شریمل رضی اللہ عنہ گزرے ہیں جن کی کنیت ابو میسرہ ہے۔ یہ حضرت عمر

فاروق، حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے مشہور تلمیذ اور ان سے ثقہ راوی ہیں۔ آپ بڑے راست گو اور معتمد شخصیت تھے علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابو میسرہ رضی اللہ عنہ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں شریک قتال تھے۔ ابو میسرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اہل صفین کے معاملہ کے متعلق بڑے تردد اور پریشانی میں تھا اور میں ان دونوں فریق کے درمیان کوئی فیصلہ کن بات معلوم نہیں کر سکا تھا۔

پس اس حالت میں مجھے ایک خواب میں دکھایا گیا کہ میں جنت میں داخل ہو کر اہل صفین کے پاس پہنچا ہوں وہ ایک سرسبز باغ میں ہیں اور وہاں نہریں چل رہی ہیں پھر وہاں میں نے جنتیوں کے خیمے لگے ہوئے دیکھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کن لوگوں کے خیمے ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ خیمے ذوالکلاع اور حوشب کے لیے ہیں (یہ دونوں بزرگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے) اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کہاں ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ ان کا مقام اور قیام آگے ہے۔ میں نے کہا یہ کیسے ہوا حالانکہ بعض نے بعض کو قتل کیا تھا؟ جواب دیا گیا کہ ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کو واسع المغفرت پایا پس اس نے ان سب کی مغفرت فرمادی۔ پھر میں نے پوچھا کہ اہل نہروان کا کیا ہوا؟ تو اس کے متعلق جواب ملا کہ وہ شدت اور سختی میں ڈال دیے گئے ہیں۔

ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((عن ابی وائل قال رای فی المنام ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل وکان افضل اصحاب عبداللہ (بن مسعود رَضِيَ اللهُ عَنْهُ) قال رأیت کانی ادخلت الجنة فرأیت قبابا مضروبة فقلت لمن هذه؟ فقیل هذا لذی الکلاع وحوشب وکانا ممن قتل مع معاویة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ یوم صفین۔ قال قلت و ابن عمار واصحابه؟ قال امامک۔ قلت کیف وقد قتل بعضهم بعضا؟ قال فقیل انهم لقوا الله فوجدوه واسع المغفرة قال قلت فما فعل اهل النهر؟ قال فقیل لقوا برحاً))

ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ خواب کو مندرجہ ذیل محدثین اور مورخین نے بھی اپنی اپنی عبارات کے ساتھ اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ ذیل میں ہم صرف ان کے حوالہ جات نقل کرتے ہیں تاکہ اہل تحقیق رجوع فرما کر تسلی کر سکیں۔ عبارات نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔ ان تمام حوالہ جات میں سب سے مفصل واقعہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔ اور مندرجہ بالا عبارت مصنف ابن ابی شیبہ کی ہے۔

- ① کتاب السنن (سعید بن منصور خراسانی) ص ۳۶۹ ج ۳ باب جامع الشہادۃ طبع مجلس علمی
- ② طبقات ابن سعد ص ۱۸۸، ۱۸۹ ج ۳ آخر ترجمہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما (طبع لیڈن)
- ③ کتاب المعروف والتاریخ (بسوی) ص ۳۱۴ ج ۳ طبع بیروت
- ④ حلیۃ الاولیاء (ابو نعیم اصفہانی) ص ۱۴۳ ج ۴ تحت عمرو بن شریح صلی اللہ علیہ وسلم
- ⑤ السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۷۴ ج ۸ تحت قتال اہل النہی، طبع حیدرآباد، دکن
- ⑥ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوط) ص ۳۷۹ ج ۵ تحت حوشب بن سیف
- ⑦ العمر (ذہبی) ص ۴۰ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ
- ⑧ مرآة الجنان (یافعی) ص ۱۰۳-۱۰۴ ج ۱ تحت سنہ ۳۷ھ
- ⑨ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۳۸۲ ج ۱ تحت الحوشب ذو ظلم
- ⑩ الناہیہ عن طعن معاویہ رضی اللہ عنہ: (مولانا عبدالعزیز) ص ۷ طبع ملتان

متنبیہ

مذکورہ بالا قریباً دس عدد علمائے کرام کے حوالہ جات پیش کیے گئے ہیں ان حضرات میں سے بعض نے ان اسناد کے صحیح ہونے کی تصریح فرمادی ہے۔ مثلاً حافظ ذہبی، بسوی، یافعی اور ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہم نے اس روایت کی صحت کی تصریح کی ہے نیز ان حضرات نے واقعہ ہذا کے نقل کرنے کے بعد اس کی تردید نہیں کی۔ پس یہ چیز اس کے قابل قبول ہونے کے لیے کافی ہے۔

(۲) بشارت ثانیہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا خواب

صالح خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اپنے دور کے اکابر تابعین میں مشہور ثقہ اور معتمد شخصیت ہیں۔ ان کا ایک خواب محدث ابوبکر بن ابی الدنیا رضی اللہ عنہ نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور دیکھا ہوں کہ ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما جناب کی خدمت اقدس میں حاضر ہیں میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا اور ایک طرف بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے۔ پھر ان دونوں کو ایک مکان میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ پھر جلد ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس مکان سے برآمد ہوئے اور کہنے لگے ”رب کعبہ کی قسم! اس معاملہ کا میرے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے۔“ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس مکان سے باہر آئے اور یوں کہہ رہے تھے کہ ”رب کعبہ کی قسم! میرے لیے مغفرت فرمادی گئی۔“

ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے البدایہ میں ابن ابی الدنیا رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ تمام واقعہ نقل کیا ہے اصل عبارت اہل

علم کے اطمینان کے لیے تحریر کی جاتی ہے:

((عن عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام و ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جالسان عنده فسلمت علیہ و جلست۔ فیینما انا جالس اذا اتی بعلی و معاویة رضی اللہ عنہما فادخلا بیتا واجیف الباب وانا انظر فما کان باسرع من ان خرج علی رضی اللہ عنہ و هو یقول قضی لی و رب الکعبة۔ ثم ما کان باسرع ان خرج معاویة رضی اللہ عنہ و هو یقول غفر لی و رب الکعبة))^۱

مندرجہ بالا روایے صالحہ کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مشہور تصنیف ”کیسائے سعادت“ میں یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے۔ اہل علم کی تسلی کے لیے عبارت بعینہ درج کی جاتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ:

”عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ میگوید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بخواب دیدم با ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نشستہ چون با ایشان نشستم ناگاہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما را بیاوردند و در خانہ فرستادند و در بہ بستمند۔ در وقت علی رضی اللہ عنہ را دیدم کہ بیرون آمد و گفت قضی لی و رب الکعبہ یعنی حق مرا نہاند پس بزودی معاویہ رضی اللہ عنہ بیرون آمد و گفت غفر لی و رب الکعبہ مرا نیز عفو کردند و بیا مرزیدند۔“^۲

”اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں بھی آپ کی خدمت اقدس میں بیٹھ گیا تو ناگہاں حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو لایا گیا اور ایک مکان میں داخل کر کے اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! میرے حق میں فیصلہ ہوا ہے اور پھر جلد ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور آ کر کہا کہ رب کعبہ کی قسم! مجھے معاف کر دیا گیا اور بخش دیا گیا ہے۔“

ان بشارات کی روشنی میں مسئلہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی نے صفین والے حضرات کے ساتھ عفو اور معافی کا معاملہ فرما دیا ہے اور ان کی باہمی آویزشوں سے درگزر فرما کر مغفرت فرمادی ہے۔ فلہذا ہم لوگوں کو بھی ان کے حق میں حسن ظن رکھنا لازم ہے اور ان کے متعلق بدگمانی اور سوء ظنی سے پرہیز کرنا ضروری ہے (جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر کیا گیا ہے)۔

۱۔ کتاب الروح (ابن قیم) ص ۳۱ تحت مسئلہ ثالث طبع حیدرآباد دکن۔

الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۰ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (ماوردی مناقبہ وفضائل) طبع مصر

۲۔ کیسائے سعادت فارسی ص ۲۸۴ طبع محمدی ممبئی تحت پیدا کردن احوال مردگان کہ کشف شدہ است بطریق خواب

متنبیہ

بحث ہذا کے آخر میں رفع شبہ کے طور پر چند کلمات درج کیے جاتے ہیں۔
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خواب محض وہم اور گمان ہوتا ہے اس بنا پر اس پر کچھ اعتماد نہیں اور نہ اس سے
کوئی صحیح تاثر لیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلے میں چند امور تحریر کیے جاتے ہیں:

در اصل خواب کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض ”رؤیائے صالحہ“ اور صحیح ہوتے ہیں اور بعض محض وہم اور
پریشان خیالی ہوتی ہے جس کو ”اضغاث احلام“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

صحیح خواب (رؤیائے صالحہ) کے متعلق قرآن مجید میں متعدد واقعات موجود ہیں مثلاً:

① حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے متعلق اِنِّیْ اٰتٰی فِی
النَّوْمِ اٰتٰی اَذْبَحُكَ فَاَنْظُرْ مَا ذَا تُرٰی..... الخ

② حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اِنِّیْ رَاٰیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّ الشَّمْسَ وَّ الْقَمَرَ رَاٰیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ

(سورۃ یوسف)

③ حضور نبی کریم ﷺ کا خواب مبارک جس کا ذکر لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّعُوْبَا بِالْحَقِّ ۗ لَتَدْخُلَنَّ
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ..... الخ (سورۃ فتح) میں فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح دیگر بھی کئی رؤیا کے واقعات صحیحہ پائے جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں بھی صحیح رؤیا کے متعلق متعدد روایات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

① جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد نبوت باقی نہیں ہے الا المبشرات۔ لوگوں نے
عرض کیا کہ مبشرات کیا ہیں؟ تو آنحضور ﷺ نے فرمایا:

((الرویا الصالحة یراها الرجل الصالح او تری له))^۱

”یعنی مبشرات کی تشریح فرماتے ہوئے آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ وہ نیک خواب ہیں جو نیک

انسان خود دیکھتا ہے یا اس کے حق میں کوئی دوسرا شخص دیکھتا ہے۔“

② نیز آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں مگر رؤیائے صالحہ ہے۔

((لیس یرقی بعدی من النبوة الا الرویا الصالحة))^۲

۱ موطا امام مالک ص ۳۸۷ باب ماجاء فی الرؤیا طبع مجتہائی دہلی

مسند دارمی ص ۲۷۲ کتاب الرؤیا باب فی قوله تعالیٰ لهم البشری..... الخ

۲ موطا امام مالک ص ۳۷۸ تحت باب ماجاء فی الرؤیا طبع دہلی۔

ان احادیث کی روشنی میں متعدد واقعات رویائے صالحہ کے متعلق پائے جاتے ہیں مثلاً:

① حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا خواب موطا امام مالک میں مذکور ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تین چاند میرے حجرہ میں آ کر گرے ہیں۔ پس میں نے اس خواب کو اپنے والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیان کیا۔ پھر جب آنجناب رضی اللہ عنہم کا وصال مبارک ہوا اور میرے حجرے میں ہی آنجناب رضی اللہ عنہم دفن ہوئے تو اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ:

((هذا احد اقمارك وهو خيرها))^۱

”یعنی یہ ان تین چاندوں میں سے ایک ہیں اور یہ ان سب سے بہتر ہیں۔“

② دوسرا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خواب ہے جو آپ نے جمعہ کے روز خطبہ میں ذکر فرمایا:

((ايها الناس اني رايت ديكا احمر نقرني نقرتين ولا اري ذالك الا حضور اجلي))^۲

”یعنی اے لوگو! میں نے ایک سرخ مرغ دیکھا ہے کہ اس نے دو چونچیں مجھ پر لگائیں، اور اس سے میں نے اپنے انتقال کو قریب سمجھا ہے۔“

اس نوع کے بہت سے رویائے صحیحہ دستیاب ہو سکتے ہیں لیکن تائید مسئلہ کے لیے مندرجہ بالا اشیاء کافی ہیں۔

مذکورہ امور کی روشنی میں یہ ہر ادخواب جو اہل صفین کے حق میں ہم نے ذکر کیے ہیں ان کو ”حجت اقلی“ کے درجہ میں قبول کیا جاتا ہے اور ان کو محض وہم اور خیال قرار دے کر رد نہیں کیا جا سکتا۔ پس ان کی وہی حیثیت ہے جو ایک صحیح خواب کی ہوتی ہے اور ایک ایماندار شخص کے لیے قابل اطمینان ہے اور صالح طبائع کے لیے سکون قلبی کی خاطر مفید ہے۔

فلہذا اہل صفین کے حق میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ مالک کریم نے ان کی مغفرت کا سامان فرما کر ان کو نجات دے دی ہے۔ وما ذالك على الله بعزیز۔

چند واقعات

جنگ صفین کے بعد واقعہ تحکیم میں جب ناکامی ہوئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل شام سے اپنے لیے خلافت کی بیعت لے لی، اور بیعت ہذا ذی القعدہ ۳۷ھ میں منعقد ہوئی۔ اس سے قبل آپ اپنے سابقہ منصب امیر شام ہونے کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور خلافت کے مدعی نہیں تھے۔

۱ موطا امام مالک ص ۸۰ تحت باب ما جاء في دفن الميت۔ طبع دہلی

۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲-۲۳ ج ۱۱ بحث ما عبره عمر رضی اللہ عنہ (طبع کراچی)

((ثم لما كان من امر الحكمين ما كان واختلف اهل العراق على علي رضي الله عنه و بايع اهل الشام معاوية رضي الله عنه بالخلافة))^۱

”یعنی حکمین کا معاملہ (تحکیم کے مسئلہ میں) جو ہوا سو ہوا، اور اہل عراق بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر آپس میں مختلف ہو گئے تو اہل شام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کر لی۔“
اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن عراق میں اب پہلی سی نہ رہی تھی اور حکمین کی اس رائے نے کہ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ نہ رہیں نہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر رہیں نئے حالات پر اثر ڈالا۔
اسی مسئلہ کو حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے یہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((وقد كانوا استفحل امرهم حين انصرف علي رضي الله عنه من صفين وحين كان من امر التحكيم ما كان و حين نكل اهل العراق عن قتال اهل الشام وقد كان اهل الشام حين انقضت الحكومة بدومة الجندل سلموا علي معاوية رضي الله عنه بالخلافة وقوى امرهم جدا))^۲

”یعنی جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ صفین سے واپس ہوئے اور تحکیم کا معاملہ جو ہوا سو ہوا تو اس معاملہ کی اہمیت بڑھ گئی اور جب اہل عراق اہل شام کے قتال سے رجوع کرنے لگے اور حکومت کا نظام دومۃ الجندل پر جاتا رہا تو اہل شام نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور ان کا معاملہ بہت قوی ہو گیا۔“

مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا گیا اور آپ اہل شام کے لیے خلیفہ اور امیر متعین ہو گئے۔

تحکیم میں ناکامی کے واقعہ سے لے کر جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح (۴۰ھ) تک کے درمیانی دور میں فریقین کے عمال اور فوجی قائدین کے درمیان جو تصادم و تعارض کے مختلف واقعات پیش آئے ان کی حیثیت مقامی اور وقتی طور پر عبوری دور کی جھڑپوں سے زیادہ نہیں خود حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین اس دور میں کوئی معرکہ قائم نہیں ہوا۔

اب اس دور کے چند ایک واقعات ذکر کیے جاتے ہیں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے کچھ قابل ذکر ہیں، تمام تفصیلات پیش کرنا یہاں مقصود نہیں۔

۱ تاریخ ابن خلدون ص ۱۱۴۵ ج ۲ تحت ۱۱۰ یہ عمرو بن العاص مصر

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۷۴ ج ۱ تحت وقعة الصفین ۳۷ھ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۳ ج ۷ تحت سنہ ۳۸ھ

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مقام پر مصر کے بارے میں اپنے عمال و ولایہ اور اہل الرائے سے مشورہ کیا کہ وہاں جانا چاہیے یا نہ؟ سب نے اس کا ہاں میں جواب دیا۔

((فعند ذلك جمع معاوية رضي الله عنه امراء عمرو بن العاص، شرحبيل بن السمط و عبدالرحمن ابن خالد بن الوليد والضحاك بن قيس و بسر بن ابي ارطاة و ابوالاعور السلمي، و حمزة بن سنان الهمداني وغيرهم رضي الله عنه، فاستشارهم في المسيرة الى ديار مصر فاستجابوا له))^۱

”یعنی اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے امراء حضرت عمرو بن عاص، شرحبیل بن سمط، عبدالرحمن بن خالد بن ولید، ضحاک بن قیس، بسر بن ابی ارطاة، ابوالاعور سلمی اور حمزہ بن سنان ہمدانی وغیرہم رضی اللہ عنہم سے دیار مصر کی طرف پیش قدمی کے لیے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے اس اقدام کی تائید کی۔“

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ کے مطابق حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (جنہوں نے عہد فاروقی میں مصر کو فتح کیا تھا) کو مصر کی طرف روانہ کیا اور اس موقع پر انہیں چند نصائح اور ہدایات فرمائیں جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خشیت الہی، مومنانہ نرمی اور ان کی صلح و اتفاق کی پالیسی کا پتہ چلتا ہے۔

((واوماه بتقوى الله والرفق والمهل والتودة وان يقتل من قاتل ويعفو عن من ادبر وان يدعوا الناس الى الصلح والجماعة))^۲

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اللہ سے خوف کرنے، نرمی اور حوصلہ مندی کی ہدایت فرمائی، مقابلہ کرنے والوں کے خلاف قتال کرنے اور پشت دے کر جانے والے کو معاف کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ آپ لوگوں کو صلح اور جماعت کے ساتھ رہنے کی دعوت دیں۔“

دوسری جانب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما والی مصر کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو حاکم مصر بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

محمد بن ابی بکر نا تجربہ کار و نوخیز جوان تھے جب آپ مصر پہنچے تو اہل مصر نے آپ کو خفت کی نگاہ سے دیکھا نیز محمد بن ابی بکر بعض امور میں جلد باز ثابت ہوئے اور اہل مصر پر اقتدار قائم کرنے میں ناکام رہے خصوصاً خربتہ کے علاقہ میں جو لوگ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے اور ان کی مظلومانہ شہادت سے خاصے متاثر تھے ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا۔

۱ الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۳ ج ۷ تحت سنہ ۳۸ھ

۲ الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۳ ج ۷ تحت سنہ ۳۸ھ

ان حالات کی اطلاع جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ملی تو جناب نے اشتر نخعی کو محمد بن ابی بکر کی معاونت کے لیے روانہ فرمایا۔ اشتر نخعی ابھی مصر نہیں پہنچے تھے کہ راستے میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور جب آنجناب کو اشتر کے انتقال کی خبر پہنچی تو آپ بہت مغموم اور متاسف ہوئے۔

ادھر جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ مصر پہنچے تو خربتہ کے لوگ بھی آپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان حضرات کا محمد بن ابی بکر سے معارضہ ہوا اور محمد بن ابی بکر مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ ان کا اثر وہاں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بہت کم تھا آخر کار محمد بن ابی بکر معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مقتول ہوئے اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر کے تمام انتظامات کو سنبھال لیا۔ یاد رہے کہ محمد بن ابی بکر اور اشتر نخعی دونوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے میں حصہ لیا تھا اور حملہ آوروں میں بھی شامل تھے۔ گو محمد بن ابی بکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شرم دلانے سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔

تنبیہ

محمد بن ابی بکر کے قتل کے واقعہ کو دردناک اور المناک بنانے کے لیے رواۃ نے ایک بڑی داستان ذکر کی ہے جو بے اصل ہے۔ ہم نے اس کی وضاحت ”محمد بن ابی بکر کے قتل کے طعن“ کے تحت جوابات مطاعن میں پیش کر دی ہے۔ ناظرین کرام وہاں ملاحظہ فرمائیں گے۔

④ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بصرہ کے علاقہ پر والی تھے۔ ایک موقع پر آپ زیاد بن ابیہ کو بصرہ پر اپنا نائب مقرر کر کے کوفہ تشریف لے گئے۔ اس دوران میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عمرو حضرمی اہل بصرہ کی طرف ایک مکتوب لے کر بنی تمیم کے ہاں پہنچے۔ اس مکتوب میں ان لوگوں کا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ عہد کا بیان تھا اور انھیں اس عہد کو ایفا کرنے کی دعوت دی گئی تھی چنانچہ بنی تمیم عبداللہ بن عمرو حضرمی کی حمایت میں ہو گئے اور انھیں اپنے ہاں پناہ دی۔

((وفی هذا الحین بعث معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کتابا مع عبداللہ بن عمرو

الحضرمی الی اهل البصرة یدعوهم الی الاقرار بما حکم له عمرو بن

العاص رضی اللہ عنہ فلما قدمها نزل علی بنی تمیم فاجاروه))

اس واقعہ کی خبر جب زیاد بن ابیہ کو بصرہ میں پہنچی تو اس نے قبیلہ بنی تمیم کے حالات کو درست کرنے کے لیے امین بن ضبیعہ کی نگرانی میں ایک دستہ فوج روانہ کیا مگر قبیلہ بنی تمیم سے معارضہ کے دوران میں امیر دستہ قتل ہو گیا۔

ان واقعات کی اطلاع جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ملی تو آنجناب نے جوابی کارروائی کے لیے جاریہ بن

قدامہ تمیمی کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بصرہ روانہ کیا۔ جاریہ بن قدامہ نے عبداللہ بن عمرو حضرمی اور بنی تمیم کو اپنے موقف سے رجوع کرنے کی دعوت دی مگر انھوں نے رجوع نہیں کیا اور اپنے موقف پر قائم رہے۔ اس پر جاریہ بن قدامہ نے ان لوگوں کا محاصرہ کر لیا قتال کی نوبت آئی اور جاریہ نے ان کو شکست دی اور جلا ڈالا۔^۱

جب عبداللہ بن عمرو حضرمی اور اس کے ساتھیوں کے قتل اور پھر ان کو آگ میں جلا ڈالنے کی خبر ارض فارس وغیرہ میں پہنچی تو ان علاقہ جات کے لوگ سخت برہم ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کے جذبات اور بھڑک اٹھے یہاں تک کہ ان لوگوں نے خراج کی ادائیگی سے انکار کر دیا اور مرکز سے برگشتہ ہو کر سرکشی اختیار کی اور اہل فارس نے علاقہ کے حاکم سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو نکال دیا..... الخ

((وكانوا قد منعوا الخراج والطاعة وسبب ذلك حين قتل ابن الحضرمي

واصحابه بالنار حين حرقهم جارية بن قدامة في تلك الدار كما قدمنا فلما

اشتهر هذا الصنيع في البلاد تشوش قلوب كثير من الناس على علي رضي الله عنه

واختلفوا على علي رضي الله عنه ووضع اكثر اهل تلك النواحي خراجهم ولا سيما

اهل فارس فانهم تمردوا واخرجوا عاملهم سهل بن حنيف..... الخ))^۲

چنانچہ اس واقعہ کی بنا پر ارض فارس کے حالات کو درست کرنے کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کو علاقہ فارس کا حاکم مقرر فرما کر روانہ کیا اور انھوں نے اپنی بصیرت اور کدوکاوش سے حالات کو درست کیا۔

④ مورخین نے ایک اور واقعہ بھی جو اس دوران میں پیش آیا یہاں ذکر کیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بسر بن ابی ارطاة جب علاقہ یمن میں پہنچے تو وہاں عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی یمن تھے۔ ان کا باہمی معارضہ ہوا مگر عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان حالات میں بسر بن ابی ارطاة کا مقابلہ نہ کر سکے اور کوفہ چلے گئے اور وہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حالات بیان کیے تو آنجناب نے بسر بن ابی ارطاة کے مقابلہ کے لیے جاریہ بن قدامہ نے ایک جمعیت کے ساتھ یمن کی طرف روانہ فرمایا جب بسر رضی اللہ عنہما کو جاریہ بن قدامہ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اور جاریہ بن قدامہ نے حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے حمایتیوں کو جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے اٹھے ہوئے تھے قتل کر دیا اور جلا ڈالا۔

((ولما بلغ عليا رضي الله عنه خبر بسر وجه جارية بن قدامة في المين..... فسار

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۱۶ ج ۷ تحت واقعات سنہ ۳۸ھ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۰ ج ۷ تحت واقعات سنہ ۳۹ھ

جاریہ (بن قدامة) حتی بلغ نجران فحرق بها وقتل ناسا من شیعة عثمان
وهرب بسر واصحابه) ۱

تنبیہ

واقعہ ہذا کے تحت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو معصوم فرزندوں کے قتل کے واقعہ (کہ بسر بن ابی اریطہ نے یہ ظلم کیا تھا) کو مورخین نے ذکر کیا ہے۔ یہ چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے مظالم کو نمایاں کرنے اور اس داستان کو حسرتناک بنانے کے لیے ہے ورنہ یہ واقعہ بے اصل ہے اس کو دلائل کے ساتھ ہم نے مطاعن کے جوابات میں بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

مصالحت و مہادنت یعنی فریقین میں معاہدہ جنگ بندی

۳۸ھ-۳۹ھ کے درمیانی دور میں باہمی معارضات کے متعدد واقعات مختلف علاقہ جات میں پیش آئے۔ ان کی وجوہ اور اسباب مختلف تھے ان معاملات میں مورخین کے مختلف نوع کے نظریات پائے جاتے ہیں بہر کیف ان کے اسباب و علل جو کچھ بھی ہوں ان کی تفصیلات ذکر کرنا مطلوب نہیں۔ اتنی بات ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ ان حالات میں ایک قسم کی اضطرابی کیفیت تھی اور ملک میں باہمی انتشار کا دور دورہ تھا۔ اندریں حالات دونوں فریق (سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) کے درمیان حرب و ضرب کے سلسلہ کو ختم کرنے کے لیے مراسلت اور مکاتبت ہوئی جس کے نتیجہ میں ۴۰ھ میں بین الفریقین صلح ہو گئی، جسے معاہدہ جنگ بندی سے تعبیر کرنا زیادہ موزوں ہے اور یہ صلح نامہ درج ذیل تفصیلات پر مشتمل تھا:

- ① عراق کا ملک اور اس کے ملکہات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حکم کے تحت ہوں گے۔
- ② ملک شام اور اس کے ملکہات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت ہوں گے۔
- ③ کوئی ایک فریق دوسرے فریق کے علاقہ پر فوج کشی اور غارت گری نہیں کرے گا۔
- ④ ہر دو فریق ایک دوسرے کے خلاف قتال سے گریز کریں گے اور کسی ایک فریق کے علاقہ میں دوسرا فریق اپنی فوج نہیں بھیجے گا۔

((وفی هذه السنة (۴۰ھ) جرت بین علی و معاویة رضی اللہ عنہما "المهادنة" بعد مکاتبات يطول ذکرها علی وضع الحرب بینهما وان یکون ملک العراق لعلی وللمعاویة الشام ولا یدخل احدهما علی صاحبه فی عمله بجیش ولا غارة ولا غزوة..... و امسک کل واحد منهما عن قتال الاخر وبعث الجیوش

الی بلاده واستقر الامر علی ذالک))^۱

اور ابن کثیر بذلت نے مزید لکھا ہے کہ:

((وانه (ابن عباس رضی اللہ عنہما) کان شاهدا للصلح))^۲

”یعنی اس صلح نامہ کے شاہدین اور گواہوں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔“

مختصر یہ ہے کہ انجام کار ان کشیدہ حالات کی اصلاح کے لیے فریقین میں باہمی مہادنت اور مصالحت ہو گئی۔ یہ ۴۰ھ میں واقع ہوئی تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین یہ قیام امن کے حالات دشمنان اسلام کو کسی صورت میں گوارا نہ تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ آپس میں لڑتے نہیں اور پھر سے ایک دوسرے کے قریب ہونے لگے تو انہوں نے ان سب اکابر کو قتل کرنے کی سکیم تیار کر لی۔ چنانچہ انہوں نے اسی سال رمضان المبارک ۴۰ھ میں ایک خاص منصوبہ کے تحت حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ و حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم تینوں حضرات پر حملہ کرایا اور اسلام سے اپنے بغض و عداوت کا پورا ثبوت دیا۔ اس پروگرام میں جو لوگ ان دشمنان اسلام (یہود و مجوس) کے کام آئے وہ خوارج تھے۔

اجتماعی قتل کا اہم منصوبہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ

چنانچہ حرم کعبہ میں تین خارجی عبدالرحمن بن ملجم الحمری الکندی المرادی، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی جمع ہوئے اور انہوں نے قتل کا ایک اہم منصوبہ تیار کیا جسے پورا کرنے کے لیے اپنی جانوں کو فدا کرنے کا عہد کیا۔

خارجیوں کا خیال تھا کہ جب تک یہ تین شخص یعنی علی بن ابی طالب، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم زندہ ہیں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں نے ہمارے بھائیوں (یعنی خوارج) کو قتل کیا ہے، لہذا ہم پر ان ہر تین اشخاص کو قتل کر کے اہل بلاد کو راحت پہنچانا لازم ہے۔

۱ تاریخ ابن جریر طبری ص ۸۱ ج ۶ تحت سنہ ۴۰ھ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۱۹۳ ج ۳ تحت سنہ ۴۰ھ طبع مصر

کتاب التہمید (ابو الشکور سالمی) ص ۱۶۹ تحت القول الثامن فی قتل الحسنین رضی اللہ عنہما طبع لاہور۔

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

((فلو شرينا انفسنا فاتينا ائمة الضلال فقتلناهم فارحنا منهم البلاد واخذنا منهم ثار اخواننا فقال ابن ملجم اما انا فاكفيكم على بن ابي طالب وقال البرك وانا اكفيكم معاوية وقال عمرو بن بكر وانا اكفيكم عمرو بن العاص فتعاهدوا وتواثقوا ان لا ينكص رجل منهم عن صاحبه حتى يقتله او يموت دونه فاخذوا اسيا فهم فسموها واتعدوا لسبع عشرة رمضان ان يبيت كل واحد منهم صاحبه في بلده الذي هو فيه))^۱

”مطلب یہ ہے کہ ان تینوں نے آپس میں اس طور پر معاہدہ کیا کہ ابن ملجم مرادی نے کہا کہ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے قتل کا میں ذمہ لیتا ہوں اور برک بن عبد اللہ نے کہا کہ معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے کا میں عہد کرتا ہوں اور عمرو بن بکر (یا بکیر) نے کہا کہ عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) کو ہلاک کرنے کے لیے میں کافی ہوں۔ اور سترہ رمضان المبارک ۴۰ھ کی تاریخ طے کی کہ ان کے بلاد میں پہنچ کر صبح کی نماز میں حملہ کیا جائے۔ اس منصوبہ کو تمام کرنے کے لیے انھوں نے آپس میں پختہ عہد کیا کہ ہم ان کو قتل کریں گے یا خود اپنی جان دے دیں گے۔ اور اس عہد کے بعد یہ تینوں خارجی اپنے اپنے عہد کو پورا کرنے کے لیے کوفہ، شام اور مصر کی طرف چل دیے۔“

اس پروگرام کے تحت عبدالرحمن بن ملجم کوفہ پہنچا اور مقررہ تاریخ سترہ رمضان المبارک کو صبح کی نماز سے قبل حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ یہ ضرب شدید تھی اس سے حضرت جان بر نہ ہو سکے اور تین دن بعد بروز جمعہ ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو آپ شہید ہو گئے۔^۲

قبل ازیں شہادت علوی کا یہ واقعہ ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ میں بقدر ضرورت تفصیل سے درج کر دیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ

برک بن عبد اللہ خارجی اپنے طے شدہ منصوبہ کے تحت متعین تاریخ (سترہ رمضان المبارک ۴۰ھ) کو ملک شام دمشق پہنچا۔ صبح کی نماز میں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو اس نے ایک زہر آلود خنجر کے ساتھ وار کیا اور اس سے آپ کی سرین شدید زخمی ہو گئی۔ حملہ آور پکڑا گیا تو کہنے لگا کہ میں آپ کو ایک

۱۔ البدایہ والنہایہ ص ۳۲۶ ج ۷ تحت صفحہ مقتلہ رضی اللہ عنہ ۴۰ھ

طبقات ابن سعد ص ۲۳ ج ۳ تحت عبدالرحمن بن ملجم المرادی۔

مجمع الزوائد (نیشی) ص ۱۳۹، ۱۴۰ ج ۹ باب احوال علی رضی اللہ عنہ

۲۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۲ ج ۱ تحت سنہ ۴۰ھ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت صفحہ مقتل علی رضی اللہ عنہ ۴۰ھ

خوشخبری دیتا ہوں مجھے چھوڑ دو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ کیا ہے؟ تو کہنے لگا کہ میرے ساتھی نے اسی تاریخ کو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا ہے اور اس کو ختم کر دیا ہوگا۔ بعدہ اس حملہ آور برک بن عبداللہ تمیمی کو شرکے سدباب کی خاطر قتل کر دیا گیا اور علاج معالجہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحت یاب ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد حفاظتی طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی نماز کے مقام پر مقصورہ تعمیر کرایا جس میں حفاظتی انتظامات کیے گئے۔

((واما صاحب معاویة وهو البرک فانه حمل عليه وهو خارج الى صلوة الفجر في هذا اليوم فضربه بالسيف وقيل بخنجر مسموم فجاءت الضربة في ورکه فجرحت اليته ومسك الخارجى فقتل۔ وقد قال لمعاویة رضی اللہ عنہ اترکنی فانی ابشرک ببشارة۔ فقال وما هی؟ فقال ان اخى قد قتل فی هذا اليوم علی بن ابی بن طالب..... فامر به فقتل..... ومن حیثند عملت المقصورة فی المسجد الجامع وجعل الحرس حولها فی حال السجود))^۱

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ

تیسرے خارجی عمرو بن بکر (بکیر) نے مصر پہنچ کر صبح کی نماز کے وقت امام نماز پر حملہ کر دیا۔ اس روز جناب عمرو بن عاص اتفاقاً بیمار ہو گئے تھے اور انہوں نے نماز پڑھانے کے لیے خارجہ بن حبیب رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا تھا خارجہ رضی اللہ عنہ آپ کے ایک پولیس افسر تھے اور قبیلہ بنی عامر بن لوی سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ اس خارجی کے قاتلانہ حملہ سے خارجہ موصوف رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور عمرو بن بکر خارجی کو پکڑ لیا گیا اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا تو نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے خارجہ بن حبیب رضی اللہ عنہ کی موت کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے بعد اس قاتل کو فساد کی جڑ کاٹنے کے لیے قتل کر دیا گیا۔

((واما عمرو بن بکر (بکیر) فقعد لعمر بن العاص رضی اللہ عنہ فی تلك الليلة التي ضرب فيها معاویة رضی اللہ عنہ فلم يخرج واشتکی فيها بطنه فامر خارجة بن حبيب و كان صاحب شرطة وكان من بنی عامر بن لوی فخرج یصلی بالناس فشد عليه وهو یری انه عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فضربه بالسيف

^۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۹ ج ۷ تحت صفہ مقتل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سنہ ۴۰ھ

مجمع الزوائد (طبری) ص ۱۳۲، ۱۳۳ ج ۹ تحت آخرباب احوال علی رضی اللہ عنہ۔

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۷۱۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔

فقتله۔ قال عمرو رضی اللہ عنہ اردتني والله اراد خارجه و قدمه وقتله..... الخ))^۱

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اظہار تاسف اور مدح سرائی

گزشتہ سطور میں خوارج کے اجتماعی منصوبہ قتل کی قلیل سی وضاحت ذکر کی گئی ہے۔ اس سے خوارج کی اکابر اہل اسلام کے حق میں کینہ اور بغض و عداوت واضح ہوتی ہے۔

اس پروگرام کے تحت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خوارج کے ہاتھوں شہادت واقع ہو گئی اور حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو قدرت کاملہ نے محفوظ رکھا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ بے ساختہ رونے لگے اور بار بار ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ کہتے تھے اس وقت آپ اندرون خانہ تشریف فرما تھے آپ کی زوجہ نے یہ کیفیت دیکھ کر عرض کیا کہ آپ اس خبر پر اس قدر رورہے ہیں اور اظہار افسوس کر رہے ہیں حالانکہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے ساتھ آپ جنگ و جدال کرتے رہے؟ اس کے جواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے اور تم نہیں جانتی کہ کس قدر فضیلت فقہ اور علم سے لوگ محروم ہو گئے ہیں (اور یہ چیزیں لوگوں میں سے مفقود اور ختم ہو گئیں)۔

یعنی آنجناب کی شہادت اس دور کے لوگوں کے لیے عظیم خسارہ ہے۔

((عن جریر بن عبد الحمید عن مغیرة قال لما جاء قتل علی رضی اللہ عنہ الی معاویة رضی اللہ عنہ جعل یبکی ویسترجع۔ فقالت له امرأته تبکی علیہ وقد کنت تقاتله فقال لها و یحک انک لا تدرین ما فقد الناس من الفضل والفقہ والعلم..... وفي رواية انها قالت له بالامس تقاتلته والیوم تبکینه؟))^۲

اسی طرح اس موقع پر ایک دوسری روایت ضرار صدائی رضی اللہ عنہ سے شیعہ و سنی علماء نے ذکر کی ہے۔ اس میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حالات سن کر رنج و الم کا اظہار کرنا پایا جاتا ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ضرار صدائی رضی اللہ عنہ (جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص حامی تھے) ایک دفعہ حضرت

۱ مجمع الزوائد (مطبعی) ص ۱۳۲-۱۳۳ ج ۹ باب آخر احوال علی رضی اللہ عنہ

الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۹ ج ۷ تحت فقتل علی رضی اللہ عنہ

کتاب الحجر (ابو جعفر بغدادی) ص ۲۹۴ طبع حیدرآباد دکن۔

۲ تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۱۵۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۰ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵ ج ۸ تحت عنوان خلافت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان ایام میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ضرار! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی توصیف ذکر کیجیے تو ضرار رضی اللہ عنہ نے پہلے تو عرض کیا اے امیر المومنین آپ مجھے اس چیز سے معاف رکھیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں آپ ان کی توصیف ضرور بیان کریں تو وہ ذکر کرنے لگے:

((فكان والله بعيد المدى شديد القوى يقول فصلا و يحكم عدلا يتفجر العلم من جوانبه وتنطق الحكمة من نواحيه ويستوحش من الدنيا وزهرتها..... فبكى معاوية وقال رحم الله ابا الحسن كان والله كذلك. فكيف حزنك عليه يا ضرار؟ قال حزن من ذبح ولدها وهو في جحرها))^۱

”مطلب یہ ہے کہ اللہ کی قسم! علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ معاملہ کی انتہا کو پہنچنے والے تھے اور مضبوط قوی رکھتے تھے آپ فیصلہ کن بات کہتے اور انصاف کے ساتھ حکم کرتے تھے ان کے جوانب سے علم کے چشمے پھوٹتے تھے اور ان کے اطراف سے حکمت و دانائی کی باتیں صادر ہوتی تھیں دنیا اور اس کی تازگی سے وحشت پکڑتے تھے..... وغیرہ“

حضرت موصوف کے یہ اوصاف سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا اور کہتے تھے: اللہ کریم ان پر رحم فرمائے اللہ کی قسم! ابوالحسن (رضی اللہ عنہ) ایسے ہی تھے۔ پھر کہنے لگے کہ اے ضرار! تیرا ان پر غم کھانا کس نوعیت کا ہے؟ ضرار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا غم لگین ہونا اس عورت کی طرح ہے جس کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے..... الخ

شیعہ علماء کی طرف سے تائید

ضرار صدائی رضی اللہ عنہ کی روایت کو شیعہ کے بیشتر علماء نے اپنی تصانیف میں اپنے انداز میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

((وكان ضرار من اصحابه (علي المرتضى) عليه السلام فدخل على معاوية بعد موته فقال صف لي عليا فقال او تعفيني عن ذلك فقال (معاوية) والله لتفعلن فتكلم بهذا الفصل فبكى معاوية حتى احضلت لحيته))^۲

۱ الاستيعاب مع الاصابه ص ۳۳-۳۵ ج ۳ تحت تذکرہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۲ شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) ص ۳۷۵، ۳۷۴ ج ۴ ذکر من خبر ضرار بن حمزہ الخ (طبع بیروت)

شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۲۷۶ ج ۵

درہ نجفیہ ص ۳۶۰ طبع قدیم ایران

المسماة باروضه فی فضائل علی مع معانی الاخبار وعلل الشرائع ص ۲۰ طبع قدیم۔

”یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ضرار صدائی رضی اللہ عنہ آجنگاب کے انتقال کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے سامنے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کریں۔ پہلے تو ضرار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اس بات سے معاف رکھیے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم تجھے ضرور بیان کرنا چاہیے۔ پس انھوں نے تو صیف علی رضی اللہ عنہ کا مضمون بیان کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سن کر رونے لگے حتیٰ کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔“

سنی و شیعہ علماء کے مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے انتقال پر رنج و غم کا اظہار کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ ان حضرات کے درمیان سیاسی اختلاف اب بہت کچھ رو بہ اصلاح ہو رہے تھے اور ان میں کوئی ذاتی عناد نہیں تھا، وہ ایک دوسرے کے حق میں فضیلت کے قائل تھے اور ایک دوسرے کے علمی مقام کی عظمت کو تسلیم کرتے تھے۔

یہ چیزیں ان کی مومنانہ صفات کے مناسب ہیں اور صالحین کے طریقہ کار کے یہی شایان شان ہیں۔

انتباہ

① شہادت عثمانی سے لے کر شہادت علی تک کے دوران میں بیشتر واقعات مکرر طور پر ذکر ہوئے ہیں اور سیرت علوی میں ان کا ذکر ہو چکا ہے لیکن یہاں متعدد حوالہ جات اور بعض دیگر امور کا اضافہ کیا گیا، اور واقعات کے تسلسل کا لحاظ رکھنا بھی پیش نظر ہے۔

② نیز یہ چیز بھی مولف کے پیش نظر ہے کہ ناظرین کرام میں جس صاحب کے سامنے سیرت علوی نہیں آ سکی اور صرف ”سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ“ دیکھنے کا اسے اتفاق ہوا تو وہ بھی ان معلومات مفیدہ سے مستفید ہو سکے محروم نہ رہ جائے۔ ان چیزوں کے پیش نظر ان مضامین کا تکرار مجبوراً ہوا ہے اور یہی معذرت ہم نے قبل ازیں ”مزار عثمان“ کے عنوان کے بعد ذکر کر دی تھی یہاں اس کی یاد دہانی کرائی ہے۔ والعدر عند کرام الناس مقبول۔

بیعت خلافت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کے بعد انتقال سے قبل بعض لوگوں نے آں موصوف سے عرض کیا کہ جناب کے بعد کیا ہم آپ کے فرزند حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو حسن سے بیعت کا نہ حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں۔

چنانچہ اہل عراق نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جلد ہی سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی کچھ قلیل عرصہ حالات حسب معمول پر سکون رہے۔ چند ماہ بعد سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعض امراء اور اہل جمیش نے آپ کو اہل شام کے ساتھ قتال پر آمادہ کیا۔ اگرچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر قتال بین

المسلمین کو پسند نہیں فرماتے تھے مگر حالات کے تقاضوں کے تحت مجبوراً ملک شام کے خلاف اقدام کرنے کے لیے مدائن کے عسکری مستقر میں تشریف لے گئے۔

اس موقع پر بقول بعض مورخین حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کے سربراہ اور وہ لوگوں کو مدائن کے ایک قصر (محل) میں جمع کیا اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمارے ساتھ اس شرط پر بیعت کی ہے کہ جس سے صلح کروں گا تمہاری بھی اس سے صلح ہوگی اور میں جس سے محاربت اور قتال کروں گا تم بھی اس سے قتال کرو گے۔ حالات کے پیش نظر میں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ کر لیا ہے پس تمہیں بھی ان کی اطاعت قبول کرنی ہوگی۔

((جمع الحسن رضی اللہ عنہ روس اهل العراق في هذا القصر۔ قصر المدائن۔

فقال: انکم قد بايعتمونی علی ان تسالموا من سلامت وتحاربوا من

حاربت، وانی قد بايعت معاویة فاسمعوا له واطيعوه))^۱

جب آپ کے ارادہ کی خبر آپ کی جماعت کے دیگر افراد اور اہل جیش کو ہوئی تو ان میں کئی قسم کے انتشار اور افتراق رونما ہوئے اور اہل عراق کی طرف سے اطاعت امیر سے روگردانی کے آثار پیدا ہو گئے چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان حالات کو دیکھ کر اپنی جماعت سے ہی دل برداشتہ اور رنجیدہ خاطر ہو گئے۔

اس موقع پر مورخین نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے انتشار و اختلاف کو بڑی رنگ آمیزی سے ذکر کیا ہے اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں تاہم مورخین کے بیانات سے اتنی چیز ثابت ہوتی ہے کہ آپ کی جماعت کے بعض برگشتہ افراد نے آپ کے لیے ایذا رسانی کی اور برا سلوک اختیار کیا جس کی بنا پر آپ بہت ملول ہوئے اور اپنے سیاسی مقابلین کے ساتھ صلح کرنے کا ارادہ کر لیا۔

حضرت موصوف کی جماعت کی بدسلوکی کا صرف ایک حوالہ پیش خدمت ہے:

((عن عمار الدہنی قال نزل الحسن بن علی المدائن وكان قيس بن سعد

علی مقدمته ونزل الانبار فطعنوا حسنا رضی اللہ عنہ وانتهبوا سرادقه))^۲

”یعنی عمار دہنی کہتے ہیں کہ (حسب پروگرام) علاقہ مدائن میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے آپ کے جیش کے مقدمہ پر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ حاکم تھے پھر اس کے بعد انبار کے مقام پر پہنچے تو

۱ کتاب المعروف والتاریخ (یعقوب بسوی) ص ۳۱۷-۳۱۸ ج ۳ تحت العصر الاموی خلافت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۳۰ ج ۱ تحت تذکرہ امام حسن رضی اللہ عنہ (مع الاستیعاب)

۲ کتاب المعروف والتاریخ (بسوی) ص ۷۵۵-۷۵۶ ج ۲ تحت ماجاء فی الکوفہ۔ الخ۔

تاریخ بغداد ص ۱۷۸ ج ۱ تحت قیس بن سعد بن عبادۃ

وہاں ان کے اپنے لشکریوں نے آنجناب کونیزوں سے زخمی کر ڈالا اور آپ کے خانگی اموال لوٹ لیے۔“

شیعہ کی طرف سے تائید

چنانچہ شیعہ علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں اس مقام پر اس مضمون کو باس نوع ذکر کیا ہے کہ:

((عن یزید بن وہب الجہنی قال لما طعن الحسن بن علی رضی اللہ عنہما بالمدائن اتیتہ وهو متوجع فقلت ما تری یا ابن رسول اللہ فان الناس متحیرون فقال اری واللہ معاویۃ خیر لی من ہؤلاء یزعمون انہم لی شیعة ابتغوا قتلی وانتہبوا ثقلی واخذوا مالی... الخ))^۱

”مطلب یہ ہے کہ یزید بن وہب جہنی کہتا ہے کہ جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو مدائن میں نیزہ سے زخمی کیا گیا تو میں آپ کی خدمت میں پہنچا آپ درد کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ میں نے عرض کیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند! لوگ اس معاملہ میں (مجوزہ صلح میں) متحیر اور حیران ہیں، جناب کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ امام نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں خیال کرتا ہوں کہ ان لوگوں سے تو معاویہ (رضی اللہ عنہ) میرے لیے بہتر ہیں۔ جو لوگ میرے شیعہ ہونے کے دعویدار ہیں انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا، میرے مال اموال کو لوٹ لیا..... الخ“

اور اس طرح اسی مضمون کو ملا باقر مجلسی نے اپنی مشہور تصنیف ”بحار الانوار“ میں لکھا ہے کہ:

((لما طعن الحسن بن علی بالمدائن اتیتہ وهو متوجع فقلت ما تری یا ابن رسول اللہ فان الناس متحیرون فقال ما اری واللہ معاویۃ خیر لی من ہؤلاء یزعمون انہم لی شیعة ابتغوا قتلی وانتہبوا ثقلی واخذوا مالی واللہ لان آخذ من معاویۃ عہدا احقن بہ دمی وامن بہ فی اہلی خیر من ان یقتلونہ فتضیع اہل بیتی واہلی))^۲

ملا باقر مجلسی نے یہ بات طبری کی مذکورہ بالا روایت کے مطابق یہاں بیان کی ہے اور مزید برآں کہتے ہیں کہ:

امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے ایسا عہد لے لوں جس میں میری جان کی

۱۔ الاحجاج (شیخ ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی) ص ۱۲۸ تحت احتجاج حسن بن علی علی معاویہ فی المدة من استتھما، طبع قدیم ایران۔

۲۔ بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ص ۱۱۰ ج ۱۰ تحت علت مصالحت مذکورہ طبع قدیم ایران۔

حفاظت ہو اور میرے اہل کی امان ہو، وہ میرے لیے اس چیز سے بہتر ہے کہ میرے شیعہ مجھے قتل کر ڈالیں اور میرے اہل بیت کو تباہ و برباد کر دیں۔

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے پر آمادہ تھے اور اس چیز کو بہتر خیال کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شیعوں سے بہتر قرار دیتے تھے۔

حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح

واقعہ ہذا اسلام میں اپنے پس منظر میں ایک بڑی تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور مورخین نے یہاں بہت کچھ رطب و یابس چیزیں فراہم کی ہوئی ہیں۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ اس واقعہ کو محدثین کی روایات کی روشنی میں پیش کیا جائے تاکہ اصل حقیقت حال کے زیادہ قریب ہو۔ بعد ازاں تاریخی روایات درج کر دی جائیں۔ چنانچہ بخاری شریف کتاب الصلح میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت امام حسن اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پہاڑوں کے مانند لشکر اور جیوش باہم متقابل ہوئے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لشکر اور عسا کر ایک دوسرے کو قتل کیے بغیر پسپا ہونے والے نہ تھے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قسم ”خیر الرجلیں“ تھے یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے۔ انہوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر ایک فریق دوسرے کو قتل کر ڈالے اور دوسرا فریق پہلے فریق کو قتل کر دے تو لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ ان عورتوں اور بال بچوں اور کمزور لوگوں کی نگہداشت کون کرے گا؟ یعنی اس صورت میں یہ لوگ ضائع اور برباد ہو جائیں گے۔ تو ان حالات کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنی عبد شمس کے دو افراد عبدالرحمن بن سرہ اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کیا اور فرمایا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر صلح نامہ پیش کیجیے اور انھیں صلح پر آمادہ کیجیے۔

یہ دونوں حضرات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور اس مسئلہ پر گفتگو کر کے صلح کی دعوت دی۔ اس پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو فرمایا کہ ہم بنو عبدالمطلب ہیں (اپنے اہل و عیال، اقربا اور خدام پر بخشش، توسع اور کرم کرنا ہماری جبلت میں داخل ہے) اور اس مال سے ہم ان سب کو حقوق ادا کرتے ہیں اور اب اس امت میں بہت انتشار اور فساد واقع ہو گیا ہے۔

اس پر ان دونوں بزرگوں نے کہا کہ آپ کی ضروریات اور تقاضے پورے کیے جائیں گے اور مطالبات تسلیم کیے جائیں گے۔ جناب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان وعدوں کے ایفا کا ذمہ دار کون ہو گا؟ ان دونوں نے کہا ہم ذمہ دار ہیں۔ اس کے بعد مسئلہ خلافت میں حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ صلح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کا مصداق ہے جو ابوبکرہ (نفع بن حارث ثقفی) رضی اللہ عنہ سے میں نے سنی۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا آپ کے پہلو میں منبر پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ (عالم طفولیت میں) بیٹھے تھے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے دوران میں کبھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ہم لوگوں کی طرف التفات فرماتے۔ اس خطبہ میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یہ میرا بیٹا سردار ہے امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرادے گا۔“ اس موقع پر آپ نے ہر جماعت کو فخر عظیم فرمایا، کسی ایک کو نہیں گرایا۔

((فصالحه قال الحسن (البصری) ولقد سمعت ابا بکره يقول رایت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر والحسن بن علی رضی اللہ عنہما الی جنبه وهو یقبل علی الناس مرۃ وعلیه اخری ویقول ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتين عظیمتین من المسلمین))^۱

فائدہ

اس مقام پر یہ چیز قابل التفات ہے کہ نبوت کی عظیم پیش گوئی جس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اقدام ہذا کی صورت میں تمام ہوئی جو ان کے حق میں اعلیٰ فضیلت پر مشتمل ہے، اسی طرح اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہایت خوش بختی ظاہر ہوئی کہ وہ اس بشارت عظیمہ کے پورے ہونے کا ذریعہ بنے اور اس کی تکمیل کا انھیں شرف نصیب ہوا اور اہل اسلام کے دو متحارب گروہوں کی مصالحت کا باعث ہوئے۔

واقعہ ہذا گزشتہ سطور میں محدثین کی روایات کی روشنی میں مذکور ہوا اور ایک حوالہ شیعہ کا بھی بطور تائید کے حاشیہ میں ذکر کر دیا ہے۔ اب اس واقعہ کو مورخین کی تاریخی روایات کی بنا پر ذکر کیا جاتا ہے تاکہ واقعہ کی مزید تفصیلات بھی سامنے آسکیں۔

چنانچہ ابن کثیر رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((ولما رای الحسن بن علی رضی اللہ عنہما تفرق جیشہ علیہ مقتہم وکتب عند ذلک الی معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وکان قد ركب فی اهل الشام فنزل مسکن

^۱ بخاری شریف ص ۳۷۳ ج ۱ کتاب الصلح باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی ابی ہذا..... الخ

الفتح الربانی (ترتیب مسند احمد) ص ۱۶۵ ج ۲۳ تحت ابواب خلافت الحسن، الباب الاول فی خلافتہ

بخار الانوار از ملا باقر مجلسی شیبلی ص ۸۷ ج ۱۰ تحت معالی امور ہما..... الخ

یراوضہ علی الصلح بینہما۔ فبعث الیہ معاویہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عامر و عبدالرحمن بن سمرة۔ فقدا علیہ الکوفة فبدلا له ما اراد من الاموال فاشترط ان یأخذ من بیت مال الکوفة خمسة الاف الف درهم، وان یکون خراج دار ابجد له وان لا یسب علی رضی اللہ عنہ وهو یسمع، فاذا فعل ذلك فنزل عن الامرة لمعاویہ و یحقن الدماء بین المسلمین۔ فاصطلحوا علی ذلك واجتمعت الکلمة علی معاویہ رضی اللہ عنہ))^۱

((وهو (عبدالرحمن بن سمرة رضی اللہ عنہ) کان احد السفیرین بین معاویہ والحسن رضی اللہ عنہما))^۲

”مطلب یہ ہے کہ مورخین کہتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے جیش میں افتراق اور انتشار دیکھا تو انھیں سخت ناراضی ہوئی اور کبیدہ خاطر ہوئے۔ (اس روایت کی بنا پر) اس پر آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا۔ ادھر اہل شام آمادہ تھے پس اپنے مسکن پر ٹھہرے اور جانبین کے درمیان صلح کی کوشش کی گئی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمن بن سمرة رضی اللہ عنہما کو اس مقصد کے لیے بھیجا۔ وہ دونوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انھوں نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کا ذمہ لیا۔ پس حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی کہ کوفہ کے بیت المال سے وہ پچاس لاکھ درہم حاصل کریں گے اور دار ابجد کا خراج بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ہوگا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کی موجودگی میں ہتک آمیز کلام نہیں کیا جائے گا۔

ان شرائط پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ امر خلافت سے دست بردار ہوئے اور خلافت کا معاملہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اس صلح میں مسلمانوں کا خون ریزی سے بچاؤ کرنا اور مسلمانوں کو کلمہ واحد پر جمع کرنا مقصود نظر تھا چنانچہ اس طور پر ان دونوں حضرات کے درمیان مصالحت ہوئی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر امر خلافت مجتمع ہو گیا۔

تنبیہ

علمائے کرام نے اس موقع پر تحریر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے بہت سی شرائط پر مصالحت کی تھی اور جن امور کی انجام دہی کی ذمہ داری قبول کی ان کو ایفا کیا اور پورا کر دیا۔ چنانچہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ:

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲-۱۶ ج ۸ تحت خلافت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

((انه اشترط عليه شروطا كثيرة فالتزمها ووفى له بها))^۱

شرائط صلح شیعہ کے بیانات کی روشنی میں

① شیعوں کے قدیم ترین مورخ دینورخ نے سیدنا حسن اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان صلح کے اس واقعہ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اور صلح کی شرائط کو مندرجہ ذیل عبارت میں تحریر کیا ہے:

((ولما رای الحسن من اصحابه الفشل ارسل الی عبداللہ بن عامر بشرائط اشترطها علی معاویة علی ان یسلم له الخلافة وکانت الشرائط الا یاخذ احدا من اهل العراق باحنة وان یومن الاسود والاحمر، ویحتمل ما یکون من هفواتهم، ویجعل له خراج الاهواز مسلما فی کل عام ویحمل الی اخیه الحسین بن علی فی کل عام الفی الف ویفضل بنی هاشم فی العطاء والصلوات علی بنی عبدالشمس))^۲

”یعنی قدیم شیعہ مورخ دینورخ تحریر کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو بزدلی کا شکار پایا تو عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی طرف صلح کے لیے چند شرائط ارسال کیں کہ ان پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کر دیں گے۔ وہ شرائط یہ تھیں:

- (۱) اہل عراق پر دشمنی اور کینہ کی بنا پر گرفت نہیں کی جائے گی۔
- (۲) ہر اسود و احمر کو امان دی جائے گی (یعنی عام رعایا کو امان ہوگی)۔
- (۳) لوگوں کی یا وہ گوئی کو برداشت کیا جائے گا۔
- (۴) علاقہ ”اہواز“ کا مکمل خراج ہر سال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا جائے گا۔
- (۵) ان کے برادر حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو بیس لاکھ درہم سالانہ (وظیفہ) دیا جائے گا۔
- (۶) عطایا اور صلہ جات میں بنی ہاشم کو بنی عبدالشمس پر فضیلت دی جائے گی اور ان کا حق فائق رکھا جائے گا۔“

اس مقام پر دینورخ شیعہ نے مزید لکھا ہے کہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی یہ شرائط حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کر دیں اس طرح صلح ہذا مکمل ہوگئی اور جانبین اس پر راضی ہو گئے۔

④ مذکورہ واقعہ کو جو باہمی مصالحت کے دوران میں پیش آیا دیگر قدیم شیعہ مورخ یعقوبی نے بھی اپنے

۱ الصواعق المحرقة (ابن حجر مکی) ص ۲۱۷ تحت بیان اعتقادات اہل السنة والجماعة طبع ثانی مصر

۲ اخبار الطوال (دینورخ شیعہ) ص ۲۱۸ تحت مباہلہ معاویہ بالخلافة طبع مصر

انداز کے مطابق مفصل تحریر کیا ہے چنانچہ یعقوبی لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف چند حضرات کو صلح کی غرض سے روانہ کیا۔ وہ حضرت مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عامر بن کریم اور عبدالرحمن بن ام الحکم رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس وقت مدائن کے جنگی حالات میں اقامت پذیر تھے ان لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر صلح کے متعلق گفتگو کی۔ اس کے بعد جب یہ حضرات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مجلس سے باہر آئے تو لوگوں کو سنا کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کے ذریعے سے مسلمانوں کو خون ریزی سے بچالیا اور وہ فتنے کے فرو ہونے کا باعث ہوئے اور انہوں نے صلح منظور کر لی۔

جب یہ چیز سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے جیوش میں پہنچی تو وہاں ایک قسم کا اضطراب پیدا ہو گیا اور انہوں نے ان لوگوں کی صداقت میں کچھ شک نہ کیا اور جوش میں آ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کا جنگی سامان لوٹ لیا۔ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اندھیرے میں چل دیے مگر جراح بن سنان اسدی نے چھپ کر نیزہ مارا اور آنجناب کی ران کو زخمی کر دیا اور آپ کو نہایت بے آبرو کیا۔ اس کے بعد یعقوبی مزید ذکر کرتے ہیں کہ:

((و حمل الحسن الی المدائن وقد نرف نرفا شديدا واشتدت به العلة فافترق عنه الناس وقدم معاويه العراق فغلب على الامر والحسن عليل شديد العلة فلما راى الحسن ان لا قوة به وان اصحابه قد افترقوا عنه فلم يقوموا له۔ صالح معاوية، وصعد المنبر فحمد الله واثنى عليه وقال: ايها الناس! ان الله هداكم باولنا وحقن دماكم باخرنا وقد سالمت معاوية..... الخ))^۱

” (بقول شیعہ مورخ) مطلب یہ ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں مدائن کی طرف لے جایا گیا۔ آپ خون آلود تھے۔ آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی، لوگ آپ سے علیحدگی اختیار کرنے لگے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عراق میں جا پہنچے اور خلافت پر ان کا غلبہ ہونے لگا۔ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ شدید علیل تھے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے میں قوت نہ دیکھی اور ان کے ساتھی ان سے جدا ہو گئے اور تعاون سے کنارہ کش ہو گئے تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔

(جب کچھ حالت بہتر ہوئی) تو منبر پر تشریف لائے اور حمد و ثنا کی اور فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اول کے ساتھ تمہیں ہدایت بخشی اور ہمارے آخر کے ساتھ تمہارے خون کی حفاظت کی

(تمہیں خوں ریزی سے بچالیا) میں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی ہے یعنی امر خلافت ان کے سپرد کر دیا ہے۔“

یہ شیعہ مورخین کے بیانات ہیں جو انہوں نے اپنے نظریات کے مطابق درج کیے ہیں۔

③ نیز شیعہ کے مشاہیر علماء نے صلح ہذا کی شرائط میں مزید یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے میں دیگر شرائط کے علاوہ یہ شرط بھی لگائی تھی کہ

”کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سیرت خلفائے راشدین صالحین پر عمل درآمد کرنا ہوگا۔“

شیعہ کے فاضل اربلی لکھتے ہیں کہ:

((بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما صالح عليه الحسن بن علي بن ابي طالب معاوية بن ابي سفيان صالحه علي ان يسلم اليه ولاية امر المسلمين علي ان يعمل فيهم بكتاب الله تعالى و سنة رسوله ﷺ و سيرة الخلفاء الراشدين الصالحين..... الخ))^۱

قبل ازیں یہ چیز شیعہ کی تصریحات کے مطابق درج کی جا چکی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح کی تمام شرائط کو منظور کر لیا تھا اور ان کی ایفا کی تھی۔

فائدہ

مندرجہ بالا صلح کی شرط سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت برحق اور صحیح تھی اور ان کی دینی وثاقت مسلم تھی اور ان حضرات کا عہد خلافت قابل تقلید تھا اسی بنا پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کرتے وقت خلفائے راشدین کی سیرت پر عمل درآمد کی شرط لگائی۔

④ یہاں مزید اس چیز کو ذکر کر دینا ناظرین کرام کے لیے فائدہ بخش ہے کہ جس طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ باشرائط صلح و مصالحت کر کے بیعت کر لی تھی اور وہ اس پر رضامند اور مطمئن تھے اور اور کسی طرح بھی پشیمان اور پریشان نہیں تھے، اسی طرح آں موصوف کے برادر گرامی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بیعت ہذا میں شامل تھے اور اس معاہدہ کی تمام کارگزاری میں شریک کار تھے اور اس کو صحیح قرار دیتے تھے۔

لیکن اس دور میں بقول شیعہ مورخین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بعض لوگوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ

۱۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الاممہ (علی بن عیسیٰ الاربلی) ص ۱۳۵ ج ۲ تحت عنوان فی کلامہ علیہ السلام و مواضعہ و ما تجری معہما مع ترجمہ فارسی ترجمہ السائق طبع تبریز، ایران

بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ص ۱۳۳ ج ۱۰ کیفیت مصالحت الحسن..... الخ طبع قدیم ایران

بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ص ۶۵ ج ۳ تحت باب کیفیت مصالحت الحسن بن علی..... الخ طبع جدید ایران

حبیب السیر ص ۶۴ از غیاث الدین المدعو بنحو اندامیر۔

کو اس صلح و مصالحت کے خلاف برا بیچتہ کرنے کی کوشش کی اور ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ کر ان کے خلاف جنگ و پیکار پر آمادہ کرنا چاہا، تو جناب سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہ نے ان کی اس پیش کش کے جواب میں ارشاد فرمایا:

((فقال الحسين انا قد بايعنا وعاهدنا ولا سبيل الى نقض بيعتنا))^۱

”یعنی حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی ہے اور ان

سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے۔ اب بیعت ہذا کو توڑ ڈالنے کے لیے کوئی راستہ نہیں۔“

اسی مسئلہ کو شیعہ کے مجتہدین نے مزید وضاحت سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک بار عراق کے شیعیان علی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مکتوبات ارسال کیے جن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت اور باہمی معاہدہ کے نقض پر زور دیا اور اس عقد کو ختم کر دینے کا تقاضا کیا۔ شیخ مفید شیعہ نے اس سلسلے میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے جواب کو بالفاظ ذیل تحریر کیا ہے:

((ان بينه وبين معاوية عهدا وعقدا لا يجوز له نقضه حتى تمضي المدة..... الخ))^۲

”اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان

عہد اور عقد (بیعت) ہو چکا ہے اس کو توڑنا جائز نہیں تا وقتیکہ معاہدہ کی مدت (خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ) ختم ہو جائے۔“

مندرجات گزشتہ سے ثابت ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دونوں برادر حضرات کی بیعت درست تھی اور ان کے نزدیک عقد مصالحت بالکل صحیح تھا اور اس پر دونوں حضرات حسین شریفین رضی اللہ عنہما مدۃ العمر قائم رہے۔

یہ چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحت خلافت کے لیے وزنی شہادت ہے اور ان کی حکومت عادلہ کی خاطر واضح دلیل ہے۔

^{تنبیہ} بعض لوگوں نے مقام شرائط میں ایک شرط یہ بھی ذکر کی ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ شرط عائد کی تھی کہ ”جناب معاویہ کے بعد حضرت حسن خلیفہ ہوں گے۔“ اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوا دیا تھا تا کہ وہ امر خلافت پر بعد میں ہمیشہ مسلط رہیں۔

اس شرط کے متعلق درج ذیل چیزیں قابل غور ہیں ان پر توجہ کر لینے سے اس شرط کا سقم واضح ہو جائے گا:

① قدیم مورخین طبری وغیرہ اور خصوصاً شیعہ کے قدیم تر مورخین دینوری، مسعودی اور یعقوبی وغیرہ نے

۱ اخبار الطوال (دینوری شیعہ) ص ۲۲۰ طبع مصر تحت بحث مباہدہ معاویہ بالخلافہ..... الخ

۲ کتاب الارشاد (شیخ مفید شیعہ) ص ۱۸۱-۱۸۲ طبع ایران۔

جہاں شرائط صلح ذکر کی ہیں ہماری معلومات کی حد تک ان میں شرط مذکورہ بالا کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے کے لیے یہ عمدہ موقع تھا۔

نیز معلوم ہوتا ہے کہ ان مورخین کے دور تک شرائط میں یہ چیز شامل نہ تھی ایک مدت دراز کے بعد لوگوں نے اس شرط کا اضافہ کر لیا اور زہر خورانی کے طعن کے لیے اس کو زینہ بنایا۔ یہ چیز نقلی طور پر پیش کی گئی ہے۔

② اب عقلی طور پر توجہ کریں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف یزید کا مسئلہ اس دور کے اکابر کے سامنے پیش کیا تو بعض اکابر نے اس چیز سے اختلاف کرتے ہوئے کلام کیا (جیسا کہ تواریخ میں منقول ہے) تو اس موقع پر ان لوگوں نے یہ چیز نہیں ذکر کی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی میں آپ کی خلافت تھی اب ان کی وفات کے بعد آپ کو خلافت کا حق نہیں اور صلح کی شرائط میں یہ مسئلہ داخل تھا۔

فلہذا اس بات کو اختلاف کرنے والے بزرگوں کا پیش نہ کرنا بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ صلح کی شرائط میں یہ شرط داخل نہ تھی ورنہ وہ حضرات اس موقع پر اس شرط کو ضرور پیش کرتے۔

مذکورہ بالا سطور میں صلح کے متعلق شیعہ کے متقدمین و متاخرین علماء کی چند توضیحات ذکر کی ہیں۔ اس کے قریب قریب ”تحفہ اثنا عشریہ“ میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے متعلق شیعہ علماء کے بیانات درج کیے ہیں اور بیشتر بطور الزام نقل کیے ہیں۔ اس میں بھی اس بات کی وضاحت آگئی ہے کہ یہ صلح ”اصلاح امت“ کے لیے تھی اور فتنہ کو ختم کرنے کی خاطر کی گئی۔ عبارت نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے۔ ناظرین کرام تسلی کے لیے درج ذیل مقام کی طرف رجوع کر سکتے ہیں:

تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۸۱ باب ہفتم در امامت تحت عقیدہ ششم، طبع لاہور

صلح و مصالحت کی تاریخ

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف البدایہ والنہایہ میں ذکر کرتے ہیں کہ:

((وقال ابو الحسن علی بن المدینی: کان تسلیم الحسن الامر الی معاویۃ فی الخامس من ربیع الاول سنة احدى واربعین وقال غیرہ فی ربیع الاخر و یقال فی خرة جمادی الاولى۔ فالله اعلم))^۱

اور اسی مسئلہ کو دیگر محدثین و مورخین نے بھی بالوضاحت اپنی اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے مثلاً:

خليفة ابن خياط رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں یہ الفاظ ذکر کیے ہیں کہ:

((وفیہا سنة الجماعة اجتمع الحسن بن علی بن ابی طالب و معاویۃ (بن ابی

۱ البدایہ والنہایہ، ص ۱۸ ج ۸، ص ۲۱ ج ۸ تحت سنہ ۴۱ھ فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

سفیان) رضی اللہ عنہما فاجتمعا بمسکن من ارض السواد ومن ناحية الانبار فاصطلحا وسلم الحسن بن علی الی معاویة و ذلك فی شهر ربیع الاخر او فی جمادی الاولی سنة احدى واربعین)۔^۱

”مندرجات بالا کا مطلب یہ ہے کہ عام الجماعت ۴۱ھ میں حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما ”انبار“ کے نزدیک ارض سواد کے مسکن میں جمع ہوئے اور دونوں نے (خلافت کے معاملہ میں) باہم صلح کر لی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امر خلافت سپرد کر دیا اور کنارہ کش ہو گئے یہ واقعہ ربیع الاخریٰ یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں پیش آیا۔“

حاشیہ میں مزید چند ایک حوالہ جات اس مسئلہ پر درج کر دیے ہیں تاکہ اہل تحقیق حضرات رجوع کر کے تسلی کر سکیں۔

صلح کے بعد باہمی گفتگو کا ایک منظر

عامر شععی رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کی تو میں بھی اس موقع پر حاضر تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس مصالحت کی لوگوں کو اطلاع کیجیے کہ آپ نے امر خلافت کو ترک کر دیا ہے اور اسے ہمارے سپرد کر دیا ہے۔ تو اس موقع پر حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے مقام سے اٹھے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

”دانشمندوں میں سے زیادہ دانشمند وہ شخص ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اور عاجزوں میں سے وہ شخص زیادہ عاجز ہے جو فاجر ہے (پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا) یہ معاملہ جس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اور ہم نے اختلاف کیا، یا تو میرا حق تھا جسے میں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ترک کر دیا اور یا یہ امر اس شخص کا حق تھا جو مجھ سے زیادہ حق دار ہے۔ (بہر کیف) میں نے لوگوں کو خوں ریزی سے بچانے کی خاطر یہ صورت (صلح) اختیار کی۔“

((قال الشعبي: فسمعته علی المنبر حمد الله واثني عليه ثم قال: اما بعد: فان اكيس الكيس التقى، وان اعجز العجز الفجور، وان هذا الامر الذي

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۷ ج ۱ تحت سنہ ۴۱ھ عام الجماعہ

مستدرک حاکم ص ۷۴ ج ۳ تحت مصالحت الحسن و معاویہ رضی اللہ عنہما

تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) صفحہ ۲۱۰ ج ۱ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

الاستیعاب (ابن عبد البر) (مع الاصابہ) ص ۳۷۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۳ ج ۳ مع الاستیعاب تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۸۶-۳۸۷ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اختلفت فيه انا ومعاوية حق كان لي فتركته لمعاوية۔ او حق كان لامرء احق به مني وانما فعلت هذا لحق دماءكم وان ادري لعله فتنة لكم ومتاع الى حين))^۱

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی بیعت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ (شیعہ کتب سے)

گزشتہ اوراق میں یہ چیز دلائل کے ساتھ واضح کر دی گئی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسئلہ خلافت میں صلح کر لی اور خلافت و امارت کا معاملہ تمامہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور انھیں ”خليفة المسلمين“ برحق تسلیم کر لیا۔

اب اس مقام پر اسی مسئلہ کی مزید تشریح بایں طور ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے برادر گرامی جناب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ دونوں حضرات نے شرعی دستور کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت بھی کر دی تھی۔

چنانچہ یہ چیز اہل سنت والجماعت کی روایات کے اعتبار سے تو مسلم ہے لیکن شیعہ کے نزدیک بھی یہ مسئلہ مسلمات میں سے ہے اور بے شمار شیعہ علماء نے اپنی تصانیف میں بالوضاحت درج کیا ہے۔ ہم یہاں جناب سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فرمان کی روشنی میں بعض حوالہ جات ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

① ((قال سمعت ابا عبدالله يقول ان معاوية كتب الى الحسن بن علي صلوات الله عليهما ان اقدم انت والحسين واصحاب علي فخرج معهم قيس بن سعد بن عبادة الانصاري فقدموا الشام فاذن لهم معاوية واعد لهم الخطاب فقال يا حسن! قم فبايع فقام فبايع ثم قال للحسين عليه السلام قم فبايع فقال فبايع ثم قال يا قيس قم فبايع فالتفت الى الحسين ينظر ما يأمره فقال يا قيس انه امامي يعني الحسن))^۲

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴۲ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء روایت ۱۰۷۴ طبع کراچی
حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۳۷ ج ۲ تحت تذکرہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ
اسنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۷۳ ج ۸ تحت کتاب قال اہل البیت۔

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۸۱ ج ۳ تحت تذکرہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ
بحار الانوار (ملا باقر مجلسی شیعہ) ص ۱۱۲ جلد ۱۰ طبع قدیم باب کیفیہ مصاحبہ الحسن بن علی۔ الخ۔

۲۔ رجال کشی طبع قدیم ممبئی ص ۱۰۲ طبع تبران تحت قیس بن سعد بن عبادة

کتاب بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ص ۱۴۲-۱۴۳ ج ۱۰ تحت باب کیفیہ مصاحبہ الحسن بن علی (طبع قدیم ایران)

”مطلب یہ ہے کہ جناب جعفر صادق فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب ارسال کیا کہ آپ اور آپ کے برادر حسین اور حضرت علی المرتضیٰ کے دیگر احباب ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ جب یہ حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جانے کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے ہمراہ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی روانہ ہوئے۔ یہ حضرات ملک شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اندر آنے کی اجازت دی وہاں اس مجلس میں کئی خطباء جمع کیے گئے تھے پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اٹھیے اور بیعت کیجیے پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ اٹھے اور انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اس کے بعد انھوں نے (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے) حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ بھی اٹھیے اور بیعت کریں پس حضرت حسین رضی اللہ عنہ اٹھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہا تم بھی اٹھو اور بیعت کرو۔ قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف التفات کیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے قیس! وہ میرے امام ہیں (آپ بھی بیعت کر لیں)۔“

② اور اسی مسئلہ کو شیخ ابو جعفر طوسی شیعہ نے اپنی تصنیف ”امالی شیخ طوسی“ مجلس یازدہم ماہ صفر ۴۵ھ کے تحت بالفاظ ذیل درج کیا ہے۔

((الا وانی قد بايعت هذا و اشار بيده الى معاوية))^۱

”(یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے) اپنے ہاتھ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: خبردار! میں نے ان سے بیعت کر لی ہے۔“

شیعہ کے مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب امر خلافت میں صلح کی تھی تو اس وقت ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت بھی کر دی تھی۔ یہ چیز شیعہ کی معتبر روایات کی روشنی میں ثابت ہے کوئی مختلف فیہ امر نہیں۔

تنبیہ

شیعہ کے ہاں اس مقام پر مختلف روایات پائی جاتی ہیں مندرجہ بالا رجال کشی والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات (حضرت حسن و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) میں صلح و مصالحت تو پہلے ہو چکی تھی لیکن مزید توثیق و تصدیق کے طور پر ان حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے بیعت خلافت لی گئی اور انھوں نے بیعت کر دی تاکہ اس معاملہ میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

عام الجماعت

حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح کی اہل اسلام کے نزدیک بڑی اہمیت ہے اور اس کے ذریعے سے ایک بہت بڑے انتشار بین المسلمین کا خاتمہ ہوا اور افتراق کا فتنہ فرو ہو گیا۔ ایک مدت سے اعدائے اسلام پر غلبہ پانے اور انھیں فتح کرنے کے اقدامات رکے ہوئے تھے اور اہل اسلام کے مابین افتراق عظیم واقع ہو گیا تھا اور پھر اس دوران میں باہمی جدال و قتال کے مواقع بھی پیش آچکے تھے لیکن آخر کار اللہ کریم جل مجدہ نے پھر اہل اسلام کو ایک کلمہ پر مجتمع ہونے کی توفیق بخشی اور اس دور کے تمام اہل اسلام فرقت کے بعد ایک مرکز پر متفق ہو گئے اور حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو اپنا متفقہ امیر اور خلیفہ تسلیم کر لیا اور جو حضرات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور سے بیعت خلافت سے اجتناب اور علیحدگی اختیار کیے ہوئے تھے ان حضرات نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق خلیفہ تسلیم کر لیا اور ان پر رضامند ہو گئے۔ اس بنا پر اس برس کو ”عام الجماعہ“ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ابن عساکر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

((واصلح الحسن بن علی معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وسلم له الامر وبایعه

الناس جميعا فسمى عام الجماعة))^۱

اور ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

((وسمى هذا العام عام الجماعة لاجتماع الكلمة فيه على امير واحد بعد

الفرقة))^۲

اور دوسرے مقام پر اس مسئلہ کو اس طرح درج کیا ہے:

((وحصل على بيعة معاوية عامئذ الاجتماع والاتفاق))^۳

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے فتح الباری میں مسئلہ ہذا اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

((قال ابن بطال سلم الحسن رضی اللہ عنہ لمعاوية رضی اللہ عنہ الامر وبایعه على اقامة

كتاب الله وسنة نبيه ودخل معاوية رضی اللہ عنہ الكوفة وبایعه الناس فسميت سنة

الجماعة لاجتماع الناس وانقطاع الحرب وبایع معاوية رضی اللہ عنہ كل من كان

معتزلا للقتال كابن عمر و سعد بن ابی وقاص و محمد بن مسلمة رضی اللہ عنہم))^۴

۱ تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوط) ص ۴۰۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱ ج ۸ تحت فضل معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۹ ج ۸ تحت سنہ ۴۱ھ

۴ فتح الباری شرح بخاری ص ۵۳ ج ۱۳ تحت قولہ سار الحسن بن علی ابی معاویہ بالکتاب ... الخ

”مطلب یہ ہے کہ امر خلافت کو سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت نبوی پر عمل درآمد کرنے کی شرط لگا کر بیعت بھی کر دی۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے اور عام لوگوں نے ان سے بیعت خلافت کی۔ لوگوں کے ایک شخصیت پر مجتمع و متفق ہونے اور باہمی قتال کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس سال کا نام عام الجماعہ رکھا گیا۔ اور جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے دونوں متحارب فریقوں کے باہم حرب و قتال سے کنارہ کش تھے مثلاً عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص اور محمد بن مسلمہ انصاری وغیرہم رضی اللہ عنہم، ان لوگوں نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور ان پر رضامند ہو گئے اور کلمہ اسلام پر اتفاق و اجتماع ہو گیا۔“

صلح ہذا کے متعلقہ چند فوائد

اکابر علماء نے مصالحت ہذا کے متعلق چند توضیحات ذکر کی ہیں جن میں اس چیز کے مصالح اور فوائد ذکر کیے ہیں اور انھوں نے اس صلح کی دینی اہمیت اور افادیت واضح کی ہے۔

علماء کی طرف سے اس نوع کے متعدد بیانات متعدد کتب میں مذکور ہیں۔ ان میں سے چند ایک ناظرین کرام کی خدمت میں بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں اس مضمون کا استقصاء مقصود نہیں۔

① تراجم کے مشہور عالم ابوالحسن احمد بن عبداللہ عجمی (جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں) لکھتے ہیں کہ:

”حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد قریباً ستر ہزار افراد امت نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی تھی۔ لیکن سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ایک تارک الدنیا اور زاہد شخص تھے۔ انھوں نے خلافت کے بارے میں زہد اختیار کیا اور اسے ترک کر کے یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور فرمایا کہ مجھ (سینگی) کے برابر بھی خون میرے ہاتھوں نہ گرایا جائے۔“

((قال ثم بايع الحسن رضی اللہ عنہ بعد وفاة ابيه سبعون الفا فزهد في الخلافة فلم

يردها وسلمها لمعاوية رضی اللہ عنہ وقال لا يهراق على يدي محجمة من دم))^۱

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جنگ کرنا چاہتے تو جنگ و قتال کے لیے ہزاروں افراد

ان کے ہم نوا موجود تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ذاتی زہد و تقویٰ کی بنا پر خلافت اپنے فریق مقابل کے سپرد کی

اور خود اس سے دستبردار ہوئے ان کا یہ عمل حالات کے کسی سیاسی دباؤ کے تحت نہ تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے واضح

طور پر فرمایا کہ میرے ہاتھوں اہل اسلام کی ادنیٰ سی خوں ریزی بھی مجھے پسند نہیں۔ یہ آپ کی کمال دیانت اور

خدا خونی کی واضح دلیل اور تقویٰ کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ درحقیقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا یہ ایثار اور حوصلہ مندی قابل

۱ تاریخ الثقات (ابوالحسن عجمی) ص ۱۱۶ (المتوفی ۲۶۱ھ) تحت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما طبع بیروت

صد ستائش ہے۔

اسی طرح دیگر اکابر مورخین نے یہ چیز ذکر کی ہے کہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے اور بقول بعض کوفہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت بعض لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح پر نقد کرتے ہوئے یوں کہا:

السلام علیکم یا مذل المؤمنین (اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے! تم پر سلام ہو)
تو آنجناب نے جواب میں فرمایا کہ ایسا مت کہو، میں نے تو مومنوں کو ذلیل و رسوا نہیں کیا بلکہ میں نے
ملک کی خاطر مومنوں کے قتال اور خون ریزی کو پسند نہیں کیا (اور صلح کر دی)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا: میں نے اپنے والد گرامی سے سن رکھا ہے کہ ایک نہ
ایک دن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملک کے والی ہوں گے میں نے یقین کر لیا کہ یہ امر واقع ہو کر رہے گا۔ پس میں
نے اپنے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان قتال اور مسلمانوں کی خون ریزی کو مکروہ جانا۔

((فلما قدم الحسن بن علی رضی اللہ عنہما علی الکوفة قال له رجل منا يقال له
ابوعامر سفیان بن لیلی۔ وقال ابن الفضل سفیان بن اللیل: السلام علیک یا
مذل المؤمنین! قال لا تقل ذلك یا ابا عامر لست بمذل المؤمنین ولكنی
کرهت ان اقتلهم علی المملک))^۱
اور ابن عساکر رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ:

((حدثنی سفیان بن اللیل قال قلت للحسن بن علی رضی اللہ عنہما لما قدم من الکوفة
الی المدینة یا مذل المؤمنین! قال لا تقل ذلك فانی سمعت ابي يقول: لا
تذهب الايام واللیالی حتی یملك معاویة فعلمت ان امر الله واقع۔ فکرهت
ان تهراق بینی و بینہ دماء المسلمین))^۲

شیعہ کی طرف سے تائید

شیعہ کے اکابر مورخین اور مجتہدین نے اس واقعہ کی تائید بہ عبارت ذیل کی ہے۔
ابوحنیفہ دینوری شیعہ نے اپنی مشہور تاریخ ”اخبار الطوال“ میں لکھا ہے:

^۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۳۰ ج ۱۰ تحت کتاب الفتن (مخطوطہ)

کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۱۷ ج ۳ تحت العصر الاموی خلافت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۳۰۵-۳۰۶ ج ۱۰ تحت عبید اللہ بن خلیفہ

^۲ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوطہ) ص ۷۲۰، ج ۱۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

((فقلت: السلام علیکم یا مذل المومنین! قال وعلیک السلام، اجلس لست مذل المومنین، ولكنی معزهم۔ ما اردت بمصالحتی معاویة الا ان ادفع عنکم القتل عند ما رأیت من تباطو اصحابی عن الحرب ونکو لهم عن القتال))^۱

”یعنی سفیان نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر کہا کہ اے مسلمانوں کو ذلت میں ڈالنے اور رسوا کرنے والے! آپ پر سلام ہو۔ تو جواب میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے وعلیک السلام کہا اور فرمایا بیٹھ جائیے! میں اہل اسلام کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوں بلکہ مسلمانوں کو عزت دینے والا ہوں۔ جب میں نے اپنے ساتھیوں میں جنگ کرنے میں تاخیر اور قتال سے اعراض دیکھا تو میں نے معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے مصالحت کا ارادہ کر لیا تاکہ تم سے خون ریزی کو دور رکھوں۔“

مزید برآں مضمون بالا کی نوعیت کی متعدد روایات عند الشیعہ دستیاب ہوتی ہیں جن میں مذکور ہے کہ

① حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جب اپنی جماعت کے لوگوں نے صلح ہذا پر ملامت کی اور عار دلائی تو امام حسن رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ جو کچھ میں نے عمل کیا؟ اللہ کی قسم! جو کچھ میں نے عمل کیا ہے (یعنی صلح اختیار کی ہے) یہ ہمارے شیعوں کے حق میں تمام دنیا سے بہتر ہے۔

((عن ابی سعید عقیصی قال لما صالح الحسن بن علی بن ابی طالب معاویة بن ابی سفیان دخل علیہ الناس فلامہ بعضهم علی بیعته فقال ویحکم ما تدرون وما عملت واللہ للذی عملت خیر لشیعتی مما طلعت علیہ الشمس او غربت..... الخ))^۲

اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے اسی فرمان کو ملا باقر مجلسی نے ”جلاء العیون“ میں بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

”چوں حضرت امام حسنؑ با معاویہ صلح کر مردم بخد مت آں حضرت آمدند بعضی ملامت کردند اور ابہ بیعت معاویہ حضرت فرمود وای بر شما نمیدانید کہ من چه کار کرده ام برائے شما بخدا سوگند کہ آنچه من کرده ام بہتر است از برائے شیعیان من، ما ز آنچه آفتاب بر آن طالع میگردد۔“^۳

② نیز اسی مسئلہ کو امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

”اللہ کی قسم! جو کچھ معاملہ (صلح) حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے کیا تھا وہ اس امت کے حق میں تمام دنیا و ما فیہا

۱ اخبار الطوال (دینوری شیعہ) ص ۲۲۱ تحت زیاد بن ابیہ، طبع مصر

۲ کتاب الاحجاج (طبری) ص ۱۴۸ تحت احتجاج حسن بن علی معاویہ فی امامہ من یتقھا، طبع قدیم ایران

بحار الانوار از ملا باقر مجلسی ج ۱۰ تحت علت مصالحت مذکورہ طبع قدیم ایران۔

۳ جلاء العیون از ملا باقر ص ۲۹۰ تحت در بیان سبب صلح کردن امام حسن با معاویہ

سے بہتر ہے۔“

((عن ابی جعفر رضی اللہ عنہ قال والله للذی صنعہ الحسن بن علی کان خیرا لهذا الامۃ مما طلعت علیہ الشمس))^۱

اور ملا باقر مجلسی نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو اس طرح ذکر کیا ہے:

”کلینی بسند معتبر از حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ روایت کردہ است کہ صلح کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ با معاویہ کرد برائے این امت بہتر بود از دنیا و ما فیہا۔“^۲

مختصر یہ ہے کہ شیعہ کے ائمہ کی معتبر روایات کثیرہ کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کر لینا تمام دنیا سے بہتر تھا اور امت اسلامیہ کے حق میں بھی یہ صلح خیر تھی اور دینی مصلحت اسی سے وابستہ تھی۔ اگر یہ صورت اختیار نہ کی جاتی تو اہل اسلام میں قتال و جدال کا ایک باب مفتوح ہو جاتا اور قوم خوں ریزی سے دوچار ہو جاتی۔ اس صلح کی بنا پر ایک عظیم فساد سے امت محفوظ ہو گئی۔

② جانہن میں جو صلح ہوئی وہ اس بشارت نبوی کا مصداق ہے جس میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا:

((ان ابنی هذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتين عظیمین من المسلمین))^۳

”یعنی یہ میرا فرزند سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔“

اکابر علمائے کرام نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مصالحت ہوئی وہ کئی فوائد پر مشتمل اور متعدد مصالح کی حامل تھی مثلاً:

① یہ صلح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت نبوت کے دلائل و براہین میں سے ہے اور پھر جس طرح آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا واقع میں اسی طرح پایا گیا۔

② اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اس میں عظیم منقبت ہے اس وجہ سے کہ انھوں نے حکومت و امارت کو کسی

۱۔ الروضہ من الکافی ص ۲۵۲ ج ۲ مع شرح فارسی روایت ۵۰۶ طبع تہران

۲۔ جلاء العیون از ملا باقر مجلسی ص ۲۹۲ تحت بیان صلح امام دوم با معاویہ طبع تہران۔

۳۔ بخاری شریف ص ۳۷۲، ۳۷۳ ج ۱ کتاب الصلح تحت باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للحسن بن علی: ابنی هذا سید..... الخ طبع نور

قلت، ذلت یا علت کی بنا پر نہیں چھوڑا بلکہ عند اللہ مسلمانوں کے خون کی حفاظت کرنے میں آپ نے رغبت فرمائی اپنے منصب خلافت کو ترک کیا اور انھوں نے امر دین کی رعایت کرتے ہوئے امت کی مصلحت کو پیش نظر رکھا۔

③ اس واقعہ صلح میں ان خوارج کا رو ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کی نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی کفر کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ جناب نبی اقدس ﷺ کی اس شہادت کے اعتبار سے یہ دونوں طائفے مسلمانوں میں سے ہیں چنانچہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ:

((وفی هذه القصة من الفوائد علم من اعلام النبوة ومنقبة للحسن بن علي رضي الله عنه - فانه ترك الملك لا لقلّة ولا لذلة ولا لعلّة بل لرغبته فيما عند الله لما راه من حقن دماء المسلمين فراعى امر الدين ومصلحة الامة وفيها رد علي الخوارج الذين كانوا يكفرون عليا رضي الله عنه و من معه ومعاوية رضي الله عنه ومن معه بشهادة النبي ﷺ للطائفتين بانهم من المسلمين))^۱

اس نوع کے مضمون کو مشہور شارح حدیث ابن العربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح ترمذی میں مذکورہ حدیث شریف کے تحت درج کیا ہے۔^۲ بخوف طوالت عبارت ذکر نہیں کی مندرجہ بالا حوالہ کی طرف اہل علم رجوع کر سکتے ہیں۔

تنبیہ

یہ صلح اور مصالحت جہاں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے زہد و تقویٰ اور خیر خواہی امت کا عمدہ نمونہ ہے وہاں ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصلحت بینی اور مسلمانوں کے درمیان خون ریزی سے بچاؤ کرنے کی ایک بہترین پیش کش ہے۔ دراصل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صلح بین المسلمین کی طرف بدل و جان راغب تھے اسی بنا پر انھوں نے قریش کے دو مشاہیر (عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما) کو حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بڑے اہتمام کے ساتھ بھیجا اور فرمایا کہ:

((فقال (معاوية بن ابی سفيان رضي الله عنه) اذها الي هذا الرجل فاعرضا عليه وقولا له وطلبا اليه فاتياه فدخلا عليه فتكلما وقالوا له وطلبا اليه..... الخ))^۳

۱ فتح الباری شرح بخاری (ابن حجر) ص ۵۶، جلد ۱۳ تحت الحدیث ابنی هذا سید..... الخ

۲ شرح ترمذی (ابن العربی مالکی) ص ۲۲۹، ۲۳۱، جلد ۱۳ تحت الحدیث ابنی هذا سید..... الخ

۳ بخاری شریف ص ۳۷۳ ج ۱ کتاب الصلح باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی رضی اللہ عنہما

”یعنی تم دونوں حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور ان پر صلح کا مسئلہ پیش کرو اور ان سے صلح کی بات کرو۔ اس کے بعد وہ دونوں حضرات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور انہوں نے اس معاملہ پر گفتگو کی اور صلح کو طلب کیا..... الخ (پھر مصالحت فریقین میں ہو گئی جیسا کہ اوپر روایت گزر چکی ہے)۔“

(۳) ایک اہم فیصلہ

بعض لوگوں کی طرف سے اہل اسلام میں یہ چیز نشر کی جاتی ہے کہ خلافت و امامت ایک مخصوص منصب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے مخصوص افراد کے لیے مختص ہے ان حضرات کے ماسوا کسی شخص کو امامت اور خلافت کا یہ حق نہ پہنچے گا اور کسی کا شرعاً اس پر حق نہیں۔ اور وہ لوگ اپنے زعم میں اس پر کئی دلائل قائم کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ نظریہ درست نہیں۔ اس قول اور نظریہ کے خلاف جہاں دیگر چیزیں پیش کی جاتی ہیں ان میں سیدنا امام حسن اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مصالحت کا یہ واقعہ ایک ”اہم فیصلہ“ کی حیثیت رکھتا ہے۔ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امر خلافت سپرد کر دینا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ مذکورہ بالا عقیدہ امامت صحیح نہیں اور امامت و خلافت کا منصب دیگر افراد امت کے لیے بھی درست اور صحیح ہے۔

اگر یہ بات صحیح نہ ہوتی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہرگز امر خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے پر رضامند نہ ہوتے۔ چنانچہ جس طرح نبوت ایک مخصوص منصب ہے اور کوئی نبی کسی غیر نبی کو یہ منصب سپرد نہیں کرتا اسی طرح اگر امامت و خلافت کا منصب بھی کسی دیگر شخص کے سپرد کرنے کے قابل نہیں تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے امامت و خلافت کا منصب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیسے کر دیا؟

ایک اشتباہ

اس مقام پر ایک اشتباہ کا ازالہ کر دینا مفید معلوم ہوتا ہے اشتباہ یہ ہے کہ بعض روایات میں آنجناب رضی اللہ عنہ کی پیش گوئیوں میں مذکور ہے کہ ایک صلح ”بدنہ علیٰ دخن“ ہوگی یعنی اس صلح کی بنیاد دھوکا دہی پر ہوگی اور وہ کدورت پر مبنی ہوگی۔

بعض لوگوں نے مذکورہ روایت کا محمل اور مصداق حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کو قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ مصالحت نیک نیتی پر مبنی نہیں تھی اس میں دھوکا دہی مقصد تھا اور دلوں میں کدورت تھی بلکہ یہ ایک قسم کا غدر تھا۔

ازالہ

اشتباہ مذکور کے ازالہ کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر توجہ کر لینے سے مذکورہ اشتباہ زائل ہو سکے گا:

① پہلی یہ چیز قابل غور ہے کہ روایت مذکورہ بالا ”ہدنه علی دخن“ او کما ذکر فی الروایہ میں فریقین میں سے کسی شخص کا نام مذکور نہیں اور نہ کسی مقام اور موقع کا وہاں ذکر کیا گیا ہے اور نہ کسی عہد اور زمانے کی تعیین اس میں پائی جاتی ہے۔ واللہ اعلم! یہ کن لوگوں، کس دور اور کس صلح کی طرف اشارہ ہے؟ ان چیزوں کے تعیین سے یہ روایت خاموش ہے۔

اب ایسی مجمل پیش گوئی کا مصداق اور محمل حضرت حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح قرار دینا بغیر دلیل کے ہے اور توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کا نمونہ ہے۔

② اور دیگر صحیح حدیث میں وارد ہے:

((ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فتنین عظیمین من المسلمین))

جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر ہوا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ صلح اور مصالحت مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے ہوگی اور مفید و منفعت بخش ہوگی۔ یعنی اس میں دھوکا بازی کا معاملہ ہرگز نہیں ہوگا۔ نیز وہ صلح صحیح صلح ہوگی، کسی کدورت پر مبنی نہیں ہوگی۔

اس حدیث کا یہ مضمون جمہور علمائے امت کے نزدیک اپنے مقام پر واضح ہے۔

دوسری روایت (ہدنه علی دخن) کا محمل اگر حضرت حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی اس صلح کو بنایا جائے تو یہ روایت مذکورہ بالا صحیح حدیث کے مضمون اور مفہوم کے خلاف ہوگی۔ کیونکہ حدیث شریف میں ”لعل الله ان یصلح به“ کے الفاظ مذکور ہیں۔ ان میں جناب نبی اقدس ﷺ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے صلح کی بہتر امید وابستہ کی ہے اور نبی کریم ﷺ کی امید امر حق کے موافق ہوتی ہے پس آنجناب ﷺ کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ترجیحی (امید وابستہ کرنا) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت ترک کرنا صحیح ہے اور اس میں کسی جانب سے کوئی ”دخن“ یعنی خدایت و خیانت نہیں اور مبنی بر کدورت بھی نہیں اس میں کوئی غدر نہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر مکی رضی اللہ عنہ اپنی مشہور تصنیف الصواعق المحرقة میں ذکر کرتے ہیں کہ:

((فانظر الی ترجیہ ﷺ الاصلاح به وهو ﷺ لا یرجوا الا الامر الحق۔

الموافق لواقع فترجیه للاصلاح من الحسن ﷺ یدل علی صحۃ نزولہ

لمعاویۃ رضی اللہ عنہ عن الخلفاء))^۱

حاصل یہ ہے کہ ان دونوں حضرات (سیدنا امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) کے مابین مشہور ”صلح و مصالحت“ ایک بار ہی ہوئی ہے اور وہ صلح آنجناب رضی اللہ عنہم کی پیش گوئی کا صحیح مصداق تھی۔ اسی کے متعلق ترجی یعنی امید وابستہ کرنا مذکور ہے اور وہ امر حق کے موافق تھی اور آنجناب رضی اللہ عنہم کی پسندیدہ صلح کی تکمیل تھی۔

اب اس واقعہ میں ایک فریق کے حق میں خدیعت اور خیانت و کدورت و غدر کی نسبت کرنا بالکل بے جا اور ناروا ہے کیونکہ اس طرح تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس صلح میں دھوکا کھایا اور خسارہ اٹھایا اور آنجناب رضی اللہ عنہم کی جو بہتر امید وابستہ تھی وہ معاذ اللہ پوری نہ ہو سکی۔ وجہ یہ ہے کہ جس صلح میں دھوکا دہی اور فساد نیت اور غدر ہو وہ صلح ہی کیسے ہوئی؟

یہاں سے معلوم ہوا کہ ہد نہ علی دخن والی روایت کا مصداق اگر یہ مصالحت و صلح قرار دی جائے تو ان دونوں روایات کے مفہوم میں تعارض و تخالف واقع ہوتا ہے۔ فلہذا ہد نہ علی دخن والی روایت کا مصداق کوئی دوسرا واقعہ ہے یہ مصالحت مذکورہ محمل نہیں۔

③ نیز اس مقام پر یہ چیز نہایت قابل لحاظ ہے کہ اس صلح میں بنی ہاشم حضرات اور بہت سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہوئے تھے اور ان حضرات کے عمل و تعامل نے اس صلح کی صحت پر مہر تصدیق مثبت کر دی اور اس پر رضامند ہو گئے۔

اگر اس صلح کو کدورت اور غدر پر محمول کیا جائے تو کیا ان حضرات کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ دھوکا اور فریب کاری کی جا رہی ہے؟ اور کیا یہ حضرات اتنے سادہ لوح غافل اور سطحی فکر کے حامل تھے کہ فریق مقابل کی فریب دہی کو نہ سمجھ سکے؟

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان تمام اکابر بنی ہاشم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدت العمر تعلقات اور روابط درست رہے اور ان کے باہمی تمام معاملات صحیح تھے فلہذا یہ چیز بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مصالحت مذکورہ میں کسی قسم کی کدورت نہیں تھی اور نہ وہ بطور خدیعت اور غدر کے واقع ہوئی تھی، ورنہ یہ معاملات کیسے درست رہ سکتے تھے؟

④ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب صلح ہو گئی اور ان تمام حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی تو اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق قرار پائے اور مسلمانوں کے امیر المؤمنین ٹھہرے اور امام صادق کے لقب کے مستحق ہوئے۔

۱ الصواعق المحرقة (ابن حجر مکی) ص ۲۱۸ (طبع ثانی مصر) تحت الحاتر فی بیان اعتقاد اہل السنۃ فی حقیقۃ خلافت معاویہ بعد نزول الحسن

اس چیز کو اکابر علماء نے اپنی تصنیفات میں واضح الفاظ سے ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ الصواعق المحرقة میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

((وعلى ان تلك الفوائد الشرعية وهي صحة خلافة معاوية رضي الله عنه وقيامه بامور المسلمين وتصرفه فيها بسائر ما تقتضيه الخلافة مترتبة على ذلك الصلح فالحق ثبوت الخلافة لمعاوية رضي الله عنه من حينئذ وانه بعد ذلك خليفة حق وامام صدق))^۱

اور شرح طحاویہ میں قاضی صدر الدین کہتے ہیں کہ:

((انما صار اماما حقا لما فوض اليه الحسن بن علي الخلافة..... الخ))^۲

اکابرین امت کی جانب سے تائید

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح ہذا کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا برحق خلیفہ ہونا اس دور کے تاریخی مسلمات میں سے ہے۔ کیونکہ اس دور کے اہل حل و عقد کا اجتماع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر منعقد ہو گیا تھا اور اس مسئلہ خلافت میں دیگر کوئی شخص اس وقت مشارک اور مدافع بھی موجود نہیں تھا اس بنا پر حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت ہذا کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ٹھہرے اور اکابرین امت میں سے علی العموم کسی نے اختلاف نہیں کھڑا کیا اور اگر بعض افراد نے انفرادی طور پر اختلاف کیا ہے تو وہ کثیر امت اور اہل حل و عقد کے مقابلہ میں قلیل و شاذ کا حکم رکھتا ہے جس کا کوئی وزن اور اعتبار نہیں (للاکثر حکم الكل)

چنانچہ ہم تابعین میں سے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں ایک تائیدی بیان ذکر کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

((عن الاوزاعي قال ادركت خلافة معاوية عدة من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم منهم سعد واسامة وجابر وابن عمر وزيد بن ثابت و مسلمة بن مخلد و ابوسعيد و رافع بن خديج و ابوامامة و انس بن مالك رضي الله عنه و رجال اكثر من سمي باضعاف مضاعفة كانوا مصابيح الهدى و اوعية العلم حضروا من الكتاب تنزيله و اخذوا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم تاويله و من التابعين لهم باحسان ان شاء الله منهم المسور بن مخرمة و عبدالرحمن بن الاسود ابن

۱۔ الصواعق المحرقة (ابن حجر مکی) ص ۲۱۸ ج ۲ (شہاب الدین احمد بن حجر بیہقی متوفی ۹۷۳ھ) تحت الحاتمہ بیان اعتقاد اہل السنۃ الخ

۲۔ شرح الطحاوی فی عقیدۃ السلفیہ (قاضی صدر الدین ابن ابی العزہی) ص ۳۳۰ تحت قولہ ثم علی بن ابی طالب، مکتبہ ریاض

عبدیغوث و سعید بن المسیب و عروہ بن الزبیر و عبداللہ بن محیریز فی اشباہ لہم لم ینزعوا یداً من جماعۃ فی امة محمد ﷺ))^۱

”مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے مثلاً سعد بن ابی وقاص، اسامہ بن زید، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید خدری، رافع بن خدیج، ابوامامہ، انس بن مالک وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ جن اشخاص کا ہم نے نام ذکر کیا ہے اس سے بھی دو گئے بلکہ زیادہ افراد موجود تھے۔ یہ حضرات اپنے مقام پر ہدایت کے چراغ تھے، اور علم دین کے محفوظ رکھنے والے تھے، کتاب اللہ کے نزول کے وقت حاضر تھے اور آنجناب ﷺ سے کتاب اللہ کے معانی اور مفاہیم انہوں نے حاصل کیے۔ اور تابعین میں سے اکابر حضرات مثلاً مسور بن مخرمہ، عبدالرحمن بن اسود، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن محیریز وغیرہم رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ ان تمام اکابرین نے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں) امت محمدیہ کی جماعت سے اپنے ہاتھ کو نہیں کھینچا (یعنی اہل اسلام کی جماعت سے متفق اور متعاون رہے اور وحدت اسلامی کو ملحوظ رکھا۔)“

بیان بالا سے واضح ہوا کہ صلح مذکور کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور میں مسلم خلیفہ المسلمین تھے اور ان کی خلافت برحق تھی اور حکومت عادلہ تھی اس دور کے اکابر نے ان کی بیعت سے ہاتھ نہیں کھینچا بلکہ انہیں صحیح خلیفہ تسلیم کر لیا۔ ان حضرات کا یہ عملی تعاون صحت خلافت کے لیے واضح ثبوت ہے۔

اس مقام پر صحابہ کے مخالف لوگوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی خلافت کے حق میں درج ذیل تاثرات ذکر کیے ہیں کہ:

✽ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت حقیقتاً خلافت نہ تھی بلکہ صورتاً خلافت تھی اور جابرانہ و ظالمانہ حکومت تھی۔

✽ اور معاویہ رضی اللہ عنہ لڑ کر خلافت حاصل کرنا چاہتے تھے، ان کی خلافت کا انحصار مسلمانوں کی رضامندی پر نہیں تھا، لوگوں نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ خود اپنے زور سے خلیفہ بنے تھے۔ وغیرہ وغیرہ

مندرجات بالا کی روشنی میں ان لوگوں کے یہ نظریات ہرگز درست نہیں اور واقعات کے برخلاف ہونے کے ساتھ ساتھ امت کے اکابرین کے فرمودات بالا اور بیانات سابقہ کے سراسر منافی اور معارض ہیں فلہذا یہ نظریات قطعاً ناقابل قبول ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بے جا تعصب و عناد پر مبنی ہیں۔

^۱ تاریخ مدینہ دمشق (ابن عساکر) ص ۲۳۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)

کتاب الاباطیل (جوزقانی) ص ۲۰۷-۲۰۸ روایت ۱۹۲

الحاصل

سیدنا حسن اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مصالحت کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں بقدر ضرورت کیا گیا ہے۔ اس تاریخی صلح کے بعد اہل اسلام میں ایک عظیم انتشار ختم ہو گیا اور دونوں حضرات اپنے اپنے مراکز کی طرف واپس ہو گئے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مراجعت کے متعلق حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

((ترحل الحسن ابن علی رضی اللہ عنہما و معہ اخوه الحسین رضی اللہ عنہما وبقیہ اخوتہم و ابن عمہم عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ من ارض العراق الی ارض المدینۃ النبویۃ علی ساکنہا افضل الصلاۃ والسلام وجعل کلما مربحی من شیعتہم یبکتونہ علی ما صنع من نزولہ عن الامر لمعاویۃ، وهو فی ذلک هو البار الراشد الممدوح، وليس یجد فی صدرہ حرجا ولا تلوما ولا ندما بل هو راض بذالک مستبشر بہ))^۱

”یعنی حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے برادر مکرم سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سمیت اپنے دیگر بھائیوں اور چچا زاد برادر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی معیت میں ارض عراق سے مدینہ النبی کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں جب یہ حضرات اپنے شیعوں اور حامی قبائل کے پاس سے گزرتے تھے تو بعض لوگ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کو ترک کر دینے پر عار دلاتے، ملامت کرتے اور سخت الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ حالانکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ درست معاملہ کرنے والے نیک طینت شخص تھے اور وہ ان لوگوں کے اس برے رویے سے اپنے اندر کوئی کمزوری محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنے اس مصالحت کے فعل پر بشرح صدر خوش اور مطمئن تھے اور انھوں نے وقتی تقاضوں کے تحت درست فیصلہ کر کے یہ صورت اختیار تھی۔“

بہر حال یہ حضرات ایک افتراق عظیم ختم کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں اقامت پذیر ہو گئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ مصالحت کے بعد علاقہ ہذا کے انتظامات کی طرف توجہ مبذول کی۔ کوفہ کے علاقہ پر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو والی اور حاکم مقرر کیا، بصرہ کے علاقہ پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو حاکم متعین فرمایا اور اس کے بعد آپ دمشق کی طرف واپس تشریف لائے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے فتح الباری میں تحریر کیا ہے کہ:

((وولی معاویة رضی اللہ عنہ الکوفه المغیره بن شعبه رضی اللہ عنہ و البصره عبدالله بن عامر رضی اللہ عنہ و رجع الی دمشق))^۱

اس واقعہ مصالحت پر سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تیسرا دور ختم ہوا۔ اب اس کے بعد آپ کی سیرت کا چوتھا دور شروع ہوگا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)
اختتامی کلمات برائے دور سوم

اس دور میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری ایام خلافت سے لے کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت تک کے حالات و واقعات کو ایک ترتیب سے مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً:

● شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل حفاظتی تدابیر اور محاصرہ دار عثمان رضی اللہ عنہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی۔

● حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دیگر متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمیت بیعت علوی سے توقف۔

● واقعہ صفین کے متعلقات۔

● واقعہ تحکیم اور اس میں ناکامی۔

● مقتولین صفین کے متعلق فریقین کے تاثرات

● فریقین میں مصالحت اور معاہدہ جنگ بندی۔

● خلیفہ رابع حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تاثرات۔

● سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت وغیرہ وغیرہ۔

اس دور میں مذکورہ بالا اہم عنوانات کے واقعات کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے متعدد دیگر متعلقہ تفصیلات کو بھی زیر بحث لایا گیا خصوصاً اس دور کے مشاجرات صحابہ کو حتی المقدور صاف کرنے کی کوشش کی گئی۔

دور چہارم

عہد خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ خلافت راشدہ کے مبارک دور کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ”عہد خلافت“ اسلام میں بڑا اہم دور ہے۔ اس دور میں اسلام کو کامل فروغ حاصل ہوا، دین و شریعت کے تمام شعبوں میں ترقی ہوئی اور اس عہد کے باقی مخالف ادیان یہود و نصاریٰ وغیرہ پر اسلام غالب آ گیا اور اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ عظیم سلطنتوں کا زور ٹوٹ گیا۔

چنانچہ اس زریں عہد کے حالات اور واقعات لا تعداد پائے جاتے ہیں لیکن حسب مقدر انہیں کم و بیش بارہ فصول کی شکل میں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، ان پر نظر غائر کرنے سے اس دور کی قدر و منزلت اور اہمیت واضح ہو سکے گی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملتی خدمات کا اندازہ ہو سکے گا، اور ان کی حکومت عادلہ کا بہترین نقشہ سامنے آ سکے گا۔

لیکن شرط یہ ہے کہ عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تمام مندرجات پر ناظرین با تمکین ایک منصفانہ نظر فرمائیں اور دور ہذا کے مخالف دوستوں کے پروپیگنڈے پر بھی نگاہ ڈالیں، پھر بہ تقاضائے انصاف خود موازنہ کریں۔ اس طریقہ سے امید ہے کہ صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

فصل اول

مسئلہ خوارج، بغاوتیں، شرقی ممالک کی فتوحات

عہد مرتضوی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت تک کے درمیانی عرصہ میں اسلامی فتوحات کے سلسلے میں کچھ پیش رفت نہ ہو سکی۔ یہ ایک گونہ ابتلا کا دور تھا جو قریباً ساڑھے پانچ سال تک رہا۔ اب موجودہ حالات کے اعتبار سے اسلام کی ترویج و ترقی کے لیے گویا دور جدید کا آغاز ہوا۔ اس وقت بے شمار حل طلب مسائل درپیش تھے، لیکن جناب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وقت کے تقاضوں کے پیش نظر دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ اولاً خارجیوں کی سرکوبی اور مفتوحہ علاقوں میں امن و امان قائم کرنے اور بغاوتوں کو فرو کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائی، اور کامل التفات کیا۔

بنا بریں پہلے خوارج کے متعلقہ چیزیں پھر باغیوں کی شورشوں کو فرو کرنے کی کوششیں ذکر ہوں گی، اس کے بعد فتوحات و غزوات کے واقعات ایک ترتیب سے بیان کیے جائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

خوارج

جن جماعتوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں حصہ لیا وہی لوگ اس واقعہ کے بعد مختلف نظریاتی طبقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے کچھ طبقات ایسے تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بظاہر حضرت موصوف کے معاون و موافق رہے، لیکن واقعہ تحکیم کے بعد علی رضی اللہ عنہ پر اعلان پوری مخالفت پر آئے۔ اپنی شدت طبع اور کج فہمی کی بنا پر آنجناب کے شدید معاند ثابت ہوئے۔ حتیٰ کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا صحابہ رضی اللہ عنہم کو تحکیم قبول کر لینے کی وجہ سے ایمان سے خارج تصور کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کو برحق تسلیم کرنے والے اشخاص کو نیز حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما وغیرہم کو ایمان سے برگشتہ قرار دیتے تھے۔ اور ان کا نظریہ یہ بھی تھا کہ جو شخص بھی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

ان باطل نظریات کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے خلاف قتال کیا

۱۔ السننی (ذہبی) ص ۲۵۱

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۵۳-۲۵۶ ج ۷ تحت سیر امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ من المدینۃ الی المصرہ

اور متعدد جنگی معارضے ہوئے۔ ان لوگوں کو خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے (جیسا کہ اس مقام کے حالات میں مورخین نے ذکر کیا ہے اور ہم نے بھی قبل ازیں ان خوارج کے مختصر حالات ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ میں صفحہ ۳۱۲ اور ۳۸۲ اور ۳۸۷ پر ذکر کیے ہیں)۔ یہ فرقہ نہایت تشدد پسند تھا۔ ذیل میں ایک واقعہ بطور نمونہ پیش خدمت ہے جس سے اس فرقہ باطلہ کا تشدد عیاں ہوتا ہے اور ان لوگوں کی فسادی فطرت واضح ہوتی ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ ایک بار عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کے ساتھ سفر میں تھے، اسی دوران میں چند خارجیوں نے انھیں پکڑ لیا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ جواباً عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں عبداللہ بن خباب صحابی رسول ہوں اور میرے ساتھ میری اہلیہ ہے جو پر امید ہے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ تو آپ نے کہا کہ میں ان حضرات کو ثنائے خیر سے یاد کرتا ہوں اور بہتر جانتا ہوں۔ اس بات پر خوارج نے انھیں ذبح کر ڈالا اور ان کی اہلیہ کا پیٹ چاک کر کے قتل کر دیا حالانکہ وہ حاملہ تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ میں عورت ہوں اور کیا تم اللہ سے خوف نہیں کرتے؟

اس واقعہ کو ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے بہ عبارت ذیل تحریر کیا ہے:

((وقتل عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ الخوارج کان طائفة منهم اقبلوا من البصرة الى اخوانهم من اهل الكوفة، فلقوا عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ و معه امراته، فقالوا له: من انت؟ قال انا عبداللہ بن خباب صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألوا عن ابی بکر و وعمر و عثمان و علی فانثی علیہم خیرا فذبحوه فسأل دمہ فی الماء قتلوا لامرأة وھی حامل متم منه فقالت انا امرأة الا تتقون اللہ فبقروا بطنها))^۱

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت کے ابتدائی دور میں اس تشدد فرقہ خوارج کی طرف خاص توجہ کی۔

اب ذیل میں خوارج کے خلاف معارضات کے چند ایک واقعات پیش خدمت ہیں:

خروج علی الخوارج

① حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب کوفہ کے علاقہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ کوفہ کے مضافات میں ”نخیلہ“ کے مقام پر خارجیوں کا ایک گروہ عبداللہ بن ابی الحوساء خارجی کی سرکردگی میں مرکزی خلافت کے خلاف

۱ اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۱۵۰ ج ۳ تحت عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۹۳ ج ۲ تحت عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ مع الاستیعاب

شورش برپا کیے ہوئے ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شورش کو فرو کرنے کے لیے خالد بن عرفطہ عذری رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا۔ انھوں نے خارجیوں کا مقابلہ کیا اور ان کے رئیس ابن ابی الحوساء کو جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں قتل کر کے اس بغاوت کو فرو کیا۔^۱

② عبداللہ بن ابی الحوساء خارجی کے قتل کے قلیل عرصہ بعد خارجیوں کا ایک دوسرا گروہ رونما ہوا جس کا رئیس حوثرہ بن ذراع تھا۔ ان خوارج کی سرکوبی کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عوف ابن احمر کو ایک ہزار لشکریوں کے ساتھ روانہ فرمایا اور انھوں نے جمادی الاخریٰ ۴۱ھ میں حوثرہ بن ذراع مذکور کو قتل کر کے اس شورش کو ختم کر دیا۔^۲

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کچھ ایام کوفہ میں قیام فرمایا، اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو امیر کوفہ مقرر فرما کر ملک شام کی طرف چلے آئے۔ اس دوران میں کوفہ میں خارجیوں کی ایک دیگر جماعت خلیفہ اسلام کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی جس کا قائد بقول بعض مورخین فروہ بن نوفل اشجعی تھا۔

اس موقع پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کے اس گروہ کی سرکوبی کے لیے شبث بن ربعی اور بقول بعض معتقل بن قیس کی قیادت میں مجاہدین کی ایک جماعت روانہ فرمائی۔ انھوں نے خارجیوں سے مقابلہ کیا اور ان کے رئیس فروہ بن نوفل کو قتل کر کے اس فتنہ انگیز آتش کو فرو کیا۔^۳

④ بصرہ کے قریب ایک مشہور پل تھا، اس کے نواح میں خارجیوں کے ایک گروہ نے سہم بن غالب جہمی اور نطیم باہلی کی سرکردگی میں صحابی رسول عبادہ بن قرص لیشی رضی اللہ عنہ کو معارضہ کر کے شہید کر دیا، اس وقت بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ ان خارجیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ جب ان کے ہاں پہنچے تو خارجیوں سے معارضہ ہوا، خارجیوں کے بعض شریر عناصر قتل ہو گئے مگر سہم اور نطیم مذکور نے امان طلب کر لی۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ان کو امان دے دی اور اس طرح اس فتنہ کو ناکام کر دیا۔^۴

حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے تاریخ اسلام جز ثانی میں ۴۱ھ کے تحت لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں عبداللہ بن ابی الحوساء سہم بن غالب جہمی اور نطیم باہلی نے خروج کیا۔ پھر ان خوارج کی سرکوبی کے

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۸ ج ۱ تحت سنہ ۴۱ھ

۲ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۸ ج ۱ تحت سنہ ۴۱ھ

۳ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۰۶ ج ۳ تحت سنہ ۴۱ھ تذکرہ خروج فروہ بن نوفل

۴ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۸۸ ج ۱ تحت سنہ ۴۱ھ

تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۰۹ ج ۳ تحت سنہ ۴۱ھ

لیے مساعی کی گئیں اور ان کی شورشوں کو فرو کیا گیا۔ مزید تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں۔^۱

۴۳ھ میں واقعہ خوارج

اس سال خوارج اور جنود کوفہ کے مابین ایک اہم واقعہ پیش آیا۔ مستورد بن علقمہ خارجی کی سرکردگی میں اپنے پروگرام کے مطابق بہت سے خوارج اپنے مقام پر جمع ہوئے، (یہ لوگ نظریاتی طور پر اسلامی مرکزیت اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف تھے، اپنے مجوزہ امیر کے ماسوا کسی کو امیر اور خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے امیر اور اپنی جماعت کے علاوہ کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے اور خلیفۃ المسلمین کو اسلام سے خارج قرار دیتے تھے۔

انہوں نے مستورد کو امیر المؤمنین قرار دیا اور اس کی بیعت کر لی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس سال ۴۳ھ میں علاقہ کوفہ کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم اور والی تھے۔ انہوں نے ان خوارج کی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے تیاری کی اور ایک لشکر تجویز کیا اور اس کا امیر معقل بن قیس کو بنایا، اور لشکر کے مقدمہ الحیش کا امیر ابو الرواغ مقرر کیا۔ ان لوگوں کا خوارج کے ساتھ شدید مقابلہ و معارضہ ہوا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو فتح عطا فرمائی۔ خوارج نے بری طرح شکست کھائی اس طرح اپنے پروگرام میں ناکام ہو کر خائب و خاسر ہوئے۔

مختصر یہ ہے کہ مختلف مواقع پر خوارج نے اس دور میں فتنے برپا کرنے کی کوششیں کیں اور مرکز کے خلاف شورشیں کھڑی کرنے کی حرکتیں کیں لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حکام نے نظم و ضبط قائم رکھنے کی خاطر ان لوگوں کو دبا دیا اور ان کی مفسدانہ حرکات کو ناکام بنا دیا۔

بغادتیں

قبل ازیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دور میں خوارج کی طرف سے بعض شورشیں رونما ہونے کا کچھ مختصر تذکرہ ہم کر آئے ہیں۔

اب اس کے بعد جن مقامات پر فتوحات کے بعد بغادتیں کھڑی ہوئیں، ان کو فرو کرنے کے لیے جو کوششیں کی گئیں اجمالاً ان کا حال درج کیا جاتا ہے۔

ہرات، بلخ، بوشخ اور بادغیس وغیرہ کے علاقہ جات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتح ہو کر اہل اسلام کے زیر نگیں تھے، پھر ۴۱ھ میں ان علاقوں میں بغادتیں رونما ہوئیں۔ ان مشرقی ممالک پر حضرت امیر

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۰۹ ج ۲ تحت سنہ ۴۱ھ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۳-۲۵ ج ۸ تحت سنہ ۴۳ھ طبع اول مصر

تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۲-۲۱۳ ج ۳ تحت سنہ ۴۳ھ طبع مصر۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی اور حاکم تھے۔ انھوں نے بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے عمدہ تدابیر اختیار کیں اور قیس بن الہیثم سلمیٰ کو خراسان کے علاقے کا والی مقرر کیا تاکہ وہ ان بغاوتوں کو فرو کریں۔ چنانچہ قیس بن الہیثم ان علاقہ جات کو دوبارہ فتح کرتے ہوئے بلخ تک پہنچے اور وہاں کے آتش کدہ کو ختم کر دیا۔ اس مہم میں عطاء بن سائب (مولیٰ بنی لیث) ان کے خصوصی معاون اور کارکن تھے۔ ہرات کا شہر بھی اس مہم میں فتح ہوا۔ ان علاقوں میں پلوں کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ تین عدد مشہور پل وہاں تعمیر کرائے گئے۔ اس کے بعد اہل بلخ نے قیس بن الہیثم مذکور سے صلح کا تقاضا کیا اور زیر اطاعت رہنے کا اقرار کیا تو قیس نے ان کی گزارش منظور کرتے ہوئے صلح کر لی۔^۱

بعض مورخین نے ان مہمات کے سر کرنے میں عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن خازم سلمیٰ رضی اللہ عنہما کا بھی ذکر کیا ہے، ان تمام حضرات نے مقامات مذکورہ کو دوبارہ فتح کر کے ان پر اسلام کا پرچم بلند کیا۔^۲

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کابل اور اس کے ملحقہ علاقہ جات فتح ہو چکے تھے لیکن بعد میں ان مقامات کے باشندوں نے خلیفہ اسلام کے خلاف بغاوت کر دی تو عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے جو ان ممالک کے لیے مرکزی حاکم تھے عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو بھجوان کا حاکم مقرر کیا تاکہ وہ ان بغاوتوں کو فرو کریں، اور ان کے ساتھ عباد بن حصین جبلی اور عمرو بن عبید اللہ بن معمر وغیرہ معاونین روانہ کیے۔ یہ لوگ باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل تک پہنچے، وہاں پہنچ کر کابل شہر کا محاصرہ کر لیا اور اطراف میں منجیقہیں نصب کر دیں اور اس طرح شہر کی پوری ناکہ بندی کر کے اہل شہر کے ساتھ معارضہ اور مقابلہ کیا اور زور دار معارضہ کے بعد ان کو شکست ہوئی اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

اسی سلسلہ میں اس علاقہ کے باقی مشہور مقامات بست، رنج، زراں، خشک، زابلستان، غزنہ وغیرہ کو ان حضرات نے فتح کر کے اہل اسلام کے زیر نگیں کیا، اب یہ تمام علاقہ جات مسلمانوں کے ماتحت ہو گئے۔^۳

باغیوں کی شورشوں کو فرو کرنا خلافت اسلامیہ کی مرکزیت کو مستحکم کرنے، اس کی کما حقہ حفاظت کرنے اور

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۱۶ تحت واقعات خراسان

۲ الکامل (ابن اثیر) ص ۲۰۸-۲۰۹ ج ۳ تحت ذکر ولایہ قیس

البدایہ ص ۲۳ ج ۸ طبع اول تحت ۲: ھ

۳ کتاب البلدان (یعقوبی شیبی) ص ۴۳-۵۷ طبع قدیم نجف

تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۷ ج ۳ تحت سنہ ۴۳ھ ذکر عود عبدالرحمن الی ولد یہ بھجوان طبع مصر۔

تاریخ یعقوبی شیبی ص ۲۱۷ ج ۲ تحت ایام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع بیروت

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۰ ج ۱ تحت سنہ ۴۳ھ

فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۰۳-۴۰۴ تحت بھجوان وکابل۔

امن وامان قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا، چنانچہ ان مقاصد کے حصول کے لیے یہ مساعی کی گئیں جو بار آور ہوئیں۔

فتوحات

ماقبل میں بغاوتوں کو فرو کرنے کے چند ایک واقعات مختصراً ذکر کیے گئے ہیں، اس کے بعد اب یہاں فتوحات کا سلسلہ ایک ترتیب سے اختصاراً ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشرقی ممالک میں بغاوتوں کو فرو کرنے کی جس طرح کوششیں کیں، اسی طرح ان ممالک میں فتوحات کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس دور میں بصرہ کو انتظامی امور کے لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل تھی اور اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم اور والی عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تھے جو صغار صحابہ میں سے تھے اور اپنی قابلیت و صلاحیت کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے حاکم بصرہ چلے آ رہے تھے پھر ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ولایت بصرہ کے منصب پر بحال رکھا گیا۔ چنانچہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی امارت کے دور میں بھتان کے علاقہ میں جہاد کے لیے عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو والی بنایا، اور ان کے ساتھ اس غزوہ میں متعدد حضرات مثلاً مہلب بن ابی صفرہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہ وغیرہ کو شامل کیا۔ پھر انہوں نے مقام زرنج، اہواز اور کابل وغیرہ کے علاقہ جات فتح کیے اور بھتان کے علاقہ میں زرنج وغیرہ مقامات کو بھی فتح کیا۔^۱

مورخین کے بیانات کے مطابق اس دور میں کئی مقامات مثلاً زراں، خشک زرنج زابلستان وغیرہ کے لوگوں نے نقص عہد کیا اور ان سے معارضے ہوئے اور پھر دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا گیا۔^۲

پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۵ھ میں حارث بن عبداللہ ازدی کو بصرہ کا والی بنایا لیکن چار مہینے کے بعد ان کو وہاں سے ہٹا دیا اور زیاد کو بصرہ کا والی بنایا، چنانچہ زیاد اپنے منصب کو سنبھالنے کے لیے جمادی الاولیٰ ۴۵ھ میں بصرہ میں داخل ہوا۔ اس دوران میں زیاد نے صحابہ کی ایک جماعت سے تعاون حاصل کیا، چنانچہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو بصرہ میں منصب قضا کا والی بنایا اور حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو خراسان کے علاقے پر نائب بنایا اور ساتھ غزوات کے کچھ معاملات بھی ان کے سپرد کیے، چنانچہ اس سال حکم رضی اللہ عنہ نے جبل الاسل کے علاقے میں جہاد شروع کیا، مقابلہ میں دشمن کے بہت سے لوگ مارے گئے اور بعض لوگوں کو قیدی بنا لیا

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۰، ۲۰۹ ج ۲ تحت سنہ ۴۲-۴۳ھ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۷ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

۲ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۰۴ تحت عنوان بھتان و کابل۔

گیا اور اموال کثیرہ غنائم کے طور پر حاصل ہوئے اس سے اہل اسلام کو بہت نفع ہوا۔^۱ اسی طرح سمیرہ بن جندب، عبدالرحمن بن سمیرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم زیاد کے دور میں بطور نیابت اسلامی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد ۴۶ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن بن سمیرہ رضی اللہ عنہ کو بھجستان کی امارت سے بدل کر ان کی جگہ ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ کو والی بنایا۔ پھر اس دور میں بھجستان کے علاقے میں ترکوں نے جوش دکھلایا لیکن آخر کار کابل، زابلستان اور رنج کے علاقوں پر ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ نے ان کی سرکوبی کی اور مخالفین کو شکست فاش ہوئی۔^۲

بعض مورخین نے اس مقام پر تحریر کیا ہے کہ خراسان پر حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ زیاد کی طرف سے والی اور حاکم تھے، ان کے انتقال کے بعد زیاد بن ابی سفیان نے ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ کو خراسان کا والی بنایا۔ انھوں نے بلخ کو صلحا فتح کیا اور کوہستان کے علاقہ کو فریق مخالف سے مقابلہ کر کے فتح کیا۔ قریب ہی ترک آباد تھے۔ انھوں نے معارضہ کیا تو ترک طرخان کے علاوہ سب کو قتل کر دیا گیا۔ ترک طرخان بعد میں قتیبہ بن مسلم کے ہاتھوں قتل ہوا۔^۳

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ ماوراء النہر کے علاقہ میں ۵۱ھ میں ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا۔ ان سے قبل حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ اس علاقے میں پہنچے تھے اور انھوں نے پہلی مرتبہ اس نہر (دریائے جیحون) کو عبور کیا، آپ کے غلام نے اس دریا سے خود بھی پانی پیا اور اپنے سردار کو بھی پلایا۔ پھر حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس دریا کے پانی سے وضو کیا اور دو رکعت نوافل شکرانہ ادا کیے، اور بعد میں اس علاقہ سے واپس چلے آئے۔ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بعد ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ عنہ اس علاقے میں پہنچے اور دریا کے پار (ماوراء النہر) جہاد کیا۔ بہت سا مال غنیمت حاصل کیا اور پھر سلامتی کے ساتھ واپس آ گئے۔^۴

خراسان، ترکستان، بھجستان، سمرقند و بخارا وغیرہ کی فتوحات

۵۳ھ میں زیاد بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ ان کے فرزند عبید اللہ بن زیاد کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ اس نے بخارا کے کوہستانی علاقہ میں اونٹوں پر سفر کیا اور بخارا کے علاقہ میں متعدد مقامات رامنہ، نسف اور بیکند وغیرہ علاقوں کو فتح کر کے اسلام کا پرچم بلند کیا۔ اس دور میں یہ

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۹ ج ۸ تحت سنہ ۴۵ھ

۲ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۲-۱۹۳ ج ۱ تحت سنہ ۴۶ھ

۳ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۰۴ تحت عنوان بھجستان و کابل

۴ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۶ ج ۸ تحت تذکرہ جریر بن عبداللہ بجلي رضی اللہ عنہ

علاقہ ترکوں کے ماتحت تھا۔ ابن زیاد نے ان کو شکست دی۔ ترکوں کے بادشاہ کے ساتھ اس کی ملکہ بھی تھی، ترکوں کے ساتھ یہ شدید ترین قتال تھا۔ ابن زیاد نے خراسان کے علاقہ میں اس دوران میں قریباً دو سال تک قیام کیا، اور مفتوحہ مقامات کے انتظامی امور کو درست کیا۔^۱

عبید اللہ بن زیاد کے بعد خراسان کے علاقہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کیا۔ انھوں نے دریائے جیحون کو اپنے لشکر سمیت عبور کیا، اور پیش قدمی کر کے ان علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔

اس علاقے کی والی ایک خاتون تھی جب اسے ان کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے صلح کی پیش کش کی اور اہل صفد اور ترک اور اہل کش وغیرہ کے باشندوں نے سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ سے صلح کی خواہش ظاہر کی اور ایک لاکھ بیس ہزار درہم ادا کرنا منظور کیا۔

بخارا کے مضافات اور علاقہ جات فتح ہونے کے بعد سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بخارا کے شہر میں داخل ہوئے۔ پھر بخارا کی فتح کے بعد سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ نے سمرقند کی طرف اقدام کیا۔ اہل سمرقند سے زبردست مقابلہ ہوا اور یہ قتال تین دن تک جاری رہا۔ مشہور قول کے مطابق دوران جنگ میں سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک جرنیل مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ دونوں کی ایک ایک آنکھ ضائع ہو گئی۔

افواج اسلام نے مخالفین کے ساتھ شدید معارضہ کیا اور سمرقند شہر کا محاصرہ کر لیا۔ جب اہل شہر کو اپنی ہلاکت کا خطرہ ہوا تو انھوں نے اہل اسلام سے صلح کی پیش کش کی۔ سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر صلح کی کہ اہل سمرقند سات لاکھ درہم سالانہ ادا کریں گے اور مسلمان شہر سمرقند کے ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے سرے کے دروازہ سے نکل جائیں گے۔^۲

اور اس مقام پر شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بخارا فتح ہوا، اس مہم میں سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ والی اور نگران تھے۔ تہ جرجان کے علاقہ کی فتح بھی سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے ہوئی تھی۔^۳

نیز مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ بلخ اور مدائن وغیرہ کو اہل اسلام نے جب فتح کیا تو عبدالرحمن بن سمرہ

۱ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ج ۳ ص ۲۴۷ تحت استعمال عبید اللہ بن زیاد علی خراسان

۲ کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۱۷، ۴۱۸ تحت حالات خراسان

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۲ ج اغزوہ سمرقند ۵۶ھ

۳ کتاب البلدان (یعقوبی شیبی) ص ۵۰-۵۳ طبع قدیم نجف اشرف

۴ کتاب البلدان (یعقوبی شیبی) ص ۴۱ طبع قدیم نجف اشرف۔

رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں یہ فتوحات ہوئی تھیں۔^۱

ایک اہم واقعہ

خراسان کے علاقہ میں بے شمار جنگی مہمات پیش آئیں اور اہل اسلام نے ان جنگوں میں اسلام کے فروغ اور ترقی کے لیے بے شمار کوششیں کیں۔ اس دور میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مساعی میں پیش پیش رہے اور بنی ہاشم کے اکابر میں سے بھی بعض حضرات ان مہمات میں شامل ہوئے اور شریک ثواب رہے۔ چنانچہ سمرقند کی فتوحات میں ایک ہاشمی بزرگ کی شرکت اہل سیرت و تاریخ نے ذکر کی ہے۔

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے:

((قال ابن سعد غزا قثم بن عباس خراسان وعلیہا سعید بن عثمان بن عفان فقال له اضرب لك بالف سهم! فقال: لا بل خمس، ثم اعط الناس حقوقهم ثم اعطني بعد ما شئت))^۲

اور بلاذری نے اس طرح ذکر کیا ہے:

((قدم قثم رضی اللہ عنہ علی سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ بخراسان فقال له سعید اعطيك من المغنم الف سهم فقال لا ولكن اعطني سهما لی وسهما لفرسی))^۳

”یعنی ابن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قثم بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ خراسان کے غزوات میں شامل ہوئے اور اس وقت ان غازیوں کے امیر سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے حضرت سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ نے خصوصی رعایت دیتے ہوئے قثم بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں آپ کے لیے غنائم میں سے ایک ہزار حصہ دینا چاہتا ہوں تو قثم بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ اس طرح نہ کریں، بلکہ حسب قاعدہ غنائم سے خمس نکال لیں اور باقی غازیوں کو ان کے حقوق کے مطابق عطا کیجیے اور مجھے اور میرے گھوڑے کے لیے حسب قاعدہ ایک ایک حصہ دے دیں۔ پھر اس کے بعد اگر آپ کوئی زائد چیز دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔“

علماء فرماتے ہیں کہ قثم رضی اللہ عنہ سمرقند کے غزوات میں شامل تھے۔ سمرقند میں ہی شہید ہوئے اور آپ کا مزار

بھی سمرقند کے علاقہ میں ہے۔

- ۱ کتاب البلدان (یعقوبی شیبی) ص ۵۰ طبع قدیم نجف اشرف
- ۲ طبقات ابن سعد، ص ۱۰۱ ج ۲ قسم ثانی تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہ
- ۳ سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۲۹۲ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہ
- ۴ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۱۹ تحت حالات خراسان

تنبیہ

یہاں قثم بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک مختصری تشریح کر دینی مناسب سمجھی گئی ہے۔ قثم رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے فرزندوں میں سے مشہور صاحبزادے ہیں انھیں صحبت نبوی کا شرف حاصل ہے۔ آپ حضرت سیدنا حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے رضاعی برادر بھی ہیں۔ روایت میں ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے بعض دفعہ آپ کو اپنے پیچھے اپنی سواری پر سوار کیا۔ اور علمائے سیرت نگار لکھتے ہیں کہ:

((كان يشبه النبي ﷺ و آخر الناس به عهداً))^۱

((وكان قثم رضي الله عنه سيد ورعا فاضلاً..... الخ))^۲

”یعنی قثم بن عباس رضی اللہ عنہما نبی اقدس ﷺ کے ساتھ ظاہری مشابہت رکھتے تھے اور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک میں اترنے والوں میں قثم بن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے اور سب سے آخر میں قبر مبارک سے باہر نکلے تھے۔“

”قثم بن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں علماء فرماتے ہیں کہ وہ اپنے خاندان میں سردار متقی اور علم و فضل میں فائق تھے۔“

اور شیعہ کے اکابر علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قثم بن عباس رضی اللہ عنہما مکہ پر ہمیشہ والی رہے، حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نمار جیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ نیز لکھا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں سمرقند کے علاقہ میں حضرت قثم رضی اللہ عنہما اہل اسلام کی فوج میں شامل تھے اور آپ وہیں (سمرقند میں) شہید ہوئے۔ شیعہ فاضل ابن میثم بحرانی نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں مندرجہ بالا چیز بہ عبارت ذیل نقل کی ہے:

((هو قثم بن العباس بن عبد المطلب لم يزل والياً على مكة لعلي رضي الله عنه حتى قتل (علي) واستشهد بسمرقند في زمن معاوية))^۳

۱ اسد الغابہ ص ۱۹۷ ج ۳ تحت باب القاف ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۲۹۲ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما

۲ طبقات ابن سعد ص ۱۰۶ ج ۷ قسم ثانی تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۲۹۲ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما

الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۱۸ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہما

۳ شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۷۲ ج ۵ تحت عنوان من کتاب لہ علیہ السلام الی قثم بن عباس وہو عاملہ علی مکہ طبع تہران۔

تاریخ یعقوبی ص ۲۳۷ ج ۲ تحت حالات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طبع بیروت۔

فائدہ

① اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بنو ہاشم حضرات جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی جنگی مہمات میں بخوشی شامل ہوئے اور اس کار خیر میں شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔

② ان حضرات میں قبائلی تعصب نہیں تھا بلکہ احیائے دین کی خاطر ایک دوسرے کے مددگار و متعاون رہتے تھے۔

③ نیز خلافت و ولایت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برحق تھی اور ان کے تصرفات اسلام کے مطابق صحیح تھے، اور یہ چیز بنو ہاشم کے تعامل سے ثابت ہو رہی ہے۔ مسائل ہذا میں ان حضرات کا تعامل و تعاون مستقل شاہد کی حیثیت رکھتا ہے۔

طبرستان کی مہم

طبرستان اور اس کے نواحی علاقہ جات کی فتوحات کے سلسلے میں مورخین کی تاریخی روایات مختلف پائی جاتی ہیں۔ بعض مورخین کے بقول سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی مساعی سے یہ علاقہ فتح ہوا۔ اور بعض دیگر روایات کے مطابق عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس علاقہ میں مہم جاری رکھی اور ان علاقوں کو فتح کرنے کی کوششیں کیں۔ اور یہ بھی روایات میں پایا جاتا ہے کہ ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ امیر کوفہ نے مصقلہ بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ کو طبرستان کے علاقہ جات پر حاکم بنا کر روانہ کیا۔ انھوں نے دشمن کی افواج سے مقابلہ کیا اور فتوح البلدان (بلاذری) کے بیان کے مطابق وہ اس مہم میں دشمن کی حیلہ گری کا شکار ہو کر اپنے فوجی دستہ سمیت شہید ہو گیا۔ اور بعض دیگر مورخین مثلاً خلیفہ ابن خیاط اور علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ کے بیانات کے مطابق مصقلہ رضی اللہ عنہ اس مہم میں کامیاب ہوئے اور انھوں نے اہل طبرستان کو اپنی شرائط پر صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔

بہر کیف طبرستان کے علاقہ جات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مفتوح ہو کر اہل اسلام کے زیر نگیں ہو گئے تھے۔

سندھ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت میں اہل اسلام کی طرف سے سندھ کی طرف پیش قدمی ہو چکی تھی اور اس دور میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جو بصرہ کے والی تھے، ان کی طرف سے راشد بن عمرو جدیدی کو ثغر ہند (ہندوستان کے علاقے) کا حاکم مقرر کیا گیا۔ انھوں نے سندھ کی طرف پیش قدمی کی اور ان علاقوں میں اقامت پذیر رہے اور یکے بعد دیگرے بلاد سندھ پر حملے کیے اور دور تک اندر چلے گئے۔^۱

کچھ ایام کے بعد مکران کے علاقہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سوار عبدی کو والی مقرر فرمایا، اور انھوں نے وہاں فتوحات میں پوری کوششیں کیں۔^۱

اسی دور میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی مساعی سے کابل فتح ہوا اور وہاں ابو قتادہ عدوی شہید ہوئے۔ مخالفین کے کئی لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا جن میں سے بعض بہت مشہور ہوئے۔ مثلاً مکحول، سالم بن عجلان، نافع مولیٰ ابن عمر وغیر ہم بہت۔^۲

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور ۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ رضی اللہ عنہ نے ارض ہند کی طرف اقدام کر کے خوب جہاد کیا اور قندابل (اس دور کا ایک مشہور مقام تھا) تک جا پہنچے، اور پھر وہاں سے بنہ اور اہواز کی طرف پیش قدمی کی۔ یہ مقامات کابل اور ملتان کے درمیان واقع تھے۔ مخالفین اسلام کے ساتھ مقابلے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کو شکست دی اور مسلمانوں کے ہاتھوں کو مال و زر سے پر کر دیا اور پھر یہ لوگ غنائم حاصل کر کے سلامتی سے لوٹے۔^۳

کچھ ایام کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ثغر ہند (سرزمین ہندوستان) کی طرف عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سوار عبدی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انھوں نے جہاد کر کے قیقان کے علاقے کو فتح کیا اور وہاں سے مسلمانوں کو بہت سے غنائم حاصل ہوئے جن میں اس علاقہ کے خاص نسل کے قیقانی گھوڑے بھی شامل تھے۔ عبداللہ بن سوار نے یہ گھوڑے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد جب یہ قیقان کے علاقہ میں واپس آئے تو اس علاقہ کے ترک خلاف ہو گئے۔ مقابلہ ہوا اور مخالفین کے ہاتھوں عبداللہ بن سوار شہید ہو گئے۔^۴

ان ایام میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے بعد زیاد بن ابی سفیان بصرہ کے والی بنائے گئے تو زیاد نے سندھ

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۱ ج ۱ تحت سنہ ۴۴ھ

۲ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۱ ج ۱ تحت سنہ ۴۴ھ

فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۳۸ تحت فتوح السند

۳ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۲۱ ج ۳ تحت ذکر غزوہ المہلب السند

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۰ ج ۲ تحت سنہ ۴۴ھ

۴ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۲ ج ۱ تحت سنہ ۴۵ھ

فتوح البلدان (بلاذری) ص ۴۳۹ تحت فتوح السند

الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۸ ج ۳ تحت ذکر غزوۃ السند

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۰ ج ۲ تحت سنہ ۴۵ھ

کے علاقوں پر سنان بن مسلمہ بن محقق ہذلی کو حاکم بنایا۔ وہ ایک باصلاحیت شخص تھے۔ انھوں نے مکران کو فتح کیا اور وہاں آبادیاں قائم کیں اور شہروں کا نظم قائم کیا اور کچھ مدت وہیں مقیم رہے۔^۱

اس مقام کی بعض روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ زیاد نے سرحدوں پر راشد بن عمرو جدیدی کو عامل بنایا اور وہ مکران پہنچے۔ قیقان کے علاقہ میں جہاد کر کے اسے فتح کیا اور رعایا کے انتظامی معاملات کے لیے سنان بن مسلمہ کو مقرر کیا اور سرحدوں کے معاملات بھی انھی کے سپرد ہوئے۔^۲

پھر کچھ ایام کے بعد زیاد نے منذر بن جارود کو ہندوستان کی سرحد کا والی بنایا تو انھوں نے بوقان اور قیقان کے علاقوں میں جہاد کیا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس سے پہلے ان علاقوں کو سنان بن مسلمہ نے فتح کیا تھا، لیکن بعد میں وہ لوگ اسلامی سلطنت کے طے شدہ معاہدے سے انحراف کر گئے تھے۔ اس بنا پر ان کے ساتھ منذر بن جارود نے دوبارہ جہاد کر کے ان علاقوں کو زیر نگین اسلام کیا۔^۳

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۳۹ تحت فتوح السند، طبع مصر

تاریخ یعقوبی شیبی ص ۲۳۲ تحت ثغر الہند طبع بیروت

۲ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۳۹ تحت فتوح السند

۳ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۴۰ تحت فتوح السند۔

فصل دوم

بلاد روم کی فتوحات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مختلف اطراف میں فتوحات کی مہمات کا سلسلہ جاری رہا اور مسلمانوں کا وہ سلسلہ غزوات جو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر رک گیا تھا پھر سے جاری ہو گیا جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر کیا ہے۔

بلاد شرق مثلاً خراسان، ترکستان، کابل، بخارا، سمرقند، بلخ اور طبرستان وغیرہ میں ایک سلسلہ غزوات جاری رہا۔ بلاد ہند اور بلاد سندھ کی طرف فتوحات کا ایک دوسرا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جیسا کہ اس چیز کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح بلاد روم وغیرہ کی طرف فتوحات کا سلسلہ آنجناب نے الگ چلایا ہوا تھا، اور بلاد روم کی مہمات میں صغی اور شتوی غزوات مستقل طور پر جاری رہتے تھے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ بحری غزوات کا سلسلہ اپنی جگہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خصوصی توجہات کا مرکز تھا۔

ذیل میں ہم بلاد روم کے صغی اور شتوی غزوات اور بحری غزوات کو مختصراً ذکر کرتے ہیں تاکہ ناظرین کی معلومات میں اضافہ ہو اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں احیائے دین اور اشاعت اسلام کے لیے مساعی کا اندازہ ہو سکے۔ چونکہ ان چیزوں کو ان کی پوری تفصیلات کے ساتھ ذکر کرنا طوالت کا باعث ہے اس لیے انہیں بقدر ضرورت ہی ذکر کرنا مناسب ہے۔ مقولہ ما لا یدرک کله لا یترک کله کے مطابق اس کو اپنے ہاں جگہ دی جائے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے تحت غزوات روم کے سلسلے میں مسلمانوں نے بلاد روم کی طرف خاص توجہ کی اور رومیوں کے ساتھ اہل اسلام کا مقابلہ بہت سخت ہوا اور رومیوں کے مذہبی راہنماؤں (بطریق) کی جماعتوں نے بھی اہل اسلام کے خلاف معارضہ میں بھرپور حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو شکست فاش دی اور رومی بطریقوں یعنی (مذہبی راہنماؤں) کی ایک بڑی جماعت مقتول ہوئی۔^۱

رومیوں کے ساتھ غزوات کا سلسلہ چونکہ بہت وسیع تھا اور بار بار بلاد روم پر مسلمان حملہ آور ہوئے تو

۱ اکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۰ ج ۳ تحت سنہ ۴۲ھ

الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۲ھ

اس کے متعلق اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ ۴۳ھ میں بسر بن ارطاة نے بلاد روم میں غزا اور جہاد کیا اور دور تک چلے گئے حتیٰ کہ قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔

بقول بعض مورخین پھر سردیوں میں بھی بسر بن ارطاة نے جہاد جاری رکھا اور ارض روم میں قیام کیا۔^۱ پھر ان کے بعد ۴۴ھ اور ۴۵ھ میں اہل تاریخ کی روایات کے مطابق عبدالرحمن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے تحت بلاد روم میں جہاد کیا آپ کے ساتھ اہل اسلام کی ایک کثیر فوج تھی۔ مجاہدین سردیوں میں بھی جہاد جاری رکھتے تھے اور بلاد روم میں ہی قیام کرتے تھے۔ شتوی غزوات کا سلسلہ ان کے ذریعے سے جاری رہتا، اور انھوں نے بلاد روم کے بہت سے علاقے فتح کیے۔^۲ مورخین نے لکھا ہے کہ صیفی یعنی موسم گرما اور شتوی یعنی موسم گرما کے غزوات میں مختلف امرا اور حکام کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بلاد روم میں روانہ کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں درج ذیل حضرات کے اسماء مورخین عموماً ذکر کرتے ہیں:

مالک بن عبداللہ ابو حکیم کو ارض روم میں ۴۶ھ کے دوران میں ان غزوات کے لیے امیر بنا کر روانہ کیا گیا، اور بقول بعض مورخین مالک بن ہبیرہ فزاری کو ارسال کیا گیا تھا۔ پھر اس کے بعد اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ ارض روم میں مالک بن ہبیرہ کو بھیجا گیا تھا اور سردیوں میں ابو عبدالرحمن قینی کو انطاکیہ کے علاقہ میں شتوی غزوات کے سلسلہ میں امیر مقرر کیا گیا۔^۳

۴۹ھ میں مورخین نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ ارض روم میں شتوی یعنی سردیوں کے غزوات میں مالک بن ہبیرہ فزاری کو بھیجا گیا، اور بقول بعض فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ کو ان ایام میں امیر مقرر کر کے روانہ کیا گیا تھا۔^۴

اس طرح سردیوں اور گرمیوں میں اہل اسلام کی جانب سے مخالفین کے علاقہ میں جہاد جاری رہتا تھا۔

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۴ ج ۸ تحت سنہ ۴۳ھ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۰ ج ۲ تحت سنہ ۴۳ھ

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷ ج ۸ تحت سنہ ۴۳ھ

الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۸ ج ۳ تحت سنہ ۴۳ھ

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۱ ج ۱ تحت سنہ ۴۳ھ

۳۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۳ ج ۱ تحت سنہ ۴۶-۴۷ھ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۸ھ

۴۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۴ ج ۱ تحت سنہ ۴۹ھ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ

چنانچہ ابن کثیر اور ابن عساکر رضی اللہ عنہما نے سردیوں اور گرمیوں کے ان غزوات کی تفصیلات کو مختصر الفاظ میں اس عبارت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

((فاغزا معاویة رضی اللہ عنہ ارض الروم ست عشرة غزوة تذهب سرية في الصيف

ويشتوا بارض الروم ثم تقفل وتعقبها اخرى))

”یعنی روم کے علاقہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قریباً سولہ غزوات کیے آپ گرمیوں میں ایک فوج کو بھیجتے تھے جو سردیوں میں بھی اس علاقہ میں مقیم رہتی تھی پھر وہ فوج واپس آ جاتی اور ان کی جگہ ایک دیگر فوجی دستہ بھیج دیا جاتا۔“

اس طرح روم کے علاقہ میں سردیوں اور گرمیوں کا جہاد جاری رہا اور بے شمار علاقے مفتوح ہوئے اور سلطنت اسلامی کا دائرہ نہایت وسیع ہوا اور اسلام کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

ایک اہم واقعہ

ارض روم کے واقعات کے سلسلے میں ایک اہم واقعہ پیش آیا جس کو محدثین نے اپنی اسانید کے ساتھ درج کیا ہے، پہلے اس واقعہ کو نقل کیا جا رہا ہے، بعد میں اس کے کچھ فوائد بھی ناظرین کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔

ایک بار موسم سرما میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک سریہ مشہور صحابی حضرت جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ارض روم کی طرف روانہ کیا۔ جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو اس موقع پر شدید سردی شروع ہو گئی جو ان کے لیے ناقابل برداشت تھی تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو واپس ہونے کا حکم دیا اور واپس آ گئے۔

اس موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ ان فوجیوں کو بغیر اجازت کے واپس کیوں لائے؟ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان سنا ہوا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا (اس موقع پر وہاں قیام کرنا شفقت انسانی کے خلاف تھا اور سردی کی وجہ سے جان کی ہلاکت کا خوف تھا اس بنا پر ہم واپس آ گئے ہیں۔)

یہ جواب سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے جریر! یہ فرمان نبوی تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے یہ فرمان خود سنا ہے۔

اس واقعہ کو محدث حمیدی رضی اللہ عنہ مندرجہ ذیل عبارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

۱ البدایہ میں ۱۳۳ ج ۸ تحت تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۲۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

((ثنا عمرو بن دینار عن نافع بن جبیر قال استعمل معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ علی سریة فاصابہم برد شدید فاقفلہم جریر رضی اللہ عنہ فقال له معاویة رضی اللہ عنہ لم اقلتہم قال جریر رضی اللہ عنہ انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من لا یرحم الناس لا یرحمہ اللہ، فقال له معاویة رضی اللہ عنہ انت سمعت هذا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال نعم))^۱

فائدہ

- ① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے فوجی دستہ واپس لانے پر اس لیے گرفت کی تاکہ باقی فوجوں کے کمانڈر خلیفہ کی اجازت کے بغیر واپس ہونے کی جرأت نہ کر سکیں۔
- ② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گرفت کے جواب میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے جب حدیث نبوی پیش کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مواخذہ ترک کر دیا اور گرفت نہیں کی۔
- ③ نیز معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پوری قدر دانی اور اطاعت کرتے تھے اور آنجناب کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم رکھتے تھے۔ مطلب یہ کہ فوجی معاملات اور جنگی امور میں بھی شرعی اصول اور اسلامی قواعد کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے۔ عام حکمرانوں کی طرح خود سری اور خود روی اختیار کرنے والے نہیں تھے۔

سلسلہ فتوحات

اسی طرح جنگی مہمات کا یہ طویل سلسلہ جاری رہا۔ موسم سرما اور موسم گرما میں جنگیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جاری رکھیں۔ بعض دفعہ بسر بن ارطاة کو ارض روم میں جہاد کے لیے بھیجا گیا۔ ۵۲ھ میں سفیان بن عوف ازدی بھی آپ کے ہمراہ تھے اور سفیان بن عوف کا ارض روم میں ہی انتقال ہوا۔ اور ان کے بعد عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو لشکر کا امیر بنایا گیا۔^۲

اور بعض مورخین نے بسر بن ارطاة کا سفیان بن عوف ازدی کے ہمراہ ارض روم میں جہاد کرنا ۵۰ھ میں ذکر کیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ۵۳ھ میں عبدالرحمن بن ام الحکم کو، ۵۴ھ میں محمد بن مالک کو، ۵۶ھ میں مسعود بن ابی مسعود کو، ۵۷ھ میں عبداللہ بن قیس کو، ۵۸ھ میں مالک بن عبداللہ بن سنان حنظلی کو، اور ۵۹ھ میں عمرو بن مرہ مہری کو صنفی وشتوی غزوات کے سلسلے میں بلاد روم کی طرف امیر جمیش مقرر کر کے روانہ کیا جاتا رہا، اور انھوں نے اپنے اپنے ایام میں عظیم کارنامے سرانجام دیے۔^۳

۱۔ مسند الحمیدی ص ۳۵۲ ج ۲ تحت احادیث جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ طبع مجلس علمی۔

۲۔ الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۲ھ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۰۵ ج ۲ تحت سنہ ۵۲ھ

۳۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط تحت سنہ ۵۳ھ ۵۹۳ھ

اہل تاریخ اور محدثین کرام نے مالک بن عبداللہ بن سنان رضی اللہ عنہ کے متعلق مزید چیزیں بھی ذکر کی ہیں اور لکھا ہے کہ موسم گرما کے غزوات میں خاص طور پر ان کے کارنامے بڑے مشہور ہیں اور انھوں نے مدت دراز تک صفی غزوات میں بطور امیر جیش حصہ لیا حتیٰ کہ آپ کو "مالک الصوائف" کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔^۱ مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں بے شمار ملتی کارنامے سرانجام دیے اور اسلام کے فروغ کا باعث ہوئے۔

بحری غزوات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی غیر فانی مساعی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جس طرح بری غزوات کا سلسلہ جاری تھا اسی طرح بحری غزوات کی مہم بھی جاری رہتی تھی۔ اہل تاریخ کے بیان کے مطابق عثمانی دور خلافت کے بعد ۴۴ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاة کو بحری غزوات کا امیر مقرر کیا اور انھوں نے اپنے فرائض نہایت مستعدی سے سرانجام دیے۔^۲

اس کے بعد ۵۰-۵۱ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ نے اسلامی بحری افواج کی قیادت کی اور اس معاملہ میں پیہم کوششیں جاری رہیں جن سے بہتر نتائج برآمد ہوئے۔^۳ ان ہی بحری فتوحات کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسلام میں اولین امیر البحر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

غزوہ قسطنطنیہ (مدینہ قیصر)

بلا دروم کے غزوات میں قسطنطنیہ پر اہل اسلام کا حملہ اور اس کو فتح کرنا تاریخ و سیر کی کتب میں مفصل طور پر پایا جاتا ہے۔ اسلامی فتوحات میں قسطنطنیہ کی فتح بڑی اہمیت کی حامل ہے اور کئی اہم واقعات کو متضمن

۱۔ قبیل المنفہ ص ۵۸۷ تحت حرف الیم

اسد الغابہ ص ۲۸۴ ج ۲ تحت مالک بن عبداللہ بن سنان رضی اللہ عنہ

الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۲۷ ج ۳ تحت مالک بن عبداللہ

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷ ج ۸ تحت سنہ ۴۴ھ

تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۱۸-۲۱۹ ج ۳ تحت سنہ ۴۴ھ

۳۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۰۵ ج ۱ تحت سنہ ۵۱ھ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۲۸ ج ۳ تحت سنہ ۵۰ھ

ہے۔

روایات پر نظر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قسطنطنیہ پر اہل اسلام کی طرف سے متعدد بار حملے ہوئے اور اس کی فتح کے لیے بار بار کوششیں کی گئیں۔

مورخین ان غزوات کو ۴۹ھ، ۵۱ھ اور ۵۲ھ وغیرہ میں ذکر کیا کرتے ہیں۔

ان اقوال کی روشنی میں علماء فرمایا کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ پر اہل اسلام کی طرف سے متعدد بار حملے ہوئے۔ اختلاف سنین کے سلسلے میں اس توجیہ کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

اور اس غزوہ کے متعلق بعض بشارات نبوی بھی ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک بشارت الاصابہ لابن حجر عسقلانی میں عبداللہ بن بشر ثعمی سے یہ عبارت ذیل منقول ہے۔ اور نور الدین دمشقی نے مجمع الزوائد جلد سادس باب فتح القسطنطنیہ میں اس بشارت کو اس طرح درج کیا ہے:

① ((قال الخثعمی عن ابيه انه سمع النبي ﷺ يقول لتفتحن القسطنطينية ولنعم الامير اميرها ونعم الجيش ذاك الجيش، قال فدعاني مسلمة بن عبد الملك فسألني فحدثته بهذا الحديث فغزا القسطنطينية (قلت) القائل ذلك هو عبدالله بن بشر و رواه ابن السكن من هذا الوجه فقال بشر بن ربيعة الخثعمي))^۱

”یعنی عبداللہ بن بشر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے جناب نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ آنجناب نے فرمایا قسطنطنیہ یقیناً فتح ہوگا۔ اس کو فتح کرنے والا لشکر عمدہ اور اس کا امیر عمدہ امیر ہوگا..... الخ“

اس روایت کی روشنی میں قسطنطنیہ کی فتح کی اہمیت واضح طور پر پائی گئی اور اس کے جیش کی عظمت اور امیر جیش کی فضیلت عمدہ طریقہ سے ثابت ہوئی۔

② نیز اسی طرح بعض دیگر روایات میں ایک دوسری بشارت نبوی منقول ہے۔ اس میں جناب نبی کریم ﷺ نے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) کے متعلق غزا اور جہاد کرنے والوں کے لیے مغفرت کا ارشاد فرمایا ہے:

((ثم قال النبي ﷺ: اول جيش من امتي يغزون مدينة قیصر مغفور لهم))^۲

۱ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۶۱ ج ۱ تحت ۶۸۵ بشر الخثعمی الخ
مجمع الزوائد (دمشقی) ص ۲۱۹، ۲۱۸ ج ۶ باب فتح القسطنطنیہ عن بشر ثعمی بحوالہ احمد و بزار و طبرانی طبع اول مصر

۲ بخاری شریف ص ۴۱۰ ج ۱ کتاب الجہاد باب ما قبل فی قتال الروم

الہدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت ۴۹ھ

الہدایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ یزید بن معاویہ

”یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر غزوا اور جہاد کرے گا وہ مغفور ہے۔“

اس روایت کی تشریح میں اکابر علماء نے ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں (علی اختلاف الاقوال) ۵۲ھ میں پیش آیا تھا اور اس غزوہ کا امیر جمیش یزید بن معاویہ تھا۔ نیز فرماتے ہیں کہ بعض اکابر صحابہ کرام مذکورہ بشارت نبوی کے پیش نظر اس غزوہ میں شامل ہوئے تھے مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری وغیرہ رضی اللہ عنہم اور بعض علماء نے حضرت حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بھی اس غزوہ میں شرکت ذکر کی ہے۔^۱

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی بیماری اور وفات

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ غزوہ قسطنطنیہ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے اور انہوں نے وصیت فرمائی کہ اگر میں یہاں فوت ہو جاؤں تو مجھے باب قسطنطنیہ کے پاس جہاں غازی لڑ رہے ہیں ان کے قدموں میں دفن کیا جائے۔^۲

چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا اسی غزوہ کے دوران میں انتقال ہو گیا۔ یزید بن معاویہ امیر جمیش نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قلعہ قسطنطنیہ کے دامن میں دفن کیا گیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اہل روم ان کے مزار مبارک کو محفوظ کیے ہوئے ہیں اور جب کبھی قحط سالی وغیرہ کے آثار پیدا ہوتے ہیں تو ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی چیز کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وكانت غزوة يزيد المذكورة (غزوة قسطنطينية) في سنة اثنتين وخمسين من الهجرة و في تلك الغزاة مات ابو ايوب الانصاري رضي الله عنه فاوصى ان يدفن عند باب القسطنطينية وان يعفى قبره ففعل به ذلك فيقال ان الروم صاروا بعد ذلك يستسقون به وفي الحديث ايضا الترغيب في سكنى الشام))^۳

۱۔ البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۳۹ھ

۲۔ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۸ تحت تذکرہ قصہ حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

مختصر تاریخ ابن عساکر (ابن بدران) ص ۳۱۱ ج ۳ تحت تذکرہ امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ

۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۰ ج ۵ کتاب الجہاد

مستدرک حاکم ص ۲۸۵ ج ۳

۴۔ فتح الباری شرح بخاری ص ۷۸ ج ۶ تحت باب ما قبل فی قتال الروم۔

ناظرین کرام مندرجہ بالا مضمون مقامات ذیل میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

- ① طبقات ابن سعد ص ۳۹-۵۰ ج ۲ قسم ثانی تحت خالد بن زید بن کلیب ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ
- ② مسند ابی عوانہ ص ۱۲ ج ۱ طبع حیدرآباد دکن
- ③ مختصر تاریخ ابن عساکر (ابن بدران) ص ۳۱۱ ج ۲ تحت تذکرہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما
- ④ حسن المحاضرہ (سیوطی) ص ۱۰۰ ج ۱

ایک کرامت

اس مقام پر مشہور فقیہ شمس الاممہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”شرح السیر الکبیر“ میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے غزوہ قسطنطنیہ میں یزید بن معاویہ کی ماتحتی میں غزا اور جہاد کیا۔ اتفاقاً ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس موقع پر بیمار ہو گئے۔ یزید بن معاویہ ان کے پاس عیادت کے لیے آیا اور کہا کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت اور حاجت ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! میری خواہش ہے کہ اگر میں یہاں فوت ہو جاؤں تو مجھے غسل دو اور پھر مجھے کفن دو اور اس کے بعد مجھے اٹھا لو حتیٰ کہ دشمن کے شہر کے قریب مجھے دفن کر دو..... چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان لوگوں نے اسی طرح کیا اور رات کو وہاں جا کر قلعہ قسطنطنیہ کی دیوار کے دامن میں دفن کر دیا۔ پھر اس کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر سے ایک روشنی آسمان کی طرف بلند ہوتی ہوئی نمودار ہوئی اور یہ منظر آس پاس کے کفار نے دیکھا۔ رات گزرنے کے بعد صبح کفار کی طرف سے آدمی آئے اور کہنے لگے کہ گزشتہ رات تم نے کس شخص کی میت کو دفن کیا ہے؟ اہل اسلام نے جواب دیا کہ وہ ہمارے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے۔ پس اس منظر کو دیکھ کر اطراف کے کئی کافر مسلمان ہو گئے۔

ان لوگوں نے واقعہ ہذا سے یہ تاثر لیا کہ جس پیغمبر کے یہ پیروکار ہیں وہ نبی برحق ہیں اور ان کا مذہب صحیح ہے اور یہ دین صادق ہے۔

((فاتاہ یزید بن معاویہ یعودہ، فقال الک حاجة؟ قال نعم! اذا انا مت فاغسلونی وکفونی ثم احملونی حتی تاتوا بلاد العدو۔ فیدفونی۔ انہم فعلوا ذالک بہ ودفنوه لیلا فصعد نور من قبرہ الی السماء و رای ذالک من کان بالقرب من ذالک الموضع من المشرکین۔ فجاء رسولہم من الغد فقال من کان هذا المیت فیکم فقالوا صاحب لبینا فاسلموا بما رأوا))^۱

بخاری شریف کی عمیر بن اسود غنسی سے مرفوع روایت، جس میں فرمان نبوی ہے کہ اول جیش من

۱ کتاب شرح السیر الکبیر (شمس الاممہ سرخسی) ص ۱۵۷ ج ۱ باب الشہید وما صنع بہ، طبع دکن

امتی یغزون مدینہ قیصر مغفور لهم..... الخ کے متعلق اس دور کے بعض لوگوں نے بے جا نقد شروع کر دیا ہے اور روایت ہذا کی صحت سے انکار کے درپے ہوئے ہیں۔

ان کا قول ہے کہ عمیر بن اسود غسی کے بغیر اس روایت کو کسی دوسرے راوی نے نقل نہیں کیا، لہذا ان کے قول کے مطابق یہ حدیث نبوی نہیں ہے بلکہ سند کے راویوں میں سے ایک راوی عمیر بن اسود کی وضع کردہ ہے اور آنحضور ﷺ نے اول جیش، اوجبوا، مدینہ قیصر اور مغفور لهم کے الفاظ نہیں ذکر کیے۔ ان شبہات کے ازالہ کے لیے ذیل میں چند چیزیں مختصراً پیش کی جاتی ہیں:

① اہل فن کے نزدیک ایک مسلم قاعدہ ہے کہ اگر ایک روایت صرف ایک صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے اور وہ کسی نص قطعی، دیگر احادیث صحیحہ اور واقعات کے برخلاف بھی نہ ہو تو وہ محدثین کے نزدیک قابل قبول اور لائق تسلیم ہوگی۔

اسی قاعدہ کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ کی ”مدینہ قیصر“ والی روایت اگرچہ صرف ایک صحیح سند سے ثابت ہے تب بھی یہ روایت اہل فن کے نزدیک مقبول ہے اسے رد نہیں کیا جاسکتا۔

② دیگر یہ چیز ہے کہ مشہور محدث محی السنہ امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی معروف تصنیف ”شرح السنۃ“ میں بخاری کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد یہ حکم لگایا ہے کہ ”وہذا حدیث صحیح“ یعنی اہل فن کے نزدیک یہ حدیث نبوی صحیح ہے۔^۱

③ نیز یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی اس روایت کو امت کے بے شمار علمائے فن، محدثین اور مشہور مصنفین نے اپنی تصنیفات میں بغیر نقد و جرح کے قبول کیا ہے۔ کسی ایک محدث نے بھی اس پر جرح کر کے اس روایت کو رد نہیں کیا۔

یہ چیز اس روایت کی قبولیت پر قوی قرینہ ہے۔ اسی طرح متاخرین علماء، مثلاً ابن تیمیہ، حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر وغیرہ رحمہم نے بھی اس روایت کو صحیح تسلیم کر کے بغیر نقد و جرح کے نقل کیا ہے۔^۲ گویا روایت کو تلتی امت حاصل ہے۔ سو بخاری کی اس روایت کو رد کرنا قواعد کے اعتبار سے ہرگز درست نہیں۔

اس کے برعکس آج کے دور میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ حدیث نبوی ہی نہیں اول جیش اوجبوا مغفور لهم وغیرہ الفاظ جناب نبی کریم ﷺ نے نہیں فرمائے بلکہ ایک راوی کا خود ساختہ قول ہے، سو فیصد

۱ شرح السنۃ (محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود انقراء البغوی ۵۱۸ھ) ص ۳۱۲-۳۱۳ ج ۱۳ حدیث ۳۷۳۱ طبع جدید

۲ منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۲۳۵ ج ۲

السنطی (ذہبی) ص ۲۸۸

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ یزید بن معاویہ، طبع اول

غلط اور بے جا دعا ہے اور اس کا عند العلماء کوئی وزن نہیں بلکہ ایک قول رسول کی بے جا توہین ہے۔ یہاں یہ چیز مزید ذکر کی جاتی ہے کہ معترض لوگوں نے روایت ہذا کو ایک راوی (عمیر بن اسود غنسی یا بقول بعض عمرو بن اسود غنسی) کا خود ساختہ قول کہا ہے۔ حالانکہ علمائے رجال و تراجم کے نزدیک یہ شخص تابعی اور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں اور متعدد صحابہ کرام (حضرت عمر، عبادہ بن صامت، ابو درداء، ام حرام اور معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ رضی اللہ عنہم) سے روایات کے براہ راست ناقل ہیں۔ اور ان پر علمائے فن نے کوئی خاص جرح و تنقید ذکر نہیں کی بلکہ انھیں معتمد علیہ قرار دیا ہے۔ لہذا اس شخص کو ”روایت ہذا کا وضع کرنے والا“ قرار دینا نہایت دریدہ دہنی ہے، راوی پر بہتان عظیم ہے اور اس کے ساتھ سخت نا انصافی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

نیز ان لوگوں نے روایت ہذا پر نقد و جرح کرتے ہوئے یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ عمرو بن اسود غنسی اور عمیر بن اسود غنسی کے دو الگ الگ اشخاص ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور علمائے رجال اس راوی کا حدود اربعہ پوری طرح متشخص نہیں کر سکے۔

مطلب یہ ہے کہ واضح نہیں ہو سکا کہ عمرو بن اسود اور عمیر بن اسود دو الگ الگ شخصیتیں ہیں یا ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں؟

ہمارے قارئین اس اشتباہ کے ازالہ کے لیے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات تقریب التہذیب اور تہذیب التہذیب کی طرف رجوع فرمائیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دونوں تصنیفات مذکورہ بالا میں یہ چیز واضح کر دی ہے کہ عمرو بن اسود غنسی اور عمیر بن اسود غنسی ایک ہی شخصیت ہے جس کو بعض دفعہ عمرو بن اسود اور بعض دفعہ عمیر بن اسود (تصغیر کے ساتھ) ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ دو الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو: تقریب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) تحت عمرو بن اسود غنسی، اور تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) تحت عمیر بن اسود غنسی

③ نیز ان ناقدین نے روایت میں ”اول جمیش“ کے الفاظ پر سخت اعتراض کیا ہے، اور کہتے ہیں کہ غزوہ قسطنطنیہ کے جمیش میں یزید بن معاویہ امیر تھا، وہ اول جمیش نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ الفاظ واقعہ کے

۱ کتاب الجرح والتعديل (ابن ابی حاتم رازی) ص ۲۷۵ ج ۳ قسم اول

تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۳۱۵ ج ۲ قسم ثانی

تاریخ الثقات (حافظ احمد بن عبد اللہ مجلی) ص ۳۶۲ تحت عمرو بن الاسود الغنسی

تقریب التہذیب (عسقلانی) ص ۳۸۸ تحت عمرو بن الاسود غنسی طبع لکھنؤ

تہذیب التہذیب (عسقلانی) ص ۸ ج ۸ تحت عمرو بن الاسود الغنسی، طبع دکن۔

اعتبار سے درست نہیں ہیں۔

تو اس کے متعلق اتنی وضاحت درکار ہے کہ مورخین کے اقوال کے مطابق اہل اسلام کے جیوش نے بلاد روم کے اس علاقہ پر متعدد بار حملے کیے تھے۔ ان میں سے ایک حملے کے متعلق یہ الفاظ وارد ہیں۔ گویا کہ اولیت حقیقی مراد نہیں بلکہ اضافی اولیت مراد ہے یعنی یہ غزوہ مدینہ قیصر کے لحاظ سے پہلا حملہ تھا۔ اس علاقہ میں دیگر پیش قدمیوں کے لحاظ سے اول جیش نہیں تھا۔

⑤ نیز معترض لوگوں نے اس روایت کا انکار اس بنا پر کیا ہے کہ اس غزوہ میں امیر لشکر یزید بن معاویہ تھا اور معترض لوگ یزید کو مغفور لہم میں داخل قرار دینے میں بڑی مشکلات محسوس کرتے ہیں۔ فلہذا انہوں نے صحت روایت کا ہی انکار کر دیا ہے۔ مثل مشہور ہے ”نہ رہے بانس نہ بجے بانسری“

معترض لوگوں کا روایت ہذا کی صحت سے انکار کرنے کا یہ طریقہ غلط ہے۔ دیگر محدثین نے روایت ہذا کی صحت تسلیم کرتے ہوئے جو تشریحات ذکر کی ہیں وہ درست ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس جیش کے غازیوں کے متعلق ”مغفور لہم“ کی جو بشارت دی گئی ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے اگر ان میں یزید بن معاویہ بھی داخل ہو تو وہ بھی اس بشارت کا مستحق ہے مگر اس کے ساتھ محدثین کرام رضی اللہ عنہم نے ایک وضاحت ذکر کر دی ہے، اسے کیوں نہیں پڑھتے؟

((قوله **مَغْفُورٌ لَّهُمْ** مشروط بان یکونوا من اهل المغفرة حتی لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذلك لم یدخل فی ذلك العموم اتفاقاً۔ فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم))^۱

”یعنی جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ”مغفور لہم“ اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ اس غزوہ کے غازی اہل مغفرت میں سے ہوں (یعنی مغفرت کے لائق ہوں) حتیٰ کہ بالفرض اگر کوئی شخص ان غازیوں میں سے ہو اور اس کے بعد وہ اسلام سے پھر جائے تو وہ شخص اس عموم (مغفرت) میں داخل نہ ہوگا۔“

مطلب یہ ہے کہ یزید بن معاویہ سے اس غزوہ کے بعد ایسے افعال اور امور سرزد ہوئے ہوں جن کی وجہ سے وہ مستحق مغفرت نہ رہا تو وہ اس عموم (مغفرت) سے خارج ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو معافی دے دیں گے اور اگر چاہیں گے تو گرفت فرمائیں گے جیسے کہ دیگر اہل معاصی کے حق میں قاعدہ ہے۔

پس اس حدیث شریف کی تشریح میں جو کچھ علماء نے نقل کیا ہے اور یزید بن معاویہ کے متعلق مغفور

۱ فتح الباری شرح بخاری ص ۸۷ ج ۶ تحت حاشیہ باب ما قبل فی قتال الروم۔

۲ عمدۃ القاری شرح بخاری (یعنی) ص ۱۹۹ ج ۱۳ تحت باب ما قبل فی قتال الروم۔

ہونے یا مغفور نہ ہونے کی تشریح ذکر کر دی ہے وہ کافی ہے اور صحیح ہے۔ فلہذا انکار روایت کی راہ اختیار کرنا قطعاً درست نہیں۔

روایت ہذا کی مزید وضاحت کے لیے اہل علم مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع فرما کر تسلی کر سکتے ہیں:

① شرح الابواب والترجم للبخاری از شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحت الروایہ

② حواشی لامع الدراری از شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۸۵-۴۸۶ ج ۲ طبع ہند

مختصر یہ ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ بلاد روم کے غزوات میں سے ایک تاریخی اہمیت کا حامل ہے جس کی تفصیلات تاریخی کتب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس غزوہ کا کچھ مختصر اور اجمالی حال ہم نے سطور بالا میں بیان کر دیا ہے قابل توجہ یہاں یہ چیز ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ قیصر وغیرہ کے متعلق جو بشارتیں بیان فرمائی ہوئی تھیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں اور ان کے عہد میں پوری ہوئیں۔ یہ ان کی بہت بڑی خوش نصیبی ہے ان کی خوش بختی کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

فتح روڈس

مورخین نے لکھا ہے کہ ۵۳ھ میں بحری غزوات کے سلسلے میں جزیرہ روڈس کو فتح کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس وقت بحری افواج کے امیر جنادہ بن ابی امیہ ازدی رضی اللہ عنہ تھے۔ جنادہ بن ابی امیہ ازدی رضی اللہ عنہ وہ بزرگ شخصیت ہیں جن سے بہت سی احادیث نبویہ منقول ہیں۔ حضرات شیخین اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوتی رہی، اور آپ کا انتقال اہل تراجم نے ۸۰ھ میں ذکر کیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے تحت اسلامی افواج نے جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جزیرہ روڈس بڑی جدوجہد کے بعد فتح کیا اور وہاں آپ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو مستقل طور پر آباد کیا۔ ان کے ساتھ کفار کا سخت تقابل اور تعارض رہتا تھا۔ مسلمان سمندر میں ان کی طرف پیش قدمی کرتے تھے اور ان کے راستوں کو منقطع کرتے اور ان کی کشتیوں کو اپنی تحویل میں لے لیتے تھے اس وجہ سے کفار پر ان مسلمانوں کا جزیرہ میں قیام نہایت گراں تھا۔ تاہم مسلمان ان سنگین حالات میں بھی نہایت استقامت سے وہاں مقیم تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جزیرہ کے ان مقیمین کے لیے بہت کچھ وظائف اور عطایا ارسال فرماتے رہتے تھے کیونکہ یہ مسلمان وہاں مخالفین کی طرف سے شدید خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔^۱

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جزیرہ روڈس قریباً ساٹھ میل طویل ایک سرسبز و شاداب جزیرہ تھا اس میں

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۶۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۳ھ

تاریخ الکامل (ابن اثیر جزیری) ص ۲۳۳ ج ۳ تحت سنہ ۵۳ھ

کثرت سے درخت اور باغات تھے، زیتون انگور اور دیگر فواکہ کثرت سے پیدا ہوتے تھے اور پانی نہایت شیریں تھا۔^۱

۵۵۳ھ کے تحت مورخین ذکر کرتے ہیں کہ قسطنطنیہ کے نزدیک جزیرہ ارواد تھا اسے مسلمانوں نے فتح کیا۔ ان کے امیر جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے ساتھ ان کارگزار یوں میں مجاہد بن جبر بھی شریک تھے۔ جب یہ جزیرہ فتح ہو چکا تو مسلمانوں نے بطور نوآبادی کے وہاں پر سات سال تک اقامت اختیار کی۔^۲

۵۵۶ھ میں بھی جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے ارض روم میں جہاد جاری رکھا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ سمندر میں جہاد کرنے والے یزید بن شجرہ اور خشکی میں جہاد کرنے والے عیاض بن حارث تھے۔^۳ اس مقام پر کبار مورخین نے اور اہل تراجم نے یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ یزید بن شجرہ رهاوی رضی اللہ عنہ ایک مقتدر صحابی ہیں اور انھوں نے شام میں سکونت اختیار کر رکھی تھی رومیوں کے مقابلہ میں بحری غزوات میں ان کی نمایاں جنگی خدمات پائی جاتی ہیں۔ اور اس سلسلے میں ۵۵۸ھ میں امیر جیش کی حیثیت سے رومیوں کے خلاف ایک بحری جہاد میں اقدام کیا۔ فریق مقابل کے ساتھ سخت مقاتلہ پیش آیا اور اسی غزوہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ رومیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

((قتل هو واصحابه فی البحر سنة ثمان و خميسن فی خلافة معاوية بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما))^۴

((واستشهد ببلاد الروم وهو امیر علی جیش سنة ثمان و خميسن یزید بن شجرة الرهاوی هذا من ساکنی الشام))^۵

((وفیها غزا یزید بن شجرة الرهاوی فاصیب هو واصحابه))^۶

اور ۵۵۸ھ میں بھی ارض روم میں جہاد جاری رہا۔ عمرو بن یزید چینی کی نگرانی میں بحری غزوات ہوئے اور بقول بعض جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ امیر البحر تھے۔^۷

۵۵۹ھ میں بھی بقول بعض مورخین سمندر میں جہاد جاری رہا اور جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ اس کے نگران اعلیٰ

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۳۳ تحت فتح جزائر فی البحر

۲ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۳۶ ج ۳ تحت غزوة الروم و فتح جزیرہ ارواد

۳ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۳۹ ج ۳ تحت سنہ ۵۶ھ

۴ طبقات ابن سعد ص ۱۵۶ ج ۷ قسم ثانی تحت یزید بن شجرہ الرهاوی رضی اللہ عنہ

۵ تاریخ ابن مساکر (مخطوط) ص ۲۹۸ ج ۱۸ تحت یزید بن شجرہ

۶ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۳ ج ۱ تحت ۵۵۸ھ

۷ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۵۴ ج ۳ تحت سنہ ۵۵۸ھ

تھے۔

جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ بحری غزوات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر یزید بن امیر معاویہ کے دور تک جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے بڑی جانفشانی سے کام کیا۔ مگر درمیان میں قتنہ کے دور (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مشاجرات کے ایام میں) علیحدگی اختیار کیے رکھی۔ اور پھر ۵۹ھ کے شتوی بحری غزوات میں بھی شامل رہے اور اپنے فرائض منصبی بطریق احسن سرانجام دیے۔ بقول مورخین جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۸۰ھ میں ملک شام میں ہوا۔^۱

قلعہ کح کی فتح

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں اہل اسلام نے بلاد روم میں کئی قلعے فتح کیے ان میں سے قلعہ کح کی فتح بہت اہمیت کی حامل ہے۔

اس موقع پر اسلامی فوج میں ایک بزرگ عمیر بن حباب سلمی نہایت جرأت مند فوجی جوان تھے۔ وہ بڑی عقلمندی سے اقدام کرتے ہوئے قلعہ کح کی فصیل پر چڑھ گئے اور مخالفین کے خلاف تنہا مقابلہ کرتے رہے حتیٰ کہ انھوں نے رومیوں کو اپنے مقام سے ہٹا ڈالا۔ اس کے بعد باقی فوج بھی قلعہ ہذا میں داخل ہو گئی۔ یہ تمام مہم عمیر سلمی کے ذریعے سے پوری ہوئی۔ عمیر اس کارنامے پر فخر کیا کرتے تھے اور ان کا یہ کارنامہ واقعی قابل افتخار ہے۔

چنانچہ اس واقعہ کو ابن اثیر جزری رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف میں بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وفیه (سنہ ۵۹ھ) غز المسلمون حصن کح و معہم عمیر بن الحباب

السلمی۔ فصعد السور و لم یزل یقاتل علیہ و حدہ حتی کشف الروم فصعد

المسلمون ففتحہ بعمیر و بذالك كان یفتخر و یفخر له بذالك))^۲

دیگر قلعوں کی فتوحات

بلاد روم میں اہل اسلام نے متعدد قلعے جات فتح کیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان

۱ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۵۶ ج ۳ تحت سنہ ۵۹ھ

۲ الاستیعاب مع الاصابہ ص ۲۳۳-۲۳۵ ج ۱ تحت جنادہ بن ابی امیہ الازدی رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۹۳ ج ۸ تحت سنہ ۵۹ھ

تجرید اسما الصحابہ ص ۹۵ ج ۱ تحت جنادہ بن ابی امیہ الازدی رضی اللہ عنہ

۳ تاریخ الکامل (ابن اثیر جزری) ص ۲۵۹ ج ۳ تحت سنہ ۵۹ھ

میں سے ایک قلعہ ”ساسمہ“ کی فتح بھی مورخین نے ذکر کی ہے۔

چنانچہ عطیہ بن قیس کلابی رضی اللہ عنہ ایک بزرگ تھے جو اس لشکر اسلامی میں قاری تھے ان کے ساتھ اسماعیل بن عبداللہ بھی اس منصب پر تھے۔ آپ اس قلعہ کو فتح کرنے والے غازیوں میں خود شامل تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بلاد روم میں جہاد کیا اور میں اسپ سواروں (گھڑ سواروں) میں شامل تھا۔ اس موقع پر عبیدہ بن قیس عقیلی ہمارے دستہ فوج پر امیر تھے۔ اس وقت ہمارے دستہ کی تعداد چالیس افراد سے زیادہ تھی۔ ہم نے اس قلعہ پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ پھر اس کے بعد عطیہ مذکور کہتے ہیں کہ اس فتح میں ہمیں دو سو دینار فی کس بطور نفل (نعمت) ملے تھے۔

اسی طرح یہاں ایک اور قلعہ کے فتح ہونے کا بھی مورخین نے ذکر کیا ہے۔ اس کو المدین یا المدین کہتے تھے۔ یہ خلیج قسطنطنیہ کے پاس تھا۔ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے ان فتوحات کی زیادہ تفصیل ذکر کی ہے:

((حدثنا سعيد (بن عبدالرحمن) عن عطية بن قيس الكلابي قال غزوت في خلافة معاوية رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَارِضَ الرُّومِ قَالَ: فَخَرَجْتُ فِي سَرِيَةٍ وَنَحْنُ بَضْعَةٌ وَارْبَعُونَ رَجُلًا. عَلَيْنَا عُبَيْدَةُ بْنُ قَيْسِ الْعَقِيلِيِّ فَأَغْرَنَّا عَلَى فِلَانَةَ. حَصَّنَا سَمَاهُ سَعِيدٌ فَانْسَيْتَهَا. قَالَ وَكُنْتُ فَارِسًا فَبَلَغَ نَفْلِي مِائَتِي دِينَارًا))^۱

بلاد افریقہ کی فتوحات

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جہاں دیگر ممالک کی فتوحات کی طرف پوری توجہ تھی۔ وہاں آپ کی جانب سے بلاد افریقہ میں پیش قدمی کے بھی خاص اقدامات کیے گئے۔ بلاد افریقہ وغیرہ کی فتوحات کی تفصیلات بے شمار ہیں ان تمام واقعات کا ذکر کرنا موجب طوالت ہوگا۔ ذیل میں صرف چند ایک فتوحات بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں:

رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی مساعی

افریقہ کے علاقہ میں فتوحات کے سلسلے میں جن حضرات کی مساعی قابل ذکر ہیں ان میں سے ایک مشہور صحابی حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ ہیں یہ فتح مصر میں شریک جہاد ہوئے اور بعد میں وہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک افریقی علاقہ میں جہاد کے لیے امیر جمیش بنا کر بھیجا۔ انھوں نے اس علاقہ میں نہایت جانفشانی سے جہاد کیا اور بالآخر ان کی کوششوں سے بقول بعض مورخین ۳۶ھ میں طرابلس فتح ہوا۔

^۱ کتاب المعروفہ والتاریخ ص ۳۹۸-۳۹۹ ج ۲ تحت عطیہ بن قیس الکلابی

تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۶۸۶ ج ۱۱ تحت عطیہ بن قیس الکلابی

بلاد مغرب کی فتوحات میں ان کے اور کئی کارہائے نمایاں بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ مصر کے دوسرے عامل مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف سے برقہ (افریقہ) کے والی اور امیر تھے اور ۵۶ھ میں وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

① ((صحابی جلیل شہد فتح مصر وله آثار جيدة في فتح بلاد المغرب

ومات ببرقة واليا من جهة مسلمة بن مخلد رضی اللہ عنہ نائب مصر))^۱

② ((وامره معاوية رضی اللہ عنہ على طرابلس سنة ۴۶ھ فغزا افريقية توفى ببرقة

وهو امير عليها..... الخ))^۲

عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کے کارنامے

مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ کو بلاد افریقہ کی فتوحات کے لیے امیر اور والی بنا کر روانہ کیا گیا۔ عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کے متعلق محدثین لکھتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ صحابی نہیں تھے لیکن بہت باصلاحیت اور لائق شخصیت تھے۔ انھوں نے بلاد افریقہ کی فتوحات میں بہترین کارنامے سرانجام دیے اور اس علاقہ میں بلاد سوڈان کے کئی اہم مقامات فتح کیے اور ودان اور برقہ وغیرہ بھی اسلامی سلطنت کے زیر نگیں کیے۔

بقول بعض مورخین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلاد افریقہ کی طرف روانگی کے وقت دس ہزار مجاہدین کا ایک لشکر ان کی امارت کے تحت روانہ کیا تھا۔^۳

نیز ان کی فتوحات کا دائرہ یہاں تک وسیع ہوا کہ بلاد بربر تک پہنچے اور ان کو فتح کر کے ان پر اسلام کا پرچم بلند کیا۔ چنانچہ ابن اثیر رضی اللہ عنہ نے اسد الغابہ میں بالفاظ ذیل اس کی وضاحت کی ہے:

((وافتتح في سنة ثلاث واربعين مواضع من بلاد السودان وافتتح ودان وهي

من حيز برقة من بلاد افريقية وافتتح عامة بلاد البربر))^۴

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۶۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۳ھ

۲۔ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۲۹۹ ج ۳ تحت رولیع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۳ ج ۱ تحت سنہ ۴۷ھ

۳۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱۷ ج ۸ تحت ترجمہ عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ

۴۔ اسد الغابہ (ابن اثیر) ص ۳۲۰ ج ۳ تحت عقبہ بن نافع فہری

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۰ ج ۱ تحت سنہ ۴۳ھ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۷۱۹-۷۲۰ ج ۱۱ تحت تذکرہ عقبہ بن نافع فہری

قیروان کی آباد کاری میں ایک اہم واقعہ

اسی علاقہ کی فتوحات کے سلسلے میں ایک خاص واقعہ شہر قیروان کی آباد کاری کے موقع پر پیش آیا بیشتر مورخین نے اس واقعہ کو اپنی عبارات میں مفصلاً و مختصراً ذکر کیا ہے۔

۵۰ھ-۵۱ھ میں صورت حال یہ پیش آئی کہ عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی (جن میں بقول مورخین اٹھارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے) بلاد افریقہ کے ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں گھنے جنگلات تھے اور ان میں بیشتر درندوں اور سانپوں وغیرہ کی جائے رہائش تھی۔ اس خطرناک مقام کو ان حضرات نے آباد کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کی صورت یہ اختیار کی کہ عقبہ بن نافع فہری تابعی جو مستجاب الدعوات بزرگ تھے انھوں نے اس مقام پر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی شروع کی: یا اللہ! ان حیوانات کو اس مقام سے دور فرما دے اور ہم مسلمانوں کو یہاں آباد ہونے کی توفیق عطا فرما۔ جبکہ عقبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی آمین کہہ رہے تھے۔

دعا کے بعد عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے اس وادی کے ایک مقام پر کھڑے ہو کر زور دار آواز میں کہنا شروع کیا: اے درندو! اے سانپو! یہاں سے رخصت ہو جاؤ اور نکل جاؤ، ہم نبی کریم رضی اللہ عنہ کے اصحاب اور خادم ہیں ہم یہاں مقیم ہونا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہم جس کو اس مقام پر پائیں گے اس کو قتل کر دیں گے۔

اس اعلان کے بعد لوگوں نے ایک عجیب منظر دیکھا جو قابل دید تھا۔ وہ اس طرح کہ اس گھنے جنگل سے حیوانات اور درندے نکلنے شروع ہو گئے حتیٰ کہ انھوں نے اپنے بچے اپنی بیٹیوں پر اٹھائے ہوئے تھے اور اپنی اولادوں کو ساتھ لیے نکلے جا رہے تھے اور لوگ اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

جب وہ مقام ان درندوں اور وحشی حیوانات اور ایذا دینے والی اشیاء سے خالی ہو گیا تو اس وادی میں عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اترے اور لوگوں کو حکم دیا کہ ان گھنے درختوں کو کاٹ دو اور یہاں شہر کی آبادی قائم کرو۔ اس آبادی کا نام قیروان مشہور ہوا۔ وہاں کے باشندوں نے بعد میں چالیس برس تک یہاں کوئی بچھو یا کوئی درندہ حیوان نہیں پایا۔

تنبیہ

واقعہ مذکورہ بالا کی سب سے زیادہ تفصیلات ابن عذاری مراکشی رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف ”البیان المغرب فی اخبار المغرب“ میں تحت سنہ ۵۱ھ ذکر کی ہیں۔ اس کی تمام عبارت نقل کرنے میں بہت تطویل ہے اس بنا پر ہم اس واقعہ کے متعلق البدایہ والنہایہ کی عبارت نقل کرتے ہیں جس میں واقعہ کا اختصار آ گیا ہے:

((وفیہا) سنة ۵۰ھ) افتتح عقبہ بن نافع الفہری عن امر معاویة بلاد افریقیة، واختط القیروان، وكان غیضة تاوی الیہا السباع والوحوش و الحیات العظام، فدعا اللہ تعالیٰ فلم یبق فیہا شیء من ذالک حتی ان السباع صارت

تخرج منها تحمل اولادها، والحیات یخرجن من اجحارهن هوارب
فاسلم خلق كثير من البربر فبنی فی مکانها القیروان))^۱

قیروان میں مسجد کا تعین

نیز مورخین نے اس مقام پر یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ جب حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے قیروان کو آباد کرنا چاہا تو وہاں کے لیے ایک مسجد کی ضرورت محسوس کی۔ وہ کون سی جگہ پر ہو، آپ مسجد کے لیے مقام تعین کرنے میں متفکر تھے۔ اسی دوران میں آپ خواب دیکھتے ہیں کہ ایک شخص وہاں ایک مقام پر اذان دے رہا ہے جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو اذان دہندہ کے اس اذان دینے کے مقام کو منذ نہ (اذان کی جگہ) مقرر کیا اور باقی مقام کو مسجد کے لیے مختص کر دیا۔

چنانچہ بلاذری نے اس کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((وحدثنی جماعة من اهل افريقية عن اشياخهم ان عقبه بن نافع الفهري لما اراد تمصير القیروان فکر فی موضع المسجد منه فرأی فی منامه كان رجلا اذن فی الموضع الذی جعل فیہ مئذنته فلما اصبح بنی المنابر فی موقف الرجل ثم بنی المسجد))^۲

معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی کوششیں

قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط نے جہاں بلاد افریقہ کی اور کئی فتوحات ذکر کی ہیں وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے ایک مقتدر صحابی معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے افریقہ کے علاقہ میں غزوات اور جہاد کیا۔

اسی دوران میں جب وہ مجاہدین کے ہمراہ ایک پہاڑ پر پہنچے تو وہاں انھیں شدید بارش کا سامنا ہوا۔

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ، ص ۲۱۷ ج ۸ تحت عقبہ بن نافع فہری۔

البیان المغرب فی اخبار المغرب (ابن عذاری مراکشی) ص ۱۳-۱۵ ج ۱ تحت سنہ ۵۱ھ

فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۳۶ تحت فتح افریقہ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۱۶-۲۰ ج ۱۱ تحت تذکرہ عقبہ بن نافع فہری

اسد الغابہ (ابن اثیر) ص ۳۲۱ ج ۳ تحت ترجمہ عقبہ بن نافع فہری

کتاب البلدان (یعقوبی شیبی) ص ۱۰۰

تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۵ ج ۱ تحت سنہ ۵۰ھ

۲۔ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۳۸ تحت فتح افریقہ

اتنی کثیر ہوئی کہ بعد میں اس پہاڑ کا نام جبل المطور مشہور ہو گیا۔ افریقی پہاڑی علاقہ میں بارشوں کا یہ سماں اس صحابی معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی کرامت کا ایک منظر تھا۔

اور بلاذری نے اپنی مشہور تصنیف فتوح البلدان میں یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے فرمان سے معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے (جو ان کے ایک سپہ سالار تھے) ایک سرسبز و شاداب سمندری جزیرہ صقلیہ کی طرف بھی پیش قدمی کی۔ جزیرہ صقلیہ پر اسلامی لشکر کا حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت یہ پہلا حملہ تھا۔

((قالوا غزا معاویة بن خديج الكندی رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ايام معاوية بن ابي سفيان رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

صقلية وكان اول من غزاها ولم تزل تغزى بعد ذلك))^۱

اسی طرح مورخین معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کی مساعی سے علاقہ جلولا کی فتح کا تذکرہ کرتے ہیں۔

فتح جلولا

جلولا قیروان سے چوبیس میل دور افریقہ کا ایک مشہور شہر ہے یہ علاقہ نہایت سرسبز و شاداب ہے یہاں مختلف انواع و اقسام کے پھل، دریا، چشمے باغات اور خوشبودار درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بلاد افریقہ کی فتوحات کے امیر بعض دفعہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے تو انہوں نے اپنے ایک سپہ سالار عبدالملک بن مروان کو جلولا فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ اسلامی لشکر کی کوشش سے یہ شہر بالآخر فتح ہو گیا اور مسلمانوں کو کثیر غنائم حاصل ہوئے۔ یا قوت حموی نے اپنی تصنیف معجم البلدان میں لکھا ہے کہ:

((فانصرف عبدالملك بن مروان الى معاوية بن خديج رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بالخبر،

فاجلب الناس الغنيمة، فكان نكل رجل من المسلمين مائتا درهم وحظ

الفارس اربعمائة درهم))^۲

”مطلب یہ ہے کہ عبدالملک بن مروان فتح کی خوشخبری لے کر معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور حالات بیان کیے۔ اس موقع پر لوگوں نے بہت سے غنائم حاصل کیے چنانچہ ہر ایک مجاہد کو دو سو درہم حاصل ہوا اور گھڑ سوار کو چار سو درہم کی کس حصہ میں ملا۔“

واقعہ ہذا کی تصدیق کے لیے قدیم مورخ خلیفہ ابن خیاط کی تاریخ ملاحظہ فرمائیں۔^۳

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۴ ج ۱ تحت س ۲۵۵

۲ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۴۴ تحت فتح جزائری البحر۔

۳ معجم البلدان (یا قوت حموی) ص ۱۵۶ ج ۶ تحت جلولا

۴ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۶ ج ۱ تحت س ۵۰۰ فتح جلولا، المغرب

اور علماء نے لکھا ہے کہ بلاد غرب افریقہ وغیرہ میں معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بہت سے غزوات کیے اور کئی بار جہاد کیا اور اسلام کے فروغ کے لیے بڑی کوششیں کیں۔ ان علاقوں میں معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے کارنامے بڑے مشہور ہیں۔ ابن حجر رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ

((وولی الامر علی غزو المغرب مرارا آخرها سنة خمسين))^۱

”مطلب یہ ہے کہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ ديار مغرب میں غزوات کے کئی بار امیر بنائے گئے اور آخری بار ۵۰ھ تک آپ امیر جمیش تھے۔“

اس کے بعد آپ مصر کی طرف واپس ہوئے اور مصر میں ہی ۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

حسان بن نعمان رضی اللہ عنہ کی خدمات

ديار مغرب کی فتوحات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل دمشق میں سے ایک بزرگ حسان بن نعمان غسانی رضی اللہ عنہ کو بھی بعض مواقع پر افریقہ کی طرف جہاد کے لیے بھیجا۔ انہوں نے اس علاقے میں نہایت عمدہ خدمات سرانجام دیں اور آپ کی کوشش سے بربر کے علاقہ میں اہل بربر نے صلح کر لی اور حسان بن نعمان رضی اللہ عنہ نے ان پر خراج عائد کر دیا۔ اس کے بعد آپ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس علاقہ کا والی مقرر کر دیا گیا اور آپ وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۶۰ھ تک والی اور امیر رہے۔

((وفيها وجه معاوية بن ابي سفيان رضي الله عنه حسان بن النعمان الغساني الى

افريقية- فصالحه من يليه من البربر- و وضع عليها الخراج- فلم يزل عليها

حتى مات معاوية))^۲

((كان غزاه و ولی فتوحا بالمغرب و وفد علی معاوية- و كانت له بدمشق

دار))^۳

فتح قرطاجنہ (افریقہ)

بعض مورخین کے بیان کے مطابق ۵۹ھ میں ایک بزرگ دینار ابو مہاجر نے ديار مغرب میں غزا اور جہاد کیا۔ جب یہ مجاہدین ساحل افریقہ کے قریب ایک قدیم شہر قرطاجنہ میں پہنچے تو مخالفین اسلام سے سخت

۱۔ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۲۰۴ ج ۱۰ تحت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۶۱ ج ۸ تحت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ

۲۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۳ ج ۱ تحت سنہ ۵۷ھ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۳۹۵ ج ۳ تحت حسان بن نعمان بحوالہ خیاط

معجم البلدان (حموی) ص ۶۱ ج ۵ قسم ثانی تحت تونس الغرب

۳۔ تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۳۹۵ ج ۳ تحت حسان بن نعمان۔

مقاتلہ ہوا۔ فریقین کے کثیر تعداد میں لوگ مقتول اور مجروح ہوئے۔ قتال کے دوران میں رات کو مسلمان مجاہدین افریقہ کے ایک نہایت عمدہ شہر تونس کی جانب ایک پہاڑ پر اکٹھے ہوئے اور صبح کو پھر مخالفین سے قتال شروع کر دیا۔ اس صورت حال میں فریق مقابل نے اس چیز پر صلح کر لی کہ وہ مسلمانوں کے لیے جزیرہ خالی کر دیں گے۔

اس کے بعد ان مجاہدین اسلام نے افریقہ کی سرحد پر ایک شہر میلہ کو فتح کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بلاد غرب کے ان غزوات کے سلسلے میں مجاہدین نے وہاں قریباً دو سال تک اقامت اختیار کی۔ چنانچہ خلیفہ ابن خیاط رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

((وفیہا) سنة ۵۹ھ) غزا دینار ابوالمہاجر فنزل علی قرطاجنة۔ فالتقوا فكثر القتل والجراح فی الفریقین وحجز اللیل بینہم وانحاز المسلمون من لیلتہم فنزلوا جبلا فی قبلة تونس ثم عاودوہم القتال۔ فصالحوہم علی ان یخلوا لہم الجزیرہ۔ وافتتح میلة وكانت اقامتہ فی هذه الغزاة نحواً من ستین))^۱

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خراج و جزیہ کی آمدنی کا اجمالی تذکرہ قواعد اسلامی کی رو سے حکومت کے لیے آمدنی کے بہت سے ذرائع اور وسائل ہوتے ہیں۔ ان میں عشر ایک مستقل آمدنی کا ذریعہ ہے جو عشری زمینوں سے حسب قواعد شرعی وصول کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خراج بھی ایک کثیر آمد کا ذریعہ ہے اور اس کے متعدد طریقے ہیں۔ ایک تو زمین کی آمدنی سے حاصل کیا جاتا ہے اور دوسرا اہل الذمہ کے افراد سے فی کس کے حساب سے وصول کیا جاتا ہے۔ اس کو جزیہ کہتے ہیں اور یہ بھی خراج کے صیغہ میں ہی شمار کیا جاتا ہے۔

((والخراج ما یخرج من غلة الارض او الغلام ثم سمی ما یاخذ السلطان خراجا۔ فیقال ادی فلان خراج ارضه وادی اهل الذمة خراج رء و سهم یعنی الجزیة..... الخ))^۲

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بے شمار ممالک مفتوح ہو چکے تھے اور ہر ایک ملک کی آمدنی بصورت خراج و جزیہ وغیرہ کثیر مقدار میں اسلامی بیت المال میں جمع ہوتی تھی اس کی تمام تر تفصیلات کا اعاطہ ضبط میں لانا ایک مشکل امر ہے تاہم بطور نمونہ بعض ممالک کی آمدنی کے متعلق چند ایک حوالہ جات پیش کیے

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۵ ج ۱ تحت سنہ ۵۹ھ

۲ المنزب ص ۱۵۳-۱۵۴ تحت الخاء مع الراء (طبع دکن)

جاتے ہیں۔

بیت المال کی اس آمدنی سے تمام ملکی مصارف پورے کیے جاتے، اسلامی حکومت کی معاشی و صنعتی ترقی اسی سے وابستہ تھی اور دین اسلام کے فروغ میں اسے صرف کیا جاتا تھا۔
دمشق

دمشق کے علاقے کی آمد خراج و جزیہ کے متعلق اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ وہ چار لاکھ دینار تھی۔ فوجی اخراجات، حکام کے مشاہرات، مؤذنین، قضاة اور فقہاء وغیرہ کے مصارف ادا کرنے کے بعد خالص آمدنی مذکورہ بالا تعداد میں ہوتی تھی۔

مورخین لکھتے ہیں کہ یہ چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المال کی کثیر آمدنی تھی اور اس میں عظیم برکت پائی جاتی تھی۔

((وذكر ابوبكر احمد بن يحيى بن جابر البلاذري عن المدائني ان وظيفة دمشق التي وظيفها معاوية رضي الله عنه اربع مائة الف دينار۔ وهذا بعد صرف ما لا بد من صرفه في ديوان الجند والولاية وازراق الفقهاء والمؤذنين والقضاة۔ وهذا يدل على كثرة دخلها وعظم البركة في مستغلها))^۱

عراق

مورخ بلاذری نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عبداللہ بن دراج کو عراق کے خراج کا والی مقرر فرمایا۔ انھوں نے مختلف زمینوں سے خراج حاصل کیا جس کی مقدار پچاس لاکھ درہم تک پہنچی۔

((فلما ولي معاوية بن ابي سفيان رضي الله عنه ولي عبدالله بن دراج مولا خراج العراق واستخرج له من الارضين بالبطائح ما بلغت غلته خمسة الاف الف))^۲

مصر

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں متعدد حضرات آں موصوف کی طرف سے مصر میں خراج کے والی رہے ہیں ان میں مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بھی ہیں انھیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصر کے

۱ تاریخ ابن عساکر ص ۲۳۹ ج ۱ (بہ تحقیق صلاح الدین المنجد) تحت باب ما نقل عن اهل السرف في ان البركة فيها مضطه، طبع اول دمشق

۲ کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۰۱ تحت امر بطائح

علاقے میں والی بنا کر بھیجا تھا اور یہ وصولی خراج کے ذمہ دار تھے اور نماز کے انتظامات بھی ان کے ہی سپرد تھے۔

((وامره بعد ذلك على مصر وقال ابو عمر الكندي جمع له معاوية رضي الله عنه في

امر مصر بين الخراج والصلاة))^۱

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فتح مصر کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی وہاں کے حاکم اور والی رہے ہیں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دور ولایت میں مصر کے علاقے کے خراج اور زمین کی آمدنی مورخین نے نوے لاکھ دینار ذکر کی ہے۔

((ولما وليها (عمرو بن العاص رضي الله عنه) في ايام معاوية جباها تسعة الاف الف

دينار))^۲

مقریزی نے اپنی تصنیف الخطط میں ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے باقی مصارف پورے کرنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فاضل آمدنی چھ لاکھ دینار ارسال کی۔

((بعث الى معاوية رضي الله عنه بستمائة الف دينار فضل))^۳

شیعی مورخ یعقوبی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں علاقہ مصر سے خراج اور جزیہ کی مقدار پچاس لاکھ دینار ذکر کی ہے۔

((فبلغ خراج الارض في ايام معاوية مع جزية رءوس الرجال خمسة الاف

الف دينار))^۴

نیز شیعی مورخ یعقوبی نے اپنی تاریخ یعقوبی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مختلف ممالک مفتوحہ سے خراج اور جزیہ کی آمدن کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ ناظرین کرام کو اگر اس سلسلے میں مزید تفصیلات مطلوب ہوں تو تاریخ یعقوبی شیعی ص ۲۳۳-۲۳۴ ج ۲ طبع بیروت تحت حالات خلافت معاویہ ملاحظہ فرمائیں۔

اختتامی کلمات (برائے فصل دوم)

فتوحات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے یہ چند ایک واقعات اختصاراً ناظرین

۱ الاصابہ ص ۴۸۲ ج ۲ تحت ۵۶۰۳، عقبہ بن عامر جہنی مع الاستیعاب

۲ معجم البلدان (یا قوت حموی) ص ۱۴۱ ج ۱۸ تحت ذکر مصر۔

۳ الخطط (مقریزی) ص ۷۹ ج ۱ تحت ذکر مملکت المسلمون عند فتح مصر فی الخراج

۴ کتاب البلدان (یعقوبی شیعی) ص ۹۳ طبع عراق۔

کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ اس دور کے تمام غزوات اور سب فتوحات کا تفصیلاً تذکرہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ فتوحات کے مذکورہ بالا بیان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اشاعت اسلام اور فروغ دین کے لیے ان کی مساعی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ان تمام مفتوحہ ممالک اور علاقہ جات میں دینی تعلیم کا انتظام، احکام شرعی کی ترویج، صوم و صلوة کی پابندی کے علاوہ عمومی تعلیم کے فروغ کی کوششیں اور پبلک کی معاشی ضروریات کے انتظامات کیے جاتے تھے۔ حالانکہ ان کے عہد میں اسلامی حکومت کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔

کبار مورخین کے قول کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی سلطنت کی حدود سمرقند و بخارا سے لے کر اقصائے مغرب میں قیروان تک اور یمن سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ ملک حجاز، شام، مصر، عراق، الجزائرہ، آرمینیا، روم، فارس، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ یہ تمام ممالک اور علاقے اسلامی حکومت کے ماتحت تھے۔

چنانچہ علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف دول الاسلام میں یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے اور قبل ازیں یہ حوالہ ہم نے مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۴۸ پر ذکر کیا ہے:

((صار ملك الدنيا تحت حكمه من حدود بخارا الى القيروان من المغرب ومن اقصى اليمن الى حدود قسطنطينية و اقليم الحجاز واليمن والشام ومصر والمغرب والعراق والجزيرة و آرمينية والروم و فارس والخراسان والجبال وماوراء النهر))^۱

اسی سلسلے میں تاریخ بلدہ دمشق میں ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کے تحت ان کے عہد کی وسعت اور کارگزاری کا ایک اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل عبارت میں ذکر کیا ہے:

((فتح الله به الفتوح ويغزو الروم ويقسم الفيء والغنيمة ويقوم حدود الله والله لا يضيع اجر من احسن عملا))^۲

”یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے بے شمار ممالک فتح کیے۔ ملک روم (جو اس دور کا عظیم ملک تھا) ان کے سبب سے مفتوح ہوا۔ (ان ممالک میں حضرت موصوف مال نے اور اموال غنائم کو مستحقین میں تقسیم کرتے تھے اور حدود اللہ کو جاری کرتے تھے۔ اللہ کریم کسی شخص کے نیک عمل کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا پس ان کو اپنے ان اعمال کے عوض یقیناً اجر ملے گا۔“

۱ کتاب دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۸ ج ۱ تحت سنہ ۶۰ھ طبع دائرة المعارف دکن۔

۲ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) (مخطوط) عکسی ص ۶۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

مطلب یہ ہے کہ ان تمام ممالک کے علاقہ جات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مساعی سے دین کو فروغ اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کا صحیح نقشہ قائم ہو گیا۔

اسلام کے احیا اور بقا کی ان ہمہ گیر کوششوں کو نظر انداز کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو ایک جابر، ظالم، طماع، متغلب فرماں روا کی شکل میں پیش کرنا نہایت ناانصافی ہے اور گروہی تعصب کا مظاہرہ ہے۔ جبکہ کبار مورخین صاف طور پر تحریر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی احکام نافذ تھے اور حدود اللہ کا اجرا کیا جاتا تھا اور مال فے اور غنائم کی تقسیم حسب قواعد شرعی ہوتی تھی۔ ابن عساکر وغیرہ کے بیانات اس بات پر شاہد ہیں جنہیں آپ نے ملاحظہ کر لیا ہے۔

فصل سوم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عہدہ داروں کا ایک

اجمالی خاکہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کثیر ممالک کی فتوحات کے ساتھ ساتھ ان مقامات کے انتظامی امور کا بھی ایک عملی نظم قائم کیا جاتا تھا، جیسا کہ سابق خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ کام جاری رہا ہے۔

① مثلاً ہر ایک علاقے کے لیے والی اور حاکم مقرر کیے جاتے اور فوجی افسر و سپہ سالار ان کے ماتحت ہوتے تھے۔

② محکمہ قضا کا پورا اہتمام تھا عوام و خواص کے تنازعات کے فیصلہ جات کے لیے قاضیوں کا تقرر کیا جاتا تھا۔

③ تعلیم و افتا کا اہتمام، عام اہل اسلام کے لیے معلمین حسب ضرورت متعین کیے جاتے تھے اور مفتیوں اور فقہاء کے لیے الگ منصب تھا۔ ان کے ذریعے سے دینی تعلیم عام کی جاتی تھی۔

④ نیز انشاء اور مراسلہ نگاری کے طریقے رائج کیے گئے اور دیوان خاتم قائم کر کے سرکاری خطوط و مراسلات پر مہر لگانے کا طریقہ رائج کیا گیا۔

⑤ صیغہ فوج، محکمہ پولیس اور حفاظتی دستوں کا ایک الگ نظم قائم کیا گیا۔

⑥ اور ہر سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں انتظامات کے لیے امیر حج کی ضرورت ہوتی تھی آپ امیر حج خود مقرر کرتے تھے۔

فصل ہذا میں ان عنوانات کو بقدر ضرورت بیان کیا جاتا ہے۔

① ولایۃ و حکام

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی حکومت کی حدود نہایت وسیع تھیں اور بے شمار ممالک ان کے زیر تحویل تھے اس بنا پر ان کے والی اور حکام کی تعداد بے شمار تھی اور ہر علاقہ کے لیے ایک الگ حاکم کی ضرورت پڑتی تھی پھر اس کے لیے لاتعداد ولایۃ مقرر کیے جاتے تھے۔ اس صورت حال کی بنا پر صحیح طور پر

ولایت و حکام کی تعداد تحریر کرنا نہایت مشکل امر ہے تاہم مشاہیر امرا اور معروف حکام کا ذکر کرنا مفید خیال کیا ہے۔ فلہذا ان کا اجمالی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملتی خدمات اور دینی کارناموں کا ایک نقشہ سامنے آسکے گا:

(۱) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عمرو بن عامر رضی اللہ عنہ مصر کے حاکم تھے۔ جناب عمرو بن عامر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور بڑے عقلمند اور شجاع تھے۔ اپنی معاملہ فہمی اور دانشمندی کی بنا پر ان کا عرب کے سیاست دانوں میں ایک مقتدر مقام تھا۔ عہد نبوی میں جیوش (لشکروں) کے امیر رہے اور کئی علاقوں کے عامل اور والی بنائے گئے پھر یثربین رضی اللہ عنہما کے عہد میں ان کی فتوحات اور کارنامے مسلم ہیں۔

مصر ان کی مساعی جیلہ سے فتح ہوا۔ فاروقی دور میں امیر مصر رہے اور خلافت عثمانی میں بھی کچھ مدت امیر مصر رہے اور پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مصر کے حاکم بنائے گئے اور ۳۸ھ سے ۴۳ھ تک مصر کے والی رہے۔ صحیح قول کے مطابق ۴۳ھ میں مصر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اہم مشیر اور اعلیٰ درجے کے حاکم تھے۔

(۲) اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (جو بڑے پایہ کے صحابی ہیں) آں موصوف کی طرف سے کوفہ کے والی بنائے گئے اور پھر اپنے انتقال تک (جو اکثریت کے نزدیک ۵۰ھ میں ہوا تھا) کوفہ کے والی اور حاکم رہے۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ عمرہ حدیبیہ سے قبل اسلام لائے تھے اور ”بیعت رضوان“ میں شمولیت کی سعادت ان کو نصیب ہوئی۔ جمل و صفین کے معرکوں سے الگ رہے لیکن بعد میں جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متفقہ خلیفہ تجویز ہو گئے تو ان سے بیعت کر لی اور پھر ان کی طرف سے کوفہ پر والی اور حاکم رہے۔

(۳) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی ہیں بصرہ کے والی اور قاضی رہے ہیں۔ آپ کی بصرہ کی ولایت کے دوران میں ایک عجیب عدالتی مرحلہ پیش آیا جسے علماء نے ذکر کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عنین (نامرد) کا تنازع پیش ہوا تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس مسئلہ کی حقیقت حال تحریر کر کے طریق فیصلہ طلب کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فقیہ تھے آپ نے عجیب صورت پیش کی۔

۱ الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۰۲ ج ۳ تحت عمرو بن عامر رضی اللہ عنہ

المبدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۶ ج ۸ تحت ۳۳ھ

۲ الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۲۲ ج ۳ تحت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

المبدایہ (ابن کثیر) ص ۲۸ ج ۸ تحت ۵۰ھ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ بیت المال کی طرف سے لونڈی خرید کر اس شخص کے ساتھ شب باشی کا موقع فراہم کریں۔ اس کے بعد اس لونڈی سے اس شخص کا حال دریافت کریں۔ چنانچہ سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اس کے مطابق عمل کیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے لونڈی سے اس شخص کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا:

((فقالت لم يصنع شيئا۔ فقال خل سبيلها يا محصحص))

”یعنی اس شخص نے میرے ساتھ کچھ معاملہ نہیں کیا۔ اس پر حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا کہ اس زوجہ کو (جس کی طرف سے دعویٰ تھا) چھوڑ دے اور ترک کر دے۔“^۱

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے ولایت اور حکم کو جب کوئی مشکل امر یا مسئلہ پیش آتا تھا تو وہ آپ کی طرف رجوع کر کے راہنمائی حاصل کرتے اور اس کی روشنی میں فیصلہ کرتے تھے۔ نیز یہاں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عالی فکری اور دانشمندی کا ثبوت ملتا ہے۔

(۴) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ معروف صحابی ہیں اور بہت سی احادیث کے راوی ہیں۔ اپنے دور کے عمدہ قاری اور فقیہ تھے اور قرآن مجید کے جمع کرنے والوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ بہت سی اسلامی فتوحات خصوصاً فتح دمشق میں شریک و شامل ہوئے اور ۴۷ھ میں بحری غزوات میں ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کی طرف سے مصر کے حاکم اور والی رہے۔ پھر ۵۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔^۲

(۵) مالک بن ہبیرہ بن خالد رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، ابو سعید ان کی کنیت ہے۔ یہ فتح مصر میں شامل تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حمص کے علاقہ پر ۵۶ھ میں امیر اور حاکم مقرر فرمایا۔ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کئی اسلامی لشکروں کے امیر رہے ہیں۔

((كان اميرالمعاوية على الجيوش))^۳

(۶) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاونین میں سے ایک مشہور صحابی حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ ہیں آپ

۱۔ غریب الحدیث (ابن قتیبہ) ص ۳۰۱ ج ۳ تحت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

الفائق (زبخری) ص ۱۳۴ ج ۱ تحت محصص، طبع دکن

۲۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۸۲ ج ۲ تحت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

اسد الغابہ ص ۴۱۷ ج ۳ تحت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۰۶ ج ۱ تحت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

۳۔ اسد الغابہ ص ۲۹۶ ج ۴ تحت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ

الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۳۷ ج ۳ تحت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ

تجرید اسماء الصحابہ (ذہبی) ص ۵۳ ج ۲ تحت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ

آں موصوف کی طرف سے متعدد مقامات پر والی بنائے جاتے بلاد روم کے غزوات پر ان کو آمادہ کر کے روانہ کیا جاتا تھا پھر اس سلسلے میں ان کو غلبہ حاصل ہوتا اور کارہائے نمایاں سرانجام دیتے۔ آخر عمر میں آپ کو آرمینیا کا والی اور حاکم مقرر کیا گیا جہاں ان کا ۴۲ھ میں انتقال ہوا۔

((وكان معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يغزيه الروم فيكون له فيهم نكابة واثر ثم وجهه الى ارمينية واليا عليها فمات بها سنة اثنين واربعين))^۱

(۷) ایک شخص جناب ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں یہ کئی غزوات میں شامل ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد ولایت میں ان کو الجزیرہ پر عامل اور والی بنایا گیا اور انھوں نے ملک شام میں سکونت اختیار کی۔

((وذكر خليفة ان معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ استعمله على الجزيرة))^۲

(۸) ایک بزرگ شرجیل بن سمط کنڈی ہیں انھوں نے جناب نبی اقدس ﷺ کا دور پایا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حمص کے علاقے پر متعدد برس والی رہے اور ان کا انتقال بھی حمص میں ہی ہوا۔ اور یہ اسپ سواروں میں سے تھے۔

((امير حمص لمعاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ و كان من فرسانه))^۳

(۹) ایک صاحب نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہیں ان کا صفار صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ کے والی رہے پھر کچھ مدت کے بعد ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے معزول کر دیا۔ یہ ملک شام چلے گئے۔ بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حمص کا والی اور حاکم مقرر فرمایا۔^۴

((لما عزل معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ النعمان بن بشير رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عن الكوفة و لاه حمص))^۵

(۱۰) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ولایت اور حکام میں عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ جو بنی عبد شمس میں سے مشہور شخصیت ہیں اور ان کا شمار صفار صحابہ میں ہوتا ہے، عام طور پر بصرہ اور اس کے مضافات پر حاکم رہے اور اس علاقہ میں خوارج کی شورشوں اور بغاوتوں کو فرو کرنے میں ان کی مساعی قابل ذکر ہیں۔ مشرقی ممالک

۱ طبقات ابن سعد ص ۱۳۰ ج ۷ قسم ثانی تحت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ

اسد الغابہ ص ۳۷۵ ج ۱ تحت حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ

۲ الاصابہ مع الاستیعاب ص ۲۰۰ ج ۲ تحت البہا (ابو ہاشم)

۳ الاصابہ مع الاستیعاب ص ۱۳۰ ج ۲ تحت شرجیل بن سمط

۴ الاصابہ (ابن حجر) ص ۱۳۲ ج ۲ تحت شرجیل بن سمط کنڈی

تجرید الصحابہ ص ۲۷۲ ج ۱ تحت شرجیل بن سمط

۵ طبقات ابن سعد ص ۳۵ ج ۶ تحت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

۶ اسد الغابہ ص ۲۳ ج ۵ تحت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

(بجستان، خراسان وغیرہ) میں انھوں نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور وہاں اسلام کے فروغ کے لیے بے شمار کوششیں کیں۔

((وقد فتح الله على يدى عبدالله فتوحا عظيمة))^۱

(۱۱) عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں بڑی فتوحات کیں۔ خصوصاً بجستان اور خراسان اور کابل وغیرہ علاقوں پر والی اور حاکم رہے۔ پھر انھوں نے بصرہ میں اقامت اختیار کر لی۔ ان کا ایک سکونت مکان دمشق میں بھی تھا ۵۰ھ میں آپ نے بصرہ میں انتقال فرمایا۔^۲

(۱۲) مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں عام ہجرت میں ان کی ولادت ہوئی۔ جناب نبی کریم ﷺ سے روایت کا سماع ان کے لیے ثابت ہے فتح مصر میں یہ حاضر تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی لشکروں پر امیر تھے۔ ان کا انتقال ۶۲ھ میں ہوا، اور ان کو بعض دفعہ مصر کا والی بنایا گیا۔^۳

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور دیگر اکابر حضرات مختلف علاقوں پر والی، حاکم اور امیر متعین تھے اور ان میں سے متعدد حضرات مختلف مواقع پر امیر جمیش اور فوج کے سپہ سالار بھی رہے ہیں۔

تفصیلات سے اجتناب کی خاطر ذیل میں ہم چند ایک حضرات کے صرف اسماء ذکر کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں مثلاً:

مصقلہ بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ	جریر بن عبداللہ بکلی رضی اللہ عنہ
راشد بن عمرو جدیدی رضی اللہ عنہ	فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن سوار عبیدی رضی اللہ عنہ	معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ
سنان بن سلمہ بن محقق ہذلی رضی اللہ عنہ	روثع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ
منذر بن جارود رضی اللہ عنہ	یزید بن شجرہ رہاوی رضی اللہ عنہ

۱۔ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۰۰ ج ۲ تحت ترجمہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ

الہدایہ والنہایہ ص ۸۸ ج ۸ تحت ترجمہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ

۲۔ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۱ ج ۲ تحت ترجمہ عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ

الہدایہ والنہایہ ص ۲۷ ج ۸ تحت ۵۰ھ

۳۔ الہدایہ والنہایہ، ص ۲۱۷ ج ۸ تحت سنہ ۶۲ھ

تجرید اسماء الصحابہ ص ۸۳ ج ۲ تحت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ

۴۔ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۷ جز رابع قسم اول تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

خالد بن عرفطہ ازدی <small>رضی اللہ عنہ</small>	قیس بن الہیثم سلمی <small>رضی اللہ عنہ</small>
عبداللہ بن عوف بن احمر <small>رضی اللہ عنہ</small>	عبداللہ بن خازم سلمی <small>رضی اللہ عنہ</small>
معقل بن قیس <small>رضی اللہ عنہ</small>	حارث بن عبداللہ ازدی <small>رضی اللہ عنہ</small>
شبث بن ربیع <small>رضی اللہ عنہ</small>	حکم بن عمرو وغفاری <small>رضی اللہ عنہ</small>
مہلب بن ابی صفیرہ <small>رضی اللہ عنہ</small>	ربیع بن زیاد حارثی <small>رضی اللہ عنہ</small>
قتیبہ بن مسلم <small>رضی اللہ عنہ</small>	سعید بن عثمان بن عفان <small>رضی اللہ عنہ</small>
قثم بن عباس ہاشمی <small>رضی اللہ عنہ</small>	ضحاک بن قیس <small>رضی اللہ عنہ</small> (امیر پولیس)
مجاہد بن جبر <small>رضی اللہ عنہ</small>	سعید بن عاص اموی <small>رضی اللہ عنہ</small>
ایاز بن حارث <small>رضی اللہ عنہ</small>	عبدالرحمن بن خالد بن ولید <small>رضی اللہ عنہ</small>
عمرو بن یزید جہنی <small>رضی اللہ عنہ</small>	ابو حکیم مالک بن عبداللہ <small>رضی اللہ عنہ</small>
عمیر بن حباب سلمی <small>رضی اللہ عنہ</small>	عبداللہ بن مسعدہ فزاری <small>رضی اللہ عنہ</small>
عبیدہ بن قیس عقیلی <small>رضی اللہ عنہ</small>	سفیان بن عوف ازدی <small>رضی اللہ عنہ</small>
عقبہ بن نافع فہری <small>رضی اللہ عنہ</small>	عبداللہ بن قیس <small>رضی اللہ عنہ</small>
حسان بن نعمان غسانی <small>رضی اللہ عنہ</small>	مالک بن عبداللہ بن شان <small>رضی اللہ عنہ</small> خشمی
دینار ابو مہاجر <small>رضی اللہ عنہ</small>	عمر بن مرہ مہری <small>رضی اللہ عنہ</small>
عطیہ بن قیس کلابی <small>رضی اللہ عنہ</small> (قاری)	جنادہ بن ابی امیہ ازدی <small>رضی اللہ عنہ</small>
اسماعیل بن عبداللہ <small>رضی اللہ عنہ</small> (قاری)	کثیر بن شہاب <small>رضی اللہ عنہ</small>
	عمر بن سعید <small>رضی اللہ عنہ</small> (انصاری)

(۲) - (۳) قضاة، فقہاء اور معلمین

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جس طرح مختلف علاقوں میں ولایۃ، حکام اور امراء کا تقرر کیا جاتا تھا اسی طرح ان علاقوں میں قاضیوں اور مفتیوں کو بھی متعین کیا جاتا تھا اور یہ سلسلہ بہت وسیع تھا۔ ذیل میں چند ایک قضاة فقہاء اور معلمین کا ذکر اختصاراً بطور تمثیل کیا جاتا ہے تاکہ یہاں سے اس دور کی دینی و ملی خدمات اور اشاعت اسلام کے لیے مساعی کا اندازہ ہو سکے۔

① مشہور صحابی عبادہ بن صامت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں سکونت اختیار کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فلسطین کے قاضی تھے۔

((اولی فلسطین وسکن الشام))^۱

- ② عمران بن حصین رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قاضی بصرہ تھے۔
- ③ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ علاقہ شام میں حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم مقرر تھے پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو قاضی دمشق مقرر فرمایا۔^۲
- ④ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ (جو ایک مشہور صحابی ہیں) کو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے بعد قضائے دمشق کا منصب عطا کیا گیا۔
- ((اولاہ معاویہ قضاء دمشق بعد ابی درداء رضی اللہ عنہ))^۳
- ⑤ ((ثم مات فضالة فولی ابا ادريس الخولانی..... الخ))^۴
- ”یعنی فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوادریس خولانی رضی اللہ عنہ کو اس منصب پر متعین فرمایا۔“

- ⑥ اکابر مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عمیرہ بن یثرب صبی، عمران بن حصین، عاصم بن فضالہ لیشی، شرح، زرارہ بن اوفی خزئی اور عبدالرحمن بن اذینہ اپنے اپنے وقت میں بصرہ کے علاقہ میں قاضی متعین تھے۔^۵
- ⑦ اور علماء فرماتے ہیں کہ کوفہ کے علاقہ میں مشہور قاضی شرح بن حارث کندی رضی اللہ عنہ متعین تھے اور نیز مسروق بن اجدع رضی اللہ عنہ بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوفہ کے قاضی رہے ہیں جبکہ قاضی شرح رضی اللہ عنہ بصرہ چلے گئے تھے۔
- ⑧ مدینہ طیبہ میں زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قاضی مقرر تھے جیسا کہ وہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی طرف سے بھی مدینہ کے قاضی اور مفتی مقرر تھے۔^۶
- ⑨ عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ طیبہ کے قاضی تھے۔^۷

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۱۱۸ ج ۲ تحت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

۲ طبقات ابن سعد ص ۱۱۷-۱۱۸ ج ۷ قسم ثانی تحت ابی درداء عومیر بن زید بن قیس رضی اللہ عنہ

۳ الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۶ ج ۳ تحت عومیر ابی درداء رضی اللہ عنہ

۴ اسد الغابہ ص ۱۸۲ ج ۴ تحت فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ

۵ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۵ ج ۸ تحت فصل کان علی قضاء معاویہ رضی اللہ عنہ الخ

۶ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۷ ج ۱ تحت القضاة فی خلافة معاویہ رضی اللہ عنہ

۷ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۷ ج ۱ تحت القضاة فی خلافة معاویہ رضی اللہ عنہ

۸ طبقات ابن سعد ص ۱۱۶ ج ۲ قسم ثانی تحت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (طبع لیڈن)

۹ طبقات ابن سعد ص ۱۳ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل (طبع لیڈن)

۱۰ اسد الغابہ ص ۲۶۹ ج ۳ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالطلب

اور مدینہ طیبہ میں مندرجہ ذیل حضرات بھی اپنے اپنے وقت میں قاضی رہے ہیں۔

①۶ ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف

①۷ مصعب بن عبدالرحمن بن عوف

①۸ ابن زبجہ عامری وغیرہ

اسی طرح قاضیوں کا یہ سلسلہ بہت پھیلا ہوا تھا اور ہر علاقے اور مقام کے لیے الگ الگ قاضی مقرر کیے جاتے تھے۔ ان کا احاطہ کرنا دشوار کام ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ:

((وكان لكل ولاية قاض خاص))

شیعہ کی طرف سے تائید

گزشتہ سطور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں بعض قضاة اور فقہاء کا اختصاراً ذکر کیا گیا ہے۔ اس دور کے تمام فقہاء کے اسماء شمار کر لینا دشوار امر ہے۔ اب ہم ذیل میں شیعہ احباب کی مشہور تاریخ یعقوبی سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فقہاء کے اسماء نقل کرتے ہیں جو مورخ یعقوبی شیعہ نے ذکر کیے ہیں۔ مسئلہ ہذا کی تائید کے طور پر فریق مخالف کی طرف سے یہ بیان نقل کیا جاتا ہے۔^۱

۱۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

۲۔ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما

۳۔ مسور بن مخرمہ زہری رضی اللہ عنہ

۴۔ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ

۵۔ عبدالرحمن بن حاطب رضی اللہ عنہ

۶۔ ابو بکر بن عبدالرحمن بن حارث رضی اللہ عنہ

۷۔ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ

۸۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

۹۔ عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ

۱۰۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ

۱۱۔ عبیدہ بن قیس سلمانی رضی اللہ عنہ

۱۲۔ ربیع بن خثیم ثوری رضی اللہ عنہ

۱۳۔ زر بن حبیش رضی اللہ عنہ

۱۴۔ حارث بن قیس جعفی رضی اللہ عنہ

۱۵۔ عمرو بن عتبہ بن فرقہ رضی اللہ عنہ

۱۶۔ الاحنف بن قیس رضی اللہ عنہ

۱۷۔ حارث بن عمیر زبیدی رضی اللہ عنہ

۱۸۔ سوید بن غفلہ جعفی رضی اللہ عنہ

۱۹۔ عمرو بن میمون اودی رضی اللہ عنہ

۲۰۔ عطف بن عبداللہ بن فخر رضی اللہ عنہ

۲۱۔ شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ

۲۲۔ عمرو بن شرییل رضی اللہ عنہ

۲۳۔ حارث الاعور ہمدانی رضی اللہ عنہ۲۳۔ عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ۲۶۔ علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ۲۵۔ مسروق بن اجدع رضی اللہ عنہ۲۸۔ زید بن وہب ہمدانی رضی اللہ عنہ۲۷۔ شریح بن حارث کنڈی رضی اللہ عنہ

اہم تنبیہ

گزشتہ صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے عہدہ داروں کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا ہے جو بہت سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بیشتر مشاہیر تابعین پر مشتمل ہے۔ ان تمام حضرات نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عملی تعاون کیا اور امور خلافت کی انجام دہی میں عملاً تائید و تصدیق کی۔ ان اکابرین امت کا یہ عملی تعاون اس بات پر قوی شاہد ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ برحق خلیفۃ المسلمین تھے، جائز غاصب اور ظالم حکمران اور مغلوب فرمانروا نہیں تھے۔ اور اس عہد میں شرعی قانون نافذ تھا اور اسلامی احکام کی پابندی کی جاتی تھی۔

جن لوگوں نے اس عہد خلافت میں ”احکام شریعت“ کی صریح خلاف ورزی کرنے کا تاثر دیا ہے وہ واقعات کے برخلاف ہے اور بے جا تعصب اور ناانصافی پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکابرین امت کی اس کثیر تعداد کا عملی تعاون فرمان خداوندی وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ کی عملی تفسیر ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق ہونے کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ یہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اللہ تعالیٰ کے واضح فرمان وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (یعنی گناہ اور حق سے تجاوز پر باہم تعاون مت کرو) کی خلاف ورزی پر ہرگز متحد نہیں ہو سکتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ اس عہد کے کثیر صحابہ و تابعین کا تعامل و عملی تعاون اس دور کی صداقت و حقانیت پر واضح ثبوت موجود ہے جس کو کوئی منصف طبع آدمی رد نہیں کر سکتا۔

محاسبہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے اپنے عمال و حکام کا محاسبہ بھی کیا جاتا تھا تا کہ عدل و انصاف اور عمومی احتساب قائم رہ سکے۔

عام دستور ہے کہ بیدار مغز خلفاء اور حکمران اپنے ماتحت عملہ کی جانچ پڑتال کیا کرتے ہیں، حساب کتاب کے معاملات میں گرفت کی جاتی ہے اور دیگر امور مملکت میں پورا پورا احتساب کیا جاتا ہے۔ جس حکومت میں محاسبہ کا خوف و خطر نہیں اس کا طریقہ کار بمشکل ہی صحیح رہ سکتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے عمال اور حکام کے محاسبہ کا عمل جاری تھا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی یہ نظم جاری رہتا تھا۔ تمثیل کے طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی

حکومت عادلہ کے عہد کا ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔

ایک واقعہ

مشہور مورخ ابن عساکر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک واقعہ تحریر کیا ہے جس میں عمال اور حکام سے محاسبہ کا ذکر ہے:

((ان معاویۃ کان یحاسبہم فقدم علیہ ابوراشد الازدی من فلسطین فحاسبہ بنفسہ فبکی ابوراشد فقال له معاویۃ رضی اللہ عنہ ما یبکیک؟ فقال ما من المحاسبۃ ابکی وانما ذكرت حساب یوم القیامۃ فترکہ معاویۃ رضی اللہ عنہ ولم یحاسبہ))^۱

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عمال کا محاسبہ کیا کرتے تھے۔ ایک بار فلسطین سے ان کے ایک عامل ابوراشد ازدی رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے بذات خود محاسبہ کرنے لگے۔ اس اثنا میں ابوراشد رضی اللہ عنہ رونے لگے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ ابوراشد نے جواباً ذکر کیا کہ میں اس محاسبہ کی وجہ سے نہیں رو رہا بلکہ مجھے تو قیامت کا حساب و کتاب یاد آ گیا ہے۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں چھوڑ دیا اور محاسبہ نہیں فرمایا۔

④ مراسلات و خطوط و ذرائع خبر رسانی

جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حکومت کی طرف سے احکامات کی ترسیل کا ایک نظم قائم تھا جس کے ذریعے سے بعید ترین مقامات پر بھی پیغامات اور احکامات بروقت پہنچائے جاتے تھے اور ان علاقہ جات کے ضروری احوال و کوائف کی اطلاع مرکز میں جلد پہنچ جاتی تھی، اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں البرید کے نام سے مراسلات کی ترسیل کا ایک طریقہ جاری تھا جس میں ڈاک کے ارسال کے لیے قریباً ۱۲ میل کی مسافت پر ایک منزل متعین کر کے وہاں تیر رو اور تازہ دم سواریاں رکھی جاتی تھیں۔ جب ایک منزل پر ڈاک پہنچتی تو فوراً تیز گام سواریوں کے ذریعے سے اسے دوسری منزل کی طرف روانہ کر دیا جاتا۔ اس طریقہ سے مرکز کے احکامات ان ممالک میں پہنچتے اور وہاں کے حالات کی خبر رسانی یہاں ہوتی تھی۔

((وبذالك كانت تصل الكتب الى الامراء والعمال في اسرع وقت يمكن

وكان بين كل منزلتين اربعة فراسخ او اثنا عشره ميلا وتسمى هذا المسافة

۱ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۰۲ ج ۲ تحت نمبر ۵۱۵۹ عبد الرحمن بن عبد

تاریخ دمشق (ابن عساکر) ص ۴۳ ج ۱۰ تحت عبد الرحمن بن عبید، یا بن عبدص (مخطوط)

بریدا))^۱

اور ساتھ ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مراسلات پر مہر لگانے کا طریقہ بھی جاری کیا گیا تھا جس کا قبل ازیں رواج نہیں تھا۔

((فأحدث معاویة رضی اللہ عنہ عند ذلك دیوان الخاتم وحزم الكتب وكانت قبل لا تحزم))^۲

نیز تاریخ کے علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مہر کا نقش لا قوۃ الا باللہ تھا، اور مہر لگانے کے دفتر ”دیوان الخاتم“ پر عبداللہ بن عمرو حمیری متعین تھا۔

((عن محمد بن المبارك قال كان نقش خاتم معاویة رضی اللہ عنہ لا قوۃ الا باللہ))^۳

علمائے تاریخ نقل کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے منشی (کاتب الرسائل) عبید اللہ بن اوس غسانی تھے اور ان کے دیوان پر نگران اعلیٰ سرجون بن منصور رومی تھا۔^۴

تنبیہ

یہاں یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ سرکاری مراسلات اور شاہی فرامین پر مہر لگانے کی ضرورت اس طرح پیش آئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار ایک شخص کے حق میں ایک لاکھ درہم یا دینار دینے کا حکم تحریر کیا۔ اس شخص نے اس تحریر میں تصرف کر کے دو لاکھ سرکاری دفتر سے وصول کیے۔ جب یہ حساب کا مسئلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آں موصوف نے گرفت کی اور محاسبہ کیا تو معلوم ہوا کہ اصل حکم نامہ میں تصرف کیے جانے سے یہ دو لاکھ ادا ہو گئے۔ اس کے بعد سرکاری تحریر پر مہر لگا کر بند کرنے کا حکم جاری کیا گیا تاکہ اصل حکم میں کوئی تصرف نہ ہو سکے۔

((وسبب اتخاذہ له انه امر لرجل بمائة الف ففك الكتاب وجعله مائتی الف فلما رفع الحساب الی معاویہ رضی اللہ عنہ انكر ذلك واتخذ دیوان الخاتم من یومئذ))^۵

اور شیعہ مورخین نے بھی لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مختلف شعبوں کے لیے

۱۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۱۸۴ ج ۲ تحت البیعة لیزید لولایة العہد

۲۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۱۸۵ ج ۲ تحت البیعة لیزید لولایة العہد

۳۔ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۱۸۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

۴۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۸ ج ۱ تحت القضاة فی خلافة معاویہ رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ، ص ۱۴۶ ج ۸ تحت فصل کان علی قضاء معاویہ ابودرداء

۵۔ تاریخ الخلفاء (سیوطی) ص ۱۴۰ فصل فی ہذ من اخبارہ۔ تاریخ فخری شیعہ میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔

الگ الگ دفاتر قائم تھے اور سرکاری خطوط اور شاہی فرامین کی نقول رکھنے کا بھی معقول نظم قائم تھا۔ چنانچہ تاریخ یعقوبی شیعہ میں مذکور ہے کہ

((وكان اول من دون الدواوين وضع النسخ للمكتب و افراد كتاب الرسائل من العرب والموالی المتفصحین))^۱

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مراسلت

محدثین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکتوب ارسال کرتے اور وقتی ضروریات کے تحت ان کی باہم مراسلت ہوتی تھی۔

اس مقام پر چند ایک مکتوب بطور مثال ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے اس دور کی مراسلہ نویسی کا طریقہ اور اسلوب تحریر معلوم ہو سکتا ہے اور ان حضرات کا باہمی ربط اور تعاون بھی واضح ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مراسلہ

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک مکتوب جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف انھوں نے لکھا تھا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تعلقات جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے وہ ایک الگ عنوان کے تحت ذکر ہوں گے وہاں مزید مراسلت بھی بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔ یہاں صرف ایک مکتوب پیش خدمت ہے:

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عرضداشت ارسال کی کہ آں موصوفہ میری طرف ایسا مختصر مکتوب ارسال فرمائیں جو میرے حق میں وصیت کا کام دے۔

پھر راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب ایک مراسلہ بانقاظ ذیل ارسال فرمایا:

((سلام عليك اما بعد فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول من التمس رضا

الله بسخط الناس كفاه الله مونة الناس ومن التمس رضا الناس بسخط الله

وكله الله الى الناس والسلام عليك))^۲

۱ تاریخ یعقوبی شیعہ ص ۲۳۳ ج ۲ تحت احوال زیاد بن ابیہ

۲ ترمذی شریف ص ۳۲۸ تحت ابواب الزہد آخر باب ہذا طبع ہند

مصابیح السنہ (امام بغوی) ص ۳۰۶-۳۰۷ ج ۳ کتاب الآداب باب العلم

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۶۱ ج ۱۳ کتاب الزہد، طبع کراچی

مسند اسحاق بن راہویہ ص ۶۰۰ ج ۲ تحت مسند عائشہ رضی اللہ عنہا روایت نمبر ۶۳۲ طبع مدینہ منورہ

”یعنی سلام ہو آپ پر، اما بعد! تحقیق میں نے نبی اقدس ﷺ سے سنا آنجناب فرماتے تھے: جس شخص نے لوگوں کی ناراضی کے باوجود اللہ کی رضا کو طلب کیا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے بوجھ سے اس کے حق میں کفایت کرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے باوجود لوگوں کی رضا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو لوگوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اور آپ پر سلام ہو!“

مطلب یہ ہے کہ ہر کار خیر میں مسلمان کا مقصد زندگی اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہونی چاہیے۔ اس معاملہ میں لوگوں کی ناراضی کو خاطر میں نہ لانا چاہیے..... الخ
اس مراسلہ میں کمال نصیحت فرمائی گئی ہے اور راست گوئی کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔ اور خط ہذا کا ذکر فصل دہم میں بھی آئے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک مکتوب

نیز اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک بار کسی ضرورت کے تحت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک خط لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ جب آپ لکھنے لگے تو آپ نے تحریر کرنے والے سے فرمایا کہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے تحریر کی ابتدا کیجیے۔

((عن ابن عون عن نافع قال كانت لابن عمر رضی اللہ عنہ حاجة الى معاوية رضی اللہ عنہ فاراد ان يكتب اليه فقالوا ابدأ به۔ فلم يزالوا به حتى كتب بسم الله الرحمن الرحيم الى معاوية رضی اللہ عنہ))^۱

خارجہ بن زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک مراسلہ

مشہور صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فرزند خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میرے والد گرامی زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک دفعہ بائیں طور مکتوب ارسال کیا۔
((عن خارجه بن زيد عن كبرآل زيد بن ثابت كتب بهذه الرسالة بسم الله الرحمن الرحيم لعبد الله معاوية امير المؤمنين من زيد بن ثابت: سلام عليك امير المؤمنين ورحمة الله فاني احمد اليك الله الذي لا اله الا هو اما بعد:))^۲

۱۔ الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۶۳ تحت باب بمن يبداء في الكتاب

۲۔ الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۶۳ تحت باب صدر الرسائل بسم الله الرحمن الرحيم، طبع مصر

الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۶۳ تحت باب بمن لبداء في الكتاب

انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۲۱ ج ۳ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ”ادب المفرد“ میں مذکورہ بالا خط کو بعض مقام پر ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ اس مراسلہ کے الفاظ بعینہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ اس سے متعدد فوائد حاصل کیے جا سکیں:

((اخبرنا ابن ابی الزناد قال حدثنی ابی انہ اخذ هذه الرسالة من خارجة بن زيد من كبراء ال زيد بسم الله الرحمن الرحيم لعبد الله معاوية امير المؤمنين من زيد بن ثابت سلام عليك امير المؤمنين ورحمة الله فاني احمد اليك الله الذي لا اله الا هو اما بعد: فانك تسألني عن ميراث الجدة والاخوة فذكر الرسالة ونسئل الله الهدى والحفظ والتثبت في امرنا كله ونعوذ بالله ان نضل او نجهل او نكلف ما ليس لنا بعلم والسلام عليك امير المؤمنين ورحمة الله و بركاته ومغفرته وكتب وهيب يوم الخميس لثنتي عشرة بقية من رمضان سنة اثنين واربعين ٤٣٢هـ))^۱

”یعنی خارجہ بن زید ذکر کرتے ہیں کہ ان کے والد گرامی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ عبارت ذیل مراسلہ تحریر کیا: اے امیر المؤمنین (معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ میں اللہ وحدہ لا شریک کی حمد ذکر کرتا ہوں۔ اما بعد! آپ نے مجھ سے الجدة والاخوة کی میراث کے متعلق مسئلہ دریافت کیا ہے (حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خط میں مسئلہ کی وضاحت ذکر کی) بعدہ لکھا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور حفظ طلب کرتے ہیں اور اپنے دین کے معاملے میں ثابت قدمی کے خواستگار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں بھٹک جانے، جہالت میں پڑنے یا اس بات کی تکلیف دیے جانے سے جس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اے امیر المؤمنین! آپ پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، اس کی برکات ہوں اور مغفرت ہو۔ اس خط کو وہیب نے خمیس کے روز جبکہ رمضان شریف میں بارہ دن باقی تھے ۴۲ھ میں تحریر کیا۔“

فوائد

① یہاں سے معلوم ہوا کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرورت کے تحت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مکتوب ارسال کرتے تھے اور ان کی باہم مراسلت جاری رہتی تھی۔

② نیز معلوم ہوا کہ اسلوب تحریر اس مبارک عہد میں اس طرح تھا کہ مکتوب ارسال کرنے والے کا نام پہلے

۱۔ الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۶۵ تحت باب من كتب آخر الكتاب السلام عليكم ورحمة الله وكتب فلاں بن فلاں لعشر بقين من الشهر، طبع مصر

ذکر کیا جاتا تھا اور مکتوب الیہ کا نام متصلاً بعد میں لکھا جاتا تھا۔

③ مکتوب کی ابتدا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کے الفاظ سے کی جاتی تھی اور پھر مکتوب الیہ پر سلام اور اللہ کی رحمت بھیجی جاتی تھی پھر اس کے بعد خط کا اصل مضمون درج کیا جاتا تھا۔

④ نصح، ہدایات اور دعائیہ کلمات آخر مکتوب میں درج کیے جاتے تھے، مراسلہ کا اختتام ”والسلام“ کے لفظ پر ہوتا تھا۔

⑤ قابل توجہ یہاں یہ چیز بھی ہے کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے فرمانروا جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کے موقع پر ”امیر المؤمنین“ کے لقب سے ہی یاد کرتے تھے۔ جیسا کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کو اس دور کے اہل اسلام ”امیر المؤمنین“ کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس تعامل سے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ”امیر المؤمنین“ کے لقب کے صحیح ہونے کی تائید و تصدیق پائی جاتی ہے۔

⑤ صیغہ فوج و محکمہ پولیس

فوجی ضرورت کے لیے مراکز

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی افواج کے لیے مختلف ممالک میں مراکز قائم کیے گئے تھے اور فوج کے لیے قلعے اور چھاؤنیاں قائم کر دی گئی تھیں۔

ساحل شام پر ایک قلعہ ”جبلہ“ تھا۔ یہ قلعہ پہلے افواج روم کا مرکز تھا، بعد میں برباد ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب ان مقامات کو فتح کیا تو اس مقام جبلہ پر قلعے کو نئے سرے سے آباد کیا اور اسے فوجی مرکز قرار دیا۔^۱

اسی طرح جب اہل اسلام نے انطرطوس کا مقام فتح کیا (یہ ایک مستقل قلعہ تھا) تو اس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آباد کیا اور ایک شہر کی شکل میں بسایا۔ اسی کے ساتھ مرقیہ اور بلنیاں کے مقامات کو بھی آباد کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بعض علاقوں میں فوجی ضروریات کے تحت مستقل شہر بھی آباد کیے اور ان کو چھاؤنی کی حیثیت دی مثلاً مرعش اور قیروان کی آباد کاری اسی مقصد کے تحت کی گئی تھی۔ اور آباد کاری کے تذکرہ میں بھی ان مندرجہ مقامات کو اپنی جگہ ذکر کیا جاتا ہے۔

محکمہ پولیس

حکومت کے انتظامات اور امن عام کے لیے اندرون ملک شرطہ (پولیس) کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس صیغہ کے لیے پورے انتظامات کیے اور اس محکمے کا افسر اعلیٰ آپ کا

غلام یزید بن حرتھا۔ پھر اس کی وفات کے بعد قیس بن حمزہ ہمدانی کو متعین کیا گیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد اس کو معزول کر کے ذہل بن عمرو عذری کو حاکم مقرر کیا۔

((وعلی شرطه: یزید بن الحر مولاه، فمات یزید فولی قیس بن حمزة

الهمدانی، ثم عزله وولی ذهل بن عمرو العذری))^۱

حفاظتی دستہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر رمضان شریف ۴۰ھ میں خوارج کی طرف سے قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ (اس حملے کا قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے) اس کے بعد آنجناب نے حفاظتی دستے کا انتظام کیا۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ موالی میں سے ایک شخص کو آنجناب نے حفاظتی دستے کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا۔ اس کا نام مختار اور بقول بعض مالک تھا اور اس کی کنیت ابو مختارق تھی۔ یہ شخص حمیر قبیلہ کے غلاموں میں سے تھا۔

((وكان علی حرسه رجل من الموالی یقال له المختار وقیل مالک ویکنی ابا

المخارق۔ و مولی الحمیر۔ وكان معاویة رکنًا اول من اتخذ الحرس))^۲

حاجب

نیز مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دفتری نظم قائم رکھنے کے لیے حاجب (دربان) کا بھی انتظام کر رکھا تھا اور حاجب کے عہدے پر اپنے ایک غلام ابو ایوب کو متعین فرمایا تھا۔ بعض کے نزدیک اس حاجب کا نام سعد تھا۔

((وحاجبه ابو ایوب مولاہ))^۳

((وعلی حجابته سعد مولاہ))^۴

⑥ امیران حج

گزشتہ صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے والی، قاضی، فقہاء اور دیگر عہدہ داروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب اس دور کے امیران حج کا بھی اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۸ ج ۱ تحت القضاة فی خلافة معاویة رضی اللہ عنہ ص ۵۹ھ

الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۵ ج ۸ تحت فصل کان علی قضاء معاویہ ابو درداء..... الخ

۲ یعنی دور سوم تحت عنوان اجتماعی قتل کا اہم منصوبہ۔ الخ

۳ الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۵ ج ۸ تحت فصل کان علی قضاء معاویہ ابو درداء..... الخ

۴ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۸ ج ۱ تحت من کان علی الرسال والد یوان

۵ الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۵ ج ۸ تحت فصل کان علی قضاء معاویہ..... الخ

قدیم مورخین نے ذکر کیا ہے کہ ۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے بھائی عتبہ بن ابی سفیان امیر حج تھے اسی طرح ۴۲ھ، ۴۶ھ، ۴۷ھ میں بھی یہی امیر حج متعین کیے گئے اور انہوں نے مکہ شریف میں حج کے جملہ انتظامات کیے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۴۳ھ، ۵۰ھ اور ۵۱ھ میں خود امیر حج رہے اور تمام انتظامات آپ نے خود مکہ مکرمہ پہنچ کر سرانجام دیے تھے۔

۴۸ھ، ۴۹ھ، ۵۲ھ، ۵۳ھ میں سعید بن عاص اموی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر حج مقرر ہوئے اور انہوں نے حج کے متعلقہ انتظامات کی تکمیل کی۔

اسی طرح باقی برسوں میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حج کے لیے امیر مقرر کیے جاتے تھے۔

۱۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ج ۱ تحت سنہ ۴۱، ۴۲، ۴۶، ۴۷ھ

تاریخ یعقوبی شیبی ص ۲۳۹ ج ۲ تحت عنوان وفات حسن بن علی رضی اللہ عنہ (بعد تذکرہ وفات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)

۲۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ج ۱ تحت سنہ ۴۳، ۵۰، ۵۱ھ

تاریخ یعقوبی شیبی ص ۲۳۹ ج ۲

تاریخ ابن عساکر ص ۲۳ ج ۱۶ ذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

فصل چہارم

رفاہی امور

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے عہد خلافت میں رفاہی امور پر خاص توجہ تھی چنانچہ آپ کے عہد میں مفاد عامہ کے لیے بے شمار رفاہی کام سرانجام دیے گئے۔ اس سلسلے میں اس عہد کے کارنامے لاتعداد ہیں جن کی تفصیلات کو احاطہ ضبط میں لانا ایک مشکل امر ہے تاہم چند ایک رفاہی امور اور مفاد عامہ کی چیزیں بطور نمونہ ذکر کی جاتی ہیں جن سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملتی خدمات کی بہترین تصویر سامنے آتی ہے۔

آباد کاری

آں موصوف کے عہد خلافت میں شہروں کی آباد کاری کا ایک مستقل انتظام تھا اور اس سلسلے میں متعدد علاقوں میں جدید آباد کاری کی گئی اور شہر آباد کیے گئے اور پھر ساتھ ہی بہت سے مواضعات میں صنعت کار بسائے گئے اور صنعت کاری کو ترقی دی گئی چنانچہ بلاذری نے فتوح البلدان میں ذکر کیا ہے کہ:

① پہلے جہاز سازی کا صرف ایک کارخانہ مصر میں تھا پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سواحل روم میں کارخانے قائم کرنے کا حکم دیا اور صنعت کاروں اور کاریگروں کو جمع کیا اور انھوں نے اردن میں ساحلی علاقے عکا کے مقام پر جہاز سازی کا ایک کارخانہ قائم کیا۔

((وكانت الصناعة بمصر فقط فامر معاوية بن ابي سفيان رضي الله عنه بجمع الصناع والنجارين فجمعوا ورتبهم في السواحل وكانت الصناعة في الاردن بعكا))^۱

② اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے کہ شام اور بلاد روم کے مابین مرعش ایک پرانا مشہور سرحدی شہر تھا یہ اس دور میں غیر آباد ہو گیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو پھر سے آباد کیا اور اسلامی افواج کا مستقر بنایا اور وہاں فوجی چھاؤنی قائم کر دی۔

((وكان معاوية رضي الله عنه بنى مدينة مرعش و اسكنها جندا))^۲

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۲۳ تحت امر اردن

۲ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۹۶ تحت ملطیہ

③ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جب مقام انطروتوس فتح کیا تو وہاں اہل روم کا ایک قلعہ تھا وہ لوگ قلعہ کو چھوڑ کر چلے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انطروتوس کے مقام کو پھر سے بسایا اور اس کی آباد کاری کے لیے جاگیریں مقرر فرمائیں نیز مرقیہ اور بلنیاس کے مقامات کی آباد کاری کے لیے بھی اس نوع کے انتظامات کیے۔

((قالوا فتح عبادة (بن الصامت رضی اللہ عنہ) والمسلمون معه انطروتوس وكان حصنا ثم جلا عنه اهله فبنى معاوية رضی اللہ عنہ انطروتوس ومصرها واقطع بها القطائع وكذلك فعل بمرقية وبلنیاس))^۱

④ اسلامی افواج نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زیر کمان بلاد روم کے مختلف علاقے الاذقیہ، جبلہ اور انطروتوس وغیرہ فتح کیے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سواحل کو مضبوط کرنے کا کام مکمل کیا (تاکہ اہل اسلام دشمن کے حملوں سے محفوظ رہ سکیں) تو مذکورہ مقامات کو بھی محفوظ اور مضبوط کرنے کا انتظام فرمایا۔

((قالوا افتتح ابو عبیده رضی اللہ عنہ الاذقیہ وجبلہ و انطروتوس علی یدی عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ وكان يوكل بها حفظه الى انغلاق البحر فلما كانت شحنه معاوية رضی اللہ عنہ السواحل وتحصينه اياها شحنها وحصنها وامضى امرها عليه امر السواحل))^۲

⑤ آباد کاری کے سلسلے میں جہاں دیگر مقامات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں شیعہ مورخین کے بیان کے مطابق یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ طرابلس کا شہر اور اس کے ساکنین فارس کے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو یہاں منتقل کر کے آباد کیا تھا۔ یہاں ایک نہایت عمدہ بندرگاہ تھی جہاں ایک ہزار کشتیاں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ جبل، صیدا اور بیروت اس علاقے کے وہ مشہور مقامات ہیں جن میں ایسی اقوام کو سکونت دی گئی تھی جو اہل فارس سے تھیں اور ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں منتقل کر کے آباد کیا تھا۔

چنانچہ یعقوبی شیعہ نے لکھا ہے

((ومدينة طرابلس و اهلها قوم من الفرس كان معاوية بن ابي سفيان نقلهم اليها ولهم ميناء عجيب يحتمل الف مركب- وجبيل وصيحاء و بيروت و

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۰ تحت امر حمص

معجم البلدان (ياقوت حموی) ص ۲۷۰ ج ۳ تحت انطروتوس۔

۲ کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۴۰ تحت امر حمص

اهل هذه الكود كلها قوم من الفرس نقلهم اليها معاوية بن ابي سفيان))^۱
 ⑥ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں افریقہ کے مشہور شہر قیروان کی آباد کاری کی گئی پھر وہاں عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے عظیم مسجد تعمیر کرائی گئی۔ اس چیز کا قبل ازیں بلاد افریقہ کی فتوحات میں ذکر آچکا ہے۔

④ اور اس طرح جو ممالک فتح ہوتے تھے ان میں مساجد تعمیر کرانا اور ان کو آباد رکھنا اس عہد کا ایک مستقل پروگرام تھا جس کے تحت مفتوحہ ممالک میں مساجد آباد کی جاتیں پھر ان میں اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا نظم بھی قائم کیا جاتا تھا۔

مقصد یہ ہے کہ آباد کاری کے عنوان کے ضمن میں بہت سے شعبہ جات ہیں جن کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بڑے سلیقہ اور نظم سے قائم کیا گیا اور چلایا گیا۔

عنوان ہذا کے تحت ہم نے چند ایک چیزیں مختصراً درج کر دی ہیں۔ تمام واقعات کا استقصاء کر لینا پیش نظر نہیں۔ یہاں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا رفاہی امور اور مفاد عامہ کے کارناموں کی طرف خصوصی توجہ رکھنے کا اندازہ ہوتا ہے۔

نہروں اور چشموں کا اجرا اور پانی کے تالاب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نہروں کے اجرا پر خاص توجہ دی گئی اور عام پبلک کے افادہ کے لیے آب پاشی کے انتظامات کیے گئے۔

① چنانچہ عراق کے علاقہ میں ایک نہر جاری کروائی گئی جو عوام الناس میں نہر معقل کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو نہر کے اجرا کا حکم دیا اور بقول بعض زیاد نے عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ذریعے سے یہ کام سرانجام دیا۔ جب نہر کی کھدائی کا کام مکمل ہو گیا تو اس میں پانی کے اجرا کے لیے زیاد نے بطور تبرک حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو طلب کیا تاکہ وہ اس نہر کا افتتاح کریں۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مشہور صحابی ہیں۔ جب اس نہر کا ان کے مبارک ہاتھوں کے افتتاح ہوا تو لوگوں نے اس نہر کو نہر معقل کے نام سے موسوم کر دیا۔

((كلم المنذر ابن الجارود العبدی معاوية بن ابي سفيان رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي حَفْرِ نَهْرِ
 ثَارِ فِكْتَبِ الی زیاد فحفر نہر معقل فقال قوم جرى على يد معقل بن یسار
 فنسب الیه۔ وقال آخرون بل اجراه زیاد على يد عبدالرحمن بن ابی بكرة او
 غیره فلما فرغ منه و ارادوا فتحه بعث زیاد معقل بن یسار رَضِيَ اللهُ عَنْهُمُ ففتحه تبركا

به لانه من اصحاب رسول الله ﷺ فقال الناس نهر معقل))^۱

② اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ طیبہ کے علاقہ میں اس دور کی ضرورت کے تحت ایک نہر جاری کی گئی تھی اس کو ”قناة معاویہ“ وغیرہ اسماء سے بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ جب اس نہر کا گزر شہدائے احد کے مزارات کے قریب سے ہوا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کارکنوں کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جن لوگوں کے اقربا یہاں مدفون ہیں وہ انھیں یہاں سے دوسرے مقام پر منتقل کر لیں۔

چنانچہ اس اعلان کے پیش نظر لوگوں نے اپنے اقربا کے مزارات کو کھولا تو چالیس برس کا طویل عرصہ گزرا جانے کے باوجود ان شہداء کے جسم بالکل اسی طرح تروتازہ تھے گویا ان کو کل ہی دفن کیا گیا ہو۔ اور حضرت امیر حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک سے کسی چیز کے نکرانے کی بنا پر خون ظاہر ہوا۔

واقعہ ہذا کو متعدد محدثین اور مورخین ابن شبہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ ذیل میں ہم صرف چند ایک حوالہ جات درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

((حدثنا هشام الدستوائي عن ابى الزبير عن جابر رضي الله عنه قال: صرخ الى قتلتنا يوم احدا اذا جرى معاوية العين فاستخرجناهم بعد اربعين سنة لینه اجسادهم تتنى اطرافهم))^۲

((عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: لما جرى معاوية رضي الله عنه العين عند قتلى احد بعد اربعين سنة استصرخناهم اليهم فاتيناهم فاخرجناهم فاصابت المسحاة قدم حمزة رضي الله عنه فانبعث دما۔ وفي روايه ابن اسحاق عن جابر رضي الله عنه قال فاخرجناهم كانما دفنوا بالامس))^۳

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۶۶ تحت تمصیر البصر

۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶ ج ۱۳ کتاب المغازی طبع کراچی

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴ ج ۱۳ کتاب المغازی طبع کراچی

مصنف عبدالرزاق ص ۵۴۷ ج ۳ روایت نمبر ۶۹۵۶

کتاب التمهید (ابن عبد البر) ص ۱۴۲ ج ۱۳ تحت حدیث ثالث لابن الرجال۔

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۳ ج ۴ تحت ذکر الصلوٰۃ علی حمزہ رضی اللہ عنہ وقلی احد

البسوط (شمس الامم سنسی) ص ۶۹ ج ۲ باب غسل الميت، طبع اول مصر

دلائل النبوة (بیہقی) ص ۲۹۱ ج ۳ طبع بیروت

دلائل النبوة (ابو نعیم اصفہانی) ص ۴۹۹ ج ۲ تحت ذکر ما یدل علی حیاة الشہداء طبع جدید

کتاب المناسک واماکن طرق الحج ص ۴۲۲ تحت قناة معاویہ الخ، تحقیق احمد الجاسر

فائدہ

- ① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عوام الناس کی سہولت اور زمین کی آب پاشی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے مدینہ طیبہ کے علاقے میں ایک نہر کا اجرا کرایا۔
- ② اور اس واقعہ سے یہ چیز بھی ثابت ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض دفعہ وفات کے بعد بھی کرامات کا ظہور و صدور ہوا ہے۔ اللہ کریم نے مدفون ہونے کے بعد اتنی مدت تک ان حضرات کے اجسام مبارک کو تروتازہ رکھا حتیٰ کہ بعض حضرات کے اجساد سے خون کا جاری ہونا بھی پایا گیا۔ یہ چیز ان کے حق میں عند اللہ زندہ رہنے اور مغفور و مقبول ہونے کا ثبوت ہے۔ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ..... الْآیۃ
- ③ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں عوام الناس کے فائدے اور ان کے چوپایوں کی سہولت کے لیے ایک بند بنوایا۔ اس میں بارش کا کثیر پانی جمع کیا جاتا تھا۔ مدینہ طیبہ سے قریباً بیس میل پر ایک نشیب میں یہ تالاب تیار کیا گیا۔

((فمن ذالك الى سد معاوية عشرون ميلا و يسد معاوية ماء كثير في شعب))^۱

((ثم تقع في جبال سود وهي التي يقال لها حرة المدينة. وبها واد قد كان

معاوية بن ابي سفيان رَضِيَ اللهُ عَنْهُما حبس سيله بسد فهو يحتبس فيه ماء. يرده الناس

بمواشيهم يسقونها هو يسمى سد معاوية))^۲

آثار حرم کا تحفظ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملتی خدمات کے سلسلے میں یہ چیز خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آں موصوف نے ”حرمین شریفین“ کے آثار کو محفوظ کرانے کے لیے خاص توجہ دی اور مفاد عامہ کی خاطر متعدد مقامات کو تحفظ دیا اور ان کو آباد کرایا۔

① مکہ مکرمہ کی حویلیوں کے لیے قبل ازیں کوئی خاص حفاظتی دروازے نہیں لگے ہوئے تھے اور غیر مقامی لوگ مثلاً اہل عراق اور اہل مصر وغیرہ اپنی اپنی جوانب و اطراف سے پہنچتے اور مکہ مکرمہ کی حویلیوں میں داخل ہو کر سکونت اختیار کرتے۔ اس سلسلہ میں بندش کے طور پر دروازے لگوانے کی ضرورت تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان مقامات پر دروازے لگوانے کا انتظام کیا۔ یہ دروازے اب حفاظتی رکاوٹ کا کام دیتے تھے۔

چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں منقول ہے کہ:

۱ کتاب مناسک الحج واماکن طرق الحج ص ۳۳۰ تحت طرق الریذة الی المدینہ

۲ بلاد العرب (حسن بن عبد اللہ اصغہانی) ص ۳۰۱ تحت مواضع بقرب المدینہ

((لقد استخلف معاویة رضی اللہ عنہ و ما لدار بمكة باب))^۱

ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ:

((قال لم یکن لدور ابواب کان اهل العراق واهل مصر یاتون بقطرانهم

فیدخلون دور مكة فیربطون بها و اول من بوب معاویة))^۲

اور البدایہ میں مذکور ہے کہ

((قال ابو جعفر الباقر کانت ابواب مکة لا اغلاق لها و اول من اتخذ لها

الابواب معاویة رضی اللہ عنہ))^۳

④ مکہ مکرمہ میں جو حرم شریف کے معالم (نشانات) تھے وہ مرور زمانہ سے بوسیدہ ہو کر معدوم ہونے لگے

تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کی تجدید کا انتظام فرمایا۔ چنانچہ آں موصوف نے

مدینہ طیبہ کے امیر مروان بن حکم کو فرمان ارسال کیا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کرز بن علقمہ خزاعی رضی اللہ عنہ اگر

زندہ ہوں تو ان کو تکلیف دی جائے کہ وہ آثار حرم کی پھر سے پوری طرح نشان دہی کریں کیونکہ وہ ان آثار

سے خوب واقف ہیں اور پھر ان کے مطابق ان آثار کی تجدید و تجدید کی جائے چنانچہ حضرت کرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ

کی نشان دہی پر ان آثار کو صحیح کر کے مکمل کیا گیا تاکہ اہل اسلام ان سے برکت اندوز ہوتے رہیں۔

((عن ابی صالح عن عکرمة قال درس شیء من معالم الحرم علی عہد معاویة

بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فکتب الی مروان بن الحکم وهو عامله علی المدینة

یأمره ان کان کرز بن علقمة الخزاعی رضی اللہ عنہ حیا ان یکلفه اقامة معالم الحرم

لمعرفته بها وکان معمرا۔ فاقامها علیہ فہی مواضع الانصاب الیوم))^۴

واقعہ ہذا قبل ازیں ہماری تصنیف ”مسئلہ اقربانوازی“ ص ۱۴۸-۱۴۹ میں ذکر ہو چکا ہے یہاں بعض

حوالہ جات کا اضافہ کیا گیا۔

۱ مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۷ ج ۵ تحت باب الکراء فی الحرم

۲ تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی عکسی) ص ۴۴ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

۴ کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۶۱ تحت السیول بکے

تاریخ طبری ص ۳۶، ۳۵ ج ۱۳ تحت ذکر من مات اول سنہ ۸۰ھ

طبقات ابن سعد ص ۳۳۸ ج ۵ تحت کرز بن علقمہ الخزاعی رضی اللہ عنہ طبع لیڈن

الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۵۷ ج ۲ نمبر ۳۹۹ تحت کرز بن علقمہ بن ہلال رضی اللہ عنہ

جمہرة الانساب (ابن حزم) ص ۲۳۶ تحت وھولاء بنی حلیل۔

③ دار خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہما کی حفاظت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے بہترین کارناموں میں یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ مکہ مکرمہ میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہما کا ایک مسکن تھا جس کو دار خزیمہ کہا جاتا تھا۔ وہ آنجناب ﷺ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہما کا متبرک سکونتی مکان تھا جس میں جناب نبی کریم ﷺ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہما کے ساتھ اقامت پذیر رہے اور اسی مکان میں آنجناب ﷺ کی تمام اولاد شریف جو حضرت خدیجۃ رضی اللہ عنہما سے تھی یہاں متولد ہوئی اور جناب نبی اقدس ﷺ نے اسی مکان سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ آنجناب ﷺ کی ہجرت کے بعد جناب عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے اس مکان کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے اپنے دور خلافت میں اس مقدس مقام کو خرید کر ایک مسجد تعمیر کروادی تھی جس میں اہل اسلام نمازیں ادا کرتے تھے اور اس کو بعد میں مولد فاطمۃ الزہرا کے نام سے کیا جاتا تھا اور وہ مکہ مکرمہ کے مواضع میں سے مسجد الحرام کے بعد افضل ترین مقام ہے۔

((وفی کتاب الغزى توفيت خديجة رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فِي دَارِهَا الَّتِي تَسْمَى دَارِ خَزِيمَةَ وَكَانَتْ مَسْكَنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَفِيهَا وُلِدَتْ خَدِيجَةَ اَوْلَادِهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ مَقِيمًا فِيهَا حَتَّى هَاجَرَ فَاخَذَهَا عَقِيلٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ثُمَّ اشْتَرَاهَا مَعَاوِيَةَ وَهُوَ خَلِيفَةُ فَجَعَلَهَا مَسْجِدًا يَصَلِي فِيهِ وَيَعْرِفُ الْيَوْمَ بِمَوْلِدِ فَاطِمَةَ وَهُوَ اَفْضَلُ مَوْضِعٍ بِمَكَّةَ بَعْدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ))^۱

④ اہل تاریخ بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں قدیم ایام میں قریش کے لیے ایک دار الندوہ تھا اس میں جنگی معاملات کے مشورے اور فیصلے ہوتے تھے اور شادی بیاہ کے موقع پر بھی وہاں قریش جمع ہوتے اور اپنی تقریبیں سرانجام دیتے تھے۔ قریش کے داروں میں سے یہ پہلا مشہور دار تھا اس کے بعد دار العجلہ تیار کیا گیا تھا۔

دار الندوہ ہمیشہ قبیلہ بنی عبدالدار کی تحویل میں چلا آ رہا تھا پھر مکرمہ بن عامر نے اس دار الندوہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے ہاں فروخت کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے اسے دار الامارۃ تجویز کر دیا۔ دار الامارۃ میں حکام اور والی اقامت پذیر ہوتے اور انتظامی امور سرانجام دیتے تھے۔

((وَأَمَّا دَارُ النَّدْوَةِ فَبَنَاهَا قُصَيُّ بْنُ كِلَابٍ فَكَانُوا يَجْتَمِعُونَ إِلَيْهِ فَتَقْضَى فِيهَا الْأُمُورُ ثُمَّ كَانَتْ قَرِيشَ بَعْدَهُ تَجْتَمِعُ فِيهَا فَتَشَاوَرُ فِي حُرُوبِهَا وَأُمُورِهَا وَتَعْقَدُ الْأَلْوِيَةَ وَتَزُوجُ مَنْ أَرَادَ التَّزْوِيجَ وَكَانَتْ أَوَّلَ دَارٍ بَنِيَتْ بِمَكَّةَ مِنْ دُورِ

قریش ثم دار العجلة وهی دار سعید بن سعد بن سهم فلم تزل دار الندوة
لبنى عبدالدار بن قصی حتى باعها عكرمة بن عامر بن هاشم بن عبد مناف
بن عبدالدار بنى قصی من معاویة رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فجعلها دار
الامارة))^۱

مدینہ منورہ میں آثار نبوی کی جستجو اور رفاہ عامہ کے مقامات کی تعمیری خدمات

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جس طرح مکہ مکرمہ میں خاص خاص مقامات کا تحفظ کیا اسی
طرح مدینہ طیبہ میں اس دور کی دینی و ملی ضروریات کے مطابق بعض آثار کو محفوظ کیا، بعض قصر تعمیر کرائے، اہل
مدینہ اور دیگر مسلمانوں کی خاطر دار قائم کیے اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد گلی کوچوں میں پختہ فرش لگوائے۔
اہل اسلام کی نفع رسانی کے طور پر یہ امور سرانجام دیے۔ مفاد عامہ کی ان چیزوں کا ذکر مختصراً آئندہ سطور میں
تحریر کیا جاتا ہے۔

مواقف و آثار نبوی

مدینہ طیبہ میں بہت سے مقامات ایسے تھے جن میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ صادر ہوا یا کوئی
خاص ظہور برکت کا واقعہ پیش آیا یا کوئی اور اہم چیز اس مقام کے متعلق ظاہر ہوئی تو مروان بن حکم نے حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے سعی کی کہ ان مقامات متبرکہ کے متعلق واقفیت حاصل کی جائے۔ پس مروان نے
حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو آدمی بھیج کر بلوایا اور ان سے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ ہو کر نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خاص خاص مواقف و مواضع پر مجھے مطلع کریں۔

مختصر یہ ہے کہ آثار متبرکہ کی تحقیق و تعیین کا یہ کام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کی
ہدایات کی روشنی میں مروان بن حکم نے سرانجام دیا تھا۔

((ان مروان لما كان واليا على المدينة من قبل معاوية رضی اللہ عنہ ارسل الى ابی

قتادة رضی اللہ عنہ ليريه مواقف النبي صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه فانطلق معه فاراه))^۲

اس چیز کا ذکر قبل ازیں ہم نے اپنی تصنیف ”مسئلہ اقربا نوازی“ ص ۲۶۳-۲۶۴ میں کر دیا ہے اور

یہاں مزید حوالوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱ کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۵۶ تحت بیان دور مکہ

۲ الاصابہ (ابن حجر) ص ۱۵۸ ج ۴ تحت ابی قتادہ بن ربیع الانصاری رضی اللہ عنہ

التاریخ الصغیر (امام بخاری) ص ۵۴ تحت ذکر من کان بعد الخمسین الی ستین، طبع الہ آباد ہند۔

قصر خل

اسی سلسلے میں مدینہ طیبہ کے احوال بیان کرنے والے مورخین نے ابن شہبہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مقام حرہ کے نزدیک دومہ کے راستے پر ایک محل تعمیر کرایا جائے تاکہ اہل مدینہ کے لیے ایک قلعہ کا کام دے سکے۔

بقول بعض اس محل کی تعمیر کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاکم مدینہ منورہ مروان بن حکم کو حکم فرمایا تھا پھر مروان نے اس قصر کی تعمیر کے لیے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو متعین کیا۔ اس محل کو ”قصر خل“ کے نام سے پکارا جاتا تھا کیونکہ جو محل بھی راستے پر واقع ہو اسے ”خل“ ہی کہتے تھے۔ ”قصر خل“ کی تعمیر مکمل ہونے پر اس میں ایک سنگین کتبہ نصب کیا گیا جس پر ”لعبد اللہ معاویہ امیر المؤمنین مما عمل نعمان بن بشیر“ کے الفاظ کندہ تھے۔ یعنی اسے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے تعمیر کرایا۔

((قال ابن شہبہ واما قصر خل الذی بظاہر الحرۃ علی طریق دومہ فان معاویہ رضی اللہ عنہ امر النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ببناءہ لیکون حصنا لاهل المدینۃ ویقال بل امر بہ معاویہ مروان بن الحکم وهو بالمدينة فولاه مروان النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ و فیہ حجر منقوش فیہ ”لعبد اللہ معاویہ امیر المؤمنین مما عمل نعمان بن بشیر“ وانما سمی قصر خل لانه علی الطریق وکل طریق فی حرۃ اور مل یقال له ”خل“))

قصر بنی جدیدہ

نیز مورخین نے بعض دیگر قصر بھی ذکر کیے ہیں ان میں سے ایک قصر بنی جدیدہ بھی تھا۔ اس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کے لیے بطور قلعہ کے بنوایا تھا اور اس قصر کے تعمیری کام پر طفیل بن ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ کو متعین کیا تھا۔ انھوں نے اسے تیار کرایا اور اس دور کی ضرورت کے مطابق اس کے دو دروازے بنوائے گئے اور ”بیرحہ“ کا مقام اس کے وسط میں آ گیا۔

((واما قصر بنی جدیدہ۔ فان معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ انما بناہ لیکون حصنا وله بابان۔ وكان الذی ولی بناء لمعاویہ الطفیل بن ابی بن کعب

۱ تاریخ مدینہ منورہ ص ۲۷۱ ج ۱ تحت ذکر دار ہشام بن عبد الملک وقصر خل..... الخ

کتاب وفاء الوفاء (نور الدین سمودی) ص ۱۲۸ ج ۳ تحت عنوان قصر خل

الانصاری رضی اللہ عنہ و فی وسطہ بیرحاء))^۱

قصر دارین

اسی طرح مدینہ طیبہ میں قصر الدارین کے نام سے ایک مقام تھا اسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ مقام ایک صحابی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا تھا اور اس وقت یہ ایک حائط (باغ) کی شکل میں تھا بعد میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زر کثیر سے خرید کر لوگوں کے قائدے کے لیے قصر کی شکل میں تعمیر کرایا۔

((فباعه من معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بعد ذالك بمال کثیر فبناہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ قصرا وهو الذی یقال له بالمدينة قصر الدارین))^۲

دار القضاء

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال سے قبل اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا فلاں مقام (جسے بعد میں رحبۃ القضاء کا نام دیا گیا) فروخت کر کے میرا قرض ادا کیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے آنجناب کے انتقال کے بعد اس مقام کو فروخت کر دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اس دور کی وقتی قومی ضروریات کے لیے خرید لیا پھر ایک مدت کے بعد اس مقام کو مسجد میں شامل کر دیا گیا۔

((كانت رحبة القضاء لعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وامر حفصه وعبدالله ابنيه رضی اللہ عنہم ان یبعتها عند وفاته فی دین کان علیہ۔ فباعوها من معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ وكانت تسمى دارالقضاء وكان معاویة رضی اللہ عنہ اشتراها عند ولايته))^۳

دار القضاء

سہلہ بنت عاصم کہتی ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے ایک دار تھا جس کو دار القضاء کہتے تھے۔ یہ وہ دار تھا جس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ چھ اشخاص کے متعلق تین شب و روز مشورہ ہوتا

۱ تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۲۷۲ ج ۱ طبع مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ

وفاء الوفاء (سہودی) ص ۹۶۲، ۹۶۳ ج ۳، تحت الآبار، بیرحاء

۲ تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۲۷۳ ج ۱ طبع مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ

۳ تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۲۳۳-۲۳۴ ج ۱ مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ

وفاء الوفاء (نور الدین سہودی) الجزء الثانی ص ۶۹۸-۶۹۹ تحت زیادت باب القضاء

رہا کہ کس شخص کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا جائے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے کا آخری فیصلہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اسی مکان پر ہوا تھا۔ بعد میں اس مکان کو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے فرزندوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں فروخت کر دیا اور آپ نے اس مکان میں سرکاری دفاتر اور بیت المال قائم کیا۔

((عن عمتها سهلة بنت عاصم قالت: كان دار القضاء لعبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وانما سميت دار القضاء لان عبدالرحمن اعتزل فيها ليالي الشورى حتى قضى الامر- فباعها بنو عبدالرحمن من معاوية بن ابي سفيان رضی اللہ عنہ وكانت الدواوين فيها وبيت المال))^۱

فرش لگوانا

مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے ارد گرد پہلے پتھر سے لگے ہوئے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اسے پختہ کرنے کا قصد کیا اور حاکم مدینہ مروان بن حکم کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کے قریب کوچہ جات میں پتھر سے پختہ فرش لگوایا جائے۔ چنانچہ اس فرمان کے موافق مسجد نبوی کے قرب و جوار میں گلیوں کو پختہ کیا گیا۔

((ان الذي بنى حوالى مسجد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالحجارة معاوية بن ابي سفيان رضی اللہ عنہ امر بذلك مروان ابن الحكم))

((فامرہ معاوية رضی اللہ عنہ تبليط ما سرى ذلك مما قارب المسجد ففعل))^۲

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ”حریم شریفین“ کی بہت اہم خدمات سر انجام دیں۔ ان میں سے چند ایک کا یہاں اجمالاً ذکر کیا گیا۔ اس سے حضرت موصوف کی اہل حریم شریفین کے حق میں عقیدت مند کا ثبوت ملتا ہے اور ان کی ملی خدمات کا جذبہ نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔

رعایا کی خبر گیری

علماء ذکر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق اپنی رعایا کے ساتھ نہایت عمدہ تھا اور آں موصوف نے رعایا کے احوال کی خبر گیری کے لیے ایک نظم قائم کیا ہوا تھا۔ وہ اس طرح کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہر قبیلہ کی خبر گیری کے لیے ایک شخص متعین کیا جاتا تھا، وہ ان قبائل کی محافل میں جا کر حالات معلوم کرتا کہ

① اس قبیلہ میں کوئی بچہ مولود ہوا ہے یا نہیں؟

۱ تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۲۳۳ ج ۱ مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ

۲ تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۱۶، ۱۷ ج ۱ طبع مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ

④ اس قبیلہ میں گزشتہ رات کوئی نیا واقعہ تو پیش نہیں آیا؟

③ اس قبیلہ میں کوئی مہمان فروکش ہوا ہے یا نہیں اور مہمان کی ضروریات کیا ہیں؟

چنانچہ اس طریق کار سے وہ شخص احوال معلوم کرنے کے بعد دفتر میں پہنچتا اور نومولود کا نام اور دیگر ضروری کوائف ایک رجسٹر میں درج کرتا تھا تا کہ ان کی ضروریات کو پورا کرنے کا مناسب انتظام کیا جائے اور وظیفہ مقرر کیا جائے۔

ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ:

((عن ابی قبیل قال کان معاویة قد جعل فی کل قبیل رجلا وکان رجل منا یکنی ابا الجیش یصبح فی کل یوم فیدور علی المجالس هل ولد فیکم اللیلة ولد هل حدث اللیلة حدث هل نزل بکم الیوم نازل فیقولون ولد لفلان غلام و لفلان فیقول فما سمی فیقال له فیکتب فیقول هل نزل بکم اللیلة نازل قال فیقولون نعم نزل رجل من اهل الیمن بسیمونه وعیاله فاذا فرغ من القبیل کله اتی الدیوان فواقع اسماء هم فی الدیوان))^۱

اور البدایہ میں ہے کہ:

((فاذا اخبر بذالك اثبت فی الدیوان یعنی لیجری علیہ الرزق))

فطیم کے لیے وظیفہ

بچوں کے وظائف کے سلسلے میں علماء نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی یہ چیز ذکر کی ہے کہ جب نومولود فطیم ہو جاتا یعنی شیر خواری کا دور ختم کرتا تو اس کے لیے سرکاری طور پر وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔

((فلما کان معاویة رضی اللہ عنہ فرض ذالك للفطیم))^۲

ان واقعات کے ذریعے سے آں موصوف کے عہد میں پبلک کی رعایت اور مفاد عامہ کے لحاظ اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کا مسئلہ خوب واضح ہوتا ہے۔

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۲۹۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

منہاج السنہ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۵ ج ۳

السنن (ذہبی) ص ۳۸۸

البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۲ ج ۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

یہ مضمون قبل ازیں "مسئلہ اقربا نوازی" ص ۱۵۳ پر ذکر کیا گیا ہے۔

۲ کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۶۳ تحت ذکر العطاء..... الخ

ایذا سے بچاؤ کی تدبیر

مفاد عامہ کے سلسلے میں مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے علاقہ شام اور الجزیرہ پر عامل تھے تو علاقہ ”نصیبین“ کے والی نے آپ کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا جس میں یہ شکایت ذکر کی کہ یہاں مسلمانوں کی ایک جماعت بچھوؤں کی کثرت کی وجہ سے بڑی تکلیف میں مبتلا ہے۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ علاقہ کے لوگوں کے ذمہ لگائیں کہ وہ عقارب (بچھوؤں) کی ایک خاص تعداد پکڑ کر لائیں۔ چنانچہ جب بچھو پکڑ کر لائے جاتے تو انھیں قتل کر دیا جاتا۔ اس طرح اس علاقہ میں بچھوؤں کی کثرت قلت میں تبدیل ہو گئی۔

((وحدثنی ابو حفص الشامی عن حماد بن عمرو النصیبی قال کتب عامل نصیبین الی معاویة رضی اللہ عنہ وهو عامل عثمان رضی اللہ عنہ علی الشام والجزیرة یشکو الیه ان جماعة من المسلمین ممن معه اصابوا بالعقارب۔ فکتب الیه یامرہ ان یوظف علی اهل کل حیز من المدينة عدة من العقارب مسماة فی کل لیلۃ ففعل فکانوا یاتونہ بها فیامر بقتلہا))^۱

حاصل یہ ہے کہ فصل ہذا میں رفاہی امور اور مفاد عامہ کی چیزوں کا اختصاراً ذکر کیا گیا ہے اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی ملتی خدمات کا نقشہ سامنے آتا ہے اور اہل اسلام کی خیر خواہی کا جذبہ نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۸۶ تحت فتوح الجزیرہ
معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۲۸۹ ج ۱۹ تحت ذکر نصیبین۔

فصل پنجم

علمی مذاکرات اور ثقافتی کارنامے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علمی مذاکرات اور ثقافتی کارناموں کے سلسلے میں چند ایک چیزیں یہاں مختصر طریق سے ذکر کی جاتی ہیں۔ اس سے آنجناب کے علمی ذوق اور دینی وثاقت اور ملی خدمات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک اہم علمی مقام و مرتبہ کے حامل تھے آں موصوف نے جہاں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایات نقل کی ہیں وہاں ایک جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث نبوی نقل کی ہیں۔ یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جس طرح احادیث نبوی کے راوی ہیں اسی طرح وہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین حضرات کے مروی عنہ بھی ہیں اور راوی و مروی عنہ کے دونوں شرفوں سے مشرف ہیں۔

اس فن کے علماء نے تحریر کیا ہے کہ درج ذیل جلیل القدر فقہائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آں موصوف سے روایات نقل کی ہیں:

مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، جریر بن عبداللہ بجلي، معاویہ بن خدیج، سائب بن یزید، نعمان بن بشیر، ابوسعید خدری اور ابو امامہ بن سہل وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

اور کبار تابعین اور فقہاء میں سے درج ذیل حضرات نے آں موصوف سے روایات نقل کی ہیں:

مثلاً افضل التابعین حضرت سعید بن مسیب، عبداللہ بن حارث بن نوفل، قیس بن ابی حازم، ابو اوریس، خولانی اور ان کے بعد کے حضرات مثلاً عیسیٰ بن طلحہ، محمد بن جبیر بن مطعم، حمید بن عبدالرحمن بن عوف، ابو مجلز، حمران مولیٰ عثمان بن محیرز، علقمہ بن ابی وقاص، عمیر بن ہانی، ہمام بن منبہ، ابو عریان نخعی، مطرف بن عبداللہ بن شحیر وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

علامہ ابن حجر مکی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((هؤلاء الائمة ائمة الاسلام الذين رووا عنه- تعلم انه كان مجتهدا ای مجتهد و فقیہا ای فقیہ))^۱

۱ تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۲۶ تحت فصل ثانی فی فضائلہ و مناقبہ (طبع مصر) مع الصواعق المحرقة

اسد الغابہ (ابن اثیر جزیری) ص ۳۸۷ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۱۲-۴۱۳ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ مع الاستیعاب

”یعنی مندرجہ بالا حضرات دین اسلام کے ائمہ کرام اور پیشوا ہیں۔ ان لوگوں نے حضرت امیر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے دینی روایات نقل کی ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کتنے ارفع درجے کے مجتہد اور کتنے اعلیٰ درجے کے فقیہ تھے۔“

نیز امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک سوتریسٹھ (۱۶۳) احادیث نبوی منقول ہیں۔^۱

یہ چیز قبل ازیں کتاب مسئلہ اقربا نوازی صفحہ ۱۴۲ پر ذکر ہو چکی ہے۔

اتنی کثیر تعداد میں احادیث نبویہ رضی اللہ عنہما کے راوی ہونے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی مقام اور دینی شغف بخوبی واضح ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں حدیث نبوی رضی اللہ عنہا کے نقل کرنے اور وعظ گوئی کے مسئلہ میں آں موصوف کے عہد خلافت میں خاص احتیاط کی جاتی تھی تاکہ احکام شرعی اور دینی امور میں کسی قسم کا بے جا تصرف نہ کیا جاسکے۔

اور ثقافتی امور کے سلسلے میں آنجناب کی قابل قدر خدمات پائی جاتی ہیں اور اسی ضمن میں یونانی طب کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا کارنامہ قابل ستائش اور لائق تحسین امر ہے۔ بقدر ضرورت ان چیزوں کا ذکر فصل ہذا میں کیا جا رہا ہے۔

بعض مرویات

(الف) اس سلسلے میں یہاں نمونہ کے طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی چند ایک روایات ذکر کی جاتی ہیں۔ ایک روایت میں انصار کے مقام و مرتبہ کو جناب نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے اس طرح بیان کیا گیا ہے:

یزید بن جاریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں انصار کی ایک جماعت میں بیٹھا تھا کہ ہم پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ کس قسم کی گفتگو میں مصروف تھے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم انصار کے متعلق کلام کر رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں بھی (انصار کے متعلق) ایک حدیث بیان کروں جو میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے سماعت کی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں اے امیر المؤمنین! فرمائیے۔

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے جناب نبی اقدس ﷺ سے سنا ہے آنجناب ﷺ فرما رہے تھے کہ جو شخص انصار سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائیں گے اور جو انصار کو ناپسند کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ناپسند فرمائے گا۔

((عن یزید بن جاریہ انه كان جالسا في نفر من الانصار فمر عليهم معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فسألهم عن حديثهم فقالوا: كنا في حديث من حديث الانصار فقال معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ افلا ازيدكم حديثا سمعته من رسول الله ﷺ؟ قالوا: بلى يا امير المؤمنين! قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من احب الانصار احبه الله ومن ابغض الانصار ابغضه الله))^۱

(ب) اسی طرح درج ذیل روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اور ان کی توثیق کی ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مشہور ہاشمی بزرگ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ سردار دو عالم ﷺ نے مقرض (قینچی) سے اپنے مبارک تراشے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بعض شاگردوں نے عرض کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی دوسرے صاحب سے ہم تک یہ روایت نہیں پہنچی تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ پر اتہام لگانے والے نہیں ہیں۔ (یعنی ان کی روایت درست ہے)

((عن ابن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ان معاوية اخبره انه راى رسول الله ﷺ قصر من شعره بمشقص فقلنا لابن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ما بلغنا هذا الا عن معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فقال ما كان معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ على رسول الله ﷺ متهما))^۲

یہ روایت ”اقر بانوازی“ ص ۱۳۸ پر بھی ذکر ہو چکی ہے۔

(ج) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ ہاشمی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل روایت نقل کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”العمری“ یعنی جو چیز کسی شخص کو عمر بھر کے لیے دے دی جائے تو وہ اس کے لیے جائز اور درست ہے۔

((عن محمد بن علی (الحنفية) عن معاوية بن ابی سفیان رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: العمرى جائزة لاهلها))^۳

۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۵۸، ج ۱۲ کتاب الفہائل، طبع کراچی

۲ مسند امام احمد ص ۹۵ ج ۴ تحت مسند معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

منہ المعبود فی ترتیب مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۲۱۹ ج ۱ باب منخ الحج الی العرة۔

۳ مسند امام احمد ص ۹۷ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۳۵۴ ج ۹ تحت محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(یہ روایت قبل ازیں ”مسئلہ اقربا نوازی“ ص ۴۰ پر ذکر کی جا چکی ہے۔)

اکابر ہاشمی حضرات نے متعدد روایات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہیں یہ چیزیں ان بزرگوں کے باہم دینی اعتماد پر دلالت کرتی ہیں اور ان کے باہمی علمی مذاکرات و تعلقات کو واضح کرتی ہیں۔
نقل حدیث اور وعظ گوئی میں احتیاط

① اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ احادیث نبویہ ﷺ کے نقل کرنے اور جمع کرنے میں خاص احتیاط کیا کرتے تھے۔ اسی سلسلے میں عبداللہ بن عامر مکتھی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ بیان روایت کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے فرما رہے تھے کہ (بے احتیاطی سے) احادیث مت بیان کرو۔ ہاں وہ روایات جو عہد فاروقی میں بیان کی جاتی تھیں انہیں ذکر کیا کرو کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خدا خونی کرنے والے تھے (وہ اپنے عہد میں بے اصل روایات کو جاری نہیں ہونے دیتے تھے) اس فرمان کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ایک مرفوع روایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے سنا، فرماتے تھے کہ ”من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین..... الخ“ یعنی جس کے حق میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین میں بہتر سمجھ عطا فرماتے ہیں۔^۱

② اس طرح نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت بیان کی تو آپ نے میرے بیان پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس روایت کی تصدیق اور تحقیق کے لیے خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا کہ آپ میری طرف وہ حدیث نبوی تحریر کر کے روانہ فرمائیں چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہ روایت تحریر کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ارسال فرمائی۔

((قال فاخبرته معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فلم یرض بالذی اخبرته حتی

کتب الی ام المؤمنین ان اکتبی الی بہ۔ فکتبت الیہ بہ کتابا))^۲

③ محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ قریش کا ایک وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا ہوا تھا۔ حضرت موصوف کو یہ چیز پہنچائی گئی کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ عنقریب قبیلہ قحطان کا ملک پر قبضہ ہو جائے گا (یعنی قریش کی خلافت نہ رہے گی)۔ یہ معلوم کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے اور ایک خطبہ کی شکل میں مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ بعض لوگ ایسی

۱۔ مسند امام احمد ص ۹۹ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

مسلم شریف ص ۳۳۳ ج ۱ تحت باب النبی عن المسئلة، طبع دہلی

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۰۷ ج ۷ تحت حدیث آخر (فضائل عثمان رضی اللہ عنہ)

روایات بیان کرتے ہیں کہ جو نہ کتاب اللہ میں ہیں اور نہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ یہ ناواقف لوگ ہیں ان کی خواہشات کے مطابق برگشتہ کر دینے والی باتوں سے آپ لوگ اجتناب کریں۔ میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ (امر خلافت) قوم قریش میں ہوگا جب تک کہ دین الہی قائم رکھیں گے، اور جو بھی اس معاملہ میں ان سے نزاع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل گرا دیں گے۔

((فغضب معاویة رضی اللہ عنہ فقام فانثی علی اللہ عزوجل بما هو اہلہ ثم قال اما بعد فانه بلغنی ان رجالا منکم یحدثون احادیث لیست فی کتاب اللہ ولا توثر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولئک جہالکم فایاکم والامانی التی تضل اہلہا فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان هذا الامر فی قریش لا ینازعہم احد الا اکبه اللہ علی وجہہ ما اقاموا الدین))^۱

④ نیز بیان روایت میں احتیاط کرنے کا ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ربیعہ بن یزید کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب ارسال کیا کہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص جو مصر میں مقیم ہیں ان سے درج ذیل روایت کے متعلق استفسار کریں کہ کیا انہوں نے یہ روایت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کی ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ”اللہ تعالیٰ ایسی امت کو پاک اور بابرکت نہیں فرماتا جس امت میں حق کا فیصلہ نہیں کیا جاتا اور جس امت کے ضعیف لوگ اپنا حق قوی لوگوں سے بہ سہولت نہیں حاصل کر سکتے۔“ مزید تحریر کیا کہ اگر عبد اللہ بن عمرو کہیں کہ میں نے یہ روایت جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو بذریعہ قاصد مجھے اطلاع دیں۔

چنانچہ مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ نے مصر میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا روایت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ مصر سے شام پہنچے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو روایت کے سماعت کرنے کی خبر دی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی یہ روایت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت کی تھی لیکن میں اس کی تائید و تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

((عن ربیعة بن یزید ان معاویة رضی اللہ عنہ کتب الی مسلمة بن مخلد رضی اللہ عنہ ان سل عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ هل سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا قدست امة لا یأخذ ضعیفہا حقہ من قویہا وهو غیر مضطہد۔ فان قال نعم فاحمله علی البرید۔ فسأله فقال نعم۔ فحمله علی البرید من مصر الی الشام فسأله معاویة رضی اللہ عنہ فاخبرہ فقال معاویة وانا قد سمعته ولكن احببت

ان اثبت۔ رواہ الطبرانی و رجالہ ثقات))^۱

⑤ چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں حصول روایت کا ایک دیگر واقعہ محدثین ذکر کرتے ہیں۔ جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حفاظت حدیث و جمع روایت میں مساعی جمیلہ نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (جو اس وقت کوفہ کے حاکم تھے) کی طرف تحریر کیا کہ آپ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث زیر قلم کر کے میری طرف ارسال کریں۔ چنانچہ اس فرمان کے مطابق حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے احادیث تحریر کر کے ارسال کیں جن میں درج ذیل فرمان نبوی مذکور تھا:

((قال فكتب اليه اني سمعت رسول الله ﷺ يتعوذ من ثلاثة من عقوق الامهات ومن واد البنات ومن منع وهات و سمعته ينهى عن ثلاثة عن قيل وقال واضاعة المال وكثرة السؤال قال وسمعته يقول: اللهم لا مانع لما اعطيت ولا راد لما قضيت ولا ينفع ذا الجدمنك الجدم))^۲

”مطلب یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جو ابنا تحریر کیا کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ تین چیزوں والدہ کی نافرمانی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور جو چیز اپنے پاس ہے اس کو دینے سے انکار کرنے سے پناہ مانگتے تھے۔ اور میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ تین چیزوں قیل وقال (غیر ضروری بحث و مباحثہ) اور مال کو ضائع کرنے اور بے جا کثرت سوال سے منع فرماتے تھے۔“

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی ذوق بہت عمدہ تھا اور آں موصوف جمع حدیث و حصول روایت کے باب میں بہت احتیاط اور کوشش کرتے تھے اور مصر، شام اور کوفہ تک قاصد روانہ کر کے ثقہ لوگوں کے ذریعے سے حدیث کی تصدیق و تائید حاصل کرتے تھے۔

⑥ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جس طرح بیان روایت کے باب میں احتیاط کی جاتی اور اس کے حصول میں کوشش کی جاتی تھی، اسی طرح وعظ گوئی یا عام قصہ گوئی پر خلیفہ وقت کی جانب سے

۱۔ مجمع الزوائد (بیٹھی) ص ۲۰۹ ج ۵ باب اخذ حق المغيث من القوي، طبع مصر۔

۲۔ مسند عبد بن حمید ص ۵۱۰-۵۱۱ (التونى ۲۲۹ھ) تحت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت نمبر ۳۹۱

مسند احمد ص ۲۵۰-۲۵۳ ج ۳ تحت مسند مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ طبع مصر

صحیح ابن حبان ص ۳۳۳ ج ۸ روایت نمبر ۵۵۳۰۔

کنٹرول تھا تا کہ ہر کہ وہ اٹھ کر بے سرو پا چیزیں نہ بیان کرنے لگے اور جاہل نااہل لوگ غلط بیانی سے عوام الناس کو گمراہ نہ کریں۔ یہ سب چیزیں حفاظت دین کی خاطر اختیار کی جاتی تھیں اس سلسلے میں چند ایک امور ذکر کیے جاتے ہیں۔

④ ابو عامر عبداللہ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ایک بار ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں فریضہ حج ادا کیا۔ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو ہمیں اطلاع دی گئی کہ بنی مخزوم کا ایک غلام اس شہر میں قصہ گوئی کرتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس قصہ گو کو بلوا کر اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تجھے قصہ گوئی کی اجازت ملی ہوئی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو بلا اجازت قصہ گوئی کیوں کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے علم دیا ہے اور ہم اسے پھیلاتے ہیں۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں نے پہلے تجھے منع کیا ہوتا تو آج تجھے سزا دیتا۔

((عن ابی عامر عبداللہ بن یحییٰ قال حججنا مع معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فلما قدمنا مکة اخبر بقاص یقص علی اهل مکة مولی لبنی (مخزوم) او (فروخ) فارسل الیه معاویة رضی اللہ عنہ فقال امرت بهذه القصص؟ قال لا۔ قال فما حملک علی ان تقص بغیر اذن؟ قال فنشیء علماء علمنا اللہ عزوجل فقال معاویة رضی اللہ عنہ لو کنت تقدمت الیک لقطعتمک طائفة (وفی بعض الروایات..... منک طابقا))^۱

⑤ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں کعب احبار و عظ کہتے تھے لیکن جب انھیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پہنچا کہ آنجناب فرمایا کرتے تھے کہ وعظ اور نصیحت گوئی امیر وقت اور حاکم کے ذمے ہے یا اس شخص کا کام ہے جسے حاکم وقت نے اجازت دی ہو، تیسرا شخص محال اور محکف ہے (یعنی بزور وعظ گوئی کرنے والا ہے) تو اس کے بعد جناب کعب احبار نے وعظ گوئی ترک کر دی اور اس کام سے رک گئے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آں موصوف نے آپ کو خصوصی طور پر اجازت دیتے ہوئے حکم فرمایا کہ آپ وعظ اور نصیحت کر سکتے ہیں چنانچہ اس کے بعد جناب کعب وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔

((کان کعب یقص فبلغه حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یقص الا امیر او مامور

۱۔ مستدرک حاکم ص ۱۲۸ ج ۱ تحت کتاب العلم، طبع اول حیدرآباد دکن۔

کتاب المعروف والتاریخ (ابو یوسف بسوی) ص ۳۳۱-۳۳۲ ج ۲ تحت ابی عامر عبداللہ بن یحییٰ

او محتال۔ فترك القصص حتى امره معاویہ رضی اللہ عنہ فصار یقسم بعد ذلك))^۱

دینی مسائل کی اہمیت

علمی مذاکرات کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض اوقات دینی مسائل دریافت کرتے تھے اور اس میں اکابر سے رائے حاصل کرنے میں انقباض نہیں رکھتے تھے حضرت موصوف کا یہ طریق کار ان کے اخلاص فی الدین کی خاص علامت ہے اور باہم دینی روابط کا مظاہرہ ہے اور شرعی مسائل میں اتفاق و اتحاد کا واضح ثبوت ہے۔ اس سلسلے میں چند ایک روایات پیش خدمت ہیں:

① سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شام کے علاقے میں ایک شخص احوص نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اور وہ مطلقہ عورت اپنی طلاق کی عدت گزارتے ہوئے تیسرے حیض میں تھی کہ احوص کا انتقال ہو گیا۔ اس کی وراثت کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آدمی بھیج کر مسئلہ وراثت دریافت کیا تو جواب میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ چونکہ بیوہ تیسرے حیض میں داخل ہو چکی تھی اس لیے زوجین ایک دوسرے سے بری ہو چکے ہیں اور ان کی باہم وراثت جاری نہیں ہوگی۔ (یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ اس مسئلہ میں ایک صحابی کی تحقیق ہے)

((عن سلیمان بن یسار ان الاحوص هلك بالشام حين دخلت امرأته في الدم من الحيضة الثالثة وقد كان طلقها فكتب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما الی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یسأله عن ذلك فكتب الیه زید انها اذا دخلت فی الدم من الحيضة الثالثة فقد برئت منه وبری منها۔ لا یرثها ولا ترثه۔ رواه مالک))^۲

② مسائل شرعیہ کی دریافت کے سلسلے میں ایک دوسرا واقعہ محدثین اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ مشہور تابعی سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ علاقہ شام میں ایک شخص نے اپنی زوجہ کے ساتھ ایک اجنبی شخص کو قابل اعتراض حالت میں پایا تو اس نے اس اجنبی مرد یا اپنی زوجہ کو قتل کر دیا۔ اس معاملہ کی قضا اور فیصلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اشکال ہوا تو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس مسئلے کا حل طلب کرنے کے لیے مکتوب لکھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے شرعی مسئلے کا حل

۱ الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۹۸ ج ۳ تحت (۷۴۹۸) کعب بن ماتع۔

۲ کتاب القصاص والمذکرین (ابن جوزی) ص ۲۸ تحت باب ۴ فی انه لا یقتل الا باذن ... الخ

۳ مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۹، فصل ثالث باب العدة، بروایت امام مالک رضی اللہ عنہ، طبع دہلی۔

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کیا۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جواباً تحریر کیا کہ اگر قاتل چار شاہد پیش نہ کر سکے تو قتل کی دیت ادا کرے (یعنی بدہ شتران دیت را)

((مالك عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب ان رجلا من اهل الشام وجد مع اراته رجلا فقتله او قتلها فاشكل على معاوية بن ابي سفيان رضي الله عنه القضاء فيه فكتب الي ابي موسى الاشعري رضي الله عنه يسأل له على بن ابي طالب رضي الله عنه عن ذلك فسأل ابو موسى عن ذلك على بن ابي طالب رضي الله عنه فقال ابو موسى رضي الله عنه كتب الي معاوية بن ابي سفيان رضي الله عنه اسالك عن ذلك فقال على رضي الله عنه انا ابو الحسن: ان لم يأت باربعة شهداء فليعط برمته))^۱

③ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں ایک شخص نے اپنی زوجہ کو ”خاص الفاظ“ کے ساتھ طلاق دے دی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ زوجہ اس شخص پر حرام ہو چکی ہے یہ آدمی یہ مسئلہ لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنجناب نے یہی فیصلہ صادر فرمایا کہ مذکورہ صورت میں یہ عورت اس شخص پر حرام ہو چکی ہے اور بغیر حلالہ کے اس کے لیے حلال نہیں۔ پھر جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو پھر وہی شخص وہی مسئلہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا اور فیصلہ طلب کیا اور ساتھ ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سابق فیصلہ بھی اس نے خود ہی ذکر کر دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام صورت حال معلوم کر کے فرمایا:

((قال قد اجزنا قضاء عليك او قال ما كنا لنرد قضاء قضاء عليك))^۲

مطلب یہ ہے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نافذ کیا اور اس کا خلاف نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ ان حضرات کا شرعی مسائل میں باہم تعاون تھا اور وہ ایک دوسرے کی تائید کرتے تھے۔

④ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ طیبہ سے ایک نباش (کفن چور) پکڑا گیا۔ اس وقت مدینہ منورہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان بن حکم عامل متعین تھے۔ مروان نے اس شخص کی سزا کے متعلق اس وقت کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہائے مدینہ سے مسئلہ دریافت کیا تو کسی صاحب نے قطع یہ یعنی ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ نہیں دیا بلکہ وہ اس رائے پر متفق ہوئے کہ اس شخص کو زد و کوب کیا جائے اور شہر

۱ موطا امام مالک ص ۳۰۸ تحت القضاء فیمن وجد مع امراته رجلا۔ طبع دہلی

۲ السنن الکبریٰ ص ۱۲۰ ج ۱۰ کتاب آداب القاضی، باب من لجد من الحکام ثم تغیر اجتہاده الخ

میں (تذلیل کے طور پر) پھرایا جائے۔

((اخذ نباش فی زمان معاویہ زمان کان مروان علی المدینة۔ فسال من کان

بحضرتہ من اصحاب رسول اللہ ﷺ بالمدينة والفقهاء فلم يجدوا احدا

قطعة قال فاجمع رأيهم علی ان يضربه ويطاف به))^۱

مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں دینی مسائل میں دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء سے رائے طلب کرنے میں انقباض نہیں تھا اور ان حضرات کی تحقیق کا احترام ملحوظ رکھا جاتا اور ان کی رائے کی قدر دانی کرتے ہوئے اس پر عمل درآمد کیا جاتا تھا۔

ثقافتی امور کی طرف توجہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے شمار علمی و ثقافتی خدمات تاریخ میں مذکور ہیں ان کو فراہم کر کے زیر قلم کرنا سہل کام نہیں ہے تاہم اس سلسلے میں چند ایک چیزیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے عہد خلافت میں معلوم ہوا کہ ایک شخص عبید بن شریہ جرہمی تاریخ دان ہے اس نے جاہلیت کا دور پایا ہے اور جناب نبی کریم ﷺ کے عہد میں موجود تھا لیکن آنجناب سے سماع اسے حاصل نہیں ہوا۔ اس شخص کو ملوک عرب و عجم کے بے شمار واقعات از بر تھے اور اخبار و انساب کا ماہر تھا اور تاریخی حالات سے خوب واقف تھا۔ یہ شخص یمن کے دار الحکومت صنعاء میں سکونت پذیر تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ہاں بلوایا اور حکم دیا کہ سابقہ عرب و عجم کے حالات کی اپنے معلومات کی حد تک تدوین کی جائے اور انھیں ایک ترتیب کے ساتھ کتابی شکل میں قلم بند کیا جائے۔ چنانچہ ابن ندیم نے ذکر کیا ہے کہ:

((عبید بن شریہ الجرہمی فی زمان معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فساله عن

الاخبار المتقدمة وملوك العرب والعجم وسبب تبلبل اللسان وامر افتراق

الناس فی البلاد وكان استحضره من صنعاء اليمن فاجابه الى ما امر فامر

معاوية رضی اللہ عنہ ان يدون وينسب الى عبید بن شریة الى ایام عبدالملك بن

مروان وله من الكتب كتاب الامثال وكتاب الملوك واخبار الماضين))^۲

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۳ ج ۱۰ کتاب الحدود، روایت نمبر ۸۶۶۴، طبع کراچی

نصب الرایہ (زیلعی) ص ۳۶۷-۳۶۸ ج ۳ کتاب السرد حدیث ثامن

جوہر النبی (ترکمانی) ص ۲۶۹، ج ۸، باب النباش بقطع..... الخ

۲۔ الفہرست (ابن ندیم) ص ۱۳۸ تحت القلعة الثالث فی اخبار الاخباریین والنسائین... الخ

الاتقاد علی تمدن اسلامی ص ۵۱ از علامہ شبلی نعمانی طبع قدیم۔

مورخین لکھتے ہیں کہ یہ شخص عبدالملک بن مروان کے عہد تک زندہ رہا اور اس نے تدوین تاریخ کے سلسلے میں متعدد تاریخی کتب مرتب کیں۔ مثلاً کتاب الامثال، کتاب الملوک اور کتاب الماضیین وغیرہ۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبید بن شریہ سے عرب و عجم کے ملوک کے حالات میں ایک تاریخی دستاویز تدوین کروائی اور اہل تاریخ کے لیے بہترین مواد فراہم کر دیا۔

② مورخین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں انساب و اخبار کے ماہرین کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ چنانچہ ایک ماہر انساب و اخبار شخص دغفل بن حنظلہ سدوسی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دغفل موصوف نے جناب نبی اقدس ﷺ کے دور مقدس کو پایا ہے لیکن آنحضور ﷺ سے سماع انھیں حاصل نہیں ہوا۔

ایسے مشاہیر لوگوں کا بطور وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے عہد میں ماہرین فن سے استفادہ کے مواقع پیدا کیے جاتے تھے اور لوگوں کو ان تاریخی معلومات سے فائدہ ہوتا تھا۔

ابن ندیم اپنی مشہور تصنیف میں لکھتا ہے کہ:

((والانساب والاخبار من خط الیزیدی۔ هو الحجر بن الحارث الکنانی و دغفل لقب وقیل دغفل الذہلی النسابة هو دغفل بن حنظلة السدوسی۔ ادرك النبي ﷺ ولم يسمع منه و وفد على معاوية))^۱

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے علمی گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں علماء نے یہ چیز ذکر کی ہے کہ ایک دفعہ آں موصوف نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قریش کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے قبیلہ قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ”القرش“ ایک بحری جانور ہے جو اپنی فطری قوت اور طبعی صلابت میں مشہور ہے۔ اگر اس کا گزر دوسرے چھوٹے موٹے جانوروں پر ہو تو انھیں کھا جاتا ہے۔ شدت طبعی کی مناسبت سے قوم قریش کو بھی قریش کہتے ہیں۔ یہ بھی دیگر قبائل و اقوام پر اپنی صلابت اور شدت کی بنا پر غالب رہتے ہیں۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا اس مسئلہ پر آپ اشعار بھی پیش کر سکتے ہیں؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یحییٰ کے اشعار ذکر کیے۔

((عن هشام بن عروة، عن ابيه، عن ابي ریحانه العامري۔ ان معاوية رضی اللہ عنہ قال لابن عباس رضی اللہ عنہما فلم سمیت قریش قریشا؟ قال: لدابة تكون في البحر، تكون اعظم دوابه، يقال: لها ”القرش“ لا تمر بشيء من الغث و السمين الا اكلته۔ قال: فانشدني في ذلك شيئاً فانشدته شعر الجميحي اذ يقول

و قریش ہی التي تسكن البحر
 بها سمیت قریش قریشا
 تاكل الغث والسمین ولا تترك
 فيها لذی جناحین ریشا
 هكذا فی البلاد حبی قریش
 یاكلون البلاد اكلا کمیسا
 ولهم آخر الزمان نبی
 یكثر القتل فیهم والخموشا ۱

③ علمی مذاکرات کے سلسلے میں جناب عبداللہ بن عباس اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں تذکرہ ہوا۔ شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ اس مجلس میں قریش کے اکابرین بھی شامل تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ میں آپ سے چند مسئلے دریافت کر کے جوابات سننا چاہتا ہوں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دریافت کیجیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اللہ کی قسم وہ فقراء و مساکین کے حق میں بڑے شفیق تھے، قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے تھے، برائی سے منع کرنے والے تھے، دین خداوندی سے خوب واقف تھے، اللہ تعالیٰ سے خائف رہتے تھے، برے کاموں پر تنبیہ کرتے تھے، اچھائی کا حکم کرتے تھے رات کو تہجد میں قیام کرتے اور دن کو روزہ دار تھے پرہیزگاری میں اپنے ساتھیوں سے فائق تھے، قلیل گزران پر گزارہ کرنے والے تھے، زہد اور پاک دامنی میں سبقت کرنے والے تھے۔ جو شخص ان کی تنقیص کرتا ہے اور ان پر طعن کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

اس واقعہ کو شیعہ مورخ مرزا محمد تقی لسان الملک نے اپنی تصنیف تاریخ التواتر میں مسعودی شیعہ کے حوالے سے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

”مسعودی در مروج الذهب می نویسد کہ عبداللہ بن عباس بر معاویہ در آمد و در مجلس او جماعتی از بزرگان قریش حاضر بودند معاویہ رو با بن عباس کرد و گفت ہی مسئلے چند از تو پرسش کنم و پاسخ بشنوم فرمود از ہر چہ خواہی بہ پرس گفت چہ میگوئی در ابو بکر قال (ابن عباس) فی ابی بکر رحم اللہ ابابکر کان واللہ للفقراء رحیما وللقرآن تالیا وعن منکر ناہیا و بدینہ عارفا و من اللہ خائفا وعن المنہیات زاجرا وبالمعروف آمرا وباللیل قائما

وبالنهار صائما وفاق اصحابه ورعًا وكفافًا وسارهم زاهدا و عفافا فغضب
الله على من ينقصه ويظعن عليه^۱

حوالہ ہذا قبل ازیں کتاب رجاء پنجم حصہ صدیقی ص ۳۹۹ پر ذکر ہو چکا ہے۔ اور اس مجلس میں جو علمی گفتگو ہوئی اس میں حضرت صدیقی رضی اللہ عنہ کی صداقت و دیانت کا بیان ہے۔

یونانی طب کے لیے خدمات

① فن تاریخ کے علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک شخص ابن اثال لسانیات کا ماہر عالم تھا اس نے یونانی طب کی کتابوں کو جو یونانی زبان میں تھیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے عربی زبان میں منتقل کیا۔ اس دور میں طب یونانی کو عربی کی طرف منتقل کرنے کا پہلے پہل یہ اہم کام ہوا۔

② نیز لکھتے ہیں کہ مروان بن حکم کے دور میں بصرہ کے علاقہ میں ایک یہودی ماہر فن طبیب تھا اور عربی زبان دانی میں لائق فائق تھا۔ اس کو ماسرجویہ کہتے تھے اس شخص نے کتب طب کو سریانی زبان سے عربی زبان میں منتقل کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ کتاب ملک شام کے کتب خانوں میں موجود تھی خلیفہ موصوف نے اس کتاب کو حاصل کر کے لوگوں کی منفعت کی خاطر پھیلایا اور عوام تک پہنچائی۔

علامہ شبلی نعمانی رضی اللہ عنہ اپنے دور کے مشہور مصنف اور مورخ ہیں انھوں نے اس مسئلے پر جس کتاب (اخبار الحکماء و عیون الانباء) کا حوالہ دیا ہے وہ یہاں ہمیں میسر نہیں، تاہم ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی کتاب ”الانتقاد علی تمدن اسلامی“ سے یہ حوالہ نقل کیا گیا ہے۔

((فنقل ابن اثال لمعاویة رضی اللہ عنہ کتب الطب من اليونانية وهذا اول نقل فی الاسلام، وكان فی البصرة فی ایام مروان بن الحکم طبیب ماہر یہودی النحلہ عارف بالعربیة اسمہ ماسرجویة هذا کناش القس اہرون ابن اعین فی السریانیة الی العربیة، فلما تولى عمر بن عبدالعزیز وجد هذا الكتاب فی خزائن الکتب فی الشام فاخرجه الی الناس وبثہ فی ایدیہم))^۲

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قومی و ملی خدمات اور علمی و ثقافتی کارناموں کا احصاء و شمار کر لینا کوئی سہل امر نہیں تاہم مندرجات بالا میں چند ایک چیزیں بطور نمونہ پیش کر دی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف کا اس سلسلے میں کردار نہایت رفیع تھا انھوں نے علمی کارنامے اور خدمات سرانجام دینے میں قابل قدر مساعی کیں۔

۱ تاریخ مسعودی شیبی ص ۶۰ ج ۳ طبع مصر

۲ تاریخ التواریخ، ص ۱۴۳-۱۴۴ ج ۵ کتاب ۲، قدیم طبع ایران۔

۳ الانتقاد علی تمدن اسلامی (علامہ شبلی نعمانی) ص ۵۲ طبع قدیم۔

فصل ششم

مکارم اخلاق

اس مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے چند اخلاق و سیر ذکر کیے جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اعلیٰ اخلاق، عمدہ خصائل اور حسن معاملات سے لوگوں میں عزیز ہوتا ہے۔ لوگ اس چیز پر نظر کرتے ہیں کہ اس شخص کے ذاتی عادات و خصائل کیسے ہیں؟ اور لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ یہ شخص کس کردار کا مالک ہے؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں اور ان کے اخلاق نہایت کریمانہ تھے اور کردار بہت بلند تھا۔ حلم و بردباری ان کی نمایاں وصف تھی جس کے مخالفین بھی مقرر تھے اور وہ اس سلسلے میں اپنے دور میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے رواداری اور انصاف پسندی ان کا شیوہ تھا، حق بات کو تسلیم کرنا ان کا معمول تھا اور خدا خونی و خشیت الہی ان کے معاملات میں پائی جاتی تھی، عوام الناس کی قضائے حوائج ان کی بہترین خصلت تھی، ان کی مجالس لوگوں کے افادہ کے لیے منعقد رہتی تھیں اور خواص و عام کے حق میں منفعت بخش ہوتی تھیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعض احوال و کیفیات یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سے آں موصوف کی شخصیت کا مقام و مرتبہ اور ان کے رفیع اخلاق و کردار کا اندازہ ہو سکتا ہے اور ان کی نیک طینت اور صحیح فراست معلوم ہو سکتی ہے اور ان کی انصاف پسندی، رعایا کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری واضح ہوتی ہے۔

صفت حلم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اوصاف و اخلاق خصوصاً حلم و بردباری کے اعتبار سے اپنے ہم عصر لوگوں میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ چنانچہ مختلف علماء مثلاً ابن ابی الدنیا اور ابوبکر بن ابی عاصم وغیرہ بہت نے اس باب میں ان کے حق میں مستقل تصانیف لکھی ہیں۔ ذہبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

((قلت وكان يضرب المثل بحلم معاوية رضي الله عنه وقد افرد ابن ابی الدنیا و ابوبکر ابن ابی عاصم تصنیفا فی حلم معاوية))^۱

اور مورخین لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی صفت حلم و بردباری کا اعتراف فرماتے تھے چنانچہ اس سلسلے میں چند صحابہ کرام، تابعین اور بعض اکابر علماء کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

① محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا (حضرت) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ لوگوں میں بہت حوصلہ مند اور زیادہ حلیم الطبع ہیں تو حاضرین نے کہا کہ کیا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ؟ اس کے جواب میں جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے بہت بہتر اور افضل ہیں لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ بہت حلیم ہیں۔

((عن محمد بن سیرین عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال معاویہ رضی اللہ عنہ من احلم الناس؟ قالوا یا ابا عبد الرحمن وابوبکر رضی اللہ عنہ؟ قال ابوبکر رضی اللہ عنہ خیر من معاویہ رضی اللہ عنہ ومعاویہ رضی اللہ عنہ من احلم الناس))^۱

② مشہور صحابی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر میں موجود تھے انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصائل و فضائل بیان کرتے ہوئے حاضرین سے فرمایا کہ تمہارے خلیفہ ایسی شخصیت ہیں کہ (فطری طور پر) ان کی طبیعت کو اللہ تعالیٰ نے سہل، نرم اور حوصلہ مند بنایا ہے اور ان کے طریق کار کو درست اور معاملہ کو بہتر بنایا ہے۔ چنانچہ بلاذری نے اپنی مشہور تصنیف انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ:

((قال عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وذكر معاویہ رضی اللہ عنہ وهو بمصر ان امامکم لمن سهل الله خلیقته وقوم طریقته، واحسن صیغته))^۲

③ ایک اور بزرگ قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی ہم نشینی اختیار کی۔ میں نے ان سے زیادہ حلیم، جہالت سے دور رہنے والا اور زیادہ بردبار شخص کسی کو نہیں دیکھا۔

((وعن قبیصہ بن جابر قال صحبت معاویہ رضی اللہ عنہ فما رأیت رجلاً اثقل حلماً ولا ابطاً جهلاً ولا ابعدا اناة منه))^۳

④ اسی طرح محدثین اور مورخین کے اکابر علماء نے آں موصوف کی فطری سیرت کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۳۲۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (یہاں اس مضمون کی پانچ عدد روایات منقول ہیں)

۲ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۶، قسم اول جز رابع تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، طبع اول

۳ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۳ ج ۲ تحت ذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۵۶ ج ۳ تحت ۷۲۷۸ قبیصہ بن جابر۔

کتاب المعرفہ والتاریخ، (بسوی) ص ۴۵۸ ج ۱ تحت باب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

((انه كان جيد السيرة، حسن التجاوز، جميل العفو، كثير الستر، رحمه الله تعالى))^۱

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمدہ سیرت کے مالک، بہترین درگزر کرنے والے، اور اپنے کمالِ علم و وقار کی بنا پر (لوگوں کی خطاؤں اور عیوب پر) پردہ پوشی کرنے والے تھے۔“

تائید از شیعہ

⑤ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کریمانہ اوصاف کا شیعہ مورخین نے بھی اعتراف کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ (حضرت) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کریمانہ اوصاف اور صفتِ حلم و زیرکی کے مالک تھے اور مالی سخاوت کے وصف سے متصف تھے۔

((وكان لمعاوية حلم ودهاء وجود بالمال على المداراة))^۲

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حلم اور بردباری کے سلسلے میں ایک دو واقعات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ بلاذری نے ذکر کیا ہے کہ شععی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار (عطاء مال کے سلسلے میں) ایک انصاری بزرگ کی طرف پانچ سو دینار بھیجے تو اس انصاری نے اس رقم کو قلیل شمار کرتے ہوئے اپنے فرزند پر قسم ڈالی کہ تو اس رقم کو لے جا کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے منہ پر مار دے۔ (یعنی یہ رقم قلیل ہے ہمیں منظور نہیں)۔ ان کے فرزند اپنے والد کی ہدایت کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت موصوف نے آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا اے امیر المؤمنین! میرے والد گرامی کے مزاج میں طیش اور حدت زیادہ ہے اس نے مجھے قسم دے کر یہ کہا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (اس کی قسم پوری کرنے کے لیے) اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر رکھ لیا اور انصاری کے مذکورہ فرزند کو فرمایا کہ اپنے والد کی فرمائش پوری کر لے لیکن اپنے چچا (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رفق اور نرمی کا معاملہ کرنا۔ پھر اس نے اسی طرح کیا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انصاری مذکور کے لیے شفقت فرماتے ہوئے ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا..... الخ

((فوضع يده على وجهه وقال افعل ما امرك به ابوك وارفق بعمك فرمى

الدنانير وامر معاوية للانصاري بالف دينار))^۳

۱۔ الہدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۶ ج ۸ تحت ذکر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

۲۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۲ ج ۳ تحت ذکر امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳۔ تاریخ یعقوبی شیعہ ص ۲۳۸ ج ۲ تحت وفاة الحسن بن علی

۴۔ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶۳۔ ج ۱ جزء رابع۔ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

کتاب الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ ص ۹۶، ۹۵ طبع مصر از محمد بن علی بن طباطبائی شیعہ، تالیف ہذا (۱۰۷۰ھ)

۲۔ ماوردی نے ایک واقعہ چادروں کی تقسیم کے متعلق ذکر کیا ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے کچھ چادریں تقسیم کیں اور اہل دمشق میں سے ایک شخص کو ایک چادر حصہ میں ملی مگر اس کو پسند نہ آئی۔ جوش میں آ کر اس نے خیر سے قسم کھالی کہ میں چادر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر پر ماروں گا۔ اس قصد کے تحت وہ صاحب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ پہنچے اور اپنے حلف کا ذکر کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (کمال حلم اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ آپ اپنی قسم پوری کر لیں لیکن آپ اس معاملہ میں میرے ساتھ رفیق اور نرمی اختیار کریں۔

((وقسم معاویة رضی اللہ عنہ قطفًا فاعطی شیخا من اهل دمشق قطیفة فلم تعجبہ۔

فحلف ان يضرب بها رأس معاویة۔ فاتاه فاخبره فقال له معاویة رضی اللہ عنہ اوف

بنذرك و ليرفق الشيخ بالشيخ))^۱

اسی صفت حلم و بردباری کے بارے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کچھ اقوال بطور تجزیہ اور تجربہ کتابوں میں پائے جاتے ہیں جو علماء نے نقل کیے ہیں:

۱۔ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ”لا حلم الا التجارب“^۲ یعنی تجربات کے بعد ہی صفت حلم حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ آں موصوف نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ

((قال معاویة رضی اللہ عنہ: لا يبلغ الرجل مبلغ الراى حتى يغلب علمه جهله

وصبره شهوته ولا يبلغ ذلك الا بقوة الحلم))^۳

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انسان صاحب الرائے نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا علم

اس کے جہل پر اور اس کا صبر اس کی خواہشات پر غالب نہ ہو جائے، اور انسان اس درجہ تک قوت

حلم کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔

مروت

اور ”صفت مروت“ کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بعض تشریحات علماء نے ذکر کی ہیں چنانچہ مروت کے مفہوم کی تشریح میں آں موصوف کے بعض اقوال پیش خدمت ہیں:

① ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروت کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ مروت چار

۱۔ ادب الدنيا والدين (ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب بصری الماوردی، المتوفی ۲۵۰ھ) ص ۲۹، تحت الفصل الرابع فی الحلم والغضب

۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء، طبع کراچی

۳۔ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۳۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

چیزوں میں ہوتی ہے: اسلام میں پاکدامنی، مال کا صحیح اور جائز طریقے سے حاصل کرنا، اقربا کی رعایت رکھنا اور پڑوسیوں کے ساتھ تعاون کرنا۔

((عن ابی بھر قال قال معاویہ رضی اللہ عنہ المروۃ فی اربع: العفاف فی الاسلام،

واستصلاح المال، وحفظ الاخوان، وعودن الجار))^۱

② اسی طرح ایک دوسرے موقع پر آپ سے دریافت کیا گیا کہ مروت کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا دینی معاملات میں دامن صاف رکھنا اور معیشت میں اصلاح رکھنا۔

((وروینا عن ابی سوار قال قیل لمعاویہ رضی اللہ عنہ ما المروۃ؟ قال العفاف فی

الدين واصلاح فی المعیشتہ))^۲

③ اور ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو بکر احنف بن قیس سے فرمایا کہ مروت کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ دین میں تفقہ اور پاکدامنی اور والدین کے ساتھ احسان کرنا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات ٹھیک ہے۔

((وقال معاویہ رضی اللہ عنہ للاحنف یا ابا بھر ما المروۃ؟ قال الفقه فی الدين

والعفاف و بر الوالدین فقال معاویہ رضی اللہ عنہ هو ذاك))^۳

بعض حکیمانہ اقوال اور جائزے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بعض امور سے متعلق حکیمانہ جائزے اور تجزیے علماء نے ذکر کیے ہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں چند چیزیں پیش خدمت ہیں:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دینی مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اصحاب رسول اس عالم سے رخصت ہو جائیں گے تو ورع اور تقویٰ نہ رہے گا۔ یعنی جس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ اوصاف بوجہ اتم پائے جاتے تھے اسی طرح یہ اوصاف بعد میں کامل درجہ میں نہیں پائے جائیں گے۔

((قال معاویہ رضی اللہ عنہ اذا ذهب اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ذهب الورع))^۴

② اور ایک بار حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے انسانی اخلاق کے متعلق تجزیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۴۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ اسفن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۹۵ ج ۱۰ باب بیان مکارم الاخلاق ومعالجھا..... الخ، طبع دکن

۳ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۲۰ ج ۲ جزء رابع قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۴ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۳۰ جزء رابع قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

کہ ”انسان کو جو بہترین چیز عطا کی گئی ہے وہ عقل اور حلم (حوصلہ مندی) ہے۔ جب اسے نصیحت کی جائے تو وہ اسے قبول کرے، اور اگر اسے عطیہ دیا جائے تو وہ شکر یہ ادا کرے، اور جب وہ آزمائش میں مبتلا ہو تو صبر کرے اور اگر وہ غضبناک ہو تو غصہ کو پی جائے، اور اگر کسی سے وہ بدلہ لینے پر قادر ہو تو بخش دے، اور اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے، اور اگر سمجھایا جائے تو رک جائے۔“

((قال معاویة رضی اللہ عنہ افضل ما اعطيه الرجل العقل والحلم فان ذكر ذكر و ان اعطى شكرو ان ابتلى صبر و ان غضب كظم و ان قدر غفر و ان اساء استغفر و ان وعظ ازدجر))^۱

مطلب یہ ہے کہ انسان کے حق میں یہ بہترین فضیلت کی چیزیں ہیں اور عقلمندی اور حوصلہ مندی کے ذریعے ہی سے یہ حاصل ہو سکتی ہیں۔

③ اور ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاسد کے متعلق ایک نفیس جائزہ ذکر فرمایا کہ

((قال ابن السماك قال معاویة رضی اللہ عنہ كل الناس استطيع ان ارضيه الا حاسد نعمة فانه لا يرضيه الا زوالها))^۲

”یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نعمت پر حسد کرنے والے شخص کے سوا میں ہر شخص کو راضی کرنے کی استطاعت رکھتا ہوں کیونکہ حاسد زوال نعمت کے بغیر راضی نہیں ہو سکتا۔“

④ عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (اخلاقیات پر تبصرہ کرتے ہوئے) تحریر فرمایا کہ:

۱۔ ہدایت یافتہ اور راہ راست پر وہ شخص ہے جس نے جلد بازی سے منہ موڑ لیا۔

۲۔ اور خسارہ میں وہ آدمی ہے جس نے بردباری اور آہستگی سے روگردانی اختیار کی۔

۳۔ اور ثابت قدم رہنے والا انسان مقصد یافتہ ہوتا ہے۔

۴۔ اور جلد باز شخص خطا کار اور چوک جانے والا ہے۔

۵۔ جس کو رفق و نرمی نفع نہیں بخشتی اس کو شدت و سختی نقصان دہ ہوگی۔

۶۔ جس شخص کو تجربہ کاری فائدہ نہیں دیتی وہ بلند مراتب نہیں پاسکتا۔

۷۔ جب تک انسان کا صبر اس کی خواہشات پر اور اس کا حوصلہ اور حلم اس کے جذبات پر غالب نہ آجائے وہ بلندی رائے اور عالی فکر حاصل نہیں کر سکتا۔

۱۔ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۳۱ جز رابع قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲۔ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۴۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

(.....نا عبد الله بن المبارك قال كتب معاوية رضی اللہ عنہ الى عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اما بعد: فان الرشيد من رشد عن العجلة وان الخائب من خاب عن الاناة وان المثبت مصيب او كاد ان يكون مصيبا وان العجل مخطى او كاد يكون مخطيا ومن لا ينفعه الرفق يضره الخرق ومن لا ينفعه التجارب لا يبلغ المعالى ولا يبلغ رجل مبلغ الراى حتى يبلغ صبره شهوته وحلمه غضبه))^۱

خشیت الہی اور فکر آخرت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عام حالات زندگی میں اللہ سے بہت ڈرنے والے تھے آپ کے خوف آخرت اور خشیت الہی کے تاریخ میں بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں:

① محدثین نے لکھا ہے کہ ایک شخص شفیاء صبحی (جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جلا د تھا) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نبوی سماعت کی کہ آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز تین اشخاص (عالم، مجاہد، کثیر المال) سے اولاً حساب کتاب لیا جائے گا اور وہ لوگ اپنی فاسد نیات اور غلط ارادوں کی بنا پر اس محاسبہ میں ناکام رہیں گے۔

((اولئك الثلاثة اول خلق الله تسعربهم النار يوم القيامة)) (مختصر)

”یعنی ان تین قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن دوزخ کی بھڑکتی آگ میں جلایا جائے گا۔“

یہ روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سنائی گئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((فقال معاوية رضی اللہ عنہ قد فعل بهؤلاء هذا فكيف بمن بقى من الناس ثم بكى

معاوية رضی اللہ عنہ بكاء شديدا حتى ظننا انه هالك..... ثم افاق معاوية رضی اللہ عنہ و مسح

عن وجهه وقال صدق الله ورسوله من كان يريد الحيوٰة الدنيا وزيئتها توفي اليهم

اعمالهم فيها وهم فيها لا يبخسون ② اولئك الذين ليس لهم في الاخرة الا النار ③ وحوط

ما صنعوا فيها وابطل ما كانوا يعملون))^۲

”یعنی جب ان مذکورہ لوگوں کے ساتھ اس طرح محاسبہ اور گرفت کا معاملہ کیا جائے گا تو باقی لوگوں

کا کیا حال ہوگا؟ خشیت الہی کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سخت گریہ طاری ہو گیا۔ حاضرین

مجلس ایسا گمان کرنے لگے کہ اس میں ان کی جان جاتی رہے گی۔ پھر اس کیفیت کے بعد جب

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی عکسی) ص ۷۳۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ ترمذی شریف ص ۶۱ ج ۲ طبع مجتہائی دہلی ص ۳۳۳ ج ۲ طبع لکھنؤ قدیم، تحت ابواب الزہد، باب ما جاء في الرياء والسمعة

کتاب الزہد والرقائق (عبد اللہ بن مبارک) ص ۱۶۰ باب ذم الرياء والعجب... الخ طبع مالیکاون، ہند

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سنبھلے اور اپنے چہرے کو آنسوؤں سے صاف کیا اور فرمایا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: مَنْ كَانَ يُرِيدُ..... الخ

④ اسی سلسلے میں ایک دوسرا واقعہ اس طرح علماء نے ذکر کیا ہے کہ ایک صحابی ابو مریم ازدی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنجناب رضی اللہ عنہم کی ایک حدیث بیان کی کہ ”جس شخص نے حاجت مند کے سامنے اپنا دروازہ بند کر لیا اس کی حاجت روائی نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کا دروازہ آسمان سے بند فرمادیں گے۔“

((قال فاكب معاوية رضي الله عنه يبكي ثم قال رد حديثك يا ابا مریم! فردہ فقال معاوية رضي الله عنه ادعوا الي سعدا وكان حاجبه فدعى فقال يا ابا مریم! حدثه انت كما سمعت فحدثه ابو مریم فقال معاوية رضي الله عنه لسعد اللهم اني اخلع هذا من عنقي واجعله في عنقك. من جاء يستاذن فاذن له يقضى الله له على لسانی ما قضی))^۱

”یعنی یہ حدیث مبارک سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اوندھے گر کر رونے لگے اور پھر اپنے دربان سعد نامی کو بلوایا اور ابو مریم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرمان نبوی دوبارہ سنائیے تو انھوں نے دوبارہ حدیث مذکور سنائی اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سعد سے فرمایا کہ یہ معاملہ میں نے اپنی گردن سے اتار کر تیری گردن میں ڈال دیا ہے اور حکم دیا کہ جب بھی کوئی حاجت مند آئے اسے میرے ہاں پہنچنے کی اجازت دی جائے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے حق میں میری زبان پر جو فیصلہ چاہیں گے، کریں گے۔“

⑤ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اسی نوع کے کئی واقعات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ متعدد محدثین نے اپنی اسناد کے ساتھ واقعہ ذیل نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ایک فرمان نبوی ارشاد فرمایا۔ عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آنجناب نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے امور اور معاملات کا والی اور حاکم بنایا پھر اس نے لوگوں کی حاجت و ضروریات کے سامنے حجاب اور رکاوٹ ڈال دی تو اللہ تعالیٰ اس کی قضائے

۱ کتاب الکنی (دولابی) ص ۵۳ ج ۵۳ تحت ابی مریم الازدی

طبقات ابن سعد ص ۱۵۰ ج ۷ قسم ثانی تحت مریم الازدی

جامع الاصول (ابن اثیر جزری) ص ۴۳۵ ج ۴ فصل ثالث فیما سبب علی الامام والامیر

ریاض الصالحین (امام نووی) ص ۲۹۲ باب امر ولایة الامور بالرفق برعایاہم۔

حاجات میں حجاب اور رکاوٹ ڈال دے گا اور اپنے رحمت کے دروازے اس شخص پر بند فرما دے گا۔
فرمان نبوی ہذا معلوم کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کی داد
رسی کے لیے مستقل طور پر آدمی مقرر فرما دیا۔

یہاں سے آپ کی خشیت الہی اور فکر آخرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

((عن عمرو بن مرة انه قال لمعاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سمعت رسول الله ﷺ يقول من
ولاه الله شيئا من امر المسلمين فاحتجب دون حاجتهم وخلتهم وفقرهم
احتجب الله دون حاجته وخلته وفقره فجعل معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ رجلا على
حوائج الناس۔ رواه ابو داود والترمذی۔ وفي رواية له ولاحمد "اغلق الله
له ابواب السماء دون خلته وحاجته ومسكنه"))^۱

فائدہ

ناظرین کرام پر واضح رہے کہ مندرجہ روایات محض تاریخی روایات نہیں ہیں جو رطب و یابس پر مشتمل
ہوتی ہیں بلکہ کبار محدثین نے یہ واقعات اپنے اسانید کے ساتھ احادیث کی کتب میں ذکر کیے ہیں اور عند
المحدثین مقبول کے درجہ میں ہیں۔

ان واقعات کی روشنی میں یہ امر واضح ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر خشیت الہی طاری رہتی تھی اور فکر آخرت
کا ان پر غلبہ تھا، لوگوں کی حاجت روائی کا انھیں پورا پورا احساس تھا اور آں موصوف رعایا کی داد رسی کے لیے
کوشش فرمایا کرتے تھے اور عوام و خواص کے حوائج کے پورا کرنے کا انتظام کرتے تھے یہ چیزیں آں موصوف
کے اخلاص فی الدین اور خدا خونی کے بین دلائل ہیں۔

تشبیہ

ان میں سے بعض روایات قبل ازیں ”مسئلہ اقربا نوازی“ کے ص ۱۵۰-۱۵۱ پر درج ہو چکی ہیں۔

اعتراف حقیقت

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں نہایت عمدہ یہ خصلت پائی جاتی تھی کہ آنجناب اپنے سابق خلفاء کی بلند

۱ ابوداؤد شریف ص ۵۳ ج ۲ تحت کتاب الخراج والفتن الخ طبع مہجائی دہلی۔

مشکوٰۃ شریف بحوالہ ابوداؤد ترمذی ص ۳۲۳، فصل ثانی، باب ما علی الولاة من التفسیر

الاصابہ (ابن حجر) ص ۱۶ ج ۳ تحت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ

الفتح الربانی ص ۱۹ ج ۲۳ فصل فی وعید من اجب الخ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۶ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بحوالہ ترمذی

مسند عبد بن حمید ص ۱۱۹ تحت حدیث عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ طبع بیروت

سیرت اور اعلیٰ کردار کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے مقام اور موقف کو ہمیشہ صفائی کے ساتھ متعین رکھتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں انھوں نے ایک بار خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ:

((خطب معاویہ رضی اللہ عنہ فقال ایہا الناس! واللہ لنقل الجبال الراسیات ایسر من اتباع ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما فی سیرتہما ولکنی سالك بکم طریقا یقصر عنم تقدمنی ولا یدرکنی فیہا من بعدی))^۱

”یعنی اے لوگو! اللہ کی قسم حضرات شیخین حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت کا اتباع کرنے سے بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنے مقام سے دوسری جگہ منتقل کرنا نہایت آسان ہے۔ لیکن میں تمہارے لیے ایسا طرز عمل اختیار کروں گا جو میرے پیش رو خلفاء سے تو کم درجہ میں ہوگا مگر میرے بعد آنے والے اسے نہیں پاسکیں گے۔“

② اسی طرح آں موصوف نے ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ میں تم میں سے بہترین نہیں ہوں اور مجھ سے بہتر افاضل تم لوگوں میں موجود ہیں مثلاً عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما وغیرہما۔ لیکن امید ہے کہ میں تمہارے دشمن کو زیادہ کاری ضرب لگانے والا ہوں گا اور حکمرانی کے اعتبار سے تمہارے لیے زیادہ نفع بخش اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے بہترین ثابت ہوں گا۔

((قال سمعت معاویہ رضی اللہ عنہ وهو یقول انی لست بخیرکم وان فیکم من هو خیر منی عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عمرو و غیرہما من الافاضل۔ ولکنی عسیت ان اکون انکاکم فی عدوکم وانفعکم لکم ولایة واحسنکم خلقتا))^۲

آں موصوف کے یہ بیانات محض عاجزی پر محمول نہیں بلکہ وہ اپنے پیشرو خلفاء کی فوقیت اور رفعت مقام کے حقیقتاً معترف تھے اور اس معاملے میں انھوں نے ہمیشہ راست گوئی سے کام لیا ہے، کوئی خفا نہیں رکھا۔ نیز اہل اسلام کے حق میں اپنے بہترین کردار کو تحدیثِ نعمت کے طور پر واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا۔ اور فی الواقع اعدائے اسلام کو زیر کرنے اور مغلوب کرنے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کمال حذاقت اور نمایاں صلاحیت رکھتے تھے۔ یہ اوصاف قدرت کی طرف سے ان کی طبع میں ودیعت کر دیے گئے تھے اور عطائے الہی تھے۔

۱۔ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۱۲ ج ۳ تحت تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ (طبع یرشلیم)

۲۔ تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی) ص ۲۵۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۲ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (طبع اول مصری)

اظہار مافی الضمیر کی آزادی اور اعتراف قصور

① ایک شخص حمید بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ وہ ایک دفعہ ایک ضرورت کی خاطر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تسلیمات ذکر کیں۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے خلوت میں دریافت کیا کہ اے مسور! آپ ولایت و حکام پر طعن کیا کرتے تھے اب وہ کس طرح کے ہیں؟ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ اس بات کو رہنے دیجیے اور جو کچھ میں نے گزارش کی ہے اس میں اچھا معاملہ کیجیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ ناقدانہ کلام ضرور ذکر کریں اور آپ مجھ پر جو عیب لگاتے ہیں وہ بیان کریں۔ حضرت مسور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان پر جو عیب لگاتا تھا ان کو آپ کے سامنے بیان کر دیا۔

اس کے جواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گناہوں سے بری ہونے کا دعویدار نہیں ہوں۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے بھی ایسے کچھ گناہ ہیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمائیں تو ان کی وجہ سے آپ ہلاکت کا خوف رکھتے ہوں؟ مسور رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں میرے بھی کئی گناہ (معاصی) ایسے ہیں کہ اگر وہ معاف نہ کیے گئے تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کس بنا پر آپ مجھ سے زیادہ مغفرت کے حقدار ہیں؟ جبکہ اللہ کی قسم میں لوگوں کے درمیان اصلاح کرتا ہوں، اقامت حدود، جہاد فی سبیل اللہ اور دینی و ملی اہم کام سرانجام دیتا ہوں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ یہ سب چیزیں ان عیوب اور ذنوب سے جو آپ ذکر رہے ہیں کثیر تعداد میں ہیں اور میں اللہ کے دین پر ہوں جس میں اللہ تعالیٰ حسنات کو قبول کرتے ہیں اور خطاؤں سے درگزر فرماتے ہیں۔ واللہ! جس معاملے میں مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے خلاف کرنے میں اختیار دیا گیا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پسند کرتا ہوں اور غیر کو ترک کر دیتا ہوں۔

حضرت مسور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ کلام سن کر اپنی جگہ غور و فکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے مورد الزام ٹھہرایا ہے اور وہ مجھ پر اس گفتگو میں غالب رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت مسور رضی اللہ عنہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے تھے تو ان کے حق میں دعا کرتے اور کلمات خیر سے یاد کرتے تھے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں معترض کو بھی ناقدانہ اظہار رائے کی مکمل آزادی تھی اعتراض کرنے سے کچھ ممانعت نہ تھی اور خود آں موصوف کو اعتراف قصور میں کوئی حجاب نہیں ہوتا تھا، حق بات تسلیم کرتے اور ناروا نقد سے اغماض برتتے تھے۔

چنانچہ واقعہ ہذا کو حافظ ابن کثیر و ابن عساکر و ابن عبدالبر اور حافظ ذہبی وغیرہ رحمہم اللہ نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔ یہاں البدایہ کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے تاکہ اہل ذوق حضرات مزید فوائد بھی حاصل کر سکیں:

((عن حمید بن عبدالرحمن ثنا المسور بن مخرمة رضی اللہ عنہ انه وفد علی معاویة رضی اللہ عنہ قال: فلما دخلت علیہ حسبت انه قال سلمت علیہ۔ فقال ما فعل طعنك علی الائمة یا مسورا؟ قال قلت: ارفضنا من هذا واحسن فیما قدمنا له۔ فقال: لتکلمنی بذات

نفسك قال: فلم ادع شيئاً اعيبه عليه الا اخبرته به۔ فقال: لا اتبرأ من الذنوب، فهل لك من ذنوب تخاف ان تهلكك ان لم يغفرها الله لك؟ قال: قلت نعم! ان لى ذنوبا ان لم تغفرها هلكت بسببها، قال: فما الذى يجعلك احق بان ترجوا انت المغفرة منى، فو الله لما الى من اصلاح الرعايا واقامة الحدود والاصلاح بين الناس والجهاد فى سبيل الله والامور العظام التى لا يحصيها الا الله ولا نحصيها اكثر مما تذكر من العيوب والذنوب، وانى لعلى دين يقبل الله فيه الحسنات ويعفو عن السيئات، والله على ذلك ما كنت لاخير بين الله وغيره الا اخترت الله على غيره مما سواه۔ قال ففكرت حين قال لى ما قال فعرفت انه قد خصمنى قال: فكان المسور رضي الله عنه اذا ذكره بعد ذلك دعا له بخير) ^۱

انصاف پسندی، رواداری اور حقوق کی رعایت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رعایا کے ساتھ نہایت احسن معاملہ رکھتے تھے اور مزاج میں انصاف پسندی تھی اور حق بات کو تسلیم کرنا ان کا شیوہ تھا اور دوسروں کے حقوق کی رعایت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اس طریقے سے ان کا اعلیٰ اخلاق ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں چند چیزیں پیش خدمت ہیں (تمام واقعات کا احصا اور شمار مشکل امر ہے)۔

مندرجات ذیل پر نظر کرنے سے واضح ہوگا کہ حضرت موصوف کے دور میں لوگوں کی آزادی مسلوب نہیں تھی اور ان کی رائے پر پابندی نہیں ہوتی تھی، جائز مطالبات کے حصول میں ان پر کوئی قدغن نہ تھی اور آپ تعمیری تنقید کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

① یعلیٰ بن شداد کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں طاعون سے فرار کرنے کا ذکر کیا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، فرمانے لگے کہ آپ کی ماں ہند آپ سے زیادہ واقف و عالم تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ تمام کیا اور نماز پڑھائی۔ اس کے بعد عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیج کر انھیں بلوایا۔ چند انصاری بھی ان کے ساتھ تھے، آپ نے ان کو روک دیا، صرف عبادہ رضی اللہ عنہ کو اجازت دی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کھاتے اور اپنے امام سے حیا نہیں کرتے؟ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیلۃ العقبہ میں اس بات پر بیعت کی تھی کہ میں دین کے معاملے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خائف نہیں ہوں گا۔

اس کے بعد عصر کے وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز ادا کی اور منبر کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا کہ میں نے منبر پر حدیث بیان کی پھر مکان پر گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ عبادہ رضی اللہ عنہ نے جس طرح حدیث ذکر کی ہے وہ درست ہے۔ پس ان سے حدیث حاصل کرو۔ وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳-۱۳۴ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی) ص ۲۴۳-۲۴۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الاستیعاب مع الاصابہ ص ۲۸۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

سیر اعلام النبلا (ذہبی) تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

((..... عن یعلیٰ بن شداد بن اوس قال: ذکر معاویة الفرار من الطاعون فی خطبته۔ فقال عبادة: امک هند اعلم منک فأتتم خطبته۔ ثم صلی ثم ارسل الی عبادة فنفرت رجال من الانصار معه۔ فاحتبسهم وادخل عبادة۔ فقال له معاویة الم تتق الله وتستحی امامک؟ فقال عبادة الیس قد علمت انی بایعت رسول الله ﷺ لیلۃ العقبة انی لا اخاف فی الله لومة لائم؟ ثم خرج معاویة عند العصر و صلی العصر ثم اخذ بقائمة المنبر فقال: ایها الناس انی ذکرت لکم حدیثاً علی المنبر فدخلت البیت۔ فاذا الحدیث کما حدثنی عبادة۔ فاقتبسوا منه۔ فهو افقه منی))^۱

④ دمشق میں نصاریٰ کا ایک کنیسہ یوحنا تھا جو مسجد سے ملحق تھا اس کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ اس کا مسجد کے ساتھ الحاق کر کے مسجد میں شامل کر دیا جائے۔ نصرانیوں نے اس اقدام کو ناپسند کیا اور الحاق کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ اقدام کرنے سے رک گئے اور ان سے کوئی زیادتی نہیں کی۔

((قالوا ولما ولی معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اراد ان یزید کنیسة یوحنا فی المسجد بدمشق فابی النصارى فامسک))^۲

⑤ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک کارکن وردان (مولیٰ عمرو) کی طرف حکم نامہ ارسال کیا کہ قبلی قوم کے ہر فرد پر ایک قیراط^۳ (خراج) کا اضافہ کر دیں۔ وردان نے جواباً لکھا کہ ان کے ساتھ معاہدہ میں یہ چیز درج ہے کہ ان پر ٹیکس نہیں بڑھایا جائے گا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی صحیح بات کو تسلیم کر لیا اور ان کے ساتھ رواداری کرتے ہوئے کوئی تعرض اور تجاوز نہیں کیا اور اپنے اس حکم کو واپس لے لیا۔

((عن یحییٰ بن ایوب عن عبیدالله بن ابی جعفر قال کتب معاویة رضی اللہ عنہ الی وردان مولیٰ عمرو ان زد علی کل امرء من القبط قیراطاً فکتب الیه کیف ازید علیہم وفی عہدہم ان لا یزاد علیہم))^۴

⑥ اسلام میں قاعدہ یہ ہے کہ قیدیوں کے ساتھ خاص رعایت اور بہتر سلوک کا معاملہ کیا جائے اور ان کے خور و نوش کا انتظام اچھا ہو اور سردیوں اور گرمیوں کی مناسبت سے انھیں صحیح لباس مہیا کیا جائے۔

سب سے پہلے عراق کے علاقہ میں اس کا اہتمام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں کیا گیا۔ اس کے

۱۔ معجم اوسط (طبرانی) ج ۹ ص ۸۸ روایت ۸۱۸۳ طبع ریاض

۲۔ کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۱۳۱ تحت فتح مدینہ دمشق وارضہا۔

۳۔ قیراط درہم یا دینار کا قلیل سا حصہ ہے۔

۴۔ کتاب فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۲۵ تحت عنوان فتوح مصر و المغرب۔

بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے مذکورہ انتظامات علاقہ شام میں کیے۔ بعدہ باقی خلفاء بھی اس پر عمل درآمد کرتے رہے۔

((ولم تزل الخلفاء یا امیر المؤمنین تجری علی اهل السبحون ما یقوتهم فی طعامهم وادمهم وکسوتهم الشتاء والصیف۔ واول من فعل ذالک علی بن ابی طالب کرم الله وجهه بالعراق ثم فعله معاویة رضی اللہ عنہ بالشام۔ ثم فعل ذالک الخلفاء من بعده))^۱

متنبیہ

عبارت ہذا میں امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہارون الرشید کو خطاب کرتے ہوئے مسئلہ ہذا کی وضاحت ذکر کی ہے۔

⑤ اور مقریزی نے اپنی تصنیف ”الخطط“ میں عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف ذمیوں سے کیے گئے عہد و پیمان کو طحوظ رکھتے ہوئے ان سے بہتر سلوک روارکھتے اور ان پر کسی قسم کا تجاوز نہیں فرماتے تھے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے علاقہ مصر کے والی اور حاکم تھے۔ ایک دفعہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا جس میں قریہ عقبہ میں ایک کنواں کھدوانے اور مساکن و منازل تعمیر کرانے کی اجازت طلب کی۔ جواب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دس لاکھ ذراع رقبہ زمین حاصل کر کے اس میں آباد کاری کی جائے اور عمارات تعمیر کی جائیں۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو موالی اور حاضرین نے ذکر کیا کہ وہ زمین نہایت عمدہ ہے اس میں حدود متعین کر کے مکانات وغیرہ تعمیر کرائے جائیں لیکن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ یہ چیز ہمارے لیے جائز نہیں کیونکہ ان لوگوں کے ساتھ ہمارے معاہدہ کی چند شرائط ہیں:

۱۔ کہ ہم ان کی زمین اپنی تحویل میں نہیں لیں گے۔

۲۔ ان سے زیادتی نہیں کریں گے۔

۳۔ ان کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیں گے۔

۴۔ ان کی اولاد کو گرفت میں نہیں لیں گے۔

۵۔ ان کی طرف سے ان کے دشمن کی مدافعت کریں گے۔

چنانچہ اس صورت حال کے واضح ہو جانے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ عہد و پیمان کی رعایت کرتے ہوئے کوئی تعرض نہیں کیا اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ وضاحت کو تسلیم کر لیا۔

((کتب عقبہ رضی اللہ عنہ الی معاویة رضی اللہ عنہ یسأله نقیعا فی قریة یبنی فیها منازل و مساکن فامر له معاویة رضی اللہ عنہ بالف ذراع فی الف ذراع فقال له موالیہ ومن کان عنده انظر الی ارض تعجبک فاخطط فیها وابتن۔ فقال انه لیس لنا ذالک۔ لهم فی عہدہم ستة شروط منها ان لا یؤخذ من ارضہم شیء ولا یزاد

عليهم ولا يكلفوا غير طاقتهم ولا تؤخذ ذراريهم وان يقاتل عنهم عدوهم
من ورائهم))^۱

⑥ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اسی نوعیت کا ایک دیگر واقعہ ذکر کیا جاتا ہے جس میں انصاف پسندی اور حق بات کو تسلیم کرنا واضح طور پر ثابت ہے:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ طیبہ میں کچھ آباد زمین تھی اور اس پر ان کا نصیر نامی ایک وکیل متعین تھا۔ اس رقبہ کے ساتھ ہی ملحقہ رقبہ اراضی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے برادر زادے عبدالرحمن بن زید بن خطاب کی ملکیت تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وکیل اور عبدالرحمن بن زید کے درمیان اس رقبہ کے متعلق تنازع پیدا ہو گیا۔ وکیل نے کہا کہ زمین کا یہ حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ہے جبکہ حضرت عبدالرحمن بن زید نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہمارا حق ہے۔ اس تنازع کے بعد عبدالرحمن بن زید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام چلے گئے۔ وہاں تنازعہ فیہ واقعہ کی تفصیلات ذکر کیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قاضی فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں جو فیصلہ فرمائیں وہ منظور ہے۔

چنانچہ فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانبن کے بیانات ہوئے اور قاضی صاحب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اور عبدالرحمن بن زید کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم آپ کا فیصلہ قبول کرتے ہیں۔

((فراى فضالة (بن عبید الانصاری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ) ان القول قول عبدالرحمن رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

والحق معه فقضى به فقال معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فنقبل ما قلت..... الخ))^۲

مختصر یہ ہے کہ واقعہ ہذا سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق پسند تھے، حق بات کو تسلیم کرنے والے تھے اور غیر کے حقوق میں تجاوز نہیں روار کھتے تھے۔

یہ واقعہ ”جواب الطاعن“ میں ظلم و زیادتی کے عنوان کے تحت ذکر ہو چکا ہے۔ تفصیلات کے لیے کتاب ہذا کی دوسری جلد جواب الطاعن کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

⑥ ایک بزرگ زید بن صوحان اپنے قبیلہ عبدالقیس کے سردار اور فاضل دیندار شخص تھے لیکن بعض امور میں نظریاتی طور پر ان کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلاف تھا۔ ایک موقع پر آں موصوف کو کسی معاملہ میں کوفہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ وہاں ان کے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان کچھ مناقشانہ گفتگو ہوئی۔ تاہم اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا اور سخت

۱ کتاب المواعظ والاعتبار المعروف بالخطبة المقریہ، ص ۲۰۸ ج ۱ تحت ذکر مدیہ عقبہ، طبع معمر

۲ الانساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۱۰ ج ۱۱۲ ص ۳ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان؛ ن

رویہ اختیار نہیں کیا بلکہ ارشاد فرمایا کہ آپ ایک صادق اور صالح انسان ہیں آپ واپس کوفہ چلے جائیں۔ اور ساتھ ہی کوفہ کے حاکم سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو زید بن صوحان کے حق میں بطور وصیت تحریر فرمایا کہ چونکہ یہ ایک صاحب فضیلت، نیک کردار کے حامل اور معتدل شخص ہیں اس لیے ان کے ساتھ بہتر معاملہ کیا جائے اور ان کو کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہ پہنچے۔

((فقال له معاوية رضی اللہ عنہ يا زيد! انك امرء صدق واذن له بالرجوع الى الكوفة وكتب الى سعيد بن العاص يوصيه به لما راى من فضله وهديه وقصده وامر باحسان جواره وكف الاذى عنه))^۱

⑧ اسی طرح مورخ بلاذری نے کتاب ”انساب الاشراف“ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے فرزند کا وظیفہ مروان بن حکم نے ایک دفعہ اس وجہ سے بند کر دیا کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں مخالفانہ رویہ اختیار کیا تھا۔ جب اس امر کی اطلاع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے مروان بن حکم کی طرف ایک حکم نامہ میں تحریر فرمایا کہ:

((عن قتادة قال حرم مروان بن الحكم ابنا لصهيب رضی اللہ عنہ عطاءه فبلغ ذلك معاوية رضی اللہ عنہ فكتب اليه معاوية رضی اللہ عنہ انك حفظت علي ابن صهيب ما كان من ابيه في امر عثمان رضی اللہ عنہ ونسيت ما كان من سابقته مع رسول الله ﷺ فاردد عليه عطاءه واكرمه واحسن مجاورته ان شاء الله))^۲

”یعنی تم نے صہیب کے فرزند کے معاملے میں اس کے باپ کا امر عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں (فعل) یاد رکھا مگر تم اس کا نبی کریم ﷺ سے سابقہ اور معیت کا تعلق بھول گئے؟ پس صہیب کے فرزند کا وظیفہ جاری کیا جائے اور اس کی عزت کی جائے اور اس سے اچھا سلوک کیا جائے۔“

یہاں سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مسابقہ اور بیعت نبوی کا احترام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملحوظ رکھتے تھے، حقوق کی رعایت و رواداری ان کا شیوہ تھا۔

⑨ اسی سلسلے میں ایک دیگر واقعہ یعقوب بسوی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے اس میں رعایا کے حقوق کی رعایت پائی جاتی ہے۔

ابو اسحق سہمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں میرا نام تین صد (دراہم) وصول کرنے والے افراد کی فہرست میں درج کیا اور مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ کے والد کو کس

۱ الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۶، ج ۱ تحت نمبر ۲۹۹ زید بن صوحان (بحوالہ بلاذری) مع الاستیعاب۔

۲ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۹۰ قسم اول من جزء الرابع، طبع ریو خلم

قدر و وظیفہ ملتا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ وہ بھی تین صد (دراہم) حاصل کرنے والے افراد میں شامل تھے۔ پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے میرے لیے بھی تین صد (دراہم) وظیفہ مقرر فرمایا۔
ابو اسحق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے لیے وظائف ان کے آباء کے وظائف کے مطابق جاری رکھتے تھے۔

((حدثنا ابوبکر بن عیاش قال: سمعت ابا اسحق یقول: فرض لی معاویہ رضی اللہ عنہ فی ثلاث مائة وسألنی معاویہ رضی اللہ عنہ: کم کان عطاء ابيك؟ قال: قلت ثلاث مائة۔ قال ففرض لی معاویہ رضی اللہ عنہ فی ثلاث مائة۔ قال: كذلك كانوا يفرضون للرجل فی مثل عطاء ابيه))^۱

نیز رعایا کے حقوق اور جائز مطالبات تسلیم کرنے کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد کا ایک یہ واقعہ بھی محدثین ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لے جانا چاہتے تھے۔ مدینہ طیبہ پہنچے تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کی خدمت میں تشریف لائے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ کوئی حاجت اور ضرورت ہو تو پیش کیجیے۔ اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا کہ آزاد شدہ لوگوں کے وظائف و عطیات جاری کرنے کا مطالبہ پیش کیا جاتا ہے کہ ان کے عطیات جاری کرنے چاہئیں اور ساتھ ہی فرمان نبوی سنایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب اموال کی درآمد ہوتی تھی آنجناب محررین (آزاد شدگان) کے لیے پہلے ابتدا فرماتے تھے۔

((عن زید بن اسلم عن ابيه ان معاویہ رضی اللہ عنہ لما قدم المدینہ حاجا جاءه عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہما فقال له معاویہ رضی اللہ عنہ: حاجتك یا ابا عبدالرحمن؟ فقال له: حاجتی عطاء المحررین فانی رأیت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اول ما جاءه شیء بدأ بالمحررین))^۲

⑩ مشہور تابعی عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مروان بن حکم سے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں والی مدینہ تھے منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ اے مخاطبین! امیر المؤمنین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمہارے عطیات و وظائف کے متعلق حکم دیا ہے کہ ان کو پورا پورا ادا کیا جائے اور ان میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں تمہاری خاطر پوری کوشش کی ہے۔ فی الحال موجودہ مال تمام عطیات و وظائف کی ادائیگی کے لیے ناکافی ہے اور اس میں ایک لاکھ کی کمی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے

۱ کتاب المعروفہ والتاریخ ص ۳۶۲ ج ۲ تحت ابی اسحق سہمی

مسند ابن جعد (الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوبری) ص ۳۱ روایت ۹۴ تحت عمر بن سعید السیب

۲ کتاب السنن (امام ابو محمد عبد اللہ ابن علی بن جارود نیشابوری متوفی ۳۰۷ھ) ص ۳۷۶ باب الوجود الی یخرج فیہا مال الفی طبع مصر

کہ یمن سے اموال صدقات موصول ہونے پر یہ کمی پوری کر دی جائے گی۔

اس پر لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے۔ عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی طرف نظر کی تو یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہم صدقات کے اموال میں سے ایک درہم بھی نہیں لیں گے، کیا ہم دوسروں کا حق وصول کریں؟ یمن کے صدقات تو یتامی اور مساکین کا حق ہے اور ہمارے وظائف جزیہ کے اموال سے ادا کیے جاتے ہیں۔ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب ارسال کریں کہ وہ ہمارے بقیہ وظائف وہاں سے ارسال فرمادیں۔ مروان نے یہ چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تحریر کی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وظائف کے بقایا جات وہاں سے ارسال فرمادیے۔

((يقولون والله لا نأخذ منها درهما واحدا أناخذ حق غيرنا؟ انما مال اليمن صدقة والصدقة لليتامى والمساكين وانما عطاءنا من الجزية فاكتب الى معاوية رضي الله عنه يبعث الينا ببقية عطاءنا۔ فكتب اليه بقولهم فبعث اليه معاوية رضي الله عنه ببقيته))^۱

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں زبانوں پر قفل چڑھانے اور ضمیروں پر تالے لگانے کا پروپیگنڈا بے بنیاد اور ہرگز درست نہیں۔ عوام الناس کو اظہار خیال میں آزادی تھی اور وہ اپنے حقوق حاصل کرنے میں کسی قسم کا باک نہیں رکھتے تھے۔ ان معاملات میں ان پر کوئی جبر واکراہ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان کے جائز مطالبات پورے کرنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاص توجہ دیتے اور شرعی قواعد کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔

⑩ لوگوں کے حقوق کی رعایت اور قدر شناسی کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ایک دیگر واقعہ ذکر کیا جاتا ہے:

سردار دو جہاں رضي الله عنه کے مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه کا انتقال مشہور قول کے مطابق ۵۹ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔ والی مدینہ ولید بن عتبہ نے حضرت امیر معاویہ رضي الله عنه کو آں موصوف کے انتقال کی اطلاع ارسال کی۔ حضرت امیر معاویہ رضي الله عنه نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

((انظر الي ورثته فاحسن اليهم واصرف اليهم عشرة الاف درهم واحسن جوارهم واعمل اليهم معروفاً))^۲

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضي الله عنه نے فرمان لکھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنه کے ورثاء کے ساتھ عمدہ سلوک

۱ کتاب الاسوال (ابو عبیدہ قاسم بن سلام) ص ۲۵۹، روایت نمبر ۶۳۵، طبع مصر

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۵ ج ۸ تحت ۵۹۹ آخر ترجمہ ابو ہریرہ الدوسی رضي الله عنه

کیجیے، ان پر دس ہزار درہم صرف کیجیے، ان کی امان اور ذمہ داری کو احسن طریقے سے ملحوظ رکھیے اور ان کے ساتھ بہتر معاملہ کیجیے۔“

حکمت عملی

مؤرخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبانی ان کے عہد خلافت کی حکمت عملی نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا طریق کار یہ ہے کہ جس معاملہ میں مال کفایت کرتا ہو وہاں میں زبانی حکم نہیں دیتا۔ اور جہاں زبانی حکم کفایت کرتا ہو وہاں تازیانہ سے کام نہیں لیتا۔ اور جہاں تازیانہ کام کرتا ہو وہاں تلوار کو استعمال نہیں کرتا۔ اور جب تلوار کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہے تب میں تلوار استعمال کرتا ہوں۔

((انا ابو حاتم عن العتبی قال قال معاویة رضی اللہ عنہ لا اضع لسانی حیث یکفینی مالی، ولا اضع سوطی حیث یکفینی لسانی، ولا اضع سیفی حیث یکفینی سوطی، فاذا لم اجد من السیف بُدًا رکبته))^۱

بعض معمولات

آداب مسجد کی رعایت اور احترام

① ایک رات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے طبعی ضرورت کے تحت مسجد میں تھوک دیا اور اس کے بعد واپس چلے گئے۔ کچھ دیر بعد انھیں اس خطا کا احساس ہوا تو واپس مسجد میں تشریف لائے اور روشنی لے کر اسے تلاش کیا اور اس پر مٹی ڈال کر دفن کر دیا۔

((ان معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بزق ذات لیلۃ فی المسجد ثم ذهب ثم رجع

بشعلة من نار فجعل یتتبع بزقته حتی وجدھا ثم دفنھا))^۲

واضح رہے کہ یہ اس دور کا واقعہ ہے جس وقت مساجد کے فرش کچے ہوتے تھے۔ اور مٹی ریت اور کنکریاں اور گھاس پھوس ڈال کر نمازیں ادا کی جاتی تھیں۔ پختہ فرش لگوانے کا طریقہ بعد میں جاری ہوا۔

تنبیہ

ابن شبہ نے اس مقام پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی مسجد میں

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ قلمی) ص ۳۰۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۷ ج ۳ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۲ تاریخ مدینہ منورہ (ابوزید عمر بن شبہ نمیری بصری التونی ۲۶۲ھ کلم ص ۲۷ ج ۱ طبع مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ مصر

بزاق ڈالنے (تھوکنے) اور پھر اسے دفن کرنے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔

مسجد میں تھوکنے کا ایک خطا ہے اور مسجد کے احترام کے پیش نظر اس کا صاف کرنا اور ازالہ کرنا ایک حکم شرعی ہے اسی بنا پر مذکورہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا اور خطا کا احساس ہونے پر فوراً اس کے ازالہ کا اقدام کیا۔

④ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخلاقیات جہاں ذکر کیے ہیں وہاں انہوں نے لکھا ہے کہ یونس بن میسرہ بن حلبس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق کے بازار میں دیکھا کہ اپنے خمر (بغلہ) پر سوار تھے اور آنجناب نے اپنے پیچھے اپنے ایک خادم کو سوار کر رکھا تھا۔ آپ ایک معمولی قمیص پہنے ہوئے تھے اور اسی حالت میں دمشق کے بازاروں میں چکر لگا رہے تھے۔

((عن یونس بن حلبس قال رأیت معاویة رضی اللہ عنہ فی سوق دمشق علی بغلة له وخلفه وصیف قد اردفه۔ علیہ قمیص مرقوع الجیب۔ وهو یسیر فی اسواق دمشق))^۱

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بعض اوقات اپنی شان و شوکت کے لباس سے ہٹ کر عام لباس میں بازار میں چکر لگاتے تھے اور ایک خادم ساتھ ہوتا تھا اور سواری کے لیے خمر بھی استعمال فرماتے تھے۔ یہ چیز آپ کے مزاج میں عاجزی و تواضع کی دلیل ہے۔

⑤ نیز کبار علماء نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربان ابو یوسف ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لائے اور کچھ عرصہ قیام کیا۔ چنانچہ آپ کو دمشق کے بعض منازل میں ٹھہرایا گیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بہترین خوش آواز اور خوش الحان بزرگ تھے۔

اسی دوران میں ایک رات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پایادہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جائے اقامت کی طرف تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر قرآن مجید کی تلاوت سماعت فرمائی۔

((یحییٰ بن صالح الوحاطی قال ثنا سعید بن عبدالعزیز عن ابی یوسف حاجب معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ان ابا موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ قدم علی معاویة رضی اللہ عنہ فنزل فی بعض الدور بدمشق فخرج معاویة رضی اللہ عنہ فی اللیل الی

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی) ص ۲۹ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (طبع اول مصر)

منزلہ ہمیشی حتی سمع قراءتہ))^۱

مجلسی طریق کار

گزشتہ صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق و کردار کے متعلق بعض چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے بعد مکارم اخلاق کے عنوان کے تحت آں موصوف کے مجلسی معمولات اور لوگوں کے قضائے حوائج کے واقعات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

شیعہ مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مجلسی احوال اپنی مشہور کتب تواریخ میں مفصل طور پر درج کیے ہیں۔ اگرچہ اہل سنت مورخین نے بھی یہ چیزیں اپنے اپنے مقام پر ذکر کی ہیں تاہم بطور الزام یہاں شیعہ مورخین کے مندرجات پیش کرنے پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ اہل سنت مورخین ان کے موید ہیں۔ مشہور شیعہ مورخ مسعودی تحریر کرتے ہیں کہ:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عادت جاری تھی کہ ایک دن میں پانچ مرتبہ لوگوں کو ملاقات کا موقع دیتے تھے۔ جب آپ فجر کی نماز ادا کر لیتے تو مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ ان کا ایک خاص آدمی (جس کو قاص کہا جاتا تھا) ضروری ضروری احوال آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔ پھر آپ اپنی مخصوص جگہ پر تشریف لے جاتے، وہاں مصحف مبارک پیش کیا جاتا اور آنجناب اس کے ایک جزو کی تلاوت فرماتے۔ اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جاتے اور اوامر و نواہی کی حسب ضرورت تلقین فرماتے۔ پھر اس کے بعد چار رکعت نوافل ادا کرتے اور باہر تشریف لا کر مجلس میں بیٹھتے اور خاص خاص لوگوں کو ملاقات کی اجازت دیتے اور ان کے ساتھ ضروری گفتگو فرماتے۔ اسی دوران میں آپ کے وزراء جناب کی خدمت میں حاضر ہو کر اس دن سے متعلق ضروری امور میں گفتگو کرتے اور ہدایات حاصل کرتے۔

((كان من اخلاق معاوية رضی اللہ عنہ انه كان ياذن في اليوم والليله خمس مرات۔

كان اذا صلى الفجر جلس للقاص حتى يفرغ من قصصه، ثم يدخل فيوتى

بمصحفه فيقرأ جزءه۔ ثم يدخل الى منزله فيامر وينهى ثم يصلي اربع

ركعات، ثم يخرج الى مجلسه فياذن لخاصة الخاصة فيحدثهم ويحدثونه

ويدخل عليه وزراءه فيكلمونه فيما يريدون من يومهم الى العشاء))^۲

② نیز آنجناب کی مجلس کے یومیہ طریق کار کے متعلق ایک دوسری روایت میں مسعودی نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر تشریف لاتے تو اپنے خادم کو کرسی لانے کے لیے فرمان دیتے اور مسجد

۱ کتاب الکنی (دولابی) ص ۱۶۰ ج ۲ تحت کنیت ابی یوسف، طبع دکن۔

۲ مروج الذهب (مسعودی شیبی) ص ۳۹ ج ۳ تحت ذکر جمل من اخلاق و سیاست طبع بنعم

میں مقصورہ کے پاس کرسی پر تشریف فرما ہوتے۔ اور آپ کے محافظ پاس رہتے۔

اس کے بعد جناب کی طرف سے حکم دیا جاتا تھا کہ جو کمزور لوگ اور اعرابی (بادیہ نشین) کوئی لڑکا یا کوئی خاتون کسی ضرورت کے لیے آئے ہوئے ہوں تو وہ باری باری پیش خدمت ہوں۔ مثلاً ایک شخص پیش ہوتا اور وہ کہتا کہ مجھ پر یہ ظلم ہوا ہے تو آپ فرماتے کہ اس کے ظلم کو دور کیا جائے اور دادرسی کی جائے۔ پھر دوسرا شخص پیش ہو کر کہتا کہ میرے ساتھ زیادتی کی گئی ہے تو آپ کی طرف سے حکم دیا جاتا کہ اس کے ساتھ آدمی بھیج کر اس سے تعدی اور تجاوز کو دور کیا جائے۔ اسی طرح ایک اور شخص پیش ہو کر کہتا کہ میرے ساتھ فلاں معاملہ ہے تو آپ فرماتے کہ اس کے معاملہ پر نظر انصاف کی جائے۔

اس طریقہ سے تمام حاضرین حاجت مندوں کی ہر ایک حاجت کو پورا کیا جاتا حتیٰ کہ کوئی ایک ضرورت مند بھی باقی نہ رہ جاتا۔ پھر آپ اس مقام سے اٹھتے اور دوسری جگہ چار پائی پر تشریف فرما ہوتے۔

((ثم يخرج فيقول: يا غلام اخرج الكرسي، فيخرج الى المسجد فيوضع فيسند ظهره الى المقصورة ويجلس على الكرسي، ويقوم الاحراس فيتقدم اليه الضعيف والاعرابي والصبى والمرأة ومن لا احد له، فيقول: ظلمت، فيقول: اعزوه، ويقول: عدى على- فيقول: ابعثوا معه، ويقول: صنع بي، فيقول: انظروا في امره- حتى اذا لم يبق احد دخل فجلس على السرير))^۱

اسی طرح مسعودی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجالس کا احوال ذکر کرتے ہوئے ایک دیگر روایت تحریر کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ان کی ضروریات اور حوائج کو پیش کیا جائے۔ پھر ایک شخص حاضر ہوتا اور کہتا کہ فلاں شخص فلاں جنگ میں شہید ہو گیا تو آپ حکم فرماتے کہ اس کی اولاد کے لیے وظیفہ متعین کر دیا جائے۔

پھر دوسرا شخص کہتا کہ فلاں شخص اپنے گھر سے غائب ہے (دینی کام کے لیے کہیں گیا ہوا ہے) تو آپ کی طرف سے حکم ہوتا کہ اس شخص کے اہل خانہ کی نگہداشت کی جائے اور ان کو وظیفہ دیا جائے اور ان کی ضروریات کو پورا کیا جائے۔

پھر آپ کی خدمت میں صبح کا ناشتہ پیش کیا جاتا اور آپ کا احکام نویس (منشی) آپ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور جو لوگ اس مجلس میں موجود ہوتے انھیں دسترخوان پر بیٹھنے کا حکم دیا جاتا پھر یہ لوگ کھانے میں شریک ہوتے اور حسب ضرورت خور و نوش کرتے۔ اسی دوران میں آنجناب کا کاتب آپ کے احکامات

۱۔ مروج الذهب (مسعودی شیبی) ص ۳۹، ج ۳ تحت ذکر جمل من اخلاقه و سیاست

الاتقاد علی تمدن اسلامی ص (علامہ شبلی نعمانی) ۴۰-۴۱

لکھتا جاتا تھا۔ اسی طرح یہ مجلس قائم رہتی، حتیٰ کہ مجلس کے تمام حاجت مند لوگوں کی ضروریات کو پورا کر دیا جاتا۔

((ارفعوا الینا حوائج من لا یصل الینا۔ فیقوم الرجل فیقول: استشهد فلان فیقول افرضوا لولدہ۔ ویقول الاخر: غاب فلان عن اہلہ، فیقول: تعاهدوہم۔ اعطوہم اقضوا حوائجہم اخدموہم، ثم یوتی بالغداء ویحضر الکاتب۔ فیقوم عند رأسہ ویقدم الرجل فیقول لہ اجلس علی المائدۃ فیجلس فیمد یدہ فیاکل لقمتین او ثلاثا والکاتب یقرأ کتابہ فیامر فیہ بامرہ فیقال یا عبداللہ اعقب فیقوم یتقدم آخر حتی یاتی علی اصحاب الحوائج کلہم))^۱

مذکورہ بالا روایات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجالس کے احوال اور یومیہ طریق کار کے چند ایک مناظر پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے جس سے آں موصوف کے طریق عمل، رعایا سے حسن سلوک اور مجلسی نظم واضح ہوتا ہے۔

تنبیہ
فصل ہذا میں ہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کریمانہ اخلاق کے متعلق چند چیزیں ذکر کی ہیں اور اس چیز کو کما حقہ پوری تفصیل سے پیش کرنا ایک دشوار امر ہے تاہم ماقبل میں آں موصوف کے حلم اور مروت کے متعلق اور فکر آخرت اور خشیت الہی کے متعلق چند ایک مرویات درج کی ہیں۔ نیز آنجناب کی مجالس میں اظہار رائے کی آزادی، حق گوئی اور انصاف پسندی، رواداری اور عوام کے حقوق کی رعایت اور عوام کے ساتھ بہترین سلوک کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد ان کی مجلسی نظم اور رعایا کی حاجت روائی کے طریق کار کو ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح مندرجات بالا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی کا ایک اجمالی خاکہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ آں موصوف کے اخلاق و کردار اور روز مرہ کے معمولات اسلام کی طرز معاشرت کے مطابق تھے اور قیصر و کسریٰ کے عادات و اطوار سے بعید تر تھے۔ پر خاش رکھنے والے مورخین اور معاند مورخین نے آں موصوف کے عادات و اخلاق کا جو کر یہ منظر پیش کیا ہے اور ان کو ایک ظالم، جابر اور مغلوب حکمران کی صورت میں دکھایا ہے ناظرین کرام اس کا مندرجات بالا سے موازنہ کر کے خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ تعصب سے بالاتر ہو کر عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنے کی گزارش کی جاتی ہے۔

۱۔ مرویہ المذہب، ص ۳۹-۴۰ ج ۳ تحت ذکر جبل من اخلاقہ و سیاست

الاتحاد اہل تمدن اسلامی ص ۳۰، ۳۱ از علامہ شبلی نعمانی

فصل ہفتم

اتباع سنت، منکرات سے منع اور عہد و پیمان کی رعایت

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دینی معاملات میں کوشش ہوتی تھی کہ اتباع سنت کا لحاظ رکھا جائے اور منکرات سے منع کیا جائے اور انسداد مفسد کے لیے سعی کی جائے۔ حتی المقدور اپنے جملہ امور کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور طریق کار کے مطابق سرانجام دیا جائے۔ یہ ان کی عملی زندگی کا نظم تھا اور اسی پر کار بند تھے۔

اس نوع کے متعلق چند ایک امور پیش خدمت کیے جاتے ہیں جو اس فصل میں اختصاراً مذکور ہیں:

① اقامت صلوٰۃ

دینی معاملات میں سب سے زیادہ اہم چیز اقامت صلوٰۃ (نماز کو قائم کرنا) ہے۔ اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پوری طرح کوشش کرتے تھے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کار پر نماز ادا کی جائے اور کسی طرح بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان و عمل کے خلاف نماز کی ادائیگی نہ ہو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اتباع سنت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شاہد ہیں کہ آں موصوف کی ادائیگی نماز جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ اور مطابق ہوتی تھی اور اس میں کوئی فرق نہیں محسوس کیا جاتا تھا۔

چنانچہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: ما رأیت احدا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشبه صلاة

برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من امیرکم هذا یعنی معاویة رواه الطبرانی و رجاله رجال

الصحيح غير قيس بن الحرث المذحجي وهو ثقة))^۱

گویا حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس مسئلے پر یہ شہادت اور گواہی ہے۔

② نیز اسی سلسلے میں محدثین نے ذکر کیا ہے کہ جناب سائب بن اخت نمر سے نافع بن جبیر نے اس واقعہ کے متعلق دریافت کیا جو انھیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کرنے کے موقع پر پیش آیا تھا۔ چنانچہ جناب سائب نے جواب میں واقعہ اس طرح ذکر کیا کہ ایک بار میں نے مقصورہ میں جمعہ کی نماز

۱۔ مجمع الزوائد (دہلی) ص ۳۵۷ ج ۹ تحت باب ما جاء فی معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادا کی۔ جب نماز کے امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر بقایا سنتیں اور نوافل ادا کرنے لگا۔ بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لے گئے تو ایک آدمی بھیج کر مجھے بلایا۔

((فقال لا تعد لما فعلت اذا صليت الجمعة فلا تصلها بصلوة حتى تكلم او تخرج فان رسول الله ﷺ امرنا بذلك ان لا نوصل بصلوة حتى نتكلم او نخرج - رواه مسلم))^۱

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ جس طرح تو نے اب کیا ہے اس طرح آئندہ نہ کرنا۔ جب تم جمعہ کی نماز ادا کر لو تو اس کے بعد نماز ادا کرنے سے پہلے کلام کر لیا کرو یا اس جگہ سے ہٹ جایا کرو۔ کیونکہ جناب نبی اقدس ﷺ نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم فرمایا تھا کہ ہم (فرض) نماز کو بعد والی نماز سے ملا کر ادا نہ کریں بلکہ درمیان میں کوئی کلام کر لیں یا اس جگہ سے الگ ہو جائیں۔“

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصودہ میں اس دور کے اکابرین بھی مجتہد نماز ادا کرتے تھے۔ نیز یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی امر سنت کے خلاف پایا جاتا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس پر تنبیہ فرمایا کرتے تھے اور اپنے معمولات میں سنت نبوی ﷺ کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔

③ عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (غالباً مدینہ طیبہ میں) عصر کی نماز پڑھائی۔ نماز ہذا کے بعد بعض لوگ کھڑے ہو کر نوافل ادا کرنے لگے۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لائے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس داخل ہوئے۔ عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں بھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو چار پائی پر اپنے ساتھ بٹھایا۔ پھر ان سے دریافت کیا کہ نماز عصر کے بعد جو لوگ نوافل پڑھ رہے تھے یہ نماز ہم نے رسول اللہ ﷺ کو ادا فرماتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ اس نماز کا آنجناب ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس نماز کا جواز بیان کیا۔

محدثین کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کی جستجو اور تحقیق کے لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بلوا کر دریافت کیا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیان کرنے کا حوالہ دیا۔ پھر

۱۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۵ باب السنن وفضائلها، فصل ثالث، طبع نور محمدی دہلی

مسلم شریف ص ۲۸۸ ج ۱ خز کتاب الجمعہ ص ۱۰۰

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرایا تو ام المومنین نے فرمایا کہ آنجناب رضی اللہ عنہ نے یہ نماز بعد العصر ہمارے گھر میں پڑھی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنجناب رضی اللہ عنہ سے اس نماز کے متعلق دریافت کیا تو آنجناب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ وہ دو رکعت ادا کی ہیں جو ظہر کے بعد مجھ سے ضروری شغل کی وجہ سے رہ گئی تھیں۔^۱

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس نماز کے ثبوت کے متعلق ضروری جستجو کرائی۔ یہاں سے آں موصوف کی اتباع سنت کے سلسلے میں سعی اور کوشش واضح ہوتی ہے۔

تشبیہ

فقہاء میں یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف اپنی جگہ درست تھا۔ فقہ حنفی کا فتویٰ آج بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عام موقف کے مطابق ہے کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نفل نماز جائز نہیں۔

④ کبار محدثین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ ایاس بن ابی رملہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ عید اور جمعہ ایک روز میں جمع ہو گئے۔ ان کی ادائیگی کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے بطور تحقیق دریافت فرمایا کہ کیا آپ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عید اور جمعہ کے اجتماع کو ایک ہی یوم میں دیکھا ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں! حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آنجناب رضی اللہ عنہ نے یہ نمازیں کیسے ادا فرمائیں؟ جواب میں انھوں نے فرمایا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نماز عید ادا فرمائی اور اس کے بعد (جو لوگ باہر سے آئے ہوئے تھے انھیں ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنا چاہتا ہے وہ ٹھہر جائے) اور جو لوگ گھر واپس جانا چاہتے ہیں وہ جا سکتے ہیں)

((عن ایاس بن ابی رملہ قال شهدت معاویة رضی اللہ عنہ یسئل زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

اشهدت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اجتماعاً فی یوم قال نعم قال فکیف صنع قال

صلی العید ثم رخص فی الجمعة فقال من شاء ان ینسلی فلیصل))^۲

⑤ مشہور مورخ احمد بن یحییٰ نے اپنی تصنیف انساب الاشراف میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ تحریر کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ پہنچے اور حرم میں تشریف لا کر بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آدمی بھیج کر بلوایا۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیت اللہ شریف میں پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے دریافت کیا کہ بیت اللہ

۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۵۲، ۳۵۱ ج ۲ تحت من رخص فی الرکعتین بعد العصر (طبع حیدرآباد دکن)

۲ سنن داری ص ۲۰۰ باب اذا جمع عیدان فی یوم، طبع قدیم کانپور

کے اندر جناب نبی کریم ﷺ نے کس مقام پر نماز ادا فرمائی تھی؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ساریہ الیسریٰ کے پاس نماز ادا کرنا بتلایا۔

((ان معاویہ رضی اللہ عنہ حج فدخل البيت الحرام وارسل الى عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما ثم جاء ابن عمر رضی اللہ عنہما ففتح له ودخل فقال معاویہ رضی اللہ عنہ یا ابا عبد الرحمن ابن صلی النبی ﷺ حيث دخل البيت فذكر ساریہ الیسریٰ))^۱
مطلب یہ ہے کہ بیت اللہ کے اندر جو نماز ادا کی گئی تھی اس کے لیے بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اتباع سنت نبوی کو ملحوظ رکھا۔

⑥ اتباع نبوی کے سلسلے میں قدیم مورخ ابو زید عمر بن شبہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک قابل ذکر واقعہ اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ

((عن عباد ابی صالح ان رسول الله ﷺ كان يأتي قبور الشهداء باحد علی رأس کل حول فيقول سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔ قال وجاءها ابوبکر رضی اللہ عنہ ، ثم عمر رضی اللہ عنہ ، ثم عثمان رضی اللہ عنہ ، فلما قدم معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ حاجا جاءهم قال وكان النبی ﷺ اذا واجه الشعب قال سلام عليكم بما صبرتم فنعم اجر العاملين))^۲
”نبی اقدس ﷺ شہدائے احد کے مزارات پر ہر سال تشریف لاتے اور اہل قبور پر سلام کہتے ہوئے ارشاد فرماتے:

((سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبی الدار))
”یعنی سلامتی ہو تم پر بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا، سو خوب ثواب ملا عمل کرنے والوں کو۔“
آنجناب کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، قبور شہدائے احد پر تشریف لایا کرتے پھر ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح تشریف لاتے۔
جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں حج بیت اللہ کے لیے آئے اور مدینہ طیبہ پہنچے تو سنت نبوی ﷺ کے موافق وہ بھی قبور شہدائے احد پر زیارت کے لیے تشریف لائے اور ذکر کیا کہ سردار دو جہاں ﷺ اس وادی میں جب تشریف لاتے جناب ارشاد فرماتے کہ
((سلام عليكم بما صبرتم فنعم اجر العاملين))

۱ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶۳ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما، جز رابع۔

۲ تاریخ مدینہ منورہ (ابن شبہ) ص ۱۳۲ ج ۱ تحت التبی یزور کل عام قبور الشہداء احد، مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس نوع کے واقعات حدیث و تاریخ میں بے شمار دستیاب ہوتے ہیں جن میں آپ رضی اللہ عنہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر سنتوں کو دریافت کرتے ہیں لیکن مذکورہ صفحات میں صرف چند ایک امور اختصاراً نقل کیے ہیں۔ ان کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دینی ذوق اور اتباع سنت نبوی کا جذبہ بخوبی واضح ہوتا ہے اور اطاعت پیغمبر کے ساتھ ان کی کامل دل بستگی ثابت ہوتی ہے۔

② امر بالمعروف

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے معاملات میں اسلامی ہدایات کے مطابق عمل جاری رکھتے اور شرعی احکام کی ہر مرحلہ میں پاسداری کرتے تھے۔ آپ کے اس طریق کار اور شیوہ عمل کے ثبوت میں ایک یہ واقعہ بھی پیش خدمت ہے:

ابو مجلز رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مکان میں داخل ہوئے وہاں عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما دونوں حضرات موجود تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تشریف لانے پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ تو احتراماً کھڑے ہو گئے لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کھڑے نہیں ہوئے بلکہ بیٹھے رہے۔

((فقال معاویة رضی اللہ عنہ لابن عامر رضی اللہ عنہ: اجلس فانی سمعت رسول الله ﷺ

يقول: من سره ان يتمثل له الرجال قياما فليتبوا مقعده من النار))^۱

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بیٹھ جائے کیونکہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جس شخص کو لوگوں کا اس کی پیشی میں کھڑے رہنا پسند ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔“

مذکورہ بالا واقعہ سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اتباع سنت نبوی ﷺ کا ہر مسئلہ میں خاص لحاظ رکھتے تھے۔
- ۲۔ اور اپنی پیشی میں لوگوں کے کھڑے رہنے کو پسند نہیں فرماتے تھے جیسا کہ امراء اور کبراء کی مجلس کا شیوہ ہے۔
- ۳۔ نیز اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف کے مزاج میں خود پسندی اور ترفع نہیں تھا بلکہ ان کی

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۸ ج ۸ تحت کتاب الادب، طبع کراچی

الادب المفرد (امام بخاری) ص ۱۳۳ باب قیام الرجل للرجل تعظیماً، طبع مصر

مسند امام احمد ص ۹۳ ج ۳ طبع اول تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ

مسند امام احمد ص ۱۰۰ ج ۳ طبع اول تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ

ترغی شریف ص ۱۰۰ ج ۲ تحت ابواب الآداب باب ما جاء فی کرہیۃ قیام الرجل..... الخ

مسند عمر بن عبدالعزیز ص ۳ طبع ندیم ملتان

منتخب من مسند عبد بن حمید ص ۱۵۶ روایت نمبر ۳۱۳، طبع بیروت۔

مسند ابن سعد (أحسن علی بن الجعد بن عبید الجوهری التونی ۲۳۰ھ) ص ۲۲۲ روایت ۱۲۸۲ تحت صیب بن الشیبہ۔

طبیعت میں تواضع و فروتنی تھی۔

④ نہی عن المنکر

گزشتہ سطور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے امر بالمعروف کے سلسلے میں بعض چیزیں مذکور ہوئی ہیں۔ اب اس کے بعد آل موصوف سے انسداد مفاسد کی خاطر نہی عن المنکر کے مختصر اچند احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ

① ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے اور وہاں آپ کو بعض مفاسد اور خواتین کے متعلق ناجائز رسوم کی اطلاع پہنچی۔ اس طرح کہ بنی اسرائیل کی خواتین کی طرح اپنے بالوں میں عورتیں ملاوٹ کرنے لگی ہیں اور اپنے بالوں کو بڑا دکھلانے کے لیے ان میں آمینت کر لیتی ہیں۔

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں اس مسئلے پر مستقل ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور منبر پر تشریف فرما ہو کر کہنے لگے کہ اے اہل مدینہ! تمہارے علماء حضرات کہاں گئے؟ (کہ ان مفاسد اور منکرات سے تمہیں منع نہیں کرتے) اور پھر اپنے پاس سے بالوں کا ایک گچھا اہل مجلس کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ بنی اسرائیل کی خواتین نے اس طرح بالوں کی بناوٹ بنالی تھی اس بنا پر وہ قوم ہلاک ہوئی۔ پھر فرمایا کہ میں نے اس چیز کی وعید نبی کریم ﷺ سے سنی ہوئی ہے۔ آنجناب ﷺ اس طرح بال ساخت کرنے (یعنی ملانے) سے منع فرماتے تھے۔ لہذا یہ بری رسم مسلمان خواتین میں نہیں ہونی چاہیے۔

((حمید بن عبدالرحمن انہ سمع معاویة رضی اللہ عنہ خطب بالمدينة يقول این علماءکم یا اهل المدينة؟ سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن هذه القصة (خصلة من الشعر) ويقول انما هلكت بنو اسرائيل حين اتخذها نساءهم۔ هذا حديث حسن صحيح))^۱

اسی مسئلے کی بعض روایات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مزید چیزیں اس طرح منقول ہیں کہ آن موصوف نے ارشاد نبوی نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ:

۱۔ ترمذی شریف ص ۱۰۲ تحت باب ما جاء فی کرہیۃ اتخاذ القصة ابواب الآداب، طبع جہانی دہلی۔

السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۹۰ ج ۴ کتاب الصیام تحت ابحاث صیام عاشوراء۔

مسند احمد ص ۹۷-۹۸ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

مسند احمد ص ۱۰۱ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

مسند حمیدی ص ۲۷۳ ج ۲ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

معجم الاوسط (طبرانی) ص ۵۶۳ ج ۲ ضعیف ریاض

مسند ابن سعد (حسن علی بن سعد الجوبیری) ص ۳۱ روایت ۹۴ تحت عمر بن سعید المسیب

((يقول لعن الله الواشمة والمستوشمة والتمنصة والنامصة والواشرة
والمستوشرة))^۱

”یعنی اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں ان عورتوں پر جو سوئی کے ساتھ اپنے جسم میں گودنے والی ہیں
یعنی نشانات گاڑنے والی اور بنوانے والی ہیں، نیز وہ عورتیں جو ابرو کے بالوں کو باریک بنواتی ہیں یا
بناتی ہیں، اور وہ عورتیں جو دانتوں کو باریک اور تیز کرتی ہیں یا کرواتی ہیں۔“

تشبیہ

اہل علم حضرات کو معلوم ہے کہ کتب حدیث میں مذکورہ بالا نوع کی روایات متعدد صحابہ کرام مثلاً ابن عمر،
ابن مسعود، ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں لیکن ہم نے یہاں صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی
روایات نقل کی ہیں۔

① منکرات سے منع کرنے کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کثیر روایات نبویہ منقول ہیں۔ چنانچہ
ذیل میں ان میں سے ایک روایت ذکر کی جاتی ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مکہ شریف میں منبر پر
تشریف فرما ہوتے ہوئے فرمان نبوت ذکر فرمایا کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مردوں کو ذہب (سونا)
استعمال کرنے اور حریر (ریشم) کے پہننے سے منع فرمایا ہے۔

((قال (عبدالله بن علي العدوي) سمعت معاوية رضي الله عنه على المنبر بمكة

يقول: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن لبس الذهب والحرير))^۲

اسی طریقہ پر مشہور تابعی محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد نبوی
نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خز (ایک قیمتی پارچہ) اور پھیتے کی کھال پر سوار ہونے
سے منع فرمایا ہے۔

نیز اس روایت کے بیان کرنے کے بعد محمد ابن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
حدیث نبوی نقل کرنے میں متہم نہیں ہیں بلکہ صحیح اور درست حدیث نبوی بیان فرماتے ہیں غلط بیان نہیں
کرتے۔

((عن ابن سيرين عن معاوية رضي الله عنه ان رسول الله نهى عن ركوب الخبز

والنمور۔ قال ابن سيرين فكان معاوية رضي الله عنه لا يتهم في الحديث على

۱ مسند عمر بن عبدالعزیز ص ۴-۵ طبع قدیم ملتان

۲ مسند عمر بن عبدالعزیز ص ۱۲ طبع قدیم ملتان

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۶۷۵ ج ۱۶ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳ مسند امام احمد ص ۱۰۱ ج ۳ تحت حدیث امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ))^۱

اسی طرح اس نوع کی ایک دیگر روایت احادیث میں مذکور ہے، عبداللہ بن دینار مولیٰ معاویہ ابوحریر سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اس میں ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے چند چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ میں وہ فرمان آپ لوگوں تک پہنچاتا ہوں اور ان اشیاء سے منع کرتا ہوں: نوحہ کرنا، شعر گوئی، تصاویر بنانا اور درندوں کی کھال استعمال کرنا، سونا اور ریشم استعمال میں لانا۔

((..... عن عبداللہ بن دینار عن ابی حریز مولیٰ معاویہ قال: خطب معاویہ الناس فذکر فی خطبته ان رسول اللہ ﷺ نہی عن اشیاء وانی ابلغکم ذالک وانہاکم عنہن: النوح والشعر والتصاویر وجلود السباع والذهب والحریر))^۲

③ انسداد مفاسد کے سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک واقعہ نکاح شغار (وہ شہ) کے متعلق محدثین نے ذکر کیا ہے۔

وہ اس طرح ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزند عباس نے اپنی دختر کا عبدالرحمن بن حکم سے نکاح کر دیا اور عبدالرحمن نے اپنی لڑکی عباس بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نکاح میں دے دی، اور اس نکاح میں انھوں نے نکاح کو ہی اس کا مہر قرار دیا، کوئی دوسری شے مہر تجویز نہیں کی۔

اس چیز کی اطلاع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انھوں نے مروان بن حکم کو جو اس وقت والی مدینہ تھے حکم ارسال کیا کہ ان دونوں فریقین کے درمیان تفریق کر دی جائے، یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔ اور اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا کہ اس نکاح کی شکل تو نکاح شغار کی ہے جس سے نبی اقدس ﷺ نے منع فرمایا تھا۔

((ان العباس بن عبداللہ بن العباس انکح عبدالرحمن بن الحکم ابنته وانکحہ عبدالرحمن ابنته وکانا جعلاً صداقاً فکتب معاویہ رضی اللہ عنہ الى مروان یامرہ بالتفریق بینہما وقال فی کتابہ هذا الشغار الذی نہی عنہ النبی ﷺ))^۳

فائدہ: اسلام میں نکاح شغار سے منع کیا گیا ہے اور نکاح شغار کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک شخص اپنی لڑکی دوسرے شخص کے نکاح میں دے دیتا ہے اور اس کے عوض دوسرا شخص اپنی لڑکی کا پہلے شخص سے نکاح کر دیتا ہے اور اس میں کوئی دیگر شے بطور حق مہر مقرر نہیں کی جاتی بلکہ اس متبادل نکاح کو ہی ایک دوسرے کا حق مہر قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسلام نے اس نوع کے نکاح سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے فرمان نبوت کی روشنی میں اپنے عہد خلافت میں نکاح شغار سے منع فرما دیا۔

④ گزشتہ صفحات میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلے میں چند ایک چیزیں ذکر کی ہیں۔ اسی سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ مورخصین نے نقل کیا ہے جس میں اسی نوع کے چند احکام آں موصوف نے ذکر فرمائے اور ان پر عمل درآمد کے لیے لوگوں کو متوجہ کیا:

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۶ ج ۸ کتاب الحقیقہ طبع کراچی مسند امام احمد ص ۹۳ ج ۴ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۷۲۷ ج ۱۶ تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۲۔ معجم الاوسط (طبرانی) ج ۷ ص ۱۹۱-۱۹۲ روایت ۶۳۶۳ طبع ریاض

۳۔ السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۰۰ ج ۷ تحت کتاب النکاح، طبع حیدرآباد دکن

((ثنا یونس بن حلیس قال سمعت معاویة رضی اللہ عنہ علی منبر دمشق یوم جمعة یقول ایها الناس! اعقلوا قولی فلن تجدوا اعلم بامور الدنیا والآخرة منی
 ① اقیموا وجوهکم و صفوفکم فی الصلوة او لیخالفن الله بین قلوبکم ②
 خذوا علی ایدی سفهاءکم او لیسلمن الله علیکم عدوکم فیسو منکم سوء العذاب۔ ③ تصدقوا ولا یقولن الرجل انی مقل فان صدقة المقل افضل عن صدقة الغنی۔ ④ ایاکم وقذف المحصنات وان یقول الرجل سمعت وبلغنی فلو قذف احدکم امرأة علی عهد نوح لسئل عنها یوم القيامة))
 ”اس کا مفہوم یہ ہے کہ یونس بن حلیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے روز جامع مسجد دمشق کے منبر پر فرماتے ہوئے سنا: اے لوگو! میری بات غور سے سنو اور خوب سمجھ لو کہ میں امور دنیا اور آخرت کے متعلق تم سے زیادہ واقف ہوں۔

- ۱۔ نماز میں اپنے رخ کو ٹھیک رکھو، اور صفوں کو درست رکھو ورنہ خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں کجی ڈال دیں۔
 - ۲۔ اپنی قوم میں سے کم دانش اور خفیف العقل لوگوں کی حرکات پر کنٹرول رکھو ورنہ خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر دشمن کو مسلط کر دیں اور وہ تم کو برا عذاب چکھائے۔
 - ۳۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتے رہو اور کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں قلیل المال ہوں کیونکہ قلیل المال کا صدقہ غنی کے صدقہ سے افضل ہے۔
 - ۴۔ پاکدامن خواتین پر تہمت لگانے سے بچو اور اس سے بھی بچو کہ کوئی شخص کہے کہ میں نے یہ بات سنی ہے یا مجھے پہنچی ہے کیونکہ کسی عورت پر تہمت لگانا اتنا سخت ہے کہ اگر بالفرض کسی شخص نے عہد نوح میں بھی کسی عورت پر تہمت لگائی ہو تو وہ بھی قیامت کے دن مسئول ہوگا۔
- مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ ہذا میں دین اسلام کے اہم مسائل بطور نصیحت ذکر فرمائے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حق ادا کیا۔

④ عہد و پیمان کی رعایت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں احکام شرعیہ کو ملحوظ رکھا جاتا تھا اور کسی قوم کے ساتھ اگر کوئی عہد و پیمان حسب دستور باندھا گیا ہوتا تو اس کی پاسداری کا پورا پورا لحاظ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں محدثین اور مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے کئی واقعات ذکر کیے ہیں جن میں

معاہدے کی رعایت کو ملحوظ رکھنا آں موصوف سے ثابت ہے۔ اس نوع کے واقعات میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

① ایک دفعہ اہل روم اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک متعین عرصہ تک جنگ بندی کا عہدہ پیمان ہوا۔ بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اہل روم کے خلاف اقدام کرنے لگے تاکہ مدت معاہدہ ختم ہی حملے کا آغاز کر دیا جائے۔ ان حالات میں ایک بزرگ اسپ سوار (گھڑ سوار) تیزی سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے پہنچے اور فرماتے تھے اللہ اکبر اللہ اکبر وفا لا غدر (وفا کی جائے، بد عہدی نہ کی جائے) لوگوں نے نظر اٹھا کر دیکھا کہ یہ صاحب کون ہیں، تو ناگہاں معلوم ہوا کہ وہ بزرگ عمرو بن عبسہ صحابی ہیں۔ جب آپ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے تو انھوں نے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی:

((فاذا هو عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فسأله معاویہ رضی اللہ عنہ عن ذلك فقال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول من كان بينه وبين قوم عهد فلا يحلن عهدا ولا يشدنه حتى يمضى امده او ينبذ اليهم على سواء، قال: فرجع معاویہ رضی اللہ عنہ بالناس۔ رواه الترمذی و ابوداود))^۱

”یعنی عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس شخص اور قوم کے درمیان کوئی عہدہ پیمان ہو تو اس کی مدت کے اختتام سے قبل معاہدے کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے حتیٰ کہ مدت معاہدہ پوری ہو جائے یا ان کی طرف اس عہدہ کو واپس کر دیا جائے (یعنی باہم صلح کا ارتقاء بیان کر دیا جائے)۔“

اس فرمان نبوی پر عمل درآمد کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مجاہدین کے ساتھ فوراً واپس تشریف لائے۔

نوٹ

یہ واقعہ قبل ازیں جواب المطاعن (بحث سب و شتم تحت عنوان سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت) میں ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں مزید حوالہ جات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور کبار محدثین کے حوالے ذکر کر دیے ہیں تاکہ اہل ذوق حضرات رجوع کر کے تسلی کر سکیں۔

۱۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۳۷ باب الامان فصل ثانی، طبع نور محمدی دہلی

ابوداؤد شریف ص ۲۳-۲۴ ج ۲ کتاب الجہاد باب فی الامام یكون بينه وبين العدو عهد، طبع مکتبہ انوار دہلی

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۵۹ ج ۱۲ تحت کتاب الجہاد طبع کراچی

المستغنی (ابن جارود نیساپوری) ص ۳۵۷-۳۵۸ باب کرہیۃ السیر فی بلاد العدو... الخ

صحیح ابن حبان ص ۱۸۲ ج ۸ تحت بان العقد اذا وقع۔

④ اسی طرح عہد و پیمان کی رعایت کا ایک دوسرا واقعہ پیش خدمت ہے جسے مورخ بلاذری نے فتوح البلدان میں درج کیا ہے۔ وہ آں موصوف کے ایام میں پیش آیا تھا:

ایک بار اہل روم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت کی کہ رومی اہل اسلام کو (اس قدر) مال ادا کریں گے مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے چند آدمی بطور رہن کے زیر تحویل کر لیے اور ان کو بعلبک کے مقام پر ٹھہرایا۔ پھر اس معاہدہ کے بعد رومیوں نے بد عہدی کر دی اور نقض عہد کرتے ہوئے ادائے اموال سے روگردانی اختیار کی۔ اس معاملہ کی اطلاع حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آں موصوف نے اور اس موقع کے دوسرے اکابر اہل اسلام نے ان سے بد عہدی کا بدلہ نہیں لیا اور جو رومی ان کی تحویل میں تھے ان کے قتل کو حلال نہیں سمجھا بلکہ ان کو واگذار کر دیا اور کہا کہ بد عہدی کے عوض میں بد عہدی کرنے کے بجائے وفا کرنا بہتر ہے۔

((ان الروم صالحت معاویة رضی اللہ عنہ علی ان یودی الیہم مالا وارتنہن معاویة رضی اللہ عنہ منہم رہنا فوضعہم بعلبک ثم ان الروم غدرت فلم یستحل معاویة رضی اللہ عنہ والمسلمون قتل من فی ایدیہم من رهنہم وخلوا سبیلہم وقالوا وفاء بغدر خیر من غدر بغدر قال ہشام وهو قول العلماء الاوزاعی وغیرہ))

تنبیہ

پیش کردہ روایات عموماً مشہور محدثین و مورخین سے منقول ہیں۔ مندرجات بالا پر نظر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ آں موصوف کے عہد خلافت میں اتباع سنت نبوی کا بہت احترام کیا جاتا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرعی احکام پر پوری طرح کار بند رہتے تھے یہ بے راہرو اور مغلوب فرماں روا نہیں تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلامی احکام کی صریح خلاف ورزی کا جو پروپیگنڈا کیا جاتا ہے وہ سراسر واقعات کے خلاف اور صرف نظریاتی تعصب پر مبنی ہے اور جس نے بھی اسے پیش کیا ہے اس نے اسے تاریخ کے بے سرو پا اور رطب و یابس ردی مواد سے مرتب کیا ہے۔

ناظرین کرام! اپنی علمی استعداد اور دانشمندی سے اس معاملہ میں آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ تاریخی رطب و یابس پر مشتمل روایات اور فن حدیث کے اکابر محدثین کی مرویات میں مرتبہ و مقام کے لحاظ سے کیا کچھ فرق ہے؟ پھر ان دونوں قسم کے مواد اور معلومات میں موازنہ کرنا ایک عامی آدمی اور سطحی شخص کا کام نہیں ہے بلکہ اس فن کے ماہر علمائے کرام کا یہ منصب ہے۔

فلہذا انصاف پسند حضرات سے امید کی جاتی ہے کہ ان مسائل کے رد و قبول کے باب میں امتیاز مذکور کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں گے اور حضرت موصوف کے مقام و مرتبہ کا تعین اور ان کے دینی کردار کا فیصلہ فصل ہذا کے مندرجات کی روشنی میں خود کر سکیں گے۔ گزشتہ صفحات میں بیشتر مواد احادیث سے پیش کیا گیا ہے۔

فصل ہشتم

استجابت دعا اور نصرت غیبی اور کرامات کا ظہور

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت اگرچہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد سے دوسرے درجے کا ہے تاہم اس میں دین اسلام کے احیا و بقا کے لیے بہت مساعی کی گئیں اور یہ عند اللہ مقبول ہوئیں۔ بنا بریں اس دور میں برکات خداوندی کا ظہور پایا گیا اور عنایات الہی کا مظاہرہ بھی بارہا ہوتا رہا۔ چنانچہ اس سلسلے میں استجابت دعا، نصرت غیبی اور ظہور کرامت کے واقعات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک امور بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ امور اس عہد کے خیر و صلاح پر دال ہیں۔

لوگوں نے جو اس دور کے متعلق غلط نظریات قائم کر رکھے ہیں اور اسے ظلم و تعدی کا زمانہ قرار دیا ہے یہ چیز درست نہیں ہے اور واقعات کے برخلاف ہے۔

طلب باران کے لیے دعا

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک سال دمشق کے علاقہ میں قحط پڑ گیا۔ آں موصوف نے بارش کے لیے دعا کا انتظام کرتے ہوئے لوگوں کو ایک مقام پر جمع کیا اور خود منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اس اجتماع میں ایک بزرگ یزید بن اسود جرشی رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے جاہلیت کا دور پایا پھر اسلام لائے اور علاقہ شام میں سکونت اختیار کی۔ یہ ایک صالح انسان تھے اور اپنی نیکی اور تقویٰ میں مشہور اور مستجاب الدعوات تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور اپنے ساتھ منبر پر بٹھایا۔

((فقال معاویہ ﷺ اللهم انا نستشفع اليك اليوم بخيرنا وفضلنا اللهم انا نستشفع اليك بيزيد بن الاسود الجرشي يا يزيد ارفع يدك الى الله فرفع يزيد يديه ورفع الناس ايديهم۔ فما كان اوشك ان ثارت سحابة في الغرب كانها ترس وهبت لها ریح فسقينا حتى كاد الناس ان لا يبلغوا منازلهم))^۱

۱ کتاب المعرفۃ والتاریخ (سوی) ص ۳۸۰-۳۸۱ ج ۲ تحت یزید بن اسود الجرشی

طبقات ابن سعد ص ۱۵۵، ج ۷، قسم ۵۱ تحت یزید بن اسود الجرشی، طبع لیڈن

علوم الحدیث (ابن اصلاح) ص ۳۳۳ تحت النوع ۵۶، طبع مدینہ منورہ

الاصابیح الاستیعاب ص ۶۳۳ ج ۳ تحت یزید بن اسود الجرشی، طبع مصر۔

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کرتے ہوئے کہا: اے اللہ! ہم اپنے بہترین اور افضل آدمی کے توسل سے تیری طرف استشفاع کرتے ہوئے تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں اور یزید بن اسود جرشى رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھائیے۔ اس پر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور باران رحمت کی دعا کی۔ اسی وقت مغرب کی جانب سے ڈھال کی شکل کا بادل اٹھا، ہوا چلنے لگی اور لوگوں کے اپنی منازل تک پہنچنے سے قبل بارش ہونے لگی۔“

② مشہور مورخ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تاریخ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں طلب باران کا ایک دیگر واقعہ لکھتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ ایک علاقے میں بارش کی کمی واقع ہوئی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود دیگر اہل اسلام کی معیت میں ایک مقام ”الدم“ کی طرف نکلے۔ وہاں انہوں نے طلب باران کے لیے دعائیں کیں حتیٰ کہ بارش شروع ہو گئی اور پانی سے وادیاں بہنے لگیں۔

((قال مکحول: وخرج معاویة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ والمسلمون الى موضع الدم يستسقون فلم يزل ولم يبرحوا حتى سالت الاودية))^۱

قبولیت دعا

مشہور فقیہ شمس الاممہ سرحی رضی اللہ عنہ نے شرح سیر الکبیر میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی استجابت دعا ظاہر طور پر ثابت ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے فریق مقابل میں سے ایک شخص نے ایک موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے امان طلب کی حالانکہ اس شخص کی طرف سے مسلمانوں کو بہت مصیبت اور اذیت پہنچ چکی تھی تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس شخص کو اپنی ذات (کے متعلق امان طلب کرنے) سے غافل فرما دے۔ پس اس شخص نے امان طلب کرتے وقت اپنے اہل اور قوم کے لیے امان طلب کی لیکن اپنی ذات کے متعلق امان طلب کرنا بھول گیا۔ پس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی قوم اور اہل کو تو امان دے دی مگر وہ خود امان کے الفاظ میں مذکور نہ ہونے کے سبب قتل کر دیا گیا۔

((وقد حکى ان مثل هذه الحادثة وقع فى زمن معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وكان الذى يسعى فى طلب الامان للجماعة قد آذى المسلمين۔ فقال معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اللهم اغفله عن نفسه فطلب الامان لقومه واهله ولم يذكر نفسه بشيء فاخذ

^۱ تاریخ ابن عساکر، ص ۱۰۵ ج ۲ تحت باب ذکر فضل المساجد المقصوده..... الخ
تاریخ ابن عساکر کامل ص ۱۰۹ ج ۲ تحت باب ذکر فضل المساجد المقصوده (طبع اول دمشق)

و قتل) ۱ نصرت غیبی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں نصرت غیبی کا ایک اور واقعہ ۵۰ھ میں پیش آیا۔ اسے خلیفہ ابن خیاط رضی اللہ عنہ نے غزوہ قیقان کے تحت ذکر کیا ہے۔

ایک مجاہد ابو الیمان النبال کہتے ہیں کہ ہم نے سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ کی معیت میں قیقان کے غزوہ میں شرکت کی۔ دشمن کی کثیر قوم سے ہمارا سامنا ہوا تو ہمیں اپنے امیر جیش سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہیں خوشخبری ہو کہ تم دو چیزوں میں سے ایک حاصل کرو گے۔ غنیمت کا مال حاصل ہو گا یا (شہید ہونے پر) جنت ملے گی۔

چنانچہ جب دشمن سے مقابلہ کا وقت آیا تو سنان موصوف رضی اللہ عنہ نے سات چھوٹے پتھر اٹھا لیے اور اپنے جیش کو روک کر کہنے لگے کہ جس وقت سورج ڈھل جائے تو میں ان پتھروں کو دشمن کی طرف پھینکوں گا۔ پھر جب زوال شمس ہوا تو اس نے پتھر پھینکنے شروع کیے اور اپنے مجاہدین کو دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا پھر وہ بار بار تکبیر کہتے رہے اور پتھر پھینکتے رہے۔ ساتھ ہی یہ الفاظ بھی کہتے رہے: ”حم لا ینصرون“ پس ہم نے دشمن کو قتل کیا اور بہت سی مسافت پیچھے ہٹا دیا۔ وہاں اس قوم کا قلعہ تھا انھوں نے اپنے قلعے میں جا کر پناہ لے لی۔

((فقالوا: واللہ ما انتم قتلتمونا ولا قتلنا الارجال ما نراہم معکم الان علی خیل بلق علیہم عمائم بیض۔ فقلنا ذالک نصر اللہ۔ فرجعنا واللہ ما اصیب منا الا رجل واحد)) ۲

”یعنی جب وہ مغلوب ہو گئے اور پکڑے گئے تو وہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم تم لوگوں نے ہمیں قتل نہیں کیا ہمیں تو ایک جماعت نے قتل کیا ہے جن کو اب ہم تمہارے ساتھ نہیں دیکھ رہے۔ وہ لوگ تو ابلق (سفید) گھوڑوں پر سوار تھے اور سفید عمامے پہنے ہوئے تھے۔ پس ہم نے جواب میں کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص غیبی نصرت اور مدد تھی۔

روایت کرنے والا کہتا ہے کہ ہم اس غزوہ سے واپس ہوئے اور کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ اللہ کی قسم! ہمارا صرف ایک آدمی اس غزوہ میں مصیبت زدہ ہوا۔“

تنبیہ

عنوان بالا کے سلسلے میں چند ایک چیزیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بطور کرامت ظاہر

۱ شرح السیر، رخصی ص ۳۲۶ طبع مصر۔ ص ۲۲۰ ج طبع حیدرآباد، تحت باب ما صدق المستامن فی من اہل الحرب الخ

۲ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۱۹۸، ج ۱ تحت سنہ ۵۰ھ (غزوہ قیقان)

ہوئی تھیں۔ درج ذیل واقعات بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں:

① دیار افریقہ میں حضرت عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت قیروان کے مقام کو آباد کیا گیا۔ وہ مقام ایک گھنے جنگل کی صورت میں تھا اور وہاں سباع، بہائم (درندے) اور سانپ بچھو وغیرہ کثرت سے تھے۔ حضرت عقبہ بن نافع فہری موصوف رضی اللہ عنہ (جو ایک مستجاب الدعوات تابعی بزرگ تھے) نے وہاں اس جنگل کے حیوانات کو آواز دی کہ یہاں سے نکل جاؤ ہم نے یہاں آباد ہونا ہے۔ ان کی ندا کرنے کے بعد اس وادی کے تمام حیوانات وہاں سے نکل گئے اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تمام درندے وادی سے نکلے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد پھر وہاں قیروان کے اس مقام کو آباد کیا گیا۔

واقعہ مذکورہ بالا قبل ازیں فتوحات افریقہ میں قیروان کی آباد کاری کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے اور اس کے حوالہ جات وہاں حاشیہ میں ذکر کر دیے تھے۔ مزید حوالہ جات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۸۰ ج ۳ تحت عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ

۲۔ معجم البلدان (یاقوت حموی) ص ۲۲۱ ج ۱۶ تحت قیروان

② اسی طرح ظہور کرامت کا دیگر واقعہ بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آیا تھا اور وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے متعلق ہے۔ قبل ازیں غزوہ قسطنطنیہ کے عنوان کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔

مختصراً وہ اس طرح ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس جیش میں شامل تھے جس نے قسطنطنیہ پر ۵۴ھ میں حملہ کیا تھا اور اس جیش کا امیر یزید بن معاویہ تھا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی دوران میں بیمار ہو گئے اور مرض کی نازک صورت حال میں انہوں نے وصیت فرمائی کہ میرے انتقال پر غسل و کفن کے بعد مجھے جہاں اسلام کی فوجیں دشمن سے مقابلہ کر رہی ہیں وہاں جا کر دفن کر دینا۔ حسب وصیت آپ کو قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے دامن میں دفن کر دیا گیا۔ پھر اس کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک سے ایک نور آسمان کی طرف بلند ہوا اور یہ منظر اطراف کے لوگوں نے دیکھا تو اس ظہور کرامت پر بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے، اور بعدہ وہ لوگ طلب باران کے لیے اس سے توسل پکڑے تھے۔ الخ

فصل نہم

بنی ہاشم و اولاد ابی طالب کے ساتھ ربط و تعلق کی چیزیں

(مع عطیات و ہدایا کے)

اس مقام پر چند ایک ایسی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہاشمی حضرات خصوصاً حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے ساتھ واضح ہوتا ہے۔ اور آں موصوف کی طرف سے اپنے عہد خلافت میں ان حضرات کے مابین بہتر روابط کا پایا جانا ہمارے دعویٰ کی تصدیق ہے۔

اس سلسلے میں اگرچہ بعض چیزیں قبل ازیں ہم نے اپنی کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلقات کے تحت ذکر کر دی ہیں تاہم یہاں اس مقام پر مزید چیزیں بھی ذکر کی جائیں گی اور سابقہ مندرجات کا حوالہ بھی دے دیا جائے گا۔

مختصر یہ ہے کہ بنی ہاشم و اولاد ابی طالب کے ساتھ ربط و تعلق کے مواقع بدلائل پیش کیے جاتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زبانی فضیلت بنی ہاشم کا اقرار

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں بھی بنی ہاشم کی فضیلت اور شرف کے قائل تھے اور ان سے بہتر روابط رکھنے کے روادار تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ابوالحسن مدائنی نے سلمہ بن محارب سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیان ذکر کیا ہے:

((قال قيل لمعاوية رضی اللہ عنہ ایکم کان اشرف؟ انتم او بنو ہاشم قال کنا اکثر

اشرافا وکانوا ہم اشراف فیہم واحد لم یکن فی بنی عبد مناف مثل ہاشم

فلما هلك کنا اکثر عددا و اکثر اشرافا وکان فیہم عبدالمطلب لم یکن فینا

مثله فلما مات صرنا اکثر عددا و اکثر اشرافا ولم یکن فیہم واحد کواحدنا

فلم یکن الا کقرار العین حتی قالوا منا نبی فجاء نبی لم یسمع الاولون

والاخرین بمثله محمد صلی اللہ علیہ وسلم فمن یدرک هذا الفضیلة وهذا الشرف))^۱

”یعنی سلمہ بن محارب نے کہا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک بار اس طور پر سوال کیا گیا کہ آپ بنی

امیہ شرف و عزت میں زیادہ ہیں یا بنی ہاشم؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی وضاحت کرتے

ہوئے یوں جواب ذکر کیا کہ ہم دونوں قبیلے صاحب شرافت تھے لیکن ہاشم جیسا بنی عبد مناف میں کوئی نہیں تھا۔ جب ہاشم فوت ہو گئے تو ہمارے قبیلے کا عدد زیادہ تھا، ہم بنی امیہ عدد اور شرف میں زیادہ تھے لیکن عبدالمطلب جیسا ہم میں کوئی فرد نہیں تھا۔ جب عبدالمطلب فوت ہوئے تو پھر بھی ہم شرف اور عدد میں زیادہ تھے۔ ہم اسی حال میں تھے کہ بنی ہاشم نے کہا کہ ہم میں نبی مبعوث ہوئے ہیں۔ پس ایسے نبی تشریف لائے کہ اولین و آخرین نے اس جیسا نہیں سنا۔ وہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس اس فضیلت اور شرف کو اور کون حاصل کر سکتا ہے؟ کوئی نہیں۔“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس بیان میں قبیلہ بنی ہاشم کے تفوق اور مرتبے میں فائق ہونے کا برملا اقرار کیا گیا ہے۔

② ایک دوسرے مقام پر شیعہ مصنفین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف آں موصوف نے ارسال کیا تھا۔ اس خط میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شرافت اور فضیلت اور قرابت کا واضح طور پر اقرار کیا گیا ہے:

((فاما شرفك في الاسلام وقرابتك من النبي ﷺ ومن موضعك من قریش
فلمست اذفعه))^۱

”یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جواب میں تحریر کرتے ہیں کہ جو فضیلت و شرف اسلام میں آپ کو حاصل ہے اور جو نسبی قرب آپ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نصیب ہے اور جو بنی ہاشم میں آپ کا مقام ہے میں اس چیز کو رد نہیں کرتا (بلکہ ان سب کو تسلیم کرتا ہوں)۔“

حضرت عقیل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے برادر کلاں تھے اور اولاد ابی طالب میں ایک مقتدر مقام رکھتے تھے۔ مورخین کے نزدیک اپنے دور کے نسب دانوں میں مشہور تھے اور دور جاہلیت کے اہم واقعات ان کو ازبر تھے اور بے باکی سے کلام کرنا ان کا شیوہ تھا۔

ان کے متعلق سنی و شیعہ علماء لکھتے ہیں کہ عہد خلافت مرتضوی میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے برادر امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے (اپنی رائے کے اختلاف کی بنا پر) الگ ہو گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے۔ بعدہ جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے لیکن آپ نے قتال نہیں کیا۔

۱۔ درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ ص ۱۰۲ تحت ومن کلام لعلیہ وقد اشار علیہ اصحابہ بالاستعداد للحرب۔

شرح نہج البلاغہ (ابن میثم بحرانی) ص ۱۱۱ ج ۲ تحت ومن کلام لعلیہ وقد اشار علیہ اصحابہ بالاستعداد للحرب طبع تہران۔

ہم یہاں شیعہ مورخ کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن عنبہ نے اپنی تصنیف ”عمدة الطالب“ میں تحریر کیا ہے کہ:

((وفارق اخاه عليا امير المؤمنين في ايام خلافته وهرب الي معاوية وشهد

صفين معه غير انه لم يقاتل..... الخ))^۱

اولاد ابی طالب کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے پر خاش رکھنے والے لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جس طرح صلواتیں سناتے ہیں اور سب دشتم کرتے ہیں وہ ہرگز درست نہیں۔ بعض امور میں اختلاف رائے کا پایا جانا ایک فطری امر ہے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور وقار کا لحاظ رکھنا اپنے مقام پر ضروری ہے۔ اس بنا پر کہ اولاد ابی طالب اور حضرت موصوف کے مابین بہتر روابط قائم تھے۔

نیز مورخین نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ حسب موقع گفتگو ہوئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا اکرام کیا اور عزت افزائی فرمائی اور ایک لاکھ درہم کا عطیہ دیا۔ اس واقعہ کو متعدد سنی و شیعہ علماء نے اپنی اپنی عبارات میں ذکر کیا ہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ:

((ووفد علي معاوية واكرمه..... فاتي معاوية فاعطاه مائة الف..... الخ))^۲

اور شیعہ کے عالم کبیر شیخ ابو جعفر طوسی شیخ الطائفہ نے اپنی تصنیف امالی میں اس مضمون کو نقل کیا ہے:

((قد امرنا لك بمائة الف فاعطاه مائة الف))^۳

قبل ازیں ہم نے یہ حوالہ اپنی کتاب ”مسئلہ اقر بانوازی“ ص ۲۰۷ میں ”حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کا وظیفہ“ کے عنوان کے تحت ذکر کر دیا ہے۔ واقعہ ہذا میں بنی ہاشم کی قدردانی اور ان کے ساتھ تعاون کا واضح ثبوت موجود ہے۔

سیدنا امام حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بڑا مقام تھا اور ان حضرات کے باہم تعلقات اور قدردانی کی کئی چیزیں احادیث اور اسلامی تاریخ میں مذکور ہیں۔ قبل ازیں حضرت امیر معاویہ اور

۱ عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۱ تحت الاصل الاول فی ذکر عقب عقیل بن ابی طالب از سید جمال الدین احمد بن علی حسنی المعروف بابن عتبہ التونی ۸۲۸ھ

۲ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۳-۲۳۴ ج ۲ تحت ترجمہ عقیل بن ابی طالب

۳ امالی، شیخ ابو جعفر طوسی شیعہ ص ۳۳۲ ج ۲ تحت مجلس، طبع عراق نجف اشرف

سیدنا حسن رضی اللہ عنہما کے صلح و مصالحت کا مسئلہ بیان ہو چکا ہے، اس کے بعد اب دیگر روابط مختصراً بیان کیے جاتے ہیں:

① محدثین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے جس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا ثبوت موجود ہے۔ امام احمد رضی اللہ عنہ اپنی مسند میں ذکر کرتے ہیں کہ

((عن معاویة رضی اللہ عنہ قال: رأيت رسول الله ﷺ يمص لسانه او قال شفتيه يعني الحسن بن علي صلوات الله عليه وانه لن يعذب لسان او شفتان مصهما رسول الله ﷺ))^۱

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما صغریٰ میں تھے اور میں نے دیکھا کہ نبی اقدس ﷺ جناب حسن رضی اللہ عنہ کی زبان کو چوس رہے تھے یا ان کے ہونٹوں کو بوسہ دے رہے تھے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے جس زبان کو چوسا یا جن ہونٹوں کو بوسہ دیا ان کو ہرگز عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔“

② محدثین نے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی گویائی میں نقص بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ کلام کرنے میں عاجز ہیں اور رک جاتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں فرمایا کہ اس طرح مت کہیں کیونکہ جناب نبی کریم ﷺ نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کے دہن میں اپنا لعاب مبارک ڈالا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس آدمی کے منہ میں جناب نبی اقدس ﷺ اپنا لعاب دہن ڈالیں وہ عاجز الکلام نہیں۔

((قال عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وابو الاعور السلمی لمعاویة رضی اللہ عنہ ان الحسن بن علي عیى۔ فقال معاویة رضی اللہ عنہ لا تقولوا ذلك فان رسول الله ﷺ قد تفل فی فيه ومن تفل فی فيه رسول الله ﷺ فلیس بعیى))^۲

③ شیعہ کے قدیم اور مشہور مورخ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ گفتگو کرنے والے جناب حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں کہ جن کے متعلق ہم چاہتے ہیں کہ وہ گفتگو کرتے رہیں اور خاموش نہ

۱۔ مسند امام احمد ص ۹۳ جز رابع تحت حدیث معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

مجمع الزوائد (پہلی) ص ۱۷۷ ج ۹ تحت باب ماجاء فی حسن بن علی رضی اللہ عنہ فی فضل اہل البیت

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۷۲ ج ۳ تحت تذکرہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ

۲۔ مجمع الزوائد (پہلی) ص ۱۷۷ ج ۹ تحت باب فی فضل اہل البیت رضی اللہ عنہم

کنز العمال ص ۱۰۴، ج ۷ روایت نمبر ۸۷۶ طبع اول حیدرآباد دکن بحوالہ ابن عساکر۔

ہوں اور فرمایا کہ میں نے جناب حسن (رضی اللہ عنہ) کی زبان سے ایک بار کے سوا کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں سنا۔ وہ اس طرح کہ جناب حسن بن علی المرتضیٰ اور عمرو بن عثمان (رضی اللہ عنہما) کے مابین ایک قطعہ زمین کے سلسلے میں ایک تنازع واقعہ ہوا تھا۔ اس معاملہ میں رفع نزاع کے لیے حسن (رضی اللہ عنہ) نے ایک تجویز پیش کی جسے عمرو بن عثمان نے پسند نہیں کیا۔ اس وقت جناب حسن (رضی اللہ عنہ) نے ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ ہمارے پاس اس کے سوا کچھ نہیں، اس کی ناک خاک آلود ہو۔ بس یہی فحش کلمہ ہے جس کے سوا میں نے ان کی زبان سے کوئی فحش کلمہ نہیں سنا۔

((وقال معاویة رضی اللہ عنہ ما تکلم عندی احد کان احب الی اذا تکلم ان لا یسکت من الحسن بن علی رضی اللہ عنہما وما سمعت منه کلمة فحش قط الامر، فانه کان بین الحسن بن علی وبن عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما خصومة فی ارض۔ فعرض الحسن بن علی رضی اللہ عنہما امرالم یرضه عمرو فقال الحسن رضی اللہ عنہ: لیس له عندنا الا ما رغم انفه۔ فهذه اشد کلمة فحش سمعتها منه قط))^۱

③ مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موجود تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ”مروت“ کا مفہوم حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مروت یہ ہے کہ انسان کی سمجھ (فقہ الرجل) اپنے دین کے بارے میں ہو اور وہ اپنے معاش میں اصلاح کرے (یعنی جائز و ناجائز میں امتیاز رکھے) مخالفت کی صورت میں لوگوں کے ساتھ بہتر معاملہ سے پیش آئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ ”نجدہ“ (قوت، بہادری، دلیری) کیا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ظلم کی مدافعت کرنا اور مکروہ چیزوں پر اقدام کا خلاف کرنا۔

پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ”جوڈ“ (سخاوت) کا مفہوم کیا ہے؟ تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فضیلت کے ساتھ احسان کرنا اور سوال سے قبل عطا کرنا اور مشکل اوقات میں طعام دینا۔

یہ جوابات سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ شہادت دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ آپ نے سچ فرمایا۔

((وزعموا ان معاویة رضی اللہ عنہ قال للحسن بن علی رضی اللہ عنہما ما المروءة؟ فقال فقه الرجل فی دینه واصلاحه معاشه وحسن مخالفتہ للناس۔ فقال فما النجدة؟

قال الذب عن الجارة والاقدام على الكريهة قال فما الجود؟ قال التبرع
بالافضال والاعطاء قبل السؤال و الاطعام عند الامحال قال معاوية رضي الله
اشهد بالله لقد صدقت))^۱

اور شیعہ علماء میں سے شیخ صدوق نے اپنی کتاب معانی الاخبار میں حضرت امیر معاویہ اور حضرت حسن
رضی اللہ عنہما کی ”مروت“ سے متعلق گفتگو کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((قال عبدالرحمن بن العباس و رفعه قال سأل معاوية الحسن بن علي رضي الله
عن المروة فقال شح الرجل على دينه واصلاحه ما له وقيامه بالحقوق فقال
معاوية احسنت يا با محمد احسنت يا با محمد))^۲

”مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروت کے متعلق سوال کیا کہ مروت
کیا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ ”آدمی کا اپنے دین کی حفاظت میں حرص کرنا (ناجائز
طریقے سے بچانے کے لیے) اپنے مال کی اصلاح رکھنا اور حقوق کی ادائیگی قائم کرنا“ یہ جواب معلوم کر کے
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابو محمد آپ نے بہترین جواب دیا ہے۔“

عبدالرحمن بن عباس نے کہا کہ اس کے بعد جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور
مزید گفتگو کرتے تو مجھے پسند تھا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بات کو لوٹاتے اور دہراتے تھے۔

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا باہم ربط تھا اور کوئی عناد اور کدورت نہیں رکھتے تھے اور
ایک دوسرے کی مجالس میں بے تکلفی سے علمی مذاکرات جاری رکھتے تھے۔

سیدنا حسین اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما

سابقہ مندرجات میں حضرت حسن اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی تعلق کی چند چیزیں ذکر کی ہیں۔
اب اس مقام پر سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی روابط کی بعض اشیاء مختصر ادرج
کی جاتی ہیں جن سے ان حضرات کا بہتر ربط و تعلق ثابت ہوتا ہے:

① عامر شعبی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک بار مسماة ماریہ قبٹیہ رضی اللہ عنہا ام ابراہیم (ابن
رسول اللہ ﷺ) کے اہل قریہ کے جزیہ کے متعلق (جو ولایت مصر میں تھا) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو
کی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی سفارش قبول کرتے ہوئے) اس جزیہ کو معاف
کر دیا۔ جناب نبی کریم ﷺ قبٹیوں کے ساتھ خیر کی وصیت فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان - بیضا

۲۔ کتاب معانی الاخبار (شیخ صدوق شیبی) ص ۷۵ باب نمبر ۱۰۴ طبع قدیم۔

((عن الشعبي ان علي بن الحسين رضي الله عنه او الحسين رضي الله عنه نفسه كلم معاوية في جزية اهل قرية ام ابراهيم ابن رسول الله صلى الله عليه وسلم بمصر فوضعها عنهم- كان النبي صلى الله عليه وسلم يوصي بالقبط خيرا))^۱

تنبیہ

واقعہ ہذا کے متعلق مورخین کی نقل عبارت میں اس طرح کا فرق پایا جاتا ہے کہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ سفارش سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کی تھی یا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے؟ اس اختلاف سے اصل واقعہ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ہمارے مضمون کی تائید ہر صورت میں پائی جاتی ہے۔ اور بعض مقامات پر علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا نام بھی اس موقع پر منقول ہے وہ بظاہر نقل ناقصین کا سہو ہے۔ واللہ اعلم

واقعہ ہذا کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شہر والوں سے ان کے احترام و تکریم کی بنا پر خراج (ٹیکس) معاف کر دیا ففعل معاویة ذلك رعاية لحرمتهم^۲ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا جناب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی سفارش منظور فرمائی جو ان کی قدردانی کا عمدہ ثبوت ہے۔

② مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں مقام بقیع میں زرعی زمین کی بغیغہ اور عین ابی نیرز نامی دو جائدادیں تھیں جو آپ نے فقراء مدینہ اور مسافروں پر وقف کر رکھی تھیں اور ساتھ یہ بھی شرط لگا دی تھی کہ حسن یا حسین رضی اللہ عنہ کو کسی مجبوری کے وقت ان کی ضرورت پڑے تو انھیں ان جائدادوں سے فائدہ اٹھانے کا پورا حق ہے۔

واقعہ ہذا کے آخر میں یہ بات مذکور ہے کہ ایک بار حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر عہد خلافت علوی کے بعد بہت سا قرض ہو گیا اور وہ ان حالات میں مجبور ہو گئے۔ جب یہ خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے عین ابی نیرز کی جائداد کے متعلق پیشکش کی کہ اسے میرے ہاتھ ایک لاکھ میں فروخت کر دیں لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اس وقف جائداد کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور اس وقف کو بحال رکھا۔

((انه وقفهما على فقراء المدينة وابن السبيل الا ان يحتاج الحسن رضي الله عنه او الحسين رضي الله عنه فهما طلق وفي اخر الخبر ان الحسين رضي الله عنه احتاج لاجل دين عليه فبلغ ذلك معاوية رضي الله عنه فذفع له في عين ابى نيرز مائة الف- فابى ان

۱۔ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۲۶ تحت فتوح مصر ومغرب۔ طبع مصر

سیرت حلبیہ (علی بن برہان الدین طیبی شامی) ص ۳۵۰، ج ۳،

۲۔ سیرت حلبیہ ص ۳۵۰ ج ۳ باب ذکر اولادہ رضی اللہ عنہم۔

بیعہا وامضی وقفہا) ^۱

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عین ابی نیرز کی زرعی زمین خریدنے کے لیے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دو لاکھ دینار ارسال کیے مگر حسین ابن علی رضی اللہ عنہما نے جائداد بذا کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا (اور اس وقف کو بحال رکھا)۔

((قال ابن ہشام فرکب الحسین رضی اللہ عنہ دین فحمل الیہ معاویۃ بعین ابی نیرز

مائی الف دینار۔ فابی ان بیع)) ^۲

واقعہ ہذا سے معلوم ہوا کہ

✽ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ضرورت کے باوجود اپنے اکابر کے اوقاف کو اپنی صحیح نوعیت پر قائم رکھا اور انہیں ضائع نہیں کیا۔

✽ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ضرورت کا اپنی جگہ پر احساس کرتے ہوئے ان کی ضرورت کو پورا کرنے کی پیشکش کی اور حاجت روائی کا لحاظ کیا۔

③ مسافع بن شیبہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حج پر تشریف لائے۔ ردم کے مقام پر پہنچے تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سواری کی باگ روک کر اسے بٹھا دیا۔ اس کے بعد دونوں حضرات (سیدنا حسین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما) نے طویل سرگوشی کی صورت میں گفتگو کی۔ پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے مقام کی طرف واپس ہوئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار ہو کر آگے تشریف لے گئے۔

((عن مسافع بن شیبۃ قال: حج معاویۃ فلما کان عند الردم اخذ الحسین

رضی اللہ عنہ بخطام ناقته فاناخ بہ راحلته ثم سارہ طویلاً ثم انصرف وزجر معاویۃ

راحلته وسار)) ^۳

یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کے مابین کوئی عناد نہیں تھا بلکہ تعلق تھا اور عند الضرورت گفتگو کرتے اور احوال سے آگاہ ہوتے تھے۔

باہم معاہدہ کی رعایت اور بیعت کا لحاظ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح و مصالحت کا عہدہ کر چکے تھے اور بیعت خلافت

۱ الاصابہ (ابن حجر) ص ۱۹۸ ج ۳ تحت ۱۱۷۰، ابو نیرز مع الاستیعاب طبع مصر

۲ وفاء الوفاء (نور الدین سمہ دی) ص ۱۲۷ ج ۳ تحت عین ابی نیرز۔

۳ کتاب انساب الاشراف بلاذری) ص ۴۵ تحت معاویہ بن ابی سفیان ج ۱، قسم اول جز ۱، ج ۱

کو تسلیم کر چکے تھے۔ عراق کے لوگ ان کو خلاف کرنے پر زور دیتے تھے۔ چنانچہ شیعہ کے اکابر علماء مثلاً شیخ مفید وغیرہ نے مسئلے کو اس طرح لکھا ہے کہ

① سیدنا حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد عراق کے شیعوں نے سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر آمادہ کرنے کی پر زور کوشش کی اور ان کی بیعت کو توڑ دینے کے لیے تحریر کیا۔ لیکن اس صورت میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے عراقی ہوا خواہوں کے جواب میں اپنے مافی الضمیر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ معاویہ اور میرے درمیان صلح کا معاہدہ اور بیعت کا عقد ہو چکا ہے اب میں اس عہد ہذا کے نقض کرنے کو ناجائز سمجھتا ہوں حتیٰ کہ اس کی مدت ختم ہو جائے (یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت تمام ہو جائے)۔

((لما مات الحسن رضی اللہ عنہ تحرکت الشيعة بالعراق وكتبوا الى الحسين رضی اللہ عنہ في خلع معاوية والبيعة له فامتنع عليهم وذكران بينه وبين معاوية عهدا وعقد لا يجوز له نقضه حتى تمضي المدة))^۱
اور دیگر مورخین نے بھی اس چیز کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے۔ چنانچہ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اس طرح لکھا ہے کہ

((فكان اهل الكوفة يكتبون الى الحسين رضی اللہ عنہ ويسألونه الخروج اليهم۔ وكان ذلك ايام خلافة معاوية رضی اللہ عنہ فكان يابى ولا يجيبهم الى طلبهم))^۲
اور شیعہ کے قدیم تر مورخ دینوری نے بھی اس واقعہ کو اخبار الطوال میں درج کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے برہم ہونے والے معاندین نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے خلاف نقض عہد کرنے اور بیعت کو ختم کر ڈالنے پر آمادہ کرنا چاہا تھا لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب میں ارشاد فرمایا کہ:
((فقال الحسين انا قد بايعنا وعاهدنا ولا سبيل الى نقض بيعتنا))^۳
”یعنی ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر چکے ہیں اور صلح کا معاہدہ کر چکے ہیں اب بیعت ہذا کے توڑنے کی کوئی صورت نہیں۔“

اکابر شیعہ کے بیانات سے واضح ہوا کہ حضرت حسین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کا باہم ربط اور تعلق معاہدہ کی صورت میں موجود تھا اور بیعت خلافت کرنے کے بعد وہ اس عہد پر قائم تھے اور اسی صورت حال پر

۱۔ الارشاد (شیخ مفید) ص ۱۸۲ ذکر حالات حسین فصل فی بیعة الحسين عن الناس، طبع تبران۔

۲۔ تلخیص ابن عساکر ص ۳۲۶ ج ۴ تحت ذکر قصہ واقعہ حسین رضی اللہ عنہ وفضلہ

۳۔ اخبار الطوال (دینوری شیعہ) ص ۲۲۰ بحث مباہدہ معاویہ بالخلافہ و زیاد بن ابیہ، مطبوعہ قاہرہ مصر

ہمیشہ رہے، اس میں تبدیلی نہیں کی اور یہ معاہدہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت تک رہا۔

نوٹ

قبل ازیں حوالہ ہذا جواب المطاعن (بحث قتل حجر بن عدی) میں اور کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ ص ۱۹۳ پر درج ہو چکا ہے۔ یہاں تسلسل مضمون کی خاطر ذکر کیا گیا۔

② نیز شیعہ مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک بار مدینہ طیبہ کے والی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ آپ کی خلافت کی مخالفت میں کچھ اقدام کرنا چاہتے ہیں۔

یہ چیز معلوم کرنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے والی مدینہ منورہ کو اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو الگ الگ مکتوب ارسال کیے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے والی مدینہ کی طرف تحریر کیا کہ آپ جناب حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ فکر نہ کریں اور کوئی تعرض نہ کریں کیونکہ انہوں نے ہمارے ساتھ بیعت کر رکھی ہے اور وہ اپنی بیعت کو توڑنے والے نہیں اور وہ اپنی ذمہ داری کے عہد کو ختم نہیں کریں گے۔

((فکتب الیہ معاویة رضی اللہ عنہ: لا تعرض للحسین فی شیء فقد بايعنا وليس بناقض ببيعتنا ولا مخضر ذمتنا))^۱

”اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مکتوب ارسال کیا اور اس میں تحریر کیا کہ بعض چیزیں آپ کی طرف سے ہمارے ہاں پہنچی ہیں جو آپ کی شان کے لائق اور مناسب نہیں۔ اس لیے کہ جس شخص نے اپنے دائیں ہاتھ سے بیعت کا عہد کر دیا ہے یہ امر وفا کا متقاضی ہے اور ایفا کرنے کے لائق ہے۔ آپ پر اللہ کریم کی رحمت ہو۔ خیال رکھیے کہ آپ کو خفیف العقل لوگ جو فتنہ انگیزی کو پسند کرتے ہیں غیر مطمئن اور مضطرب نہ کر دیں۔ والسلام“

((وكتب الى الحسين اما بعد: فقد انتهت الى امور عنك لست بها حريا. لان من اعطى صفقة يمينه جدير بالوفاء. فاعلم رحمك الله اني متي انكرك تستكرني ومتي تكدني اكدك. فلا يستفزك السفهاء الذين يحبون الفتنة. والسلام))^۲

اس کے بعد مکتوب ہذا کے جواب میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط روانہ کیا

۱ اخبار الطوال (دینوری شیعہ) ص ۲۲۲ تحت بن معاویہ و عمرو بن عاص (طبع مصر)

۲ اخبار الطوال (احمد بن داؤد دینوری شیعہ) ص ۲۲۲-۲۲۵ طبع مصر تحت بن معاویہ و عمرو بن عاص

اور لکھا کہ

((فكتب اليه الحسين ما اريد حربك ولا الخلاف عليك))^۱

”یعنی حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا کہ ہمارا آپ کے ساتھ محاربہ و قتال کرنے کا کوئی قصد نہیں اور نہ مخالفت کا کوئی ارادہ ہے۔“

اور ابن عساکر نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((فكتب اليه الحسين رضي الله عنه: اتاني كتابك وانا بغير الذي بلغك عنى جدير

والحسنات لا يهدى لها الا الله وما اردت لك محاربة ولا عليك خلافا))^۲

”یعنی جناب حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جواب ارسال کیا کہ آپ کا مکتوب

مجھے ملا ہے۔ جو کچھ بات آپ کو میری طرف سے پہنچی ہے وہ میرے لائق نہیں بلکہ میں اس کے

خلاف ہوں۔ نیک کاموں کی جانب اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتے ہیں۔ آپ کے ساتھ جنگ و جدال کا

میرا ارادہ بالکل نہیں اور نہ مخالفت کرنے کا قصد ہے۔“

اکابر شیعہ کی طرف سے مزید تائید و تصدیق

سابقہ سطور میں ہم نے سیدنا حسین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان رفع نزاع کے سلسلے میں

باہمی خط و کتابت پیش کی ہے۔ اس کے بعد ان حالات کا جائزہ بطور الزام شیعہ کے اکابر مورخین کے بیانات

کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ دینوری شیعہ نے لکھا ہے کہ

((قالوا ولم ير الحسن ولا الحسين طول حياة معاوية منه سوء في انفسهما

ولا مكروها. ولا قطع عنهما شيئا مما كان شرط لهما ولا تغير لهما عن

بر))^۳

”یعنی مورخین کہتے ہیں کہ حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی

آپ کی طرف سے کوئی برائی یا ناپسندیدہ بات نہیں دیکھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان تمام

شرائط میں سے کسی ایک شرط کو بھی ضائع نہیں کیا (جو ان حضرات کے درمیان طے ہوئی تھی) اور

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے حق میں کسی احسان اور بھلائی کے

امر کو تبدیل نہیں کیا (اور ان کے مفادات کے خلاف نہیں کیا)۔“

۱ اخبار الطوال (دینوری شیعہ) ص ۲۲۵ تحت بین معاویہ و عمرو بن عاص

۲ تلخیص ابن عساکر، ابن بدران ص ۳۲۷ ج ۲ تحت ذکر واقعہ الحسین رضی اللہ عنہ و فضلہ

۳ الاخبار الطوال (احمد بن داؤد دینوری شیعہ التونی ۲۸۲ھ) ص ۲۲۵ تحت بحث بین معاویہ و عمرو بن عاص طبع مصر قاہرہ

نوٹ

حوالہ ہذا ”مسئلہ اقربا نوازی“ ص ۱۹۴ پر قبل ازیں درج ہو چکا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ

✽ مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرات حسنین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مصالحت اور بیعت خلافت منعقد ہو چکی تھی وہ صحیح اور درست تھی اور اس میں مخالفت و دھوکا دہی کا کوئی دخل نہیں تھا۔

✽ ان دونوں حضرات کے درمیان کوئی عداوت اور دشمنی نہیں تھی اور نہ ان دونوں حضرات نے ایک دوسرے کے ساتھ خلاف کرنا پسند کیا بلکہ باہمی حقوق کی رعایت پوری طرح قائم رکھی۔

✽ باوجودیکہ بعض پر خاش رکھنے والے لوگوں نے ان دونوں حضرات کے درمیان منافرت اور نزاع پیدا کرنے کی پوری کوشش کی لیکن حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اسلامی اتحاد کو قائم رکھنے کی خاطر کوئی مخالفانہ اقدام نہیں کیا اور وحدت ملی کو ملحوظ رکھا۔

حاصل یہ ہے کہ حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے عملی تعاون کے ذریعے سے ثابت ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح اور برحق تھی اور آں موصوف جاہل اور ظالم خلیفہ نہیں تھے۔ اس وجہ سے کہ از روئے قواعد شرعی یہ حضرات ظالموں کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتے تھے۔

محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مشہور صاحبزادے ہیں اور حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے بعد ان کا اہم درجہ ہے بڑے اہل علم اور صاحب شجاعت جوان تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال سے قبل حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کو ان کے حق میں حسن سلوک کی وصیت فرمائی تھی۔

اہل تراجم نے لکھا ہے کہ ان کی کنیت ابو القاسم اور ابو عبد اللہ تھی لیکن ابن حنفیہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی والدہ کا نام خولہ بنت جعفر تھا جو قبیلہ بنی حنیفہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور یہ لونڈی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی تھی۔ بعدہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے بطن سے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ مذکور متولد ہوئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ بطور وفد کے آں موصوف کے پاس تشریف لاتے تھے۔

((محمد بن علی بن ابی طالب ابو القاسم و ابو عبد اللہ ایضا و هو المعروف بابن الحنفیة و كانت سوداء سنهدية من بنی حنیفة اسمها خولة (بنت جعفر)

ولد محمد فی خلافة عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ))

((وكان محمد بن علي من سادات قريش ومن الشجعان المشهورين ومن

الاقوياء المذكورين))

((ووفد علي معاوية رضی اللہ عنہ وعلی عبدالملک بن مروان..... الخ))^۱

اور حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے باب حدیث میں ان کی علمیت و قابلیت کے سلسلے میں ذکر کیا ہے کہ ابن

حنفیہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی حضرت علی اور حضرت عثمان، عمار، معاویہ بن ابی سفیان، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن

عباس رضی اللہ عنہ سے روایت حدیث کے ناقل اور راوی ہیں اور ان کے تلمیذ ہیں۔

((روى (محمد بن الحنفية) عن ابيه و عثمان و عمار و معاوية بن ابى سفیان و

ابن عباس رضی اللہ عنہ))^۲

مورخین نے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی زور آزمائی کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جس میں ان کی قوت اور شجاعت کا

مظاہرہ ہوتا ہے اور یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے عہد خلافت میں پیش آیا۔

مصنفین نے لکھا ہے کہ رومیوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زور آزمائی کے

لیے ایک پہلوان آیا اور وہ اپنی زور قوت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ ہاشمی جو ان موجود تھے۔ ان

کے ساتھ اس پہلوان کا مقابلہ کرایا گیا اور محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ اس مقابلہ میں غالب رہے۔ یہ واقعہ بہ عبارت

ذیل منقول ہے:

((ثم وجه معاوية رضی اللہ عنہ الى محمد بن الحنفية فحضر فخير بما دعى له. فقال

(ابن الحنفية) قولوا له ان شاء فليجلس وليعطني يده حتى اقيمه. او يقعدني

و ان شاء فليكن، هو القائم وانا القاعد. فاختار الرومي الجلوس فاقامه

محمد وعجز الرومي عن اقعاده. ثم اختار ان يكون محمد هو القاعد

فجذبه محمد فاقعده وعجز الرومي عن اقامته))^۳

^۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۸ ج ۹ تحت محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط عکسی) ص ۲۲ ج ۱۵ تحت محمد بن علی رضی اللہ عنہ (ابن حنفیہ)

^۲ تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) ص ۳۵۴ ج ۹ تحت محمد بن علی (ابن حنفیہ)

^۳ الکامل (مبرد) ص ۲۵۷ ج ۲ ص ۳۰۸ ج ۱ طبع مصر

وفیات الامیاء، (ابن خلکان) ص ۴۴۹ ج ۱ تحت محمد بن علی بن ابی طالب، طبع مصر قدیمی

البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۰۲ ج ۸ تحت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری۔

شیعہ اکابر کی طرف سے بھی اس واقعہ کی تائید پائی جاتی ہے۔ اور شیعہ کے مشہور فاضل ابن ابی الحدید نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں ص ۲۳۷ ج ۳ طبع قدیم بیروت پر ”فی ذکر بعض فخرت بنو ہاشم ممن لم یوجد مثله فی الامویہ“ کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔

اس واقعہ کا مفہوم یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے اور ان کو جس مقصد کے لیے بلایا گیا اس سے آگاہ کیا۔ اس پر محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلوان سے کہیے کہ اگر وہ چاہے تو بیٹھ جائے اور مجھے اپنا ہاتھ پکڑا دے، میں اس کو کھڑا کر دوں گا۔ یا وہ مجھے بٹھالے اور اگر وہ چاہے تو کھڑا ہو جائے اور میں بیٹھ جاتا ہوں (مجھ کو کھڑا کر لے)۔

رومی نے بیٹھنا پسند کیا لیکن محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اسے کھڑا کر دیا اور وہ انھیں بٹھانے سے قاصر رہا۔ پھر اس رومی نے کہا کہ محمد بن حنفیہ بیٹھ جائیں تو ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے پہلوان کو بھی ساتھ بٹھا دیا اور رومی پہلوان محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کو کھڑا کرنے پر قادر نہ ہو سکا۔ اس طرح رومی شکست خوردہ ہو کر واپس چلا گیا۔

واقعہ ہذا سے ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ کے اوصاف جلیلہ اور قوت و شجاعت کا مظاہرہ ہوتا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی آمد و رفت کے ساتھ ان کی مجالس میں زور آزمائی کے جوہر دکھانا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی عزت افزائی اور قدر دانی کا پایا جانا بھی واضح ہے۔ پس یہ چیزیں ان حضرات کے مابین روابط پر واضح دلالت کرتی ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے وظائف اور عطیات

یہ عنوان قبل ازیں ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں مستقلاً ذکر ہو چکا ہے تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت و سوانح میں اسے دہرانے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے تاکہ اس فصل کے سابقہ روابط میں یہ مسئلہ مستقل عنوان کی صورت میں پیش ہو سکے اور عطیات و وظائف کے سلسلے میں جو مزید حوالہ جات دستیاب ہیں ان کو سابقہ حوالہ جات سے ملا کر ایک ترتیب سے پیش کیا جاسکے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اکابر بنی ہاشم حضرات کی ان کے ہاں دار الخلافہ دمشق میں آمد و رفت جاری رہتی تھی یہ حضرات اپنی ضروریات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور آں موصوف ان حضرات کو نہایت اکرام و اعزاز کے ساتھ وافر عطیات و وظائف دے کر رخصت کرتے تھے۔

چنانچہ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ:

((فلما استقرت الخلافة لمعاویہ رضی اللہ عنہ کان الحسین رضی اللہ عنہ یتردد الیہ مع اخیہ

الحسن رضی اللہ عنہ فیکرمہما معاویہ رضی اللہ عنہ اکراماً زائداً ویقول لہما مرحباً واهلاً

ويعطيها عطاء جزيلاً))^۱

”یعنی جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہو گئی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے برادر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی معیت میں آں موصوف کے پاس تشریف لایا کرتے تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان حضرات کا بہت زیادہ اکرام و احترام کرتے تھے انھیں خوش آمدید اور مرحبا کہتے تھے اور بہت زیادہ عطیات عنایت کرتے تھے۔“

اور ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اصمعی کی روایت کے ذریعے سے اسی مسئلے کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وروی الاصمعی قال وفد الحسن وعبدالله بن زبیر رضی اللہ عنہما علی معاویة رضی اللہ عنہ فقال للحسن رضی اللہ عنہ مرحبا واهلا بابن رسول الله ﷺ وامر له بثلاث مائة الف وقال لابن الزبیر رضی اللہ عنہ مرحبا واهلا بابن عمه رسول الله ﷺ وامر له بمائة الف))^۲

”یعنی سیدنا حسن اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس (بصورت وفد) تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مرحبا و اہلاً بابن رسول اللہ ﷺ کے باوقار الفاظ سے خوش آمدید کہا اور ان کے لیے تین لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے مرحبا و اہلاً بابن عمہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ سے خوش آمدید کہا اور ان کے لیے ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔“

اور ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اسی چیز کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((ان الحسن والحسین رضی اللہ عنہما کانا یقبلان جوائز معاویة رضی اللہ عنہ))^۳

”یعنی سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عطیات کو قبول فرماتے تھے۔ (یہ چیز ان حضرات کے خوش تر مراسم کا واضح ثبوت ہے)۔“

اس سلسلے میں مورخین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت حسن، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہم کو دس لاکھ درہم بطور عطیہ اور وظیفہ کے پیش کرتے تھے۔

((ان معاویة رضی اللہ عنہ کان یجیز فی کل عام الحسن والحسین وعبدالله بن

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۸ تحت قصۃ الحسین و سبب خروجہ من مکہ الی العراق (واقعہ شہادت)

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۷ ج ۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر (قلمی مخطوط) ص ۳۹ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳ تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی عکسی) ص ۴۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

عباس و عبدالله بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کل واحد منهم بالف الف درہم))^۱

اور شیعہ کے اکابر علماء میں سے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اسی مسئلے کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((ومعاویة اول رجل فى الارض وهب الف الف درهم فانه كان يعجيز الحسن والحسين ابني على فى كل عام لكل واحد منهما بالف الف درهم وكذلك كان يعجيز عبدالله بن عباس وعبدالله بن جعفر))^۲

② عطیات کے سلسلے میں دیگر روایات میں محدثین و مورخین عبداللہ بن بریدہ سے اس طرح بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں آپ کی خدمت میں اتنی مقدار عطیہ پیش کرتا ہوں جس قدر اس سے قبل آپ کی خدمت میں کسی نے پیش نہ کیا ہو۔ اور فی الوقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دونوں حضرات کی خدمت میں دو لاکھ درہم پیش کیے۔

اور بعض روایات کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس واقعہ پر چار لاکھ درہم کا عطیہ پیش کرنا بھی بعض کتب میں منقول ہے۔

تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ:

((عن عبدالله بن بريدة رضی اللہ عنہ قال دخل الحسن والحسين رضی اللہ عنہما على معاوية

رضی اللہ عنہ فامر لهما فى وقته بمأتى الف درهم وقال خذاها..... الخ))^۳

اور بعض روایات بہ عبارت ذیل منقول ہیں:

((عن عبدالله بن بريدة رضی اللہ عنہ قال قدم الحسن بن على رضی اللہ عنہما على معاوية

رضی اللہ عنہ فقال له لا جيزنك بجائزة لم يجزها احد كان قبلى ، فاعطاه اربع مائة

الف۔ ووفد اليه مرة الحسن والحسين رضی اللہ عنہما فاجازهما على الفور بمأتى

۱ لطائف المعارف (ابو منصور عبد الملك بن محمد بن اسماعيل ثعالبي التوفى ۳۲۹ھ) ص ۲۱-۲۲۔ طبع مصر

۲ شرح نہج البلاغہ (ابن الحدید شیبلی) ص ۴۰۵-۴۰۶۔ ج ۳ بحث فی القارۃ بین جود ملوک بنی امیہ و ملوک بنی ہاشم، طبع قدیم طبع

بیروت

۳ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۴۳۹، ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الف وقال لهما ما اجاز بهما احد قبلى))^۱

محدث ابن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے مصنف میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو عطیہ کا یہ مسئلہ بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:
 ((حدثني عبدالله بن بريدة رضی اللہ عنہ ان حسن بن علي رضی اللہ عنہ دخل على معاوية رضی اللہ عنہ فقال: لا جيزنك بجائزة لم اجزبها احدا قبلك ولا اجيزبها احدا بعدك من العرب، فاجازه باربعمائة (الف) فقبلها))^۲

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے لیے عطیات خصوصی

تاریخ کے علماء نے اس مسئلے کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسئلہ خلافت میں صلح اور مصالحت کر لی تو اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بعض مطالبات پیش ہوئے تھے ان میں یہ بات بھی تھی کہ کوفہ کے بیت المال میں فی الوقت جو کچھ اموال نقدی وغیرہ موجود ہیں وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حاصل کریں گے۔

چنانچہ اہل تاریخ نے مختلف اقوال میں تصریح کی ہے کہ خزانہ کوفہ میں پچاس لاکھ درہم تھے اور بعض کے نزدیک ستر لاکھ درہم تھے اور یہ تمام اموال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن کو ادا کر دیے تھے۔ اسی طرح دارا بجرد کے علاقے کی سالانہ آمدنی بھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے مقرر کر دی گئی تھی۔ پس اسی طرح عطیات اور ہدایا مذکورہ اموال کے علاوہ بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات ۴۹ھ تک ملتے رہے۔

((حاصل ذلك انه اصطلح (الحسن رضی اللہ عنہ) معاوية رضی اللہ عنہ علي ان ياخذ ما في بيت المال الذي بالكوفة فوفى له معاوية رضی اللہ عنہ بذلك فاذا فيه خمسة الاف الف وقيل سبعة الاف الف وعلي ان يكون خراج وقيل دارا بجرد له في كل عام فامتنع اهل تلك الناحية عن اداء الخراج اليه فعوضه معاوية رضی اللہ عنہ عن كل ستة الاف الف ذرهم في كل عام۔ فلم يزل يتناولها مع ماله في كل زيادة من الجوائز والتحف والهدايا الى ان توفى في هذا العام ۴۹ھ))^۳

۱ الاصابہ، مع الاستيعاب ص ۳۲۹ ج ۱ تحت تذکرہ امام حسن رضی اللہ عنہ

البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۷ ج ۸ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۵۱۰-۵۱۱ ج ۸ تحت قصۃ الحسین... الخ

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۰۳ ج ۳ تحت تذکرہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طبع جدید مصر۔

۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴ ج ۱۱ کتاب الامراء، طبع کراچی

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۱-۴۲ ج ۸ تحت تذکرہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ

ایک ملاقات

مورخ بلاذری نے اپنی کتاب انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے باہمی احوال پر گفتگو ہوئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ اے برادر زادے! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ پر کچھ دین (قرض) ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ یقیناً میں مقروض ہوں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ وہ کتنی مقدار ہے؟ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک لاکھ درہم ہے۔

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ کے لیے تین لاکھ درہم کی ادائیگی کا حکم دے دیا ہے۔ اس میں سے ایک لاکھ درہم تو آپ اپنا قرض ادا کریں اور ایک لاکھ درہم اپنے اہل بیت اور اقربا میں تقسیم کر دیں اور ایک لاکھ درہم خاص آپ کی ذات کے لیے ہے یہ آپ قبول کر لیں۔ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ یہ عطیہ وصول کر کے واپس تشریف لائے۔

((ثم قال يا ابن اخي بلغني ان عليك دينا قال ان علي دينا قال وكم هو؟ قال مائة الف۔ قال فقد امرنا لك بثلاث مائة الف ثم قال مائة الف لقضاء دينك ومائة الف تقسمها في اهل بيتك ومائة الف لخاصة بدنك۔ فاقبض صلتك))^۱

شیعہ اکابر کی طرف سے تائید

شیعہ کے عالم کبیر ملا باقر مجلسی نے اپنی مشہور تصنیف جلاء العیون میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے عطیات کے سلسلے میں ایک مفصل روایت ذکر کی ہے، جس میں مندرجات مذکورہ کی تائید پائی جاتی ہے

”از حضرت صادق رضی اللہ عنہ روایت کردہ است کہ روزے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ و عبد اللہ بن جعفر فرمود کہ جائزہ ہائے معاویہ در روز اول ماہ بشما خواهد رسید۔ چون روز اول ماہ شد چنانچہ حضرت فرمودہ بود اموال معاویہ رسید جناب امام حسن رضی اللہ عنہ قرض بسیارے داشت از آنچہ او فرستادہ بود برائے آنحضرت قرض ہائے خود را ادا کرد۔ باقی را میان اہل بیت و شیعیان خود قسمت کرد جناب امام حسین رضی اللہ عنہ قرض خود را ادا کرد و آنچہ ماندہ بود بہ قسمت کرد یک حصہ را باہل بیت و شیعیان خود داد و دو حصہ را برائے عیال خود فرستاد و عبد اللہ بن جعفر قرض خود را ادا کرد باقی را برائے خوش آمدید معاویہ

برسوں اوداد و چوں اس خبر بمعاویہ رسید برائے او مال بسیار فرستاد^۱

”یعنی ایک دن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے برادر سیدنا حسین اور چچا زاد برادر عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس ماہ کی پہلی تاریخ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہدایا و تحائف تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ جب اس مہینہ کی اول تاریخ ہوئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کثیر مال پہنچ گیا اور ان ہر سہ حضرات کو دے دیا گیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر بہت سا قرض تھا انہوں نے ان اموال سے پہلے اپنا قرض ادا کیا، باقی ماندہ کو اپنے اہل و عیال اور اپنے خاص لوگوں میں تقسیم فرمایا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی پہلے اپنا قرض ادا کیا، باقی مال کو اس طرح تقسیم کیا کہ ایک حصہ اپنے رشتہ داروں اور خصوصی شیعوں (ساتھیوں) کو دیا اور دو حصے اپنے اہل و عیال کو عنایت فرمائے۔ اور عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے بھی اس مال سے اپنا قرض ادا کیا اور باقی مال میں سے کچھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قاصد کو دے دیا۔

جب یہ خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے اور زیادہ مال بھیج دیا۔“

نوٹ

حوالہ ہذا قبل ازیں ہماری کتاب ”مسئلہ اقر بانوازی“ میں ص ۲۰۵ پر درج ہو چکا ہے۔

مالی امداد کا ایک دیگر واقعہ

ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اپنی مشہور تاریخ میں درج کیا ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ تقسیم کے لیے کچھ مال بھی لائے۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر دریافت کیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہاں ہیں؟ لوگوں نے اطلاع دی کہ آپ مکہ مکرمہ روانہ ہو چکے ہیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان اموال کے ساتھ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ وہاں پہنچنے پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان کی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابو محمد! (یہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) میں مدینہ طیبہ میں آیا اور میرے پاس کچھ اموال تھے جنہیں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا لیکن جب آپ کا مکہ شریف تشریف لے جانا معلوم ہوا تو اس مال کو لے کر یہاں پہنچا ہوں۔ آپ یہ مال لے لیں اور اس میں حسب منشا تصرف کریں۔ جواب میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ آپ کی قرابت داری میں وصل پیدا کرے اور آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

((عن عمرو بن عيسى قال قدم معاوية رضي الله عنه المدينة بمال يريد ان يقسم بها . فسأل عن الحسن بن علي رضي الله عنه فاخبر انه شخص الى مكة فادرك المال ومضى الى مكة فخرج اليه الحسن متلقيا فقال يا ابا محمد! اني قدمت المدينة ومعى مال اريد ان اقسمه بها فلما بلغني شخوصك اركبته وها هو ذا فرا فيه رأيك. قال وصل الله قرابتك يا امير المؤمنين! واحسن جزاك.....
الخ))^۱

عین صید کا عطیہ

اسی طرح مشہور مورخ بلاذری نے اپنی تصنیف فتوح البلدان میں ایک یہ چیز بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو عین صید نامی چشمہ مع ملکات عطا کیا گیا تھا اور وہ اس سے منتفع ہوتے تھے۔

((وكان معاوية رضي الله عنه اقطع الحسن بن علي رضي الله عنه عین صید هذه عوضا من
الخلافة مع غيرها))^۲

ایک قریہ کا عطیہ

شیعہ کی مشہور کتاب تاریخ التواریخ جلد نہم (طراز المذہب مظفری) میں مندرجہ ذیل واقعہ مذکور ہے:
عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ان کی صاحبزادی زینب کا رشتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کے لیے مروان بن حکم کے ذریعے سے طلب کیا تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے اس مسئلے میں گفتگو ہوئی تو انھوں نے ارشاد فرمایا:

”ما چنانا بصواب شمردیم کہ زینب را بہ پسر عمش قاسم بن محمد بن جعفر کاہن بندم و اورا با قاسم تزویج کردم و کاہن اورا بقریہ کہ در مدینہ دارم و معاویہ درازائے ده هزار دینار بمن داده است مقرر داشتم و زینب را ایں مبلغ کفایت می کند۔“^۳

”یعنی ہم نے یہ رشتہ اپنے بھتیجے قاسم بن محمد بن جعفر کو دے دیا ہے اور حق مہر کے طور پر زینب کے لیے وہ گاؤں دے دیا ہے جو مدینہ کے علاقے میں ہے اور وہ ہمیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دس ہزار

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی) ص ۵۲۵ ج ۱۳ تحت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

۲ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۳۰۷ تحت امر مدینہ السلام، طبع مصر قدیم

۳ تاریخ التواریخ (طراز المذہب مظفری) ص ۳۸۰ ج ۹ در بیان احتجاج عبداللہ بن جعفر با معاویہ و حکایت او..... الخ طبع قدیم ایران

دینار کے عوض میں دیا تھا اور یہ مہر نہنہب کے لیے کافی ہوگا۔“

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں ایک گاؤں بھی باقی عطیات و وظائف کی طرح ملا ہوا تھا جسے اب وہ بطور مہر نکاح کے صرف کر رہے تھے (حوالہ ہذا ہماری کتاب ”اقربا نوازی“ ص ۲۰۹ پر قبل ازیں درج ہو چکا ہے)۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے عطیات خصوصی

اس مقام پر قبل ازیں ہدایا اور عطیات کا مسئلہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اسی ضمن میں بعض چیزیں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق محدثین اور مورخین ذکر کرتے ہیں، ان کو مختصراً ذکر کر دینا مناسب خیال کیا ہے۔

① چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں تحریر کیا ہے کہ

((ولما توفی الحسن رضی اللہ عنہ کان الحسن رضی اللہ عنہ یفد الی معاویہ رضی اللہ عنہ فی کل عام فیعطیہ ویکرمہ))^۱

”یعنی جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس (بطور وفد) تشریف لایا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا اعزاز و اکرام کرتے اور عطایا پیش کرتے تھے۔“

② معروف بزرگ حضرت شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ (المعروف داتا گنج بخش لاہوری) نے اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب کے باب ثامن میں واقعہ ذیل نقل کیا ہے:

”حسین رضی اللہ عنہ وے را گفت بنشین کہ ما را رزقی در راه است تا بیارند۔ بسی بر نیامد کہ پنج صره از دینار بیاوردند از نزد معاویہ رضی اللہ عنہ۔ اندر ہر صره ہزار دینار بود۔ و گفتند کہ معاویہ رضی اللہ عنہ از تو عذر میخواہد۔ و میگوید کہ ایں مقدار اندر وجہ کہتراں صرف باید کرد و اں ہر پنج صره بدو داد از وی عذر خواست۔“^۲

”یعنی ایک روز حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک سائل حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند! میں ایک درویش آدمی ہوں، عیال دار ہوں، آپ مجھے آج کا آہانا عنایت فرمائیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہاں ٹھہر جائیے ہمارا رخصتہ پہنچنے والا ہے، وہ پہنچ جائے تو دے دیں گے۔ کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پانچ تھیلیاں جن میں سے ہر ایک تھیلی ایک ہزار دینار پر مشتمل تھی قاصد نے لا کر خدمت میں پیش کیں اور کہا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ معذرت کرتے تھے کہ یہ قلیل سی مقدار ہے اسے صرف فرمائیں۔ حضرت

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۸ تحت قصۃ الحسن رضی اللہ عنہ و سبب خروجہ من مکہ۔ الخ، طبع اول مصر

۲ کشف المحجوب از شیخ علی بن عثمان ہجویری ثم لاہوری ص ۹۲-۹۳، باب ۸ طبع سرقدنی ذکر، مجتہم من اہل البیت۔

حسین رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلیاں سائل کو دے دیں اور معذرت بھی کر دی۔“

عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے لیے عطایا و ہدایا

جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حسین شریفین رضی اللہ عنہما کے لیے ہدایا، عطیات اور وظائف پیش کیے جاتے تھے اور وہ حضرات انھیں بخوشی قبول فرماتے تھے اسی طرح ان کے چچا زاد برادر عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کو بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کافی عطیات اور ہدایا دیے جاتے تھے۔

جناب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اولاد ابی طالب میں مشہور بزرگ ہیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقیقی برادر زاوے ہیں اور اس کے علاوہ آل موصوف کے داماد بھی ہیں اور حسین کریمین رضی اللہ عنہما کے بہنوئی ہیں۔ محدثین اور مورخین نے عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے لیے عطیات اور ہدایا کے متعلق واضح تصریحات ذکر کی ہیں۔ ان تمام کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہے، اس لیے یہاں صرف چند ایک حوالہ جات پر اکتفا کیا جاتا ہے:

① حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں ذکر کیا ہے:

((وفد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما علی معاویہ رضی اللہ عنہ فامر له بالفی الف درہم))^۱
 ”یعنی ایک دفعہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بطور وفد تشریف لے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے بیس لاکھ درہم پیش کرنے کا حکم دیا۔“

② اور ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اپنی مشہور تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ:

((کان لعبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما من معاویہ رضی اللہ عنہ الف الف فی کل عام))^۲
 ”یعنی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہر سال دس لاکھ درہم ملتے تھے۔“

③ اور ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے البدایہ میں لکھا ہے کہ:

((وبعث الی عبداللہ بن جعفر بمائہ الف..... الخ))^۳

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی طرف ایک لاکھ درہم ارسال کیے۔“
 مختصر یہ ہے کہ اولاد ابی طالب کے مشاہیر بزرگوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے لاکھوں لاکھ ہدایا، عطیات اور وظائف ہمیشہ دیے جاتے تھے اور یہ حضرات انھیں بخوشی قبول کر کے اپنے مصارف میں

۱ مستدرک (حاکم نیشاپوری) ص ۵۶۷ ج ۳ تحت ذکر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما

۲ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ نکسی) ص ۷۴۰، ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۷، ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہما

صرف کرتے تھے۔ یہ ان حضرات کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ احسن تعلقات کا بین ثبوت ہے جس کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین اور معاندین بھی انکار نہیں کر سکتے۔

ایک لطیفہ

شیعہ کے اکابر علماء اور مورخین نے عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے متعلق ایک عجیب بات تحریر کی ہے، جسے ایک لطیفہ سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے ایک صاحبزادے کا نام ”معاویہ“ تھا اور اپنے والد کی طرف سے وصی تھا۔ اس کا نام معاویہ اس لیے رکھا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے تقاضا کیا کہ آپ اپنے فرزند کا نام ”معاویہ“ رکھیں تو میں آپ کو ایک لاکھ درہم عطا کروں گا۔ اس پر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے یہ بات قبول کرتے ہوئے فرزند کا نام معاویہ رکھ دیا۔

((منہم معاویہ بن عبداللہ کان وصی ابیہ وانما سمی معاویہ لان معاویہ بن

ابی سفیان طلب منہ ذالک فبذل له مائة الف درہم وقیل الف الف درہم))^۱

اسی واقعہ کو صاحب تاریخ التواریخ (طراز المذہب مظفری) نے یہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

”کنیت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ابو معاویہ است چہ گاہیکہ معاویہ بن عبداللہ متولد شد۔ عبداللہ نزد معاویہ بود و از ولادت فرزندش بشارت اوردند عبداللہ نیز با معاویہ بگفت معاویہ گفت ایں پسر ترا معاویہ نام کن و صد ہزار درہم بگیر۔ عبداللہ از معاویہ قبول کرد۔“^۲

”یعنی صاحب تاریخ التواریخ نے اس واقعے کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفر

طیار رضی اللہ عنہما کی کنیت ابو معاویہ تھی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عبداللہ رضی اللہ عنہما کا یہ فرزند جب متولد ہوا تو

عبداللہ رضی اللہ عنہما امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے فرزند کی ولادت کی خوشخبری

وہیں سنائی گئی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ بشارت سنائی تو اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

نے فرمایا کہ اس فرزند کا نام معاویہ رکھیے اور سو ہزار درہم (ایک لاکھ درہم) لے لیجیے تو عبداللہ بن

جعفر طیار رضی اللہ عنہما (براہر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) نے یہ بات قبول کر لی۔“

تنبیہ

مطلب یہ ہے کہ بقول شیعہ اکابرین اولاد ابی طالب کے بزرگ حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کے اسماء اپنی اولاد میں کچھ درہم لے کر رکھ لیتے تھے اور ان سے عطایا و وظائف اور ہدایا خوب وصول کرتے تھے اور اپنے استعمال میں لاتے تھے۔ صاحب انصاف کے نزدیک ان

۱۔ عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب (جمال الدین ابن عبد شیبہ) ص ۳۸ تحت ذکر عقب جعفر طیار

۲۔ تاریخ التواریخ (طراز المذہب مظفری) ص ۳۹۵ ج ۹ در احوال نسب کبریٰ، طبع قدیم ایران۔

حضرات کی یہ کردار کشی ہے اور درحقیقت مذمت ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اور صحیح فہم عطا فرمائے۔
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے عطیہ

مورخین نے لکھا ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد برادر ہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی آمد و رفت ہوتی تھی۔ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ

((عن قتادة قال قال ابن عباس رضي الله عنهما لمعاوية رضي الله عنه لا يحزنني الله ولا يسؤني ما ابقا الله امير المؤمنين۔ قال فاعطاه الف الف ورقة وعروضاً واشياء وقال خذها فاقسمها في اهلك))^۱

”یعنی قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہما امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کی وجہ سے غمزدہ نہ کرے اور کوئی برائی نہ پہنچائے جب تک کہ امیر المؤمنین زندہ سلامت رہیں۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دس لاکھ درہم کا عطیہ عنایت فرمایا اور کچھ سامان اور چند چیزیں دیں اور کہا کہ ان تمام کو آپ اپنے اہل و عیال میں تقسیم کر دیں۔“

جیسا کہ قبل ازیں درج ہو چکا ہے کہ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دیگر ہاشمی بزرگوں کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور وہ انھیں ہمیشہ ہدایا اور وظائف سے نوازتے تھے۔ اسی ربط اور تعلق کے سلسلے میں مورخین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک دیگر واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک بار قیصر روم نے ایک شیشی ارسال کی اور کہلا بھیجا کہ اس میں ایسی چیز ہماری طرف روانہ کریں جس میں سب چیزیں آجائیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس شیشی میں پانی ڈال کر ان کی طرف ارسال کر دیں۔ جب یہ چیز قیصر روم کے پاس پہنچی تو رومی بادشاہ نے کہا کہ ان کے آباء کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کثیر ہو، یہ کتنا عقل مند اور زیرک آدمی ہے۔

ادھر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے یہ پانی کو ارسال کرنا کیسے تجویز کیا؟ انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ الْآيَةَ**

((ان ملك الروم وجه الى معاوية بقارورة فقال ابعث الى فيها من كل شىء۔ فبعث الى ابن عباس رضي الله عنهما فقال لتملاء له ماء فلما ورد بها على ملك الروم قال لله ابوہ ما ادہاء۔ فقيل لابن عباس رضي الله عنهما كيف اخترت ذلك؟ فقال لقول

اللہ عزوجل: وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيًّا ۝۱

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت کے دوران میں جس طرح سابقہ اوراق میں ہاشمی بزرگوں کے وظائف اور ہدایا کا بیان کیا گیا ہے اسی طرح سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے علی بن حسین (امام زین العابدین رضی اللہ عنہ) کے وظیفہ کے متعلق شیعہ کے اکابر نے ذکر کیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان بن حکم کو مدینہ طیبہ کا والی اور عامل مقرر کیا گیا۔ اس وقت آں موصوف نے مروان کو حکم دیا کہ قریش کے نوجوانوں کے لیے وظائف اور ہدایا مقرر کریں۔ زین العابدین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی اسی سلسلے میں مروان بن حکم کے پاس پہنچا۔ مروان نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا کہ اس کا نام بھی علی ہے۔ اس پر مروان نے کہا کہ آپ کے والد اپنی اولاد کے نام علی ہی رکھتے ہیں؟ جناب زین العابدین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر اس نے میرے لیے مالی وظیفہ مقرر کر دیا۔ جب میں اپنے والد کے پاس آیا تو میں نے انھیں اس تمام مذکورہ گفتگو کی اطلاع کی۔

((استعمل معاویة مروان بن الحکم علی المدینة وامره ان یفرض لشباب قریش ففرض لهم۔ فقال: علی بن الحسین رضی اللہ عنہما فاتیتہ۔ فقال ما اسمک؟ فقلت علی بن الحسین۔ فقال: ما اسم اخیک؟ فقلت علی۔ فقال علی وعلی: ما یرید ابوک ان یدع احدا من ولده الاسماء علیا؟ ففرض لی۔ فرجعت الی ابی رضی اللہ عنہما فاخبرته)) ۱

رعایت کا معاملہ

سابق صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اولاد ابی طالب کے لیے ہدایا اور وظائف کے متعلق جو چیزیں تاریخ میں ملتی ہیں ان میں سے بعض مختصراً ذکر کی ہیں۔ ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان حضرات کا اکرام کرنا اور حسن سلوک سے پیش آنا بر ملا ثابت ہوتا ہے۔

اب اس سلسلے میں ایک دیگر اہم چیز ذکر کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخری ایام پہنچے ہیں تو آں موصوف نے اپنے اخلاف کے لیے بعض ضروری وصایا فرمائی تھیں۔ ان

۱ اکال (مرد) ص ۲۵۷ ج ۲، ص ۳۰۸ ج ۱ طبع مصر

۲ فروع کافی (محمد بن یعقوب کلینی رازی شیعہ) ص ۲۶۲-۲۶۳ ج ۲ کتاب العقیبہ باب الاسماء والکنی طبع نول کشور کعبنؤ۔

تاریخ التواریخ ص ۳۰ ج ۱۱ کتاب دوم ص در احوال زین العابدین تحت مکالمہ مروان باں حضرت، طبع قدیم ایران

میں سے خصوصی طور پر مورخین نے ان کی ایک وصیت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق خصوصی تاکید فرماتے ہوئے اپنے فرزند یزید کو ارشاد فرمایا کہ:

((ان له رحما ماسة وحقا عظيما وقرابة من محمد ﷺ ولا اظن اهل العراق تاركيه حتى يخرجوه فان قدرت عليه فاصفح عنه فاني لو اني صاحبه عفوت عنه))^۱

”یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بہت قرابت قریبہ ہے اور حق عظیم ہے اور نبی اقدس ﷺ کے ساتھ ان کی رشتہ داری ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ اہل عراق ان کو اپنی حالت پر نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ ان کو مخالفت پر آمادہ کریں گے۔ پس اگر تو ان پر قدرت پائے تو ان سے رعایت کرنا۔ اگر میرے سامنے یہ معاملہ آئے تو میں ان سے درگزر کروں گا۔“

اور بعض روایات میں اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنی وفات سے قبل بلایا اور اس کو جو وصیت کرنی تھی وہ وصیت فرمائی۔ ان وصایا میں یہ بات خاص طور پر فرمائی کہ جناب حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا احترام ملحوظ رکھنا۔ تحقیق وہ لوگوں کی نظروں میں زیادہ پسندیدہ ہیں۔ پس ان سے صلہ رحمی کرنا اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا، تو تیرے لیے معاملہ اپنی جگہ پر درست رہے گا۔

((ثم ان معاويه لما حضرته الوفاة دعا ابنه يزيد فاوصاه بما اوصاه به وقال له انظر حسين بن علي يعني ابن فاطمة بنت رسول الله ﷺ فانه احب الناس الى الناس فصل رحمه وارفق به يصلح لك امره))^۲

گزشتہ سطور میں مسئلہ ہذا پر مورخین کے بعض حوالہ جات ذکر کیے گئے ہیں۔ اب اس مسئلہ میں شیعہ کے اکابر علماء اور مورخین کے حوالہ جات تائیداً پیش کیے جاتے ہیں تاکہ مسئلہ ہذا اپنی جگہ پر بین الفریقین قابل تسلیم ہو جائے۔

چنانچہ اس سلسلے میں شیعہ کے مشہور اور قدیم مورخ دینورخ کا قول درج کیا جاتا ہے:

((فاما الحسين بن علي رضي الله عنه فاحسب اهل العراق غير تاركيه حتى

۱ تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۸۰ ج ۶ تحت ذکر ماکان فیہ من الاحداث سنہ ۶۰ھ طبع مصر

کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۲۳ ج ۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۱۵ ج ۸ تحت سنہ ۶۰ھ طبع اول مصر

۲ کتاب تلخیص ابن عساکر (ابن بدران) ص ۳۲۷ ج ۴ ذکر قصہ واقعہ الحسین رضی اللہ عنہ وفضلہ

((فاما الحسين بن علي رضي الله عنه فاحسب اهل العراق غير تاركه حتى يخرجه، فان فعل، فظفرت به، فاصفح عنه))^۱

”مطلب یہ ہے کہ یزید کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ اہل عراق جناب حسین رضی اللہ عنہ کو نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ وہ ان کو مخالفت پر آمادہ کریں گے اور اگر ان سے یہ بات صادر ہو اور تو ان پر غلبہ حاصل کر لے تو ان سے درگزر کرنا (اور ان کی اذیت کے درپے نہ ہونا)۔“ اور شیعہ کے ایک دیگر مشہور مورخ ابن طقطقی نے یہ مضمون بہ عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فان خرج (الحسين رضي الله عنه) و ظفرت به فاصفح عنه فان له رحما ماسة وحقا عظيما و قرابة من محمد صلوات الله عليه وسلامه))^۲

”یعنی (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید سے کہا) اگر جناب حسین رضی اللہ عنہ مخالفت پر آمادہ ہو جائیں اور تو ان پر کامیابی پائے تو ان سے اعراض کرنا۔ تحقیق جناب حسین رضی اللہ عنہ کے لیے قرابت قریبہ ہے اور حق عظیم ہے اور جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی رشتہ داری ہے۔“ اور شیعہ کے مشہور مجتہد ملا باقر مجلسی نے اسی مسئلہ کو شیخ صدوق ابن بابویہ قمی شیعہ سے معتبر سند کے ساتھ بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

”وامام حسین پس میدانی نسبت و قرابت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واد پارہ تن آنحضرت است و از گوشت و خون آنحضرت پروردہ است و من میدانم کہ البتہ اہل عراق اور ابسوائے خود خواہند بر دو یاری اور نخواہند کرد و اور اتہا خواہند گزارشت اگر باو ظفر یا بی حق حرمت اور اہتناس و منزلت و قرابت اور با پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آورد اور ابکرده ہائے اور مواخذہ مکن وروا بطی کہ من باو در این مدت محکم کردہ ام قطع مکن زنہار کہ باو مکروہے و آسپے مرساں۔“^۳

”اس فارسی عبارت کا مفہوم اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند یزید سے کہا کہ جناب حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق تمہیں معلوم ہے کہ انہیں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کی نسبت ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا ٹکڑا ہیں اور ان کا جسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پرورش یافتہ ہے اور میں جانتا ہوں کہ اہل عراق ضرور ان کو اپنی طرف بلائیں گے اور ان کی مدد نہیں کریں گے اور ان کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ اگر تجھے ان پر غلبہ ہو تو ان کی عزت کے حق کو

۱۔ بحار الانوار (ملا باقر مجلسی) ص ۲۳۸ ج ۱۰ طبع قدیم تحت ماجری علیہ بعد بیعہ الناس یزید

۲۔ تاریخ الفخری (محمد بن علی بن طباطبائی المعروف بابن طقطقی شیعہ) ص ۱۰۳ تحت حالات معاویہ

۳۔ جلاء العیون فارسی از ملا باقر مجلسی شیعہ ص ۳۸۸ تحت فصل دوازدهم در بیان توجہ جناب سید الشہداء بجانب مکہ۔

پہچانا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی قرابت کے مرتبہ کو یاد رکھنا اور ان کے اعمال کا مواخذہ نہ کرنا اور میں نے ان کے مابین جو روابط اس مدت میں قائم کر رکھے ہیں ان کو قطع نہ کرنا۔ خبردار انھیں کوئی مکروہ اور تکلیف دہ چیز نہ پہنچانا۔“

تنبیہ

گزشتہ سطور میں ہم نے گیارہویں صدی کے مشہور مجتہد ملا باقر مجلسی شیعہ کی جلاء العیون سے ایک روایت پیش کی ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یزید کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت مذکور ہے۔

اس روایت کے متعلق آج کل کے بعض شیعہ صاحبان نے ”موضوع“ ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سنیوں کی روایت ہے۔

اس دعویٰ کے جواب میں بعض چیزیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

- ① ایک تو یہ چیز قابل توجہ ہے کہ معترض نے اس روایت کے موضوع ہونے کا دعویٰ تو کیا ہے مگر اپنے دعویٰ کے اثبات میں کوئی دلیل پیش نہیں کی اور اس روایت کو سنیوں کی روایت قرار دینے پر اکتفا کیا ہے۔
- ② روایت کو موضوع قرار دینے کے لیے ضروری تھا کہ معترض اپنے سابق اکابر شیعہ علماء کے اقوال پیش کرتا جنہوں نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے یا خود وہ وجوہ ذکر کرتا جس کی بنا پر فن روایت کے لحاظ سے اسے موضوع قرار دیا جاسکتا، بصورت دیگر یہ محض ادعا ہی ٹھہرے گا جس کی کسی لحاظ سے بھی کوئی وقعت نہیں۔
- ③ مشہور شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی نے شیخ صدوق ابن بابویہ قمی کی معتبر سند کے ساتھ یہ روایت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ اب معترض کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے ثقہ مجتہد شیخ صدوق کی پیش کردہ صحیح سند کو معتبر دلائل کے ساتھ رد کرے۔

④ نیز یاد رہے کہ ملا باقر مجلسی نے اپنی اس تصنیف جلاء العیون کے مقدمہ میں صرف معتبر اور صحیح روایات درج کرنے کا التزام کیا ہے۔

⑤ اور ہم نے یہ روایت بطور الزام شیعہ کے اکابر سے نقل کی ہے۔ اگر انھوں نے دروغ گوئی کی ہے تو اس میں ہمارا دخل نہیں۔ ناظرین کرام خود فیصلہ فرمائیں۔

اگر روایت درست ہے (جیسا کہ ان کے مجتہدین کے عمل سے ظاہر ہے) تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے وصیت ہذا کر کے جناب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی رعایت کی پوری کوشش کی اور حمایت کا حق ادا کر دیا۔ اگر اس پر عمل درآمد نہیں ہوا تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصور نہیں اور وہ مورد الزام نہیں ہو سکتے۔

اور شیعہ کے متاخرین مورخین میں مرزا محمد تقی لسان الملک اپنی مشہور کتاب ناسخ التواریخ میں لکھتے ہیں

کہ (معاویہ نے کہا):

”اے یزید زہنہار ہزار زہنہار! حسین را پہنچ گو نہ زنجانی و پہنچ نوع زحمت زسانی مگر ندیدی مرا کہ از حسین چند تحمل کردم و از وی کلمات درست در دناک شنیدم و پانچ ندادم چه او فرزند مصطفیٰ است۔ انکوں آنچہ دانستم و واجب شمردم با تو گفتم و حجت تمام کردم..... الخ“

”یعنی معاویہ نے اپنے فرزند یزید کو خطاب کر کے فرمایا کہ خبردار جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کو کسی طرح تکلیف نہ پہنچانا اور انھیں زحمت نہ دینا، ایذا رسانی نہ کرنا۔ تو نے دیکھ نہیں لیا کہ میں جناب حسین (رضی اللہ عنہ) کے معاملہ میں کس قدر تحمل کرتا رہا ہوں؟ ان سے سخت سخن (گفتگو) سننے کے باوجود کوئی ناروا جواب نہیں دیا کیونکہ وہ فرزند مصطفیٰ ہیں۔ اب جو واجب بات تھی وہ میں نے تجھے کہہ دی اور حجت تمام کر دی۔“

فوائد و نتائج

فصل ہذا میں بنی ہاشم حضرات اور خصوصاً حسنین شریفین رضی اللہ عنہما اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات پیش کیے گئے ہیں۔ مندرجات بالا کی روشنی میں ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں:

① سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے بعد اکابر ہاشمی حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برخلاف نہیں تھے بلکہ ان کے منصب خلافت کو درست تسلیم کرتے تھے اسی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات اور روابط استوار کیے ہوئے تھے اور ان سے اپنے ہدایا و عطیات و وظائف بخوشی قبول کرتے اور اپنے مصارف میں صرف کرتے تھے اور ان کا یہ باہمی حسن سلوک آخر تک جاری رہا۔

② ان حضرات کے درمیان قبائلی تعصب اور خاندانی تفریق نہیں تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہاشمی حضرات ہوں یا اموی ہوں سب کو وظائف دیے جاتے تھے۔ خاندانی تعصب سے بالاتر ہو کر بنی ہاشم کے ساتھ مالی تعاون کیا جاتا اور ان کی قدر شناسی کی جاتی تھی اور یہ چیزیں ان کے ساتھ ہمدردی کا بین ثبوت ہیں۔

③ اور یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی غاصبانہ نہیں تھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مغلوب خلیفہ اور ظالم حکمران نہیں تھے۔ اور اگر یہ معروضات صحیح نہیں ہیں تو پھر ان اکابر بنی ہاشم نے کیا قرآن مجید پر عمل کرنا ترک کر دیا تھا؟ قرآن مجید کا حکم ہے کہ

وَلَا تَزُكُّوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَمِمَّا كُنتُمْ اِلَآئِہٖ

۱۔ تاریخ التواریخ از مرزا محمد تقی شیبلی ص ۱۵۷ ج ۶ از کتاب دوم تحت شرح حالات سید الشہداء علیہ السلام تحت وصیت معاویہ با یزید، طبع

ایران۔

”یعنی اہل ظلم کی طرف میلان نہ کرو ورنہ تم کو (جہنم کی) آگ لگ جائے گی۔“

نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تصرفات دینی احکام کے برخلاف نہیں تھے بلکہ شریعت کے عین مطابق تھے اسی بنا پر اس دور کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اعاظم بنی ہاشم حضرات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر معترض نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ متفق اور متعاون تھے۔

④ ان حالات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن ظلم اور تعدی کے طعن سے صاف ہے اور حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے ساتھ عناد و دشمنی کے اعتراضات سے آں موصوف بری ہیں۔

⑤ ان حقائق اور دلائل کے باوجود اگر کوئی شخص ان حضرات کے درمیان دائمی عداوت اور دیرینہ دشمنی کا قول کرتا ہے تو وہ مبنی برحسد و عناد ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ بزرگ فرمایا کرتے ہیں کہ

از حسد اول تو دل را پاک دار

خویشتن را بعد زان مومن شمار

فصل دہم

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ حسن سلوک

امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھتے تھے اور ان کے ساتھ علیٰ حسب المراتب حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ اسی طرح آں موصوف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ بھی قدر دانی کا معاملہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ذیل میں ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے ربط اور تعلق کی چند چیزیں مختصراً پیش کرتے ہیں اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی قدر دانی کے کچھ واقعات بھی درج کرتے ہیں جن میں ان کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پورا پورا اکرام و احترام کرتے تھے اور صدق دل سے عظمت و فضیلت کے قائل تھے۔

① ایک بار حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی عجیب شان رفعت بیان کی۔

عبداللہ بن وردان کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بعض لوگوں کی عظمت کا یہ مقام ہوتا ہے کہ ان کی بات کو ان پر لوٹایا اور رد نہیں کیا جاسکتا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا انھی لوگوں میں سے ایک ہیں۔
(عن عبداللہ بن وردان قال معاویۃ رضی اللہ عنہ ان من الناس من لا یرد علیہ امرہ وان عائشۃ رضی اللہ عنہا منہم) ۱

روایت ہذا قبل ازیں جواب المطاعن (قتل صدیقہ کے الزام) میں درج ہو چکی ہے لیکن اس مقام پر ربط و تعلق کے مضمون کے تحت اس کو لایا گیا ہے۔

② اسی سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مابین بعض اوقات مراسلت ہوئی اس چیز کو کبار محدثین اور مورخین نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ چند ایک مراسلات

جو ہمیں دستیاب ہوئے ہیں وہ ایک ترتیب سے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

(الف) عامر شعبی رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک مختصر مکتوب ارسال فرمایا:

((عن الشعبي قال كتبت عائشة رضی اللہ عنہا الى معاوية رضی اللہ عنہ اما بعد: فانه من يعمل بسخط الله (يصير) حامده من الناس ذاماً))^۱

اور اسی چیز کو حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب الزہد والرقائق میں اور امام حمیدی رضی اللہ عنہ نے اپنے مسند میں بہ عبارت ذیل نقل درج کیا ہے:

((كتبت عائشة رضی اللہ عنہا الى معاوية رضی اللہ عنہ انه من يعمل بمعاصي الله يصير حامده من الناس ذاماً))^۲

”ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ حمد و صلوة کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تحریر فرماتی ہیں کہ جو شخص ایسا عمل کرتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں تو اس کی تعریف کرنے والے لوگ بھی مذمت اور بدگوئی کرنے لگ جاتے ہیں۔“

(ب) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادے عروہ اپنی خالہ محترمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک مراسلہ ارسال کیا اور اس میں تحریر فرمایا کہ:

((عن هشام عن ابيه (عروة) عن عائشة رضی اللہ عنہا انها كتبت الى معاوية رضی اللہ عنہ: اوصيك بتقوى الله فانك ان اتقيت (الله) كفاك الناس (فان اتقيت الناس) لم يغنوا عنك من الله شيئاً. فعليك بتقوى الله اما بعد))^۳

”یعنی (ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرماتی ہیں) کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے خوف کھانے کی وصیت کرتی ہوں (کیونکہ) اگر تم اللہ تعالیٰ سے خوف کھاؤ گے تو وہ تمہارے لیے لوگوں سے کفایت کرے گا اور اگر تم لوگوں سے خوفزدہ ہو گے تو یہ لوگ تمہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکیں گے اور کچھ فائدہ نہیں پہنچائیں گے، پس تم تقویٰ اختیار کرو۔“

۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲۳ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء طبع کراچی

۲ کتاب الزہد والرقائق (عبداللہ بن مبارک) ص ۶۶ باب الاخلاص والذیۃ

مسند حمیدی ص ۱۲۹ تحت احادیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، طبع مجلس علمی ذابھیل

۳ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۶۱ ج ۱۳ کتاب الزہد، طبع کراچی

کتاب المعرفہ والتاریخ (بسوی) ص ۵۵۰ ج ۵۵۰ تحت عروہ بن زبیر

(ج) اسی طرح ایک دیگر روایت میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کر کے تقاضا کیا کہ آپ مختصری نصیحت و وصیت تحریر کر کے میری طرف روانہ فرمائیں اس میں تطویل نہ ہو۔ تو اس کے جواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تحریر ارسال فرمائی کہ

((قال كتب معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ كَتَبِي إِلَيْكِ كِتَابًا تَوْصِيَنِي فِيهِ وَلَا تَكْثُرِي قَالَ فَكَتَبَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا إِلَى مَعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَمَا بَعْدُ: فَانِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ التَّمَسَ رِضَا اللَّهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللَّهُ مِثْوَنَةَ النَّاسِ وَمَنْ التَّمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللَّهِ وَكَلَهُ اللَّهُ إِلَى النَّاسِ - وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ))

”یعنی حمد و صلوة کے بعد آپ پر سلام ہو! میں نے نبی اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ آنجناب فرماتے تھے کہ جس شخص نے لوگوں کی ناراضی اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کی تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے بوجھ اور سختی سے اس کی کفایت کرے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضی اٹھا کر لوگوں کی رضامندی کا طلبگار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی طرف سونپ دیتے ہیں اور اپنی کفالت سے خارج کر دیتے ہیں۔“

تنبیہ

- یہ چیز قابل ذکر ہے کہ یہ روایت کتاب ہذا میں قبل ازیں دور چہارم کے فصل سوم میں مراسلات و خطوط کے تحت درج ہو چکی ہے۔ یہاں پھر ان حضرات کے مابین روابط کے سلسلے میں ذکر کی گئی۔
- نیز یہ چیز یہاں سے واضح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں لوگوں کی زبان بندی نہیں تھی اور حق گوئی کے سلسلے میں ان کی زبانوں پر قفل نہیں چڑھائے گئے تھے۔ بلکہ حق گوئی میں آزادی تھی، اہل حق بات کہتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما حق بات کو بخوشی قبول کرتے تھے۔ اسی بنا پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کی درخواست پر حق بات کا اظہار فرمایا اور حق گوئی کا فریضہ ادا کیا۔
- اور معلوم ہوا کہ آں موصوفہ مکرمہ رضی اللہ عنہما نے اپنے دور کے امیر و فرماں روا کو وہ نصائح ارشاد فرمائے جن کی ان کو ضرورت تھی۔

۱۔ ترمذی شریف ص ۳۲۸ تحت ابواب الزہد آخر باب ہذا، طبع قدیم لکھنؤ

کتاب الزہد والرقائق (حضرت عبداللہ بن مبارک) ص ۶۶ باب الاخلاص والعبادۃ، طبع مالکاوں ہند

مسند اسحاق بن راہویہ ص ۶۰۰ ج ۲ روایت نمبر ۵۷۵، ۶۳۲، طبع مدینہ منورہ

مصابح السنہ (امام بغوی) ص ۴۰۶، ۴۰۷ ج ۳ کتاب الآداب باب الظلم، روایت نمبر ۳۹۸۲

کیسائے سعادت (فارسی) از امام غزالی ص ۲۲۰، طبع قدیم بمبئی

عطیات و ہدایا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بعض اوقات ہدایا اور وظائف ارسال فرماتے تھے اور آں موصوفہ رضی اللہ عنہا انھیں شرف قبولیت بخشتی تھیں۔

① عبد الرحمن بن عاصمہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک قاصد ہدایا لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ امیر المؤمنین کی طرف سے یہ ہدیہ پیش خدمت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہ ہدیہ قبول فرمایا۔

جب قاصد واپس چلا گیا تو ہم نے عرض کیا: اے ام المؤمنین! کیا ہم مومن نہیں اور وہ ہمارے امیر نہیں؟ تو جواب میں آں موصوفہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ تم مومن ہو اور وہ تمہارے امیر ہیں اور امیر المؤمنین ہیں۔

((عن عبدالرحمن بن عاصمہ قال: كنت عند عائشة رضی اللہ عنہا فاتاها رسول من معاویة رضی اللہ عنہ بهديه فقال ارسل بهذا امیر المؤمنین فقبلت هديته فلما خرج الرسول قلنا: (یا) ام المؤمنین! السنا مؤمنین وهو امیرنا؟ قالت انتم ان شاء الله المؤمنون وهو امیرکم))^۱

روایت ہذا سے جہاں ربط و تعلق کا پایا جانا ثابت ہوتا ہے وہاں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امارت کے برحق ہونے کی تصدیق بھی پائی جاتی ہے کہ وہ مومنوں کے بلاشبہ امیر ہیں۔

② سابقہ طریقے کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جناب میں ایک بیش قیمت فلادہ (ہار) ہدیاً ارسال کیا جس کی قیمت اس دور کے مطابق ایک لاکھ درہم تھی۔ چنانچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ ہدیہ قبول فرمایا اور دیگر امہات المؤمنین میں تقسیم فرما دیا۔ بقول بعض یہ ہدیہ مکہ شریف میں پیش کیا گیا تھا۔

((عن حجاج عن عطاء ان عائشة رضی اللہ عنہا بعث اليها معاویة رضی اللہ عنہ قلادة قومت بمائة الف فقبلتها وقسمتها بين امهات المؤمنین))^۲

۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۹ ج ۱۱ تحت کتاب الامراء طبع کراچی

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۰ ج ۶ تحت کتاب البیوع والاقضیہ، طبع کراچی روایت نمبر ۳۷۳

۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۰ ج ۶ تحت کتاب البیوع والاقضیہ، طبع کراچی

تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۳۹۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۷ ج ۸ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

③ اسی طرح ایک بیش قیمت ہدیہ کا ذکر ہشام نے اپنے والد عروہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم کا ہدیہ ارسال کیا تو آں موصوفہ نے اس ہدیہ کو فی الوقت تقسیم کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ تمام ہدیہ کو تقسیم کر ڈالا اور اس میں سے کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ بریرہ پاس بیٹھی ہوئی تھیں انہوں نے عرض کیا کہ آپ روزہ دار ہیں، ایک درہم بچا لیتیں تو اس سے آپ کی افطاری کے لیے گوشت خرید لیا جاتا تو اس وقت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر تو یہ بات تقسیم کے وقت یاد دلا دیتی تو میں ایسا کر لیتی۔

((عن هشام بن عروہ عن ابیہ ان معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بعث الی عائشۃ رضی اللہ عنہا بمائۃ الف۔ فقسمها حتی لم تترك منها شیئا فقالت بریرۃ انت صائمة فہلا ابتعت لنا بدرہم لحما فقالت عائشۃ رضی اللہ عنہا لو انی ذكرت لفعلت))^۱

④ کبار مورخین نے یہ بات ذکر کی ہے کہ ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قرض کے زیر بار ہو گئیں تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قرض کی ادائیگی کے لیے اٹھارہ ہزار دینار یکمشت ارسال کر کے انہیں سبکدوش کر دیا۔

((حدثنا سعید ان معاویۃ رضی اللہ عنہ قضی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ثمانیۃ عشر الف دینار))^۲

زہد و تقویٰ

ناظرین کرام کے پیش نظر یہ بات آگئی ہے کہ آں موصوفہ کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بیش قیمت ہدایا اور کثیر درہم بطور وظیفہ کے پہنچتے تھے لیکن ان حالات کے باوجود حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زہد و ترک دنیا کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے خواہر زادے (بھانجے) عروہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ

((قال عروۃ فما کانت عائشۃ رضی اللہ عنہا تستجد ثوبا حتی ترفع ثوبها وتنکسه (تجعل اعلاہ اسفلہ)..... الخ))^۳

۱۔ مستدرک حاکم ص ۱۳ ج ۳ تحت باب فضل الرجال ابو بکر و فضل نساء عائشہ

الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۶-۱۳۷ ج ۸ تحت تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ، طبع مصر

تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی) ص ۳۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲۔ کتاب المعرفۃ والتاریخ (بسوی) ص ۳۱۰ ج ۲ تحت کحول، طبع بیروت

تاریخ ابن عساکر (مخطوط عکسی) ص ۳۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

۳۔ الترغیب والترہیب (حافظ منذری) ص ۱۲۶ ج ۵ طبع مصر

”یعنی جس کپڑے کو استعمال کرتیں اس کو جب تک پیوند نہ لگائیں ترک نہیں کرتی تھیں..... الخ“
اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ

((عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا قال رأيتها تصدق بسبعين الفا وانها لترقع جانب درعها))^۱

”یعنی عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ستر ہزار درہم صدقہ کرتے دیکھا ہے۔ اور ان کی حالت یہ تھی کہ اپنی قمیص کو پیوند لگایا کرتی تھیں۔“

حصول تبرک

مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک سے تبرک حاصل کرنے کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آدمی بھیجا کہ آپ میری طرف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک (انجانیہ) اور موئے مبارک ارسال فرمائیں۔ تو روایت کرنے والی خاتون (مرجانہ) کہتی ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ دونوں چیزیں میرے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھجوائیں۔ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حصول برکت کی خاطر چادر مذکورہ کو اوڑھ لیا اور شعر مبارک (بال مبارک) کو پانی سے دھو کر وہ پانی پی لیا اور بقیہ پانی اپنے جسم پر مل لیا)۔

((وروی علقمة بن ابی علقمة عن امه قالت قدم معاوية رضی اللہ عنہ المدينة فارسل الى عائشة رضی اللہ عنہا ارسلی الی بانبجانیة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وشعره فارسلت بذالك معی احملة فاخذ الانبجانیة فلبسها وغسل الشعر بماء فشرب منه وافاض علی جلده))^۲

واقعہ ہذا کے ذریعے سے ثابت ہوا کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال عقیدت رکھتے تھے اور آنجناب کے ساتھ محبت و اشتیاق میں کچھ کم نہ تھے اور شان نبوت کے کما حقہ قدردان تھے۔

۱ طبقات ابن سعد ص ۳۵ ج ۸ تحت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

۲ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۰ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۲ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی) ص ۷۲ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

الائق توجہ یہاں یہ بات ہے کہ جو شخص اپنے آقا کے ساتھ اس طرح کی والہانہ عقیدت رکھتا ہے کیا وہ اپنے سردار کے فرمودات و ارشادات پر عمل نہیں کرے گا؟ اور اجرائے احکامات میں ان کی شریعت کی پیروی نہیں کرے گا؟

مقصد یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے عہد خلافت کو احکام اسلامی کی صریح خلاف ورزی کرنے والا قرار دینا اور ان کو سیاسی اغراض کے لیے شرعی حدود کو توڑنے والا کہنا کسی صورت میں صحیح نہیں۔ یہ بات دانشمندی کے برخلاف ہونے کے ساتھ ساتھ واقعات کے بھی مطابق نہیں۔ ایک دانشمند آدمی ان واقعات کی روشنی میں ان امور کا تجزیہ خود کر سکتا ہے۔

حصول تبرک بآثار نبوی کے بعض واقعات آئندہ بھی نقل ہوں گے (ان شاء اللہ) تھوڑا سا انتظار فرمائیں۔

ہمشیرہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے عطیہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جس طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی قدردانی کرتے اور ان کو ہدایا اور وظائف ارسال کرتے تھے اور ان کی ضروریات پورا کرنے میں سعی تام کرتے تھے اسی طرح ان کی ہمشیرہ اسماء بنت ابی بکر صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی بعض دفعہ معقول عطیات سے نوازتے تھے۔

چنانچہ کتب احادیث میں منقول ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ایک بار اپنے برادر زادوں (قاسم بن محمد بن ابی بکر اور عبداللہ بن ابی عتیق رضی اللہ عنہما) سے فرمایا کہ میں تمہیں ایک لاکھ درہم بطور ہدیہ دیتی ہوں جو مجھے معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے عطا ہوا ہے۔

((وقد اعطانی معاویہ مائة الف فهو لکما))^۱

قدردانی و نفع رسائی

ما قبل میں ہم نے چند ایک واقعات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عطایا اور ہدایا کی نوعیت کے ذکر کیے ہیں اب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات کی قدردانی کا مسئلہ پیش کیا جاتا ہے۔

① مدینہ منورہ کی تاریخ لکھنے والے علماء نے اپنی تصانیف میں یہ چیز درج کی ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم سے بعض منازل خرید کی تھیں۔ اس سلسلے میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک مکان ایک لاکھ اتسی ہزار درہم میں خرید کیا۔

((واشتری معاویہ رضی اللہ عنہ من عائشة رضی اللہ عنہا منزلها بمائة الف وثمانین الف

۱ بخاری شریف ص ۳۵۳ ج ۱، باب ہر الواحد للجماء، طبع دہلی

فتح الباری (ابن حجر) ص ۱۷۲ ج ۵ باب البیت المقبوض وغیر المقبوض۔ الخ

درہم))^۱

② حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں۔ خیبر کے قیدیوں میں آئی تھیں۔ آپ اہل کتاب میں سے تھیں اور طبعی ذہانت کی بنا پر اپنے قبیلہ کی معزز خواتین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کرنے کے بعد اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔^۲

مشہور محدث سعید بن منصور رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق اپنی کتاب السنن میں ذکر کیا ہے کہ ام المومنین حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا نے اپنی ضرورت کے تحت اپنا حجرہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ درہم کے عوض میں فروخت کیا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی رعایت فرماتے ہوئے انھیں ایک کثیر رقم پیش کر دی۔

((سعید قال: نا سفیان عن ایوب عن عکرمۃ ان صفیۃ بنت حی رضی اللہ عنہا باعت حجرتها من معاویۃ رضی اللہ عنہ بمائۃ الف))^۳

③ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ہم شیر رقیقہ بنت خویلد بن اسد تھیں۔ ان کی دختر امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا یعنی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی خواہر زادی ان خواتین میں سے ہیں جنہوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ امیمہ ہذا کے متعلق اہل تراجم نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں ان کی قدر شناسی کرتے ہوئے ان کو شام میں منتقل کیا اور وہاں ان کے لیے رہائشی مکان کا انتظام کیا۔

((ونقلها (امیمۃ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا) معاویۃ رضی اللہ عنہ الی الشام وبنی لها دارا وكذا

قال زبیر بن بکار وزاد کان لها بدمشق دار و موالی))^۴

④ مدینہ طیبہ کی تاریخ مرتب کرنے والے علمائے کرام میں سے مشہور عالم نور الدین سمہودی رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف وفاء الوفاء میں ابن شبہ کی روایت نقل کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ایک دار (حویلی) جسے ”رحبۃ القضاء“ کہتے تھے مدینہ طیبہ میں تھی۔ آنجناب کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو آل موصوف نے اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرے ذمے اتنا قرض ہے اسے رحبۃ القضاء کو فروخت کر کے ادا کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور ولایت میں ان حضرات سے یہ حویلی (رحبۃ القضاء) خرید لی۔ (اور اس طرح ان کی ضروریات کو پورا کر دیا)

۱ وفاء الوفاء (سمہودی) ص ۴۶۲ ج ۲ تحت الفصل التاسع، حجرات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۲ تجرید اسماء الصحابہ (ذہبی) ص ۲۹۷-۲۹۸ ج ۲ تحت حرف الصاد، النساء

۳ کتاب السنن (سعید بن منصور) ص ۱۱۰ ج ۳ قسم الوتحت باب وصیہ الصبی

۴ وفاء الوفاء (نور الدین سمہودی) ص ۴۶۳ ج ۲ تحت الفصل التاسع، حجرات نبوی

۵ الاصابہ (ابن حجر) ص ۲۳۵ ج ۴ تحت (۹۷) امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا مع الاستیعاب۔

((فباعوها من معاویة ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وكانت تسمى دار القضاء قال ابن ابی فدیك: فسمعت عمی يقول: ان كانت تسمى دار قضاء الدين، قال: وكان معاویة رضی اللہ عنہ اشتراها عند ولايته))^۱

⑤ محدثین اور سیرت نگار حضرات نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے واقعہ اٹک میں (غلطی کی بنا پر) حصہ لیا تو صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے انھیں خوب زد و کوب کیا۔ بعدہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی شکایت کی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ تو صفوان کو یہ غلطی معاف کر دے تو حسان رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق انھیں معاف کر دیا۔ اس پر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کھجور کا عمدہ باغ اور ایک جا ریہ (لوٹھی) عنایت فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے مال کثیر کے عوض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں فروخت کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسان رضی اللہ عنہ کی ضروریات پوری کرتے ہوئے ان کو ایک خطیر رقم دی تھی۔

((عن عكرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قالت عائشة رضی اللہ عنہا ثم باع حسان رضی اللہ عنہ ذلك الحائط من معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فی ولايته بمال عظیم))^۲

⑥ مورخین نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے ترجمہ کے تحت یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں قریش کا ایک دار الندوہ تھا۔ وہ قبیلہ قریش کے لیے ایک عز و شرف اور عدل کا مقام تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اس دار الندوہ کو ایک کثیر رقم (ایک لاکھ درہم یا چالیس ہزار دینار) کے عوض میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس وقت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نے قریش کی عزت اور شوکت کی ایک چیز کو فروخت کر دیا! جواب میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سابقہ مکارم کی چیزیں اب رخصت ہو چکی ہیں۔ ظہور اسلام کے بعد اب عزت اور شرف صرف تقویٰ اور پرہیزگاری میں ہے اور دین کے ذریعے سے شوکت قائم ہے۔

پھر حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اس زر کثیر کو اللہ فی اللہ صرف کر دیا۔ حکیم موصوف ایک بہت بڑے متوکل بزرگ تھے۔

((وقد كان بيده حين اسلم الرفادة ودار الندوة فباعها بعد من معاویة رضی اللہ عنہ

بمائة الف وفي رواية باربعين الف دينار فقال له ابن الزبير رضی اللہ عنہ بعت مكرمة

۱ وفاء الوفاء (سہودی) ص ۶۹۸-۶۹۹ الجزء الاول تحت فصل ۳۲ باب القضاء

۲ مجمع الزوائد (بخاری) ص ۲۳۲ ج ۹ باب فضائل عائشہ رضی اللہ عنہا تحت حدیث اٹک

سیرة الحلبیہ ص ۳۲۲ ج ۲ تحت غزوة بنی المصطلق تحت بحث اٹک

قریش فقال له حکیم (بن حزام رضی اللہ عنہ) ابن اخی ذہبت المکارم فلا کرم الا التقوی۔ یا ابن اخی! انی اشتریتها فی الجاہلیۃ بزق خمر ولا شترین بها دارا فی الجنة اشهدک انی قد جعلتها فی سبیل اللہ وهذه الدار كانت لقریش بمنزلة العدل))^۱

④ اسی طرح حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت حویطب رضی اللہ عنہ ایک مشہور جلیل القدر صحابی ہیں جو عام الفتح میں اسلام سے مشرف ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آنجناب کے دفن میں شریک ہوئے تھے۔

حویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک دار (حویلی) مکہ مکرمہ میں تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ حویلی چالیس ہزار دینار میں خرید لی۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ اس دار کی یہ قیمت بہت زیادہ ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حویطب کا کنبہ پانچ افراد پر مشتمل ہے اور ان کی ضروریات کے پیش نظر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں۔

((وکان حویطب ممن شهد دفن عثمان رضی اللہ عنہ واشتری منه معاویہ رضی اللہ عنہ دارہ بمکة باربعین الف دینار فاستکثرها الناس۔ فقال وما ہی فی رجل له خمسة من العیال۔ قال الشافعی رضی اللہ عنہ کان حویطب جید الاسلام))^۲

حاصل کلام یہ ہے کہ فصل ہذا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن اور دیگر حضرات کے تعلقات اور روابط و نفع رسانی کی چند ایک چیزیں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

✽ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نہایت قدر شناسی فرماتے اور ان کے احترام اور رفعت و منزلت کو ملحوظ رکھتے تھے، اور دیگر حضرات صحابہ کی بھی قدر دانی فرماتے تھے اور نفع رسانی کرتے تھے۔

✽ اور وہ روایات جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان حضرات کے حق میں بدسلوکی و بد معاملگی اور تشرف و غیرہ نقل کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہیں بلکہ بے اصل ہیں۔ اور مذکورہ بالا واقعات اس مسئلے پر قرآن و شواہد کا درجہ رکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں عمدہ سلوک کے روادار اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل تھے۔

^۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۶۹ ج ۸ تحت ترجمہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ

اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۴۱ ج ۲ تحت ترجمہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ

^۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۷۰ ج ۸ تحت تذکرہ حویطب بن عبدالعزیٰ العامری رضی اللہ عنہ۔

فصل یازدہم

آخری مراحل

اسلامی حکومت کی وسعت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور حضرت موصوف کی مساعی جلیلہ سے اسلام کا غلبہ بیشتر ممالک پر ہو چکا تھا اور اشاعت اسلام کے لیے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی کوششیں بار آور ہو چکی تھیں اور مشہور مشہور ممالک اسلام کی حکومت کے تحت ہو چکے تھے۔

مورنجین نے اس دور میں اسلامی حکومت کی حدود کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ بخارا سے لے کر مغرب میں قیروان تک اور اقصائے یمن سے قسطنطنیہ تک یہ تمام ممالک اسلامی حکومت کے زیر نگیں تھے۔

اور بقول بعض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خراسان سے لے کر مغرب میں بلاد افریقہ تک اور قبرص سے لے کر یمن تک یہ سب ممالک اسلامی حکومت کے ماتحت تھے۔^۱

((فانہ کان فی ولایتہ من خراسان الی بلاد افریقیۃ بالمغرب ومن قبرص الی

الیمن))^۲

بیعت یزید کا مسئلہ

ظاہر بات ہے کہ اتنی عظیم سلطنت کے نظم و انتظام کو قائم رکھنے اور اس کے استحکام کی بڑی ضرورت تھی اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا جانشین اور ولی عہد تجویز کرنے کی طرف توجہ کی اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر اپنے فرزند یزید کو اس منصب کے لیے مناسب سمجھا۔

مسئلہ ہذا قبل ازیں جواب المطاعن میں درج ہو چکا ہے اور وہ مطالعہ کے لائق اور عمدہ فوائد پر مشتمل ہے۔ تاہم اختصاراً تسلسل مضامین کے لحاظ سے یہاں یہ مسئلہ درج کیا جاتا ہے۔ تفصیلات کے لیے ناظرین کرام جواب المطاعن میں ”مسئلہ استخلاف یزید“ کے عنوان کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ اور مسئلہ ہذا کے

۱۔ دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۸ ج ۱ تحت سنہ ۶۰ طبع دکن

السنغلی (ذہبی) ص ۲۸۹ طبع مصر

۲۔ منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۶ ج ۳ طبع لاہور۔

متعلقہ حوالہ جات بقدر ضرورت وہاں ذکر کر دیے گئے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ولی عہد کے انتخاب کے سلسلہ میں جو صورت اختیار فرمائی وہ اس دور کے حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق تھی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور کے فتنہ سے لے کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح تک اہل اسلام میں جو فکری انتشار اور نظریاتی اختلاف پیدا ہو گیا تھا اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے بصد مشکل قابو پایا اور لوگوں کو بڑی سیاسی تدابیر سے ایک نظم میں منسلک کیا۔

پھر آں موصوف نے اپنے عہد خلافت میں اسلام کی بہتری کی خاطر اور اہل اسلام کی خیر خواہی کے پیش نظر مسئلہ خلافت و امارت میں افتراق و انتشار نہیں واقع ہونے دیا اور جو اس سلسلے میں عوارض پیش آئے ان کو رفع کیا۔ اور انیس سال چند ماہ آپ کی بالاستقلال خلافت کا عہد ہے۔ اس تمام دور میں اسلام کی ترقی کے لیے ہر ملک اور ہر علاقے میں اسلام کے استحکام کی پوری کوششیں جاری رکھیں اور پرچم اسلام کو ہر مقام پر بلند کیا اور لوائے اسلام کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

نیز مسئلہ اختلاف پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بصیرت افروز نگاہ تھی اور اس کوشش میں تھے کہ جو اسلام کا شیرازہ بڑی محنتوں سے پھر سے بندھا ہے وہ منتشر نہ ہونے پائے۔ اس سلسلے میں وہ اس دور کے اہل الرائے سے استفادہ اور مشورہ بھی حاصل کرتے رہے۔ آخر کار ان کی یہ رائے ہوئی کہ اگرچہ ان کے فرزند یزید سے دیگر حضرات تقویٰ اور علم میں زیادہ فوقیت رکھتے ہیں لیکن انتظام مملکت کے سلسلے میں اور قبائلی اتحاد کے پیش نظر یہی صورت بہتر ہے کہ یزید کو ولی عہد بنایا جائے۔ اگر اس کے ماسوا کوئی دیگر صورت اختیار کی جاتی تو قبائلی انتشار کا شدید خدشہ تھا، خصوصاً قریش کا عظیم قبیلہ (بنو امیہ) کسی دوسری صورت پر رضامند ہونے کو آمادہ نہ تھا۔

اس مسئلے کے متعلق صحیح طور پر واقعہ کو ترتیب میں لانا ایک مشکل امر ہے تاہم عام روایات پر نظر ڈالنے اور اپنی معلومات کی حد تک اس واقعہ کو مختصراً اس طرح ذکر کیا جاسکتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جب یزید کے لیے بیعت حاصل کرنے کی رائے پختہ ہو گئی تو بعض روایات کے اعتبار سے انھوں نے ۵۶ھ میں اپنے ماتحت ولایت اور حکام کو یزید کی ولی عہدی کے متعلق لکھا اور اپنے حکام کو مختلف قبائل اور علاقہ کے اکابر سے یزید کی امارت کے لیے بیعت لینے کا حکم صادر فرمایا۔

چنانچہ اس دور میں مدینہ طیبہ پر مروان بن حکم والی اور حاکم تھا۔ اس نے مدینہ منورہ کے اکابرین کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تو اس موقع پر بعض حضرات مثلاً حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہم نے اس مسئلے میں خلاف کیا اور مروان کی ان حضرات کے ساتھ گفتگو میں شدت پیدا ہوئی اور خلاف

کرنے والے افراد نے اپنے اختلاف رائے کو برملا ظاہر کر دیا۔

اور بعض دیگر روایات کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور واپسی پر جب مدینہ طیبہ میں پہنچے تو اس وقت کے اکابر صحابہ کرام جناب عبدالرحمن بن ابی بکر، جناب عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس اور حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور ان کے سامنے یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ پیش کیا۔

ان حضرات کی رائے دوسری تھی انھوں نے اس مسئلہ میں اختلاف رائے کا اظہار کیا خصوصاً عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یزید کی ولی عہدی کے لیے نامزدگی کے سخت خلاف تھے جبکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نرمی کا رویہ اختیار فرمایا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو بیعت یزید کے لیے کہا تو مذکورہ بالا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ماسوا دوسرے لوگ اس چیز پر آمادہ ہو گئے اور بیعت کو تسلیم کر لیا۔

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ واپس شام تشریف لائے۔ کچھ مدت کے بعد جناب عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور جناب عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیعت یزید منظور کر لی۔ لیکن سیدنا حسین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی اختلافی رائے پر قائم رہے۔

اسلامی مملکت کے دیگر علاقوں سے اس مسئلہ میں کوئی قابل ذکر اختلاف رائے کا اظہار نہیں کیا گیا اور عام طور پر بیعت یزید قبول کر لی گئی۔

بعض شیعہ مورخین نے انتخاب کے مسئلے کا یہ واقعہ ۵۹ھ میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عراق اور دیگر بلاد سے وفود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے اور اس موقع پر ولی عہدی کا فیصلہ یزید کے حق میں کیا گیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ضعیف العمر ہو گئے تو انھوں نے اپنے فرزند یزید کو جہاں دیگر وصایا فرمائے وہاں یہ وصیت بھی تاکیداً ذکر کی کہ میرے بعد تمھاری امارت کے سلسلے میں جناب حسین اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ماسوا کسی سے اختلاف کی توقع نہیں۔ اگر اہل عراق حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمھاری مخالفت پر آمادہ کر کے سامنے لائیں تو ان سے نہایت نرمی کا سلوک کرتے ہوئے درگزر کا معاملہ کرنا۔ جیسا کہ قبل ازیں ”رعایت کا معاملہ کرنے کی وصیت“ کے عنوان کے تحت فصل نہم میں اسے ذکر کیا گیا ہے اور حوالہ جات دے دیے ہیں۔

متنبیہ

استخلاف یزید کے متعلق مختلف النوع روایات پائی جاتی ہیں۔ بعض میں بیعت یزید کے لیے حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ظلم اور زیادتی اور جبر و اکراہ کا مفہوم پایا جاتا ہے گویا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ بزور قوت طے کیا۔ اور اس مقام کی بعض روایات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تہدید قتل اور جواب میں مخاطب کی طرف سے لعن طعن کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس نوع کی روایات مجروح ہیں اور ان کی سند میں روایت کرنے والا کہتا ہے کہ قال حدثنی رجل بنخلہ..... الخ (یعنی ایک شخص نے مجھے یہ روایت نخلہ کے مقام پر بیان کی..... الخ) یعنی اس روایت کو بیان کرنے والا ایک ”رجل“ ہے اور یہ ”رجل“ ایک مجہول الذات والصفات شخص ہے۔ معلوم نہیں یہ کون ہے اور کن نظریات کا حامل شخص ہے؟ نیز جب یہ واقعہ پیش آیا راوی اس زمانے کا شخص نہیں بلکہ بعد کے دور کا ہے۔ پھر کس شخص نے اس کو یہ واقعہ بتلایا؟ اس صورت میں روایت ہذا میں واضح طور پر انقطاع زمانی موجود ہے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ تاریخ میں تنقید کا معیار تب ہی کمزور رکھا جاسکتا ہے کہ یہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے نہ ٹکرائیں اور بنا برقبول ان کے اثرات عقائد کو نہ چھوتے ہوں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف اور اتباع شریعت کی روایات آپ سابقاً پڑھ آئے ہیں اب ان بے سرو پا تاریخی مرویات کے سہارے ہم ان اصولی روایات کو کیسے چھوڑ دیں؟ اور ان غیر مستند اور غیر معتمد (مرسل و منقطع) مرویات کو کیسے قبول کر لیں؟ جن کا تاریخی ملغوبات سے زیادہ کچھ وزن نہیں۔

بہر کیف اس نوع کی روایات کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو گرایا نہیں جاسکتا اور ان کی وجہ سے ان عظیم المرتبت شخصیات کو مطعون نہیں کیا جاسکتا۔

مختصر یہ ہے کہ مسئلہ بیعت یزید میں اگرچہ بعض حضرات نے اختلاف رائے کیا تھا لیکن بعد میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس اور محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم وغیرہم نے بیعت ہذا تسلیم کر لی تھی، اور سیدنا حسین بن علی المرتضیٰ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے نظریاتی اختلاف پر قائم رہے۔ لیکن اس دور کے باقی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور دیگر لوگوں نے عموماً مسئلہ بیعت کو تسلیم کر لیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کوئی تشدد اور ظلم و زیادتی نہیں کی بلکہ مسئلہ ہذا کو بہتر طریق سے انجام دیا۔ اس چیز کی تائید میں ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین شیعہ حضرات کا بیان پیش کرتے ہیں جس میں صاف طور پر مذکور ہے کہ

((ولم یکرہم علی البیعة))^۱

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیعت یزید پر مجبور نہیں کیا اور جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا۔“

۱ تاریخ یعقوبی شیبی ص ۲۲۹ ج ۲ تحت وفاة الحسن بن علی، طبع بیروت۔

مکہ مکرمہ میں خطبہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ ہو گئے تھے اور اپنے جسمانی و طبعی تقاضوں میں بہت ضعف محسوس کرتے تھے اور یہ صحیح ہے کہ آپ میں کافی ضعف آچکا تھا۔

ان ایام میں آپ نے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا۔ جب آپ مکہ مکرمہ کے قریب ابواء کے مقام پر پہنچے تو وہاں بقول مورخین آپ پر مرض لقوہ کا حملہ ہوا۔ اسی حالت میں آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر جب طبیعت کچھ سنبھلی تو لوگوں کو ملاقات کا موقع دیا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! ابن آدم پر مصیبت وارد ہوتی ہے اور ابتلا آتا ہے تاکہ اسے (نمبر کرنے پر) اجر ملے یا بعض اوقات کسی معصیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت کی جاتی ہے اور اسے طلبہ رضائے الہی کا موقع دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے مالک کو رضامند کر سکے۔

میں اس مرض میں مبتلا ہوا ہوں مجھ سے پہلے بھی اختیار لوگ مرض میں مبتلا ہوئے ہیں اور میں صالحین میں سے ہونے کی امید رکھتا ہوں۔ اگر مجھے معاف کر دیا جائے تو مجھ سے قبل خطا کاروں کو معاف کر دیا گیا ہے اور میں معافی یافتہ لوگوں میں شمار ہونے سے ناامید نہیں ہوں۔

((ثم اذن للناس فلما اخذوا مجالسهم حمد الله واثني عليه و صلى على محمد ﷺ ثم قال: ايها الناس ان ابن آدم يعرض بلاء اما مبتلا ليوجر و اما معاقب بذنب و اما مستعتب ليعتب. فان ابتليت فقد ابتلى الصالحون قبلي و اني لارجو ان اكون منهم... الخ))^۱

شام میں خطبہ

اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملک شام واپس تشریف لائے اور حسب دستور سابق اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ پھر ایک بار بطور نصح کے ایک خطبہ دیا (جس میں دنیا کی بے ثباتی اور خلافت و امارت پر تجزیہ پیش کیا)۔

عبادہ بن نسی کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں خطبہ دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ ہماری مثل ایک کھیتی کی ہے جو بوئی گئی اور پھر مدت پوری ہونے پر اس کو کاٹ دیا گیا۔ میں تم پر ایک مدت تک

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ ملکی) ص ۶۵ - ۶۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

انساب الاشراف (بلاذری) ص ۲۲ ن ۴ طبع بیروت، تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

تظہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۲۴ در آخر صواعق الحرقہ، طبع مصر۔

والی اور حاکم رہا ہوں۔ مجھ سے قبل والے امراء اور خلفاء مجھ سے بہتر تھے اور میرے بعد مجھ سے بہتر آنے والے کی امید نہیں ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں۔ پھر فرمایا اے اللہ! میں تیری ملاقات کو پسند کرتا ہوں تو میری ملاقات کو پسند فرما کر بہتر بنا دے۔

((عن عبادة بن نسي قال خطب معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الناس فقال اني من زرع قد استحصد وقد طالت امرتي عليكم ولا ياتيكم بعدى خيرا مني كما ان من كان قبلي كان خيرا مني وقد قيل من احب لقاء الله احب الله لقاءه۔ اللهم اني قد احببت لقاءك فاحب لقائى))^۱

نصف مال دینا

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری اوقات میں جو حالات پیش آئے ان میں سے یہ چیز قابل ذکر ہے کہ آں موصوف نے آخری اوقات میں اپنے ذاتی اموال کے متعلق یہ وصیت فرمائی کہ میرے ذاتی اموال کا نصف اسلامی بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ گویا کہ وہ ازراہ احتیاط اپنے مال کو صاف کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح آخری اوقات میں اپنا مال تقسیم کر دیا۔

((عن محمد بن الحكم عن حدثه ان معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لما احتضر اوصى بنصف ماله ان يرد الى بيت المال كانه اراد ان يطيب له۔ لان عمر بن الخطاب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قاسم عماله))^۲

موئے مبارک سے تبرک حاصل کرنا

دوسری چیز مورخین نے یہ ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کا زمانہ جب قریب ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس جناب نبی کریم ﷺ کے چند تبرکات محفوظ ہیں ان میں سے ایک چیز موئے مبارک ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ میں صفا کے مقام پر جناب نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آنجناب ﷺ نے اپنے بال مبارک کٹوانے کا ارادہ فرمایا تو یہ خدمت میں نے سرانجام دی اور مشتق (بال کاٹنے کا آلہ) کے ساتھ آنحضور ﷺ کے بال مبارک کاٹے۔ ان میں سے چند بال میں نے حاصل کیے۔

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ مکی) ص ۵۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۱ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۱ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

انسب الاشراف (بلاذری) ص ۲۲ ج ۳ ص ۱۳۱ ج ۳ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

اب وہ میرے پاس محفوظ ہیں۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو ان کو میرے منہ اور ناک میں رکھ دیا جائے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ

((عن معاویة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَصْرَتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِمَشْقَصٍ))^۱

اور ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا ہے کہ

((عن ابن عباس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا احْتَضَرَ معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ يَا بَنِي انى كنت مع

رسول الله ﷺ على الصفا واني دعوت بمشقص فاخذت من شعره وهو

فى موضع كذا وكذا فاذا انامت فخذوا ذلك الشعر فاحشوا به فمى

ومنخرى))^۲

ناخن کے تراشے

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جناب نبی اقدس ﷺ کے ناخن مبارک کے کچھ تراشے تھے جو انہوں نے اپنے پاس محفوظ کیے ہوئے تھے۔ اس موقع پر ان کے متعلق بھی وصیت فرمائی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو ناخن مبارک کے تراشوں اور بال مبارک کو میرے منہ، ناک، آنکھوں اور کانوں میں ڈال دیا جائے۔ امید ہے ان کی برکت سے معافی ہو جائے گی۔

بلاذری نے اسی چیز کو بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وقلم اظفاره فاخذت قلامتها فاذا مت فالبسوني القميص وخذوا القلامه

فاجعلوها فى عيني فعسى الله.....))^۳

ابن عساکر نے تحریر کیا ہے کہ:

((قراضة من شعر واظفاره فاستودع القراضة انفى واذنى وعيني..... الخ))^۴

اور ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ

((وقلم اظفاره فاخذت القلامه فجعلتها فى قارورة فاذا مت. واقطعوا تلك

القلامه واستحقوها واجعلوها فى عيني فعسى))^۵

۱۔ بخاری شریف ص ۲۳۴ ج ۱ تحت باب الحلق والنقصير، کتاب مناسک الحج۔

۲۔ تاریخ ابن عساکر (مخطوط عکسی) ص ۵۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳۔ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۱ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۴۔ تاریخ ابن عساکر (مخطوط عکسی) ص ۵۰ ج ۱۶، ص ۵۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۵۔ تاریخ ابن عساکر (مخطوط عکسی) ص ۵۰ ج ۱۶، ص ۵۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

اور امام نووی رضی اللہ عنہ نے تہذیب الاسماء واللغات میں ذکر کیا ہے کہ:

((وكان عنده قلامة اظفار رسول الله ﷺ فاوصى ان تسحق وتجعل في

عينيه وفمه وقال افعلوا ذلك بي واخلوا بيني وبين ارحم الراحمين))^۱

اور علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے درج کیا ہے کہ:

((وان رسول الله ﷺ قلم يوم اظفاره واخذ من شعره فجمعت ذلك-

فاذا مت فاحش به فمى وانفى- وخبات قلامة اظفاره فى قارورة فاذا مت

فاجعلوا المقميص على جلدى واستحقوا تلك القلامة واجعلوها فى عيني

فعسى الله ان يرحمنى ببركتها))^۲

”مندرجات بالا کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن

مبارک کے تراشے اور موئے مبارک و قمیص مبارک میں نے محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ جب میرا

انتقال ہو جائے تو ان تبرکات کو میرے منہ، ناک، اور آنکھوں میں ڈالا جائے اور قمیص مبارک

میرے بدن کے ساتھ لگائی جائے، پھر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ امید ہے اللہ کریم ان

چیزوں کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائیں گے۔“

مسئلہ ہذا کو بے شمار اکابر نے اس مقام پر درج کیا ہے ہم نے بعض حوالہ جات کی عبارتیں اہل علم کی تسلی

کے لیے ذکر کر دی ہیں اس کے ماسوا بعض معتمد علماء کے صرف حوالہ جات نقل کیے ہیں۔ جو صاحب تسلی کرنا

چاہیں وہ مقامات ذیل کی طرف رجوع کر سکتے ہیں:

① الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۳۸۰ ج ۳ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (مع الاصابہ)

② اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۸۷ ج ۴ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

③ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۱ ج ۸، ص ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

④ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۶۷ ج ۱ کتاب العلم الفصل الاول طبع ملتان۔

⑤ الناہیہ عن ذم معاویہ رضی اللہ عنہ از مولانا عبدالعزیز پراوی ص ۳۱ تحت فصل فی فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ طبع

ملتان۔

⑥ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ عکسی) ص ۵۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

۱ تہذیب الاسماء واللغات (نووی) ص ۱۰۳ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۸۲ ج ۶ تحت سنہ ۶۰ھ ذکر العلة التي كانت فيها وفاته

قیص مبارک سے تبرک

کبار علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخری اوقات میں جو وصایا فرمائے تھے ان میں قیص نبوی کے متعلق ایک تاکید دسی۔ بھی فرمائی تھی۔ اگرچہ ضمناً پہلے اس کا ذکر آ گیا ہے لیکن اب بالاصالت ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے۔ تم کہ ایک دفعہ میں جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ میں نے آنجناب ﷺ کو وضو کرانے کی سعادت حاصل کی تو آنجناب ﷺ نے مجھ پر شفقت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے معاویہ! میں تجھے ایک قیص نہ پہناؤں؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ ضرور مجھ پر عنایت فرمائیں۔ آنجناب نے اپنا قیص مبارک اتار کر مجھے پہنا دیا۔ میں نے وہ قیص مبارک کچھ دیر پہنا اور پھر اس کو میں نے اپنے پاس محفوظ رکھ لیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس قیص مبارک کو اس وقت کے لیے محفوظ رکھا ہوا تھا اب اس قیص مبارک کو میرے کفن کے اندر داخل کر دیا جائے اور یہ میرے جسم سے متصل ہونا چاہیے۔

بلاذری وابن عساکر ہبت ذکر کرتے ہیں کہ

((میسون بن مهران عن ابیہ ان معاویہ رضی اللہ عنہ قال: فی مرضہ الذی مات کنت

اوضی رسول اللہ ﷺ فقال لی الا اکسوک قمیصا قلت بلی بابی وامی۔

فبتزع قمیصا کان علیہ فکسانیہ..... الخ))^۱

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

((ولما حضرته الوفاة اوصی ان یکفن فی قمیص کان رسول اللہ ﷺ کساء

ایاہ وان یجعل ما یلی جسده..... الخ))^۲

آثار نبوی کا احترام، کساء (چادر) مبارک سے تبرک

سیرت و تراجم نگار علماء نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذوق و شوق اور عقیدت مندی کا ایک واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے دور میں ایک مشہور شاعر کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ رضی اللہ عنہ تھے جو اسلام لانے سے قبل اسلام کے خلاف اپنے شاعرانہ کلام میں سراسر ہجو گوئی کرتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے کعب

۱ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۱ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط مکی) ص ۵۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۳ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ تہذیب الاسماء (نووی) ص ۱۰۳ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

بن زہیر موصوف کو ہدایت بخشی تو وہ مشرف باسلام ہوئے اور جناب نبی اقدس ﷺ نے ان پر کمال شفقت فرماتے ہوئے وہ چادر مبارک جو زیب تن فرمائے ہوئے تھے انھیں عطا فرمائی۔

یہ چادر مبارک کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسے دس ہزار درہم میں خریدنے کی کوشش فرمائی مگر کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے یہ چادر مبارک فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر جب کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے یہ چادر بیس ہزار درہم کے عوض میں حاصل کی۔

یہ وہی چادر مبارک تھی جس سے خلفائے بنو امیہ اور پھر بنو عباس تبرک حاصل کرتے رہے اور عیدین میں اس کو پہنتے تھے۔ اس چیز کو علی بن برہان الدین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تصنیف سیرۃ حلبیہ میں بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((القی علیہ (کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ) صلی اللہ علیہ والہ وسلم بردة کانت علیہ رضی اللہ عنہ وقد اشتراها معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ من آل کعب بمال کثیر ای بعد ان دفع لکعب رضی اللہ عنہ فیہا عشرة الاف۔ فقال ما کنت لا اوثر بثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدا فلما مات کعب رضی اللہ عنہ اخذها من ورثته بعشرين الفا وتوارثها خلفاء بنی امیة ثم خلفاء بنی العباس))^۱

اور اصابہ واسد الغابہ میں ہے کہ:

((فکساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بردة له فاشترها معاویة (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) من ولده فہی التي یلبسها الخلفاء فی الاعیاد..... الخ))^۲

ایک دیگر واقعہ

ما قبل کے صفحات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آثار نبوی کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کی چند ایک چیزیں ذکر کی ہیں۔ اب اس کے بعد اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت نبوی اور عقیدت کا ایک دیگر واقعہ ذکر کیا جاتا ہے جو کبار علماء اور مورخین نے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ میں جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ مشابہت کے احترام و اکرام کے جذبات کا مظاہرہ اور ان کی ایمانی کیفیات کا مشاہدہ پایا جاتا ہے۔

۱۔ سیرۃ حلبیہ ص ۲۳۲ ج ۳ تحت باب ۱۰ معلق بالوفود التي وفدت علیہ رضی اللہ عنہ

۲۔ الاصابہ (ابن حجر) مع الاستیعاب ص ۲۷۹ ج ۳ تحت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ

اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۲۳۱ ج ۳ تحت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ

واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کے علاقہ میں ایک شخص کا بس بن ربیعہ سامی بصری رہتے تھے ان کی جناب نبی اقدس ﷺ کے ساتھ ایک گونہ صورتاً مشابہت پائی جاتی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب کا بس بن ربیعہ مذکور کے متعلق علم ہوا تو انھوں نے والی اور حاکم بصرہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو مکتوب ارسال کیا کہ کا بس بن ربیعہ کو احترام کے ساتھ میری طرف روانہ کریں۔ چنانچہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ان کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بطور وفد روانہ کیا۔

جب کا بس بن ربیعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے تو آں موصوف کو کا بس کی آمد کی اطلاع دی گئی۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرط عقیدت میں اپنی مسند سے اتر پڑے اور پایادہ چل کر کا بس بن ربیعہ کا استقبال کیا اور ان سے ملاقات کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شوق اور تکریم کی بنا پر کا بس بن ربیعہ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور پیشانی کی تقبیل کی (یعنی پیشانی چومی)۔

بعدہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے مرو کے علاقے میں ایک قطعہ اراضی مستقلاً متعین کر دیا جس کو مرغاب کہتے تھے تاکہ آپ سہولت اور خوشحالی سے اپنا وقت بسر کر سکیں۔ یہ صرف آنجناب ﷺ کی مشابہت کے احترام کے پیش نظر کیا اور ان کی قدر شناسی کی سعادت حاصل کی۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب جناب کا بس کو دیکھتے تو جناب نبی کریم ﷺ کی یاد تازہ ہونے کے سبب سے گریہ فرماتے تھے۔

((وكان بلغ معاوية بن ابي سفيان رَجُلًا يَشْبُه برسول الله ﷺ فكتب الي عامله عليها وهو عبد الله بن عامر بن كريز رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ان يوفده اليه فاوفد كابسًا (كابس بن ربيعة) فلما دخل الي معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نزل عن سريره ومشى اليه حتى قبل بين عينيه واقطعه المرغاب))^۱
اسی چیز کو قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے الشفاء میں بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((وبلغ معاوية رَجُلًا يَشْبُه برسول الله ﷺ ان كابس بن ربيعة (بن مالك بن لؤي السامي البصري) يشبه برسول الله ﷺ (بنوع من الشبه) فلما دخل عليه من باب الدار قام عن سريره وتلقاه وقبل بين عينيه (تكريما لمشابهته لرسول الله ﷺ) وكان انس بن مالك رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اذا راه بكى لتذكرة رسول الله ﷺ) واقطعه المرغاب

^۱ کتاب الحجر (ابو جعفر بغدادی) ص ۳۶-۳۷ تحت المشربون بالنبی ﷺ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۴۹۲-۴۹۳ ج ۱۴ تحت الکاف (کابس بن ربیعہ السامی)

(اسم ارض بمر و) لشبهہ صورة رسول اللہ ﷺ))^۱

نیز تراجم نویس علماء نے ذکر کیا ہے کہ ہاشمی حضرات میں سے جناب قثم بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی ظاہری شکل و صورت سردار دو جہاں رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک گونہ مشابہ تھی (اور یہ چیز قبل ازیں فتوحات خراسان و ترکستان کے تحت تنبیہ کے ذیل میں ذکر ہو چکی ہے)

((کان قثم بن عباس ککولنا) یشبه بالنبی ﷺ))^۲

مختصر یہ ہے کہ آثار نبوی کے ساتھ تبرک و استفادہ کی چند ایک چیزیں گزشتہ صفحات میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں۔ یہاں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایمانی کیفیت اور عقیدت مندی واضح ہے۔ اور یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب نبی کریم رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس کا احترام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے اور آنجناب کی شریعت کی پابندی کرنا ان کا مقصد حیات تھا۔ یہی چیز ارادت مندی کا صحیح تقاضا اور عقیدت کا ثبوت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ آں موصوف ارشادات نبوی اور شرعی قواعد کا ہرگز خلاف نہیں کرتے تھے ان کے یہ آخری اعمال اس بات کے شاہد ہیں۔
بعض دیگر وصایا

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی اسلام کی ترقی اور اس کے احیا و بقا کے لیے وقف رہی اور آں موصوف زندگی کے آخری مراحل تک اسلام کی اشاعت اور بقا کے لیے مساعی فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ آخری صایا میں بھی اس بات کی تلقین فرمائی کہ رومیوں کے گلے کو خوب دبا کر رکھا جائے اور ان پر کنٹرول مضبوط کیا جائے تاکہ ان کے ذریعے سے باقی اقوام کو بد نظمی سے بچا کر ایک ضبط میں رکھا جاسکے۔

((کان آخر ما اوصاهم به معاویة ککولنا ان شدوا خناق الروم فانکم تضبطون بذالک غیرہم من الامم))^۳

وجہ یہ ہے کہ روم اس دور کی بڑی اہم قوت تھے اور وسیع علاقہ جات پر ان کے اثرات تھے ان کو اسلام کے زیر نگیں کرنے سے ہی اسلامی سرحدوں کی مکمل حفاظت ہو سکتی تھی۔ دور اندیشی کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

^۱ نسیم الریاض شرح الشفا (شہاب الدین خفاجی) ص ۶۳ ج ۳ فصل من توفیرہ سیدنا

جمع الجوامع (سیوطی) ج ۱ ص ۹۱ تحت مسدانس بن مالک طبع بیروت

الاصابہ مع الاستیعاب ص ۲۱۸ ج ۳ تحت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ

الاصابہ مع الاستیعاب ص ۲۶۳ ج ۳ تحت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ

^۲ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۲۰ ج ۱ تحت سنہ ۶۰ھ

نے حفاظتی تدابیر کو ملحوظ رکھا اور رومیوں کو نظم و ضبط میں رکھنے کی وصیت فرمائی۔ یہ ان کی کمال فراست اور عاقبت اندیشی کا ثبوت ہے۔

تقویٰ کی تلقین

آخری ایام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت زیادہ علیل ہو گئی اور بیماری کا غلبہ ہو گیا اور ملاجہ معالجہ کے باوجود کوئی افادہ نہ ہو سکا۔ اس دوران میں بعض اوقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر غنودگی طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت پر شدت مرض کی وجہ سے اغماء ہوا۔ پھر جب کچھ صحو ہوا اور حالت سنبھلی اور آپ ہوش میں آئے تو فرمایا:

((فقال لمن حضره من اهله اتقوا الله فان الله يقى من اتقاه ولا يقى لمن لا

يتقى الله ثم قضى - رحمه الله))^۱

اور البدایہ میں ہے کہ

((اغمی علیہ ثم افاق فقال لاهله اتقوا الله فان الله تعالى يقى من اتقاه ولا

يقى من لا يتقى - ثم مات - رحمه الله))^۲

یعنی اپنے حاضرین سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرو۔ جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا اللہ تعالیٰ

اس کو مہلک سے بچا لیتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کھاتا اس کے لیے بچاؤ کی کوئی

صورت نہیں۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اللہ کریم ان پر رحم فرمائیں۔“

وفات، جنازہ اور دفن

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری وقت میں وصایا اور ہدایات فرمائیں۔ پھر طبیعت نہایت مضحل

ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وقت مقرر تھا وہ آ پہنچا اور آپ انتقال فرما کر اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ گئے۔

(انا لله وانا اليه راجعون)

بقول بعض مورخین آپ کا فرزند یزید بن معاویہ اس موقع پر موجود نہیں تھا اور حواریں کے مقام پر گیا ہوا

تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا۔ ضحاک بن قیس فہری رضی اللہ

عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے با اعتماد اقرار میں سے تھے۔ وہ انتقال کے بعد کفن ہاتھ میں لیے ہوئے ان کے

مکان سے باہر آئے اور لوگوں کو حمد و ثنا کے بعد کہا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا ہے آپ تمام

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ کسی) ص ۷۵۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۲ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۴۹ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

عرب کے لیے سورالبلد (شہر پناہ) کی طرح جائے پناہ اور معاون و مددگار تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے خانہ جنگی کو ختم فرمایا اور بے شمار ممالک ان کی سربراہی میں مفتوح ہو کر مملکت اسلامی میں شامل ہوئے اب ہم ان کو اس کفن میں داخل کریں گے۔

ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے ایک قاصد کے ذریعے سے یزید کی طرف حواریں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی اطلاع ارسال کی اور اسے جلد واپس پہنچنے کے لیے لکھا۔ پھر اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو غسل دیا گیا اور حسب وصیت وہ تبرکات جو آں موصوف نے محفوظ کیے ہوئے تھے کفن میں شامل کیے گئے۔ (جیسا کہ قبل ازیں وصایا میں ذکر کیا گیا ہے)۔

((وقد ورد من غیر وجه انه اوصی الیہ ان یکفن فی ثوب رسول اللہ ﷺ الذی کساہ ایاہ۔ وکان مدخرا عنده لهذا الیوم وان یجعل ما عنده من شعره وقلامه اظفاره فی فمه وانفه وعینیه واذنیہ))^۱

جب تجہیز و تکفین کے مراحل طے ہو چکے تو نماز ظہر ادا کرنے کے بعد ضحاک بن قیس فہری مذکور رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ مسجد جامع دمشق میں پڑھائی اور بعدہ بقول بعض مورخین انھیں دارالامارۃ دمشق (جسے خضراء کہتے ہیں) میں دفن کیا گیا۔

بقول امام ذہبی رضی اللہ عنہ باب الجابیہ اور باب الصغیر (دمشق) کے درمیان دفن ہوئے۔

اور جمہور اہل تاریخ کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جسد کو باب الصغیر کے نزدیک جو مقابر تھے ان میں سپرد خاک کیا گیا۔ (اللہ اعلم) یغفر اللہ لہ ویرحمہ۔

((قال لما مات معاویة ﷺ صعد الضحاک بن قیس المنبر فخطب الناس۔ واکفان معاویة ﷺ علی یدیہ فقال بعد حمد اللہ والثنا علیہ: ان معاویة الذی کان سور العرب وعونہم وجدہم۔ قطع اللہ بہ الفتنة وملكہ علی العباد وفتح بہ البلاد الا انه قد مات وهذه اکفانہ۔ وبعث البرید الی یزید بن معاویة یعلمہ ویستحثہ علی المجئ۔ کان ابنہ یزید غائبا فصلی علیہ الضحاک بن قیس ﷺ بعد صلوة الظهر بمسجد دمشق۔ ثم دفن فقیل بدارالامارۃ وهی الخضراء وقیل بمقابر باب الصغیر وعلیہ الجمہور فاللہ اعلم))^۲

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۱ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۲، ۱۴۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ طبری ص ۱۸۲ ج ۶ تحت ذکر الخمری عن من صلی علی معاویہ رضی اللہ عنہ

مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۸۷ ج ۲۵ طبع دمشق

((ودفن بین باب الجابیة و باب الصغیر فیما بلغنی))^۱

یہی مضمون ابن عساکر میں ص ۷۵۷ ج ۱۶ (مخطوط عکسی) اور صفحہ ۱۹۶ ج ۲ طبع اول دمشق میں ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے تحت مذکور ہے۔ تسلی کے لیے ناظرین کرام رجوع فرمائیں۔
اور تاریخ یعقوبی میں ہے کہ

((وصلی علیہ الضحاک بن قیس الفہری رضی اللہ عنہ لغیبة یزید فی ذالک الوقت و
دفن بدمشق))^۲

یزید کی واپسی

یزید کو حوارین کے مقام پر اپنے والد کے انتقال کی اطلاع ملی تو وہ واپس دمشق پہنچا۔ پہلے باب الصغیر کے مقابر کی طرف گیا اور والد کے مزار پر جنازہ پڑھا اور دعائے مغفرت کی اور پھر اس کے بعد اپنی منزل کی طرف آیا۔

((ثقل معاویة رضی اللہ عنہ و یزید بحوارین فاتاہ الرسول بخبرہ فجاء وقد دفن
معاویة رضی اللہ عنہ فلم یدخل منزله حتی اتی قبرہ فترحم علیہ ودعا لہ۔ ثم
انصرف الی منزله))^۳

تنبیہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مزار اور دفن کے متعلق گزشتہ سطور میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ قدیم دور کے مؤلفین کی تصریحات کے مطابق ہے۔ مرور زمانہ کے بعد بے شمار تبدیلیاں اور تصرفات ہوئے اور لاتعداد حکومتیں تبدیل ہوئیں اب اس دور میں آں موصوف کے مزار کی جو کیفیت ہے وہ موجودہ دور کے ایک مشہور فاضل اور معتمد عالم دین (مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کراچی) نے اپنے رسالہ ”البلاغ“ میں بہ عبارت ذیل ذکر کی ہے:

”معلوم ہوا کہ اس مزار کو حکومت (دمشق) نے عام زیارت کے لیے بند کر رکھا ہے اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بعض روافض یہاں آ کر شرارت اور مزار کی بے حرمتی کا ارتکاب کرتے تھے۔ لہذا محکمہ

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۳ ج ۲

۲ تاریخ یعقوبی شیبی ص ۲۳۹ ج ۲ تحت وفات الحسن بن علی رضی اللہ عنہما

۳ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۱ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

تاریخ ابن عساکر (مخطوط عکسی) ص ۷۵۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اوقات (دمشق) نے یہ پابندی لگا دی ہے کہ اجازت نامے کے بغیر کسی کو اندر نہ بھیجا جائے۔
..... یہ ایک پرانے طرز کا (بوسیدہ) مکان تھا جس کے لمبوترے صحن سے گزر کر ایک بڑا سا کمرہ نظر
آیا جس میں چند قبریں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک قبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بتائی جاتی
ہے۔ یہاں سلام عرض کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔^۱

حوالہ ہذا کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ شیعہ احباب کو جس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی
کے ساتھ قلبی عداوت ہے اسی طرح آل موصوف کی قبر کے ساتھ بھی کامل عناد ہے۔ ان کو موقع ملے تو قبر کے
ساتھ بھی دشمنی پوری کرنے سے نہیں چوکتے حالانکہ اسلام میں قبر کا بھی احترام ہے۔

تاریخ وفات و عمر و مدت خلافت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات، ان کی عمر اور مدت خلافت کے متعلق علمائے فن کے متعدد
اقوال پائے جاتے ہیں۔

اس بنا پر ان برسہ امور کے متعلق ذیل میں چند مشہور اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

((توفی معاویة رَجَبِ لِيَالِ خَلْتِ مِنْهُ سِتِينَ))^۱

((وفى سنة ستين توفى امير المؤمنين معاوية رَجَبِ لِيَالِ خَلْتِ مِنْهُ))^۲

ابن حبان رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ

((مات يوم الخميس النصف من رجب سنة ستين (۶۲۰ھ) وهو ابن ثمانين
سنة فكانت ولايته تسع عشر سنة وثلاثة اشهر واثنين وعشرين ليلة))^۳
اور بلاذری نے لکھا ہے کہ

((توفى معاوية رَجَبِ لِيَالِ خَلْتِ لِلنَّصَفِ مِنْ رَجَبِ سِتِينَ وَلَهُ اثْنَانِ وَثَمَانُونَ سَنَةً))^۴

۱ ماہنامہ "البلاغ" کراچی ص ۴۰-۴۱ بابت ماہ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ دسمبر ۱۹۸۷ء تحت مضمون بعنوان "احد سے قاسیوں تک" از

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۳

۲ کتاب المعروفہ والتاریخ (بسوی) ص ۳۲۳ ج ۳ تحت سنہ ۶۰ھ

۳ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۱۰ ج ۱ تحت ذکر ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۴ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۸ ج ۱ تحت سنہ ۶۰ھ

۵ کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۳۷۳ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۶ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۲ ج ۳ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (طبع یرشلم)

اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ

((مات ليلة الخميس للنصف من رجب سنة ستين وهو يومئذ ابن ثمان

وسبعين سنة))^۱

اور تاریخ خلیفہ ابن خیاط میں امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے متعلق ایک قول اس

طرح مذکور ہے کہ

((وفيها مات معاوية رضي الله عنه بدمشق يوم الخميس لثمان بقين من رجب - مات

معاوية رضي الله عنه وهو ابن اثنتين وثمانين سنة ويقال ثمانين ويقال ست وثمانين

وكانت ولاية تسع عشر سنة وثلاثة اشهر وعشرين يوما))^۲

((ومات يوم الخميس لثمان بقين من رجب سنة ستين قال خليفة وعمر بن

علي وقال عمرو وهو ابن ثمان وسبعين سنة - واجتمع الناس عليه الى ان

مات تسع عشرة سنة واربعة اشهر))^۳

اور تاریخ یعقوبی میں ہے کہ

((وكانت ولايته تسع عشرة سنة وثمانية اشهر))^۴

اور ابن کثیر رضي الله عنه نے البدایہ میں جو متعدد اقوال اس مسئلے میں پائے جاتے ہیں جمع کر دیے ہیں۔

((لا خلاف انه توفي بدمشق في رجب سنة ستين - فقال جماعة ليلة

الخميس للنصف من رجب سنة ستين - وقيل ليلة الخميس لثمان بقين من

رجب سنة ستين - قاله ابن اسحاق وغير واحد - وقيل لاربع خلت من

رجب قاله الليث))^۵

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات، عمر اور مدت خلافت کے بارے میں جو اقوال

سطور بالا میں درج کیے گئے ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ:

● حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات بعض کے نزدیک ۴ رجب ۶۰ھ ہے اور بعض کے نزدیک یوم النخیس

۱ طبقات ابن سعد ص ۱۲۸ ج ۷ قسم ثانی تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۵-۲۱۶ ج ۱ تحت سنہ ۵۹ھ

۳ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ نکسی) ص ۶۷۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۴ تاریخ یعقوبی شیبلی ص ۳۳۸ ج ۲ تحت وفاة الحسن بن علی علیہ السلام

۵ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ ص ۱۱۶ ج ۸ تحت سنہ ۶۰ھ

۱۵ رجب ۶۰ھ ہے اور بعض علماء کا قول ہے کہ آپ ۲۲ رجب ۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ برصغیر پاک و ہند میں شیعہ حلقوں میں یہ ۲۲ رجب ہی زیادہ مشہور ہے۔

✽ اور انتقال کے وقت آپ کی عمر بعض کے نزدیک ۷۸ سال اور بعض کے نزدیک ۸۰ یا ۸۲ سال اور ایک قول کے مطابق ۸۶ سال کی تھی۔

✽ اور آں موصوف کا عہد خلافت و ولایت بقول مورخین ۱۹ برس اور تین ماہ یا چار ماہ پر محیط تھا اور یعقوبی شیعہ کے قول کے مطابق آپ کی خلافت و ولایت ۱۹ سال ۸ ماہ تھی۔

ازواج و اولاد

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ازواج اور اولاد کے متعلق مورخین نے مندرجہ ذیل تصریحات ذکر کی ہیں:

① پہلی زوجہ میسون بنت بحدل بن انیف کلبیہ تھی۔ اس سے یزید بن معاویہ اور ایک لڑکی امہ رب المشرق (جو بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھی) پیدا ہوئے۔

② فاختہ بنت قرظہ بن عمرو سے عبدالرحمن اور عبداللہ پیدا ہوئے اور ایک بیٹی ہند بنت معاویہ تولد ہوئی جس کا نکاح عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

③ ایک زوجہ نائلہ بنت عمارہ کلبیہ تھی۔ اس زوجہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور مطلقہ کر دی گئی۔

④ کنود، کتوہ، کنوہ (علیٰ اختلاف الاقوال) بنت قرظہ بن عمرو یہ فاختہ بنت قرظہ کی بہن ہے اور فاختہ کے الگ ہونے کے بعد اس کو نکاح میں لیا۔ اس زوجہ سے رملہ بنت معاویہ پیدا ہوئی جس کا نکاح عمرو بن عثمان بن عفان سے ہوا۔

((فولد معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما یزید وامہ میسون بنت بحدل بن انیف۔

وعبدالله بن معاویة و ہند بنت معاویة تزوجها عبدالله بن عامر بن کریز

رضی اللہ عنہما امہما فاختة بنت قرظة بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف۔ ورملة

بنت معاویة تزوجها عمرو بن عثمان بن عفان مولات خالد و عثمان امہا

کنود بنت قرظة اخت فاختة بنت قرظة))^۱

اور طبری نے لکھا ہے کہ

((ومنهن فاختہ ابنة قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف ولدت له

عبدالرحمن و عبدالله ابني معاویة))^۲

۱ کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۲۸ تحت ولد معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۲ تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۸۳ ج ۶ تحت تذکر نساء دولہ سنہ ۶۰ھ طبع قدیم

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳-۱۳۵ ج ۸ تحت ذکر من تزوج من النساء ومن ولدت له..... الخ

اور تاریخ یعقوبی میں ہے کہ

((و خلف من الذکور اربعة یزید و عبداللہ و محمدا و عبدالرحمن))^۱

یعنی آں موصوف کی اولاد نرینہ چہار فرزند تھے: یزید، عبداللہ، محمد، عبدالرحمن۔

اختتامی گزارش

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے عہد (چہارم) کے قریباً گیارہ عدد فصول تمام ہوئے۔ ان میں آں موصوف کی ”ملتی خدمات“ مختلف عنوانات کے تحت گزشتہ فصول کی شکل میں پیش کی گئی ہیں، جن سے آنجناب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا تفوق، غلبہ اسلام کا ظہور، اعدائے دین کی مغلوبیت، نمایاں طور پر ثابت ہوتی ہے اور ان کے اعلیٰ کردار اور بہترین نظم و نسق کی وجہ سے رعایا میں آپ کی مقبولیت واضح طور پر پائی جاتی ہے۔

✽ اور ثابت ہوتا ہے کہ آنجناب اپنے مقام پر اخلاق و دیانت میں کامل تھے۔

✽ اور بلند پایہ اخلاص کے حامل تھے۔

✽ ملت و قوم کے بہترین خیر خواہ تھے۔

✽ ایک بالغ نظر مدبر اور صاحب فکر و نظر خلیفہ تھے۔

✽ اور اسلام کے عظیم المرتبت فاتح تھے۔

✽ اسلام کے خلاف عراقی فتنوں اور شام کے یہود و نصاریٰ کی سازشوں کا قلع قمع کرنے والے مرد مجاہد تھے۔

فصل دوازدهم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکابرین امت کی نظروں میں

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت (یعنی دور چہارم) کی یہ آخری دوازدهم فصل ہے۔ اس میں ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کو اکابرین امت کے بیانات، مشائخ عظام کے فرمودات اور علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں بیان کرتے ہیں تاکہ واضح ہو سکے کہ آں موصوف کے متعلق امت کے اکابر کیا رائے رکھتے ہیں؟ اور مشاہیر حضرات کے کیا نظریات ہیں؟

یہ تمام قوم کے تاثرات کا بیان تو نہیں البتہ بعض حضرات کی آراء کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے امید ہے کہ قارئین کرام کے لیے یہ بیانات موجب اطمینان ہوں گے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سوء ظن سے اجتناب کرنے اور حسن ظن رکھنے کے لیے مفید ہوں گے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات

رابع خلیفہ راشد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں متعدد فرمودات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک ذیل میں پیش خدمت ہیں:

① جن ایام میں ”جمل و صفین“ کے واقعات پیش آچکے تھے، اس کے بعد بعض لوگ اہل جمل و صفین کے حق میں غلو کرنے لگے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے جواب میں فرمایا:

((لا تقولا الا خیرا..... الخ))^۱

”یعنی ان لوگوں (اہل جمل و صفین) کے حق میں کلمہ خیر کے بغیر کچھ نہ کہو۔“

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وقتی طور پر ان کے اور ہمارے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا تھا اور حالات برگشتہ ہو گئے تھے لیکن اب تم انہیں برائی سے یاد نہ کرو۔

۱ تاریخ ابن عساکر کامل ص ۳۲۹ ج ۱، طبع دمشق (طبع ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۱ء)

منہاج السنہ (ابن تیمیہ) ص ۶۱ ج ۳

السنن (ذہبی) ص ۳۳۵ طبع مصر۔

④ اس سلسلے میں جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک دیگر فرمان پیش کیا جاتا ہے جو آنجناب سے ناقلین حضرات نے اس طرح نقل کیا ہے کہ صفین سے واپسی کے موقع پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بعض ایسی چیزیں بیان فرمائیں جو اس سے قبل آپ ذکر نہیں فرمایا کرتے تھے ان میں یہ چیز بھی تھی جس کو بڑے اہتمام سے بیان فرمایا:

((فتکلم باشیاء کان لا یتکلم بہا۔ وحدث باحدیث کان لا یتحدث بہا۔

فقال فیما یقول: ایہا الناس! لا تکرہوا امارۃ معاویۃ، واللہ! (لو قد فقدتموہ)

لقد رأیتم الرءوس تندر من کواہلہا کالحنظل))^۱

”یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ امارت و حکومت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مکروہ مت جانو

کیونکہ اگر یہ امارت ختم ہو جائے گی اور نہ رہے گی تو تم دیکھو گے کہ تمہارے سروں کو تمہارے دوش

سے حنظل (اندرائن) کی طرح زائل کر دیا جائے گا۔“

مقصد یہ ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کا عہد نہ رہا تو اس کے بعد حالات دگرگوں ہو جائیں

گے اور شدید تر واقعات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ (اس لیے آنے والے ایام سے ان کا دور ہی بہتر ہے)۔

گزشتہ نوع کے فرامین کو بہت سے محدثین اور مورخین نے نقل کیا ہے حوالہ حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اگرچہ وقتی طور پر سیاسی

اختلافات رونما ہوئے اور قتال تک نوبت پہنچی، تاہم آں موصوف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت اور

ان کی امارت کے متعلق ہدایت فرماتے تھے کہ اس کو مکروہ نہیں جاننا چاہیے یہ مذمت کے قابل نہیں۔

اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آئندہ دور امارت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس وقت حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ کی امارت تھی اور اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تسلیم نہ کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے بھی ہجرتوں قسم کا فرمان منقول ہے کہ جب باہمی صلح کے بعد آں

موصوف کوفہ سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو بعض لوگوں نے بطور طعن و اعتراض کہا: یا مذلل المؤمنین

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۳-۲۹۴ ج ۱۵ کتاب الجمل تحت باب ما ذکر فی صفین طبع کراچی

کتاب السنہ (امام احمد) ص ۱۹۴ طبع مکہ مکرمہ

انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۰ ج ۳ طبع بیروت، قسم اول

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۲۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۸۸ ج ۶ تحت اخبارہ رضی اللہ عنہ..... الخ

کنز العمال (علی متقی الہندی) ص ۸۷-۸۸ ج ۶ تحت الصفین طبع اول

تاریخ الاسلام (ذہبی) ص ۳۲۰ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

(اے مومنوں کو ذلت میں ڈالنے والے!) تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ ایسا مت کہو! کیونکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایام ولیالی (دن رات) نہیں گزریں گے یہاں تک کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حکمران ہوں گے۔

((يقول (ﷺ) لا تذهب الايام والليالي حتى يملك معاوية))^۱

مقصد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا امیر و حکمران ہونا ان حضرات کے نزدیک برا نہیں تھا، بلکہ بطور اعتراف حقیقت یہ امارت و حکومت درست ہے اور قابل اعتراض نہیں۔

تنبیہ

نیز اکابر بنی ہاشم حضرات کے ساتھ ربط و تعلق کی چیزیں ہم نے قبل ازیں فصل (۹) کی شکل میں ذکر کر دی ہیں ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ جو ان حضرات کے ہاں ہے وہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیانات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اکابر بنی ہاشم میں شمار ہوتے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد حسین شریفین رضی اللہ عنہما کے خاص حامیوں میں سے تھے اور مدت العمر ان حضرات کے معاون و مددگار رہے۔ ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ اور فضیلت کے متعلق متعدد اقوال منقول ہیں۔ ان میں سے بعض چیزیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

① رکعات وتر کے مسئلے پر جب بحث ہوئی ہو تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ ((اصاب انه فقيه))^۲

② اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر اس طرح فرمایا: ((اصاب ای بنی لیس احد منا اعلم من معاوية))^۳

”یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں بہت درست ارشاد فرمایا ہے کیونکہ وہ فقیہ ہیں (اور مجتہد ہیں)۔“

اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ مسئلہ انھوں نے ٹھیک بیان کیا ہے۔ اے عزیزو! آج کے دور میں ہم سے

۱ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۱ ج ۸ طبع اول مصر، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

۲ المصنفی (ذہبی) ص ۳۸۸-۳۸۹ طبع مصر

بخاری شریف ص ۵۳۱ ج ۱ باب الذکر تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع دہلی

مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲-۱۱۳ ج ۱ الفصل الثالث باب الوتر، طبع دہلی

۳ السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۶ ج ۳ باب الوتر، طبع حیدرآباد دکن

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۲۶ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

اس مسئلے پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ عالم کوئی دوسرا نہیں۔

اور اس مقام پر حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

((فهذه شهادة الصحابة بفقہه ودينه والشاهد بالفقہ ابن عباس رضي الله عنهما))^۱

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور دینداری کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے یہ شہادت

پائی گئی ہے ان کے فقیہ ہونے پر ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے ثقہ آدمی شاہد ہیں۔“

یہ معمولی درجہ کی شہادت نہیں بلکہ ”حبر الامت“ جن کا لقب ہے ان کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کے مجتہد ہونے کی گواہی ہے۔

④ ایک مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد مجاہد اور عطاء رحمہ اللہ نے آپ سے ذکر کیا کہ قصر شعر (یعنی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹنے) کی روایت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماسوا کسی دیگر صحابی سے منقول نہیں تو

جواب میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی صداقت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

((ما كان معاوية على رسول الله ﷺ متهما))^۲

”یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اتہام لگانے والے نہیں (ان کی یہ بیان کردہ روایت صحیح ہے)۔“

⑤ نیز اکابر علماء نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ملکی نظم و نسق کے

متعلق فرماتے تھے کہ

((ما رأيت احدا كان اخلاق للملك من معاوية))^۳

”یعنی ملکی نظم و نسق میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ موزوں فرمانروا میں نے نہیں دیکھا۔“

⑥ اور ایک دیگر روایت میں ہے کہ

((ما رأيت احدا كان احق بالملك من معاوية))^۴

۱۔ المستغنی (ذہبی) ص ۳۸۸-۳۸۹ طبع مصر

الناہیہ عن طعن امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۵ تحت فصل فی فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ از مولانا عبدالعزیز پرباروی، طبع ملتان

۲۔ مسند امام احمد ص ۱۰۲ ج ۴ تحت حدیث معاویہ

مختار المعبود فی ترتیب مسند طرابلس ص ۲۱۹ ج ۲ تحت باب فتح الحج الی العرة۔

۳۔ تاریخ الکبیر (امام بخاری) ص ۳۲۷ ج ۳ باب تذکرہ معاویہ رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۳۰۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۵ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۴۔ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۳۷ ج ۴ قسم اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۱۳ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

غریب الحدیث (ابن قتیبہ) ص ۳۵۳ ج ۲ تحت ابن عباس رضی اللہ عنہما

”یعنی حکمرانی کے زیادہ لائق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر شخصیت (اس دور میں) میں نے نہیں دیکھی۔“

⑥ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو اس وقت ان کے حق میں آں موصوف نے اظہار افسوس کرتے ہوئے ان کا مقام بیان فرمایا اور تاثرات ظاہر کیے کہ

((اما واللہ ما کان مثل من قبلہ ولا یاتی بعدہ مثله))^۱

”یعنی اللہ کی قسم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ماقبل خلفاء کی مثل نہیں تھے لیکن ان کے بعد ان کی مثل نہیں آئے گا۔“

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ مختصراً عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تاثرات ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اس دور کے مشاہیر ہاشمی بزرگوں میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔

جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فرمودات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیادت اور حکمرانی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ

((ما رأیت احدا بعد رسول اللہ ﷺ اسود من معاویة))^۲

”یعنی نبی کریم ﷺ کے بعد میں نے کسی کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر حکمران نہیں دیکھا۔“

کسی نے ان سے کہا کہ سابق خلفاء سے بھی یہ بہترین حکمرانی کرنے والے تھے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ سابق خلفاء امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خیر اور بہتر تھے لیکن حکمرانی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فائق اور بہترین فرماں روا تھے۔

مطلب یہ ہے کہ نیکی، تقویٰ اور زہد وغیرہ اپنی جگہ پر کامل صفات ہیں لیکن اسلام میں حکمرانی اور فرمانروائی کے اصول و ضوابط الگ صفات خیر ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فطرت سلیمہ میں قدرت کی طرف سے ودیعت کیے گئے تھے۔ اس چیز کو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم بیان فرما رہے ہیں۔

قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ

اسی طرح قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

((ما رأیت رجلا اثقل حلما ولا ابطا جهلا ولا ابعدا اناة منه))^۳

۱ انسب الاشراف (بلاذری) ص ۳-۴ ج ۳ تحت امریزید بن معاویہ

الامامہ والسیاسة (ابن قتیبة) ص ۲۱۳ تحت وقات معاویہ

۲ تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۳۰۷ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۳ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ طبع اول معمر

الہدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۵ ج ۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ طبع اول معمر

”یعنی بڑا حوصلہ مند، جہالت سے بہت دور، بڑا باوقار، بہت بردبار شخص (اس دور میں) معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ میں نے نہیں دیکھا۔“

گویا صحابہ کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کی عظمت کو ان مختصر الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انصاف اور عوام کے حقوق کی ادائیگی کے متعلق فرماتے ہیں

کہ

((ما رأیت بعد عثمان اقصیٰ بحق من صاحب هذا الباب))^۱

”یعنی میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر حق کو پورا کرنے والا اور

حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا۔“

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تقویٰ اور حسن نماز کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ

((قال ما رأیت احدا اشبه صلوة برسول اللہ ﷺ من امامکم هذا یعنی

معاویہ رضی اللہ عنہ))^۲

”مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ میں نے اس دور میں تمہارے اس امام

(معاویہ) سے بہتر کوئی نہیں دیکھا۔“

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ

عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں اور صاحب زہد و تقویٰ ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد

خلافت میں علاقہ حمص کے والی اور حاکم تھے۔ وقتی تقاضوں کے تحت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں

معزول کر کے ان کی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر فرمایا تو اس وقت لوگ کہنے لگے کہ عمیر رضی اللہ عنہ کو

معزول کر کے معاویہ رضی اللہ عنہ کو (جو نو عمر ہیں) والی بنا دیا ہے۔ اس موقع پر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ:

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۲۳۷ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۴۳ ج ۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ المستعنی (ذہبی) ص ۳۸۸-۳۸۹ تحت ثناء الائمة الاعلام علی معاویہ رضی اللہ عنہ۔ الخ، طبع مصر

((لا تذکروا معاویة الا بخیر فانی سمعت رسول الله ﷺ یقول: اللهم اهدہ))^۱

”یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ خیر و خوبی کے بغیر مت کرو، میں نے جناب نبی اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ان کے حق میں دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ انھیں ہدایت عطا فرما۔“
یہاں سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے ہدایت کی جاتی ہے کہ آں موصوف کو خیر سے ہی یاد کرو، طعن و اعتراض ان پر مت کرو اور جناب نبی کریم ﷺ کی طرف سے جو دعائیں ان کے حق میں پائی جاتی ہیں ان کو ملحوظ رکھو۔

تابعین و غیر ہم رضی اللہ عنہم کی نظروں میں

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نہایت ثقہ تابعی اور معتمد بزرگ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کے متعلق ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ

((من مات محبا لابی بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم و شهد للعشرة بالجنة و یرحم علی معاویة رضی اللہ عنہ کان حقا علی الله ان لا یناقشه الحساب))^۲
”یعنی سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم سے محبت رکھے اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی گواہی دے اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے حق میں رحمہ اللہ کہے، امید ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص سے حساب کتاب کا مناقشہ نہیں فرمائے گا اور محاسبہ سے درگزر فرمائے گا۔“

مطلب یہ ہے کہ اکابر تابعین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں عقیدت مندی اور حسن ظن رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں اور اس چیز کو یوم آخرت میں مواخذہ و محاسبہ سے نجات کا باعث قرار دیتے ہیں۔

۱ التاریخ الکبیر (امام بخاری) ص ۳۲۸ ج ۴ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ طبع دکن

جامع ترمذی ص ۵۴۷ ابواب المناقب تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ تاریخ ابن عساکر ص ۴۵ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

کعب احبار رضی اللہ عنہ

((قال کعب لن یملك احد من هذه الامة ما ملک معاوية رضی اللہ عنہ))^۱

”یعنی جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکمرانی کی ہے اس درجہ میں اس امت میں سے کسی نے حکمرانی نہیں کی ہوگی۔ یعنی سلیقہ حکمرانی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔“

ابو مجلز رضی اللہ عنہ کا بیان

ابو مجلز رضی اللہ عنہ ایک مشہور ثقہ تابعی ہیں۔ ان کا نام لاحق بن حمید بن سعید سدوسی بصری ہے۔ آپ نے اکابر صحابہ کرام ابو موسیٰ اشعری، حضرت حسن بن علی، معاویہ بن ابی سفیان، عمران بن حصین اور عبداللہ بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایات لی ہیں اور قتادہ اور ابن سیرین رضی اللہ عنہما جیسے مشہور تابعین آپ سے روایات کے راوی ہیں اور آپ کو تابعین کے طبقہ ثالثہ (وسطی) میں شمار کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ عمران بن حدیر نے ابو مجلز موصوف رضی اللہ عنہ سے ”بیع مصحف“ کا مسئلہ دریافت کیا (کہ مصحف یعنی قرآن مجید کی کتابت فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟) ان موصوف نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیع مصحف ہوئی ہے (فلہذا یہ کام جائز ہے)۔ میں نے پوچھا کہ کیا میں مصحف کی کتابت کروں؟ ابو مجلز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو اپنے ہاتھ کو حسب منشا، (جائز) کام میں استعمال کر سکتا ہے۔

((عن عمران بن حدیر قال: سالت ابا مجلز عن بیع المصاحف قال: انما

بیعت فی زمن معاوية رضی اللہ عنہ قلت فاکتبها؟ قال استعمل یدک بما شئت))^۲

یہاں سے واضح ہوا کہ ثقہ تابعین کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت شرعی مسائل میں استشہاد اور استناد کا درجہ رکھتا ہے۔

امام اوزاعی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۵۸ھ) کا بیان

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت اور صداقت کے متعلق امام اوزاعی رضی اللہ عنہ (عبدالرحمن بن عمرو) کا ایک تجزیہ اور تبصرہ پیش خدمت ہے۔ حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے الہدایہ میں اسے بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((قد قال ابو زرعة الدمشقی رضی اللہ عنہ عن دحیم عن الولید عن الاوزاعی رضی اللہ عنہ

قال ادركت خلافة معاوية رضی اللہ عنہ عدة من الصحابة منهم اسامة وسعد و جابر

۱ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۰۰ ج ۳ قسم اول ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر (مخلوط) ص ۳۱ ج ۱۶ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۷ ج ۳ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

وابن عمر و زید بن ثابت و مسلمة بن مخلد و ابوسعید و رافع بن خدیج و ابوامامة و انس بن مالک رضی اللہ عنہ و رجال اکثر و اطیب ممن سمینا باضعاف مضاعفة كانوا مصابیح الهدی، و اوعية العلم، حضروا من الكتاب تنزیله، و من الدین جدیدہ و عرفوا من الاسلام ما لم یعرفہ غیرہم۔ و اخذوا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم تاویل القرآن و من التابعین لهم باحسان ما شاء اللہ منهم المسور بن مخرمة و عبدالرحمن بن الاسود بن عبدیغوث و سعید بن المسیب و عبداللہ بن محیریز رضی اللہ عنہ، و فی اشباہ لهم لم ینزعوا یداً من جماعة من جمعه فی امة محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم))

”اس کا مطلب یہ ہے کہ امام اوزاعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو پایا۔ ان میں اسامہ، سعد، جابر، ابن عمر، زید بن ثابت، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید، رافع بن خدیج، ابوامامہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم اور ان مذکور افراد سے بھی بہت زیادہ صحابہ کرام موجود تھے۔

یہ لوگ اپنے دور میں ہدایت کے چراغ اور علم کے ظروف تھے، اللہ کی کتاب کی تنزیل کے وقت حاضر تھے اور دین اسلام کے متعلق ایسی پہچان اور معرفت رکھتے تھے جو دوسروں کو حاصل نہیں اور قرآن مجید کے معانی و مفہیم انہوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے براہ راست حاصل کیے۔

اور احسان کے ساتھ تابعداری کرنے والے تابعین میں سے بہت سی جماعت اس دور میں تھی ان میں سے مسور بن مخرمہ، عبدالرحمن بن اسود، سعید بن مسیب، عبداللہ بن محیریز اور دیگر اکابر ہیں۔

امت محمدیہ کی اس جماعت میں سے (اس وقت) کسی نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہاتھ نہیں کھینچا اور جماعتی وحدت سے جدا نہیں ہوئے۔“

امام اوزاعی رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے واضح ہوا کہ امت کے اکابر صحابہ کرام اور تابعین (جو اس دور کے قریب تر ہیں) کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح تھی اور آپ برحق خلیفہ و امیر تھے یعنی ان کی جابرانہ اور ظالمانہ حکومت نہیں تھی اور نہ وہ از خود تغلب خلیفہ بنے ہوئے تھے۔ ورنہ اس دور کے مذکور اکابر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم نہ کرتے اور ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ امام اوزاعی رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے بہت سے شبہات مرتفع ہو گئے۔

عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ

جناب عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کبار علمائے امت میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی جلالت شان اور وثاقت جمہور علماء میں تسلیم شدہ ہے۔ ان سے بعض اوقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کے متعلق سوال کیا گیا کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ

((ما اقول فی رجل قال رسول اللہ ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ۔ فقال معاویہ
ﷺ من خلفہ ربنا لک الحمد))

”یعنی میں ایسی شخصیت کے حق میں کیا کچھ کہہ سکتا ہوں کہ جب جناب نبی کریم ﷺ نمازوں میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ان کے پیچھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اقتداء میں ربنا لک الحمد کے کلمات ادا کرتے تھے۔“

یہ آنحضرت ﷺ کی گواہی ہے کہ جس نے اللہ رب العزت کی حمد کی اللہ نے اس کی حمد سن لی۔ اب اس کے فوراً بعد صحابہ کہتے اے ہمارے رب حمد تیرے لیے ہے۔ صحابہ کی اس حمد کی حضور ﷺ نے پہلے سے گواہی دے دی کہ اللہ نے سن لیا ہے۔ سو جو حضرات حضور ﷺ سے اور پھر اللہ سے یہ قرب پا چکے ہیں ان کے بارے میں میں (عبداللہ بن مبارک) کیا گواہی دے سکتا ہوں۔ انھی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ سو وہ اس مقام سے بلند ہیں کہ ہم ان کے بارے میں کوئی رائے دیں۔ یعنی دیگر صحابہ کے ساتھ یہ شرف اور عظمت ان کو بھی حاصل تھی۔ اور اس سے فائق مقام اور مرتبہ کیا ہو سکتا ہے؟

اور بعض دفعہ جناب عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ؟ تو آپ نے فرمایا کہ:

((تراب فی انف معاویہ ﷺ فی منخری معاویہ ﷺ مع رسول اللہ ﷺ
خیر و افضل من عمر بن عبدالعزیز))

”یعنی جناب نبی اقدس ﷺ کی معیت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناک کی مٹی عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے بہتر اور افضل ہے۔“

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۳۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲۔ تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۳۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۱۳۱ ج ۱۰ طبع ملتان

اور باعتبار بعض روایات یہ جواب اس طرح مذکور ہے کہ

((فقال والله للغبار الذي دخل انف فرس معاوية رضي الله عنه مع رسول الله صلى الله عليه وسلم خير من مائة واحد مثل ابن عبدالعزيز))

((يريد بذلك ان شرف الصحبة والرؤية لرسول الله صلى الله عليه وسلم وحلول نظرة الكريم لا يعادله عمل ولا يوازيه شرف))

”یعنی ابن مبارک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک کی غبار عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جیسے سوا افراد سے بہتر و افضل ہے۔“

عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف صحبت، آنجناب کا دیدار مبارک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نظر شفقت کا حصول یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا کوئی عدیل نہیں اور ان کے موازی اور مساوی کوئی شریک شرف نہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۰۱ھ)

جناب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اسلام میں مشہور مصنف اور عادل و صالح خلیفہ ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ یہ تھا کہ جب ان کے دور میں بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدکلامی کی تو عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو سزا کے طور پر کوڑے لگوائے۔

اس دور کے ایک بزرگ ابراہیم بن میسرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کسی کو اپنے عہد میں کوڑے لگوائے ہوں مگر آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زبان درازی اور بدکلامی کرنے والے شخص کو کوڑے لگوائے۔

((عن ابراهيم بن مسره قال ما رأيت عمر بن عبدالعزيز رضي الله عنه ضرب احدا في خلافته غير رجل واحد تناول من معاوية فضربه ثلاثة اسواط))

((عن ابراهيم بن مسرة قال ما رايت عمر بن عبدالعزيز رضي الله عنه ضرب انسانا قط الا انسانا شتم معاوية رضي الله عنه فانه ضربه اسواط))

۱۔ الفتاویٰ الحدیثیہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۳۰۵ تحت مطلب فی قول ابن مبارک..... الخ

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۱۰، الفصل الثانی فی فضائلہ ومناقبہ..... الخ

۲۔ طبقات ابن سعد ص ۲۸۳ ج ۵ تحت عمر بن عبدالعزیز

۳۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ص ۳۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

یہ حوالہ جات قبل ازیں تمہید جواب المطاعن میں گزر چکے ہیں یہاں فصل دوازدهم میں ما قبل کے تسلسل مضامین کے پیش نظر ان کو ذکر کیا گیا ہے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کا فرمان (المتونی ۹۷۹ھ)

ائمہ اربعہ میں امام مالک رضی اللہ عنہ ایک اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب و شتم کرنے والے شخص کے بارے میں آنجناب نے فرمایا کہ

((ومن شتم اصحابه ادب وقال ایضا من شتم احدا من اصحاب النبی ﷺ

ابا بکر او عمر او عثمان او معاویة او عمرو بن العاص ﷺ۔ فان قال کانوا

فی ضلال قتل وان شتم بغیر هذا من مشاتمة الناس نکل نکالا شدیداً))^۱

”یعنی امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب و شتم کرے تو اس کی تادیب

کی جائے۔ نیز فرمایا کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے کسی ایک صحابی حضرت ابو بکر، عمر،

عثمان، معاویہ یا عمرو بن عاص وغیرہم رضی اللہ عنہم کے حق میں کہے کہ یہ حضرات گمراہی پر تھے تو اسے قتل

کیا جائے لیکن اگر اس لفظ کے بغیر عام لوگوں کی گالیوں کی طرح سب و شتم کرے تو اس کو سخت سزا

دی جائے۔“

مطلب یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت امیر معاویہ یا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی شان میں بھی گستاخی اور بدگوئی کرنے والے شخص کو اسی فہرست میں شمار کیا گیا ہے جس میں حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی شان میں بدگوئی اور بدکلامی کرنے والے شمار ہیں۔ گویا حضرت معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے حق میں بدکلامی کرنا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق سب کرنے کے مترادف ہے۔

اس بدگوئی میں اگر وہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کفر کے قائل ہوں تو یہ بدگوئی ان سے دراصل ان کے ایمان سے تبریہ اور بیزاری ہے۔ انھیں مسلمان سمجھتے ہوئے برا بھلا کہنے کی سزا کوڑے ہیں۔ لیکن یہ آخری درجے کی سزا (قتل) اس صورت میں ہے کہ وہ بدگوئی کرنے والا ان کے کفر کا عقیدہ رکھتا ہو۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ قول امام مالک رضی اللہ عنہ کا ہے، کسی عام عالم کا نہیں۔ امام مجتہد کا یہ فرما دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے خوب غور فرمائیں۔

اعمش رضی اللہ عنہ کا بیان

مشہور عالم سلیمان بن مہران الاعمش رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور ان کے عدل و انصاف کا تذکرہ ہوا تو اعمش رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

۱۔ رسائل ابن عابدین شامی ص ۳۵۸ ج ۱ تحت الباب الثانی فی حکم سب احد من الصحابہ

((کیف لو ادرکتہم معاویۃ؟ قالوا فی حلمہ؟ قال: لا واللہ بل فی عدلہ))^۱
 ”مطلب یہ ہے کہ تم کیا شان عمل دیکھتے اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور پاتے؟ سامعین نے کہا: ان کی
 بروباری کے متعلق؟ فرمایا: نہیں بردباری تو ہے، ان کے عدل و انصاف کی بھی ایک عجیب شان
 تھی۔“

یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے حلم میں نہیں بلکہ خدا کی قسم عدل و انصاف میں بھی فائق
 تھے۔

ابو اسحاق رضی اللہ عنہ کا قول

اپنے دور کے مشہور فاضل ابو اسحاق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنا نظریہ مندرجہ ذیل
 الفاظ میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں کہ

((روی ابو بکر بن عیاش عن ابی اسحاق قال ما رأیت بعدہ مثله یعنی
 معاویۃ))^۲

”یعنی ابو بکر بن عیاش نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت امیر
 معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان جیسا شخص نہیں دیکھا۔“

ابو توبہ حلبی رضی اللہ عنہ

ان کا اسم ربیع بن نافع ابو توبہ حلبی ہے اور مشہور محدث ابو داؤد رضی اللہ عنہ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ابو توبہ حلبی
 رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ

((یقول معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ستر اصحاب رسول اللہ ﷺ فاذا
 کشف الرجل السترا جتری علی ما وراہ))^۳

”یعنی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اصحاب رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک پردہ کے درجہ میں ہیں۔ اگر
 کوئی شخص پردہ کو کھول دے تو پھر وہ ہر چیز پر جرات کر سکے گا۔“

۱۔ منہاج السنۃ ص ۱۸۵ ج ۳ تحت السبب السابع، طبع لاہور

۲۔ السننی (ذہبی) ص ۳۸۸ تحت ثناء الأئمة الاطلام علی معاویہ رضی اللہ عنہ (طبع مصر)

۳۔ السننی (ذہبی) ص ۳۸۸ تحت ثناء الأئمة الاطلام علی معاویہ رضی اللہ عنہ (طبع مصر)

۴۔ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۰۹ ج ۱ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۵۔ تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۷۴ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۶۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

ابو مسعود معافی بن عمران ازدی موصلی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۸۵ھ)

معافی بن عمران رضی اللہ عنہ ایک مشہور محدث ہیں۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ؟ تو آپ نے ناراض ہوتے ہوئے سائل سے فرمایا کہ تو ایک صحابی کو تابعی کے برابر قرار دیتا ہے؟ پھر فرمایا کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تو صحابی ہیں، کاتب ہیں اور وحی الہی پر آپ کے امین ہیں اور آنجناب رضی اللہ عنہم کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ آنجناب رضی اللہ عنہم نے ارشاد فرمایا کہ میرے اصحاب اور اصہار کو میرے لیے چھوڑ دو۔ جو شخص ان کو سب و شتم کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

((سئل المعافی بن عمران ایہما افضل؟ معاویة او عمر بن عبدالعزیز؟ فغضب وقال لسائل: اتجعل رجلا من الصحابة مثل رجل من التابعین؟ معاویة صاحبه وصهره کاتبه وامنہ علی وحی اللہ وقال رسول اللہ ﷺ دعوا لی اصحابی واصہاری فمن سبہم فعلیہ لعنة اللہ والملائکة والناس اجمعین))^۱

اور معافی بن عمران مذکور رضی اللہ عنہ ایک دوسری روایت میں اس طرح فرماتے ہیں کہ:

((قال یوم من معاویة افضل من عمر بن عبدالعزیز عمره))^۲

”یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک روز عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی تمام عمر سے افضل ہے۔“

اسی سلسلے میں بعض دیگر علماء نے اس مضمون کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ:

((قال بعضهم فی معاویة رضی اللہ عنہ وعمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ لیوم شہده معاویة

رضی اللہ عنہ مع رسول اللہ ﷺ خیر من عمر بن عبدالعزیز واهل بیتہ))^۳

”یعنی آنجناب رضی اللہ عنہم کی معیت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک دن حاضر رہنا عمر بن عبدالعزیز

۱ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ص ۲۰۹ ج ۱ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ تاریخ ابن عساکر، ص ۴۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳ الہدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

الشفاع (قاضی عیاض) ص ۵۲ ج ۲ تحت فصل من توفیرہ۔ الخ

کتاب الاباطیل والنائکیر (جوزقانی) ص ۱۹۵ ج ۱ روایت ۱۸۳

۴ تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۴۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۵ الباعث الحثیث (ابن کثیر) ص ۱۸۱، النوع (۳۹) معرقۃ الصحابہ طبع دارلث مصر

رضی اللہ عنہ اور ان کے گھرانے سے بہت بہتر ہے۔“

مقصود یہ ہے کہ دربار نبوت میں ایک یوم کی حاضری عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی تمام زندگی سے فائق ہے۔ (سبحان اللہ)

فضل بن عنبسہ رضی اللہ عنہ

ایک بزرگ فضل بن عنبسہ رضی اللہ عنہ مشہور عالم دین ہیں ان سے عیسیٰ بن خلیفہ الخداء نے سوال کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا خلیفہ عمر بن عبدالعزیز؟ تو فضل بن عنبسہ رضی اللہ عنہ اس سوال پر متعجب ہوئے اور فرمایا سبحان اللہ! کیا میں اس شخص کو جس نے جناب نبی کریم ﷺ کی زیارت کی ہے ایسے شخص کے برابر قرار دوں جس نے آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا؟ فضل رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات تین بار دہرائے۔

((نا عیسیٰ بن خلیفہ الحدا قال کان الفضل بن عنبسہ جالسا عندی فی

الحانوت فسئل معاویة افضل ام عمر بن عبدالعزیز؟ فعجب من ذالك وقال

سبحان الله! اجعل من رای رسول الله ﷺ کمن لم یرہ قالها ثلاثا))^۱

امام احمد رضی اللہ عنہ (المبتونی ۲۳۰، ۲۳۱ھ) کا فرمان

مسئلہ ہذا میں ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا ارشاد ان کے ایک تلمیذ میمون رضی اللہ عنہ نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ میمون رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے امام احمد رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آں موصوف نے فرمایا: لوگوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کیا ہو گیا ہے کہ ان کی برائی ذکر کرنے لگے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے ہیں۔ اور پھر مجھے خطاب کرتے ہوئے امام موصوف نے فرمایا کہ اے ابوالحسن! جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اصحاب رسول میں سے کسی صاحب کو برائی سے یاد کرتا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

((وقال المیمونی سمعت احمد یقول: ما لهم ولمعاویة نسئل الله العافیة

وقال یا ابا الحسن اذا رأیت احدا یذکر اصحاب رسول الله ﷺ بسوء

فاتهمه علی الاسلام))^۲

حاصل یہ ہے کہ ائمہ کرام اور فقہائے امت کی تعلیم یہ ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی بھی صحابی کی بدگوئی کرنے سے مسلمان کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور اس کا اسلام قابل اعتبار نہیں رہتا۔ فلہذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگوئی کرنا اور سوء ظنی رکھنا ہرگز روا نہیں ایسا کرنے سے ایمان برباد ہوگا

۱ تاریخ ابن عساکر (مخطوطہ) ص ۳۶۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ الصارم السلول (ابن تیمیہ) ص ۵۷۳ تحت فصل فی حکم سب اصحابہ رضی اللہ عنہم و سب اہل بیتہ طبع دکن

اور عاقبت خراب ہوگی۔

ابوشکور سالمی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۲۶۵ھ)

علامہ ابوشکور سالمی رضی اللہ عنہ کے قدیم فاضل ہیں اور اپنی مشہور تصنیف ”کتاب التہمید“ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کی توضیح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((انا نقول ان معاویة رضی اللہ عنہ كان عالما من غير فسق و كانت فيه الديانة ولو لم يكن متدينا لكان لا يجوز الصلح معه. فلم يوجد منه سوى البغى ثم على رضی اللہ عنہ صالح معه لان في بغيه ما جار المسلمين. وكان يدعى الحق وكان عادلا فيما بين الناس ثم بعد على رضی اللہ عنہ كان اماما على الحق عادلا في دين الله وعمل الناس))^۱

”یعنی فاضل سالمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دین و شریعت کے عالم تھے، ان میں فسق نہیں پایا گیا بلکہ ان میں کامل دیانت تھی اور اگر بالفرض معاویہ رضی اللہ عنہ متدین نہ ہوتے تو ان کے ساتھ (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کی) صلح صحیح اور جائز نہ ہوتی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں بغاوت کے سوا کوئی قابل اعتراض چیز نہیں پائی گئی اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے مصالحت کر لی تھی کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغاوت کے دور میں کسی مسلمان پر جور و ظلم نہیں روا رکھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق کے داعی تھے اور لوگوں کے درمیان عدل کرنے والے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد امام برحق تھے، اللہ تعالیٰ کے دین میں عادل تھے اور لوگوں کے معاملات میں منصف تھے۔“

حاصل یہ ہے کہ:

- ① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دین و شریعت کے عالم تھے (دین سے ناواقف نہیں تھے)۔
- ② آنجناب دیندار اور متدین تھے (کوئی فاسق نہیں تھے)۔
- ③ ان میں بغی کی صفت پائی گئی لیکن اس مدت میں آپ نے مسلمانوں پر جور و ظلم نہیں کیا۔
- ④ دینی و دنیوی امور میں عادل اور منصف تھے (ظالم جابر اور جائز نہیں تھے)
- ⑤ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد امام برحق تھے۔

امام غزالی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۰۵ھ) کا فرمان

حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ عنہ تصوف کے مشہور مقتدا ہیں اور مشائخ صوفیہ میں ان کا بڑا مقام ہے انھوں

۱ کتاب التہمید (ابوشکور سالمی) ص ۱۶۹ تحت القول الثامن فی قتل حسین رضی اللہ عنہ (محمد بن عبدالسعید بن شعیب اللیبثی السالمی) حزب

نے اپنی تصنیف ”کیمیائے سعادت“ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نجات اور مغفرت کے متعلق عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا رویائے صالحہ ذکر کیا ہے۔

اس سے امام موصوف کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حسن ظن واضح طور پر ثابت ہے اور ان کے حق میں سوء ظنی اور بدگمانی کرنے سے اجتناب کی تلقین پائی جاتی ہے۔
اس رویائے صالحہ کی اصل عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے:

”عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ میگوید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بخواب دیدم با ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نشستہ چوں با ایشان نشستم ناگاہ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما را بیاوردند و در خانہ فرستادند و در بہ بستند۔ در وقت علی رضی اللہ عنہ را دیدم کہ بیرون آمد و گفت ”قضى لى ورب الكعبة“ یعنی حق مرا نہا دند پس بزودی معاویہ رضی اللہ عنہ بیرون آمد و گفت ”غفر لى ورب الكعبة“ مرا نیز غفور دند و بیا مرزیدند۔“^۱

حوالہ ہذا قبل ازیں ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ ص ۳۷۸ تحت بشارت ثانیہ اور سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اباحت صفین کے تحت ہم نے ذکر کیا ہے۔

رئیس المشائخ حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۰ھ) کا بیان

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ”غنیۃ الطالبین“ میں اہل السنہ کے عقائد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

((امام خلافة معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما فثابتة صحيحة بعد موت علی رضی اللہ عنہ وبعد خلع الحسن بن علی رضی اللہ عنہما نفسه عن الخلافة وتسليمها الى معاویة رضی اللہ عنہ لرای راه الحسن رضی اللہ عنہ ومصلحة عامة تحققت له وهي حقن دماء المسلمين وتحقق قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم في الحسن رضی اللہ عنہ ابني هذا سيد يصلح الله تعالى به بين فئتين عظيمتين فوجبت امامته بعقد الحسن رضی اللہ عنہ له فسمى عامة الجماعة لارتفاع الخلاف بين الجميع واتباع الكل لمعاویة لانه لم يكن هناك منازع ثالث في الخلافة))^۲

”یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دست برداری اور امر خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردینے کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق، ثابت اور صحیح ہے۔

۱۔ کیمیائے سعادت از امام غزالی ص ۲۸۴ تحت پیدا کردن اموال مردگان کہ مشکوف شدہ است بطریق خواب (طبع محمدی ممبئی)

۲۔ غنیۃ الطالبین (شیخ عبدالقادر جیلانی) (مترجم) ص ۱۳۸-۱۳۹ فصل و يعتقد اهل السنة من طبع نول کشور، لاہور۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مصلحت عامہ کے پیش نظر کہ مسلمانوں کے درمیان خون ریزی نہ ہو خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی اور نبی کریم ﷺ کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فرمان کہ ”اللہ تعالیٰ میرے اس فرزند کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا“ صحیح ثابت ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عقد و عہد کر لینے سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت میں نزاع مرتفع ہو جانے کی بنا پر اس سال کا نام ”عام الجماعہ“ ٹھہرا۔ اس وقت کوئی تیسرا شخص خلافت کا مدعی نہیں تھا۔ فلہذا تمام حضرات نے اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اتباع اور اطاعت کر لی۔“

حضرت شیخ جبیلانی رضی اللہ عنہ کے بیان مندرجہ بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے انتقال اور حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق اور صحیح ہونے میں کوئی اشتباہ نہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحیح خلیفہ اور امام برحق ہیں اور طعن و تشنیع کے لائق نہیں۔ بعض لوگوں کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک متغلب حکمران اور ایک عام دنیوی بادشاہ کی حیثیت سے ذکر کرنا درست نہیں۔ اور ساتھ ہی اس طرح مطعون کرنا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی سیاست کو دین پر بالا رکھتے تھے اور سیاسی اغراض کے لیے شریعت کی حدود کو توڑنے والے تھے۔ یہ چیز بھی ہرگز صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ نظریات حضرت شیخ موصوف رضی اللہ عنہ کے فرمودات بالا کے بالکل برعکس ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۶۷۲ھ) کا بیان (بصورت حکایت)

مولانا جلال الدین رومی رضی اللہ عنہ اکابر صوفیہ میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کی مثنوی شریف مکارم اخلاق، نصح اور حقائق تصوف کے بیان میں ایک وقیع تصنیف ہے جو مشائخ اور علماء میں نہایت مقبول اور معتمد ہے۔ اس میں مولانا روم رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابلیس کا نماز کے لیے بیدار کرنے کا طویل مکالمہ ذکر کیا ہے اور اس پر کم و بیش بارہ عدد عنوانات قائم کیے ہیں۔

اس مفصل مکالمے کا اجمالی مضمون اس طرح ہے کہ امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک روز اپنے مقام پر محو خواب تھے۔ نماز باجماعت کا وقت ہو چکا تھا ابلیس نے آ کر آں موصوف کو بیدار کیا کہ نماز باجماعت میں شمولیت کیجیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تو نے مجھے کیوں بیدار کیا ہے؟ تیرا کام تو عبادت سے غفلت دلانا ہے۔ ابلیس نے پہلے تو اصل بات بتلانے سے پس و پیش کی اور حیل و حجت سے کام لیا مگر آخر کار مجبور ہونے پر کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ سے نماز باجماعت چھوٹ جاتی تو آپ اس کوتاہی پر باری تعالیٰ کی جناب میں آہ وزاری کرتے اور اس تضرع و عاجزی کی وجہ سے خداوند کریم کے ہاں آپ کے درجات بلند ہوتے۔ میں نے یہی بہتر جانا کہ آپ نماز باجماعت میں شامل ہو جائیں تاکہ

اشعار مثنوی

در خبر آمد کہ آن معاویہ
خفته بد در قصر در یک زاویہ
(بعض نسخوں میں یہ شعر بالفاظ ذیل درج ہے)

بود اندر قصر خود خفته شبان
کز زیارت ہائے مردم خستہ بود
چشم چوں بکشد پنہاں گشت مرد
(چند اشعار مزید کے بعد فرماتے ہیں)

گفت نام فاش ابلیس شقیست
راست گو با من گو برعکس و ضد
سوئے مسجد زود سے باید دوید
کہ بخیرے راہنما باشی مرا
مرتا رہ نیست در من رہ مجو
بر چشم بیدار کر دی راست گو
راست گو و در دروغ راہ مجو
از پے پیغمبر دولت فراز
ایں جہاں تاریک گشتے بے ضیا
از دو چشم تو مثال مشکہا
مے زدی از درد دل آہ و فغاں
در گزشتے از دو صد ذکر و نماز
تا نوزاند چناں آہے جیب
تا بدان راہے نباشد مرتا
من عدم کار من مکرست و کیس
از تو ایں آید تو ایں را لائقے

گفت ہے تو کیستی نام تو چیست
گفت بیدارم چرا کر دی بجد
گفت ہنگام نماز آخر رسید
گفت نے ایں غرض نبود ترا
گفت امیر اے راہزن حجت گو
اے ابلیس خلق سوز فتنہ جو
اے سگ ملعون جواب من گو
تا ری اندر جماعت در نماز
گر نماز از وقت رفتے مرتا
از غمیں و درد رفتے مشکہا
گر نماز فوت مے شد آن زماں
آن تاسف و آن فغاں و آن نیاز
من ترا بیدار کردم از نہیب
تا چناں آہے نباشد مرتا
من حسودم از حسد کردم چنین
گفت اکنوں راست گفتی صادقی

واقعہ ہذا مثنوی شریف میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حسب عادت بہت سی تمثیلات ملا کر نہایت مفصل ذکر کیا ہے اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دینی مقام اور اخلاص فی الصلوٰۃ اور استقلال فی العبادۃ بہت نمایاں ہے۔ آنجناب خلافت و امارت کے مشاغل کے باوجود اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں مشغول و مصروف رہتے تھے اس میں قصور و فتور راہ نہیں پاتا تھا حتیٰ کہ شیطان بھی اس مسئلہ میں ان کو اپنے مکائد میں پھنسانہ نہ کا، خداوند کریم نے انھیں اپنے فضل و کرم سے محفوظ فرمایا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مشہور بزرگان دین کے جو نظریات پیش خدمت کیے جا رہے ہیں ان میں سے یہ واقعہ بطور نمونہ ذکر کیا گیا ہے تاکہ اکابر صوفیہ کی عقیدت مندی اور حسن ظن آں موصوف کے بارے میں معلوم ہو سکے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۶ھ) کا قول

محدثین میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی) بڑے پایہ کے محدث ہیں۔ شرح حدیث میں ان کا قول حجت قرار دیا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی تالیف شرح مسلم شریف کے باب فضل صحابہ کی ابتداء میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کیے ہیں:

((واما معاویۃ رضی اللہ عنہ فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء..... الخ))^۱

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل فاضل اور صاحب نجابت صحابہ کرام میں سے ہیں۔“

مقصد یہ ہے کہ علمائے حدیث کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے کردار اور اعمال میں عادل ہیں (ظالم نہیں) اور احکام شریعت کے عالم فاضل ہیں (ناواقف نہیں) اور صاحب شرافت و نجابت ہیں (یعنی اعلیٰ اخلاق کے حامل ہیں)۔

پھر جن لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیاسی اغراض کی خاطر شرعی قواعد کو توڑنے دینے والا قرار دیا ہے وہ سراسر تعصب کی بنا پر ہے اور واقعات کے برعکس ہونے کے ساتھ ساتھ اکابر محدثین کی تصریحات بالا کے برخلاف ہے۔

ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہما کا بیان

علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت اور اخلاق و کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ

((وفضائل معاویۃ رضی اللہ عنہ فی حسن السیرۃ والعدل والاحسان کثیرۃ))^۲

۱ شرح مسلم شریف (امام نووی) ص ۲۷۲ ج ۲ ابتدا کتاب فضائل الصحابہ

۲ منہاج النبیہ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۵ ج ۳ تحت السبب السابع، طبع لاہور

۳ المنہج (ذہبی) ص ۲۸۸ طبع مصر، تحت ثناء الائمة الاعلام علی معاویہ رضی اللہ عنہ..... الخ

”مطلب یہ ہے کہ عمدہ سیرت، عدل و انصاف اور حسن سلوک میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہت سے فضائل پائے جاتے ہیں۔“

ایک دوسرے مقام پر ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عمدہ سیرت والے ولایت اور حکام کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت بھی اپنی رعیت کے حق میں بہترین تھی اور ان کی رعیت ان کے ساتھ محبت کرتی تھی۔ صحیحین میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ثابت ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ائمہ اور والیوں میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ تم محبت رکھتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ محبت رکھتے ہیں..... الخ

((وكانت سيرة معاوية رضي الله عنه مع رعيتة من خيار سير الولاية وكانت رعيتة يحبونه وقد ثبت في الصحيحين على النبي صلی اللہ علیہ وسلم انه قال خيار ائمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم وتصلون عليهم ويصلون عليكم))^۱
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول

جید علمائے حدیث میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مشہور مصنف ہیں۔ شرح مشکوٰۃ شریف جو ”مرقاۃ المفاتیح“ کے نام سے موسوم ہے اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو بیان کرتے ہوئے آں موصوف فرماتے ہیں کہ

((واما معاوية رضي الله عنه فهو من العدول الفضلاء والصحابة الاخيار))^۲

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل اور صاحب فضیلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں اور ان کا شمار اخیار صحابہ میں ہوتا ہے۔“

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ علمائے ہند میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں اور مدح صحابہ میں ان کے بیان کو عند العلماء بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آں موصوف اپنی مشہور تالیف ازالۃ الخفا عن خلفاء میں تنبیہ سوم کے تحت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و منزلت کو تحریر فرماتے ہیں کہ

”باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما یکے از اصحاب آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم و صاحب فضیلت جلیلہ در زمرہ صحابہ رضی اللہ عنہم زنہار در حق او سوء ظن نکنی و در ورطہ سب او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی۔
اخرج ابو داود عن ابی سعید قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فو

۱ منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۹ ج ۳ تحت جوابات مطاعن

۲ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (ملا علی بن سلطان القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ) ص ۲۷۲ ج ۱۱ تحت مناقب الصحابہ طبع ملتان

الذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل أحد ذہبا ما بلغ مد احدہم ولا نصیفہ“

متعدد احادیث نبوی ﷺ رقم کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

”و عقل نیز برآں دلالت سے کند زیرا نکہ از طرق کثیرہ معلوم شد کہ آنحضرت ﷺ معلوم فرمودند کہ وی فی وقت من الاوقات خلیفہ خواہد شد و آنحضرت ﷺ چون شفقت وافرہ بر امت داشتند کما قال اللہ تعالیٰ: ”حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ“ پس رافت کاملہ آنجناب ﷺ نسبت امت اقتضا فرمود کہ خلیفہ ایشان را دعا بہدایت و اجتناب نماید۔“

مزید احادیث فضیلت نبوی رقم کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

((وقد استفاض ان النبی ﷺ استكتبه وهو لا يستكتب الا عدلا امينا..... الخ))^۱

”یعنی معلوم ہونا چاہیے کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جناب نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے ہیں اور فضیلت جلیلہ کے حامل اصحاب میں شامل ہیں۔ خبردار! معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور سب و طعن کے چکر میں پڑ کر حرام فعل کا ارتکاب نہ کرنا۔ کیونکہ نبی اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے اصحاب کو سب و شتم مت کرو۔ اللہ کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تمہارا ایک آدمی احد پہاڑ کے برابر زر کثیر صدقہ کرے تو وہ ان کے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے ایک مد (قریباً ایک سیر) کے برابر بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (یعنی یہ نسبت دیگر لوگوں کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ نہایت رفیع ہے)۔“

” (دیگر فضیلت اس طرح ذکر فرمائی) طرز کثیرہ کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اقدس ﷺ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق معلوم تھا کہ ایک وقت میں وہ خلیفہ ہوں گے چونکہ آنجناب ﷺ کی ذات گرامی کی امت پر شفقت وافرہ ہے جس طرح کہ قرآن مجید میں ہے کہ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ پس امت پر شفقت کے تقاضا کی بنا پر آپ نے اپنے اس خلیفہ (معاویہ رضی اللہ عنہ) کے حق میں ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ ہونے کی دعائیں فرمائیں۔“

” (اور دیگر یہ چیز ذکر کی کہ) یہ بات شہرت کا درجہ رکھتی ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب اور فحشی قرار دیا اور آنجناب ﷺ عادل اور امین شخص کے بغیر کسی کو یہ

۱ از لفظ الخفا عن خلافة الخلفاء کامل من ۱۳۶-۱۳۷ تحت تنبیہ سوم ترجمہ مقصد بالا، فصل پنجم از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی طبع اول بریلی۔

منصب نہیں عطا فرماتے تھے۔“

مختصر یہ ہے کہ یہ ”تنبیہ سوم“ تمام ہی فضیلت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مشتمل ہے جس میں سے چند ایک چیزیں نقل کی ہیں اس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات واضح ہیں یعنی وہ انھیں عادل اور امین سمجھتے ہیں اور ان کو جلیل القدر صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور ان کی بدگوئی اور بدکلامی سے منع کرتے ہیں۔

حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۰۰ھ) کا فرمان

① حضرت خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ (سیال شریف، ضلع سرگودھا پنجاب) مشائخ چشت کے مشاہیر بزرگوں میں سے ہیں اور تصوف و طریقت میں نہایت اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز ہیں۔ آں موصوف کے ملفوظات کو ایک عقیدت مند سید محمد سعید شاہ لاہوری نے مجالس کی شکل میں بزبان فارسی مدون کیا ہے جس کا نام ”مرآة العاشقین“ ہے۔

حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مجلس کا بیان ذکر کرتے ہوئے سید محمد سعید شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

”بعد ازاں سخن در ذکر جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما افتاد۔ خواجہ شمس العارفین فرمود آنچه میاں حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نزاع و خصومت واقع شدہ است اجتهاد بود نہ از جہت عناد۔ پس اے درویش اگر چہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بر خطا بود لیکن فعل مجتہد اگر بر خطا افتد ہم یک ثواب حاصل شود۔ پس درویش را باید کہ در حق ایشان بیجا نہ گوید۔“

”یعنی گزشتہ کلام کے بعد آں موصوف کی خدمت میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ کا تذکرہ ہوا تو حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو نزاع اور خصومت واقع ہوئی وہ از روئے اجتهاد تھی، کسی عناد کی بنا پر نہیں واقع ہوئی۔

فرمایا کہ اے درویش! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگر چہ خطا پر تھے لیکن مجتہد کا فعل اگر خطا پر بھی ہو تو پھر بھی ایک ثواب اسے حاصل ہوتا ہے (یعنی وہ عیب شمار نہیں ہوتا)۔ پس درویش کو چاہیے کہ ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں کچھ نازیبا کلام ہرگز نہ کرے۔“

② اسی طرح مرآة العاشقین کی ایک دوسری مجلس میں مذکور ہے کہ صاحب تالیف نے جناب حضرت اعلیٰ

۱۔ مرآة العاشقین در ملفوظات حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۰۹ طبع قدیم لاہور، تالیف سید محمد سعید شاہ صاحب لاہور، تحت مرآة العاشقین و سوم (۲۳) ذکر جہاد اصغر و جہاد اکبر۔

کی خدمت میں گزارش کی کہ قوم سادات کے بعض افراد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اعتقاد درست نہیں رکھتے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مخالفین کی جماعت میں شمار کرتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں خواجہ شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم کے حق میں اعتقاد درست نہ رکھے اس کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

”بندہ عرض داشت کہ بعض قوم سادات در حق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اعتقاد درست نمی دارند و

بزمہ عداوتیاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ می شمارند۔ خواجہ شمس العارفین فرمود تا آنکہ در حق جمیع

اصحاب اعتقاد درست ندارد ایمان او کامل نباشد..... الخ“

مندرجات بالا کے ذریعے سے اکابر مشائخ چشت کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں معتقدات واضح ہیں اور ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگمانی اور سوء ظنی سے اجتناب کی تلقین پائی جاتی ہے۔

علمائے بریلی کا بیان

ایک مکتب فکر کے مشہور بزرگ علامہ احمد رضا خان صاحب بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) کی خدمت میں بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کے متعلق چند اشخاص کے درج ذیل نظریات پیش کیے:

(الف) زید کہتا ہے کہ آں موصوف رضی اللہ عنہ لالچی شخص تھے یعنی انھوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ سے لڑ کر خلافت لے لی اور ہزار ہا صحابہ کو شہید کیا۔

(ب) بکر کہتا ہے کہ میں ان کو خطا پر جانتا ہوں ان کو امیر نہ کہنا چاہیے۔

(ج) عمرو کا یہ قول ہے کہ وہ اجلہ صحابہ میں سے ہیں، ان کی توہین کرنا گمراہی ہے..... الخ

پھر سوال کیا کہ مذکورہ بالا اشخاص کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور ان کو اہل سنت و الجماعت کہہ سکتے یا نہیں؟ اور حضور کا اس مسئلہ میں کیا مذہب ہے؟ جواب مدلل اور عام فہم ارقام فرمائیے۔ بیوا تو جروا۔

الجواب

اللہ عزوجل نے سورہ ”الحدید“ میں صحابہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائی ہیں: ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے اور راہ خدا میں مال خرچ کیا، جہاد کیا..... دوسرے وہ کہ بعد..... پھر فرما دیا: وَكَلَّا وَعَدَا اللَّهُ الْحُسْنَىٰ دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان کو فرماتا

۱۔ مرآة العاشقین فارسی در ملفوظات حضرت اعلیٰ خواجہ شمس العارفین سیالوی ص ۱۳۹ تحت مرآة پست و ہشتم (۲۸) در ذکر فرقہ رافضیہ و

خدمت آں، مطبع مصطفائی، لاہور

ہے:

أُولَئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿٦٠﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۗ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَلِدُونَ ﴿٦١﴾ لَا يَحْرَمُهُمُ الْعَذَابُ إِلَّا كَبِيرًا ۗ فَتَتَلَقَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ ۗ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٢﴾

”وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں اس کی بھنک تک نہ سنیں گے اور وہ لوگ اپنی جی چاہی چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انھیں غمگین نہ کرے گی۔ فرشتے ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔“

رسول اللہ ﷺ کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے تو جو کسی صحابی پر طعن کرے وہ اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کا ذبہ ہیں، ارشاد الہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت میں اس کا منہ بھی بند فرما دیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرما دیا وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے، بایں ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ اس کے بعد جو کوئی بکے اپنا سر کھائے خود جہنم میں جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی رضی اللہ عنہ نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

((ومن یکن یطعن فی معاویة ﷺ فذاک کلب من کلاب الهاویة))^۱

”یعنی جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے۔“

فلہذا مذکورہ بالا اشخاص میں سے عمرو کا قول (کہ وہ اجلہ صحابہ میں سے ہیں ان کی توہین گمراہی ہے) سچا ہے اور زید و بکر جھوٹے ہیں۔

چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد

عیب نماید بہ نگاہش ہنر

یہ خبیثاء خذلہم اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایذا نہیں دیتے بلکہ اللہ و رسول کو ایذا دیتے ہیں حدیث میں

ہے:

((من اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک اللہ ان یاخذہ))

”جس نے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے

اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے گرفتار کرے۔“

والعیاذ باللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا عفی عنہ

محمد بن المصطفیٰ رضی اللہ عنہ

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

ماخوذ از مستند مجموعہ احکام شریعت از امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ ناشر: مکتبہ فقریہ
رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور طبع ۱۹۸۳ء

اب اگر کوئی شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو اپنا بھائی کہتا ہے اور سنی شیعہ
بھائی بھائی کے نعرے لگاتا ہے تو کیا وہ مولانا احمد رضا خان کا پیرو کہلانے کے لائق ہے؟ یہ فیصلہ آپ خود
کریں۔

لاہور کی مرکزی ”مجلس رضا“ کی طرف سے ایک مجموعہ رسائل طبع ہوا ہے۔ اس کے صفحہ ۶-۷ پر ارباب
مجلس نے اعلیٰ حضرت بریلوی کے چھ عدد رسائل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیے ہیں ذیل میں ہم
ان رسائل کے اسما پیش کرتے ہیں

① البشری العاجلہ من تحف آجلہ (تصنیف ۱۳۰۰ھ)

(تفضیلیہ و مفسقان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا رد)

② عرش الاعزاز والاکرام لاول ملوک الاسلام (تصنیف ۱۳۱۲ھ)

(مناقب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)

③ ذب الایواء الواہیہ فی باب الامیر معاویہ (تصنیف ۱۳۱۲ھ)

(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا جواب)

④ اعلان الصحابہ الموافقین لامیر معاویہ وام المؤمنین (تصنیف ۱۳۱۲ھ)

(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وام المؤمنین کے ساتھ کون صحابہ تھے)

⑤ الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ (تصنیف ۱۳۱۳ھ)

(امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب کی احادیث)

⑥ لمحہ الشمعہ لہدیٰ شیعہ الشیعہ (تصنیف ۱۳۱۲ھ)

(تفصیل و تفسیق کے متعلق سات سوالات کے جوابات) ۱

۱ احکام شریعت از امام اہل سنت احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ ص ۱۲۲-۱۲۳ طبع اول، ۱۹۸۳ء طبع مکتبہ فقریہ، لاہور تحت مسئلہ نمبر ۲۳
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں عقیدہ۔

۲ منقول از مجموعہ رسائل ص ۶-۷ مرکزی مجلس رضا، لاہور نمبر ۶۸ پوسٹ بکس نمبر ۲۴۰۶۔

مذکورہ بالا رسائل میں علامہ احمد رضا خان صاحب بریلویؒ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن اور اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمدہ صفائی پیش کی گئی ہے اور پرزور طریقہ سے دفاع کا حق ادا کیا ہے۔ نیز ان رسائل کے مندرجات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جناب علامہ بریلویؒ کے عمدہ نظریات صاف طور پر سامنے آ گئے اور ان کی عقیدت مندی واضح ہو گئی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) کا بیان

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کا مجموعہ جو ”فتاویٰ امدادیہ“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ ایک سائل نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور مقام کے متعلق تحریراً سوال کیا تو اس کے جواب میں مولانا صاحب موصوف نے درج ذیل جواب ذکر کیا کہ

”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود صحابی ہیں اور ایک صحابی کے فرزند ہیں ان کے صحابی ہونے اور ان کی فضیلت اور شان میں کسی کو کلام نہیں مگر کہ وہ شخص رافضی ہو۔“

..... ”حضرت“ کا لقب اور ”رضی اللہ عنہ“ کے ”تبیہ و تحفہ“ کے ساتھ ان کا ذکر کرنا اہل سنت والجماعت کا شعار ہے اور جو شخص ان کے حق میں اپنی زبان پر طعن و تشنیع کے کلمات لاتا ہے وہ شعبہ رفض سے خالی نہیں۔“

بعدہ حضرت موصوف نے فضیلت صحابہ رضی اللہ عنہم پر متعدد احادیث ذکر کی ہیں اور پھر لکھا ہے کہ:

”از حضرت غوث الثقلین قدس سرہ منقول است کہ اگر در رہگذر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نشینم و گردم اسپ جناب برمن افتد باعث نجات می شناسم۔“

پس تعجب کہ چنیں بزرگان دین چنان خیال فرمایند و چند کساں و ناکساں زبان درازی کنند۔
صدق من قال

چوں خدا خواهد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پا کاں برد

فقط ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ^۱

”یعنی حضرت شیخ جیلانی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رہگذر میں بیٹھ جاؤں اور ان کے گھوڑے کے سم کی گرد مجھ پر پڑے تو اسے میں اپنی نجات کا باعث شمار کرتا ہوں۔ پس تعجب کا مقام ہے کہ اس اعلیٰ درجے کے بزرگان دین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کا اظہار عقیدت فرمائیں اور دوسرے کس و ناکس زبان درازی کریں۔ شاعر نے سچ کہا ہے کہ

”جب خدا تعالیٰ کسی کا پردہ پھاڑ دیتا ہے تو وہ نیک لوگوں کے خلاف زبان درازی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔“

خاتمة الكتاب

گزشتہ اوراق میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت و سوانح اور ملتی خدمات کو حتی المقدور باحوالہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں تالیف ہذا کو چار ادوار میں تقسیم کر کے بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مقدمہ الكتاب کے آخر میں اس چیز کو ذکر کیا ہے۔ کتاب ہذا میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق تمام حالات ذکر کرنے کا دعویٰ نہیں تاہم اپنی معلومات کی حد تک ان کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کی ہے اور آنجناب رضی اللہ عنہ پر مطاعن کے جوابات الگ مرتب کر دیے ہیں جو ایک مستقل تالیف کی شکل میں ہیں۔

اب ناظرین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے ان چہار ادوار یعنی قبول اسلام سے لے کر انتقال ۶۰ھ تک واقعات پر منصفانہ نظر غائر فرمائیں اور اسلام کے فروغ احیاء اور بقا کے لیے آں موصوف نے جو دینی و ملی خدمات سرانجام دی ہیں ان پر توجہ کریں۔

پھر اس کے بعد عہد معاویہ پر ناقدین احباب کے عائد کردہ الزامات کو پیش نظر رکھیں۔ الزامات قائم کرنے والے دوست اپنے نظریات کے تحت لکھا کرتے ہیں کہ:

✽ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے خلفاء کا طرز زندگی بدل کر قیصر و کسریٰ کا نمونہ اختیار کیا۔
 ✽ شاہی حرس (حفاظتی دستہ) اور دربان مقرر کیے جو عوام اور خلیفہ کے درمیان حائل ہو گئے۔ اس طرح رعایا کی شکایات اور مشکلات کا خلیفہ تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔

✽ بیت المال کی حیثیت میں ناروا تبدیلی کر دی اور پھر اس میں حلال و حرام کی تمیز بھی اٹھتی چلی گئی۔
 ✽ غنائم و دیگر اموال کی تقسیم کے معاملے میں کتاب و سنت کے احکام کی صریح خلاف ورزی کر دی۔
 ✽ سیاست کو دین پر فوقیت دینے اور سیاسی اغراض کے اتمام کے لیے شریعت کی حدود توڑنے کی ابتداء کی گئی۔

✽ رائے کی آزادی اور عدلیہ کی خود مختاری کا خاتمہ کر ڈالا اور اسلامی قوانین کی بالاتری معدوم ہو گئی۔
 ✽ ضمیروں پر قفل چڑھا دیے اور حق گوئی سے زبانیں بند کر دی گئیں۔
 ✽ امیر معاویہ، ایک جابر، ظالم اور مغلوب حکمران کی حیثیت سے حکومت کرتے رہے۔

یہ وارد کردہ الزامات بطور نمونہ اور تمثیل کے لکھ دیے ہیں۔

اور ان الزامات کے جوابات اگرچہ کتاب ”جواب المطاعن“ میں حسب موقع ذکر کر دیے ہیں تاہم ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ گزشتہ اوراق میں ذکر کردہ واقعات و حقائق (جو شواہد کے درجے میں ہیں) کے ساتھ ان عائد کردہ اعتراضات کا موازنہ کریں اور مخالفین نے آں موصوف کے کردار کی جو تصویر پیش کی ہے اس کا بھی بالتحقیق جائزہ لیں۔

امید واثق ہے کہ منصفانہ نظر کرنے کے بعد صحیح نتائج پر پہنچنے میں قارئین کرام کوئی دقت محسوس نہیں کریں گے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ان ملتی خدمات کی بنا پر اس عہد کی اہمیت و افادیت سے مطلع ہو سکیں گے اور اہل اسلام کے حق میں اس دور کے منفعت بخش ہونے کی تصدیق و تائید کریں گے۔ نیز آں موصوف کی عظیم شخصیت کو اسلام میں جو مقام و مرتبہ حاصل ہے اس سے آگاہ ہو سکیں گے۔

آخر میں اپنے مالک کریم کا بہ صمیم قلب شکر ادا کیا جاتا ہے جس مہربان نے اپنے فضل و کرم سے اس ناچیز کو اپنے نبی اقدس ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات اور حالات بیان کرنے اور ان کی جانب سے دفاع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس کی رحمت کاملہ سے کچھ بعید نہیں کہ اس قلیل سی خدمت کو قبول فرمائے اور شفاعت نبوی ﷺ انصیب فرمائے اور آخرت میں اپنے مقبولان بارگاہ خداوندی کے قدموں میں جگہ عنایت فرما کر بخشش کا سامان کر دے۔

ناظرین باتمکین کی خدمت میں دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید
الاولین والآخرین وعلی الہ واصحابہ واتباعہ باحسان الی یوم الدین۔

دعا جو محمد نافع عفا اللہ تعالیٰ عنہ

محمدی شریف ضلع جھنگ (پاکستان)

دوشنبہ ۱۴ ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۸ مئی ۱۹۹۲ء

رائے گرامی حضرت مولانا عبدالستار تونسوی دامت برکاتہم

الحمد لله رب العالمين ، والصلوة والسلام على خاتم الانبياء والمرسلين
وعلى آله واصحابه اجمعين اما بعد:

اس پر آشوب دور میں جہاں شعائر اسلام کا استخفاف و استحقار اور امور دین سے اعراض و انکار روزمرہ کے مشاغل بن گئے ہوں اور دین متین داخلی و خارجی فتنوں سے ہمکنار ہو، آئے دن فتنوں کا ایک سیلاب امنڈتا چلا آ رہا ہو اور اہل باطل کی ریشہ دوانیاں اور کارستانیوں ”مَنْ كَلَّمَ حَدَّابَ يَنْسَلُون“ کی صورت نمودار ہو رہی ہوں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تحریف و انکار کے نشے میں دنیا میں روز افزوں ہوں اور حسب اہل بیت کے نام پر صحابہ سے نفرت و بیزاری کا بیج بویا جا رہا ہو، حتیٰ کہ اسلام کے نام پر پورا کفر مسلط کیا جا رہا ہو، ایسی سنگین صورت حال میں معاندین کی یہ روش کتنی دسوز ہے کہ تربیت یافتگان رسول کو ہدف طعن و تشنیع بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی جائے اور خلفائے ثلاثہ حضرات صدیق و فاروق و غنی رضی اللہ عنہم کی تکفیر و سب و شتم میں طبع آزمائی کر کے دل کی آگ بجھائی جائے۔ گویا نام نہاد مہمان، شجر اسلام کی جڑ کاٹنے کو تیار بیٹھے ہیں۔
(نعوذ باللہ من ذالک)

ع چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

اس کرناک داستان کا آغاز اس تحریک و تخریب سے ہوا جس کے پرچار کنندگان شیعہ اثنا عشری اور روافض کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر شیعہ نظریات کے اولین موجد عبد اللہ بن سبا یہودی اور اس کے رفقاء تھے۔ جنہوں نے یہودیت کی شہ پر اسلامی فتوحات و ترقی کو روکنے اور امت مسلمہ کی وحدانیت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے خطرناک چالیں چلیں۔ ابن سبائے سب سے پہلے نظریہ امامت ایجاد کر کے اس کا خوب پرچار کیا اور پھر ساتھ ہی اصحاب ثلاثہ کی تکفیر اور ان پر واشگاف الفاظ میں سب و تہرا کرنے کا آغاز کیا جس کا اقرار شیعہ مجتہدین مثلاً ابو عمر و کشی، امام قانی اور باقر مجلسی جیسے لوگ بھی اپنی کتب معتبرہ میں کر چکے ہیں۔ بلکہ شیعہ مجتہدین نے لکھا ہے کہ ”فمن ههنا قال من خالف الشيعة اصل التشيع والرفض ماخوذ من اليهودية“ (فرق الشيعه، ص ۳۰، رجال کشی ص ۱۰۸، تنقيح المقال ص ۸۷، بحار الاوارص ص ۲۵، تفسیر مرآة الانوار ص ۶۲) یعنی یہیں سے وہ لوگ جو شیعہ کے مخالف ہیں یہ کہتے ہیں کہ شیعیت و رافضیت، یہودیت سے ماخوذ ہے۔ نیز مرزا غلام احمد قادیانی دجال بھی اپنی کتاب میں ایک موقع پر لکھتا ہے کہ ”میرے استاد ایک بزرگ شیعہ تھے ان کا

مقولہ تھا کہ وباء کا علاج فقط تولا اور تبرا ہے یعنی اہل بیت کی محبت کو پرستش کی حد تک پہنچا دینا اور صحابہ کرام کو گالیاں دیتے رہنا، اس سے بہتر کوئی علاج نہیں۔“ (دافع البلاء ص ۷)

اس سے واضح ہوا کہ قادیانیت، شیعیت کی پیداوار ہے جبکہ شیعیت، یہودیت کا چہ بہ ہے۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرداز

بہر حال شیعہ مجتہدین کی صراحت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبأ نے عقیدہ امامت کے ذریعے سے حب آل رسول کا لبادہ اوڑھ کر نفاق اور تقیہ کے سیاہ و دہیز پردے میں شیعیت کی بنیاد رکھی۔ اس اسلام دشمن تحریک میں ظاہر اصحابہ کو مورد طعن بنایا گیا۔ مگر اہل علم سے مخفی نہیں کہ شیعہ امامیہ کو اصالتاً جو کچھ عداوت تھی وہ اسلام، قرآن اور صاحب قرآن سے تھی۔ صحابہ کو مورد طعن محض اس لیے بنایا گیا کہ قرآن حکیم اور حضور سید المرسلین کی نبوت کے چشم دید گواہ صحابہ ہی ہیں، جب یمنی گواہ مجروح ہو جائیں گے تو سارے دین سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اسی لیے امام ابو زرہ رازی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((إذا رأيت الرجل ينتقص احدا من اصحاب رسول الله ﷺ فاعلم انه

زندیق)) (ابو زرہ رازی ص ۱۹۹، ۲۳۱)

”جب تم ایسے شخص کو دیکھو کہ جو صحابہ کی تنقیص و تردید کرتا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے۔“

پس اسی سبب سے ہم سمجھتے ہیں کہ فتنہ رفض کئی وجوہ کی بنا پر عام کھلے کفر و زندقہ سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔ لیکن عوام الناس حب اہل بیت کے خوشنما نعرے سے دھوکا کھا گئے اور اہل تشیع کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ تصور کرنے لگے۔ یہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ شیعوں کی کتب اصلیہ نایاب تھیں اور ان کے عقائد و نظریات کا کما بین کسی کو علم نہ ہو سکا اور ساتھ ہی شیعیت پر کتمان و تقیہ کی سیاہ چادر تھی رہی، ورنہ شیعہ اثنا عشریہ مذہب نہ صرف بے شمار ضروریات دین کا منکر و مکذب ہے بلکہ اس کا کلمہ سے لے کر قرآن تک مسلمانوں سے جدا ہے۔ انھیں مسلمان کہنا خود اسلام کی نفی ہے۔ علمائے امت ہمیشہ مسلمانوں کو ان کی شقاوت و ضلالت اور کفر و نفاق سے آگاہ کرتے رہے۔ مثلاً علامہ ابو بکر ابن العربی، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی وغیر ہم رضی اللہ عنہم۔ آج سے تقریباً پون صدی قبل استاذی المکرم امام اہل سنت حضرت علامہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اثنا عشریہ کے کفریہ عقائد مثل تحریف قرآن، عقیدہ بداء، عقیدہ امامت، تکفیر صحابہ اور کذب عائشہ کی بنیاد پر ان کی تکفیر کا فتویٰ جاری کیا، جس پر مشائخ دیوبند شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا و مرشدنا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رضی اللہ عنہم جیسے اساطین علم کے تصدیقی دستخط مثبت ہیں..... دیکھیے:

(ماہنامہ بنات ص ۹۳، ص ۹۴، ص ۱۷۰ تا ص ۱۷۵ کراچی، ٹینی اور شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں علمائے کرام کا متفقہ فیصلہ) احقر بھی شیعہ عقائد کی تفصیل اپنی عربی تالیف ”کشف الواعض فی عقیدۃ الروافض“ میں تحریر کر چکا ہے۔ اہل ذوق مراجعت فرمائیں۔ مگر اس کے علاوہ شیعہ سنی کے مابین نزاعی مسائل پر میں خود ایک جامع کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کر رہا تھا مگر تبلیغی مصروفیت کے ساتھ فرق باطلہ سے مناظروں کی مشغولیت، تدریسی امور اور دیگر وقتی مشاغل نے اس قابل نہ چھوڑا کہ اس حوالے سے کوئی ضخیم کتاب مرتب کر سکوں۔ مگر اس سلسلے میں عالم شہیر، محقق کبیر حضرت مولانا محمد نافع صاحب ادام اللہ تعالیٰ بقاء بالخیر نے ہر عنوان سے الگ الگ ایک جامع کتاب تالیف فرمائی ہے۔ بندہ نے ان کی اکثر کتب مثلاً بِحَاثَمَاءُ بَيْنَهُمْ (کامل)، حدیث ثقلین، بنات اربعہ، سیرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ دیکھیں اور ابھی ان کی نئی تالیف فوائد نافعہ ہر دو جلدوں کو تقریباً اکثر مقامات سے دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ موصوف نے اہل سنت والجماعت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ بحمد اللہ میری دیرینہ آرزو پوری ہوئی ہے۔ بلا مبالغہ عرض ہے کہ عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے میں خود ایسی جامع کتب نہ لکھ سکتا۔ مولانا موصوف کی مذکورہ کتب میں درج شدہ دلائل ٹھوس، حوالے صحیح اور مطابقی ہیں۔ ان کی تحقیق اہل حق سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ریت کے ذرات سے سونا الگ کرنا جانتے ہیں۔ فاضل محقق نے مقام صحابہ اور مقام اہل بیت کی وضاحت کر کے نہ صرف مسلک حقہ کو واضح کیا ہے بلکہ روافض کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کا خوب استیصال کیا ہے۔ مولانا کی تالیفات روافض کے خود ساختہ نظریات پر ضرب کاری ہیں۔ رد مطاعن میں ان کا انداز تحریر عالمانہ، محققانہ مگر مصلحانہ ہے۔ یہ کتب عقل سلیم و فہم مستقیم رکھنے والے حضرات کے لیے باعث ہدایت اور اہل باطل پر اتمام حجت ہیں..... لیہلک من ہلک عن بینة و یحیی من حی عن بینة.....

احقر اپنے حلقہ کے علمائے کرام و طلبہ کو مشورہ دیتا ہے کہ مذکورہ کتب سے ضرور استفادہ کریں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی یہ عظیم کاوش قبول فرمائے اور اسے مسلمانوں کے لیے مشر و نافع بنائے۔

آمین یا رب العالمین

محمد عبدالستار تونسوی عفا اللہ عنہ

رئیس تنظیم اہل السنۃ پاکستان

کیم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

(حصہ دوم)

الموسوم به

جواب المطاعن

سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

جواب المطاعن

فہرست تمہید برائے جواب المطاعن

- ۴۵۲ حجاب کرام بنیہ کا مقام اور محبت نبوی کا شرف اور فضیلت ❁
- ۴۵۵ بدگوئی اور بدزبانی کرنے والے کا حکم ❁
- ۴۵۹ مندرجات بالا کی روشنی میں ایک تاریخی جائزہ ❁
- ۴۵۹ کثرت اعتراضات کے وجوہ ❁
- ۴۶۰ نفسیاتی ضابطہ ❁
- ۴۶۳ تاریخ کے راویوں کا نظریاتی کردار ❁
- ۴۶۴ بعض قواعد و ضوابط ❁
- ۴۶۵ ایک اصول (متعلق معصومیت) ❁
- ۴۶۶ طاعنین کی اصناف و اقسام ❁
- ۴۶۷ ایک معذرت ❁

تمہید برائے جواب المطاعن

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على امام الرسل وخاتم النبيين
وعلى ازواجه وبناته واله واصحابه واتباعه اجمعين
بندۂ ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ کی طرف سے یہ گزارش کی جاتی ہے کہ ”سیرت امیر المؤمنین سیدنا علی
المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ کی تالیف کے بعد امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لکھنے کا قصد کیا ہے۔ اس تالیف کے دو
حصے تجویز کیے ہیں ایک حصہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات، سیرت، ان کے کردار و اخلاق اور ان کی
اسلامی خدمات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا حصہ موصوف پر تجویز کردہ اعتراضات اور وارد کردہ مطاعن کے
جوابات پر مشتمل ہے۔ ان کی سیرت کا حصہ علیحدہ مرتب کیا گیا ہے جب کہ جواب المطاعن کا حصہ الگ تجویز
کیا گیا ہے۔ جواب المطاعن میں اکتالیس کے قریب مشہور مشہور اعتراضات و مطاعن کے جواب دیے گئے
ہیں۔ (بعونہ تعالیٰ)

کتاب لو تامله الضریر۔ لعاد کریمتاہ بلا ارتیاب یعنی یہ وہ کتاب ہے کہ اگر نابینا بھی اس
پر غور کرے تو بے شک اس کی دونوں آنکھیں بینا ہو جائیں۔
ناظرین کرام کی خدمت میں اطلاعاً ذکر ہے کہ جوابات المطاعن پہلے مرتب کیے گئے ہیں جب کہ
سیرت و سوانح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حصہ بعد میں ترتیب دیا گیا ہے۔
اب بطور تمہید کے چند امور پہلے ذکر کیے جاتے ہیں اس کے بعد مطاعن کے جوابات حسب استطاعت
پیش خدمت ہوں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اور صحبت نبوی کا شرف اور فضیلت

جناب نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اور ان کے فضائل قرآن مجید میں بے شمار مواقع پر
موقع بہ موقع مذکور ہیں۔ مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسئلے کو قرآن نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے جیسا
کہ علمائے کرام پر واضح ہے اور ان میں کوئی اچھے اور بڑے کی تقسیم نہیں ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی اس
جماعت خیر کا شرف اور فضیلت بہت مواقع پر منقول ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں ہے لیکن یہاں اثبات مسئلہ کے لیے
بعض روایات پیش کی جاتی ہیں اور چند اقوال اکابرین ملت کے درج کیے جاتے ہیں، جن سے صحابہ کرام

نبی اللہ ﷺ کا مقام فضیلت نمایاں طور پر ثابت ہے۔

① جناب نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

((لا تسبوا اصحابی ولو انفق احدکم مثل احد ذہبا ما بلغ مد احدہم ولا

نصیفہ۔ او کما ذکر فی الحدیث))^۱

”یعنی میرے اصحاب کے متعلق برائی سے کلام مت کرو۔ (ان کا مقام و مرتبہ یہ ہے) کہ اگر تمہارا

ایک آدمی احد پہاڑ کے برابر بھی زر کثیر (صدقہ) کرے تو ان کے ایک مد (قریباً ایک سیر کے)

برابر بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔“

اس ارشاد نبوی کے ذریعے سے بہ نسبت دیگر لوگوں کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت اور ان کا مقام واضح

طریقہ سے ثابت ہے اور ان میں اس فضیلت کے باب میں آپس کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔

② ایک دوسرے مقام پر یعنی فیض القدر شرح جامع الصغیر میں شیخ عبدالرؤف مناوی رضی اللہ عنہ نے حدیث

ذکر کی ہے کہ آنجناب ﷺ کا فرمان ہے کہ:

((اذا ذکر اصحابی فامسکوا))^۲

”یعنی جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو اپنی زبان کو (ان پر طعن سے) روک رکھو۔“

مطلب یہ ہے کہ ان کے مشاجرات و منازعات وغیرہ پر نظر نہ کرو اور جو چیزیں ان کے لائق شان نہیں

ہیں ان کے ذکر سے بچو یہ لوگ امت کی بہترین شخصیات ہیں۔ ان کو خیر امت اور خیر القرون فرمایا

گیا۔ (مناوی)

یہاں سے معلوم ہوا کہ آنجناب ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق طعن سے زبان کو روکنا واجب ہے

جیسا کہ اوپر والی روایت میں بدگوئی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور اسی طرح اس مقام پر طعن و تشنیع کرنے

سے باز رکھا گیا ہے۔

تنبیہ

کبار علماء نے اس روایت کی تائید و تصدیق کے متعلق درج ذیل کلام کیا ہے جو اہل علم کے لیے بلفظ

نقل کیا جاتا ہے:

((فقد روى هذا الحديث عن ثلثة من الصحابة واسانيدہ وان كان فيها مقال

كما ذكرہ فی فیض القدير ولكنه اعتضد بتعدد الروایات فلذلك

۱۔ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۳ باب مناقب الصحابہ فصل اول (متفق علیہ) طبع نور محمدی دہلی

۲۔ فیض القدير (شیخ عبدالرؤف مناوی) ص ۳۴۷ ج ۱ بحوالہ طبرانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ

رمز السیوطی علیہ برمز الحسن و عد هذا الحدیث حسنا))^۱

④ مشہور صحابی سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی اقدس ﷺ کی معیت میں کسی ایک مشہد یعنی جنگ کے موقع میں ایک مسلمان حاضر ہو اور نبی کریم ﷺ کی معیت میں اس کا چہرہ غبار آلود ہو، یہ شخص، اس شخص سے افضل ہے جو عمر نوح علیہ السلام پر نیک عمل کرتا رہے۔
یہ فضیلت سب صحابہ کو شامل ہے اس میں کسی ایک طبقے کی تخصیص نہیں۔

((قال والله لمشهد شهده رجل يغبر فيه وجهه مع رسول الله ﷺ افضل

من عمل احدكم ولو عمر عمر نوح ﷺ))^۲

④ اسی طرح جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ابن بطہ نے صحیح اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ (مخاطبین کو نصیحت کرتے ہوئے) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جناب نبی کریم ﷺ کے اصحاب کو سب و شتم مت کرو۔ کیونکہ ان کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ ان حضرات کا جناب نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک ساعت کا قیام آپ لوگوں کے چالیس برس کے عمل سے بہتر ہے۔ اور کعب بن علقمہ سے مروی روایت کے مطابق تمام عمر کی عبادت سے بہتر ہے۔

((وروی ابن بطہ باسناد صحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انه قال لا تسبوا اصحاب

محمد ﷺ فلمقام احدهم ساعة یعنی مع النبی ﷺ خیر من عمل احدكم

اربعين سنة وفي رواية وكيع خیر من عبادة احدكم عمره هذا))^۳

⑤ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حین حیات میں ہی بعض لوگ بعض صحابہ کے متعلق بدگوئی کرنے لگے اور ان کی شان میں کوتاہی کرنے کے درپے ہوئے تو ان حالات کے پیش نظر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان اور عظمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو نبی اقدس ﷺ کے اصحاب کے متعلق استغفار کرنے اور بخشش طلب کرنے کا حکم ہوا تھا مگر انھوں نے ان کے حق میں بدگوئی شروع کر دی ہے۔

((عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: امروا بالاستغفار لاصحاب محمد ﷺ فسبواهم))^۴

۱ احکام القرآن (مولانا مفتی محمد شفیع کراچی) ص ۲۷۳ ج ۳ تحت بحث ان الصحابہ کلہم مغفورون ماجورون

۲ مسند امام احمد، ص ۱۸۷ ج ۱ تحت مسند سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہما۔

۳ شرح فقہ اکبر (ملا علی بن سلطان القاری) ص ۸۳ طبع نجفائی کتاب الفعائل، تحت عنوان اہل السنہ فی تسمیۃ معاویہ

۴ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۷۹ ج ۱۲ کتاب الفعائل طبع کراچی۔ قول صدیقہ مسلم شریف میں منقول ہے۔ ص ۲۵۰، ۲۵۱ تحت

ابواب التفسیر طبع نور محمدی دہلی۔

۱۱ اعتقاد (بیہقی) ص ۳۲۳

شرح طحاوی فی عقیدۃ السلفیہ (صدر الدین) ص ۴۱۷، تحت قولہ وخب اصحاب الخ

حضرت صدیقہ جیہنم کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں طعن اور تشنیع کا حکم نہیں بلکہ ان حضرات کے حق میں استغفار کرنے کا حکم ہے اور ان کو نیکی کے ساتھ یاد کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ جیہنم کے فرمان کی روشنی میں علمائے کرام نے عبارت ذیل عمدہ تشریح درج کی ہے جو اہل علم کی تسلی کے لیے بلفظ ذکر کی جاتی ہے:

((وقال تعالى قَاتِفٌ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرُ لَهُمْ وَمَحَبَّةُ الشَّيْءِ كِرَاهَةٌ لُضْدِهِ، فَيَكُونُ أَنَّهُ سَبِّحَانَهُ يَكْرَهُ السَّبَّ لَهُمُ الَّذِي هُوَ ضِدُّ الِاسْتِغْفَارِ، وَالْبَغْضُ لَهُمُ الَّذِي هُوَ ضِدُّ الطَّهَارَةِ وَهَذَا مَعْنَى قَوْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: وَأَمَرُوا بِالِاسْتِغْفَارِ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَسَبُّوهُمْ)) رواه مسلم

بدزبانی اور بدگوئی کرنے والے کا حکم

اکابرین امت نے اس سلسلے میں اپنے بیانات واضح طور پر ذکر کیے ہیں کہ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بدزبانی یا بدگوئی کرے تو اس کے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں برائی اور بغض ہے اور اس کا اسلام متہم ہے، وہ شخص قابل اعتماد نہیں بلکہ وہ قابل سزا اور مستوجب عقوبت ہے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت ابوسفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم یہ تمام حضرات برگزیدہ صحابی ہیں صحابہ کرام کے متعلق احکامات سب بزرگوں کے حق میں یکساں ہیں پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں بدگمانی کرنا اور سوء ظنی کرنا دین اسلام میں نہایت شنیع فعل ہے اور اس سے اس شخص کا اسلام مشکوک ہو جاتا ہے، اس کے ایمان کا شریعت میں کوئی وزن نہیں رہتا۔

① چنانچہ امام احمد بن حنبلہ سے فضل بن زیاد نے سنا کہ امام موصوف سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کی تنقیص شان کرتا ہے کیا اس شخص کو رافضی کہا جائے؟ تو آنجناب نے فرمایا کہ ان دونوں حضرات پر وہی شخص جرات کر سکتا ہے جس کے اندر برائی پوشیدہ ہے۔ نبی اقدس ﷺ کے کسی ایک صحابی کے ساتھ بھی جو شخص بغض رکھتا ہے اس کے باطن میں خباثت چھپی ہوئی ہے۔

((وقال الفضل بن زياد سمعت ابا عبد الله يسأل عن رجل تنقص معاوية وعمرو بن العاص أيقال له رافضي؟ فقال انه لم يجتري عليهما الاوله خبيثة سوء ما انتقص احدا من الصحابة الا وله داخله سوء))

۱ احکام القرآن از حضرت مفتی محمد شفیع کراچی ص ۲۴۵ ج ۴ تحت بحث الصحابہ کلہم عدول۔

۲ تاریخ ابن عساکر (مخطوط) ص ۴۷ ج ۱۶ (قلمی نکس شدہ) تحت ترجمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

الہدایہ والنہایہ، ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

② میمونی ذکر کرتے ہیں کہ مجھے امام احمد بن حنبل نے فرمایا اے ابوالحسن جب تو کسی شخص کو دیکھے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی کو برائی کے ساتھ ذکر کرتا ہے تو سمجھ لے کہ اس کا اسلام متہم ہے اور اس کا ایمان مشکوک ہے۔

((وقال الميموني قال لي احمد بن حنبل: يا ابا الحسن! اذا رأيت رجلا يذكر

لاحد من الصحابة بسوء فاتهمه على الاسلام))

حسن ظن کا حکم

نبی اقدس ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اکابر علمائے امت نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ آنجناب رضی اللہ عنہم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہیے اور ان سے اعتراضات اور رذائل کی نفی کرنی چاہیے۔ یہ دین اسلام کی طرف سے ہمیں حکم ہے۔ اور اس باب میں اگر کوئی اعتراض پایا جائے اور اس کی کوئی تاویل کی گنجائش نہ مل سکے تو اس صورت میں اس روایت کے راویوں کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف غلط امر کا انتساب نہیں کیا جائے گا چنانچہ امام نووی رضی اللہ عنہ مسلم شریف جلد ثانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ

((فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفى كل رذيلة عنهم ، وانا انسدت

الطرق (طرق تاويلها) نسبنا الكذب الى الرواة))

ظاہر ہے کہ امر واجب کے لیے ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ حسن ظن امت پر واجب ہے۔ اور امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے مکتوب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام بیان کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رذائل کی نفی کے سلسلے میں ہدایت فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ

”پس زبان را از جفائے ایشان باز باید داشت و ہمہ را بہ نیکی بیاد باید کرد۔“

③ اسی طرح علامہ عبدالعزیز پرہاروی رضی اللہ عنہ نے اپنے رسالہ ”الناہیہ عن طعن معاویہ“ میں یہی ہدایت فرمائی ہے اور بہت عمدہ نصیحت کی ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنا اور ان کے ادب کو ملحوظ رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ سلف صالحین، اہل حدیث اور اہل اصول (اہل فقہ) کا یہی مذہب ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے اسی پر ثابت قدمی کی التجا کرتے ہیں۔

۱۔ ابن عساکر (مخطوط) ص ۷۷ ج ۱۶ (قلمی عکس شدہ) تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

الہدایہ والنہایہ، ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

۲۔ شرح مسلم شریف (نووی) ص ۹۰ ج ۲ بحوالہ مازری تحت کتاب الجہاد والسیر باب حکم الغنی، طبع نور محمدی دہلی

۳۔ مکتوبات امام ربانی ص ۸۳ دفتر اول حصہ دوم (طبع ثانی لاہور ۱۳۸۳ھ) آخر مکتوب (۸۰)

((فحسن الظن والتادب لجميعهم واجب على كل مسلم فهذا مذهب السلف الصالح واهل الحديث والاصول ونسأل الله الثبات عليه))^۱
 ④ اسی سلسلے میں مشہور بزرگ عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ اپنی سند کے ساتھ ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ: ابراہیم بن میسرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عادل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کسی انسان کو کبھی تازیانے نہیں لگوائے مگر اپنے دور میں اس شخص کو جس نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کیا، اس کو کوڑے لگوائے۔

اس واقعہ پر مندرجہ ذیل علماء کی عبارات پیش کی جاتی ہیں جس میں یہ واقعہ مذکور ہے:
 ((عن ابراهيم بن ميسرة قال بلغني ان عمر بن عبد العزيز ما جلد سوطا في خلافته الا رجلا شتم معاوية عنده، فجلده ثلاثة اسواط))^۲
 اور اسی طرح البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے کہ
 ((وقال ابن المبارك عن محمد بن مسلم عن ابراهيم بن ميسرة قال ما رأيت عمر بن عبد العزيز ضرب انسانا قط الا انسانا شتم معاوية فانه ضربه اسواط))^۳

⑤ اور شمس الائمہ ابو بکر سرخسی رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیف اصول سرخسی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے والے شخص کے متعلق مندرجہ ذیل تصریح ذکر کی ہے:

فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعدد مواضع پر صحابہ کرام کی ثنا اور وصف بیان فرمائی ہے جیسا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ... الخاور نبی اقدس رضی اللہ عنہم نے اپنے ارشادات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خیر الناس فرمایا ہے اور یہ لوگ اس عہد کے خیر الناس ہیں جس دور میں میں ہوں۔ (الحدیث) اور اسلامی شریعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے سے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریعت اسلام کے ناقلمین ہیں) اب جو شخص ان کے حق میں طعن و تشنیع کا مرتکب ہو وہ ملحد اور بے دین ہے اور اسلام کو پس پشت ڈال دینے والا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کا علاج صرف تلوار ہے۔

((ان الله تعالى اثنى عليهم في غير موضع من كتابه كما قال تعالى "مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ" الآية ورسول الله ﷺ وصفهم بانهم خير الناس

۱ النابیه عن طعن معاویہ (عبدالعزیز پر باروی) ص ۳۳ تحت فصل فی الاجوبہ عن مطاعنہ

۲ الاستیعاب ص ۲۸۳ ج ۳ (مع الاصابہ) تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳ البدایہ والنہایہ، ص ۱۳۹ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

فقال: "خير الناس قرني الذين انا فيهم" والشريعة انما بلغتنا بنقلهم فمن طعن فيهم فهو ملحد منابذ للاسلام، دواءه السيف ان لم يتب) ۱

① مندرجہ امور کی تائید میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اہم حوالہ اس مسئلے پر ذکر کیا جاتا ہے ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

لکھتے ہیں کہ: چہار خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کرام رضی اللہ عنہم خیر الناس ہیں ان حضرات میں سے کسی ایک کی بھی برائی ذکر کرنا کسی شخص کے لیے جائز نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کا بھی عیب اور نقص بیان کرنا اور اس پر طعن قائم کرنا کسی کے لیے روا نہیں ہے۔ جو شخص یہ کام کرے اس کی تادیب کرنا اور اس کو سزا دینا واجب ہے۔ ایسے طعن کرنے والے شخص کو معاف نہ کیا جائے بلکہ اسے سزا میں ڈال دیا جائے، اگر وہ اس سے توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے اور اگر وہ توبہ کرنے سے اعراض کرے اور طعن کرنے پر جما رہے تو اس کو دو بارہ سخت سزا دی جائے اور جس دواء میں ڈال دیا جائے، حتیٰ کہ مر جائے یا رجوع اور توبہ کر لے۔

((ثم اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بعد هؤلاء الاربعة خیر الناس لا يجوز لاحد ان يذكر شيئا من مساويهم ولا يطعن على احد منهم بعبب ولا نقص فمن فعل ذلك فقد وجب تاديبه وعقوبته ليس له ان يعفو عنه بل يعاقبه ويستتبه فان تاب قبل منه وان ثبت اعاد عليه العقوبة وخلده في الحبس حتى يموت او يراجع)) ۲

مندرجات بالا سے درج ذیل چیزیں ثابت ہو رہی ہیں:

① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنے کا حکم ہے اور سوہ ظنی کرنے اور بدگمانی سے منع کیا گیا ہے۔

② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں جو شخص بدکلامی کرے اور بدزبانی سے پیش آئے ایسے شخص کا اسلام مشکوک ہے اور وہ دین میں متہم ہے اور شریعت میں اس کے دین کا کچھ اعتبار نہیں۔

③ اسی طرح حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے متعلق تنقیص شان اور طعن کرنے والا شخص بدظنی کا شکار ہے اور اس کا دل برائی اور خباثت سے آلودہ ہے۔

④ حتیٰ کہ ایسے بدگو شخص کے لیے عادل خیفہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار یہ تھا کہ حضرت امیر

۱ اصول السنن (ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سهل نسبی) ص ۳۳۱ تحت من طعن فی الصحابہ فیومجد ان طعن حیدرآباد۔

۲ الصارم السلطان علی شاتم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (ابن تیمیہ) ص ۳۷۷ طبع اول حیدرآباد، فصل فی تہ اصحابہ رضی اللہ عنہم سب بل وہ

معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدزبانی کرنے والے کو تازیانے لگوائے جاتے تھے تاکہ وہ آئندہ بدکلامی سے باز رہے۔

⑤ جو بھی اصحاب کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے حق میں نازیبا کلام کرے اور سب و شتم یا طعن و تشنیع کرے وہ سزا کے قابل ہے اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو جس دوام میں ڈالا جائے تاکہ اسی حالت میں ہلاک ہو جائے۔

ایک تاریخی جائزہ

امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت خلفائے راشدین و عشرہ مبشرہ کے بعد بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اکابر بائیں حضرات کے ساتھ خلافت کی صلح کے بعد ان کی خلافت کے دور میں اسلام کو بڑی ترقی ہوئی اور دین کو بہت فروغ نصیب ہوا اور دور دراز ممالک پر اسلام کا پرچم لہرایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے لے کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے صلح تک کے دور میں جو اسلامی فتوحات کا سلسلہ رک گیا تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں پھر پوری مستعدی کے ساتھ دوبارہ شروع ہوا اور دور دور تک اسلامی سلطنت کا حلقہ وسیع ہوتا گیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی حکومت کی حدود بخارا سے لے کر قیروان تک اور اقصائے یمن سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیل چکی تھیں اور ان کے علاوہ حجاز، یمن، شام، مصر، عراق، الجزائر، آرمینیا، فارس، خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ تمام ممالک اسلامی حکومت کے ماتحت ہوئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بے شمار بری اور بحری فتوحات ہوئیں اور آپ کے ہاتھوں اقصائے عالم تک اسلام کا پرچم بلند ہوا اور آپ کی مساعی جمیلہ سے دین اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔

جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں حضرات صحابہ و تابعین کی مساعی جمیلہ سے اسلام کے احیا و ابقا کا بہت بڑا کام ہوا۔ خلافت راشدہ کے دور کے بعد یہ دور اسلام کی ترقی کا بہترین دور ہے اور اس میں اسلام کے فروغ کی انتہائی وششیں کی گئیں اور بحمد اللہ وہ بار آور ہوئیں اور اسلام ان ممالک پر غالب آ گیا اور فرمان خداوندی یُظْهِرُ ذَٰلِكَ عَلَى الدِّينِ كَلِمَہ کا بہترین نقشہ سامنے آ گیا۔

کثرت اعتراضات کے وجوہ

اس دور کے بعد بنو امیہ کے خلفاء و امراء یکے بعد دیگرے آتے رہے ہیں حتیٰ کہ ۱۳۲ھ بمطابق ۷۴۹ء میں بنی عباس کے ایک شخص ابو العباس سفاح نے بنی امیہ کی خلافت اور حکومت ختم کر کے بنو عباس کی حکومت قائم کر لی۔ ظاہر بات ہے کہ بنو عباس نے بنو امیہ کے اقتدار کو ختم کیا تھا اور خاندانی و قبائلی تعصبات

کے تحت یہ لوگ بنو امیہ کے سخت خلاف تھے جیسا کہ بعد میں آنے والی حکومت پیشرو حکومت کے عموماً خلاف ہوتی ہے، اور ایک قوم کی حکومت کو ختم کر کے دوسری قوم کا غلبہ و اقتدار آتا ہے تو سابقہ حکومت کی خوبیوں کو بھی خرابیوں کے ساتھ بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان کی اچھائیوں کو برائیوں سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کے بہترین کارناموں کو فروتر شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور ان کے خلاف کئی قسم کے غلط صحیح الزامات لگائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں سابقہ حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے اور ان کے ساتھ بدظنی پھیلنے کے اسباب رونما ہوتے ہیں۔ گویا کہ سابق اقتدار میں یہ ایک قسم کی نظریاتی تفریق قائم ہو جاتی ہے اور پیش رو حکومت کے کار خیر کو بدنما شکل میں پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ دنیا میں قوموں کے معاشرے کا یہ ایک عام دستور چلا آ رہا ہے۔

نفسیاتی ضابطہ

اس فطری اور نفسیاتی ضابطے کے تحت یہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ بنو عباس کے دور (دوسری صدی ہجری) میں عموماً تاریخ کی تدوین کی ابتداء ہوئی اور مورخین نے عام طور پر تاریخی وقائع مرتب کرنے میں نظریات مذکورہ بالا کو ملحوظ رکھا، اور وہ تاریخی واقعات جب مرتب کیے گئے تو ان کو عموماً ایسی شکل میں پیش کیا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کی خوبیاں خرابیاں نظر آنے لگیں اور ان کے بہترین کارنامے عموماً داغدار کر کے ذکر کیے گئے اور ان کی اسلامی اور ملتی خدمات کو غلط صورت میں دکھایا گیا اور آپ کے دور کے محاسن و مفاخر کو پس پشت ڈال کر ان میں معائب و نقائص کے پہلو پیدا کیے گئے اور ایسے واقعات تاریخ میں بھر دیے گئے جن سے امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر کئی قسم کے مطاعن قائم کیے جاسکیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمدہ کردار و اخلاق کو غلط رنگ دینے کی کوشش کی گئی اور ان کی کردار کشی کی پوری سعی کی گئی اور آپ کے اعلیٰ کارناموں کو بدنما شکل میں دکھایا گیا۔

بعض مورخین نے اپنے دور کے حکام کی خوشنودی اور امراء کی رضامندی کو بھی پیش نظر رکھا اور ان کی نظروں میں اپنا مقام پیدا کرنے کی خاطر اپنی تصانیف میں مذکورہ طرز اختیار کیا اور اس طریقے سے انھوں نے اپنے معاشی و تمدنی حالات کو بھی مستحکم کیا۔ چنانچہ اس نہج پر تاریخ نویسی کے متعلق کئی واقعات ایسے دستیاب ہوتے ہیں جو مندرجہ بالا امور پر شاہد ہیں اور اس کے موید ہیں جیسا کہ سابقاً ذکر کیا ہے کہ بنو عباس کے خلفاء کے دور حکومت میں عموماً تاریخ کی تدوین ہوئی اور عباسیوں نے خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کرنے اور ان کے اعلیٰ مقام کو گرانے کے لیے علانیہ طور پر ایسا طرز عمل اختیار کیا جس کو نظر انداز کر کے ایک مورخ کا صحیح واقعات پر قلم اٹھانا کوئی سہل کام نہیں تھا۔

مذکورہ بالا حقائق ہم نے مضمون نگاری کی خاطر تخیل کے درجے میں ہی ذکر نہیں کیے اس کی تائید میں

تاریخ میں واقعات پائے جاتے ہیں۔ قارئین کے اطمینان کی خاطر ذیل میں تاریخ سے چند ایک واقعات پیش خدمت ہیں جو مسئلہ ہذا کے ثبوت میں ایک قوی دلیل ہیں:

① جس وقت ابو العباس سفاح نے بنو امیہ کے آخری فرماں روا خلیفہ مروان بن محمد بن مروان وغیرہ کو قتل کروا دیا تو اس موقع پر مورخین نے لکھا ہے کہ ابو العباس سفاح کی افواج کا امیر عبداللہ بن علی دمشق شہر میں تیغ برہنہ کے ساتھ داخل ہوا اس نے شہر میں قتل و غارت تین ساعات کے لیے مباح قرار دے دیا۔ شہر دمشق کی جامع مسجد کو اپنے چوپایوں، گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے اصطبل کے طور پر ستر دن تک استعمال میں رکھا۔

اس چیز کو علامہ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے ابن عساکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بنی امیہ کے آخری خلیفہ (مروان بن محمد بن مروان) کے قتل کے تحت عباسیوں کے مظالم ذکر کرتے ہوئے دمشق کے احوال میں لکھا ہے کہ ((وذكر في ترجمة محمد بن سليمان بن عبدالله النوفلي قال كنت مع عبدالله بن علي اول ما دخل دمشق دخلها بالسيف وابعاح القتل فيها ثلاث ساعات وجعل جامعها سبعين يوما "اصطبلا" لدوابه وجماله..... الخ))

مزید برآں عباسیوں نے بنو امیہ کے ساتھ عداوت پوری کرنے کے لیے اکابر بنو امیہ مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، عبدالملک بن مروان، ہشام بن عبدالملک وغیرہم کی قبور کو اکھیڑ ڈالا اور ان کی بے حرمتی کی۔ چنانچہ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے مزید لکھا ہے کہ

((ثم نبش قبور بني امية..... الخ))

مورخین نے لکھا ہے کہ ان حالات میں عبداللہ بن علی مذکور نے خلفائے بنو امیہ کی اولاد اور ان کے حامیوں کو تلاش کر کے ایک ہی دن میں سینکڑوں افراد کو قتل کروا دیا۔ یہ چیز البدایہ لابن کثیر میں مذکور ہے کہ ((ثم تتبع عبدالله بن علي بن امية من اولاد الخلفاء وغيرهم فقتل منهم في يوم واحد اثنين وتسعين الفا عند نهر بالرملة..... الخ))

مذکورہ بالا حالات و واقعات سے واضح ہے کہ جس دور میں اسلامی تاریخ کی تدوین کی ابتدا ہو رہی تھی اس دور میں مخالفین کی طرف سے بنو امیہ کے ساتھ عداوت اور مخالفت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور ان کے قابل ذکر اصحاب و افراد کو چن چن کر ختم کر دیا تھا۔ ان حالات میں مورخین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حالات کو کسی صحیح نسخ پر کیسے تحریر کر سکتے تھے؟ اور ان کے عہد کی شاندار خدمات وہ کس طرح زیر قلم لا سکتے تھے؟

② اسی طرح حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے اپنی متعدد تصانیف میں مامون الرشید (عباسی خلیفہ) کے عہد کا ایک

دیگر واقعہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

① ((وفیہا (۲۱۱ھ) اظہر المامون المتشیع وامر ان یقال خیر الخلق بعد النبی

ﷺ علی ﷺ وامر بالنداء ان براءت الذمته ممن ذکر معاویة بخیر))^۱

② ((وفیہا (۲۱۱ھ) امر المامون فنودی براءة الذمته ممن ذکر معاویة بخیر

وان افضل الخلق بعد النبی ﷺ علی ﷺ))

ان ہر دو عبارات کا مطلب یہ ہے کہ ۲۱۱ھ میں مامون الرشید عباسی خلیفہ نے اپنے شیعہ ہونے کا اظہار کیا اور اس نے سرکاری طور پر اعلان کرایا کہ نبی اقدس ﷺ کے بعد خیر الخلق علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور اس امر کی منادی کرائی کہ جو شخص معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کے حق میں کلمات خیر کہے گا تو حکومت پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں (اور ہم اس سے بری الذمہ ہیں)

تائید از شیعہ

اس واقعہ کی تائید شیعہ کے مشہور مورخ مسعودی نے اپنی تصنیف ”مروج الذهب“ میں مامون کے حالات کے تحت بالفاظ ذیل درج کی ہے:

((وفی سنة اثنی عشرة ومائتین نادى منادى المامون براءة الذمته من احد

من الناس ذكر معاویة بخیر او قدمه (علی احد) من اصحاب رسول الله

ﷺ))^۲

”یعنی ۲۱۲ھ میں مامون نے منادی کرائی کہ جو شخص بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کو خیر کے ساتھ ذکر کرے گا یا

اس کو کسی صحابی پر مقدم جانے گا اس شخص سے حکومت بری الذمہ ہے (اس کی حفاظت کے ہم ذمہ

دار نہیں)۔“

علامہ شبلی رحمتہ کی طرف سے تائید

قریبی دور کے ایک مشہور مورخ علامہ شبلی نعمانی رحمتہ نے اپنی تصنیف ”الانتقاد علی تمدن الاسلامی“ میں اسلامی تاریخ کی تدوین پر ایک بہترین جائزہ ذکر کیا ہے جس سے ہمارے مضمون بالا کی تائید و تصدیق ہوتی ہے:

((ثم ان هناك امر اخر وهو ان المؤرخین بامرهم كانوا فی عصر بنی العباس

۱۔ دول الاسلام (ذہبی) ص ۹۴ تحت سنہ ۲۱۱ھ

العربی فی خبر من غیر (ذہبی) ص ۳۹۲ تحت سنہ ۲۱۱ھ تطبیح کویت

۲۔ مروج الذهب (مسعودی شبلی) ص ۴۰۰ تحت نداء المامون فی ۱۰۰۰ھ (ذکر ایام المامون)

ومن المعلوم انه لم یکن یستطیع احد ان یذکر محاسن بنی امیة فی دولة العباسیین فاذا صدر من احد شیء من ذلك فلتة كان یقاسی قائلها انواعا من الهتك والایذاء وخامة العاقبة وكم لنا من امثال هذه فی اسفار التاریخ))

”اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے مورخین عموماً بنی عباس کے عہد میں ہوئے ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ عباسیوں کے عہد میں بنو امیہ کے محاسن ذکر کرنے کی کسی شخص میں استطاعت نہیں تھی کیونکہ اگر کسی سے بنو امیہ کی خوبی کی کوئی چیز اتفاقاً صادر ہو جاتی تو اس کے قائل کو کئی قسم کی ایذاؤں کا سامنا کرنا پڑتا اور ہتک عزت کے علاوہ ناموافق انجام سے دو چار ہونا پڑتا تھا۔ دفتر تاریخ میں اس قسم کی کئی مثالیں موجود ہیں۔“

ظاہر بات ہے کہ اس نوع کے سرکاری اعلانات اور تشددانہ عملی اقدامات کے بعد تاریخ مرتب کرنے والوں نے جو تواریخ مدون کی ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں معائب، نقائص اور معائن ہی درج کریں گے۔ ان سے آں موصوف کے فضائل و محامد اور ملی خدمات کے بیان کی امید رکھنا عبث ہے۔ الا ماشاء اللہ اگر کوئی مورخ ان فرامین شاہی سے متاثر نہ ہوا ہو اور وہ بہت قلیل اور شاذ کے درجہ میں ہوگا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے قارئین کو مطالعہ تاریخ کے وقت پیش نظر رکھنا از حد ضروری ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ان کوائف و حالات کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تاریخی مواد میں کثرت سے اعتراضات پائے گئے اور معاندین صحابہ نے انھیں اپنے ذوق کے مطابق خوب نشر کیا اور اس مواد کو عوام میں پھیلا کر آں موصوف کی کردار کشی کی۔

تاریخ کے راویوں کا نظریاتی کردار

تاریخی واقعات کو نقل کرنے والے رواۃ میں مختلف نظریات اور رجحانات کے حامل لوگ ہوتے تھے بعض راوی خارجی اور بعض رافضی وغیرہ ذہن رکھتے تھے اور اسی طرح ناقلین واقعہ میں کئی قسم کے اپنے رجحانات پائے جاتے تھے۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ روایت کو نقل کرنے میں راوی کے ذہن اور رجحانات کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ اور واقعہ کو بیان کرنے میں معبر کی تعبیر بڑی اثر انداز ہوتی ہے۔ بات کچھ ہوتی ہے اور اس بات کے نقل کرنے والے کے الفاظ اس کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں، بالخصوص جب کہ روایت بالمعنی کی انھیں عام اجازت ہو۔ تاریخ کے ناقلین ان حالات میں حقیقت واقعہ کو نظر انداز کر کے اس میں اپنی روایات چلا دیتے ہیں اس وجہ سے بھی بہت سے اعتراضات کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور کئی مطاعن رونما ہو جاتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مورخین نے اپنے غیر محتاط رویے کی وجہ سے بہت

کچھ مواد تاریخ میں ذکر کر دیا جس سے مخالفین نے مطاعن پیدا کر لیے اور یہ چیزیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کثرت اعتراضات کا باعث ہوئیں۔

بعض قواعد و ضوابط

طعن اور دفع طعن کے باب میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر کسی صحیح روایت سے طعن پیش کیا جائے جو اصول روایات کے اعتبار سے قابل قبول ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے گا اور جس طعن کی روایت قواعد فن کے اعتبار سے قابل رد اور ناقابل اعتماد ہو اس سے پیدا کردہ الزام قابل سماعت نہیں ہوتا اور حسب ضابطہ اس کا جواب دینا ہمارے ذمہ نہیں۔ چنانچہ اکابر علماء فرماتے ہیں کہ

((فترد کل من روایات التاریخ ما یعود منها علی شین و عیب فی بعض

اصحاب الرسول ﷺ))^۱

”یعنی وہ تاریخی روایات جن میں سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عیب اور طعن پیدا کیا جاتا ہے وہ

روایات قابل رد ہیں اور قبول کے لائق نہیں۔“

مزید برآں یہ چیز علمائے کرام نے اس موقع میں تصریحاً ذکر کر دی ہے کہ جو روایات درایت اور عقل کے خلاف ہوں اور اصول شرعی کے معارض ہوں ان کے متعلق یقین کیجیے کہ وہ بے اصل ہیں اور ان کے رواۃ کا کوئی اعتبار نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جو روایت حس اور مشاہدات کے خلاف پائی جائے اور کتاب و سنت کی نصوص متواترہ کے متباین ہو اور اجماع قطعی کے برخلاف پائی جائے ایسی صورتوں میں بھی وہ روایت قبول نہیں کی جاتی۔

چنانچہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الفیۃ الحدیث (عراقی) میں بعبارت ذیل یہ تصریحات ذکر کی ہیں:

((وکل حدیث رأیتہ یخالفہ العقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع

فلا یتکلف اعتباره ای لا تعتبر رواہ ولا تنظر فی جرحہم او یکون مما

یدفعہ الحس والمشاہدۃ او مبایننا لنص الكتاب او السنۃ المتواترۃ او

الاجماع القطعی حیث لا یقبل شیء من ذالک التاویل))^۲

مزید برآں کبار علمائے امت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت کی متعلقہ احادیث کذب محض ہیں اور ان کا کچھ اعتبار نہیں۔ چنانچہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ

نے اپنی کتاب ”المنار المہیف“ میں تحریر کیا ہے کہ:

۱ احکام القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع کراچی ص ۲۷۴ ج ۴ تحت بحث خاتمۃ الکلام فی مشاہرات الصحابہ

۲ فتح المغیب شرح الفیۃ الحدیث (عراقی) تالیف علامہ سخاوی ص ۲۳۹-۲۵۰ ج طبع مدینہ منورہ تحت عنوان الموضوع

((ومن ذلك الاحاديث في ذم معاوية رضي الله عنه وكل حديث في ذمه فهو كذب))^۱

پس مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور تنقیص شان بیان کرنے والی روایات ناقابل اعتماد ہیں اور التفات کے ہرگز لائق نہیں۔
ایک اصول

اکابرین اہل سنت والجماعت کی عقائد اور قواعد کی کتابوں میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ انبیائے کرام رضي الله عنهم کی ذات بابرکات معصوم ہے اور یہ ان کا خاصہ ہے۔ انبیائے کرام رضي الله عنهم کے ماسوا صحابہ کرام رضي الله عنهم اور اکابرین امت معصوم نہیں، ان سے غلطی کا صدور ممکن ہے۔

((فان العصمة عن الخطاء مطلقا من خواص الانبياء ولا توجد في الصحابة فضلا عن الاولياء))^۲

لیکن علمائے دین نے یہاں لکھا ہے کہ اگر صحابہ کرام رضي الله عنهم سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے اور اس کی تاویل ممکن ہو تو وہ تاویل کی جائے گی اور اگر تاویل ممکن نہ ہو تو روایت کو رد کرنا لازم ہوگا اور غلطی سے سکوت واجب ہوگا اور طعن کرنے سے بالیقین اجتناب کیا جائے کیونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے صحابہ کرام رضي الله عنهم کے حق میں مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

((وان صدر عن احد من الصحابة ما لا يليق فلا يبعد عن الامكان ولما تشاجروا وقع بينهم التساب والتحارب وامور يتوحش المتامل فيها الا ان مذهبنا اهل السنة والجماعة هو بذل الجهد في تاويلها واذا لم يمكن التاويل وجب رد الرواية ووجب السكوت وترك الطعن للقطع بان الحق سبحانه وعدهم المغفرة والحسنى))^۳

مذکورہ بالا اصول اور قواعد کے تحت جواب الطاعن میں کلام کیا گیا ہے اور صحابہ کرام رضي الله عنهم کی عدم معصومیت تسلیم کر لینے کے بعد یہ چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔

اگر ان سے فروگزاشتیں ہوئی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کے سامان کر دیے ہیں اور ان سے مغفرت کر دینے اور جنت عطا فرمانے کے وعدے بھی فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے صادق ہیں اور وہ

۱۔ المنار الهدى في الصحيح والضعيف (ابن قيم) ص ۱۷۷ فصل نمبر ۳ طبع حلب

۲۔ الرفع والتكميل (مولانا عبدالحی لکھنوی) ص ۱۷۱ تحت تذييب نبی، طبع حلب

۳۔ التايبه عن طعن معاوية، مولانا عبدالعزيز پرہاروی ص ۳۳ تحت فصل فی الاجوبہ عن مطاعن

یقیناً پورے ہو کر رہیں گے۔ لیکن اسلامی قواعد کی رو سے ہم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے دفاع کرنا لازم ہے۔ اسی بنا پر ہماری یہ کوششیں جاری ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر وارد کیے گئے مطاعن و اعتراضات کے جوابات اس سلسلے میں مرتب کر کے پیش کیے جا رہے ہیں۔

طاہرین کے اصناف

امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف سوء ظنی اور تنفر رکھنے والے کئی لوگ ہیں اور بدگمانی پھیلانے والے کئی طبقات ہیں:

① ان میں سے اپنے آپ کو شیعہ کہلانے والے (روافض) تو زمانہ قدیم سے ہی بدظنی کا شکار ہیں اور ان کی تمام مساعی کیا بلکہ تمام زندگی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور ان کی تنقیص شان میں صرف ہوتی ہے اور یہی ان کا محبوب مشغلہ ہے اور محاسبہ آخرت کا ان کو کچھ خوف نہیں۔

② اور بعض گروہ ایسے ہیں جو اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت رکھتے ہیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد شریف کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرنا اور ان سے سوء ظن رکھنا اہل بیت النبی کی محبت کا کلمہ اور تہمت سمجھتے ہیں۔

مگر درحقیقت یہ چیز اہل سنت والجماعت کے مسلک اعتدال کے برخلاف ہے اور یہ طریق کار مسلک اہل سنت کے لیے ضرر رساں ہے اور اس اسلوب سے فرقہ ہائے شیعہ کے نظریات کی تائید ہوتی ہے جو دین کے تقاضوں کے منافی ہے۔ لہذا یہ طریقہ بھی صحیح نہیں اور بالکل غلط ہے۔

③ اور بعض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ظاہر روایات پر نظر کرنے کی وجہ سے ان پر طعن قائم کرتے ہیں اور بوجہ ظاہریت کے روایت کی تاویل اور اس کے صحیح مفہوم اور محمل تک ان کے ذہن کی رسائی نہیں ہوتی۔ یہ لوگ بھی سوء ظنی کا شکار ہیں اور اپنی کم فہمی کی وجہ سے غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

④ اور اس دور میں بعض طبقے ایسے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان اور عیب چینی کرنے میں تمام تر قوتیں صرف کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت میں شمار کرتے ہیں یہ گروہ بڑے خطرناک ہیں اور اہل اسلام میں رخنہ ڈالنے والے ہیں اور گمراہی پھیلا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت بخشنے اور تمام صحابہ کرام اور اولاد نبوی رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت نصیب فرمائے اور ان سے حسن ظن رکھنے کی ہمیں توفیق عنایت فرمائے اور سوء ظنی و بدگمانی سے محفوظ رکھے۔ آمین!

ان تمہیدی اور اصولی امور کے بعد ہم امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف وارد کیے گئے مطاعن کے جوابات پیش کرتے ہیں۔ یہ جوابات ان ہی مطاعن سے متعلق ہیں جو ہمارے سامنے مختلف طریق

سے آئے ہیں۔ تمام مطاعن کے جوابات کا دعویٰ نہیں۔ اللہ کریم ہماری یہ کوشش منظور و مقبول فرمائے اور اسے مسلمانوں کی ہدایت کا باعث بنائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدظنی رفع کرنے کا سبب قرار دے۔

ایک معذرت

مولف ناچیز ایک بہت کم علم آدمی ہے اور اس طریق کا ادنیٰ خادم ہے۔ بندہ نے کم و بیش اکتالیس مطاعن کے جوابات پیش کیے ہیں ان میں اپنی معلومات کی حد تک جواب باصواب کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن یہ کوئی حرف آخر نہیں۔ اگر ان میں کوئی کوتاہی رہ گئی ہو تو علمائے کرام اور فاضلان عظام اس کی اصلاح فرمائیں اور مزید جوابات مرتب کر کے سعادت دارین حاصل کریں اور دفاع عن الصحابہ کا فریضہ ادا کریں۔ اس دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دفاع کرنا اور ان کے مقام و مرتبہ کی حفاظت کرنا نہایت اہم دینی کام ہے جو قیامت میں اجر کثیر کا موجب ہوگا۔

نیز یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جتنے مطاعن کے جوابات پیش کیے گئے ہیں ان میں ترتیب زمانی صحیح طور پر قائم نہیں کی جاسکی۔ کیونکہ یہ امر نہایت دشوار ہے اور عادتاً مشکل ہے۔ پس کیف ما اتفق ان کو پیش کر دیا گیا ہے۔ ناظرین کرام (اہل انصاف) سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

إِنْ أُهِنُّ إِلَّا لِإِصْلَاحِ مَا اسْتَطَعْتُ ۖ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۗ

وَ كَلَّا وَ وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ (سورة الحديد)

”اللہ تعالیٰ نے (صحابہ میں سے) ہر ایک سے حسنی (جنت) کا وعدہ فرمایا ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ (سورة الانبياء)

”بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے ہماری جانب سے الحسنی (جنت) کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے وہ دوزخ سے دور ہوں گے۔“

جواب المطاعن

تالیف حضرت مولانا محمد نافع (محمدی شریف ضلع جھنگ)

اس پیشکش میں جلیل القدر صحابی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر وارد کردہ قدیم و جدید مطاعن اور وضع کردہ اعتراضات کا مسکت جواب پیش کیا گیا ہے اور حتی الوسع مجادلانہ و مناظرانہ لوک جھونک اور عبارتوں کی گرفت سے اجتناب کرتے ہوئے تحقیقی انداز میں معلومات پیش کی ہیں اور دفاع عن الصحابہ کا فریضہ ادا کیا ہے۔ یہ تالیف بہ نظر انصاف ملاحظہ کرنے سے بہت سود مند ثابت ہوگی (ان شاء اللہ تعالیٰ) اور بہت سے شبہات کے ازالہ کا باعث بنے گی..... (بعونہ تعالیٰ)

فہرست جواب المطاعن

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر وارد کردہ اعتراضات کے جوابات

- ۴۷۱ روایت ”الفتنۃ الباغیہ“ کے متعلقات ❀
- ۴۸۱ طلقاء کی بحث ❀
- ۴۹۰ مولفۃ القلوب کی تشریح ❀
- ۴۹۲ سب و شتم کی بحث ❀
- ۵۱۵ لا اشبع اللہ بطنہ کی بحث ❀
- ۵۲۱ سر بن ابی ارطاة رضی اللہ عنہ کے مظالم کے متعلقات ❀
- ۵۳۵ ملوکیت کا شبہ اور اس کا ازالہ ❀
- ۵۴۶ بعض قبائل کی کراہت کی بحث ❀
- ۵۵۱ قصاص عثمانؓ کے مطالبے کا طعن ❀
- ۵۵۳ ایک شاذ روایت کا جواب ❀
- ۵۶۴ ظلم اور زیادتی کا طعن ❀
- ۵۶۸ قتل نفس اور اکل مال کا طعن ❀
- ۵۷۱ محمد بن ابی بکر کے متعلقات ❀
- ۵۷۵ حجر بن عدی وغیرہ کا قتل ❀
- ۵۹۲ عمرو بن حتم کا قتل ❀
- ۵۹۸ قطع ایدی کا طعن (یعنی ہاتھ کٹوانے کا طعن) ❀
- ۶۰۴ قطع ید کا ایک دوسرا طعن ❀
- ۶۰۸ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر خورانی کا طعن اور مقدم بن معدی کربؓ والی روایت کا جواب ❀
- ۶۲۳ استحقاق زیاد ❀
- ۶۳۳ مسئلہ استخفاف یزید ❀
- ۶۴۹ شرب خمر کا الزام (یعنی شراب پینے کا الزام) ❀

- ۲۵۶..... اسم "معاویہ" پر طعن ❁
- ۲۶۱..... عدم فضیلت کا شبہ اور اس کا ازالہ ❁
- ۲۷۱..... شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بعض عبارات کا جواب ❁
- ۲۷۶..... حق گوئی اور آزادی رائے کے خاتمہ کا جواب ❁
- ۲۸۷..... بیت المال کے اموال کی بحث ❁
- ۲۹۶..... توریث مسلم و کافر کا مسئلہ ❁
- ۷۰۰..... مسئلہ دیت کی بحث ❁
- ۷۰۳..... یمین مع الشاہد کا مسئلہ ❁
- ۷۰۶..... بیٹھ کر خطبہ دینے کی بحث ❁
- ۷۰۸..... مقصورہ میں نماز ادا کرنا ❁
- ۷۱۱..... خطبہ و اذان قبل العید (یعنی عید سے قبل خطبہ و اذان دینا) ❁
- ۷۱۸..... شمال کی ترسیل بارض الہند (یعنی ہندوستان کی سرزمین میں مجسموں کا بھیجنا) ❁
- ۷۲۳..... منبر نبوی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ❁
- ۷۳۷..... طعن کی ایک اور روایت اور اس کا جواب ❁
- ۷۵۰..... حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کا الزام ❁
- ۷۵۷..... مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول، پھر اس کا جواب ❁
- ۷۶۵..... کعب بن اشرف کا غدر و قتل، پھر اس کا جواب ❁
- ۷۶۹..... امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور شوق رسالت کا طعن، پھر اس کا جواب ❁
- ۷۷۴..... برہنہ لونڈی پیش کرنے کا اعتراض اور قص و سرود کی مجالس کا طعن، پھر ان کے جوابات ❁
- ۷۷۷..... علامت نفاق پر موت کا طعن، پھر اس کا جواب ❁
- ۷۸۳..... مراجع و مصادر ❁

روایت ”الفئة الباغية“ کے متعلقات

قبل ازیں ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ کے مباحث صفین میں بقدر ضرورت اس روایت کے مفہوم اور محمل کے متعلقات بیان ہو چکے ہیں۔ اب اس مقام پر کچھ بقایا چیزیں ذکر کی جاتی ہیں جو مقام کے اعتبار سے نہایت سود مند ہیں۔

واقعہ اس طرح ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے بنائے مسجد نبوی کے موقع پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا:

((ویرع عمار! تقتلك الفئة الباغية))

اور بعض مقام پر صیغہ غائب کے ساتھ یہی کلام مذکور ہے یعنی تقتله الضیئة الباغية (او کما ذکر فی الحدیث) اس کا مطلب یہ ہے کہ (عمار کو) ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

روایت ہذا کے بعض طرق میں بعض مقامات پر اس طرح کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں کہ:

اول: ((یدعوهم الی الجنة ویدعونہ الی النار))

”یعنی (عمار) ان کو جنت کی طرف بلاتا ہے اور وہ (لوگ) اسے آگ کی طرف بلاتے ہیں۔“

پھر اس سے آگے بعض مقامات پر الفاظ ذیل کا اضافہ بھی پایا گیا ہے:

دوم: ((لا انا لها اللہ شفاعتی یوم القیامة))

”یعنی یہ لوگ قیامت کے دن میری شفاعت نہیں پاسکیں گے۔“

معرض لوگ روایت ہذا اور اس کے ان اضافہ جات کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کی جماعت پر باغی ہونے کے طعن کے ساتھ ساتھ ان کے جہنمی ہونے اور شفاعت سے محروم ہونے کا طعن تجویز کرتے ہیں..... مطلب یہ ہے کہ معرضین کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کی جماعت باغی ہے اور جہنم کی مستحق اور شفاعت سے محروم ہے۔

جن حضرات کی شیعہ کتب کے مباحث مطاعن پر نظر ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اس مسئلے میں روایت ہذا ان کے نزدیک مدار طعن اور محور اعتراض ہے۔

جواب

مذکورہ اعتراض کے جواب میں اس موقع پر چند امور پیش کیے جاتے ہیں بشرط انصاف ان پر نظر غائر

فرمانے کے بعد اعتراض کا ازالہ ہو جائے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

❶ روایت ہذا میں نبی اقدس ﷺ کی ایک پیش گوئی کا ذکر خیر ہے جو اپنے مقام پر درست اور صحیح ہے۔ جمہور محدثین نے روایت ہذا کی صحت کا قول کیا ہے۔ اور اصل روایت کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اگرچہ بعض لوگ اس روایت کی عدم صحت کا قول کرتے ہیں مگر یہ چیز درست نہیں اور جمہور محدثین کا موقف یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

❷ روایت بالا کی صحت تسلیم کر لینے کے بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ دراصل روایت ہذا دو طرح پر منقول ہے:

اس کی ایک شکل تو وہ ہے جو عام طور پر مروی ہے اور بخاری شریف وغیرہ میں ہے یعنی بنائے مسجد نبوی کے وقت آنجناب ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرمایا کہ

((ويع. عمار! تقتلك الفئة الباغية))

اور اس کی دوسری صورت وہ ہے جو امام بخاری رضی اللہ عنہ نے تاریخ صغیر میں ذکر کی ہے اور وہ اس طرح ہے کہ

((قال سعد بن عامر القرظي قال حدثني ام عمار (حاضنة لعمار) قالت اشتكى عمار قال لا اموت في مرضي حدثني حبيبي رسول الله ﷺ اني لا اموت الا قتلا بين فئتين مؤمنين))

”یعنی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی حضانت و نگہداشت کرنے والی خاتون کہتی ہیں کہ ایک بار عمار رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے (ہم لوگ ان کی بیماری کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے) تو عمار رضی اللہ عنہ کہنے لگے (پریشان نہ ہوں) اس بیماری میں میری موت نہیں آئے گی۔ وجہ یہ ہے کہ میرے حق میں میرے حبیب (ﷺ) کا ارشاد ہے کہ ایمانداروں کی دو جماعتوں کے درمیان میں مقتول ہوں گا اور اس صورت میں میری موت واقع ہوگی۔“

اس روایت کی روشنی میں ذیل اشیاء ثابت ہوتی ہیں:

- ۱۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی موت قتل کی صورت میں ہوگی یعنی بستر پر موت نہیں آئے گی۔
- ۲۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی موت مؤمنین کی دو جماعتوں کے درمیان واقع ہوگی۔
- ۳۔ یہ دونوں جماعتیں ایماندار ہوں گی بے ایمان نہیں ہوں گی۔
- ۴۔ ان دو جماعتوں کا باہم تنازع یا مابہ الاختلاف کا معاملہ ایسا نہیں ہوگا کہ ان کو ایمان سے خارج کر

ڈالے اور یہ دینی حدود سے متجاوز ہو جائیں بلکہ وہ مجتہد فیہ مسئلہ کے درجے میں ہوگا۔

❶ اصل روایت کی صحت مسلم ہونے اور اس کی دوسری شکل پیش کر دینے کے بعد یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ رواۃ اور ناقلین کی طرف سے روایت کی پہلی شکل میں ادراجات اور اضافے پائے گئے ہیں، اور یہ تمام ظنِ راوی ہے اصل روایت کا حصہ نہیں، اور مدارِ طعن یہی کلمات ہیں، ان کی وجہ سے طاعنین نے طعن پیدا کر لیے ہیں۔ ان کی نشاندہی کر دینے سے مسئلہ صاف ہو جاتا ہے اور قابل اشکال نہیں رہتا۔

یہ کلمات (یدعوہم الی الجنة ویدعونہ الی النار) صرف راویِ عکرمہ نے نقل کیے ہیں۔ اس روایت کے نقل کرنے والے دوسرے راوی ان کلمات کو نہیں ذکر کرتے۔ یہ الفاظ صرف عکرمہ سے مروی روایات میں ہی پائے جاتے ہیں۔

❷ بندہ کی ایک خام جستجو کے مطابق یہ روایت قریباً بیس سے زائد مصنفین نے نقل کی ہے اور ان میں

۱۔ اہل علم کی تسلی کے لیے ان تصانیف کا ذکر کر دینا مفید سمجھا گیا ہے جن میں روایت ”الفتنۃ الباغیہ“ نقل کی گئی ہے لیکن ان مقامات پر ”یدعوہم الی الجنة ویدعونہ الی النار“ اور کلمہ ”لا انا لہا اللہ شفاعتی یوم القیامۃ“ وغیرہ میں سے کوئی ایک کلمہ بھی نہیں پایا گیا:

❶ مسلم شریف ج ۲ کتاب الفتن باب اشرار الساعۃ (دو بار)

❷ ترمذی شریف ابواب المناقب (مناقب عمار)

❸ خصائص علی (امام نسائی) (متعدد بار مروی ہے)

❹ مصنف عبد الرزاق ج ۱۱

❺ صحیح ابن حبان ج ۸، ۹ (متعدد بار)

❻ سند ابوداؤد طیالسی تحت احادیث زید بن ثابت

❼ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵، کتاب الجمل، باب ما ذکر فی الصفین (دو بار)

❽ سند امام احمد ج ۲، ۳، ۴، ۵، ۶

ان مقامات پر صرف ایک روایت جو عکرمہ کے ذریعے سے مروی ہے اس میں (یدعوہم الی الجنة) کا اضافہ پایا گیا ہے باقی مقامات پر دستیاب نہیں ہوا۔

❾ مستدرک حاکم ج ۳، ابواب فضائل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (متعدد بار)

❿ طبقات ابن سعد ج ۳ تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (متعدد بار)

⓫ دلائل النبوة (بیہقی) ج ۶ (تین بار)

⓬ کتاب الاعتقاد علی مذہب السلف (بیہقی) ص ۳۷۴-۳۷۵ طبع بیروت (۲ عدد روایت)

⓭ شرح السنہ (بخاری) ج ۱۴ باب مناقب عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

⓮ مجمع الزوائد (بیہقی) ج ۹ باب فضل عمار (بحوالہ ابی یعلیٰ، بزار، طبرانی) (متعدد بار)

سے بعض تصانیف میں روایت ہذا متعدد اسانید سے مروی ہے۔ حتی المقدور جستجو کر کے یہ چیز ان کتب سے اصل ماخذ ملاحظہ کرنے کے بعد پیش کی جا رہی ہے۔ اس تحقیق کو نقل در نقل پر محمول نہ کر لیا جائے۔ نیز یہ چیز بھی ملحوظ رہے کہ یہاں ہمارا کلام اس مسئلہ میں مرفوع و متصل روایات کے متعلق ہے اور جو روایات غیر مرفوع اور مرسل یا غیر متصل ہیں یہ بحث ان کے اعتبار سے نہیں کی جا رہی ہے۔

مندرجہ بالا مرویات میں سے قریباً دو تین اسانید جو عکرمہ عن ابن عباس منقول ہیں صرف ان میں یہ کلمات پائے گئے ہیں۔ بندہ کی ایک ناقص تلاش کے مطابق ان کے ماسوا کسی صحیح مرفوع و متصل روایت میں کلمات ہذا دستیاب نہیں ہو سکے جس میں عکرمہ راوی نہ ہو۔ تا حال یہی تحقیق ہے۔ والعلم عند اللہ۔ بنا بریں یہ واضح کر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ یہ کلمات (یدعوہم الی الجنة ویدعونہ الی النار) عکرمہ کی طرف سے ادراج فی الروایہ ہیں اور یہ اضافہ ظن راوی کے درجے میں ہے اور صرف اس کی طرف سے یہ کلمات اضافہ کیے گئے ہیں۔ یہ مرفوع اور متصل روایت کا حصہ نہیں ہیں۔ اس کے بعد عکرمہ کے متعلق چند ایک چیزیں پیش کی جاتی ہیں جو اس ادراج کا پس منظر واضح کرنے میں مدد و معاون ہو سکتی ہیں:

① عکرمہ مولیٰ ابن عباس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا غلام اور شاگرد ہے اور اس کا اصل نام ابو عبداللہ عکرمہ البربری المدنی مولیٰ ابن عباس ہے۔

② عکرمہ کے متعلق علمائے رجال نے توثیق بیان کی ہے اور اس کی وثاقت اور عدالت کو کامل طور پر ذکر کیا ہے (جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے) اور یہ کوئی مخفی امر نہیں ہے۔

③ اس کے باوجود علمائے رجال نے مندرجہ ذیل چیزیں بھی عکرمہ کے بارے میں نقل کی ہیں:

الف: ((قال ابو خلف الخزار عن یحیی البکاء سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہما یقول
لنافع اتق الله ویحک یا نافع ولا تکذب علی کما کذب عکرمہ علی ابن

←

⑮ تاریخ ابن جریر طبری ج ۶ تحت مقتل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

⑯ تاریخ ابن جریر طبری ج ۱۳ تحت من مات او قتل فی سنہ ۳۷ھ

⑰ حلیۃ الاولیاء (ابونعیم) ج ۳ تحت عبداللہ بن ابی ہذیل (تین بار)

⑱ حلیۃ الاولیاء (ابونعیم) ج ۷ تحت شعبہ بن حجاج (متعدد بار)

⑲ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ج ۵، ۵، ۲ (متعدد بار)

⑳ کنز العمال (متقی البندی) ج ۶، باب صفین، فضائل عمار رضی اللہ عنہ (متعدد بار)

㉑ کنز العمال، متقی البندی ج ۷ کتاب الفضائل تحت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (متعدد بار)

㉒ تاریخ ابن عساکر ج ۱۲ ص ۶۳۳ (مخطوط قلمی) تحت تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

عباس))^۱

ب: ((عن سعید بن المسیب انه كان يقول لغلامه برد: يا برد لا تكذب علي
كما يكذب عكرمة علي ابن عباس))^۲

ج: ((علي بن عبدالله بن عباس انه قال عكرمة يكذب علي ابي))^۳

د: ((قال علي بن المديني كان عكرمة يري راى نجدة الحروري))^۴

ه: ((ولكنه كان يري راى الخوارج راى الصفرية))^۵

و: ((قال وكان عكرمة يري راى الاباضية))^۶ (فرقة من الخوارج تنسب الى
عبدالله بن اباض)

ز: ((عكرمة مولى ابن عباس من اوعية العلم تكلموا فيه لراية لا لحفظه اتهم
براي الخوارج وثقه غير واحد الخ))^۷

ح: ((قال يحيى وبلغنا عن عكرمة انه كان لا يقول هذا (اي قول الخوارج) و
هذا باطل))^۸

مندرجہ بالا چند امور جو عکرمہ کے متعلق پیش کیے ہیں ان سے مقصد یہ ہے کہ عکرمہ ذاتی طور پر اباضیہ
صفریہ اور نجدہ حروری کی رائے رکھتا تھا۔ اور یہ لوگ جس طرح نظریاتی طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے
خلاف تھے اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے بھی فکری اور نظری طور پر مخالف تھے۔ ان
کو تاریخ میں خوارج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ان حالات کے اعتبار سے اگر عکرمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مقام و مرتبہ اور ان کی جماعت کے

۱۔ تہذیب التہذیب ص ۲۶۷-۲۶۸ ج ۷ تحت عکرمہ مولى ابن عباس رضی اللہ عنہما

۲۔ کتاب المعرفة والتاریخ (بسوی) ص ۵ ج ۲ تحت عکرمہ مولى ابن عباس رضی اللہ عنہما

۳۔ تہذیب التہذیب ص ۲۶۷-۲۶۸ ج ۷ تحت عکرمہ مولى ابن عباس رضی اللہ عنہما

۴۔ تہذیب التہذیب ص ۲۷۸ ج ۷ تحت عکرمہ مولى ابن عباس رضی اللہ عنہما

۵۔ کتاب المعرفة والتاریخ ص ۷ ج ۲ تحت عکرمہ مولى ابن عباس رضی اللہ عنہما

۶۔ اکمال (ابن عدی) ص ۱۹۰۵ ج ۱ تحت عکرمہ مولى ابن عباس رضی اللہ عنہما

۷۔ طبقات ابن سعد ص ۲۱۶ ج ۵ (طبع لیڈن) تحت عکرمہ

۸۔ کتاب المعرفة والتاریخ (بسوی) ص ۱۲ ج ۲ تحت عکرمہ مولى ابن عباس رضی اللہ عنہما

۹۔ المغنی فی الصحفاء (ذہبی) ص ۳۳۸ ج ۲ تحت عکرمہ مولى ابن عباس رضی اللہ عنہما

۱۰۔ التاریخ (یحییٰ بن معین التوتنی ۲۳۳ھ) ص ۴۱۲ ج ۲، ص ۱۰۶ ج ۳

خلاف کوئی بات اپنی طرف سے روایت میں درج کرے تو یہ ممکن ہے۔ یہ چیز ادراج شمار ہوگی، افتراء نہیں۔ اور ہم اسے بھی ایک احتمال کے درجے میں ذکر کر رہے ہیں۔

③ اس مقام پر یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ مذکورہ کلمات نقل کرنے میں عکرمہ کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم اسے ادراج نہ کہتے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس راوی کا روایت کے متعلق متابع نہ پایا جائے وہ قابل تسلیم نہیں سمجھی جاتی اور اس پر کامل اعتماد نہیں ہوتا۔ اس بنا پر یہ مدرج کلمات لائق اعتبار نہیں ہیں۔

علی سبیل التنزل

اگر اس نقد سے قطع نظر کر لی جائے تو علمائے کرام نے ان کلمات کے محمل کے لیے متعدد توجیہات ذکر کی ہیں:

① عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اسلام کے ابتدائی دور میں کفار کی طرف سے ایذا رسانی کی جاتی تھی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو اسلام ترک کرنے پر مجبور اور مقہور کیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود آپ توحید اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اس ابتدائی اور آزمائشی دور میں بعض دفعہ نبی اقدس ﷺ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:

① ((فان رسول اللہ ﷺ قال لعبت قریش بعمار "ما لهم ولعمار؟ عمار يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار))^۱

”یعنی اس حال میں کہ قوم قریش عمار کے ساتھ ایذا رسانی کرتے ہوئے کھیل بناتے تھے نبی اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ان کے لیے اور عمار کے لیے کیا ہے؟ عمار ان کو جنت کی طرف دعوت دیتا ہے اور یہ لوگ اسے دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔“

② اور بعض جگہ اسی روایت کے آخر میں مزید یہ کلمات بھی پائے جاتے ہیں وذاك داب

الاشقياء الفجار^۲

”یعنی یہ فاجر اور شقی لوگوں کا طریقہ ہے جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے۔“

اسی مفہوم کو صاحب فیض الباری الشیخ الکبیر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل عبارت میں بیان کیا ہے۔

۱ البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۶۸ ج ۷ تحت بحث صفین

۲ تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی) ص ۶۲۶ ج ۱۲ تحت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

۳ فضائل الصحابہ (امام احمد) ص ۸۵۸ ج ۲ تحت فضائل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

کنز العمال (علی متقی البندی) ص ۵۔ ۶ تحت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کتاب الفضائل

تاریخ ابن عساکر (مخطوط قلمی) ص ۶۲۶ ج ۱۲ تحت تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

④ ((اما قوله "يدعوهم الى الجنة" فاستيناف لحاله مع المشركين و قريش العرب و اشارة الى المصائب التي اتت عليه من جهة قريش و تعذيبهم والجماءهم اياه على ان يكفر بربه فابى الا ان يقول الله احد وفيه قلت باده نوشان غمت داود و معروف و جنيد جان فروشان درت عمار و سلمان و بلال فهذه حكاية للقصبة الماضية و منقطعة عما قبلها لا اخبار عن حال قاتليه))^۱

”یعنی یدعوہم الی الجنة والا جملہ مستانفہ ہے اور مشرکین و قریش عرب کے حال کو بیان کرنے کے لیے ہے اور وہ مصائب جو قریش کی طرف سے تعذیب اور جبر کی صورت میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر وارد کیے گئے تھے ان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ عمار رضی اللہ عنہ کو اپنے رب کے ساتھ کفر پر مجبور کرتے تھے اور عمار انکار کرتے ہوئے ”اللہ احد“ پکارتے تھے۔ پس یہ جملہ گزشتہ قصہ کی حکایت کے طور پر منقول ہے اور اپنے ماقبل سے منقطع ہے اور عمار رضی اللہ عنہ کے قاتلین کے حال کے ساتھ اس جملے کا تعلق نہیں۔ اور اسی کیفیت کے مناسب جناب حضرت شاہ صاحب رضی اللہ عنہ نے مذکورہ فارسی شعر ذکر فرمایا ہے۔“

مختصر یہ ہے کہ یہ جملہ اگر واقع میں روایت کا جز ہے تو اس کا محل اور محل سابقہ ابتلائی آزمائشی دور ہے اور رواۃ نے اپنے تصرفات کی بنا پر اہل اسلام کے باہم قتال کی طرف لگا دیا ہے جو مقام ”صفین“ میں پیش آیا تھا۔

④ اور اگر ان کلمات کا سابق دور کے ساتھ تعلق نہ بھی بنایا جائے تو علمائے کرام نے ان کلمات کا مفہوم ذیل صورت میں ذکر کیا ہے:

((فالجواب انهم كانوا ظانين انهم يدعون الى الجنة وان لم يكونوا كذلك بحسب الواقع لكنهم معذورون للتاويل الذي ظهر لهم لكونهم مجتهدين لا لوم عليهم))^۲

اور اسی طرح شارح بخاری شریف علامہ کرمانی رضی اللہ عنہ نے بھی یہی توجیح ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ ((قلت انهم كانوا ظانين انهم يدعون الى الجنة وان كان في الواقع دعاء الى

۱ فیض الباری (الشیخ مولانا محمد نور شاہ صاحب کشمیری) ص ۵۲ ج ۲ تحت الحدیث (طبع مجلس علمی، ڈابھیل)

۲ فتح الباری شرح صحیح البخاری (ابن حجر) ص ۴۳۰ ج ۱، کتاب الصلوٰۃ باب التعاون فی بناء المسجد

فیض الباری حاشیہ بخاری شریف ص ۵۲ ج ۲ باب التعاون فی بناء المسجد

لامع الدراری علی جامع البخاری ص ۷۳ ج ۱ طبع اول (ہند)

النار وهم مجتهدون يجب عليهم متابعة ظنونهم))^۱
 ”ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقاتلہ کرنے والے اپنے زعم میں جنت کی طرف دعوت دے رہے ہیں اگرچہ واقع کے اعتبار کے غلطی پر تھے لیکن وہ اپنی تاویل فکر کی بنا پر مجتہد معذور کے درجے میں تھے۔ ان پر اپنے ظن و گمان کی متابعت لازم تھی فلہذا یہ لوگ قابل ملامت و مذمت نہیں۔“

❦ دیگر توجیہ

روایت مذکورہ کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت پر بغاوت کا اطلاق کیا جاتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امیر جماعت تھے فلہذا ان پر بھی اطلاق بغاوت ہوتا ہے۔

اس چیز کے متعلق اہل علم حضرات دیگر توجیہات کے علاوہ ایک یہ توجیہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ ان ایام میں جو حالات پیدا ہو گئے اور اس دور کے جو تقاضے سامنے آئے وہ بہت ہی نازک مراحل تھے، ان کی صحیح کیفیات کا اندازہ بعد والے لوگ نہیں لگا سکتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت خلیفہ برحق کے خلاف جو اقدام کیا تھا وہ بہ تقاضائے حالات ایک امر مجبوری تھا۔ اس کی مثال اس مسئلے کی شکل میں سمجھ لی جائے کہ نمازی کے لیے نماز کو بلاوجہ توڑ دینا ناجائز اور ممنوع ہے لیکن اگر دیکھے کہ نابینا شخص ہے اور آگے کنواں ہے یا بچے کا چھت پر سے گر جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ، تو ایسے وقت میں بن کو بچانے کے لیے نماز کی نیت توڑ دینا واجب ہے۔

اسی طرح بغاوت کے مسئلے میں یہ یہی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے میں اس وقت بغاوت ایسی ہی ضروری تھی جیسا کہ مذکورہ بالا مسئلے میں نقض صلوٰۃ ہے۔ فلہذا انہوں نے ان تقاضوں کے تحت خلیفہ وقت سے اختلاف اپنے اجتہاد فکر کی بنا پر کیا تھا۔ تاہم علماء نے اس خلاف کے متعلق درج ذیل قول تحریر کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ میں مباحث صفین کے تحت ذکر کیا ہے کہ

((ان اهل السنة اجمعوا على ان من خرج على علي كرم الله وجهه خارج على الامام الحق الا ان هذا البغى الاجتهادي معفو عنه))^۲

”یعنی اہل سنت و الجماعت کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کھڑے ہونا بنا بر اجتہاد ہے اور وہ ان کے حق میں معاف ہے۔“

۱ شرح کرمانی علی البخاری ص ۱۰۷-۱۰۸ ج ۴ کتاب الصلوٰۃ باب التعاون فی بناء المسجد

۲ النابیہ عن طعن معاویہ ص ۳۸ تحت الجواب التاسع، طبع ملتان

دوسرا جملہ

روایت مذکورہ میں بعض مقامات پر یہ کلمات (لا انا لها اللہ شفاعتی یوم القيامة) پائے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق کبار علماء نے صاف فیصلہ دے دیا ہے کہ یہ بالکل بے اصل اور موضوع ہیں اور دروغ محض ہیں۔ چنانچہ علمائے کرام فرماتے ہیں:

① ((واما قوله "لا انا لها اللہ شفاعتی" فکذب مزید فی الحدیث لم یروہ احد من اهل العلم باسناد معروف))^۱

② ((ومن زاد فی هذا الحدیث بعد تقتلک الفئة الباغیة لا انا لها اللہ شفاعتی یوم القيامة فقد افتری فی هذه الزیادة علی رسول اللہ ﷺ فانه لم یقلها اذ لم تنقل من طریق تقبل واللہ اعلم))^۲

③ ((وما زاده الروافض فی هذا الحدیث بعد قوله "الباغیة" لا انا لها اللہ شفاعتی یوم القيامة" فهو کذب و بحت علی رسول اللہ ﷺ فانه قد ثبت الاحادیث عنه صلوات اللہ علیہ وسلامہ بتسمیة الفريقین مسلمین))^۳

"مطلب یہ ہے کہ روایت مذکورہ بالا میں اس نوع کے کلمات بعض مخالفین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اضافہ کر دیے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی طرف غلط انتساب کیا ہے کیونکہ نصوص میں باہم قتال کرنے والے دونوں فریقوں کو آنجناب ﷺ نے "مسلمان اور مومن" فرمایا ہے اور یہ اہل اسلام کے دونوں فریق ہیں (اگرچہ ایک فریق حقیقت میں حق پر ہے اور دوسرا فریق اپنے زعم میں حق پر ہے)۔"

اہل اسلام کے لیے نبی اقدس ﷺ کی شفاعت علی حسب الاذن سب کے لیے ہو سکتی ہے فلہذا قیامت کے دن مسلمان کے لیے شفاعت نبوی کی نفی کرنا درست نہیں۔
اختتام بحث ہذا میں

① اولاً یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ مسئلہ ہذا کے یہ تمام مراحل روایت کی شکل اول پر مبنی تھے (جس میں "الفئة الباغیة" کے الفاظ پائے جاتے ہیں) اور اس روایت کی دوسری شکل جو حاضنہ عمار سے منقول و مروی ہے (انی لا اموت الا قتلا بین فیئتین مومنین) جس طرح کہ ابتدائے بحث میں بیان کر دیا گیا

۱۔ منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۹۳ ج ۳ تحت بحث ہذا

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱۸ ج ۳ تحت فصل فی بناء المسجد..... الخ

۳۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۷۱ ج ۷ تحت بحث قتل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما..... الخ (طبع اول مصر)

ہے۔ اس روایت کی روشنی میں معاملہ بالکل واضح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی جماعت سمیت صفت ایمان سے متصف ہیں اور باغی و طاغی نہیں۔

روایت کی ایک صورت اختیار کر کے اس پر کئی نتائج اپنی طرف سے متفرع کرنا اور اس فرمان نبوی کے دیگر پہلو کو نظر انداز کر دینا دین و انصاف کے تقاضوں کے برخلاف ہے۔ نیز اختلاف رائے کے ایک وقتی دور کے گزر جانے کے بعد ان پر یہ الزامات قائم کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔

② ثانیاً یہاں یہ ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں کہ تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ ان مشاجرات کے بعد حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ۴۰ھ میں صلح و مصالحت ہو گئی تھی پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ کی بھی ربیع الآخری یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح ہو گئی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کر لی۔ اس ”صلح“ اور ”بیعت“ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمام اہل اسلام کے لیے خلیفہ برحق تجویز ہو گئے اور صحیح امام المسلمین اور امیر المؤمنین ٹھہرے۔ اس ابتلائی دور کے گزر جانے کے بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باغی نہیں، نہ طاغی ہیں، نہ فاسق ہیں نہ جائز ہیں اور نہ ظالم ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ زیر بحث روایت کا تعلق ایک خاص دور کے ساتھ ہے اس کے ختم ہو جانے کے بعد پھر ان مسائل کو کھڑا کرنا اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف ہے اور محاسبہ آخرت سے بے فکری کا مظاہرہ ہے۔ اس چیز کو قبل ازیں ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ (مباحث صفین) میں تحت روایت ہذا ذکر کر دیا ہے اور یہاں یہ چیز اہم اضافہ جات کے ساتھ بطور یاد دہانی کے دہرائی گئی ہے۔

۱ تاریخ طبری ص ۸۱ ج ۶ تحت سنہ ۴۰ھ

الکامل (ابن اسیر جزئی) ص ۱۹۳ ج ۳ تحت سنہ ۴۰ھ

البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

طلاق کی بحث

معرض لوگ طلاق کی بحث کو اس طرح بیان کرتے ہیں گویا ”طلاق“ حقارت اور نفرت کا کلمہ ہے اور جن لوگوں کے حق میں یہ کلمہ استعمال کیا گیا وہ قابل نفرت اور حقارت تھے۔ اور طاعنین ان حضرات کو طلاق ابن طلیق کہہ کر مذمت کے عنوانات سے نوازتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کو اس طعن کا خاص مورد گردانتے ہیں۔

جواب

اس بحث کے لیے ذیل میں ہم چند امور بیان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کو ملاحظہ فرما کر قارئین کرام اطمینان حاصل کر سکیں گے۔

اس مسئلے کی وضاحت کے لیے یہ چیز معلوم کرنا ضروری ہے کہ جناب سید الکونین رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات کس موقع پر اور کس صورت میں ارشاد فرمائے؟ اور آنجناب رضی اللہ عنہم کے مخاطبین کون لوگ تھے؟ چند مخصوص افراد تھے یا عام جماعت تھی؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ”انتم الطلقاء“ کو کلمہ حقارت و نفرت سمجھتے تھے؟ اور کیا طلقاء منصب خلافت کے اہل ہیں یا نہیں؟

کلمہ ”انتم الطلقاء“ کا مورد

کلمہ ”انتم الطلقاء“ ارشاد فرمانے کا موقع اس طرح پیش آیا کہ رمضان المبارک ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر نبی اقدس رضی اللہ عنہم باب کعبہ کے پاس قیام فرمائے اور وہاں مختلف احکامات صادر فرمائے۔ ان فرامین میں سے ایک فرمان درج ذیل ہے:

”اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے دور جاہلیت کا تکبر و غرور اور اپنے آباء و اجداد کے ساتھ نفرت و تفاخر دور فرما دیا ہے۔ تمام لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ..... پھر فرمایا اے گروہ قریش! تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ لوگوں نے کہا: آپ بہتر معاملہ کریں گے کیونکہ آپ مہربان اور شریف ہیں اور مہربان اور شریف کی اولاد ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا ((اذہبوا انتم

«طلقاء» یعنی تم سب کو معافی دی گئی، رخصت ہو جاؤ۔»

ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ:

((ثم قال يا معشر قريش! ما ترون اني فاعل فيكم؟ قالوا خيرا اخ كريم وابن

اخ كريم قال اذهبوا فانتم الطلقاء))^۱

”یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے قریش کی جماعت! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں

تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ آپ ہمارے ساتھ خیر و

سلامتی سے پیش آئیں گے۔ آپ مہربان بھائی ہیں اور مہربان بھائی کے فرزند ہیں۔ آنجناب

ﷺ نے فرمایا تم لوگ رخصت ہو جاؤ، تمہیں معافی دی گئی ہے۔“

پھر آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ (عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ تھے)۔ پس ان

کو بلایا گیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو نبی اقدس ﷺ نے انہیں کلید کعبہ عنایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اليوم يوم برو ووفاء))^۲

”یعنی آج احسان و وفا کا دن ہے (بدلہ لینے اور سزا قائم کرنے کا دن نہیں ہے)۔“

ابن خلدون رضی اللہ عنہ نے اس مقام پر اسی مضمون کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((ثم من على قريش بعد ان ملكهم يومئذ وقال اذهبوا فانتم طلقاء

واسلموا))^۳

”یعنی سردار دو عالم ﷺ نے اس روز قریش پر قابو پاتے کے بعد احسان جتلاتے ہوئے ارشاد

فرمایا: تم کو معافی دی گئی ہے رخصت ہو جاؤ اور اسلام میں داخل ہو جاؤ۔“

طلقاء کے مخاطبین

یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ خطبہ مذکورہ کے وقت قریش مکہ کے متعدد قبائل پیش خدمت تھے۔ ان

تمام حاضرین سے سردار دو جہاں ﷺ نے خطاب فرمایا، کوئی ایک قبیلہ یا چند مخصوص افراد مخاطب نہیں تھے اور

خواص افراد کے لیے کوئی خصوصی خطاب نہ تھا بلکہ اس وقت آنجناب ﷺ کی خدمت میں بہت سے قبائل

۱ سیرت ابن ہشام ص ۴۱۲ ج ۲ تحت طواف الرسول بالبیت

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۱ ج ۳ تحت احوال فتح مکہ، طبع معمر

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۱ ج ۳ تحت احوال فتح مکہ

۴ تاریخ ابن خلدون ص ۵ ج ۳ قسم اول تحت دولت بنی امیہ طبع بیروت

۵ علمائے کرام نے اس مقام پر یہ صراحت کی ہے کہ فتح مکہ کے دن جو قبائل مسلمان ہوئے تھے وہ دو ہزار کے قریب قریب ←

حاضر تھے مثلاً بنی تیم، بنی عدی، بنی مخزوم، بنی خزیمہ، بنی اسد، بنی نوفل، بنی زہرہ، بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب (بنو امیہ) وغیرہ وغیرہ قبائل موجود تھے۔

ان تمام حاضرین کے حق میں فرمان نبوت صادر ہوا تھا کہ اذہبوا انتم الطلقاء اور آنجناب ﷺ نے اس وقت اپنے خطبے میں یا معشر قریش کے الفاظ متعدد بار استعمال فرمائے تھے چنانچہ یہی الفاظ اس بات کا قرینہ ہیں کہ آنجناب ﷺ کا مخصوص افراد یا مخصوص قبیلہ سے خطاب کرنا مقصود نہ تھا۔ فلہذا بنو امیہ کے مخصوص چند افراد مثلاً ابوسفیان، امیر معاویہ، ولید بن عقبہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح وغیرہ رضی اللہ عنہم کو طلقاء طلقاء کہہ کر عوام میں نفرت پھیلانا درست نہیں۔

نیز ”الطلاق“ کا کلمہ صرف معافی کے الفاظ ہیں، یہ کلمات کوئی مذمت یا حقارت و تحقیر کے لیے نہیں کہ جن سے عوام میں تنفر و نفرت پیدا کی جائے۔ مزید برآں یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ اس لفظ کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں باہمی حقارت اور تنفر قائم نہیں تھا اور نہ یہ الفاظ ان حضرات کے حق میں بطور طعن استعمال کیے جاتے تھے۔

طلاق کے لیے مناسب

اب اس کے بعد یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے والے احباب اس مسئلے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں کہ طلقاء جس طرح منصب خلافت کے لیے اہل نہیں اسی طرح کسی دیگر منصب کے بھی اہل نہیں۔

افراد تھے۔ ان میں سے بعض حضرات اسلام لانے کے بعد اخیار المسلمین میں شمار کیے گئے مثلاً حارث بن ہشام، سہل بن عمرو، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، یزید بن ابی سفیان، حکیم بن حزام، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (ہاشمی)، عتاب بن اسید اور معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ۔ یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ان کا اسلام مقبول و منظور ہوا۔

مزید برآں اس مقام پر یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ محترمہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا بھی اسی موقع پر مشرف باسلام ہوئیں اور بقول خود طلقاء کے خطاب میں شامل تھیں۔ اور دیگر ہاشمی حضرات کے ساتھ معافی پانے والے افراد کے زمرے میں داخل تھیں۔ کیونکہ کلمہ ”انتم الطلقاء“ میں دیگر قبائل کے ساتھ بنی ہاشم کے وہ افراد بھی وہ جو قبل ازیں اسلام نہ لائے تھے شامل و شریک تھے۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کا مختصر حال ہم نے سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں عنوان ”خواہران“ (بہن) کے تحت ذکر کر دیا ہے۔

۱ منہاج السنہ ص ۲۰۲ ج ۲ تحت قول الرافضی ان رسول اللہ ﷺ طعن معاویہ طلق ابن طلق

۲ تاریخ الخلیفہ ص ۱۶۳ ج ۱ تحت اولاد ابی طالب، ص ۲۷۱ ج ۲ تحت ذکر من خطب ﷺ من النساء۔ الخ

گویا معترضین کے نزدیک اسلامی معاشرے میں طلقاء کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں اور نہ وہ کسی منصب دیے جانے کے اہل ہیں اور ان کو اہل اسلام ہمیشہ حقارت و نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اسلام میں اور مسلمانوں میں ان کو کوئی اعزاز حاصل نہیں۔

طاعنین کے ان نظریات کے جواب میں مختصراً ہم مندرجہ ذیل چیزیں پیش کرتے ہیں، بنظر انصاف انہیں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں سے ان حضرات کا مقام و مرتبہ خود بخود واضح ہو جائے گا، کسی سوال و جواب کی حاجت نہ رہے گی:

① عہد نبوی میں فتح مکہ کے بعد نبی اقدس ﷺ نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ (جو طلقاء میں سے ہیں) کو مکہ مکرمہ کا والی اور حاکم مقرر فرمایا۔

((وعتاب بن اسید رضی اللہ عنہ الذی ولاہ النبی ﷺ مکة لما فتحها))^۱

② ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ جو طلقاء میں سے تھے اور بنی امیہ کے روساء میں سے تھے ان کو نبی اقدس ﷺ نے کئی اہم مناصب عنایت فرمائے مثلاً:

① قبیلہ بنی ثقیف میں ایک لات نامی بت کو گرا کر پاش پاش کرنے کے لیے ان کو روانہ فرمایا۔

((وبعثہ (مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ بعد اسلام اهل الطائف هو

و ابوسفیان بن حرب فهدما اللات))^۲

② جناب نبی کریم ﷺ نے نجران کے علاقے پر ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو عامل اور حاکم بنا کر ارسال فرمایا

((واستعملہ (ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ علی نجران))^۳

③ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر کبیر ہیں ان کو نبی اقدس ﷺ نے بنی فراس کے صدقات پر عامل بنا کر بھیجا۔

① ((واستعملہ (یزید بن ابی سفیان) النبی ﷺ علی صدقات بنی فراس

وکانوا احوالہ))^۴

۱ منہاج السنۃ النبویہ ص ۲۰۲ ج ۲ تحت قال الرضی مع ان رسول اللہ ﷺ لعن معاویہ الطریق بن الطریق

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۳۵ ج ۵ تحت قدم وفد ثقیف

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۹ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ تحت احوال مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

۴ کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۱۲۲ تحت ولد حرب بن امیہ

۵ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۶۲ ج ۱ تحت عمال نبوی

ابو جعفر بغدادی نے کتاب الحجر میں لکھا ہے کہ آنجناب ﷺ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو تینا کے علاقے کا امیر مقرر فرمایا۔

④ ((یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (امرہ) علی تیماء))

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما جو طلقاء میں سے ہیں ان کو جناب نبی کریم ﷺ نے دیگر کاتبان وحی مثلاً زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کتابت وحی کے منصب پر فائز فرمایا۔

① ((وكان زيد بن ثابت رضي الله عنه من ألزم الناس لذلك ثم تلاه معاوية بعد الفتح فكانا ملازمين للكتابة بين يديه رضي الله عنه في الوحى وغير ذلك لا عمل لهما غير ذلك))

”یعنی زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (فتح مکہ کے بعد) اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں آنجناب ﷺ کی خدمت اقدس میں کتابت کے لیے حاضر باش خادم تھے، چاہے وحی کی کتابت ہو یا غیر وحی کی کتابت ہو۔ ان کے ذمہ دیگر کام نہیں تھا۔“

② اور عہد نبوی میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو ایک قطعہ اراضی دینے کے لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ (یمن کے علاقے میں حضرموت کے مقام پر سے یہ قطعہ زمین عنایت فرمایا گیا تھا)۔

((واقطعه ارضا وارسل معه معاوية بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وقال اعطها اياه))

یہ چند ایک مناصب و عہدہ جات (برائے طلقاء) جو عہد نبوت میں عطا فرمائے گئے تھے بطور نمونہ ذکر کیے گئے ہیں اور حضرات شیخین کے عہد میں بھی طلقاء کو متعدد مناصب عطا کیے گئے لیکن اس مسئلے کی تفصیلات میں ہم نہیں گئے۔ رفع اعتراض کے لیے اسی قدر کافی خیال کیا گیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ طلقاء حضرات عہد نبوی رضی اللہ عنہم میں حقارت و ذلت کی نگاہ سے ہرگز نہیں دیکھے جاتے تھے بلکہ اسلام و اہل اسلام کی نظروں میں صاحب وقار اور باعزت افراد تھے۔ اسی بنا پر طلقاء کو یہ مناصب عطا

۱ الاصابہ مع الاستیعاب ص ۶۱۹ ج ۳ تحت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

کتاب الحجر، ص ۱۲۶ تحت امراء رسول اللہ ﷺ

۲ جوامع السیرة (ابن حزم اندلسی) ص ۲۷ تحت کتابہ ﷺ

سیرة طلیہ ص ۳۶۳ ج ۳ باب ذکر الشاہیر من کتابہ ﷺ

۳ الاصابہ ص ۹۶ ج ۳ مع الاستیعاب تحت ذکر وائل بن حجر رضی اللہ عنہما

تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۷۵ ج ۳ تحت ذکر وائل بن حجر رضی اللہ عنہما

مشکوٰۃ شریف ص ۲۹۵ باب احیاء الموات والشرب، الفصل الثانی، طبع نور محمدی، دہلی

فرمائے گئے۔ نیز بنی امیہ اور غیر بنی امیہ کا امتیاز بھی اس مسئلے میں روا نہیں رکھا گیا۔ اموی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف یہ غلط پروپیگنڈا ہے کہ یہ لوگ نگاہ نبوت میں کوئی مقام نہیں رکھتے تھے۔

مندرجہ بالا واقعات ہی ان کے جواب کے لیے کافی شواہد ہیں۔ اس مسئلے کی تفصیلات اگر ملاحظہ کرنی مقصود ہوں تو ہماری کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ (ص ۳۱۶ تا ۳۲۳) کی طرف رجوع کریں اور ہمارے کتابچہ ”حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ“ میں بھی اس مضمون کی وضاحت مل سکے گی۔ بقدر ضرورت مناصب کی تشریحات وہاں درج کر دی ہیں۔

کیا طلقاء خلافت کے اہل ہیں یا نہیں؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر اعتراض قائم کرنے والے احباب ایک یہ اعتراض بھی بڑی آب و تاب سے ذکر کرتے ہیں کہ بعض اکابرین (عبدالرحمن بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ) نے ان کے حق میں فرمایا کہ:

((وهو من الطلقاء الذين لا تجوز لهم الخلافة))

”یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طلقاء میں سے ہیں جن کے لیے خلافت جائز اور صحیح نہیں۔“

اور عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ کا یہ کلام درج ذیل واقعہ میں مذکور ہے:

واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما دونوں بطور قاصد کے تشریف لے گئے اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو حمص کے مقام پر ان دونوں حضرات کی عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ ان دونوں سے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی اور کہا: تعجب کی بات ہے کہ تمہارے لیے یہ کس طرح جائز ہے کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ وہ خلافت کے معاملہ میں شورئی بنائیں، حالانکہ تم جانتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مہاجرین و انصار اور اہل حجاز و عراق نے بیعت کر لی ہے۔ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر رضامند ہو گئے ہیں وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں جو ان کو ناپسند کرتے ہیں، اور جن لوگوں نے ان سے بیعت کی ہے وہ ان لوگوں سے بہتر ہیں جنہوں نے بیعت نہیں کی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے شورئی کے معاملے میں کیا دخل ہے؟ حالانکہ وہ تو ”طلاقاً“ میں سے ہیں جن کے لیے خلافت جائز نہیں۔ وہ اور ان کے باپ احزاب کے سرداروں میں سے تھے۔

عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے جب یہ کلام ان دونوں حضرات نے سنا تو انہیں اپنے فعل (پیغام رسانی) پر ندامت ہوئی اور انہوں نے اس معاملہ سے رجوع کر لیا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ بقول مذکور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے اہل نہ تھے۔

جواب

اس مقام پر بعض چیزیں پیش نظر رکھنے کے قابل ہیں ان کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے اس کے بعد مذکورہ بالا شبہ کا جواب پورا ہو جائے گا مزید کسی بحث کی حاجت نہ رہے گی۔

ناظرین کرام مطلع رہیں کہ سوال میں جو واقعہ عبدالرحمن بن غنم اور ابو ہریرہ و ابو درداء رضی اللہ عنہم کے مابین عتاب اور سرزنش مذکور ہے وہ فی الحقیقت درست نہیں اور غلط ہے۔ اس کے متعلق اکابر علماء نے کلام کر دیا ہے جو ہم ذیل میں ناظرین کرام کے لیے پیش کرتے ہیں:

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ جن کا نام عویر ابن عامر ہے ان کے متعلق اکابر تذکرہ نویسوں نے اصح الاقوال (یعنی صحیح ترین قول) کی بنا پر تصریح کر دی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قریباً دو سال قبل ان کی وفات ہو چکی تھی۔ جب کہ یہ عتاب کا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت ہو جانے کے کافی بعد کا ہے۔ فلہذا عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ سے ابو ہریرہ اور ابو درداء رضی اللہ عنہ کے جس مکالمے کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ فی الحقیقت صحیح نہیں۔

۱ پہلی بات یہ ہے کہ صاحب ”الاستیعاب“ یعنی ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ خود اپنی کتاب میں ابو درداء یعنی عویر ابن عامر کے ترجمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قریباً دو سال پہلے فوت ہو چکے تھے اور اہل اخبار میں سے ایک طائفہ نے کہا ہے کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ صفین کے بعد ۳۸ھ یا ۳۹ھ میں فوت ہوئے لیکن.....

((والاکثر والاشهر والاصح عند اهل الحديث انه توفي في خلافة عثمان بعد ان ولاه معاوية قضاء دمشق))^۱

۱ الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۱۱۷، ج ۳ تحت عویر بن عامر بن قیس (ابی درداء رضی اللہ عنہ)

الاستیعاب (ابن عبدالبر) ص ۶۰-۶۱ ج ۳ تحت ابی درداء رضی اللہ عنہ، طبع مصر مع الاصابہ

یہاں ایک مختصر سی چیز اہل علم کے فائدہ کے لیے درج کرنی مناسب خیال کی گئی ہے جو کتاب ”الاستیعاب“ کے مقام و مرتبہ پر ایک علمی تنقید ہے اور اکابر علماء نے اسے اپنی تصانیف میں درج کیا ہے۔

ومن اجلها واكثرها فوائد كتاب الاستيعاب، ابن عبدالبر لولا ما شانه به من ايراد كثير مما شجر بين الصحابه وحكاياته عن الاخباريين لا المحدثين۔ وغالب على الاخباريين الاكثار والتخليط فيما يروونه^۱

”اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ کی کتاب الاستیعاب اس فن کی کتابوں میں سے بڑی اہم اور کثیر الفوائد کتاب ہے لیکن اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلاف کی کثیر چیزوں کے متعلق محدثین کے ماسوا اخباری لوگوں کی روایات میں مواد ←

۱ علوم الحدیث، ابن صلاح (مقدمہ ابن صلاح) ص ۲۶۲-۲۶۳ تحت النوع ۳۹ (معرفة الصحابة)

”یعنی ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اہل حدیث کے نزدیک اکثر زیادہ مشہور اور زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہو چکے تھے اور اس دور (عہد عثمان) میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دمشق کی قضا کا والی بنایا تھا۔“

۱۰ نیز ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے مقام پر ابو درداء رضی اللہ عنہ کی کنیت کی بحث کے تحت آپ کی وفات کے متعلق متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد یہ الفاظ درج کیے ہیں:

((والصحيح انه مات في خلافة عثمان رضي الله عنه وانما ولي القضاء لمعاوية في خلافة عثمان.....))

”یعنی صحیح قول یہ ہے کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہو گئے اور خلافت عثمانی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قضا کے والی رہے تھے۔“

تھوڑا سا آگے چل کر پھر یہی عبارت ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ نے تحریر کی ہے۔ کہتے ہیں کہ:

((والصحيح انه مات في خلافة عثمان))

اور اس بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ

((وتوفي في خلافة عثمان قبل قتل عثمان رضي الله عنه بستين))

یہاں سے واضح ہو گیا کہ خود ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ کی تحقیق کے موافق ابو درداء رضی اللہ عنہ کی وفات یقیناً خلافت عثمانی میں ہو چکی تھی۔ گویا مصنف کے اپنے قول کے ذریعے سے معاتبہ اور عتاب کے واقعہ کی تردید ہو گئی۔ فلہذا اس واقعہ سے استدلال کرنا درست نہیں۔

اور جن حضرات نے الاستیعاب سے عتاب والا واقعہ نقل کیا ہے اگر وہ اسی کتاب کے دیگر مواقع پر نظر فرما لیتے تو ان پر اس واقعہ کے بے اصل ہونے کی حقیقت واضح ہو جاتی مگر انھوں نے توجہ نہیں کی۔ یہ ان سے تسامح ہو گیا ہے۔

۱۱ ابن اثیر جزری رضی اللہ عنہ نے اسد الغابہ میں عبدالرحمن بن غنم اشعری رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں اس عتاب اور معاتبہ کے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کر دی ہے:

((قلت الذي ذكره ابو عمر (ابن عبدالبر) من معاتبه عبدالرحمن ابا الدرداء

وابا هريرة رضي الله عنهما عندي فيه نظر فان ابا الدرداء رضي الله عنه تقدمت وفاته عن الوقت

الذي بويع فيه علي في اصح الاقوال))

← کی کثرت اور (ردی مواد کی) تخلیص ہوتی ہے۔“

چنانچہ عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ کے تحت عتاب کا مذکورہ واقعہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور واقعات کے اعتبار سے صحیح نہیں۔

۱۲ اسد الغابہ (ابن اثیر جزری) ص ۳۱۹ ج ۳ تحت عبدالرحمن بن غنم الاشعری۔

”یعنی ابن اشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا ابودرداء اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما پر عتاب کا واقعہ جو ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے وہ میرے نزدیک قابل غور اور لائق تامل ہے کیونکہ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی ہے اس سے قبل ابودرداء رضی اللہ عنہ کی وفات ہو چکی تھیں اصح الاقوال بات یہی ہے۔“

۵ اور بیشتر اکابر علمائے رجال نے یہی تحقیق ذکر کی ہے کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات سے قریباً دو سال قبل دمشق میں فوت ہو چکے تھے۔ اس سلسلے میں درج ذیل مقامات ملاحظہ فرمائیں:

① کتاب الجمع بین رجال الصحیحین (ابن قیسرانی) نصف الاول ص ۴۰۵ طبع دکن، تحت عویر بن عامر (ابی درداء رضی اللہ عنہ)

② الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۶ ج ۳ تحت عویر بن عامر مع الاستیعاب

③ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۶۷ ج ۸ تحت عویر (ابی درداء رضی اللہ عنہ)

مندرجات بالا کے ذریعے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ کے عتاب والا واقعہ بے اصل ہے اور واقعات کے برخلاف ہے کیونکہ ابودرداء رضی اللہ عنہ کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے کے مسائل اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلافات بعد میں پیش آئے۔ فلہذا اس ”معاہت اور عتاب“ کی کوئی حقیقت نہیں۔

علی سبیل التسلیم

اگر بالفرض عتاب کا مذکورہ واقعہ ابودرداء رضی اللہ عنہ کی زندگی میں تسلیم کر لیا جائے اور عبدالرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ان ہردو اصحاب کے ساتھ کلام کیا تھا تب بھی اس روایت میں راویوں کی طرف سے آمیخت کر دی گئی ہے یعنی روایت میں ادراج ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ کلمات (وہو من الطلقاء الذین لا تجوز لہم الخلافة) واقعات کے برخلاف پائے گئے ہیں اور جو چیز واقعات کے برخلاف پائی جائے وہ قابل قبول نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے اکابر ساتھیوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے بیعت خلافت کر دی۔

ان تمام حضرات میں سے کسی ایک بزرگ نے بھی اس وقت یہ مسئلہ نہیں پیش کیا کہ طلقاء کے ساتھ بیعت خلافت ناجائز ہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ طلقاء میں سے ہیں فلہذا بیعت خلافت کا انعقاد صحیح نہیں۔ یہاں سے یہ بات واضح ہوئی کہ مذکورہ بالا کلمات (وہو من الطلقاء الذین لا توز لہم الخلافة) بعد میں کسی بزرگ نے روایت میں الحاق کر دیے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح ہے اور یہ اس منصب کے اہل ہیں۔

مولفۃ القلوب ہونے کی تشریح

جس وقت فتح مکہ ہوئی ہے اس وقت قریش کے بہت سے قبائل اور بے شمار لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے نبی اقدس ﷺ نے بعض حضرات کے ساتھ ”تالیف قلب“ کا معاملہ فرماتے ہوئے دیگر مسلمانوں سے زائد بعض چیزیں عنایت فرمائی تھیں اور جہاد کے غنائم میں سے بہ نسبت دوسروں کے ان لوگوں کو حصہ وافر عنایت فرمایا تھا۔

صاحب نبوت ﷺ کی طرف سے یہ ایک حکمت عملی تھی جو وقتی مصالح کے تحت عمل میں لائی گئی۔ یہ کوئی عیب کی چیز نہیں تھی جس کو معائب میں شمار کیا جائے بلکہ سردار انبیاء ﷺ کی طرف سے مشفقانہ اور کریمانہ طرز عمل تھا جس سے جدید الاسلام لوگ بہت متاثر ہوئے، ان کی عزت افزائی ہوئی اور قوت اسلام کے لیے اس کا بڑا نفع ہوا اور یہ طرز عمل ان کے لیے تقویت کا باعث ہوا اور ان کا تذبذب دور ہو کر اسلام مضبوط ہوا۔

اس سلسلے میں مولفۃ القلوب کی فہرست اہل علم پیش کرتے ہیں جن میں حضرت معاویہ اور ان کے والد ابوسفیان اور یزید بن ابی سفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم شمار کیے گئے ہیں۔

اس مقام پر ایک بات تو یہ قابل لحاظ ہے کہ مولفۃ القلوب ہونا کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ نبی اقدس ﷺ کی طرف سے خصوصی عنایات کے شرف سے مشرف ہونا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کبار علماء نے ایک دوسری چیز بھی ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ”مولفۃ القلوب“ میں سے نہیں تھے بلکہ ان کے متعلق کبار علماء نے تحریر کیا ہے:

((اما معاویۃ فبعید ان یکون منهم فکیف یکون منهم؟ وقد اتمنہ النبی ﷺ))

علی وحی اللہ وقراءتہ وخلطہ بنفسہ واما حالہ فی ایام ابی بکر فاشہر من
ہذا واظہر) ۱

۱ احکام القرآن (قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ مالکی ابن العربی) ص ۳۹۵ ج ۱ تحت مولفۃ القلوب

الجامع لاحکام القرآن (قرطبی) ص ۱۸۱ ج ۸ سورۃ توبہ تحت آیت انما الصدقات للفقراء..... الخ

”یعنی یہ بات بعید ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مولفۃ القلوب میں سے ہوں حالانکہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی قراءت پر امین قرار دیا اور ان کو اس مسئلہ میں اپنے ساتھ ملایا اور معتمد بنایا۔ اور خلافت صدیقی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حال زیادہ مشہور اور بیان کرنے سے زیادہ ظاہر ہے۔ (یعنی یہ حالات اس بات کا قرینہ ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسلام و ایمان پختہ تھا اور وہ دینی امور میں معتمد علیہ تھے ان کے لیے تالیف خاطر کی حاجت نہ تھی واللہ اعلم)“

ایک الزام

مولفۃ القلوب میں جس طرح بنو امیہ کے چند مشہور افراد مثلاً ابوسفیان، یزید بن ابی سفیان، معاویہ بن ابی سفیان وغیرہ رضی اللہ عنہم ذکر کیے جاتے ہیں اسی طرح دیگر قبائل میں سے بھی کئی مشاہیر مولفۃ القلوب میں ذکر کیے گئے ہیں۔ مثلاً قبیلہ بنی اسد سے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے برادر زادے حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کو ذکر کیا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا زاد برادر ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی رضی اللہ عنہ بھی مولفۃ القلوب میں مذکور ہیں۔ فلہذا اگر بالفرض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مولفۃ القلوب میں شمار ہوں تو ان پر اعتراض قائم کرنا اور ان کو حقیر قرار دینے کی خاص کیا وجہ ہے؟

مختصر یہ ہے کہ صرف اموی حضرات کو اس مسئلے میں ہدف طعن بنایا جاتا ہے اور ہاشمیوں سمیت دیگر قبائل کے لوگوں کو تالیف قلب کے طعن سے مطعون نہیں کیا جاتا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ غور فرمائیں۔ یہ قبائلی تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟

سب و شتم کرنے کا طعن پھر اس کا جواب

بعض روایات میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے اس میں مذکور ہے کہ

((فقال ما منعك ان تسب ابا تراب..... الخ))

بقول معترض مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ”سب“ کرنے سے تم کو کیا چیز مانع ہے؟

معلوم ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب کرتے تھے اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس پر آمادہ کرتے تھے۔

جواب

مسئلہ ”سب و شتم“ کے متعلق قبل ازیں ہم نے اپنی کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں ص ۲۱۱ تا ۲۲۳ درج کر دیا ہے اور بعد ازاں بقدر ضرورت ”سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ میں مسائل صفین میں ”چند اہم مباحث“ کے عنوان کے تحت بھی یہ مسئلہ ذکر ہو چکا ہے اور اس مسئلہ کا الزامی جواب بھی ہو چکا ہے۔ تاہم روایت بالا کے متعلقات ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس طریقہ سے یہ بحث بقدر ضرورت پوری ہو جائے گی۔ (بعونہ تعالیٰ)

اس مقام پر چند اہم تشریحات ذکر کر دینا مناسب ہے جو ازالہ طعن میں فائدہ مند ہوں گی:

① حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ مذکور ہے اس میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ شریف میں حج کے موقع پر پیش آیا۔ اور بعض روایات میں مکالمہ ہذا کے مقام کے متعلق معلوم نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ کس مقام پر پیش آیا؟

بہر کیف حضرت سعد اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی باہمی ملاقات ہوئی اور دوران گفتگو میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوا۔ اس مسئلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ناقدانہ کلام کیا اور ان کے خلاف رائے کا تقاضا کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی رائے حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ کے نظریہ کے برخلاف تھی اور ان کو یہ ناگوار گزری تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہم نوائی نہیں کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعدد فضائل کا ذکر کیا جو اس روایت میں مذکور ہیں اور اپنی جگہ پر صحیح ہیں مثلاً:

① ((لا عطين الراية.....)) (یوم خیبر)

② ((اما ترضى ان تكون منى بمنزلة هارون من موسى)) (غزوة تبوک)

③ ((اللهم هؤلاء اهلى.....)) (دعوت مہابہ یا دیگر مقام میں) وغیرہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ ان فضائل کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف میں اظہار رائے نہیں کر سکتا کہ ان کے موقف کو غلط اور آپ کے نظریہ کو درست کہنے لگوں۔

④ واقعہ ہذا متعدد مصنفین نے ذکر کیا ہے پھر اس میں رواۃ کی طرف سے تعبیروں کا اختلاف الفاظ موجود ہے۔ بعض روایات میں تو ما منعك ان تسب ابا تراب کے الفاظ منقول ہیں، اور بعض مقامات پر اس طرح مذکور ہے کہ فذكروا عليا فنال منه معاوية، اور بعض روایات میں ہے کہ فذكروا عليا فقال سعد له ثلاث خصال، اور بعض دیگر روایات میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا فضائل مذکور ہیں لیکن وہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی کلمہ نقد و جرح مذکور نہیں۔ جب کہ ان تمام روایات میں ایک ہی واقعہ منقول ہے۔

یہ رواۃ کی طرف سے اصل واقعہ کی تعبیرات کا فرق توجہ کے قابل ہے۔ کیونکہ معترض انسان اسی کو ایک مناقشہ کی شکل میں پیش کر سکتا ہے۔

اب مسئلے کی وضاحت کے لیے روایت ہذا کے مفہوم کو کبار علماء اور محدثین نے جس طرح ذکر کیا ہے، اس چیز کو ہم پہلے ذکر کرتے ہیں اس کے بعد مزید چیزیں جو لائق بیان ہوں گی وہ ذکر کر دی جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

⑤ ۱۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا روایت کی تشریح میں یہ ذکر کیا ہے کہ مذکورہ بالا جملہ (ما منعك ان تسب ابا تراب) میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو سب علی رضی اللہ عنہ کرنے کی تصریح نہیں ہے بلکہ اس میں سب کرنے سے مانع امر کا سبب دریافت کیا گیا ہے۔ گویا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت کر رہے ہیں کہ آپ اس بات سے تورع اور خوف کی بنا پر اجتناب کر رہے ہیں یا کوئی اور چیز آپ کے پیش نظر ہے؟ اگر تورع کی بنا پر آپ اجتناب کر رہے ہیں تو آپ مصیب ہیں، اور اگر کوئی اور بات ہے تو اس کا جواب دوسرا ہوگا۔

۲۔ نیز ایک دوسرا محمل اس طریقہ سے ذکر کرتے ہیں کہ جملہ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو علی رضی اللہ عنہ کی رائے اور ان کے اجتہاد کو خطا قرار دینے میں کون سی چیز مانع ہے؟ اور ہماری رائے کی خوبی اور

درستی کو ظاہر کرنے سے کون سی چیز آپ کو روکتی ہے۔ مفہوم بالا کو اکابر علماء نے بعبارت ذیل ذکر کیا ہے:

① ((فقول معاویة هذا ليس فيه تصريح بانه امر سعدا بسبه انما سألہ عن

السبب المانع له من السب كانه يقول هل امتنعت منه تورعا او خوفا؟ او

غير ذلك؟ فان كان تورعا واجلالا له عن السب فانت مصيب وان كان غير

ذلك فله جواب اخر))^۱

② ((لانه ليس بصريح في انه امره بسبه انما سألہ عن المانع وقد سئل عنه

من لا يجيز السب))^۲

۳- ((ومنه ما منعك ان تسب ابا تراب، هذا لا يستلزم امر معاوية بالسب بل

سوال عن سبب امتناعه عنه، انه تورع او اجلال او غير ذلك))^۳

۴- ((اما بانه ليس فيه الامر بل سوال من السبب المانع عنه وتكنيه ﷺ بابي

تراب ليس طعنا فانه كان يحب ان يكنى به))^۴

④ اور لفظ ”سب“ ہمیشہ گالی گلوچ کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ زبان عرب میں متعدد معانی کا

حامل ہے مثلاً:

۱- بعض دفعہ لفظ ”سب“ کا استعمال ”عار دلانے“ کے معنی میں پایا جاتا ہے جیسا کہ بخاری شریف

میں آیا ہے کہ

((فقال انى ساببت رجلا فعيرته بامه فقال لى النبى ﷺ يا ابا ذر! اعيرته

بامه))^۵

اس مقام پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو اس کی ماں کے متعلق کہہ دیا کہ تیری ماں سیاہ

رنگ کی ہے یا تو سیاہ رنگ کی عورت کا بیٹا ہے۔ تو اس پر آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اسے ماں کے متعلق

عار دلانی ہے۔ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے لفظ ”ساببت“ استعمال کیا جس سے مراد یہاں ”عار دلانا“ ہے۔

۲- اسی طرح لفظ ”سب“ کا استعمال دیگر معانی میں بھی اہل عرب استعمال کرتے ہیں مثلاً عیب جوئی

۱ شرح مسلم شریف، نووی ص ۲۷۸ ج ۲ تحت الحدیث، باب فضائل علی رضی اللہ عنہ طبع دہلی

۲ اکمال اکمال المعلم (شرح مسلم) امام ابو عبد اللہ محمد بن خلف الوثانی الابی تحت الحدیث طبع اول

۳ مجمع البحار (شیخ محمد طاہر القسبی البندی الپہاروی) ص ۸۳ ج ۲ تحت لفظ ”سب“ طبع نول کشور لکھنؤ

۴ الناہیہ عن طعن معاویہ (عبد العزیز پرہاروی) ص ۳۷ تحت جواب طعن ہذا، طبع ملتان

۵ بخاری شریف ص ۹ ج ۱، باب المعاصی من امر الجاہلیہ، کتاب الایمان طبع دہلی۔

کرنا، نکتہ چینی کرنا اور دوسرے کی رائے کا تخطیہ کرنا اور غلط قرار دینا اور اپنی رائے کو درست کہتا وغیرہ۔ روایت ہذا میں مذکورہ تعبیر اگر درست تسلیم کر لی جائے تو یہاں بھی رائے کا تخطیہ کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہ چیز کبار علماء نے بیان فرمائی ہے چنانچہ اس پر ذیل میں حوالہ جات ملاحظہ فرما کر اطمینان کیا جاسکتا ہے۔

① ((ان معناه ما منعك ان تخطيه في رأيه واجتهاده وتظهر للناس حسن راينا واجتهادنا وانه اخطا))^۱

② ((ان يحمل السب على التغير في المذهب والرأى فيكون المعنى ما منعك من ان تبين للناس خطاه وان ما نحن عليه اسد و اصوب و مثل هذا يسمى سبا في العرف))^۲

③ ((المعنى ما منعك ان تخطئه في اجتهاد وتظهر للناس حسن اجتهادنا))^۳

④ ((بان المراد بالسب اظهار خطاء اجتهاده و صواب اجتهادنا))^۴

مختصر یہ ہے کہ کبار علماء نے اس روایت کا محمل اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ لفظ ”سب“ یہاں بمعنی گالی گلوچ نہیں بلکہ دوسرے کی رائے کو خطا قرار دینے کے معنی میں مستعمل ہے اور اسی کو عرف میں ”سب“ بھی کہتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم نوا لوگوں کے نظریات میں اختلاف رائے کا پایا جانا مسلمات میں سے ہے۔ ان ہر دو فریق کے موقف میں نظریاتی اختلاف موجود تھا۔ وہی بعض مواقع اور مجالس میں اختلافی شکل میں پایا جاتا ہے اور ہر ایک فریق اپنی رائے کو صواب قرار دیتا ہے اور فریق مقابل کی رائے کو خطا پر محمول کرنا اور غلط قرار دیتا ہے۔

نیز اس مقام پر علماء فرماتے ہیں کہ باہمی سب و شتم اور قبیح اقوال کا ارتکاب جہاں نبی امیہ (جو صحابہ کے زمرہ میں نہیں ہیں) اور سفلہ قسم کے لوگ کرتے ہوں تو اور بات ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت ان چیزوں سے بعید اور بالاتر ہے۔ ان کا صحابی ہونا، ان کی دیانت اور ان کے اخلاق فاضلہ کے اعتبار سے یہ چیز ان کے شایان شان نہیں۔

۱ شرح مسلم شریف (نودی) ص ۲۷۸ ج ۲ تحت الحدیث باب فضائل علی رضی اللہ عنہ (طبع دہلی)

۲ اکمال اکمال المعظم شرح مسلم (امام ابی عبد اللہ محمد بن خالد الوثانی الابی الساکی) طبع اول تحت الحدیث

۳ مجمع البحار (شیخ محمد طاہر العینی البندی) ص ۸۳ ج ۲ تحت ”سب“

۴ التاہیہ عن طعن معاویہ (عبد العزیز ہاروی) ص ۳۷ تحت الجواب الرابع (طبع لبنان)

چنانچہ صاحب اکمال اکمال المعلم شرح مسلم شریف نے اسی چیز کی تصریح فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ
 ((والتصريح بالسب وقبيح التمول انما كان يفعله جهال بني امية و
 سفلتهم..... واما معاوية فحاشاه من ذلك لما كان عليه من الصحبة والدين
 ذا الفضل وكرم الاخلاق))^۱

⑥ نیز یہ چیز ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ روایت بالا کی بحث کے آخر میں علمائے کرام نے
 یہ فہمائش کی ہے کہ سب و شتم کے باب میں یہی روایت صحیح تھی جس کے جوابات درجہ بدرجہ علماء نے ذکر کیے
 ہیں۔ عموماً اس کے ماسوا روایات کے درمیان فریقین میں جو مناقشہ اور سب و شتم کی چیزیں ذکر کی جاتی ہیں وہ
 درست نہیں، ان میں دروغ گوئی اور مبالغہ آرائی کو بڑا دخل ہے اس لیے ان کی طرف التفات ہی نہ کیا جائے
 اور ایسی بات کرنے والے کے کلام کو غصہ سے رد کر دیا جائے اور اسے تسلیم نہ کیا جائے۔

((وما يذكر عنه من ذلك فكذب))^۲

((وكل ما يروى سوى هذا فيما جرى بين الطائفتين وبين الرجلين فلا

تصنعوا اليه اذنا ولا تلتفتوا اليه واسمعوا المتكلم بذلك تكبیتا))^۳

⑥ روایت بالا کے متعلقات کے آخر میں دفع وہم کے طور پر یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی
 وقاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مکالمہ پیش آیا تھا اس کی بنا پر طرفین میں کسی قسم کا انقباض
 واقع نہیں ہوا تھا اور ان کے درمیان کوئی عناد نہ تھا اور نہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کبیدہ خاطر تھے
 اور نہ ان کے درمیان روابط کشیدہ تھے۔ وہ ایک وقتی مسئلہ تھا جو ان کے درمیان بعض اوقات پیش آیا اور
 معاملہ ختم ہو گیا کیونکہ ہر دو حضرات کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف موجود نہیں تھا۔ اس چیز پر قرآن موجود
 ہیں۔ چنانچہ علماء نے اس کے بعد کے متعدد واقعات ذکر کیے ہیں ان میں سے بعض ناظرین کی خدمت میں
 اطمینان کی خاطر درج کیے جاتے ہیں:

① حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ عبدالرزاق لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ شام
 میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے رمضان شریف کا تمام مہینہ قیام
 فرمایا۔ ان ایام میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ قصر نماز ادا کرتے تھے اور فطر صوم بھی کرتے تھے، اور بعض رواۃ نے کہا
 ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسی دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور حضرت سعد

۱ اکمال اکمال المعلم شرح مسلم شریف (امام ابو عبد اللہ محمد بن خلف الوشتانی الابی الماکلی) تحت الحدیث

۲ اکمال اکمال المعلم شرح مسلم شریف (امام ابو عبد اللہ محمد بن خلف الوشتانی الابی الماکلی) تحت الحدیث

۳ شرح ترمذی (ابن العربی) ص ۲۳۱ ج ۱۳ تحت مناقب معاویہ رضی اللہ عنہ

رضی اللہ عنہ نے جن چیزوں کے تقاضے کیے وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام پورے کر دیے۔ اس طرح خوش اسلوبی کے ساتھ دونوں حضرت کے درمیان تعلقات قائم تھے۔

((وقال عبدالرزاق عن ابن جریج حدثنی زکریا بن عمرو ان سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وفد علی معاویة فاقام عنده شهر رمضان يقصر الصلوة ويفطر وقال غیره فبايعه وما سألہ سعد شیئا الا اعطاه اياه))^۱

② نیز ایک دیگر وثاقت و دیانت کی چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

((عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال ما رأیت احدا بعد عثمان اقصی بحق من صاحب هذا الباب یعنی معاویة))^۲

”یعنی حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت انصاف کرنے والے اور حقوق کو احسن طریقہ سے ادا کرنے والے تھے اس معاملے میں ان سے بہتر میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا۔“

یہاں سے ثابت ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ ذہن صاف رکھتے تھے اور کوئی مخالفانہ جذبات نہیں رکھتے تھے اور نہ ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اعراض و انقباض تھا بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے حق و انصاف کی شہادت دیتے تھے۔

یہ روایت قبل ازیں کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ ۱۵۴-۱۵۵ پر تحت عنوان ”عدل و انصاف پر شہادت“ درج ہو چکی ہے۔

مسئلہ ہذا کا دیگر پہلو

گزشتہ سطور میں سب و شتم کے متعلق جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اس مسئلہ کا ایک پہلو تھا۔ اب اس مسئلہ کا دوسرا پہلو فرمان نبوی کی روشنی میں ذکر کیا جاتا ہے:

وہ اس طرح ہے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اموات کے متعلق یہ تعلیم تلقین فرمائی ہے کہ فوت شدگان کو سب و شتم مت کیا کرو اس لیے کہ ان لوگوں نے جو عمل کیے تھے ان کی طرف وہ پہنچ چکے ہیں اور مکافات عمل پا چکے ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں یہ فرمان نبوی بالفاظ ذیل موجود ہے:

۱ البدایہ (ابن کثیر) ص ۷۲ ج ۸ تحت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تحت سنہ ۵۵ھ طبع مصر

۲ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۱ ج ۲ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ طبع اول

البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ طبع اول مصر

تاریخ ابن عساکر ص ۲۳ ج ۱۶ (منطوط) تحت ترجمہ معاویہ

((عن عائشة رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تَسْبُوا الْأَمْوَاتَ فَانْهَمُّ قَدْ أَفْضُوا إِلَيَّ مَا قَدَّمُوا)) (رواه البخاری) ۱

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر آنجناب ﷺ کا امت کو ارشاد مبارک ہے کہ اپنے متوفین کے محاسن ذکر کیا کرو اور ان کی برائیوں (کے بیان) سے زبان کو روک رکھو۔

((عن ابن عمر رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنِ مَسَاوِيهِمْ)) (رواه ابوداؤد و الترمذی) ۲

اس نوع کے متعدد فرمودات آنجناب ﷺ کی جانب سے امت کے لیے واضح طور پر موجود ہیں۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ان فرمودات کے خلاف نہیں پایا گیا بلکہ ان پر عمل درآمد کرنا ان کا مقصد زندگی رہا ہے۔

اس مقام پر جناب نبی کریم ﷺ سے بعض واقعات ثابت ہیں کہ آنجناب ﷺ نے صحابہ کو فوت شدگان رشتہ داروں کے متعلق بدگوئی اور برائی ذکر کرنے سے منع فرمایا:

① چنانچہ حدیث شریف میں واقعہ مذکور ہے کہ فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ اپنی جان کے خوف سے فرار ہو گئے ان کی زوجہ ام حکیم بنت حارث رضی اللہ عنہا آنجناب ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور مشرف باسلام ہونے کے بعد اپنے شوہر (عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ) کے متعلق امان طلب کی تو آنجناب نے امان مرحمت فرمائی اس کے بعد وہ عکرمہ رضی اللہ عنہ کو مکہ واپس لائیں۔

جب آنجناب ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لیے عکرمہ رضی اللہ عنہ پہنچے تو اس وقت نبی اقدس ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بطور نصیحت فرمایا کہ عکرمہ بن ابی جہل کفر چھوڑ کر ایمان لانے کی خاطر حاضر خدمت ہو رہا ہے تو اس کے والد (ابو جہل) کے متعلق کوئی سب و شتم نہ کرے، کیونکہ میت کو سب و شتم کرنے سے زندہ آدمی کو اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے لیکن میت کو نہیں پہنچتی۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں یہ واقعہ بالفاظ ذیل مذکور ہے:

((فلما دنا من مكة قال رسول الله ﷺ لاصحابه ياتيكم عكرمة بن ابي جهل مؤمنا مهاجرا فلا تسبوا اباہ۔ فان سب الميت يؤذي الحي ولا يبلغ الميت)) ۳

۱۔ مشکوٰۃ شریف طبع دہلی ص ۱۳۵ باب اشمی بالجائزۃ والصلوٰۃ علیہا (فصل اول)

۲۔ رواہ ابوداؤد و الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ شریف طبع دہلی ص ۱۳۷ باب اشمی بالجائزۃ والصلوٰۃ علیہا، فصل ثانی۔

۳۔ مستدرک حاکم ص ۲۳۱ ج ۳ تحت مناقب عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ

کنز العمال ص ۷۵ ج ۷ تحت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ طبع اول دکن

② انھی عکرمہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک بار یہ واقعہ پیش آیا کہ اسلام لانے کے بعد مدینہ منورہ میں ایک مقام پر گزر رہے تھے کسی شخص نے ان کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ ”اللہ کے دشمن ابو جہل کا یہ بیٹا ہے“۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ پریشان ہوئے اور آنجناب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس کی بطور شکوہ گزارش کی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ پر ایک مستقل خطبہ دیتے ہوئے اہل اسلام کو ارشاد فرمایا کہ لوگ معدن (کان) کی طرح ہیں۔ جاہلیت کے دور میں بھی جو لوگ خیار اور پسندیدہ افراد تھے جب دین میں خوب سمجھ پیدا کر لیں تو وہ لوگ اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں۔ کسی زندہ مسلمان شخص کو اس کے کافر رشتہ دار کی وجہ سے ایذا رسانی نہ کی جائے۔

چنانچہ مستدرک حاکم میں واقعہ ہذا اس طرح درج ہے کہ:

((وقال رسول الله ﷺ شكوا اليه عكرمة انه اذا مر بالمدينة قبل له "هذا ابن عدو الله ابي جهل" فقام رسول الله ﷺ خطيبا فقال: ان الناس معادن خيارهم في الجاهلية خيارهم في الاسلام اذا فقهوا لا تؤذوا مسلما بكافر۔
صحيح الاسناد ولم يخرجاه))^۱

اور کنز العمال میں ہے کہ

((فقال رسول الله ﷺ لا تؤذوا الاحياء بسب الاموات))^۲

ان واقعات کے پیش نظر یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ اموات کو قبیح (برے) الفاظ سے ذکر کرنے سے زندہ اہل اسلام کو اگر تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے مسلمان اجتناب کریں۔

یہ تمہیدی امور پیش کرنے کے بعد اصل مسئلے کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ یہ مسائل اور یہ واقعات کوئی مخفی امور نہیں تھے اور نہ فرد واحد کے لیے خصوصی احکام تھے۔ یہ تو تمام امت مسلمہ کے حق میں یکساں اہمیت کے حامل ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مسائل سے بخوبی متعارف اور واقف تھے اور ان سے ان فرمودات نبوت کے خلاف کرنے کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور ان کے ولایۃ و حکام مذکورہ بالا فرمودات نبوی کی موجودگی میں جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں سب و شتم یا لعن طعن کیسے کر سکتے ہیں؟ اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اعزہ و اقارب کی دل آزاری اور ایذا رسانی کا باعث کیسے بن سکتے ہیں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تو دور نبوی کے قریب تر دور ہے اس میں مذکورہ ہدایات نبوت کو یکسر کیسے فراموش کر دیا گیا؟ (اور اس مسئلے میں اسلامی تعلیمات کو کس طرح پس پشت ڈال دیا گیا؟) حالانکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

۱۔ مستدرک حاکم ص ۳۳۳ ج ۳ تحت ذکر مناقب عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ

۲۔ کنز العمال ص ۷۵ ج ۷ تحت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ طبع اول دکن

حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بطور نصیحت موجود ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک روز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کر رہے تھے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سر مبارک اٹھا کر ارشاد فرمایا:

((فقال يا معاوية! ان وليت امر افاق الله عزوجل واعدل))^۱

”یعنی اے معاویہ! اگر تمہیں مسلمانوں کے امور کا والی بنایا جائے تو معاملات میں اللہ عزوجل سے خوف کرنا اور عدل و انصاف سے پیش آنا۔“

سنت نبوی کی رعایت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر مرحلہ پر اطاعت اور فرمانبرداری کو مقدم رکھتے تھے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی رعایت کرنا ان کی زندگی کا معمول تھا۔

اس سلسلے میں بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں جن میں انہوں نے فرمان نبوت کو پیش نظر رکھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل روم کے درمیان ایک خاص مدت تک جنگ نہ کرنے کا عہد و پیمان ہوا تھا۔ مدت عہد ختم ہونے میں کچھ وقت باقی تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی تیاری کے ساتھ رفقائے سمیت بلاد روم کی طرف پیش قدمی کرنے لگے تاکہ اختتام مدت عہد پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔ ان حالات میں ایک صحابی عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ تیزی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور فرماتے تھے اللہ اکبر اللہ اکبر و فاء لا غدر (عہد پورا کرنا چاہیے بد عہدی جائز نہیں)۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جن کے درمیان کوئی باہمی معاہدہ ہو تو اس کی مدت اختتام سے قبل عہد کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے۔

((فلا يحلن عهدا ولا يشدنه حتى يمضى امده))

اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی معلوم کرنے کے بعد اپنے اقدام کرنے سے اپنے رفقائے سمیت فوراً واپس آ گئے تاکہ اختتام مدت عہد کا انتظار کیا جائے۔ قال فرجع معاوية بالناس۔^۲

ان امور کی روشنی میں اموات کے حق میں سب و شتم کرنا وہ کیسے روارکھے ہوئے تھے؟ یہ چیز ان کی دیانت، عدالت اور اطاعت نبوی کے خلاف ہے۔ چنانچہ اکابر علمائے امت اس بات کی شہادت دیتے ہیں

۱ مجمع الزوائد (پہلی) ص ۱۸۶ ج ۵ تحت امراة معاوية رضی اللہ عنہ

البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۰ ج ۸ تحت خلافة حسن بن علی رضی اللہ عنہ

۲ مشکوٰۃ شریف ص ۳۴۷ باب الایمان فصل ثانی، طبع دہلی

کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں امام عادل تھے اور حقوق اللہ و حقوق المسلمین کے ادا کرنے والے تھے۔

① امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ بحوالہ ابن حجر مکی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((وقد صح انه كان امانا عادلا في حقوق الله وحقوق المسلمين كما في الصواعق))^۱

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سب و شتم کرنے کے امتسابات بالکل بے جا ہیں اور روایات کی صداقت مخدوش ہے۔

② دوسری گزارش یہ ہے کہ شیعہ کے اکابر مورخین نے بھی یہ چیز بر ملا تسلیم کی ہے کہ حسین شریفین رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تمام دور خلافت میں ان سے کوئی بری بات اور ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھی۔ ان حضرات اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو شرائط طے ہوئی تھیں ان میں سے کسی شرط کو ضائع نہیں کیا اور نہ کسی احسان اور بھلائی کو تبدیل کیا۔

چنانچہ شیعہ مورخ ابو حنیفہ دینوری نے اخبار الطوال میں یہ چیز بعبارت ذیل درج کی ہے:

((قالوا ولم ير الحسن ولا الحسين طول حياة معاوية منه سوء في انفسهما ولا مكر وها ولا قطع عنهما شيئا مما كان شرط لهما ولا تغير لهما عن بر))^۲

③ تیسری یہ چیز ہے کہ اہل سنت والجماعت کے اکابر مورخین کے ایسے بیانات موجود ہیں جن میں یہ بات واضح طور پر پائی جاتی ہے کہ اکابر ہاشمی حضرات اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین بہتر روابط تھے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سلسلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قدر کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کم و بیش بیس سال ہم پر والی اور حاکم رہے اور انھوں نے ہمیں کوئی تکلیف نہیں دی اور ہمارے لیے اذیت و تکلیف کا باعث نہیں ہوئے، نہ منبر پر اور نہ فرش زمین پر۔ انھوں نے اپنی اور ہماری عزت رکھی اور ہمارے ساتھ صلہ رحمی کا عمدہ معاملہ کیا اور ہماری ضروریات پوری کرتے رہے۔

((عن ابن عباس رضي الله عنهما قال لله در ابن هند ولينا عشرين سنة فما اذانا على ظهر منبر ولا بساط صيانته منه لعرضه واعرضنا ولقد كان يحسن صلتنا ويقض حوائجنا))^۳

۱۔ مکتوبات امام ربانی ص ۶۸-۶۹ تحت مکتوب نمبر ۲۵۱ نام مولانا محمد اشرف، دفتر اول حصہ چہارم طبع نور کتب خانہ لاہور

۲۔ الاخبار الطوال (ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری شیبلی) ص ۲۲۵، طبع قاہرہ تحت بحث بین معاویہ و عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما

۳۔ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

مخطوط ابن عساکر (قلمی عکس شدہ) ص ۳۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

مندرجات بالا کے پیش نظر صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت علی الرضی رضی اللہ عنہ کی اولاد شریف اور اکابر ہاشمی حضرات کے ساتھ کسی قسم کی کوئی بدسلوکی یا ایذا رسانی نہیں کی جاتی تھی اور کوئی برا معاملہ ان کے ساتھ روا نہیں رکھا گیا اور معاشرتی روابط ان حضرات کے درمیان درست تھے۔ فلہذا سب و شتم کی روایات قابل تسلیم نہیں ہیں اور اس چیز پر عقلی قرآن ہم قبل ازیں ”کتاب اقربا نوازی“ کے ص ۲۱۸-۲۱۹ پر ثانیہ کے عنوان کے تحت درج کر چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں اطمینان حاصل ہوگا۔ اور بحث ہذا کے آخر میں باعتبار درایت کے کلام کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

متعلق ”سب“ بعض دیگر روایات اور اس کا جواب

معرض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معائب و مثالب کے سلسلے میں جو روایات پیش کرتے ہیں ان میں مندرجہ ذیل روایت بھی ہے:

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوفہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے بعد میں ایک مشہور صحابی سعید بن زید رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ مجلس میں اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ اہل کوفہ میں سے ایک شخص جسے قیس بن علقمہ کہتے تھے اس مجلس میں آیا اور وہ حضرت علی الرضی رضی اللہ عنہ کی شان میں بدگوئی کرنے لگا۔ اس پر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے سامنے صحابہ کو سب کیا جاتا ہے اور آپ اس کو برا نہیں جانتے اور اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے۔

معرضین اس روایت کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہم نوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حضرت علی الرضی رضی اللہ عنہ کے خلاف سب و شتم کرنے کا الزام عائد کرتے ہیں۔

جواب

واقعہ ہذا سے متعلق جو روایات ذکر کی جاتی ہیں ان کے جواب کے لیے ذیل میں چند چیزیں درج ہیں جن سے اعتراض کی خفت واضح ہو جائے گی اور جواب پورا ہو سکے گا۔ تمام مندرجات پر ایک بار نظر انصاف فرمائیں:

① حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یہ جو واقعہ پیش آیا ہے اس واقعہ سے متعلق ہماری معلومات کی حد تک جتنی روایات ہمارے سامنے آئی ہیں ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر تک موجود نہیں، اور ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ تو اس مجلس میں موجود تھے اور نہ ان کے ایما پر یہ فعل سرزد ہوا۔

② اور یہ ایک فطری امر ہے کہ بعض حضرات نہایت تیز طبع ہوتے ہیں ایک جب بھربات مزاج کے خلاف برداشت نہیں کرتے، اور بعض اشخاص متحمل و بردبار طبیعت کے حامل ہوتے ہیں کہ خلاف مزاج

چیزوں کو سننا بھی گوارا کر لیتے ہیں۔ اگر یہ واقعہ درست ہے تو غالباً یہاں بھی یہی صورت رونما ہوئی کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے قیس بن علقمہ کی ناروا گفتگو پر تحمل سے کام لیا، اس لیے کہ علمائے تراجم نے کہا ہے کہ کان المغیرة فیہ حلم و اناة (یعنی ان کی طبیعت نہایت متحمل و بردبار تھی) اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ یہ کلام سن کر فوراً برا فروخت ہو گئے اور مغیرہ رضی اللہ عنہ سے شکایت کرنے لگے۔ تاہم یہ احتمال موجود ہے کہ اس موقع پر نقد و رد کے اعتبار سے مزید گفتگو ہوئی ہو (جس کو ناقلین واقعہ نے ذکر نہیں کیا) کہ اس سے واقعہ کی اصل نوعیت اور حقیقت حال کا سراغ مل سکتا۔

③ نیز قیس بن علقمہ کوئی جو غالباً خوارج کے نظریات کا حامل تھا اس کا یہ ذاتی نظریہ تھا جو اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدگوئی کی شکل میں ظاہر کیا۔ اور ہم بھی اس نظریے اور اس طرز عمل کو سو فیصد برا جانتے ہیں۔

اس دور میں بعض لوگ اپنے اپنے نظریاتی اختلافات کی بنا پر اپنے مخالف فریق کے لوگوں سے پر خاش رکھتے تھے اور موقع بہ موقع اس قسم کے غلط نظریات کا اظہار کرتے تھے۔ یہ ایک نفسیاتی چیز ہے کہ انفرادی نظریات پر کنٹرول نہیں کیا جاسکتا۔

ان حالات میں اکابر صحابہ (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) پر طعن و تشنیع کرنے کا جواز نہیں پایا جاتا۔

④ اس مقام پر طعن قائم کرنے والے بزرگوں نے ایک اور روایت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے کہ انہوں نے ابو عبد اللہ جدلی سے فرمایا کہ تمہارے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بر ملا سب کیا جاتا ہے تو اس نے کہا: سبحان اللہ معاذ اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ام المومنین نے فرمایا کہ کیا تمہارے ہاں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سب نہیں کیا جاتا؟ اور کہنے لگیں

((قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول من سب عليا فقد سبني..... الخ))

”یعنی ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے علی بن ابی طالب کو سب کیا اس نے مجھے برا کہا۔“

اور بعض روایات میں ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم علی (ابن ابی طالب) سے محبت فرماتے تھے (اور تم لوگ ان کو سب کرتے ہو)۔

روایت ہذا کے ذریعے سے معترض احباب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کرنے کے مسئلے کو مکمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روایت متعدد صحیح اسانید کے ساتھ مروی ہے۔

جواب

اس روایت کے متعلق بعض ضروری چیزیں قابل ذکر ہیں ان پر نظر انصاف فرمائیے کے بعد روایت ہذا کے مزید جواب کی حاجت نہ رہے گی۔

ناظرین کرام پر واضح ہے کہ اعتراض قائم کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ قابل اعتراض روایت اپنے مقام پر صحیح ہو اور ذہنی مقابل کے سامنے قواعد کے لحاظ سے قابل قبول ہو۔ اور جو روایت اس فن کے قواعد کے لحاظ سے درست نہ ہوگی وہ طعن کے مقام پر قابل حجت نہیں ہو سکتی۔

مندرجہ بالا روایت جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی جاتی ہے اس کو نقل کرنے والا ابو عبد اللہ جدلی ہے۔ معترض احباب نے جن باسند کتابوں سے اس روایت کو نقل کیا ہے ان مقامات پر ہماری معلومات کی حد تک بنیادی راوی ابو عبد اللہ جدلی ہے اور باقی مصنفین کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ ان ہی باسند کتابوں سے ناقل ہیں۔ فلہذا ان کے اگے جواب کی حاجت نہیں جب کہ اصل روایت کا جواب پیش کر دیا جائے۔

ابو عبد اللہ جدلی

اسماء الرجال - اکابر علماء نے ابو عبد اللہ جدلی کے متعلق مندرجہ ذیل چیزیں درج کی ہیں۔ اہل علم کی تسلی کے لیے ان کی مختصر عبارات نقل کی جاتی ہیں:

① طبقات ابن سعد میں ہے کہ

((ويستضعف في حديثه وكان شديد التشيع.....))^۱

② ((ابو عبد الله الجدلي شيعي..... بغیض.....))^۲

③ ((شيعي نقل.....))^۳

④ ((يستضعف في حديثه و كان شديد التشيع و يزعمون انه كان على شرطه

المختار.....))^۴

”مندرجہ بالا حوالہ جات کا مفہوم یہ ہے کہ ابو عبد اللہ جدلی حدیث کے بیان میں ضعیف قرار دیا جاتا

ہے اور وہ سخت اور شدید قسم کا شیعہ تھا۔ ابو عبد اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھنے والا شیعہ تھا،

نیز وہ مختار ثقفی کی جماعت کا سربراہ تھا۔“

۱ طبقات ابن سعد ص ۱۵۹ ج ۶ تحت ابی عبد اللہ الحدلی، طبع لیڈن

۲ میزان الاعتدال ص ۵۴۳ ج ۳ تحت ابی عبد اللہ الحدلی، نمبر ۱۰۳۵

۳ المغنی (ذہبی) ص ۷۹۳ ج ۲ تحت نمبر ۷۵۷۳

۴ تہذیب التہذیب ابن حجر ص ۱۴۸-۱۴۹ ج ۱۲ تحت باب الکتی ابو عبد اللہ الحدلی

اہل علم کے نزدیک یہ مسئلہ واضح ہے کہ اہل بدعت کی روایت جو ان کے مسلک کی موید اور ان کے مذہب کی تائید میں جاتی ہو وہ مقام طعن میں قبول نہیں کی جاتی اور اس کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ مذکورہ بالا جرح و تنقید اور پیش کردہ ضابطہ کی روشنی میں ابو عبد اللہ جدلی کی یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے۔

شیعہ رواۃ اپنے نظریات کے دائرہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے حق میں حد درجے کا غلو رکھتے ہیں اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص شان میں کوئی کمی نہیں کرتے اور ان کے خلاف روایات نشر کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر مندرجہ بالا روایت ان کے مزعومات کے مطابق تصنیف شدہ معلوم ہوتی ہے۔ اس میں انہوں نے یہ ظاہر کرنے کی سعی کی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو برا کہنا (معاذ اللہ) سید المومنین رضی اللہ عنہم کو سب کرنے کے برابر ہے۔ (استغفر اللہ العظیم)

عقد الفرید کی ایک روایت پر کلام

نیز معترض لوگوں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت یہ ذکر کی ہے کہ ”انہوں نے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو خط لکھا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر برسر منبر لعنت کرتے ہو۔ وہ اس طرح کہ تم علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) اور ان کے محبین پر لعنت کرتے ہو..... معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اس کلام کی طرف توجہ نہ دی۔“

اعترض کرنے والے دوستوں نے یہ روایت عقد الفرید لابن عبد ربہ کے حوالہ سے نقل کی ہے اور اس طعن کو خوب بنا سجا کر پیش کیا ہے۔

جس طرح کہ پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ روایت پر باعتبار قواعد کے کلام کر دیا ہے اسی طرح یہاں بھی یہ بات واضح کی جاتی ہے کہ روایت ہذا کو بقول معترض احمد بن عبد ربہ نے عقد الفرید میں ذکر کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ابن عبد ربہ کی روایات قابل اعتماد ہیں؟ اور کیا ان روایات پر اعتبار کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرنا جائز ہے؟ اور ابن عبد ربہ کیسا بزرگ ہے اور کن نظریات کا حامل ہے؟ اس چیز کے لیے ہم کبار علماء کا کلام پیش کرتے ہیں جن میں اس طعن کا جواب مکمل موجود ہے۔

چنانچہ البدایہ والنہایہ میں احمد بن عبد ربہ کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ

((یدل کثیر من کلامہ علی تشیع فیہ ومیل علی حط بنی امیہ و هذا عجیب منه لانه احد موالیہم وکان الاولی بہ ان یکون ممن یوالیہم لا ممن یعادیہم))^۱

”یعنی احمد بن عبد ربہ کا بیشتر کلام اس کے شیعہ ہونے پر دال ہے اور بنو امیہ کو گرانے یعنی ان کی تحقیر و تذلیل کرنے پر اس کا میلان و رجحان ہے۔ اور یہ چیز اس کے حق میں عجیب ہے کیونکہ وہ

بنو امیہ کے موالی (غلاموں) میں سے ایک شخص تھا۔ اس کو چاہیے تھا کہ وہ بنو امیہ کے ساتھ دوستی کا اظہار کرتا، لیکن وہ بنو امیہ کے ساتھ پوری عداوت اور دشمنی رکھتا ہے۔“

اسی طرح علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے مقام پر احمد بن عبد ربہ کے متعلق لکھا ہے کہ

((ان صاحب العقد کان فیہ تشیع شنیع ومغالاة فی اهل البیت وربما لا یفہم احد من کلامہ ما فیہ من التشیع))

”کیونکہ صاحب عقد الفرید (احمد بن عبد ربہ) میں قبیح تشیع اور اہل بیت کے حق میں بے جا غلو پایا جاتا ہے اور بسا اوقات اس کے کلام سے کوئی شخص اس کے تشیع کو نہیں سمجھ سکتا۔“

مختصر یہ ہے کہ احمد بن عبد ربہ کے کلام پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ اہل بیت کے حق میں بے جا غلو اور صحابہ بنو امیہ کے سخت خلاف جذبات رکھتا تھا۔ لہذا اس شخص کے دیگر حوالہ جات کے متعلق بھی یہی حکم ہے، اور اس کی مرویات جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف منقول ہیں ان کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

معرض کی طرف سے کہا جاسکتا ہے کہ روایت ہذا کے متعلق علماء نے صحت کا قول کیا ہے اس لیے اس روایت کی قبولیت میں کیسے شبہ کیا جاسکتا ہے؟

جواباً عرض ہے کہ ہم نے جو کچھ کلام کیا ہے وہ مذکورہ ضابطہ کے تحت ذکر کیا ہے جو علماء میں مقبول ہے، اور راوی کے شدید قسم کے تشیع پر بھی حوالہ جات پیش کر دیے ہیں۔ ایسے سخت قسم کے غالی شیعوں کی روایت مقام طعن پر قابل اعتماد و قابل استدلال نہیں سمجھی جاسکتی۔ اس سلسلے میں اس فن کے علماء کا طریقہ کار یہ ہے کہ کئی مقامات پر راوی کے شیعہ اور رافضی ہونے کی وجہ سے روایت کو رد کیا جاتا ہے اور اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اس مسئلے پر بطور مثال کے ایک حوالہ کتاب تنزیہ الشریعہ لابن العراق سے پیش کیا جاتا ہے:

((من لم یقل علی رضی اللہ عنہ خیر الناس، فقد کفر (خط) من حدیث علی وفیہ

محمد بن کثیر الکوفی، وهو المتہم بہ لانه کان شیعیا))

یہاں روایت کو راوی کے تشیع کی بنا پر علمائے فن نے قبول نہیں کیا۔ یہ حوالہ بطور مثال کے پیش کیا گیا ہے ورنہ بے شمار مقامات پر اسی ضابطہ پر عمل کیا جاتا ہے۔

اور جن علماء نے مندرجہ روایت کی صحت کا قول کیا ہے ان میں سے بعض حضرات نے اپنی رجال اور تراجم کی کتاب میں اس راوی (ابو عبد اللہ جدلی) کے حق میں غالی شیعہ ہونے کے نقد و جرح کے الفاظ بھی

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۱ ج ۱۰ تحت خالد بن عبد اللہ بن یزید

۲۔ تنزیہ الشریعہ (ابن عراق کنانی) جز اول ص ۳۵۳ تحت باب مناقب الخلفاء الاربعہ الفصل الاول روایت نمبر ۳۸۔

درج کیے ہیں اور ساتھ صحت روایت کا قول کر دیا..... یا للعجب!

ہم نے اس معاملے میں علماء کے قواعد اور ضوابط اور اقوال پیش نظر رکھ کر مسئلے کے دو پہلو واضح کر دیے ہیں اور تحقیق کی طرف توجہ دلا دی ہے۔ اب کبار علمائے فن کا کام ہے کہ اس مسئلے میں توفیق یا ترجیح قائم کریں۔ عوام کی حیثیت سے یہ چیز بالاتر ہے۔

❶ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس دور کے سیاسی حالات کے پیش نظر بعض لوگ دو طبقوں میں تقسیم تھے اور اپنے اپنے نظریات کے مطابق دونوں فریق اپنے مخالف فریق کے خلاف نفرت کا اظہار کیا کرتے تھے اور بعض اوقات اپنی نفرت و عداوت کا اظہار سب و شتم کی صورت میں ہوتا تھا۔

۱۔ چنانچہ سب و شتم کا یہ معاملہ یکطرفہ نہیں تھا بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی آپ کے حامی لوگ اپنے مخالف فریق (حامیان عثمان) کے خلاف بدگوئی کیا کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل واقعہ سے واضح ہے:

((ولبني الارقم مسجد بالكوفة فلما قدم الكوفة على رضي الله عنه جعل اصحابه

يتناولون عثمان۔ فقال بنو الارقم: لانقيم ببلد يشتم فيه عثمان۔ فخرجوا الى

الجزيرة فنزلوا الرهاء وشهدوا مع معاوية صفين))^۱

”یعنی کوفہ میں قبیلہ بنی ارقم کے لیے ایک مسجد تھی۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے

تو آپ کے ہم نوا لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدگوئی کرتے تھے۔ قبیلہ بنو ارقم کے لوگ

کہنے لگے ہم ایسے شہر میں مقیم نہیں رہ سکتے جس شہر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کیا جاتا ہو۔

چنانچہ وہ لوگ کوفہ سے نکل کھڑے ہوئے اور الجزیرہ کے ایک مقام ”الرہا“ میں مقیم ہو گئے۔ بعد

میں وہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں شامل ہوئے۔“

یہاں سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ سب و شتم کا سلسلہ صرف ایک فریق ہی کی طرف سے نہیں تھا بلکہ

دونوں فریق کی جانب سے بعض لوگ اس قسم کی ناروا حرکات کرتے تھے جو دوسرے فریق کے لیے ناقابل

برداشت ہو جاتی تھیں۔

۲۔ نیز سابق واقعہ کی طرح ایک اور واقعہ بھی ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

کوفہ میں جب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ۵۰ھ میں انتقال ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ زیاد کو کوفہ کا

والی و حاکم مقرر کیا۔ حجر بن عدی ان احکام کی سخت مخالفت کرتے تھے (جیسا کہ اس کی تفصیلات اپنے مقام پر

درج ہیں) چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حامیوں کی جماعتیں در جماعتیں حجر کے پاس جمع ہونے لگیں۔

۱۔ کتاب الحجر (ابو جعفر بغدادی) ص ۲۹۵ تحت عدی بن عمیرہ بن فروہ تحت عنوان من شهد صفین مع معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

((وایسبون معاویة ویتبرون منه))

”یعنی خلیفہ اسلام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کرتیں اور ان سے تبرا و بیزاری کا اعلان کرتی تھیں۔“

مطلب یہ ہے کہ فریقین میں ایک نظریاتی متخالف اور فکری تقابل کا مسئلہ تھا جو اس دور میں بعض دفعہ جانبین کی طرف سے پایا جاتا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ اسی طرح کئی دیگر روایات بھی معترض لوگوں نے اس باب میں فراہم کی ہوئی ہیں لیکن یہ تمام اخبار احاد ہیں یا بعض تاریخی ملفوبات ہیں قابل اعتناء نہیں اور ان کے پیش نظر کسی صحابی کو مطعون کرنا درست نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام کتاب و سنت کی روشنی میں بہت رفیع ہے۔ فلہذا اس قسم کی روایات کے ذریعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقار کو مجروح اور ان کے دامن دیانت کو داغدار نہیں کیا جاسکتا۔ اگر بالفرض اس چیز کو بعض روایات کے اعتبار سے درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان کا محمل وہی ہے جو کبار علمائے کرام نے اپنی تحقیق کی شکل میں ذکر کیا ہے۔ (اسے ہم صفحات گزشتہ میں نقل کر چکے ہیں)

یعنی یہ روایات، اختلاف رائے کرنے اور دوسرے فریق کی رائے کا تخطیہ کرنے یا ان کے طریق کار اور معاملات پر نقد و تنقید کرنے کے معانی پر محمول ہیں۔ اور کسی قسم کا معروف سب و شتم (گالی گلوچ) مقصود نہیں۔

مسئلہ ہذا درایت کی روشنی میں

سب و شتم کے مسئلے کے متعلق روایت کے اعتبار سے اور معانی و محامل کے لحاظ سے چند چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ اب درایت کے اعتبار سے بعض چیزیں اس مسئلے کے متعلق پیش کی جاتی ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے متعلق سب و شتم کیے جانے کا جو پروپیگنڈا روایات میں پایا جاتا ہے وہ کس حد تک درست ہے؟ اور اس عہد کے واقعات کے ساتھ اس کی کس درجہ تک مطابقت پائی جاتی ہے؟ اور مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں سب و شتم کا یہ مسئلہ کہاں تک صحیح ہے؟ اہل فکر حضرات اس پر نظر غائر فرمائیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض اشیاء قبل ازیں کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ ص ۲۱۸-۲۱۹ وغیرہ میں درج ہو چکی ہیں لیکن یہاں بعض حوالہ جات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

جیسا کہ قارئین کرام کو معلوم ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مہادنت و مصالحت کر لی تھی تو سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ۴۱ھ میں خلافت کا معاملہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا۔ اس وقت سے لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال رجب ۶۰ھ تک یہ انیس سال

چند ماہ کا عرصہ دراز ہے۔ اس عرصہ میں دونوں فریق کے باہمی تعلقات اور روابط درست تھے اور معاملات میں ان کی سیاسی کشیدگی فرو ہو گئی تھی۔ چنانچہ واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ہاشمی حضرات کو حکومت کے معاملات میں عدالت کے مناصب بھی دیے گئے اور اکابر ہاشمی حضرات اس دور میں منصب قضا پر فائز رہے۔

مدینہ منورہ میں اول ہاشمی قاضی

① علمائے تراجم نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان بن حکم ۴۲ھ میں جب پہلی بار مدینہ منورہ کا والی تھا تو اس وقت منصب قضا کے لیے ایک قاضی کی ضرورت پیش آئی چنانچہ عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب ہاشمی بزرگ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اس دور کے اکابر فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ میں اسلام کے پہلے قاضی عبداللہ بن حارث بن نوفل ہاشمی رضی اللہ عنہ ہیں۔

① ((هذا اول قاضی رأیته فی الاسلام))^۱ (قول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

② ((وهو اول قاض بالمدينة من التابعین))^۲

غزوات میں ہاشمی غازی

③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں اکابر ہاشمی حضرات کے ساتھ ان کے تعلقات اور معاملات بہتر طریقے سے استوار تھے۔ مورخین اور اہل تراجم نے اس نوع کے متعدد واقعات ذکر کیے ہیں جو ان کے عمدہ روابط پر شاہد ہیں۔

مثلاً اس فن کے علماء نے لکھا ہے کہ حضرت سیدنا حسین ابن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے رضاعی برادر قثم بن عباس رضی اللہ عنہ جن کا شمار صحابہ میں کیا جاتا ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جہاد کی خاطر خراسان کے علاقے میں تشریف لے گئے اور جہاد میں شریک ہوئے۔ پھر جب غزوہ سمرقند پیش آیا تو اس غزوہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے فرزند سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ کماندار تھے۔ ان کی ماتحتی میں غزوہ میں شریک ہوئے اور کارہائے نمایاں سرانجام دے کر مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

((قال ابن سعد غزا قثم بن عباس خراسان وعلیہا سعید بن عثمان بن

عفان..... قال الزبیر (بن بکار) سار قثم (بن عباس) فی امام معاویة مع سعید

بن عثمان الی سمرقند فاستشهد بها))^۳

۱ طبقات ابن سعد ص ۱۳ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل

۲ کتاب النقات (ابن حبان) ص ۵ ج ۵ تحت عبداللہ بن حارث بن نوفل

۳ طبقات ابن سعد ص ۱۰۱ ج ۷ قثم ثانی، تحت ذکر قثم بن عباس بن عبدالمطلب طبع لیڈن۔

کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۲۷ تحت اولاد عباس بن عبدالمطلب

اسد الغابہ ص ۱۹۷ ج ۲ تذکرہ قثم بن عباس رضی اللہ عنہ سیر اعلام النبلا (ذہبی) ص ۲۹۲ ج ۳ تحت ذکر قثم بن عباس رضی اللہ عنہ

شیعہ کی طرف سے تائید

شیعہ علماء نے بھی کثم بن عباس رضی اللہ عنہما کے غزوہ سمرقند میں شریک جہاد ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شہید ہونے کو بالوضاحت تحریر کیا ہے۔ چنانچہ ابن میثم بحرانی لکھتے ہیں کہ

((واستشهد بسمرقند فی زمن معاویة))^۱

”یعنی (کثم بن عباس رضی اللہ عنہما) (حضرت) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں غزوہ سمرقند میں شریک جہاد ہو کر شہید ہوئے۔“

اور عبداللہ مامقانی نے تنقیح المقال میں اسی مسئلے کو بعبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فسار قثم الی سمرقند فمات بها شهيدا))^۲

”یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور انتقال کے بعد سمرقند کے علاقے میں غزوہ کے لیے حضرت کثم رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور وہاں غزوہ میں شہید ہو گئے۔“

یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاشمی حضرات اس دور کے غزوات میں بخوشی شریک ہو کر ثواب دارین حاصل کرتے تھے۔

۳ اور حضرت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں غزوات اور جنگی مہمات میں شریک و شامل ہو کر جہاد میں حصہ لیا اور امیر وقت کے ساتھ آپ کا عملی تعاون رہا۔ اس میں کسی مجبوری یا مقہوری کو کوئی دخل نہیں تھا۔ چنانچہ مورخین نے اسے بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

۱- ((ووفد علی معاویة وتوجه غازیا الی القسطنطینیة فی الجیش الذی کان امیرہ یزید بن معاویة))^۳

۲- ((ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الی معاویة فی کل عام فیعطیہ ویکرّمه وقد کان فی الجیش الذین غزوا القسطنطینیة مع ابن معاویة یزید فی سنة احدى و خمسين))^۴

۴ اور یہ مسئلہ مسلمات میں سے ہے کہ عام لصلح کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں سیدنا حسن

۱ شرح نج البلاغہ (ابن میثم بحرانی شیبی) ص ۷۲ ج ۵ تحت عنوان من کتاب لہ رضی اللہ عنہ بن عباس وہو عامل علی کہ (طبع جدید تہران)

۲ تنقیح المقال ص ۲۸ ج ۲، ابواب القاف تحت کثم بن عباس

۳ تہذیب تاریخ ابن عساکر (شیخ عبدالقادر بن بدران آفندی) ص ۳۱۱ ج ۴ تذکرہ حسین ابن علی رضی اللہ عنہما

۴ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۸ تذکرہ خروج حسین رضی اللہ عنہ الی العراق و کیفیت مقتله

اور سیدنا حسین اور دیگر ہاشمی حضرات مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر اور حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم تشریف لے جایا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان حضرات کی مالی معاونت کی جاتی تھی اور بطور وظائف کے ان کو مالی عطیات پیش کیے جاتے تھے اور یہ حضرات بخوشی انھیں قبول اور وصول کیا کرتے تھے۔ مالی وظائف کا یہ مسئلہ شیعہ سنی دونوں مورخین کی کتابوں میں موجود ہے۔ تفصیلات میں جائے بغیر ہم ناظرین کے سامنے اسے اجمالی شکل میں پیش کرتے ہیں:

① ((فاعطاه اربعمائة الف درهم وروی المبرد ان الحسن كان يفد كل سنة على معاوية فيصلمه بمائة الف درهم))^۱

② ((كان له (الحسن بن علي) على معاوية في كل عام جائزة وكان يفد اليه فربما اجازة باربعمائة الف درهم وراتبه في سنة مائة الف))^۲

③ ”حسین دے راگت ہنشین کہ مارارزقی در راه است تا بیارند۔ بے بر نیامد کہ پنج صره از دینار بیاوردند از معاویہ۔ اندر ہر صره ہزار دینار بود و گفتند کہ معاویہ از تو عذری خواهد۔“^۳

④ ((فلما اسقرت الخلافة لمعاوية كان الحسين يتردد اليه مع اخيه الحسن فيكرمهما معاوية اكرام زائدا ويقول لهما مرحبا واهلا ويعطيتهما عطاء جزيلا وقد اطلق لهما في يوم واحد مائتي الف يعني في بعض الايام))^۴

مذکورہ بالا حوالہ جات کا بالاختصار مفہوم درج ذیل ہے:

① (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو چار لاکھ درہم عطیہ پیش کیا اور مبرد نے لکھا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کو ایک لاکھ درہم پیش کرتے تھے۔

② امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ہر سال وظیفہ دیا جاتا تھا اور آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے بعض اوقات چار لاکھ درہم بھی ان کو دیا گیا اور ایک لاکھ درہم تو لازماً ہر سال دیا جاتا تھا۔

۱۔ تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۳۰۰ ج ۴ تذکرہ حسن ابن علی

۲۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۲۹ ج ۱ تحت تذکرہ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

الہدایہ ص ۳۷ ج ۸ تذکرہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ ص ۳۱-۳۲ ج ۸ تذکرہ امیر معاویہ

۳۔ کشف الکجب (شیخ علی بن عثمان غزنوی جویری ثم لاہوری المتوفی ۷۳۵ھ) ص ۹۲-۹۳ باب ۸ تحت فی ذکر المعجم من اهل البيت، طبع سمرقند

۴۔ الہدایہ ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۸ طبع اول مصر تحت قصہ الحسین و سبب خروجه من مکہ الی العراق

۳ (حضرت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کی خدمت میں ایک ساکل نے سوال کیا تو) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر ٹھہر جائیے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہمارا وظیفہ پہنچنے والا ہے۔ اسی اثنا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے پانچ تھیلیاں پہنچیں جو ایک ایک ہزار دینار کی حامل تھیں۔ پہنچانے والوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قلت مقدار کی معذرت کی۔

۴ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہو گئی تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے برادر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی معیت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کا بہت احترام کرتے تھے اور ان دونوں بزرگوں کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مرحباً اہلاً و سہلاً (خوش آمدید) کے باعزت الفاظ سے استقبال کرتے اور ان دونوں حضرات کو عطیات کثیرہ سے نوازتے تھے، اور بعض اوقات تو ایک ایک دن میں ان دونوں کو دو دو لاکھ درہم بھی پیش کیے جاتے تھے۔

مزید برآں اس مسئلے کی تائیدات اور شواہد کے متعلق ہم تفصیل میں نہیں جاسکتے، تاہم ناظرین کرام کے لیے ذیل میں ہم شیعہ اور سنی کتب سے صرف حوالہ جات ذکر کر دیتے ہیں تاکہ قارئین ان مقامات کی طرف رجوع کر کے تسلی فرمائیں:

سنی کتب سے

- ① مشترک حاکم ص ۵۶۷ ج ۳ تحت ذکر عبداللہ بن جعفر طیار
- ② لطائف المعارف (ابو منصور عبدالملک بن محمد ثعالبی) ص ۲۱-۲۲ طبع مصر۔

شیعہ کتب سے

- ① شرح نہج البلاغہ، ابن ابی حدید ص ۷۰۵-۷۰۶ ج ۳ طبع قدیم بیروت تحت بحث فی المقارنہ بین جود ملوک بنی امیہ و ملوک بنی ہاشم
- ② الفخری ص ۶۴۲ آخری فصل اول طبع مصر
- ③ جلاء العیون (ملا باقر مجلسی) طبع قدیم ص ۲۷۰، تحت باب در بیان نصوص امامت و معجزات امام حسن
- ④ امالی (شیخ طوسی) ص ۳۳۲ ج ۲ طبع نجف اشرف
- ⑤ فروع کافی ص ۲۶۲ ج ۲ طبع لکھنؤ تحت کتاب العقیقہ باب الاسماء و الکنی
- ⑥ ناسخ التواریخ ص ۴۰، ج ۱۱ کتاب دوم طبع قدیم ایران، تحت مکالمہ مروان و آنحضرت (امام زین العابدین)
- ④ ناسخ التواریخ ص ۳۸۰ ج ۹ طراز المذہب مظفری (طبع قدیم ایران) در بیان احتجاج عبداللہ بن جعفر با معاویہ و حکایت او با معاویہ و یزید

مندرجہ بالا تمام حوالہ جات میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اکابر ہاشمی حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں:

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ یہ چیز حسن روابط پر مستقل قرینہ ہے۔

② اور اس دور کے اہم معاملات مثلاً منصب قضا وغیرہ قبول کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاون رہتے تھے۔

③ عہد خلافت معاویہ کے جنگی معاملات میں پوری طرح تعاون کرتے تھے اور اس دور کے غزوات جہاد میں شریک و شامل ہو کر باقاعدہ غنائم سے حصہ حاصل کرتے اور مراتب شہادت کی سعادت پاتے تھے۔

④ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ اکابر ہاشمی حضرات بشمول حسنین شریفین رضی اللہ عنہما بیت المال سے باقاعدگی کے ساتھ وقتی عطیات اور سالانہ وظائف حاصل کرتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں اس بات پر قوی قرائن ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے حق میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سب و شتم نہیں کیا جاتا تھا اور ان کو منبروں پر بر ملا برا بھلا نہیں کہا جاتا تھا۔

بالفرض اگر سب و شتم کا پروپیگنڈا درست ہے اور واقعی منبروں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف سب و شتم کی بوچھاڑ ہوتی تھی (جیسا کہ معترض احباب ذکر کرتے ہیں) تو پھر یہ اکابر حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مندرجہ بالا تعلقات و روابط کس طرح قائم کیے ہوئے تھے اور دینی امور میں ان کے ساتھ کس طرح تعاون رکھے ہوئے تھے؟

ناظرین کرام! اندریں حالات معترض کی جانب سے پیش کردہ سب و شتم کی روایات یا مذکورہ بالا واقعات (جو قرائن میں پیش کیے گئے ہیں) ان میں سے کوئی ایک بات ہی درست ہو سکتی ہے۔ دونوں چیزوں کا بیک وقت صحیح ہونا مشکل امر ہے۔ غور فرمائیں۔

وجہ یہ ہے کہ یہ ایک فطری امر اور نفسیاتی چیز ہے کہ جس شخص کے اکابر اور آباء کو سب و شتم کیا جائے یا ان کے حق میں علیٰ روس الاشہاد بدگوئی کی جائے تو ایک باغیرت انسان اپنی حمیت کی بنا پر ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق بھی قائم نہیں رکھ سکتا اور

① نہ ان لوگوں کی جانب سے مناصب و اعزاز حاصل کر سکتا ہے۔

② نہ ان کے ساتھ مل کر جہاد و غزوات میں شامل ہو سکتا ہے۔

③ اور نہ ان کے ساتھ میل و ملاقات پسند کر سکتا ہے۔

④ نہ ان سے مالی عطیات و ہدایا و وظائف حاصل کر سکتا ہے۔

⑤ حتیٰ کہ ایسی جماعت اور ایسے افراد و اشخاص کے ساتھ باہم سلام و کلام تک کاروادر نہیں ہوتا۔

یہ امور معاشرہ کے مشاہدات میں سے ہیں۔ فلہذا معروضات بالا کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ معترض دوستوں کا اس مسئلے میں پروپیگنڈا درست نہیں ہے اور واقعات و مشاہدات بھی اس چیز کی نفی کرتے ہیں اور اس کے برعکس ہیں۔ فلہذا یہ قابل قبول نہیں۔ مسئلہ ہذا میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا ورنہ درایت کے لحاظ سے اس پر غور کیا جاسکتا ہے۔ پس اس بات میں جمہور علمائے امت نے جو کچھ بیان فرمایا ہے وہی صحیح ہے اور اس کو ہم نے سابقاً متعدد بار تحریر کر دیا ہے، رجوع فرما کر تسلی کر لیں۔

قول ”لا اشبع الله بطنه“ سے پر خوری کا اعتراض پھر اس کا حل

بعض روایات میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک بار میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو میں (ازراہ شرم و حیا) دروازے کے پیچھے چھپنے لگا۔ آنجناب ﷺ نے مجھے دیکھ لیا اور گردن سے پکڑا اور ازراہ تَلَطُّف خفیف سی ضرب لگائی اور اس کے بعد فرمایا کہ معاویہ بن ابی سفیان کو بلا لاؤ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں چلا گیا۔ اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ پھر آپ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ، مجھے اس سے کام ہے۔ میں (دوبارہ) گیا اور وہ ابھی کھانا کھا رہے تھے۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ وہ ابھی کھانا کھا رہے ہیں۔ اس پر آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ ”لا اشبع الله بطنه“ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے شکم کو سیر نہ کرے۔

اس روایت کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما پر طعن قائم کرنے والے یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو نبی کریم ﷺ نے پر خوری کی بددعا فرمائی تھی اور وہ کھانے سے سیر نہیں ہوتے تھے (یہ اخلاقی اعتبار سے ایک قبیح خصلت ہے)۔

ازالہ اشکال

اعتراض کو حل کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر توجہ کر لینے سے طعن مذکورہ بالا زائل ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

اولاً..... اصل واقعہ ہذا دیگر روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نبی اقدس ﷺ نے

فرمایا:

((قال اذهب فادع لي معاوية وكان كاتبه قال فسعيت فقلت اجب نبی الله

ﷺ فانہ علی حاجة))^۱

۱۔ مسند امام احمد ص ۲۹۱ ج ۱ تحت مسند ابن عباس

مسند امام احمد ص ۳۳۵ ج ۱ تحت مسند ابن عباس، طبع معر

”یعنی آنجناب ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ جاؤ معاویہ کو میرے لیے بلا لاؤ۔ معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب ﷺ کے کاتب اور منشی تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں دوڑ کر گیا اور امیر معاویہ کو جا کر میں نے کہا کہ آنجناب ﷺ آپ کو بلاتے ہیں، جناب کو ضرورت ہے، آپ حاضر خدمت ہوں۔“

اس روایت میں اصل واقعہ کی نشاندہی اچھی طرح ہو گئی کہ

① ایک تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بار بار روانہ کرنا اصل واقعہ میں شامل نہیں، ایک دفعہ ہی آنجناب ﷺ نے بھیجا ہے۔

② کلمہ ”لا اشبع اللہ بطنہ“ کا فرمان بھی اصل واقعہ میں مذکور نہیں بلکہ بعد میں رواۃ کی طرف سے اضافہ شدہ جملہ ہے۔

روایت ہذا کے ذریعے سے ان ہر دو چیزوں کی سراغ رسانی ہوئی اور معلوم ہوا کہ اصل واقعہ اسی قدر ہے کہ جتنا کہ مسند احمد کی روایت میں مذکور ہے۔ لیکن بعض راویوں نے اس کو بڑھا کر طعن کی شکل میں ذکر کر دیا اور تعبیر راوی نے بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

ثانیاً..... زیر بحث روایت میں مذکورہ تصرفات جس راوی کی طرف سے پائے گئے ہیں ان کا نام ”عمران بن ابی عطاء الاسدی الواسطی القصاب ابو حمزہ“ ہے۔ اس راوی پر علمائے رجال نے نقد اور کلام کیا ہے:

① ((قال ابو زرعة لين وقال العقيلي لا يتابع علي حديثه..... هو ضعيف))^۱

② ((قال ابو زرعة لين و ذكر له عقيلي حديثا استنكره))^۲

③ ((عن ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لا يتابع علي حديثه ولا يعرف الا به))^۳

”حاصل یہ ہے کہ ابو زرعة رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ شخص کمزور ہے۔ عقیلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی

حدیث پر متابعت نہیں پائی گئی..... یہ ضعیف ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو اس نے روایت نقل کی

ہے اس پر اس کا کوئی متابع نہیں ملا اور یہ روایت اس کے سوا کسی دوسرے سے معلوم نہیں ہو سکی۔“

امام نووی رضی اللہ عنہ نے بھی اس چیز کو درج ذیل الفاظ میں ذکر کیا ہے:

((وليس له عن ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عن النبي ﷺ غير هذا الحديث..... هذا

۱ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۳۹ ج ۳ تحت عمران بن ابی عطاء (طبع بیروت)

۲ المنغنی (ذہبی) ص ۴۷۹ ج ۲ تحت عمران بن ابی عطاء (طبع بیروت)

۳ کتاب الضعفاء الکبیر (عقیلی) ص ۲۹۹ ج ۳ طبع جدید، تحت عمران بن ابی عطاء ابو حمزہ قصاب

القصاب فله فی مسلم هذا الحدیث وحده ولا ذکر له فی البخاری))^۱
 ثالثاً..... جستجو کرنے سے مزید یہ تصریح بھی دستیاب ہو گئی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر پر خوری کا طعن
 اولاً قائم کرنے والے اور اس کا خیر کے نشر کرنے والے بھی یہی بزرگ ہیں اور یہ ان کا متفردانہ قول ہے اور
 راوی کا متفرد قول قابل اعتنا نہیں ہوتا۔

چنانچہ بلاذری رضی اللہ عنہ نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

((قال ابو حمزة فكان معاوية بعد ذلك لا يشبع))^۲

مسئلہ صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ اصل طعن مثبت کرنے والے یہی بزرگ ہیں۔ اسی بنا پر علمائے کبار
 نے فرمایا کہ اس مسئلے میں اس کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔ یہ شخص ضعیف ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل
 کرنے میں متفرد ہے اور مسلم نے اس کی دیگر حدیث نہیں لی اور امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اس کو ذکر نہیں کیا۔^۳
 بصورت دیگر اگر بالفرض روایت پر نقد اور تنقید سے قطع نظر کر لیا جائے اور اس جملہ کو بر حال رکھا
 جائے تاہم اس جملہ کو بددعا پر محمول کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کے لیے دیگر محامل ہو سکتے ہیں۔ اس کی خاطر
 معروضات ذیل پر نظر فرمائیں:

حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جناب سید الکونین رضی اللہ عنہ کی ایک دعا امام بخاری رضی اللہ عنہ نے تاریخ
 الکبیر میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((كان معاوية ردف النبي ﷺ فقال: يا معاوية! ما يليني منك؟ قال بطنی۔

قال اللهم املأه علماً وحلماً))^۴

”یعنی ایک دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک سواری پر سوار ہو کر تشریف لے جا
 رہے تھے تو آنجناب رضی اللہ عنہ نے انھیں ارشاد فرمایا کہ تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب تر
 ہے؟ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میرا شکم آپ کے نزدیک ہے۔ اس وقت آنجناب رضی اللہ عنہ
 نے فرمایا اے اللہ! اسے علم اور حلم (بردباری) سے پر فرما دے۔“

اس روایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بطن کے لیے علم و حلم کی دعائے خیر فرمائی گئی ہے۔ یہ مذکورہ بالا
 روایت کے بالمقابل ہے کیونکہ اسی بطن کو اس روایت میں بددعا دی جا رہی ہے اور روایت ہذا میں اسی بطن کو

۱ شرح مسلم (نووی) ص ۳۲۵ ج ۲ تحت باب من لعنہ النبی ﷺ اوسہ..... (طبع دہلی)

۲ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۰۶ ج ۴ ق ۱، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما طبع بیروت۔

۳ شرح مسلم (نووی) ص ۳۲۵ ج ۲ باب من لعنہ النبی ﷺ اوسہ او دعا علیہ

۴ تاریخ الکبیر (بخاری) ص ۱۸ ج ۴ ق ۲ باب وحشی (وحشی حبشی) مولیٰ جبیر بن مطعم۔

علم و حلم سے پر کرنے کی دعا فرمائی ہے۔ روایات کا تقابل خود اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں حقیقتاً بددعا مقصود نہیں۔

۲۔ نیز کسی مسلمان کو بددعا دینا جناب رسالت مآب ﷺ کی عام عادت مبارک کے خلاف ہے۔ آنجناب ﷺ عموماً دعا ہی دیا کرتے تھے۔

۳۔ بلا تصور اور بغیر کسی غلطی کے بددعا کرنا شان نبوت کے خلاف ہے۔ اور خصوصاً فعل مباح پر بددعا کرنا تو عجیب تر بات ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کھانے میں دیر لگانا نہ شرعاً برا ہے اور نہ اخلاقاً ناروا ہے۔ ایک فعل مباح پر ایسے زجر کے کلمات فرمانا عام دستور مبارک کے خلاف ہے۔

۴۔ کبار محدثین نے اس نوع کے کلمات کے محامل ذکر کرتے ہوئے ان کو زبان زد محاورات اور غیر ارادی کلمات کے درجے میں شمار کیا ہے۔ اہل لسان کے نزدیک ایسے کلمات بغیر قصد کے متکلم سے صادر ہوتے ہیں اور ان سے لغوی معانی مقصود نہیں ہوتے، مثلاً:

ثقلتک امک۔ عقری وحلقی۔ تربت یداک۔ علی رغم انفک وغیرہ وغیرہ۔ ان کلمات میں بددعا مقصود نہیں ہوتی۔ اسی نوع کے کلمات میں لا اشبع اللہ بطنہ کو داخل کیا جاتا ہے۔

ملا علی قاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((هذا دعاء لا يراد وقوعه بل عادة العرب التكلم بمثله على سبيل التلطف..... ثم هذا و امثال ذلك مثل تربت يداه وثقلته امه مما يقع في كلامهم لدلالة على تهويل الخبر وان ما سمعه لا يوافق له لا للقصد الى وقوع مدلوله الاصلى والدلالة على التماسه))^۱

شرح مسلم نووی^۲ اور تطہیر البیان^۳ ابن حجر مکی میں یہی مضمون منقول ہے۔

نیز ملا علی قاری رضی اللہ عنہ نے شرح مشکوٰۃ میں ”ثقلتک امک“ کے تحت یہ چیز ذکر کی ہے۔

((ای فقدتک امک وهو دعاء علیه بالموت علی ظاہرہ ولا يراد وقوعه بل هو تأدیب و تنبیہ من الغفلة وتعجیب وتعظیم للامر))^۴

”یعنی بظاہر تو یہ کلمات ”موت کی بددعا“ ہیں لیکن متکلم کے نزدیک اس کا وقوع مراد نہیں ہوتا بلکہ

۱۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۲ ج ۵ باب خطبۃ یوم النحر، الفصل الاول طبع ملتان

۲۔ شرح مسلم (نووی) ص ۳۲۵ ج ۲ باب من لعن النبی ﷺ اوسہ... الخ، طبع دہلی

۳۔ تطہیر البیان (ابن حجر مکی) مع الصواعق المحرقة ص ۲۹ الفصل الثالث فی الجواب عن امور... الخ

۴۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، علی بن سلطان محمد قاری ص ۱۰۶ ج ۱، تحت لفظ ”ثقلتک امک“ کتاب الایمان الفصل الثانی۔

اس قسم کی تادیب اور غفلت سے تنبیہ ہوتی ہے اور معاملہ کو قابل تعجب اور بڑا جتلانا مقصود ہوتا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ ”لا اشبع اللہ بطنہ“ کے کلمات بھی بطور تنبیہ یا تعجب وغیرہ کے ہیں، ان سے بددعا مراد نہیں۔

۵۔ نیز محدثین کرام اس روایت کی ایک عمدہ توجیہ ذکر کرتے ہیں اور وہ دیگر صحیح روایات کی روشنی میں بالکل درست ہے وہ اس طرح ہے کہ سید الکونین رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں انسان ہوں اور لوگوں کے ساتھ بعض دفعہ راضی ہوتا ہوں اور بعض اوقات ناراض ہو جاتا ہوں اور سخت کلمات بھی صادر ہو جاتے ہیں، تو میں نے اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ شرط کر رکھی ہے کہ

((فایما احد دعوت علیہ من امتی بدعوة لیس لها باهل ان تجعلها له طهورا
وزکاة وقربة تقر به بها منه يوم القيامة))^۱

”یعنی فرمایا کہ میری امت میں سے جس کے خلاف میں ایسے کلمات کہہ دوں جن کا وہ مستحق نہیں ہے تو اے اللہ! (ایسی صورت میں) ان کلمات کو اس شخص کے حق میں پاک اور صاف کر دینے والے بنا دے اور قیامت کے دن ان کی نزدیکی اور تقرب کا باعث بنا دے۔“

پس فرمان ہذا کے اعتبار سے اگر آنجناب رضی اللہ عنہ نے بالفرض بددعا کے طور پر یہ مذکورہ جملہ (لا اشبع اللہ بطنہ) ارشاد فرمایا ہو تو پھر بھی وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے باعث تطہیر ہوا اور قیامت میں تقرب کا سبب بنے گا۔

بہر کیف محدثین کرام نے اس مقام پر واضح الفاظ میں تصریح کر دی ہے کہ

((ان هذا الحديث من مناقب معاوية الجلیلة لانه بان بما قررتہ انه دعاء
لمعاوية رضی اللہ عنہ لا علیہ وبه صرح الامام النووی))^۲

”یعنی یہ مذکورہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں گراں قدر مناقب میں سے ہے۔ کیونکہ

۱۔ مسلم شریف ص ۳۲۳ ج ۲ باب من لعن النبی رضی اللہ عنہ اوسہ او دعاءہ علیہ رضی اللہ عنہ

مسند ابی یعلیٰ الموصلی ص ۸۹ ج ۲ تحت ۱۰ ندات ابی سعید خدری

شرح مسلم، نووی ص ۳۲۵ ج ۲ تحت الحدیث

اکمال اکمال المعلم شرح مسلم ص ۴۷ ج ۷ باب دعاء رضی اللہ عنہ لمن دعا علیہ رضی اللہ عنہ

تطہیر البیان، ابن حجر کئی ص ۲۹ الفصل الثالث فی الجواب عن امور طعن علیہ رضی اللہ عنہ

الناہیہ عن طعن معاویہ ص ۳۵ تحت جواب طعن ثانی۔ طبع ملتان۔

۲۔ تطہیر البیان واللسان مع الصواعق المحرقة (ابن حجر کئی) ص ۲۹ تحت الفصل الثالث۔

(جیسا کہ ہم نے اس کی تشریح لکھی ہے) یہ ان کے حق میں دعائے خیر ہے نہ کہ بددعا۔ امام نووی رضی اللہ عنہ نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔“

اور یہ دیگر شارحین مسلم شریف نے اسی طرح تحریر کیا ہے۔

⑥ ناظرین کرام! توجہ فرمائیں کہ اصل واقعہ جو روایت میں مذکور ہے اس سے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ”اعتماد نبوی“ اور ”امانت داری“ عمدہ طریقہ سے ثابت ہوتی ہے اور یہ ان کی کمال خوش نصیبی ہے کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کتابت و انشاء کی خدمات جلیلہ سرانجام دیتے تھے اور اسی سلسلے میں اس موقع پر بھی بلائے گئے۔ لیکن مخالفین نے انہیں اس واقعہ کو اعتراض کی شکل دے دی اور اس سے ”پر خوری“ کا طعن تجویز کر لیا۔ (فیما للعجب) سچ ہے کہ

ع ہنر پنجم عداوت بزرگ تر عیب است

بسر بن ارطاة کے مظالم کے متعلقات

اعتراض قائم کرنے والے احباب بسر بن ارطاة کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے اس موقع پر درج ذیل واقعہ لکھتے ہیں:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے علاقہ حجاز دیمین پر آپ کے چچا زاد برادر عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حاکم تھے۔ اسی دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاة کو اس علاقے کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ جب بسر بن ارطاة اس علاقہ میں پہنچا تو اس نے بہت مظالم کیے اور کئی لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور کوفہ چلے گئے تو بسر بن ارطاة نے ان کے دو صغیر السن فرزندوں عبدالرحمن اور قثم کو قتل کر ڈالا جن کا کوئی قصور نہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاة کے مظالم پر کوئی کارروائی نہیں کی اور اسے کوئی سزا نہیں دی۔ اس طرح انھوں نے اپنے حکام و دولا کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور قانون کی بالاتری کا خاتمہ کیے ہوئے تھے۔

شبہ کا ازالہ

مندرجہ بالا اعتراضات کو صاف کرنے کے لیے مندرجہ ذیل چیزوں پر نظر فرمائیں، امید ہے کہ ان شبہات کا ازالہ ہو سکے گا۔

جس دور میں یہ واقعات مذکورہ بالا پیش آئے ہیں وہ ایک ابتدائی دور تھا اور اس میں ہر ایک فریق دوسرے سے مسابقت اور تجاوز کرنے کی کوشش میں تھا۔ ہر فریق ایک دوسرے کے علاقے پر اپنے ہم نوا لوگوں کی حمایت پر زور دے رہے تھے۔ ان حالات میں بعض دفعہ زیادتیوں اور مظالم کا پایا جانا ایک فطرتی امر ہے اور ہر ایک فریق سے اس نوع کی ناروا کارروائیوں کا صادر ہونا کچھ بعید نہیں۔

نیز یہ چیز بھی ہے کہ بسر بن ارطاة وغیرہ کے مظالم جو معترض دوستوں نے ذکر کیے ہیں اسی نوع کے واقعات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جماعت کی طرف سے بھی بعض اوقات پائے گئے ہیں اور ان لوگوں کے تجاوزات اور زیادتیوں پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی گرفت اور مواخذے کا ذکر ہماری معلومات کی حد تک نہیں پایا جاتا۔ مورخین نے اس نوع کے چند ایک واقعات نقل کیے ہیں، ان پر نظر فرمائیں:

① مثلاً مورخین نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے جو بنی فزارہ کے ایک شخص کے قتل کے متعلق ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی معاون اشتر نے لوگوں کو اہل شام کے خلاف قتال پر آمادہ کرنا چاہا تو بنی فزارہ کے ایک شخص اربد نے اس معاملے میں مخالفت کی۔ اس پر اشتر اٹھ کھڑا ہوا اور لوگوں سے کہا کہ فزاری کو پکڑو، جانے نہ پائے۔ اربد بھاگ کھڑا ہوا اور بازار کے ایک مکان میں جا داخل ہوا۔ اشتر کے آدمیوں نے اسے وہاں جالیا اور لاتوں مکوں اور تلوار کی میانوں سے خوب مارا، حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ اسے ہمدانیوں نے قتل کیا اور کچھ دوسرے لوگ بھی شامل تھے۔ آپ نے فرمایا یہ بلوہ میں قتل ہوا ہے اور اس کا قاتل مشتبہ ہے، متعین نہیں۔ چنانچہ اس کی دیت مسلمانوں کے بیت المال سے ادا کی جائے۔

مشہور شیعہ مورخ نصر بن مزاحم کہتا ہے کہ:

((فقام الاشر فقال من لهذا ايها الناس! وهرب الفزاري واشتد الناس على اثره فلحق بمكان من السوق تباع فيه البرازين فوطوه بارجلهم وضربو بايدهم ونعال سيوفهم حتى قتل فاتي على فقيل يا امير المؤمنين! قتل الرجل قال ومن قتله؟ قالوا قتله همدان و فيهم شوية من الناس فقال قتيل عمية لا يدري من قتله ديته من بيت مال المسلمين))^۱

② اسی طرح مورخین لکھتے ہیں کہ بصرہ کے علاقے سے جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف تشریف لے گئے تو زیاد کو اپنا قائم مقام چھوڑا۔ اسی دوران میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن عمرو حضرمی ایک مکتوب اہل بصرہ کے لیے لائے جس میں ان کو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے تعاون کا جو اقرار تھا اس کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ عبداللہ بن عمرو حضرمی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب لے کر بصرہ میں بنی تمیم کے ہاں آ کر ٹھہرے اور انھوں نے انھیں پناہ دی۔ اس دوران میں زیاد کے ساتھ بنی تمیم کا تنازع اور معارضہ ہوا جس میں بنی تمیم کا ایک شخص مارا گیا۔ زیاد نے ان حالات سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا۔

((فبعث عند ذلك على جارية بن قدامة التميمي في خمسين رجلا الى قومه بني تميم وقصده جارية فحصره في دار هو وجماعة معه فحرقهم بالنار))^۲

۱۔ وقعة الصفيين (نصر بن مزاحم المنقري الشيعي الرافضي) ص ۱۰۵-۱۰۶ طبع مصر (تحت مقتل اربد الفزاري نطقة الاشر)

۲۔ البداية والنهاية (ابن كثير) ص ۳۱۶ ج ۷ تحت واقعه ہزار سنہ ۳۸ھ

”یعنی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ تمیمی کو اس کی قوم کی طرف پچاس آدمیوں کے ہمراہ بھیجا تاکہ بنی تمیم عبداللہ بن عمرو حضرت کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔ مگر بنی تمیم اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور ابن حضرت کی حمایت پر قائم رہے۔ اس وقت جاریہ بن قدامہ نے حضرت اور ان کے ساتھیوں کا ایک گھر میں محاصرہ کر لیا (بعض کہتے ہیں کہ وہ چالیس افراد تھے اور بعض کے نزدیک ان کی تعداد ستر تھی) اور ان تمام کو آگ میں جلا دیا۔“

اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس واقعہ کو بالفاظ ذیل کیا ہے:

((فاحرق علیہ الدار فاحرق فیہا خلق))

”یعنی جس گھر میں عبداللہ بن عمرو حضرت اور ان کے ساتھی تھے اس کو جاریہ بن قدامہ نے جلا ڈالا اور ایک مخلوق اس میں جل کر راکھ ہو گئی۔“

③ فتنہ اور ابتلائی دور کا ایک اور مشہور واقعہ مورخین اس طرح ذکر کرتے ہیں (جس طرح کہ سوال میں معترض نے ذکر کیا) کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ارطاة کو علاقہ حجاز کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔ جب یہ یمن پہنچا تو عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والی یمن سے معارضہ ہوا۔ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مقابلے کی تاب نہ لا کر کوفہ چلے گئے۔ بعد میں بسر بن ارطاة نے کئی مظالم کیے حتیٰ کہ بقول مورخین اس نے عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے دو صغیر السن فرزندوں عبدالرحمن اور تمیم کو قتل کر ڈالا۔ بسر کے مقابلے اور جوابی کارروائی کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو روانہ کیا۔

طبری لکھتے ہیں:

((فسار جاریہ حتی اتی نجران فحرق بہا واخذ ناسا من شیعۃ عثمان فقتلہم وھرب بسر واصحابہ منہ واتبعہم حتی بلغ مکة))

”یعنی جب جاریہ بن قدامہ نجران پہنچا تو اس نے وہاں لوگوں کو جلا ڈالا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بے شمار حامیوں کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ بسر اور اس کے ساتھی مکہ کی طرف بھاگ گئے۔ جاریہ نے ان کا مکہ تک تعاقب کیا۔“

اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس چیز کو بالفاظ ذیل درج کیا ہے:

((فبعث جاریہ هذا فجعل لا یجد احدا خلع علیا الا قتله وحرقه بالنار حتی

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۳ ج ۲ تحت ترجمہ جاریہ بن قدامہ

۲ تاریخ ابن جریر طبری ص ۸۰-۸۱ ج ۶ تحت توجیہ معاویہ بسر بن ارطاة سنہ ۴۰ھ

الہدایہ ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

انتھی الی الیمن فسمی محرقاً))۱

”یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جاریہ بن قدامہ کو روانہ فرمایا۔ جاریہ یمن پہنچا۔ جس شخص کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منحرف معلوم کرتا اس کو قتل کر دیتا تھا اور آگ میں جلا دیتا تھا۔ اس بنا پر لوگ جاریہ کو محرق کہنے لگے (یعنی جلا ڈالنے والا)۔“

جاریہ بن قدامہ کے اس قتل عام اور مظالم کو قدیم شیعہ مورخین یعقوبی و مسعودی وغیرہ نے بھی اپنے انداز میں ذکر کیا ہے:

((و قتل من اصحابه خلقا و اتبعهم بقتل و اسر حتی بلغ مكة))۲

”یعنی بسر کے حامیوں کی ایک بڑی جماعت کو جاریہ نے قتل کیا اور قید کیا اور یہ سلسلہ اس نے جاری رکھا حتیٰ کہ مکہ پہنچا۔“

مدینہ میں فساد

جاریہ بن قدامہ حسب معمول قتل و غارت کرتا ہوا مدینہ شریف پہنچا۔ یہاں ان ایام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جاریہ کے قتل و غارت کے متعلق سن چکے تھے اس لیے جب جاریہ بن قدامہ وہاں پہنچا تو آپ مدینہ شریف سے فرار ہو گئے۔ جب جاریہ کو آپ کے فرار کی خبر ملی تو وہ کہنے لگا: اگر میں ابوسنور (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) پر قابو پالیتا تو اس کی گردن اڑا دیتا۔

جاریہ نے اہل مدینہ سے کہا کہ جناب حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) کے لیے بیعت کرو۔ چنانچہ لوگوں نے اس کے حکم پر بیعت کی پھر یہ مدینہ شریف سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واپس تشریف لائے اور حسب معمول نمازیں پڑھانے لگے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ

((ثم سار حتى اتى المدينة و ابوهريرة يصلى بهم فهرب منه فقال جارية والله لو اخذت ابا سنور لضربت عنقه ثم قال لاهل المدينة بايعوا لحسن بن علي فبايعوه و اقام يومه ثم خرج منصرفا الى الكوفة و عاد ابوهريرة فصلى بهم))۳

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۴ ج ۲ (سنہ ۵۰ھ) تحت تراجم اہل ہذہ الطبقة ترجمہ جاریہ بن قدامہ

۲ تاریخ یعقوبی شیبی ص ۱۹۹ ج ۲ تحت حالات بسر بن ارطاة

۳ مروج الذهب (مسعودی شیبی) ص ۳۱ ج ۳ تحت ذکر ایام معاویہ بن ابی سفیان

۴ تاریخ ابن جریر طبری ص ۸۱ ج ۲ تحت توجیہ معاویہ بسر بن ارطاة سنہ ۴۰ھ

البدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۲ ج ۷ تحت سنہ ۴۰ھ

نتائج و فوائد

گزشتہ واقعات کی روشنی میں مندرجہ ذیل چیزیں ثابت ہوتی ہیں:

① بنی فزارہ کے ایک شخص اربد کا قتل اشتر نخعی کے لوگوں کو برا بیچتے کرنے پر وقوع پذیر ہوا۔ حالانکہ وہ گردن زدنی سزا کا مستحق نہیں تھا۔ پھر اس کی دیت کا مسئلہ آیا تو قتل پر ابھارنے والوں اور قتل کرنے والوں سے دیت نہیں دلوائی گئی بلکہ مسلمانوں کے بیت المال سے دلوائی گئی۔ لیکن اسی نوع کا معاملہ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں پایا جاتا ہے اور معاملہ مشتبہ ہونے کی بنا پر دیت مسلمانوں کے بیت المال سے دلوائی جاتی ہے تو معترضین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بیت المال سے دیت ادا کرنے کا طعن قائم کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے چشم پوشی اختیار کی جاتی ہے۔ دراصل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بھی طعن قائم نہیں کیا جانا چاہیے جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس مقام پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس موقع کے واقعات کو ان حضرات کی صوابدید پر چھوڑنا مناسب ہے۔

② عبداللہ بن عمرو حضرمی کے واقعے میں ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ بنی تمیم کا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ عہد کا مسئلہ تھا جو بظاہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تھا لیکن وہ اس کا خلاف نہیں کرنا چاہتے تھے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرستادہ شخص جار یہ بن قدامہ نے کم و بیش چالیس یا ستر آدمیوں کا محاصرہ کر کے جلا ڈالا اور بقول بعض مورخین ایک بڑی مخلوق کو نذر آتش کر دیا۔ مختصر یہ ہے کہ بنی تمیم کا نظریاتی اختلاف تھا۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف رائے رکھتے تھے۔ اسلام میں اس جرم کی سزا کیا احراق و تحریق ہے؟ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ اپنی جگہ پر ایک بڑا سنگین واقعہ ہے۔ اس میں بھی مورخین کے قول کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہ اس شخص (جار یہ بن قدامہ) سے باز پرس کی نہ کوئی سزا دی اور نہ اسے معزول ہی کیا۔

اسی طرح کا مسئلہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیش آ جائے تو معترض احباب طعن و تشنیع کرتے کرتے آسمان پر پہنچتے ہیں۔ آخر اس یکطرفہ طریق کار کی وجہ کیا ہے؟

③ تیسرا واقعہ بسر بن ارطاة کے مقابلے کے لیے جار یہ بن قدامہ کا علاقہ یمن میں پہنچنا اور لوگوں کو جلا ڈالنا اور شیعان عثمان کو پکڑ کر قتل کر ڈالنا یہ اپنی جگہ اگرچہ جوابی کارروائی ہے مگر شیعان عثمان کو بے دریغ جلانا اور قتل کر ڈالنا جار یہ بن قدامہ کے مظالم اور تجاوزات سے ہیں جن پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی محاسبہ یا گرفت اور کوئی سزا یا سرزنش ہمارے مطالعہ کی حد تک مورخین نے ذکر نہیں کی۔

مدینہ شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جار یہ بن قدامہ کا یہ کہنا کہ اگر میں اس پر قابو پا لیتا تو گردن اڑا دیتا، یہ گردن اڑا دینا آپ کے کون سے جرم کی شرعی سزا ہے؟

بسر بن ارطاة کے مظالم ذکر کرنے والے حضرات کو جاریہ بن قدامہ کے اس قسم کے تجاوزات اور مظالم کیا نظر نہیں آتے؟ اور اشتر نخعی کے تجاوزات اور اس کی چیرہ دستیایں معترض احباب کو فراموش ہو جاتی ہیں جو مورخین نے ذکر کی ہیں؟ اگر یہ لوگ اپنی فطرت سے مجبور ہیں تو ان کو دونوں طرف نظر ڈالنی چاہیے اور طعن کے معاملے میں ان کو توازن قائم رکھنا چاہیے۔ ہمارا مشورہ تو معترض احباب کے لیے یہ ہے کہ دونوں جانب اعتراض کرنے سے اجتناب کریں اور ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔

انتباہ

ما قبل میں ناظرین نے تاریخی روایات کی روشنی میں چند واقعات ملاحظہ کر لیے۔ اسی قسم کے متعدد واقعات دونوں فریق کے خلاف اعتراضات قائم کرنے کے لیے تاریخ میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس مقام پر ہمارا موقف اور مسلک یہ ہے کہ ہم ایسے تاریخی واقعات کو جو کسی طرح بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت عظمت اور علوم مرتبت کے منافی ہوں اور ان سے عیب اور تنقیص کا پہلو نکلتا ہو کسی صورت میں بھی صحیح نہیں سمجھتے خواہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہوں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہوں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اس نوع کی تاریخی روایات سے بالاتر ہے اور ان سے صحابہ کے دینی وقار کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

تنبیہ

معترض احباب نے مذکورہ واقعہ کو بڑی اہمیت دی ہے جس میں عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صغیر السن فرزندوں (عبدالرحمن اور قثم) کو قتل کر دینا مذکور ہے۔ اس کے متعلق ہم یہاں چند چیزیں ذکر کرنا چاہتے ہیں جس سے اس واقعہ کا بے اصل ہونا واضح ہو جائے گا:

① پہلی چیز یہ ہے کہ اکابر مورخین نے اس مقام پر بسر کے حالات کو تو ذکر کیا ہے مگر بچوں کا یہ قتل بالکل ذکر نہیں کیا:

(الف) تاریخ خلیفہ ابن خیاط تحت سنہ ۴۰ھ تحت واقعہ ہذا

(ب) طبقات ابن سعد ج ۷ قسم ثانی تحت بسر بن ارطاة

(ج) نسب قریش (مصعب زبیری) تحت حالات عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

(د) الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۳۰-۴۳۱ ج ۲ تحت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

مندرجہ بالا اکابر مورخین و محدثین نے بسر کا واقعہ ہذا اور عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عامل یمن ہونا وغیرہ تحریر کیا ہے مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی فرزندوں کے قتل کا واقعہ ذکر نہیں کیا حالانکہ ایسے دردناک واقعہ کا ذکر کرنا نہایت اہم اور ضروری تھا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اس واقعہ کو نقل کرنے والوں میں اونچا بزرگ ابن جریر طبری ہے جس نے ۴۰ھ کے تحت بچوں کے قتل کا یہ واقعہ ذکر کیا ہے اور طبری نے روایت ہذا کی جو سند ذکر کی ہے (عن زیاد بن عبد اللہ البکائی عن عوانہ قال ارسل معاویۃ) اس میں واضح انقطاع پایا جاتا ہے۔ مذکورہ رواۃ میں سے عوانہ (ابن الحکم) کی وفات بقول بعض مورخین ۱۴۷ھ اور بقول حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ ۱۵۸ھ میں ہے جبکہ واقعہ ہذا بقول طبری ۴۰ھ میں پیش آیا۔ ظاہر ہے کہ عوانہ اس کے بعد ایک سو سات سال اور زندہ رہا۔ اگر یہ نہیں تو پھر عوانہ مذکور اس واقعہ کے حاضرین میں سے یا اس کے براہ راست ناقلین میں سے نہیں ہے۔ فلہذا ایسی منقطع روایت سے واقعہ کا اثبات اور پھر اس سے اعتراض کا تیار کرنا درست نہیں۔ اس انقطاع کے دوران میں معلوم نہیں کس قسم کے لوگ واقعہ کو نقل کرنے والے ہیں۔ بنا بریں ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

② پھر اس کے بعد قابل ذکر چیز یہ ہے کہ ابن جریر طبری اور اس سے ناقلین نے اس واقعہ کو بڑی آب و تاب سے ذکر کیا ہے لیکن ابن کثیر رضی اللہ عنہ جیسے کبار علماء نے اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد یہ بھی لکھ دیا ہے کہ

((هذا الخبر مشهور عند اصحاب المغازی والسير وفي صحته عندي

نظر..... والله تعالى اعلم))

”یعنی حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ (فرزندوں) کے قتل کی خبر اگرچہ علمائے مغازی و سیر کے

ہاں شہرت یافتہ ہے لیکن میرے نزدیک اس کا صحیح ہونا مشتبہ اور قابل تاہل ہے۔“

وجہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے ناقلین میں ابن جریر طبری ہے (جیسا کہ اوپر ذکر ہوا) اور ابن انباری، مبرد، ابن کلبی اور ابن وردی اور مدائنی وغیرہم اس قسم کے واقعات کو نقل کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ اس قسم کے بے اصل قصہ جات کو بہت بنا سجا کر نقل کیا کرتے ہیں اور ان لوگوں کی اس نوع کی روایات پر اخباری لوگ ہی اعتماد کر سکتے ہیں۔ محدثین اور اہل دین ان کی اس نوع کی مرویات پر اعتماد نہیں کرتے اور نہ قابل وثوق سمجھتے ہیں۔

(۱) اور یہاں یہ چیز قابل غور ہے کہ جس وقت سیدنا علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اسی

سال ۴۰ھ میں مصالحت ہوئی تھی اس وقت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزندوں کے ناحق قتل کے متعلق ان

کے قصاص اور دیت وغیرہ کا مسئلہ کیوں پیش نظر نہیں رکھا گیا؟ اور اس کے تصفیہ کے بغیر صلح کیسے تسلیم کر لی

گئی؟ حالانکہ یہ اس دور کا بڑا اہم اور سنگین معاملہ تھا۔

ناظرین کرام پر واضح رہے کہ اس مصالحت کا ذکر ہم قبل ازیں اپنی کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ ص ۱۶۶

پر کر چکے ہیں اور حوالہ جات بھی وہاں لکھ دیے ہیں۔ مورخین ابن جریر، ابن اثیر، ابن کثیر وغیرہ ان تمام لوگوں نے یہ مصالحت درج کی ہے۔

(۲) نیز یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی اور اس کے بعد حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی باقاعدہ صلح ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ ۴۱ھ میں ہو گئی اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کا پورا معاملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ اس صلح میں جناب حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بڑی اہم شرائط پیش کی گئیں۔ اس وقت بھی ان چچا زاد صغیر السن بچوں کے ناحق قتل پر دیت اور طلب قصاص وغیرہ کا کوئی مطالبہ پیش نہیں کیا گیا۔ حالانکہ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تا حال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بعض مقامات پر حاکم اور والی تھے بلکہ بقول ابن اثیر جزری رضی اللہ عنہ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس صلح میں خود حاضر تھے۔

((وانما كان الذي شهد صلح الحسن عبید الله بن عباس رضي الله عنهما))^۱

یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا اور ہرگز نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔ اس پر گفتگو کے بغیر صلح کا معاملہ کس طرح طے کر لیا گیا؟ فافہم
ایک لطیفہ

اس مقام پر شیعہ کے علمائے رجال متقدمین و متاخرین نے عبید اللہ بن عباس کے متعلق ایک ایسا واقعہ ذکر کیا ہے جو کسی طرح بھی لطیفہ سے کم نہیں۔

شیعہ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اپنے چچا زاد برادر عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ایک پرچم دے کر بطور امیر جیش ایک مقام کی طرف روانہ فرمایا۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ عبید اللہ رضی اللہ عنہ فلاں مقام پر پہنچے ہیں تو آپ نے ایک لاکھ درہم عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف ارسال کیے۔ اس کے بعد عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وہی علم ساتھ لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے اور ان کے ساتھ لاحق ہو گئے۔ اس حالت میں عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنا لشکر بغیر قائد و امیر کے رہ گیا۔

((فبعث اليه معاوية بمائة الف درهم فمر بالرايته ولحق بمعاوية وبقی

العسكر بلا قائد ولا رئيس))^۲

ہم اس بات کی طرف نہیں جاتے کہ شیعہ علماء نے کس انداز سے اکابر ہاشمی حضرات کی کردار کشی کی ہے

۱۔ الکامل، ابن اثیر جزری ص ۱۹۴ ج ۳ تحت ذکر فراق ابن عباس المہرہ

۲۔ رجال کشی ص ۴۲ تحت عبید اللہ بن عباس طبع قدیم ممبئی

رجال ماتقانی ص ۲۳۹ ج ۲ تحت عبید اللہ بن عباس، طبع اول تہران۔

اور ان کے مقام اخلاق کو کس طرح گرایا ہے۔ یہ مسئلہ ان کے سپرد ہے۔ ہم اس واقعہ سے یہ تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ اگر عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزندوں کا ناحق قتل ہو چکا تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کارندوں نے ہی کیا تھا تو پھر یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیسے مل گئے؟ کیا ان کی دیانت اور اخلاق کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی اور عزیز فرزندوں کے ناحق قتل کی کچھ اہمیت نہ تھی؟

④ مزید قابل غور یہ بات بھی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے ساتھ مصالحت کے بعد اکابر ہاشمی حضرات مع عبداللہ بن عباس اور عبید اللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے حسب دستور عمدہ تعلقات قائم رکھے ہوئے تھے۔ ہاشمی حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کی طرف سے ہدایا و عطایا وصول کرتے تھے۔

یہ چیزیں بھی واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزندوں کے قتل کا واقعہ بے اصل ہے اور تاریخی افسانہ کے درجے میں ہے۔ ناظرین کرام مطلع ہوں کہ اکابر ہاشمی حضرات کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات کو ہم نے کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ کے ص ۱۸۷ سے ص ۲۰۹ تک ذکر کر دیا ہے، تسلی کے لیے رجوع فرما سکتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ یہ واقعات بھی اس بات کا قرینہ ہیں کہ اگر کوئی اس قسم کا سفاکانہ و ظالمانہ قتل خصوصاً معصوم بچوں کا قتل ہو چکا تھا تو اس کو کیسے فراموش کر دیا گیا؟ اور اپنے مفادات کو مقدم رکھتے ہوئے مندرجہ نوعیت کے تعلقات کس طرح استوار کر لیے گئے؟ ناظرین کرام غور فرمائیں۔

⑤ نیز علمائے انساب نے ایک رشتہ ذکر کیا ہے جو عبید اللہ بن عباس اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے خاندان میں پایا جاتا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی لبابہ کا رشتہ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عباس کے ساتھ تھا پھر ان سے اولاد ہوئی۔ لیکن جب وہ اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ کربلا میں شہید ہو گئے تو اس کے بعد لبابہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر زادے ولید بن عتبہ ابی سفیان سے شادی کر لی۔ وہ اس وقت مدینہ اور مکہ کے والی تھے۔ اور پھر ان سے آپ کی اولاد بھی ہوئی۔

((واما لبابة بنت عبیداللہ (بن عباس) فانها كانت عند عباس بن علی بن ابی طالب فولدت له فقتل عنها مع حسین بن علی، فتزوجها الولید بن عتبہ بن ابی سفیان وهو یومئذ وال علی المدینة ومكة، فولدت له القاسم بن الولید بن عتبہ بن ابی سفیان))

۱ کتاب نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۳۲ تحت اولاد عبید اللہ بن عباس، ص ۱۳۳ تحت ولد عتبہ بن ابی سفیان، طبع مصر

کتاب الحجر (ابو جعفر بغدادی) ص ۳۳۱

(شیخ) حواشی عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب (ابن عتبہ جمال الدین) ص ۳۳ تحت اولاد جعفر بن ابی طالب طبع نجف اشرف

یہ رشتہ داری بھی اس چیز کا قرینہ ہے کہ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حاکم بسر نے عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے فرزندوں کے قتل کا ظلم کیا تھا تو پھر یہ رشتہ داری کیسے قائم ہوئی؟ لبا بہ نے اپنے بھائیوں کے قاتل خاندان کے ساتھ رشتہ داری کس طرح قبول کر لی؟ اور خود عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کیسے آمادہ ہو گئے؟ یہ چیز قابل غور ہے۔ نیز یہ نسبی تعلق ہم نے قبل ازیں اپنی کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ ص ۱۲۸-۱۲۹ پر بھی ذکر کر دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ فرزندوں کے قتل کا واقعہ بے بنیاد ہے۔

(۶)

ما قبل میں چند ایک قرائن ”کم سن فرزندوں کے قتل“ کے واقعہ کے بے اصل ہونے پر ہم نے ذکر کیے ہیں۔ اسی سلسلے میں یہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک بیان ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر بطور تبصرہ کے ہے اور ان کی صفائی کے متعلق ہے۔ اس سے بھی یہی چیز واضح ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے برادر زادوں کے قتل کا قصہ بے اصل اور بے سرو پا ہے۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ

((ان ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لله در ابن هند ولینا عشرين سنة فما اذانا على ظهر منبر ولا بساط صيانة منه لعرضه واعراضنا، ولقد كان يحسن صلتنا ويقضى حوائجنا))^۱

”یعنی (عبداللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ امیر معاویہ کی خوبی اور خیر کثیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہ قریباً بیس سال ہمارے والی اور حاکم رہے۔ اپنی اور ہماری عزت کے تحفظ کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے، خواہ وہ منبر پر تھے یا فرش پر، ہمیں کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہیں پہنچائی۔ انھوں نے ہمارے ساتھ صلہ رحمی اچھی طرح قائم رکھی اور ہماری ضروریات کو پورا کرتے رہے۔“

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس بیان سے جس طرح آپ کے کم سن برادر زادوں کے قتل کا تاریخی افسانہ بے سرو پا معلوم ہوتا ہے اسی طرح منبروں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف سب و شتم کی روایات کا بے اصل اور غلط ہونا بھی واضح ہو رہا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اگر یہ واقعات صحیح ہوتے اور ان میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ایسے صفائی کے بیانات کیسے دے سکتے تھے؟

آخر میں گزارش ہے کہ حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے قتل مذکور کے حق میں جو کلمات ”فی صحته عندی نظر“ فرمائے ہیں (جیسا کہ اوپر ہم نے درج کر دیا ہے) وہ بجا طور پر صحیح اور درست معلوم ہوتے ہیں۔

۱ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۶۸ قسم اول جزء رابع تحت مذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (طبع یرشلیم)

حاصل کلام یہ ہے کہ معترض حضرات نے عہد معاویہ میں ”قانون کی بالاتری کا خاتمہ“ کے تحت کم سن بچوں کے قتل کا جو واقعہ نقل کیا ہے اور اس پر اعتراض کی بنیاد قائم کی ہے وہ واقعہ ہی بے اصل ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ فلہذا اعتراض ساقط ہے۔ ان بزرگوں نے تاریخی بے سرو پا روایات کے پیش نظر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مطعون کرنے کی کوشش کی ہے۔ (انما للامرء ما نوی)

لونڈیاں بنانے کا اعتراض

بسر بن ارطاة کی کارگزاریوں کی بنا پر اس مقام پر معترض دوست حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اور طعن قائم کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمال اور سپہ سالار شرعی احکام کے پابند نہیں تھے اور ان کو ظلم و زیادتی کرنے کی کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی۔ چنانچہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک سپہ سالار بسر بن ارطاة نے اہل ہمدان پر حملہ کر کے یہ ظلم عظیم کیا کہ وہاں آزاد مسلمان عورتیں قید کی گئیں، انھیں لونڈیاں اور باندیاں بنا لیا گیا، حالانکہ شریعت میں اس کا کوئی جواز نہیں۔ یہ شرعی احکام کی خلاف ورزی ہے۔

جواب

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ بسر بن ارطاة کے متعلق قبل ازیں چند چیزیں ذکر ہو چکی ہیں۔ ہم اس کی معصومیت کے قائل نہیں ہیں اور نہ اس بات کے دعویدار ہیں کہ اس سے کسی ظلم و زیادتی کا صدور نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے انتظامی معاملات میں کئی غلطیاں صادر ہوئی ہوں۔

اس گزارش کے بعد ہم مندرجہ بالا اعتراض کے جواب کے لیے ذیل میں چند امور پیش کرتے ہیں ان سے اعتراض کی خفت اور سبکی نمایاں ہو جائے گی:

① معترض حضرات نے اس واقعہ پر کتاب الاستیعاب لابن عبد البر کا حوالہ دیا ہے۔ الاستیعاب لابن عبد البر کی تاریخی مرویات کے متعلق قبل ازیں ہم ”طلاق کی بحث“ میں مقدمہ ابن صلاح کا حوالہ درج کر چکے ہیں اور اس سے استیعاب کی تاریخی مرویات کا عدم وثوق کا درجہ معلوم ہو چکا ہے۔ اب مزید برآں اسی نوع کا کلام استیعاب کی تاریخی مرویات کے متعلق اکابر علماء سے نقل کرتے ہیں:

اصول حدیث کی کتاب تقریب النووی میں امام نووی رضی اللہ عنہ نے اور اس کی شرح تدریب الراوی میں علامہ سیوطی رضی اللہ عنہ نے درج ذیل الفاظ میں تنقید ذکر کی ہے:

((ومن احسنها واكثرها فوائد الاستيعاب لابن عبد البر لولا ما شانہ بذكر ما

شجر بين الصحابة وحكاية عن الاخباريين))

اور شارح مذکور نے مذکورہ بالا عبارت پر مزید درج ذیل الفاظ کا اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((والغالب علیہم الاکثار والتخلیط فیما یروونہ))^۱

”یعنی ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب ”الاستیعاب“ (معرفت صحابہ میں) بڑی عمدہ اور کثیر الفوائد تالیف ہے لیکن اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات کی کثیر چیزوں کے متعلق (محدثین کے ماسوا) اخباری لوگوں کی حکایات ذکر کر کے مصنف نے اپنی کتاب کو داغدار بنا دیا ہے۔
اخباری لوگوں کی روایات میں مواد کی کثرت اور تخلیط پائی جاتی ہے۔“

اس فن کے اکابر حضرات کے بیانات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ استیعاب کے تاریخی قصوں کا کوئی وزن نہیں ہے اور نہ یہ قابل وثوق ہیں فلہذا ان کے ذریعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن پیدا کرنا اور اعتراض کی بنیاد بنانا درست نہیں ہے۔

نیز یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ آزاد مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنانے کا یہ واقعہ اس مقام پر تاریخ لابن جریر طبری، الکامل لابن اثیر جزری اور البدایہ لابن کثیر وغیرہ میں مفقود ہے۔ ہماری معلومات کی حد تک ان میں اس کا کوئی ذکر تک نہیں مل سکا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ مورخین کے ہاں بھی لونڈیوں والا یہ واقعہ کوئی متفق علیہ امر نہیں ہے بلکہ بعض تواریخ میں ہے جسے لوگوں نے آگے نقل کر دیا اور صاحب استیعاب نے اس کو ذکر کیا۔ پھر استیعاب کی یہ روایات بھی بعض تو منقطع میں اور بعض کے راوی مجروح پائے جاتے ہیں۔ پس یہاں سے محل طعن والی مرویات کی خفت و سبکی واضح ہو رہی ہے۔

④ نیز گزارش یہ ہے کہ بسر بن ارطاة کے مظالم کے متعلق تاریخی روایات میں بے شمار چیزیں مورخین نے ذکر کی ہیں اور ان کے صدق و کذب کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مواد کس قدر صحیح ہے اور کیا کچھ غلط اور بے اصل ہے۔

جیسا کہ سابقاً ذکر کیا ہے دراصل یہ دور حضرت معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں فریقین کے لیے ابتلا کا دور تھا۔ اس دور میں کئی قسم کے مسابقات اور تجاویزات کے واقعات پیش آئے اور کئی چیزیں مدافعات طور پر پیش آتی رہیں جن کے متعلق صحیح معلومات حاصل کر کے تجزیہ کرنا کسی صورت میں سہل نہیں۔ چنانچہ کبار علماء اس مقام پر فرماتے ہیں کہ

((وقد ذکرت الحادثة فی التواریح فلا حاجة الی الاطالة))^۲

”یعنی یہ واقعہ (لونڈیاں بنانے کا) تواریخ میں مذکور ہے اس کی طوالت کی طرف جانے کی حاجت

۱ تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی (سیوطی) ص ۳۹۵، طبع معرفت النوع التاسع والاثلاثون (۳۹)۔

۲ اسد الغابہ ص ۱۸۰ ج ۱ تحت بسر بن ارطاة۔

نہیں۔“

مطلب یہ ہے کہ یہ تاریخی طول طوال قصے ہیں جو قابل اعتماد اور لائق توجہ نہیں۔ علماء کے نزدیک یہ دور فتن اور ابتلاء کا دور شمار کیا جاتا ہے اسی بنا پر حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ جیسے محتاط علماء نے نصیحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((وله اخباره شهيرة في الفتن لا ينبغي التشاغل بها))

”یعنی بسر بن ارطاة کے متعلق اس فتن کے دور میں کئی تاریخی روایات مشہور ہیں ان کے ساتھ

مشغول ہونا مناسب نہیں۔“

مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی خبروں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا فلہذا ان کو درخور اعتناء نہیں سمجھنا چاہیے، ان سے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہوگا۔

نیز یہ واقعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور کے متعلق ہے۔ ان چیزوں کی اطلاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی یا نہ ہوئی اور پھر انہوں نے اس کا کوئی تدارک اور ازالہ کیا یا نہ کیا، تاریخ اس سلسلے میں ہماری معلومات کی حد تک خاموش ہے۔ اور شرعی قواعد کے خلاف کوئی واقعہ اس قسم کا ہوا ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی گرفت نہ کی ہو، یہ ان کی دیانت سے بہت بعید ہے۔

اسی طرح بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس دور میں موجود تھے ان سے بھی آزاد مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنائے جانے پر کوئی نقد اور اعتراض تو تاریخ میں ہماری نظر سے نہیں گزرا اور شرعی قواعد کی خلاف ورزی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خاموش رہنا بعید از قیاس اور عادت جاریہ کے برخلاف ہے۔ اگر حقیقت میں اس نوع کا خلاف شرع کوئی امر پایا جاتا تو اس پر نکیر ضرور کی جاتی۔ مختصر یہ ہے کہ یہ واقعہ مورخین نے ایک تاریخی قصے کے طور پر ذکر کر دیا ہے ورنہ اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ فلہذا ایسے بے اصل اخباری قصوں کو بنیاد بنا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بالواسطہ طعن قائم کرنا اور ان کی شان دیانت کو داغدار کرنا کسی طرح درست نہیں۔

ملوکیت کے متعلق ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ خلفائے راشدین کی خلافت راشدہ کے بعد خلافت، خلافت نہیں رہی بلکہ اس نے ملوکیت کی صورت اختیار کر لی۔ یا دوسرے لفظوں میں بعد والے خلفاء نے خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کر دیا۔ شبہ ہذا کے دلائل میں معترضین نے کئی چیزوں کو اپنے زعم کے اعتبار سے بطور شواہد کے پیش کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بعض احادیث کی روایات کو اپنے دعویٰ کی تائید اور اعتراض کی توثیق میں ذکر کیا ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو ایک سیاہ دور کی شکل میں ذکر کیا ہے اور بری بادشاہت اور قبیح ملوکیت سے تعبیر کیا ہے۔ معترض احباب کے یہ مغالطات ہیں ان کے ازالہ کے لیے چند اشیاء پیش خدمت ہیں، بغور ملاحظہ فرمائیں۔

ازالہ

معترضین اپنے اعتراض کی تائید میں جو روایت پیش کرتے ہیں اس کا پہلے مفہوم اور محمل ذکر کرنا مناسب خیال کیا جاتا ہے تاکہ ان کی طرف سے جو زنی دلیل ہے اس کی خفت اور استدلال اور استشہاد کی کمزوری واضح طور پر معلوم ہو جائے۔ اس کے بعد دیگر امور حسب ضرورت پیش کیے جائیں گے۔ ان شاء اللہ

وہ روایت جس سے معترضین اپنا استشہاد قائم کرتے ہیں وہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا کہتے ہیں کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خلافت تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد بادشاہت قائم ہوگی۔

((وعن سفینة رضی اللہ عنہا قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول الخلافة ثلاثون سنة ثم

تكون ملکا..... الخ)) (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

اس روایت کے پیش نظر ان لوگوں نے یہ شبہ قائم کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت خلافت نہیں بلکہ ملوکیت اور شہنشاہیت ہے۔ پھر اس کو کئی طرح کے مفاسد اور خرابیوں کا دور قرار دیا ہے اور اسے بری

بادشاہی سے تعبیر کیا ہے۔ اس مقام پر مسئلہ ہذا کی وضاحت کے لیے چند امور تحریر کیے جاتے ہیں۔ ان کو ملاحظہ فرمانے سے معترضین کے شبہات کا ارتقاع ہو سکے گا۔

(۱) حدیث سفینہ پر بحث

پہلی بات یہ ہے کہ اس روایت کے متعلق چند توضیحات پیش کی جاتی ہیں:

① بعض علماء نے روایت ہذا (جو حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے) کی صحت کا انکار کیا ہے اور وسیع النظر علماء کو وہ مقامات معلوم ہیں جن میں صحت روایت کا انکار مذکور ہے۔ اور عدم صحت کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ اس روایت کے برخلاف دیگر صحیح روایات موجود ہیں اور یہ ان روایات صحیحہ کے متعارض ہے۔ اس بنا پر حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا والی روایت ان کے نزدیک درست نہیں اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک ان کا یہ موقف صحیح نہیں بلکہ جمہور محدثین نے ان روایات میں جو طریقہ اختیار کیا ہے وہی درست ہے۔ عنقریب اس کا ذکر آ رہا ہے۔

② اور ہو سکتا ہے کہ جن علماء نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی صحت کا انکار کیا ہے وہ اس وجہ سے ہو کہ روایت ہذا میں بعض مقامات پر مندرجہ ذیل نوع کے اضافے پائے جاتے ہیں مثلاً

① ((عن سعید بن جمہان قال قلت لسفینة ان بنی امیة یزعمون ان الخلافة فیہم۔ قال کذب بنو الزرقاء بل ہم ملوک من اشد الملوک واول الملوک معاویة))^۱

② ((قال سعید فقلت له ان بنی امیة یزعمون ان الخلافة فیہم۔ قال کذبوا بنو الزرقاء بل ہم ملوک من شر الملوک))^۲ اور بھی اسی نوع کے شدید کلمات ملتے ہیں۔

مذکورہ بالا کلمات کا مفہوم یہ ہے کہ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ بنو امیہ خیال کرتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ زرقاء (قبیلہ ہذا کی جدہ (دادی) تھی) کی اولاد جھوٹ کہتی ہے بلکہ یہ لوگ شریر اور سخت بادشاہ ہیں اور پہلا بادشاہ معاویہ ہے۔

③ قارئین کرام کے لیے یہاں یہ تشریح پیش کی جاتی ہے کہ اصل روایت مذکور میں مندرجہ نوع کے یہ کلمات راوی (سعید بن جمہان) کی طرف سے درج کردہ اور مدخولہ ہیں جسے محدثین ادراج راوی کہتے ہیں۔

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳۲ ج ۱۳ کتاب الاوائل طبع کراچی

۲۔ ترمذی شریف ص ۳۲۳-۳۲۴ ابواب الفتن باب ماجاء فی الخلفاء طبع مکھنؤ

ابوداؤد شریف کتاب السنہ ص ۲۹۰ ج ۲ باب فی الخلفاء طبع دہلی

سعید بن جبہان

اور سعید بن جبہان کی علمائے رجال نے وثاقت ذکر کی ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے نقد اور جرح کے کلمات بھی درج کیے ہیں۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

① ابن ابی حاتم رازی رضی اللہ عنہ سعید بن جبہان کے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ شیخ یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ۔^۱

② شیخ خزرجی اور علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے بھی یہی قول سعید بن جبہان کے متعلق لکھا ہے کہ شیخ لا یحتج بہ۔^۲

③ اور امام بخاری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ وفی حدیثہ عجائب۔^۳

④ یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ روی عن سفینۃ احادیث لا یرویہا غیرہ۔^۴

⑤ اور ابن عدی رضی اللہ عنہ نے کامل میں یہی قول ذکر کیا ہے کہ وقد روی عنہ عن سفینۃ احادیث لا یرویہا غیرہ۔^۵

⑥ قال الساجی لا یتابع علی حدیثہ۔^۶

مندرجات بالا کا مفہوم یہ ہے کہ

● سعید بن جبہان کی شخصیت قابل احتجاج نہیں۔

● اور اس کی روایات میں عجائب ہوتے ہیں۔

● اور سعید بن جبہان حضرت سفینۃ رضی اللہ عنہ سے ایسی روایات لاتا ہے جنہیں کسی دوسرے راوی نے ذکر نہیں کیا۔

● اور اس کی مرویات کا متابع نہیں پا گیا۔ (یعنی ان چیزوں کے نقل کرنے میں متفرد ہے)

ان امور کے پیش نظر سعید بن جبہان کی جانب سے روایت ہذا میں مذکورہ مدخولہ کلمات لائق احتجاج اور قابل قبول نہیں۔

۱ کتاب الجرح والتعدیل (رازی) ص ۱۰ ج ۲ ق ۱، تحت سعید بن جبہان

۲ المغنی فی الفضلاء ص ۲۵۶ ج ۱ تحت سعید بن جبہان

۳ خلاصہ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (خزرجی) ص ۱۱۶ طبع قدیم مصر

۴ تہذیب التہذیب ص ۱۴ ج ۳ تحت سعید بن جبہان بحوالہ امام بخاری

۵ الکامل (ابن عدی) ص ۱۲۳ ج ۳ تحت سعید بن جبہان

۶ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۱۳ ج ۳ تحت سعید بن جبہان

مختصر یہ ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا روایت درست اور صحیح ہے لیکن اس میں اضافہ شدہ کلمات علمائے فن کے قواعد کے اعتبار سے قابل اعتناء اور لائق اعتماد نہیں۔ ہنا بریں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد جو امارت اور حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں قائم ہوئی اسے خلافت کے مفہوم سے خارج کر کے بری ملوکیت اور قبیح شہنشاہیت وغیرہ الفاظ سے ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) بالمقابل دیگر روایات

اس کے بعد اس مقام پر یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا کی اس مرفوع روایت (جس میں ہے کہ الخلافة ثلاثون سنة ثم تكون ملكا یعنی میری امت میں خلافت تیس سال تک ہوگی پھر اس کے بعد بادشاہت قائم ہوگی) کے بالمقابل دیگر بہت سی قابل اعتماد روایات موجود ہیں جن میں آنجناب رضی اللہ عنہم کے بعد صرف متعدد خلفاء کا پایا جانا بیان فرمایا گیا ہے لیکن وہاں ملوک اور بادشاہوں کا ذکر بالکل نہیں کیا گیا۔ ذیل میں ان روایات میں سے چند ایک احادیث نقل کی جاتی ہیں تاکہ مسئلہ ہذا کی دیگر جانب پر غور کیا جاسکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

① ((عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلما ہلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون)) (متفق علیہ) ۱

② ((عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بنی اسرائیل کانت تسوسہم انبیاءہم، کلما ذهب نبی خلفہ نبی وانہ لیس کائنا فیکم نبی بعدی۔ قالوا فما یكون یا رسول اللہ! قال یكون خلفاء وتکثر.....)) ۲

③ ((عن سماک بن حرب رضی اللہ عنہ قال سمعت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنا عشر خلیفۃ ثم قال

۱ مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۰ کتاب الامارۃ والقضاء، فصل اول طبع نور محمدی دہلی (بحوالہ بخاری و مسلم)

شرح السنن (امام بغوی) ص ۵۶ ج ۱۰ باب من یخرج علی الامام والوفاء... الخ، طبع بیروت

بخاری شریف ص ۴۹۱ ج ۱ کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل طبع دہلی

مسلم شریف ص ۱۴۶ ج ۲ کتاب الامارۃ باب وجوب الوفاء بیرث الخلیفۃ الاول فالاول، طبع دہلی

۲ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۵۸ ج ۱۵ کتاب الفتن روایت نمبر ۱۹۱۰۷ طبع کراچی

كلمة لم افهمها فقلت لابي ما قال؟ فقال كلهم من قريش))^۱

④ ((عن الشعبي عن جابر بن سمرة رضي الله عنه قال انطلقت الى رسول الله ﷺ ومعى ابي فسمعتة يقول لا يزال هذا الدين عزيزا منيعا الى اثني عشر خليفة..... فقلت لابي ما قال؟ قال كلهم من قريش))

(مسلم شریف ص ۱۱۹ جلد ثانی کتاب الامارة باب الناس تبع لقريش طبع نور محمد دہلی)

⑤ ((عن ابي جحيفة قال كنت مع عمي عند النبي ﷺ وهو يخطب فقال لا يزال امر امتي صالحا حتى يمضي اثنا عشرة خليفة وخفض بها صوته..... قال كلهم من قريش)) (رواه الطبرانی فی الاوسط والكبير والهازور رجال الطبرانی رجال الصحیح) ^۲

⑥ ((عن مسروق قال كنا مع عبدالله (بن مسعود) جلوسا في المسجد يقرانا فاتاه رجل فقال يا ابن مسعود! هل حدثكم نبيكم كم يكون من بعده خليفة؟ قال نعم! كعدة نقباء بني اسرائيل)) ^۳

مندرجہ بالا روایات کا مفہوم یہ ہے کہ

✽ آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ان کے امور کے متولی انبیاء ﷺ ہوتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا تو اس کے بعد دوسرا نبی آتا۔ اور یقیناً میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا البتہ خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔

✽ نیز ارشاد فرمایا کہ دین اسلام بارہ خلفاء (کے دور) تک عزیز اور غالب رہے گا اور یہ تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔

✽ بعض دفعہ آنجناب ﷺ نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ میری امت کا معاملہ درست رہے گا، حتیٰ کہ بارہ خلفاء گزریں گے اور یہ تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔

✽ مسروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس مسجد میں بیٹھے تھے اور وہ ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دے رہے تھے کہ اس وقت ایک شخص نے آ کر کہا کہ اے ابن مسعود! کیا تمہیں تمہارے نبی نے بیان کیا ہے کہ ان کے بعد کتنے خلفاء ہوں گے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں، بیان فرمایا ہے کہ خلفاء کی تعداد بنی اسرائیل کے نقباء کے برابر ہوگی۔ (اور بنی اسرائیل میں بارہ عدد نقیب تھے)۔

۱۔ مسلم شریف ص ۱۱۹ ج ۲ کتاب الامارة باب الناس تبع لقريش والخلافة فی قريش، طبع نور محمدی دہلی

مسند احمد ص ۸۶ ج ۵ تحت مسند جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ (متعدد بار)

دلائل النبوة (بیہقی) ص ۵۲۰ ج ۶ تحت باب ما جاء فی اخبارہ باثني عشر امیر..... الخ

۲۔ مجمع الزوائد (بیہقی) ص ۱۹۰ ج ۵ باب الخلفاء الاثني عشر

۳۔ مسند احمد ص ۳۹۸، ۴۰۶ ج ۱ تحت مسند ابن مسعود۔

تطبیق بین الروایات

یہاں قابل توجہ یہ امر ہے کہ ان تمام مرویات میں صاف طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ آنجناب رضی اللہ عنہم کے بعد بیشتر خلفاء ہوں گے اور ان کے دور میں دین اسلام کا غلبہ رہے گا اور تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔ ان امراء و حکام کو ”خليفة“ و ”خلفاء“ کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا۔ بعض مقامات پر بارہ عدد خلفاء کا ذکر ہے اور بعض مرویات میں اس سے زیادہ بھی ہے۔ لیکن یہ مضمون روایت سابقہ (ثلاثین سنة ثم ملکا) کے بظاہر متضاد و مخالف ہے۔

اس بنا پر علمائے کبار نے ان کے درمیان تطبیق و توفیق کی راہ اختیار کی ہے، ظاہری تعارض کی وجہ سے تدافع قائم نہیں کیا۔ علماء فرماتے ہیں کہ روایات میں تعارض سے توفیق بہتر ہوتا ہے۔ چنانچہ متعدد علمائے کرام نے مندرجہ ذیل تحقیق ذکر کی ہے:

① فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہما ذکر کرتے ہیں کہ

((انه اراد في حديث سفينة "خلافة النبوة" ولم يقيد في حديث جابر بن سمرة بذلك))^۱

② شرح ابی داود میں مذکور ہے کہ

((المراد بخلافة النبوة هي الخلافة الكاملة وهي منحصرة في الخمس فلا يعارض الحديث لا يزال هذا الدين قائما حتى يملك اثنا عشر خليفة لان المراد به مطلق الخلافة، والله اعلم))^۲

ان حوالہ جات کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث سفینہ میں خلافت سے مراد خلافت نبوت ہے اور اسی کو خلافت کاملہ سے محدثین تعبیر کرتے ہیں اور یہ خلافت کاملہ پانچ خلفاء (خلفائے اربعہ اور خلافت امام حسن رضی اللہ عنہما) تک جاری رہی۔

جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت میں جو بارہ عدد خلفائے یا اس سے زیادہ کا ذکر ہے اس سے مراد مطلق خلافت ہے جو خلافت علی منہاج النبوة سے کم درجے کی ہے۔ اگر بعض مقام میں ”ملکاً“ وغیرہ کے الفاظ مذکور ہیں تو وہ امارت، خلافت ہی ہے خلافت عامہ کے خلاف نہیں ہے۔

اس تطبیق کے پیش نظر حضرت سفینہ اور حضرت جابر بن سمرة رضی اللہ عنہما کی روایات میں تعارض رفع ہو گیا اور ان کے درمیان توفیق قائم ہو گیا۔

۱ فتح الباری شرح بخاری (ابن حجر) ص ۱۸۰ ج ۱۳ آخرباب الاستخلاف (کتاب الاحکام)

۲ عون المعبود حاشیہ سنن ابی داود ص ۳۳۲ ج ۴ تحت باب فی الخلفاء، طبع بیروت

صاحب نبراس کی تحقیق

صاحب نبراس نے اس مقام پر یہ چیز ذکر کی ہے کہ آنجناب رضی اللہ عنہ کا فرمان لا یزال الدین قائما حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفۃ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ثلاثین سنۃ (تیس سال) پر خلافت منقطع نہیں ہوئی (بلکہ خلافت علی فرق المراتب قائم رہی)۔

پھر مصنف نے یہاں ایک سوال اور جواب قائم کیا ہے جو اس مقام کے مناسب ہے اور مسئلہ ہذا کی تشریح کے لیے مفید ہے۔

سوال یہ ہے کہ تیس سالہ دور خلافت کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے ملک (بادشاہ) ہوئے (اور خلافت کے منصب سے عاری ہوئے) یہ چیز ان کے حق میں ایک قسم کی قدح اور منقصت ہے حالانکہ اہل سنت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قدح کو جائز نہیں رکھتے بلکہ ان کی مدح کے قائل ہیں۔

اس شبہ کے جواب میں مصنف نے مندرجہ ذیل چیزیں درج کی ہیں:

قاعدہ یہ ہے کہ اہل خیر کے لیے مختلف درجات اور مراتب ہیں۔ ہر مرتبہ دوسرے مرتبہ سے فائق ہے پھر ہر مرتبہ اپنے مافوق کے اعتبار سے محل نقص معلوم ہوتا ہے۔ اسی ضابطہ کے موافق ایک مقولہ مشہور ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک برائیاں معلوم ہوتی ہیں)

اور سرور کونین رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ انی لاستغفر اللہ فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ (یعنی میں ایک دن میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا ہوں)

اکابر علماء اس فرمان کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ آنجناب رضی اللہ عنہ مراتب و مدارج میں دواماً ترقی کرتے تھے اور جب مرتبہ علیا پر فائز ہوتے تو سابقہ مقام و مرتبہ کے متعلق استغفار فرماتے تھے۔

جب یہ چیزیں ثابت ہیں تو مسئلہ ہذا میں بھی یہی صورت کار فرما ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اپنی سیرت، اخلاق، نظم و ضبط وغیرہ کے اعتبار سے سیرت نبوی کے زیادہ قریب تھے اور خلافت کے ایک ”مرتبہ علیا“ پر فائز تھے۔ تنگی معیشت میں صبر کوشی اختیار کرتے تھے اور طبائع بشریہ کے تقاضوں میں جدوجہد مشقت اٹھاتے اور مباح چیزوں میں بھی توسع اور وسعت و فراخی پسند نہیں کرتے تھے۔

لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ منکرات شرعیہ کے مرتکب نہیں ہوئے تاہم مباح امور میں انہوں نے اس ملک کے تمدن کے اعتبار سے توسع سے کام لیا اور امور خلافت کے تمام کرنے میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے کم درجہ میں تھے اور قلیل تغیر کے حامل تھے۔

اس کے باوجود مندرجات بالا کی روشنی میں آپ پر خلفائے راشدین کے ساتھ (ہر مسئلہ میں)

مساوات نہ پائے جانے کی بنا پر طعن قائم نہیں کیا جاسکتا اور مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔
 پھر فاضل مصنف (مولانا عبدالعزیز پرہاروی رضی اللہ عنہ) نے اپنی دوسری تالیف ”الناہیہ عن طعن معاویہ“
 میں اسی مسئلے کو ایک دیگر عبارت میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت
 امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلفائے اربعہ سے علم و ورع اور عدل کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں اور ان کے مابین
 مقام و مرتبہ کے لحاظ سے تفاوت ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام میں اور اللہ کے
 ملائکہ میں اور امت کے اولیاء میں فرق مراتب مسلم ہے..... پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امارت،
 اجماع صحابہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی بنا پر برحق اور درست ہے۔ تاہم آپ کی خلافت اپنے پیش رو
 اور سابق خلفاء کی خلافت سے کم درجے کی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مباح امور میں توسع اختیار کیا ہے
 جب کہ ان چیزوں سے خلفائے اربعہ نے تحرز اور اجتناب کیا۔ اور قاعدہ ہے کہ حسنات الابرار
 سیئات المقربین۔ ممکن ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مباحات میں توسع اختیار کرنا اس بنا پر ہو کہ
 اس دور کے لوگوں کی ہمتوں میں قصور آ گیا تھا (اور ایمانی قوت میں خامی پائی گئی) جب کہ یہ چیز دور سابق
 میں نہیں پائی گئی۔ خلفائے اربعہ کا عبادت اور معاملات میں فائق ہونا ظاہر اور مسلم ہے، اس میں کسی قسم کا خفا
 نہیں۔

الناہیہ کی اصل عبارت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

((ونحن نعترف بان معاویة رضی اللہ عنہ وان كان عالما ورعا عدلا دون الخلفاء
 الاربعة في العلم والورع والعدل كما ترى من التفاوت بين الاولياء بل
 الملائكة والانبیاء فامارته وان كانت صحيحة باجماع الصحابة وتسليم
 الحسن الا انها ليست على منهاج خلافة من قبله فانه توسع في المباحات
 وتحرز عنها الخلفاء الاربعة))

((وحسنات الابرار سيئات المقربین ولعل توسعه فيهما لقصورهم سائر
 ابناء الزمان وان لم يوجد فيه ذلك كما علمت واما رجحان الخلفاء الاربعة
 في العبادات والمعاملات فظاهر مما لا ستره فيه))^۱

حاصل کلام

① یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں اور اکابرین امت کی تصریحات کی بنا
 پر منصب خلافت پر فائز ہیں اور اپنے دور میں اہل اسلام کے خلیفہ برحق ہیں، ان کی صحت خلافت عادلہ میں

کوئی اشتباہ نہیں اور بعض روایات کی بنا پر اس دور کو امارت و ملک کہا گیا ہے تو وہ خلافت عامہ کے مفہوم کے متعارض نہیں۔

② فرق مراتب کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے سابق خلفاء سے کم درجے میں ہیں لیکن یہ چیز کوئی قبیح و قابل مذمت اور لائق نفرت نہیں۔

③ اسی طرح قرآنی آیات پر نظر کرنے سے بھی یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ ملک کا عطا کیا جانا اور ملوک بنایا جانا کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ اس کو احسان اور بیان نعمت کے طور پر اللہ کریم نے اپنے خاص بندوں کے حق میں ذکر کیا ہے، مثلاً:

۱۔ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا

”یعنی اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ بنا کر بھیجا۔“

۲۔ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاتَّهَىٰ اللَّهُ الْمُلُوكَ

”یعنی جالوت کو داود نے قتل کر دیا اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہی دی۔“

۳۔ بنی اسرائیل پر جو انعامات خداوندی تھے ان کو جتلاتے ہوئے جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے

فرمایا کہ

يَقُولُوا إِذْ كُنَّا نَعْمَةً اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ

أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ

”اے میری قوم! اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم میں انبیاء کو بنایا اور تم کو بادشاہ اور

ملوک بنایا اور تم کو وہ چیزیں عنایت کیں جو اس دور کے لوگوں میں سے کسی کو عطا نہیں کیں۔“

ان آیات سے بصراحت مفہوم ہوتا ہے کہ ملک ہونا، ملوک بنایا جانا قبیح چیز نہیں بلکہ اچھی چیز ہے اور

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر بعض مرویات کے اعتبار سے ملک (بادشاہ) ہیں اور ان کو ملوکیت حاصل ہے تو آیات

و روایات کے تقاضوں کے مطابق صحیح ہے، اس سے ان کی خلافت اور خلیفہ ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی۔

مختصر یہ ہے کہ خلافت اور امارت (ملوکیت) باہم متعارض و متضاد چیزیں نہیں کہ ایک شخصیت میں جمع نہ

ہو سکیں۔ البتہ ملک ہونا یا ملوک بنایا جانا اس وقت قبیح سمجھا جاتا ہے جب دینی اقدار سے اعراض کر لیا جائے

اور ضوابط اسلامی سے روگردانی اختیار کی جائے۔ اگر یہ صورت نہیں تو پھر کوئی قباحت نہیں۔ (اس چیز کو آئندہ

سطور میں مختصر وضاحت کے ساتھ ہم ذکر کر رہے ہیں)

④ ان مسلمات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو سیاہ دور قرار دینا، بری ملوکیت اور قبیح

شہنشاہیت وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرنا اور اشرا الملوک و اشد السلاطین کے عنوانات سے بیان کرنا ہرگز درست

نہیں۔ وہ اپنے دور کے خلیفہ بھی ہیں اور بہترین امیر و ملک بھی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اشد الملوک اور اشتر الملوک وغیرہ کے اطلاقات نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے نہیں پائے گئے بلکہ بعض راویوں کی جانب سے اضافہ شدہ کلمات ہیں اور واقعات کے ساتھ بھی ان کا توافق نہیں پایا جاتا۔

وجہ یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ان کی تمام جماعت نے جب صلح کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کر لی تو انہوں نے برے اور شریر لوگوں کے ساتھ تو تعاون نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے اس منصب کے اہل حضرات سے مصالحت کا معاملہ کیا تھا اور دینی ذمہ داریاں ان کی تحویل میں دے دی تھیں اور خود کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اس کے بعد مدت العمر حسین شریفین رضی اللہ عنہما اور تمام ہاشمی اکابر و جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے کے بعد خلاف و اختلاف نہیں کھڑا کیا بلکہ تعاون قائم رکھا۔ یہ چیز اس بات کا اہم قرینہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اشد الملوک و اشتر الملوک اور بری شخصیت نہیں تھے بلکہ وہ اس منصب کے اہل تھے اور صالح خلیفہ تھے اور ان کی خلافت عادلہ تھی وہ اپنے دور کے امیر المؤمنین تھے۔

بحث ہذا کے متعلق ایک تاریخی تجزیہ مورخین کی نظر میں

قبل ازیں روایات و آیات کی روشنی میں چند چیزیں درج کی ہیں اب اس کے بعد تاریخی ادوار کے اعتبار سے ایک تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے مسئلے کی تاریخی حیثیت سامنے آ جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مملکت کی نوعیت اس کے آئین کے اعتبار سے وجود میں آتی ہے اور اسی دستور پر اس کی نوعیت موقوف ہوتی ہے۔ یعنی افراد کے ذاتی افعال اور ذاتی کردار اس کی نوعیت پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ مثلاً جمہوریت مخصوص اصول کا نام ہے۔ جب تک کہ حکومت کا آئین ان اصولوں کے تابع ہے اس وقت تک مملکت کو جمہوری ہی کہا جائے گا، خواہ اس مملکت کا صدر اپنی مقبولیت کی بنا پر اپنی رائے کی تنفیذ میں آزاد ہو جائے، بشرطیکہ آئین باقی رہے اور اس میں تبدیلی نہ ہونے پائے۔

اسی اصول کی روشنی میں مسئلہ ہذا بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ یعنی خلافت بنی امیہ اور خلافت بنی عباس علی فرق المراتب یہ سب خلافتیں ہی ہیں، ان کا دستور اور آئین اسلامی تھا اور ان میں اسلامی قانون ہی رائج رہا۔ (اگرچہ بعض ادوار میں اس قانون کی ترویج میں کمزوری پائی جاتی رہی) تاہم کتاب و سنت کو ہی آخری مرجع تسلیم کیا جاتا تھا۔ ان تمام خلافتوں کو ملوکیتیں قرار دینا ایک ادعا ہے جو بغیر ذلیل کے ہے اور معترض کی کج روی پر مبنی ہے۔

دوسری یہ چیز قابل ذکر ہے کہ تاریخی ادوار کے اعتبار سے دیلمی، تاتاری، مغل وغیرہ بادشاہ مختلف ممالک

پر جب حکمران ہوئے تو اس وقت سے خلافت سے ہٹ کر ملوکیت مسلمانوں میں درآمد ہوئی۔ ویلیں اور آل بویہ تو شیعہ اور رافضی تھے، انہوں نے دیدہ دانستہ اسلامی آئین و ضوابط کو بدل ڈالا۔ تاتاری، مغل وغیرہ ذاتی طور پر تو مسلمان ہو گئے اور ان کی سلطنتیں قائم تھیں لیکن انہوں نے اسلامی آئین کی ترویج نہیں کی بلکہ انہوں نے اپنی سابق حکومتوں کے دستور جو چلے آ رہے تھے ان ہی کو قائم رکھا۔ ان طریقوں سے خلافت متروک ہو کر ملوکیت رونما ہوئی اور ایک مدت کے بعد شہنشاہیت کی یہ صورتیں سامنے آئیں۔

معرضین حضرات نے خلافت راشدہ کے دور کے متصل بعد ملوکیت و بادشاہت کا جو نقشہ خاص تدبیر سے قائم کیا ہے یہ ان کی کارکردگی تاریخی واقعات کے خلاف ہے اور اسلامی روایات کے ساتھ بھی اس چیز کی موافقت نہیں پائی جاتی جیسا کہ گزشتہ سطور میں وضاحت کر دی گئی ہے۔

اسلامی روایات اور تاریخی ادوار کے نشیب و فراز دونوں چیزیں ہم نے مسئلہ ہذا کے حق میں بلا کم و کاست ذکر کر دی ہیں۔ اہل فہم و فکر احباب بہ سہولت نتائج پر پہنچ سکیں گے اور ملوکیت کے متعلق غلط پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہوں گے۔

ایک اشتباہ پھر اس کا حل (برائے کراہت بعض قبائل)

بعض روایات میں یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ نبی اقدس ﷺ بعض قبائل (بنی امیہ، بنی حنیف اور بنی ثقیف) کو مبغوض اور مکروہ جانتے تھے۔ یہ روایت ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے:

((عن ابی ہریرۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ قال کان ابغض الاحیاء الی رسول اللہ ﷺ بنو امیة ، بنو حنیفہ و ثقیف))

اور بعض روایات میں اس طرح پایا جاتا ہے کہ نبی اقدس ﷺ کا انتقال ہوا درآں حالے کہ آپ ﷺ تین قبائل (بنو ثقیف، بنو حنیفہ اور بنو امیہ) کو مکروہ جانتے تھے۔ یہ روایت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نقل کی جاتی ہے۔

((مات النبی ﷺ و هو یکرہ ثلاثہ احیاء ثقیف و بنی حنیفہ و بنی امیة))

اس نوع کی روایات کی روشنی میں معترض دوست یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو امیہ نبی اقدس ﷺ کے نزدیک بہت مبغوض تھا اور آنجناب ﷺ اس قبیلہ کو مکروہ جانتے تھے۔ اور کئی قسم کے دیگر اعتراضات ان روایات کی بنا پر مرتب کیے جاتے ہیں اور قبیلہ بنی امیہ سے نفرت اور تفرق قائم کرنے کے لیے ان روایات کو ذریعہ اور زینہ بنایا جاتا ہے۔

ازالہ اشتباہ

اس اشتباہ کے ازالہ کے لیے قبل ازیں ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں ص ۲۹۲ سے ص ۲۹۹ تک ہم نے کلام کر دیا ہے لیکن پھر یہاں بھی اس اشتباہ کے ازالہ کے لیے چند امور بیان ہوں گے۔ سابقہ بحث کے علاوہ مزید چیزیں بھی یہاں اضافہ کی گئی ہیں۔

پہلے تو ان روایات کے متن کے متعلق چند چیزیں درج کی جاتی ہیں، اس کے بعد درایت کے اعتبار سے ان پر کلام کیا جائے گا۔

متن کے اعتبار سے

ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق یہ بات قابل وضاحت ہے کہ مذکورہ متن حاکم نیشاپوری کے

ذریعے سے منقول ہے اور جب اسی روایت کو مسند احمد میں ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایات کے تحت دیکھا گیا تو یہ روایت وہاں منقول ہے لیکن مسند احمد کی روایت میں ”بنو امیہ“ کے الفاظ نہیں پائے جاتے بلکہ صرف بنو حنیفہ اور بنو ثقیف کا ذکر ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر یہ روایت درست ہے تو اس کے متن میں ”بنو امیہ“ کے الفاظ ہی مفقود ہیں اور بعض راویوں کی طرف سے یہ الفاظ داخل کر دیے گئے ہیں۔ اور رواۃ کی طرف سے متن میں ادراج کا پایا جانا کوئی مستبعد امر نہیں جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے۔

مختصر یہ ہے کہ متن روایت میں رواۃ کی طرف سے ”بنو امیہ“ کے الفاظ اضافہ شدہ ہیں فلہذا ان الفاظ کی بنا پر معترض کا بنو امیہ پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے اور ”بناء فاسد علی الفاسد“ کا نمونہ ہے۔ دیگر یہ چیز بھی یہاں قابل توجہ ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے قبیلہ بنی ثقیف کے حق میں دعائیں بھی منقول ہیں چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ جب بنی ثقیف کی تیر اندازی سے اہل اسلام تنگ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ثقیف پر بددعا فرمائیں، تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کے بجائے فرمایا: اللہم اهد ثقیفنا۔ یعنی اے اللہ! بنی ثقیف کو ہدایت نصیب فرما۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ هذا حدیث حسن صحیح غریب۔ اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ والی روایت علی الاطلاق اپنے مفہوم پر قائم نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی ثقیف کی ہدایت کے طالب ہیں۔ اگر ان کا مبغوض ہونا علی الاطلاق رکھا جائے جیسا کہ معترض کا خیال ہے تو اس روایت کے ساتھ مفہوم میں بظاہر تعارض قائم ہوگا، اور محدثین کے قاعدہ کے مطابق تعارض سے توافق بہتر ہوتا ہے۔

اور دوسری روایت جو عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے اس کے متعلق ذیل میں چند امور ذکر کیے جاتے ہیں۔

مسند امام احمد میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے مسندات دیکھے گئے ہیں ان میں یہ روایت مفقود ہے۔ یہ روایت ترمذی شریف میں باسناد پائی گئی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ هذا حدیث غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه یعنی یہ حدیث غریب ہے، اور اس ایک اسناد کے سوا اور کسی نثریقے سے یہ روایت نہیں پائی جاتی۔ مختصر یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے متواتر و مشہور نہیں اور غریب ہے کسی دیگر طریقہ سے اس کی تائید نہیں دستیاب ہوئی۔

درایت کے اعتبار سے

اگر بقول معترض قبیلہ ”بنو امیہ“ سردار دو جہاں رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں مبغوض اور مکروہ تھا اور آنجناب رضی اللہ عنہ اس قبیلہ کو قابل نفرت خیال فرماتے تھے تو مندرجہ ذیل نسبی اور غیر نسبی تعلقات بنو امیہ کے ساتھ کس طرح قائم ہوئے۔ آنجناب رضی اللہ عنہ کے بنو امیہ سے تنفر کے باوجود درج ذیل روابط کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔

نسبی تعلقات

ذیل میں چند ایک رشتہ داریاں ذکر کی جاتی ہیں:

- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (اموی) کے ساتھ نبی اقدس رضی اللہ عنہ کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے نکاح مسلمات میں سے ہے۔
 - حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا (اموی) سردار دو جہاں رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور انھیں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہے۔
 - حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقیقی برادر زادے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی دختر ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند ابان بن عثمان بن عفان (اموی) سے ہوا۔
 - سیدنا امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان اموی کے ساتھ ہوا۔
 - سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی دختر فاطمہ بنت حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمان (اموی) کے ساتھ ہوا۔
- یہ تمام رشتہ داریاں نبی کریم رضی اللہ عنہ اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاندان کی قبیلہ بنو امیہ کے ساتھ قائم تھیں اور یہ نسبی روابط ان دونوں قبائل میں موجود تھے۔ کوئی معترض اور معاند بھی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ فلہذا یہ روابط اس بات کا قوی قرینہ ہیں اور مضبوط شواہد ہیں کہ نبی اقدس رضی اللہ عنہ قبیلہ بنو امیہ کو مبغوض اور مکروہ نہیں جانتے تھے اور مندرجہ روایت میں جو ”بنو امیہ“ کے الفاظ پائے جاتے ہیں یہ رواۃ کے تصرفات میں سے ہیں۔

تنبیہ

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ نسبی تعلقات (بنی ہاشم و بنی امیہ) ہم نے قبل ازیں اپنی کتاب رَحْمَةً بَيْنَهُمْ حصہ سوم کے باب اول میں اور بعد کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں تذکرہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحت ص ۱۲۶ سے لے کر ۱۳۰ تک اور ”مروان بن حکم“ کے تذکرہ میں ص ۲۹۳-۲۹۵ پر مفصلاً ذکر کیے ہیں اور کتابی حوالہ جات ان کے وہاں نقل کر دیے ہیں۔

غیر نسبی تعلقات

اسی طرح بنی امیہ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کئی اہم مناصب تفویض فرمائے۔ ان میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

عہد نبوت میں اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں اموی حضرات کو بڑے بڑے اعزاز بخشے گئے اور اسلام کے اہم کاموں میں ان کو شامل اور ذخیل رکھا گیا، مثلاً:

✽ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (اموی) کو کاتب وحی بنایا گیا اور کئی مواضع اور مواقع میں ان کو امیر مقرر کیا گیا۔

✽ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (اموی) کو کاتبان وحی اور غیر وحی میں شامل کیا گیا اور عہد نبوی میں کئی امور کا والی بنایا گیا۔

✽ اسی طرح ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ (اموی) کو کئی اعزاز آجانب صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمائے اور نجران کے علاقے پر عامل مقرر فرمایا۔

✽ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو صدیقی اور فاروقی دور میں فتوح شام کے لیے افواج پر والی اور امیر بنا کر روانہ کیا گیا۔

✽ اسی طرح عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ (اموی) کو فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ پر والی اور حاکم مقرر فرمایا گیا۔

✽ نیز خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ (اموی) کو عہد نبوی میں بنی مذحج کے صدقات پر اور صنعا و یمن پر عامل و حاکم بنایا گیا۔

✽ ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ (اموی) کو عہد نبوی میں بحرین کا حاکم مقرر فرمایا گیا۔

✽ عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ (اموی) کو عہد نبوی میں تیماء و خیبر و قریٰ و عرینہ پر حاکم بنایا گیا۔

نیز اسی طرح قبیلہ بنی ثقیف کے بعض افراد کو خلافت فاروقی میں بعض اہم مناصب عطا فرمائے گئے۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارض عمان اور بحرین کا والی عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ اور اسی طرح بحرین کی طرف عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے بھائی حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے روانہ فرمایا تھا۔

((وفی هذه السنة (۱۵ھ) ولی عمر رضی اللہ عنہ عثمان بن ابی العاص ارض عمان

والبحرین فسار الی عمان ووجه اخاه الحکم بن ابی العاص الی البحرین))^۱

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۶۱-۶۲ ج ۱ تسمیة عماله صلی اللہ علیہ وسلم

منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۷۵، ۱۷۶ ج ۳

المستطی (ذہبی) ص ۳۸۲، ۳۸۳

یہ ۱۵ھ کا واقعہ ہے اور یہ دونوں بھائی بنو ثقیف سے ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ قبیلہ بنی ثقیف کے افراد کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسلامی خدمات کے لیے اہم مناصب عطا فرمائے اور ان کو دینی امور میں شمولیت کا موقع عنایت فرمایا۔ یہ چیز بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف علی الاطلاق نبی کریم ﷺ کے نزدیک مبغوض و مکروہ نہیں تھا۔ بلکہ اگر روایت بالاصح ہے تو اس سے قبیلہ کے بعض افراد مراد ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ سید الکونین رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں جو قبیلہ مکروہ، مبغوض اور قابل نفرت ہو اس کے افراد کو یہ عزت و تکریم کے مواقع کس طرح مہیا کیے گئے؟ اور عہد نبوی و صدیقی و فاروقی میں ان لوگوں پر اعتماد کرتے ہوئے اہم مناصب کی ذمہ داریاں انھیں کیسے سپرد کی گئیں؟ غور و خوض کا مقام ہے۔

ایک قاعدہ

اس فن کے علماء کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جو روایت واقعات کے برخلاف پائی جائے اور حقائق واقعہ اس کی تکذیب کرتے ہوں تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ قاعدہ ہذا کو اکابر علماء نے بعبارت ذیل درج کیا ہے۔ یعنی روایت کے بے اصل ہونے کے قواعد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

((ومنها قرینة فی المروی کمخالفة لمقتضی العقل بحیث لا یقبل التأویل، ویلتحق به ما یدفعه الحسن والمشاهدة او العادة وکما فاته لدلالة الكتاب القطعية او السنة المتواترة او الاجماع القطعية))^۱

اور یہاں بعض علماء نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ

((ما احسن قول القائل: اذا رأیت الحدیث یباین المعقول او یخالف المنقول او یناقض الاصول فاعلم انه موضوع))^۲

علی سبیل التقریل

اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ مندرجہ بالا روایات درست ہیں اور آنجناب رضی اللہ عنہ نے ان قبائل کو مکروہ جانا اور ناپسند فرمایا تو اس کا مطلب اور مفہوم یہ نہیں ہے کہ ان قبائل کا ہر فرد اور ہر شخص مکروہ اور ناپسند ہے بلکہ بعض شخصیات کی وجہ سے شاید ان کو مکروہ اور ناپسند قرار دیا گیا۔

اسی طرح کسی شہر یا مقام کو بعض اوقات ناپسند فرمایا گیا تو وہاں بھی اس کے ہر فرد بشر اور ہر چیز کو مکروہ جانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ بعض وجوہ کے اعتبار سے فرمان صادر ہوتا ہے۔

۱۔ تزیہ الشریعہ (ابن عراق) ص ۶ تحت مقدمۃ الكتاب

۲۔ تدریب الراوی (سیوطی) ص ۱۸۹ تحت نوع ۲۱

۳۔ تدریب الراوی ص ۱۸۰ تحت نوع (۲۱)

قصاص دم عثمانؓ کے متعلق شبہ پھر اس کا ازالہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک اعتراض مخالفین کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ قصاص دم عثمانؓ کے مطالبہ کا حق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل نہیں تھا بلکہ یہ حق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اقرب اولاد کا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شرعی قاعدے کا خلاف کرتے ہوئے قصاص کا مطالبہ خود کر دیا۔ گویا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام ضابطہ کے اعتبار سے صحیح نہیں تھا۔

ازالہ

اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں، ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں اس سے اشتباہ رفع ہو جائے گا:

① پہلے یہ چیز یہاں ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق کس قدر قریب تھا، اس کے بعد دیگر اشیاء ذکر ہوں گی۔

حضرت امیر معاویہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نسب اس طرح ہے کہ عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف اور معاویہؓ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ یعنی حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تیسری پشت ایک ہے اور جد اعلیٰ دونوں کے مشترک دادا ہیں۔

نیز واضح ہو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دختر جس کا نام رملہ بنت معاویہ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند عمرو بن عثمان کے نکاح میں تھیں۔ یعنی عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے داماد تھے۔ اور رشتہ داری کا یہ تعلق علمائے تاریخ و انساب نے بڑی صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اپنی مشہور تاریخ میں ”تراجم النساء“ کی جلد میں ذکر کیا ہے:

((رملة بنت معاوية بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیة بن عبد الشمس

الاموية زوج عمرو بن عثمان بن عفان و كانت دارها بدمشق فی عقبه

السّمك فی طرف زقاق الرمان))^۱

۱ تاریخ ابن عساکر، جلد تراجم النساء تحت رملہ بنت معاویہ، طبع دمشق

② دوسری یہ چیز بڑی اہم ہے کہ قصاص کے مطالبہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے نہیں کھڑا کیا تھا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد کی طرف سے یہ مسئلہ ان کے سپرد کیا گیا تھا، اور یہ چیز مورخین نے ذکر کی ہے۔

چنانچہ جب جناب ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اس مسئلے پر گفتگو کرنے کے لیے پہنچے ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت مسئلے کی وضاحت کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ

((انا ابن عمه وانا اطلب بدمه وامره الی))^۱

”یعنی میں مقتول خلیفہ کے چچا کا بیٹا ہوں اور یہ معاملہ والیوں کی طرف سے میرے سپرد کیا گیا

ہے۔ اس بنا پر مقتول خلیفہ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرتا ہوں۔“

ان تصریحات کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ از روئے ضابطہ درست ہے اور صحیح اقدام

ہے۔

اور شیعہ کے کبار علماء نے بھی مطالبہ ہذا کے مسئلے کو بڑی وضاحت کے ساتھ اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصاص کا جب یہ مطالبہ اٹھایا تھا تو اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرزند ابان بن عثمان اور دیگر فرزند بھی ساتھ تھے۔

چنانچہ شیعہ کے ایک مشہور راوی سلیم بن قیس ہلالی شیبعی ذکر کرتے ہیں کہ

((ان معاویة یطلب بدم عثمان ومعه ابان بن عثمان وولد عثمان حتی

استمالوا اهل الشام واجتمعت کلمتهم))^۲

”مطلب یہ ہے کہ دم عثمان کے قصاص کے مطالبے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابان بن

عثمان اور دیگر فرزند ان عثمان شامل تھے۔“

مقصد یہ ہے کہ مطالبہ ہذا کے معاملے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متفرد اور تنہا نہیں تھے بلکہ حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کی اولاد ان کے ساتھ تھی۔ تو معلوم ہوا کہ شرعی قواعد اور ضوابط کے اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ

اقدام درست تھا اور اس میں ضابطہ اسلامی کی رو سے کوئی سقم نہیں تھا۔

عام معاشرہ کا قاعدہ بھی یہی ہے کہ قبیلہ میں سے جو شخص مسائل کو سلجھانے کی اہلیت رکھتا ہو اور

معاملات کو احسن طریقے سے حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو قبیلہ کے لوگ اپنے انفرادی یا اجتماعی معاملات

۱ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۲۹ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

۲ کتاب سلیم بن قیس الکوئی الہدای العامری ص ۱۵۳، مطبوعہ نجف اشرف تحت بٹ معاویہ قراء الشام وقضائہم۔

اس کی تحویل میں دے دیتے ہیں اور ان معاملات کی تمام تر ذمہ داری اس کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ اس معاشرتی طرز عمل اور طریق کار کے تحت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولاد نے قصاص کا مطالبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کو اپنی ذمہ داری کی بنا پر اٹھایا، اور فریق مقابل کے سامنے (یہ مطالبہ) پیش کیا۔

مندرجات بالا کی روشنی میں طاعنین کا یہ اعتراض کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قصاص دم عثمان کے مطالبے کا حق حاصل نہیں تھا اور انہوں نے ایک شرعی قاعدے کی خلاف ورزی کی ہے بالکل بے جا ہے۔ نیز اس اعتراض کا جواب ”سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ کے مباحث صفین کے تحت قبل ازیں درج کر دیا گیا ہے۔

بعض روایات میں ایک شنیع اطلاق

اس سلسلے میں ذیل میں ایک روایت درج کی جاتی ہے اس کے بعد اس کا جواب پیش کیا جائے گا:
 ((فان قال قائل فقد روى عن ابن عباس خلاف هذا فذكر ما حدثنا محمد بن
 عبدالله بن ميمون البغدادي قال ثنا الوليد بن مسلم عن الاوزاعي عن عطاء
 قال قال رجل ابن عباس هل لك في معاوية اوتر بواحدة وهو يريد ان يعيب
 معاوية فقال ابن عباس اصاب معاوية قيل له قد روى عن ابن عباس في
 فعل معاوية هذا ما يدل على انكاره اياه عليه))

((وذلك ان ابا غسان مالك بن يحيى الهمداني حدثنا قال ثنا عبدالوهاب
 عن عطاء قال انا عمران بن حدير عن عكرمة انه قال كنت مع ابن عباس
 عند معاوية نتحدث حتى ذهب هزيع (هزيع من الليل اي طائفة من الليل)
 من الليل فقام معاوية فركع ركعة واحدة فقال ابن عباس رضي الله عنه من اين ترى
 اخذها الحمار))

((حدثنا ابوبكرة قال ثنا عثمان بن عمر قال ثنا عمران فذكر باسناده مثله الا
 انه لم يقل الحمار-

وقد يجوز ان يكون قول ابن عباس رضي الله عنه "اصاب معاوية" على التقية له اي
 اصاب في شيء اخر لانه كان في ذمته ولا يجوز عليه عندنا ان يكون ما
 خالف فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم الذي قد علمه عنده صوابا وقد روى عن ابن
 عباس في الوتر انه ثلاث))

شاذ روایت ہذا کا جواب

بطور معذرت عرض ہے کہ یہ بحث اہل علم کے مناسب ہے، عام ناظرین محسوس نہ فرمائیں۔ اسی بنا پر
 عبارات کے تراجم عموماً پیش نہیں کیے۔

مولف نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت نماز وتر ادا کرنے پر ابتداءً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کی تصویب و تائید ذکر کی ہے جو بالفاظ ذیل درج ہے:

((فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما: اصاب معاویہ))

اس کے بعد مولف نے قول مذکور کی تزییف کرنے کے لیے تمام کلام کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

① ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک دوسرا کلام منقول ہے یعنی فقال ابن عباس من این تری اخذها الحمار

اگرچہ اس روایت کے ایک دوسرے طریق میں لفظ ”الحمار“ مفقود ہے، گویا یہ لفظ اس جملے کا جز نہ تھا۔ اس کلام کو مولف نے مذکورہ بالا جملے کو رد کرنے کے لیے پیش کیا ہے۔ اس بات کی موجودگی میں ”اصاب معاویہ“ کا قول کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

② دوسری چیز یہ ہے کہ ”اصاب معاویہ“ کا قول علی سبیل ”التقیہ“ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صادر ہوا۔ اس وجہ سے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے دور خلافت میں تھے (یعنی ان کا خلاف نہیں کر سکتے تھے)۔

درجہ جواب

یہ دونوں اعتراض اپنے مقام پر درست نہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سابقہ قول ”اصاب معاویہ“ بالکل درست ہے اور اس کے متعارض جو روایت لائی گئی ہے اگر وہ واقعی متعارض ہے تو وہ یقیناً صحیح نہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما پر ”تقیہ“ کا الزام لگانا سراسر ناانصافی ہے۔ وہ تقیہ کے قائل ہرگز نہ تھے اور یہ واقعات کے برخلاف ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علمی وقار اور وثاقت دینی کے متضاد ہے۔

قرائن و شواہد

اب اس چیز پر مندرجہ ذیل قرائن ذکر کیے جاتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل (اوتر برکعة واحدة) کی تصویب کی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے اور دیگر کئی روایات اور واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی تغلیط و تردید نہیں کی تھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو سخت اور درشت الفاظ کہتے۔ آئندہ مندرجات پر نظر فرمائیں، تسلی ہو جائے گی:

① حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح و مصالحت کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ یہ بیعت مجبوری سے نہیں بلکہ رضامندی سے تھی اور بیعت کے لائق شخصیت سے کی تھی۔ (یہ چیز مسلمات میں سے ہے، اس پر کسی حوالہ کی حاجت نہیں ہے)۔

② ((ان کریبا مولیٰ ابن عباس اخبرہ انه رای ابن عباس یصلی فی

المقصورة مع معاوية))^۱

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مقصورہ میں نمازیں مل کر ادا کرتے تھے۔“

یہ چیز باہم ارتباط اور عدم انقباض کی دلیل ہے۔

③ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب مسئلہ وتر میں عدد رکعت کی بحث ہوئی اور اس ضمن

میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

۱۔ ((دعه فانه قد صحب النبي ﷺ))^۲

۲۔ ((ليس احد منا اعلم من معاوية))^۳

۳۔ ((قال ابن عباس رضي الله عنهما اصاب (معاوية) انه فقيه))^۴

”یعنی یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں، وہ صاحب اجتہاد اور فقیہ ہیں، ان کے لیے اجتہاد اور قیاس کا حق حاصل ہے۔“

④ ((عن عطاء (بن ابی رباح) اتى رجل (كريب مولى ابن عباس) الى ابن

عباس رضي الله عنه فقال هل لك في معاوية يوتر بركعة؟ يريد ان يعيبه فقال ابن

عباس رضي الله عنهما اصاب معاوية))^۵

⑤ ((واخرج (المروزي) من طريق علي بن عبدالله بن عباس قال بت مع

۱۔ کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۳۹-۱۴۰ بحوالہ مصنف عبدالرزاق ص ۴۱۳ ج ۲ باب الصلوة فی المقصورہ، تصنیف محمد نافع عطاء اللہ عن

۲۔ بخاری شریف ص ۵۳۱ ج ۱ باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ

۳۔ السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۶ ج ۳ باب الوتر

تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ص ۲۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ص ۶۳ ج ۱۱ تحت ترجمہ عکرمہ مولى ابن عباس رضی اللہ عنہ

۴۔ کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۳۸ بحوالہ بخاری شریف ص ۵۳۱ ج ۱ باب ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ

جامع اصول (ابن اثیر) ص ۳۵ ج ۱ ابواب المناقب تحت فی عدد الوتر

مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲-۱۱۳، الفصل الثالث باب الوتر

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۴۳ ج ۳ تحت باب الوتر الفصل الثالث۔

۵۔ مختصر قیام اللیل و قیام رمضان و کتاب الوتر (محمد بن نصر المروزی) ص ۲۰۳ تحت باب وتر النبی ﷺ، برکۃ

ابی عند معاویة فرأيتہ اوتر برکعة فذکرت ذالک لابی فقال یبنی هو اعلم))^۱

تنبیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توثیق ہدایہ تمام البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۱۲۲-۱۲۳ تحت احوال معاویہ مذکور ہے اور ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے عمدہ بحث درج کی ہے (یعنی تائید میں ہے نقد کے طور پر نہیں ہے)۔

⑥ ((وفی رواہ قال ابن ابی ملیکۃ اوتر معاویۃ بعد العشاء برکعة وعندہ

مولی ابن عباس فاتی ابن عباس رضی اللہ عنہما فاخبرہ فقال دعه فانه قد صحب النبی

ﷺ)) (رواہ البخاری) ۲

⑤ مسند امام احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت (قصر شعر بمشقص) کے متعلق منقول ہے کہ عطاء (شاگرد ابن عباس رضی اللہ عنہما) نے کہا کہ یہ روایت تو صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ

((ما کان معاویۃ علی رسول اللہ ﷺ متہما)) ۳

تنبیہ

یہ وہ صحیح روایات اور اقوال ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جنہیں محدثین اور مورخین نے اپنی صحیح اسانید کے ساتھ اس مقام پر نقل کیا ہے۔ ان کے مقابل میں مولف کی روایات شاذ ہوں گی اور قابل اعتنا نہ ہوں گی۔ نیز ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ج ۱۶ ص ۶۷۱ پر ترجمہ معاویہ کے تحت اس مقام پر اپنے اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں متعدد اقوال درج کیے ہیں جن میں سے کسی ایک مقام پر بھی ”الحمار“ کا لفظ ذکر نہیں کیا بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ”وثاقت“ کے کلمات ذکر کیے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل روایت میں یہ شدید لفظ منقول نہیں، بعد میں راوی نے اپنی جانب سے روایت میں اضافہ کر دیا ہے۔

قواعد کا لحاظ

① مولف کی روایت جس میں بقول مولف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت کے مطابق ”الحمار“ سے تعبیر کیا ہے اس روایت کا کوئی متابع نہیں ملتا۔ اور جس روایت کا کوئی متابع نہ

۱ فتح الباری شرح بخاری ص ۸۳ ج ۷ تحت ابواب المناقب (ذکر معاویہ رضی اللہ عنہ)

۲ مشکوٰۃ شریف ۱۱۳ باب الوتر الفصل الثالث (بحوالہ بخاری)

۳ تاریخ ابن عساکر مخطوط ص ۲۶ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۳۹ ج ۲۵ طبع دمشق تحت ترجمہ معاویہ

مسند امام احمد ص ۱۰۲ ج ۳ تحت حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۵۰ ج ۲۵ طبع دمشق تحت ترجمہ معاویہ

مل سکے وہ اہل فن کے نزدیک مقبول نہیں ہوتی۔ مختصر یہ ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کے نقل کرنے میں عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔

② دوسری بات یہ ہے کہ ”الحمار“ والی روایت باقی ان تمام روایات معروفہ مذکورہ بالا کے برخلاف پائی گئی ہے جو بالکل صحیح ہیں اور محدثین کے نزدیک معروف و مقبول ہیں (جیسا کہ ہم اس کی چند ایک مثالیں معتبر مآخذ سے نقل کر چکے ہیں)۔ اس صورت میں ”الحمار“ والی روایت منکر یا شاذ قرار پائے گی۔ فلہذا معروف روایات کو لیا جائے گا اور منکر یا شاذ روایت کو ترک کر دیا جائے گا۔

③ دیگر قاعدہ یہ ہے کہ

((واذا اختلف کلام امام فیؤخذ ما یوافق الادلة الظاهرة ویعرض عن ما خالفها))^۱

اس قاعدہ کے اعتبار سے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ کلام قبول کیا جائے گا جو ظاہر دلائل کے موافق ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ غیر مقبول اور متروک ہوگا۔

مندرجات بالا کے ذریعے سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ نقل اور قواعد دونوں کے اعتبار سے ”الحمار“ والی روایت حسب مراد معترض درست نہیں ہے۔ مولف کی علمی عظمت بے شک بڑی ہے مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ ان سے بدرجہ ہار فیح اور بالاتر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عقل نہیں تسلیم کرتی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”الحمار“ سے تعبیر کیا ہو۔ مسئلہ میں اختلاف رائے کا ہونا کوئی مستبعد امر نہیں لیکن اس کے لیے بھی اخلاقی حدود ہوتے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اجتہادی اختلاف موجود ہے، اور یہ کوئی قبیح چیز نہیں۔ ایک رکعت وتر کے متعلق بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی قائل ہیں مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ صحیح روایات میں ایک رکعت وتر کا منقول ہونا بھی مرفوعاً موجود ہے، مثلاً:

① ((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول الله ﷺ الوتر رکعة من آخر الليل))
(رواہ مسلم) ۲

② ((عن ایوب قال قال رسول الله ﷺ الوتر حق علی کل مسلم فمن احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدة فلیفعل)) (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ) ۳

۱ الزواجر (ابن حجر مکی) ص ۲۸ تحت الکبیرۃ الاولی، بحث ایمان و کفر فرعون

۲ فتاویٰ شامی (ابن عابدین) ص ۳۱۷ ج ۳ باب المرتد تحت قوله توبه الیاس مقبولہ

۳ مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب الوتر، الفصل الاول ج ۳ مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲ باب الوتر، الفصل الثانی

مزید لطف یہ ہے کہ بعض روایات میں موجود ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود بھی ایک رکعت وتر کے قائل تھے۔ ان مندرجہ حالات میں وہ دوسرے صحابی رسول ﷺ کو کیسے قبیح اور شنیع الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں؟

ضروری تشبیہ (روایت کی سند پر کلام)

علمائے کبار نے عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) کی کمال توثیق کے باوجود یہ بات تحریر کی ہے کہ بعض دفعہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف غلط چیز کا انتساب کر دیتا تھا۔ عبداللہ بن عمر، علی بن عبداللہ بن عباس، سعید بن مسیب اور عطاء بن ابی رباح (شاگرد ابن عباس) وغیرہ حضرات رضی اللہ عنہم نے تصریح کر دی ہے کہ بعض دفعہ عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر جھوٹ لگاتا تھا۔ اگر یہ بات موجود ہے تو پھر عکرمہ نے ہی یہ الفاظ روایت میں اگر اذیاد کر دیے ہوں تو کیا اعتبار ہے؟

عکرمہ پر نقد

عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) پر نقد کے لیے مقامات ذیل ملاحظہ ہوں:

- ① الکامل ابن عدی ج ۵ ص ۱۹۰۵-۱۹۰۶۔ یہاں جرح و مدح دونوں دستیاب ہیں اور یہ چیز بھی مذکور ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بعض دفعہ جھوٹ لگاتا تھا اور خارجیوں کی رائے رکھتا تھا۔
- ② تاریخ ابن عساکر مخطوطہ ج ۱۱ ص ۷۸۵ تحت ترجمہ عکرمہ مذکور
- ③ عقیلی کی عبارت ملاحظہ ہو:

((عن عبدالله بن الحارث قال دخلت علی علی بن عبدالله بن عباس فاذا عکرمة فی وثاق عند باب الحسن فقلت له الا تتقی الله؟ قال فان هذا الخبیث یکذب علی ابی)) ۱

④ یعقوب بن عبداللہ بسوی کی عبارت

((ثنا ابراهیم بن سعد عن ابیہ عن سعید بن المسیب انه کان یقول لبرد مولاہ یا برد! لا تکذب علی کما کذب عکرمة علی ابن عباس)) ۲

۱ تہذیب التہذیب ص ۲۶۷-۲۶۸ ج ۷ تحت عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) البربری ابو عبداللہ المدنی

۲ الضعفاء الکبیر ص ۳۷۲ ج ۲ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس

تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۲۶۷-۲۶۸ تحت عکرمہ مذکور

العارف (ابن قتیبہ) ص ۳۵۶ طبع چہارم قاہرہ تحت عکرمہ مذکور

۳ کتاب المعروفہ والتاریخ (ابو یوسف بسوی) ص ۵ ج ۲ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس

تہذیب التہذیب ص ۲۶۸ ج ۷ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس

⑤ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول

((قال ابو خلف الخزار عن يحيى البكاء سمعت ابن عمر رضي الله عنهما يقول لنا نافع اتق الله ويحك يا نافع! ولا تكذب علي كما كذب عكرمة علي ابن عباس))^۱

⑥ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دیگر شاگرد عطاء رضی اللہ عنہما کا قول

((قلت لعطاء ان عكرمة يقول قال ابن عباس سبق الكتاب المسح علي الخفين- فقال كذب عكرمة اني رأيت ابن عباس يمسح عليهما))^۲

⑦ طبقات ابن سعد میں درج ہے کہ

((وعجب الناس من اجتماعهما في الموت واختلاف رأيهما عكرمة يظن انه يرى رأى الخوارج يكفر بالنظرة وكثير شيعي يؤمن بالرجعة))^۳

(یہاں ایک عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور دوسرا کثیر عزیۃ الشاعر ہے)

”مطلب یہ ہے کہ ۱۰۵ھ میں ایک ہی روز مدینہ شریف میں یہ دونوں صاحبان فوت ہوئے اور بعد نماز ظہر ایک ہی مقام پر ان کا جنازہ پڑھا گیا اور اختلاف نظریات ان کا اس طرح تھا..... یعنی عکرمہ خارجی ذہن اور کثیر شیعہ ذہن رکھتا تھا۔“

قدیم مورخ اور محدث یحییٰ بن معین نے عکرمہ کے متعلق مندرجہ ذیل کلام کیا ہے:

((قال يحيى: وبلغنا عن عكرمة انه كان لا يقول هذا (اي قول الخوارج) وهذا باطل))^۴

”یعنی ابن معین رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عکرمہ رائے خوارج کا قول نہیں کرتا تھا۔ لیکن یہ چیز باطل ہے۔ وہ خوارج کی رائے رکھتا تھا۔“

((قال (مصعب بن عبد الله الزبيري) كان عكرمة يرى رأى الخوارج فطلبه

← المعارف (ابن قتيبة) ص ۴۳۸ طبع چہارم قاہرہ تحت ذکر سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما

تاریخ ابن عساکر کامل (مخطوط) ص ۷۸۳ ج ۱۱ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس

۱۔ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۲۶۷ ج ۷ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما

۲۔ الدرر النبی فی تخریج احادیث الہدایہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۷۶ ج ۱ طبع مصر تحت باب المسح علی الخفین۔

۳۔ طبقات ابن سعد ص ۲۱۶ ج ۵ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس آخر ترجمہ

تاریخ ابن عساکر کامل (مخطوط) ص ۷۹۱ ج ۱۱ تحت عکرمہ مولیٰ ابن عباس

۴۔ تاریخ یحییٰ بن معین (التونی ۲۳۳ھ) ص ۴۱۲ ج ۲ طبع مکہ مکرمہ

تاریخ یحییٰ بن معین ص ۱۰۶ ج ۳ روایت نمبر ۳۳۷ طبع مکہ مکرمہ

بعض ولایة المدینة فتغيب عند داود بن الحصين حتى مات عنده قالوا وكان
عكرمة كثير الحديث والعلم بحرا من البحور وليس يحتج بحديثه ويتكلم
الناس فيه)) ۱۔

کئی علماء نے عکرمہ کے حق میں رائے خوارج کا ذکر کیا ہے۔ جب یہ بزرگ خارجی ہے تو پھر حضرت
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونا ایک کھلی بات ہے۔ خارجی جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں
اسی طرح وہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بھی خلاف ہیں۔ تو اس اعتبار سے بھی مسئلہ ہذا
صاف ہو گیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”الحمار“ نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ شدید الفاظ عکرمہ اپنی طرف سے کہہ
گیا ہے اور اس طرح کے قبیح الفاظ سے اس نے اپنا قلبی بغض ظاہر کیا ہے۔ عکرمہ کا حدیث پیغمبر میں ثقہ ہونا
اور بات ہے اور آحاد امت کے بارے میں سیاسی اختلاف کی بنا پر اس قسم کی باتیں کہہ جانا دوسری بات
ہے۔

حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے توشیح عکرمہ کے بعد لکھا ہے کہ

((كذب مجاهد وابن سيرين ومالك..... قال احد كان يروى راى الخوارج
الصفريّة۔ وقال ابن المدائني كان عكرمة يري رأى نجدة الحروري وقد
وثقه جماعة واحتجوا به)) ۲۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو تقیہ پر محمول کرنا

مؤلف کتاب کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو تقیہ پر محمول کرنا سراسر ناانصافی ہے
اور واقعات کے برخلاف ہے۔

وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مشہور و معروف کبار علمائے صحابہ میں سے ہیں۔ دین کے
بارے میں صحابہ کے افعال و اقوال کسی مصلحت بنی پر محمول نہیں کیے جاسکتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے
ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تعلقات کتابوں میں مذکور ہیں۔ دیگر کبار ہاشمیوں کی طرح ان کی بھی آمد و
رفت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں برابر ہوتی تھی اور آپ ان سے وظائف بھی وصول کرتے تھے۔ مسائل
شرعیہ میں باہمی گفتگو جاری رہتی تھی اور علمی مذاکرات بھی ہوتے رہتے تھے اور اپنی رائے کا برملا اظہار کرتے
تھے۔ اس صورت حال میں اس بات کو کیسے تقیہ پر محمول کیا جاسکتا ہے؟

۱۔ طبقات ابن سعد ص ۲۱۶ ج ۵ خزند کرہ عکرمہ، طبع لیڈن

المعارف (ابن قتیہ) ص ۴۵۷ طبع چہارم قاہرہ تحت عکرمہ موئی ابن عباس

۲۔ کتاب المعرفة الرواة المتكلم فیہم بمالایوب جب السرد (ذہبی) ص ۱۴۸، ۲۳۲ تحت عکرمہ طبع بیروت۔

ان چیزوں کو ہم نے کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلقات کے تحت بقدر ضروریات باحوالہ ذکر کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک چیز ص ۱۵۷ پر مذکور ہے کہ ایک شخص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کہا:

((والله لتستقيم يا معاوية اولنقومنك فيقول بما ذا؟ فيقول بالخشب فيقول اذا نستقيم))^۱

”یعنی اللہ کی قسم (اے معاویہ) خود بخود ٹھیک رہیے ورنہ ہم آپ کو درست کریں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کس چیز کے ساتھ؟ اس نے کہا: لاشی کے ساتھ۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو پھر ہم ٹھیک ہو جائیں گے۔“

یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کی خدمت میں حق گوئی برابر جاری تھی اور حق بات کہنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں تھی اور وہ ہر تنقید کو کشادہ دلی سے برداشت کرتے تھے۔ فلہذا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے بنا بریں تقیہ اس طرح فرمایا ہوگا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اس رائے میں صاحب کتاب سے فروگزاشت ہوئی ہے یا پھر رواۃ کی طرف سے تصرف ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ اللہ کریم معاف فرمائے۔

حاصل کلام

① روایت مذکورہ کا مختصراً جواب یہ ہے کہ اپنے خارجی نظریات کے تحت ”الحمار“ کے الفاظ نقل کرنے میں عکرمہ متفرد ہے اور یہ اس کی ایک شاذ روایت ہے۔

② نیز اس قول میں اس کا کوئی متابع نہیں پایا گیا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مسئلے کو نقل کرنے والے ابن ابی ملیکہ، کریب (ابن عباس رضی اللہ عنہما کا غلام) اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزند علی بن عبداللہ بن عباس اور ایوب وغیرہ متعدد لوگ ہیں، اور یہ تمام حضرات وتر کا واقعہ ہذا نقل کرتے ہیں لیکن یہ شنیع الفاظ (جو عکرمہ نے یہاں نقل کیے ہیں) وہ کسی نے نہیں بیان کیے۔ فلہذا عکرمہ کے یہ الفاظ شاذ روایت کے درجے میں ہیں اور قابل قبول نہیں بلکہ لائق اجتناب ہیں۔ الثقة اذا شذ لا يقبل ما شذ فيه۔^۲

۱ کتاب الجہنی (ابن ورید) ص ۴۱ تحت کلام معاویہ رضی اللہ عنہ

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۰۲ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۳ تحت معاویہ رضی اللہ عنہ

تاریخ الخلفاء (سیوطی) ص ۱۳۶ طبع دہلی تحت ۴۱ حالات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۲ مرقاة شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۸ ج ۶ باب العدة

مختصر یہ ہے کہ روایت بالا کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر عیب چینی کرنا روا نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھنا لازم ہے اور کسی راوی کی اس قسم کی شنیع تعبیر سے ان کا وقار مجروح نہیں ہو سکتا۔

آخر کلام

اگر کوئی شخص (جو فن ہذا کے قواعد سے ناواقف ہے) یہ اشتہاہ پیدا کرنا چاہے کہ پھر تو عکرمہ کی تمام مرویات سے اعتماد اٹھ گیا اور اس کی وثاقت کا کوئی لحاظ نہ کیا گیا حالانکہ صحاح کی کتابوں میں اس کی مرویات موجود ہیں اور عند العلماء مقبول ہیں۔

تو اس اشتہاہ کو رفع کرنے کے لیے وضاحت درج کی جاتی ہے کہ ایسے مواقع پر قاعدہ یہ ہے کہ جو روایت کتاب و سنت کے مضمون کے خلاف اور معروف روایات کے متضاد اور قواعد مسلمہ اور واقعات صحیحہ کے برعکس پائی جائے وہ اگرچہ ثقہ راوی سے منقول ہو اس کو قبول نہیں کیا جاتا اور اس کے ساتھ احتجاج کرنا درست نہیں ہوتا۔ وہ درجہ شاذ میں شمار کی جاتی ہے۔

پس یہاں بھی یہی قاعدہ ملحوظ رکھا جائے گا کہ عکرمہ کی وہ روایات جو مذکورہ بالا قواعد کے برخلاف ہوں گی وہ متروک ہیں اور جو روایات اس فن کے قواعد کے خلاف نہیں وہ قابل قبول ہیں اور لائق احتجاج ہیں۔ پس اس طریقہ سے اشتہاہ مذکور مرتفع ہو گیا۔

بندہ نے اپنی ناقص رائے کے پیش نظر ”الحماز“ والی روایت کا جواب پیش کیا ہے۔ اگر علمائے کبار اس سے بہتر جواب بیان فرمائیں تو سبحان اللہ، وہ بہترین ہوگا۔

ظلم اور زیادتی کا طعن

بعض لوگوں کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر دوسروں کی جائیداد غصب کرنے اور غیر کے حق میں تجاوز کرنے کا اعتراض قائم کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں مندرجہ ذیل روایت پیش کرتے ہیں کہ:

((محمد بن جعفر عن شعبة عن سعد بن ابراهيم انه سمع رجلا من بني مخزوم عن عمه - ان معاوية اراد ان يأخذ ارضا لعبد الله بن عمرو يقال لهما الوهط فامر موالیه فلبسوا التهم وارادوا القتال قال فاتيته فقلت ما ذا فقال انى سمعت رسول الله ﷺ يقول ما من مسلم يظلم بمظلمة فيقاتل فيقتل الا قتل شهيدا))

”یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لیے اراضی کی ایک جائیداد طائف میں تھی جس کو الوهط کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو اپنی تحویل میں لینے اور اپنے کارندوں کے ذریعے سے اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ان حالات میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں مدافعت اور معارضہ کی تیاری کر لی اور اپنے خدام کو فرمایا کہ ہتھیار پہن لو اور قتال کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تو روایت کرنے والا کہتا ہے کہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا بات ہے اور ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ میں نے نبی اقدس ﷺ سے سنا ہے کہ جس مسلمان پر کوئی ظلم اور زیادتی ہونے لگے اس پر وہ قتال کرے اور اس صورت میں وہ قتل ہو جائے تو شہید ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ مخالف فریق ہم پر زیادتی کر رہا ہے اور دفاع میں ہمارا مارا جانا شہادت ہے۔“

الجواب

اس اعتراض کا جواب پیش کرنے کے لیے پہلے تو اس روایت کی سند و متن کے متعلق گفتگو کی جائے گی، اس کے بعد ایک دوسرے طریقے سے کلام ہوگا یعنی معاملات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار و اخلاق سامنے رکھنے سے مسئلہ صاف ہو سکے گا۔

سند کے اعتبار سے

یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ روایت بنو مخزوم کے ایک شخص سے مروی ہے اور وہ اپنے چچا سے نقل کرتا ہے۔ یہ چچا بھتیجا دونوں مجہول الذات والصفات ہیں۔ فلہذا راوی کی جہالت کی وجہ سے یہ روایت قابل اعتنا نہیں۔

متن کے اعتبار سے

روایت کے متن میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اس موقع پر کوئی قتال واقع نہیں ہوا۔ یہاں صرف یہ مذکور ہے کہ جانین نے اپنے اپنے فعل کا ارادہ کیا۔ اس میں یہ بیان نہیں ہے کہ ایک فریق نے دوسرے فریق کی اراضی غصب کر لی اور پھر دوسرے فریق نے اس پر قتال کیا۔ یہاں دونوں فریق کے ارادوں کا ذکر ہے۔ یہ کوئی قابل طعن بات نہیں ہے۔ آپس میں معاملات کی صورت میں کشیدگی اور تنازع کا پیش آنا معاشرے کے لوازمات میں سے ہے اس چیز پر کوئی اعتراض قائم کرنا صحیح نہیں۔

ایک نظیر

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرا واقعہ ہم بطور نظیر پیش کرتے ہیں کہ آپ معاملات میں دوسرے کے حق میں زیادتی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ پوری انصاف پسندی سے کام لیتے تھے۔ مورخین نے آپ کی حق و انصاف پسندی کا درج ذیل واقعہ ذکر کیا ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ میں کچھ ارضی تھی اور اس پر آپ کا غلام نضیر وکیل اور مگران تھا۔ اس ارضی سے ملحق حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمن کی بھی ارضی تھی۔ نضیر نے عبدالرحمن کی ارضی کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ارضی کے ساتھ منضم کر لیا اور کہا کہ یہ رقبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے اور عبدالرحمن نے کہا کہ میرے والد زید جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ قطعہ ارضی ہمارے لیے متعین کر دیا تھا۔

ان دنوں مروان بن حکم حاکم مدینہ تھے۔ جب یہ معاملہ ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے مصالحت کی کوشش کی مگر صلح نہ ہو سکی۔ چنانچہ عبدالرحمن بن زید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں شام چلے گئے۔ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوئے اور واقعہ بیان کیا کہ آپ کے وکیل مذکور نے اس طرح زمین میں تجاوز کر کے قبضہ کر لیا ہے، یہ زمین تو ہمیں خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے دی ہوئی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے زمین بالکل ترک کر دی اور بنجر بنا دی اور غیر آباد کر دی۔ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اذن سے پھر آباد کاری کی ہے، اس میں کھجور کے پودے لگائے ہیں وغیرہ وغیرہ، کافی اخراجات کیے ہیں۔ اب تم دعویٰ کرتے ہو۔

غرض تنازع قائم رہا۔ آخر کار فیصلہ ہوا کہ اس وقت کے قاضی فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ جو فیصلہ فرمائیں وہ منظور ہے۔ چنانچہ دونوں حضرات (عبدالرحمن بن زید اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) قاضی فضالہ بن عبید انصاری کے پاس پہنچے۔ فریق اول عبدالرحمن کے پہلے بیان ہوئے، اس کے بعد امیر المومنین کے بیانات سنے گئے تو قاضی موصوف نے فیصلہ دیا کہ ((ان القول قول عبدالرحمن والحق معہ فقاضی بہ فقال معاویہ نقبل ما قلت)) یعنی عبدالرحمن کا بیان معتبر اور قابل تسلیم ہے اور حق اسی کے ساتھ ہے پس قاضی نے ان کے حق میں فیصلہ دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو کچھ آپ نے فیصلہ کیا ہے ہم اسے قبول کرتے ہیں لیکن جو مصارف ہم نے اس کی آبادکاری کے لیے کیے ہیں اور پودے وغیرہ لگائے ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ قاضی فضالہ انصاری نے فرمایا کہ درختوں اور آبادکاری کے مصارف اگر عبدالرحمن ادا کر دیں تو زمین کے ساتھ درختوں کے بھی مالک ہیں، اور یہ صورت اختیار نہ کریں تو زمین کی قیمت کی ضمان لے کر (یعنی زمین کی قیمت وصول کر کے) اپنا تنازع ختم کر دیں۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو آبادکاری ہو چکی ہے وہ بھی اور جو کچھ زمین انھوں نے لے لی ہے وہ بھی ہم ان کو صلہ رحمی کے طور پر دیتے ہیں۔ اور یہی چیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے وکیل نصیر کی طرف لکھ دی اور ان کا قرض ادا کر دیا اور ان کو شرف عطا میں شامل کر لیا اور فرمایا کہ اے بھتیجے! آپ اس کے حق دار ہیں، اور مزید کچھ مال دیا۔

((فتکلم عبدالرحمن بقوله الاول وتکلم معاویہ بقوله الاول فرأی فضالہ ان القول قول عبدالرحمن والحق معہ فقاضی بہ فقال معاویہ نقبل ما قلت ارأیت ما غرست فیہا قال یقول ذالک لک فالشاء ضمنک قیمة الارض فقال عبدالرحمن قد انصفت فقال معاویہ فالغراس له وما مد الیہ یدہ من ارضی فهو له صلة لرحمہ، وکتب له بذالک الی وکیلہ وقضی دینہ والحقہ فی شرف العطاء قال انت مستحق لذلک یا ابن اخی الفاروق والشہید واعطاء، مالا))^۱

مختصر یہ ہے کہ

① واقعہ ہذا سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق پسند تھے، حق بات تسلیم کرتے تھے اور غیر کے حقوق میں تجاوز کرنے والے نہیں تھے فلہذا ان کے خلاف مندرجہ بالا اعتراض بے جا ہے۔

② نیز یہاں سے واضح ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں عدلیہ آزاد تھی، حق بات کا فیصلہ آزاد رائے سے کرتے تھے اور عدالت احکام شرعی کی پابند تھی، خلیفہ کا ان کا پر کوئی دباؤ نہ تھا بلکہ خلیفہ وقت بوقت

۱۔ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۱۱-۱۱۲ ج ۳ ق اول تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ طبع بیروت

ضرورت عدالت میں خود پیش ہوتا اور امیر المومنین کے خلاف قاضی فیصلہ دیتا تو وہ بخوشی تسلیم کرتا تھا۔ ”عدلیہ کی آزادی کے خاتمہ“ کا پروپیگنڈا سراسر واقعات کے برخلاف ہے جیسا کہ ناظرین کرام نے گزشتہ سطور میں ملاحظہ کیا۔

بعض لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو قلم و زیادتی کا دور ثابت کرنے کے لیے بڑی کوشش کرتے ہیں۔ واقعہ ہذا اس بات کی شہادت ہے کہ قاضیوں کی عدالت اپنے فیصلے دینے میں آزاد تھی حتیٰ کہ خلیفہ وقت کے خلاف بھی فیصلہ کر سکتی تھی۔

قتل نفس اور اکل مال بالباطل (یعنی باطل طریقے سے مال کھانا) کا طعن پھر اس

کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے ایک بار فرمان نبوی بیان فرمایا تو اس کے جواب میں عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام عائد کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمیں ”قتل نفس“ اور ”اکل مال بالباطل“ کا حکم دیتے ہیں:

((فرمان نبوی ﷺ ومن بايع اماما فاعطاه صفقة يده وثمره قلبه فليطعه ان استطاع فان جاء اخر بنازعه فاضرب عنق الاخر..... (پھر عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ کا قول ہے کہ) هذا ابن عمك معاوية يأمرنا ان ناكل اموالنا بالباطل ونقتل انفسنا.....))

جواب

اولاً: یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس روایت کے رواۃ میں ایک راوی زید بن وہب جہنی کوئی ہے جس کے متعلق علماء نے وثاقت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ فی حدیثہ خلل کثیر! ثانیاً: یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ اس روایت کا محمل وہ دور ہے جب کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان قصاص دم عثمانؓ کے سلسلے میں باہم تنازعات قائم تھے۔ نیز روایت ہذا کو دیگر کبار محدثین نے بھی ذکر کیا ہے لیکن متن روایت میں قابل اعتراض الفاظ (یا امرنا ان ناکل اموالنا بالباطل ونقتل انفسنا) مفقود اور غیر مذکور ہیں۔ یہاں سے روایت میں رواۃ کا تصرف اور کمی بیشی عیاں ہوتی ہے۔

۱۔ تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی) ص ۴۲۷ ج ۳ تحت زید بن وہب الجہنی

کتاب المعروف والتاریخ (بسوی) ص ۶۸-۶۹ ج ۲ تحت زید بن وہب الجہنی

۲۔ سنن ابن ماجہ ص ۲۹۲-۳۹۳ آخر باب السواد الاعظم من ابواب النعمن

سنن نسائی ص ۱۶۴-۱۶۵ ج ۲ کتاب العیۃ تحت ذکر ما علی من بايع الامام..... الخ

معلوم ہوا کہ یہ قابل اعتراض کلمات راوی کی طرف سے اضافہ شدہ ہیں اور اس نے ان کلمات کو اپنے ظن و گمان کے اعتبار سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ذکر کیا ہے۔

اسی مضمون کو شارح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

((المقصود بهذا الكلام ان هذا القائل لما سمع كلام عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وذكره الحديث في تحريم منازعة الخليفة الاول وان الثاني يقتل فاعتقد هذا القائل هذا الوصف في معاوية لمنازعة عليا وكانت قد سبقت بيعة علي فراى هذا ان نفقة معاوية على اجناده واتباعه في حرب علي ومنازعة ومقاتلة اياه من اكل المال بالباطل ومن قتل النفس لانه قتال بغير حق فلا يستحق احد مالا في مقاتلة))^۱

”اس کا مطلب یہ ہے کہ جب راوی عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی کہ خلیفہ اول منتخب ہو جانے کے بعد اس کے ساتھ منازعت حرام ہے اور خلافت کے دوسرے دعویدار کے ساتھ مقاتلہ کرنا چاہیے تو اس راوی نے (اس دور کے حالات کے پیش نظر) یہ گمان کیا کہ یہ وصف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں موجود ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو چکی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے خلاف منازعت کیے ہوئے ہیں۔ گویا کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف) ان کے جنود اور لشکروں پر مال خرچ کرنا باطل طریقہ ہے اور قتال کرنا قتل نفس کی دعوت ہے۔“

تو اپنے گمان کو راوی (عبدالرحمن بن عبد رب الکعبہ) نے ان کلمات سے تعبیر کیا اور کہا کہ هذا ابن عمك معاوية يامرنا ان ناكل اموالنا بالباطل ونقتل انفسنا حالانکه حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدعی خلافت نہ تھے اور مسئلہ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نزاع کنندہ نہیں تھے بلکہ ان کا نزاع اور اختلاف قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ میں تھا، خلافت و امارت میں نہیں تھا۔ جیسا کہ یہ چیز اپنی جگہ پر منقح ہو چکی ہے۔ سیرت علوی کے یہ مقامات ملاحظہ کریں۔

فلہذا اس حدیث کی مخالفت نہ پائی گئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف نہ ہوئے۔ گویا یہ کلام راوی کے اپنے گمان کے اعتبار سے ٹھہرا جو واقعہ کے اعتبار سے درست نہیں۔

درایتاً

درایت کے اعتبار سے یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ اگر معترض کا اعتراض (اکل اموال بالباطل و قتل نفس)

۱ شرح مسلم (نووی) ص ۱۲۶-۱۲۷ ج ۲ تحت روایت ہذا (ابن عمک معاویہ..... الخ)

صحیح ہے تو قابل توجہ یہ چیز ہے کہ اس دور کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم نواتھے انہوں نے ”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ کا فریضہ کیوں ادا نہیں کیا؟ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگوں میں انہوں نے شرکت کیسے اختیار کی؟ مالی و جانی تعاون کس طرح کرتے رہے؟

پس یہ امور اس بات کے قرائن اور شواہد ہیں کہ معترض کا گمان اپنی جگہ پر صحیح نہیں اور روایت مذکورہ بالا کا مفہوم وہی درست اور صحیح ہے جو اکابر علماء نے ذکر کیا ہے۔

محمد بن ابی بکر کا قتل

معرض احباب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مظالم جہاں ذکر کرتے ہیں ان میں محمد بن ابی بکر کو قتل کر دینے اور ان کی لاش کو گدھے کی کھال میں رکھ کر جلانے کے وحشیانہ سلوک کا اعتراض بڑی آب و تاب سے بیان کرتے ہیں۔

اعتراض کا جواب

اس اعتراض کے جواب کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان کے ملاحظہ کر لینے سے صحیح صورت حال واضح ہو سکے گی:

① یہاں یہ چیز پہلے ذکر کر دینا ضروری ہے کہ واقعہ صفین کے بعد حکیم کے موقع پر فیصل حضرات جب کسی متفقہ فیصلہ پر نہیں پہنچ سکے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ اسی دوران میں مصر میں محمد بن ابی بکر کے قتل کا واقعہ ۳۸ھ میں پیش آیا۔

② محمد بن ابی بکر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے سابق فرزند تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے زیر کفالت جوان ہوئے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا ہے تو حملہ آوروں کی شورش میں یہ برابر کے شریک رہے اور قاتلین عثمان کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوئے۔ محمد بن ابی بکر کا ان شورشوں میں شریک رہنا اور بغاوت کرنے والوں کی حمایت کرنا ان کا ایک ”ذاتی معاملہ“ تھا اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے دوسری تھی اور وہ اس معاملہ میں حامی نہیں تھے جیسا کہ شہادت عثمان کے واقعہ میں بیان کیا گیا (جو کتاب رجاء پنجم حصہ عثمانی باب پنجم میں مذکور ہے)۔

محمد بن ابی بکر کا یہ مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض امور میں خلاف رائے رکھتے تھے اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ہم نوا نہیں تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں محمد بن ابی بکر کے مخالفانہ و معاندانہ رویہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا درست نہیں سمجھتی تھیں اور ان کو ان حرکات سے منع کرتیں لیکن یہ اپنے رویہ سے باز نہیں رہتے تھے۔

③ جس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں واقعہ صفین کے بعد ایک فریق کے

دوسرے فریق کے ساتھ معارضات جاری تھے اور مختلف علاقوں میں ہر دو فریق کے مقابلے اور مسابقتیں ہو رہی تھیں اور یہ شورشیں قتل و قتال تک پہنچتی تھیں، ان ایام میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنا کر روانہ کیا۔ وہاں انھیں مشکلات کا سامنا ہوا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اشتر نخعی کو ان کی معاونت کے لیے بھیجا مگر وہ راستے ہی میں قلمزم کے مقام پر فوت ہو گیا۔

اسی دوران میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا والی مقرر کیا اور وہ اپنے حامیوں سمیت مصر پہنچ گئے۔ علاقہ مصر میں لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت سے کافی متاثر تھے خصوصاً خربتہ کے لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف رائے رکھتے تھے اور مظلومیت عثمانؓ کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ یہ لوگ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی حمایت میں ان کے ساتھ ہو گئے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فریق مخالف کے لیے معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کو مقرر کر کے روانہ کیا۔ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کا پہلے معارضہ کنانہ بن بشر وغیرہ کے ساتھ پیش آیا۔ باہم قتال ہوا اور کنانہ بن بشر مقتول ہوا۔ اس کے بعد ان کا معارضہ محمد بن ابی بکر اور اس کے ساتھیوں سے ہوا اور محمد بن ابی بکر مقابلہ کی تاب نہ لاسکے اور قتل ہوئے۔

تنبیہ

محمد بن ابی بکر کے قتل کے متعلق مورخین نے اس مقام پر متعدد صورتیں ذکر کی ہیں۔ واقعہ کی تفصیلات البدایہ لابن کثیر ج ۷ ص ۳۱۳-۳۱۴ تحت واقعہ ہذا اور اصابہ لابن حجر عسقلانی ج ۳ ص ۲۱۵ تحت حرف الہم (محمد بن ابی بکر) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ہم یہاں بالاختصار ذکر کرتے ہیں:

① ایک صورت تو یہ ہے کہ معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ان کا مقابلہ ہوا اور اس معارضہ کے دوران میں قتل ہو گئے۔

② دوسری صورت یہ ذکر کی جاتی ہے کہ معارضہ کے بعد ان کو گرفتار کر کے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا وہاں ان کی باہمی سخت کلامی ہوئی اور پھر ان کو قتل کر دیا گیا۔

محمد بن ابی بکر کے قتل کی وجہ فریق مخالف کی زبانی اسی طرح مذکور ہے کہ معاویہ بن خدیج کنندی رضی اللہ عنہ کی ایک دفعہ عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو عبدالرحمن نے بطور طعن کہا:

((یا معاویہ (ابن خدیج) قد اخذت اجرک من معاویہ بن ابی سفیان لما قتلت

محمد بن ابی بکر لیولیک مصر فقد ولاکھا فقال ما قتلت محمدا لولایة

وانما قتلت لقتله عثمان))

”یعنی اے ابن خدیج! تو نے معاویہ بن ابی سفیان سے میرے بھائی محمد بن ابی بکر کے قتل کا اجر حاصل کر لیا اور تجھے مصر کا والی بنا دیا گیا، تو ابن خدیج رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ولایت مصر کے لیے محمد بن ابی بکر کو نہیں قتل کیا تھا بلکہ میں نے تو اس لیے قتل کیا تھا کہ وہ قاتلین عثمانؓ میں شریک تھا۔“ مختصر یہ ہے کہ کنانہ بن بشر اور محمد بن ابی بکر وغیرہ کا مقتول ہونا فریق مخالف کی طرف سے اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورشوں میں شریک تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ان کا پورا پورا حصہ تھا۔

③ مورخین نے محمد بن ابی بکر کے قتل کی ایک یہ صورت بھی ذکر کی ہے کہ جب دونوں جماعتوں کا باہم قتال ہوا تو محمد بن ابی بکر شکست کھا کر بھاگ گئے اور ایک مقام میں مختفی ہو گئے۔ پھر وہاں سے ان کو تلاش کر کے قتل کر دیا گیا۔

یہاں مورخ طبری نے ابو منصف سے یہ روایت ذکر کی ہے اور لکھا ہے کہ محمد بن ابی بکر کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا پھر اس کی لاش کو گدھے کی کھال میں داخل کر کے جلا دیا گیا۔

((فقدمه فقتله ثم القاه فی جيفة حمار ثم احرقه بالنار))^۱

اسی روایت کے آخر میں طبری نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب محمد بن ابی بکر کے قتل کی خبر پہنچی تو انھوں نے حضرت امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما پر قنوت پڑھنی شروع کر دی یعنی نمازوں کے آخر میں بددعا فرماتی تھیں۔

یہاں یہ بات نہایت اہم ہے کہ ”گدھے کی کھال میں ڈال کر جلانے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بددعا میں کرنے“ کی یہ روایت ابو منصف لوط بن یحییٰ رافضی بزرگ سے مروی ہے، نیز اسناد میں ابو منصف ایک واسطہ کے ذریعے سے عن شیخ من اهل المدینہ سے نقل کرتا ہے۔ وہ شیخ اپنی جگہ پر مجہول الذات والصفات ہے۔ فلہذا ایسی مجروح روایت ہرگز قابل اعتماد نہیں جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کیا جا سکے۔

نیز واضح رہے کہ طبری سے بعد والے مورخین اس روایت کو طبری سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ہم نے یہاں قتل کے وجوہ اور مختلف صورتیں ذکر کرنے کے علاوہ روایت کی باعتبار سند کے حقیقت حال درج کر دی ہے فلہذا مذکورہ بالا اعتراض کا بے جا ہونا واضح ہو گیا اور وحشیانہ سلوک کی حقیقت بھی سامنے آ گئی کہ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

حاصل یہ ہے کہ یہاں بناء الفاسد علی الفاسد کا معاملہ ہے فلہذا وحشیانہ سلوک کی داستان غیر صحیح ہے۔

نیز حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق قنوت بعد از نماز شروع کر دینے کا اعتراض بھی صحیح نہیں۔ ایک تو یہ روایت سنداً مقذوح و مجروح ہے دوسری بات یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلقات تازیت صحیح رہے، انہوں نے روابط منقطع نہیں کیے۔ یہ چیز بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ واقعات اس طرح نہیں جس طرح معترضین بنا سجا کر پیش کرتے ہیں۔

قبل ازیں ہم نے محمد بن ابی بکر کے قتل کے متعلق موقع کی مناسبت سے کچھ حالات سیرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں ”بعض انتظامی امور“ کے عنوان کے تحت ذکر کر دیے ہیں اور وہیں اشتر نخعی کا ذکر بھی بقدر ضرورت ہو چکا ہے۔

حجر بن عدی وغیرہ کا قتل

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جملہ مطاعن میں سے اس دور کے بعض لوگوں کو قتل کرنے کا طعن اعتراض کرنے والوں کی طرف سے بڑے آب و تاب کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی تمہیدی چیزوں میں یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو مسئلہ شرعی ہے اس کی آزادی سلب کر لی گئی تھی اور لوگوں کی زبانیں حق بات کہنے سے روک دی گئی تھیں، ان پر قتل چڑھا دیے گئے تھے۔ جو حق بات کہتا تھا اس کو بدترین سزا دی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں حجر بن عدی کا قتل سرفہرست ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کو حق بات کہنے پر ۵۱ھ میں بلاوجہ جواز قتل کر دیا گیا۔

جواب

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان پر انصاف سے غور کر لینے کے بعد طعن مرتفع ہو سکے گا۔

پہلے ہم حجر بن عدی کی شخصیت کے متعلق کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں، اس کے بعد باقی متعلقہ امور ذکر کیے جائیں گے۔

حجر بن عدی

حجر بن عدی بن جبل بن عدی کوفہ کے قبیلہ کندہ کے روساء میں سے تھے۔ ان کو حجر الخیر اور حجر بن الادبر بھی کہتے تھے۔ بعض مورخین اور علماء نے حجر کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ساتھ نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ وہ عابد و زاہد تھے اور دیگر علماء مثلاً امام بخاری، ابن ابی حاتم، خلیفہ ابن خیاط اور ابن حبان وغیرہ نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے۔^۱ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ذکر کی ہے کہ

((قال ابو احمد العسكري اكثر المحدثين لا يصححون له صحبة))^۲

۱ الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۱۳ ج ۱ تحت حجر بن عدی

۲ البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت سزا ۵۱ھ

”یعنی ابو احمد عسکری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اکثر محدثین حجر بن عدی کے صحابی ہونے کو صحیح قرار نہیں دیتے۔“

آپ جنگ قادسیہ میں شامل ہوئے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جمل و صفین کی حروب میں بھی شامل ہوئے۔ آپ کا شمار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص حامیوں میں ہوتا تھا۔ آپ حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریاتی طور پر سخت خلاف تھے۔ کوفہ سبائی پارٹی کا خصوصی مرکز تھا۔ حکومت کے خلاف ان کی سازشوں اور فتنہ پردازیوں سے جو لوگ متاثر تھے ان میں حجر بن عدی نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور فتنہ انگیز پارٹی کے اثرات سے کافی متاثر بلکہ مغلوب تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حجر بن عدی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عذراء کے مقام پر شعبان ۵۱ھ میں قتل کیے گئے۔

خلیفہ کی مخالفت

جب حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما کا دور خلافت گزر گیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آیا تو حجر بن عدی کے نظریات میں خاصا تعلق واقع ہو چکا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے امیر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب خطبہ دیتے تو یہ لوگ ان کے خلاف تشدد اور سخت کلامی کے ساتھ پیش آتے لیکن حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اپنی قوت برداشت اور حلم کی بنا پر درگزر فرماتے اور مناسب فہمائش کرتے کہ امیر وقت کے ساتھ معارضہ کرنا درست نہیں مگر حجر بن عدی اپنے تشدد سے باز نہیں آتے تھے۔

مسئلہ عطا پر نقد

بعض دفعہ لوگوں کو وٹائف کی ادائیگی میں تاخیر ہو جاتی تو حجر بن عدی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں اٹھ کھڑے ہوتے۔ اور جب بعض لوگوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی پر سختی کرنے کے لیے کہا کہ یہ مسلمانوں کے اتفاق کی لٹھ توڑنا چاہئے ہیں اور امیر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو پھر بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی اور ان سے درگزر فرمایا۔

بیت المال کے اموال پر معارضہ

مورخین لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے والی کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ بیت المال سے کچھ مال یہاں دار الخلافہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ یہ مال بھیجنے لگے تو حجر بن عدی معارضہ کرتے ہوئے ان سواروں کی لگام پکڑ کر مال روکنے پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ یہاں حق والوں کا حق ادا کیا جائے۔ اس موقع پر بھی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حسب معمول سختی نہیں کی اور غنوو درگزر سے

۱۔ مستدرک حاکم ص ۳۶۹ ج ۳

۲۔ البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت حالات سنہ ۵۱ھ

کام لیا۔^۱

بعدہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ۵۰ھ میں وفات پا گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن ابیہ کو کوفہ اور بصرہ دونوں کا والی مقرر فرما دیا۔ حجر بن عدی اپنی سابقہ روش کے مطابق زیاد بن ابیہ والی کوفہ و بصرہ کے خطبات پر بھی تنقید اور معارضہ کرنے لگے اور حکومت کے نظم کے معاملات میں دخل ہونے لگے۔

والی کوفہ پر کنکر پھینکنا

ایک روز زیاد بن ابیہ کوفہ میں خطبہ دینے لگا، اس مقام پر حجر بن عدی اپنی جمعیت کے ساتھ موجود تھے اور ہتھیار لگا کر آئے تھے۔ زیاد نے خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد دیگر چیزوں کے علاوہ امیر المؤمنین کے حقوق کا ذکر کیا۔ اس مسئلے پر حجر بن عدی کو اختلاف تھا اس نے زیاد پر کنکر پھینکے اور کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تم پر اللہ کی لعنت ہے۔

((وجعل زیاد فی خطبة ان من حق امیر المؤمنین یعنی کذا و کذا فاخذ حجر کفا حصباء فحصبه وقال کذبت علیک لعنة الله))^۲

حجر بن عدی اور اس کے رفقاء کا رویہ

ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے البدایہ میں ابن جریر طبری کے حوالے سے اس جمعیت کی شورشوں اور فتنہ پردازیوں کو متعدد بار ذکر کیا ہے اور ایک مقام پر اس چیز کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((انہم کانوا ینالون من عثمان ویطلقون فیہ مقالة الجور وینتقدون علی الامراء و یسارعون فی الانکار علیہم، ویبالغون فی ذالک ویقولون شیعة علی ویتشدون فی الدین))^۳

”مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں اعتراض کرتے تھے اور ان کے حق میں جور و ظلم منسوب کرتے تھے۔ وہ امراء و حکام کی سخت عیب جوئی کرتے تھے اور ان پر انکار کرنے میں جلد بازی کرتے تھے اور اس معاملے میں غلو کرتے تھے، شیعان علی کی دوستی کا دم بھرتے تھے اور دین کے معاملات میں تشدد اختیار کیے ہوئے تھے۔“

گویا اس جماعت کے طریق کار کو بطور نمونہ ذکر کیا ہے ان کے کارناموں کی مزید تشریح آئندہ سطور میں آرہی ہے۔ اسی سلسلے میں معارضہ کے واقعات کو زیاد نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

۱ البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۰ ج ۸ تحت ۵۱ھ

۲ البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۱ ج ۸ تحت ۵۱ھ

۳ البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۳ ج ۸ تحت ۵۱ھ (حالات نقل حجر بن عدی)

بصورت مکتوب لکھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ حجر بن عدی اور شورش میں شامل اس کے دیگر ساتھیوں کو گرفتار کر کے یہاں دمشق بھیج دیا جائے۔

چنانچہ زیاد نے ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے لیے چند آدمی بھیجے تو حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے پتھروں اور ڈنڈوں سے ان کا پورا پورا مقابلہ کیا۔ مگر زیاد کے آدمی انھیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور زیاد نے انھیں دس دن اپنے پاس حراست میں رکھا۔ پھر اس کے بعد ان کو خلیفہ وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا اور ان کے ساتھ ایک جماعت کو بھیجا جو گواہی دیتے تھے کہ:

① حجر بن عدی نے خلیفہ وقت پر سب و شتم کیا ہے۔

② امیر وقت کے ساتھ محاربت قائم کیے ہوئے ہیں۔

③ یہ کہتے ہیں کہ امارت اور خلافت آل ابی طالب کے علاوہ کسی کے لیے درست نہیں۔

((انہ سب الخلیفة وانہ حارب الامیر وانہ یقول ان هذا الامر لا یصلح الا فی آل علی بن ابی طالب))^۱

ان واقعات کے لیے جو شہادت زیر تحریر لائی گئی تھی ابن جریر طبری نے اس کو بالفاظ ذیل درج کیا ہے ((ان حجرا جمع الیہ الجموع واطهر شتم الخلیفة ودعا الی حرب امیر المومنین وزعم ان هذا الامر لا یصلح الا فی آل ابی طالب و وثب المصر واخرج عامل امیر المومنین واطهر عذار ابی تراب والترحم علیہ والبراءة من عدوہ واهل حربہ وان هؤلاء النفر الذین معہ ہم رءوس اصحابہ وعلی مثل رأیہ وامرہ))^۲

”مظن یہ ہے کہ ان اکابر لوگوں نے شہادت دی کہ حجر بن عدی نے اپنے گرد ایک جمعیت جمع کر رکھی ہے، خلیفہ وقت کو سب و شتم کرتے ہیں، امیر المومنین کے خلاف قتال کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آل ابی طالب کے علاوہ کسی کے لیے امارت و خلافت درست نہیں، اور شورش کھڑی کر کے امیر المومنین کے حاکم و عامل کو شہر سے نکال دیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معذوری ظاہر کر کے ان پر ترحم کرتے ہیں اور ان کے مخالفین سے براءت اور بیزاری کرتے ہیں، اور یہ جو ان کے ساتھی ہیں یہ ان کی جماعت کے سربراہ و ردہ لوگ ہیں، حجر بن عدی اور ان کی جماعت کی ایک رائے ہے اور ایک ہی نظریہ کے حامل ہیں۔“

۱۔ البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (حالات قتل حجر بن عدی)

۲۔ تاریخ طبری ص ۱۵۰ ج ۶ تحت سنہ ۵۱ھ حالات واقعہ ہذا

اور اس شہادت کو ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے بالفاظ ذیل درج کیا ہے:

((فشهدوا کلہم ان حجرا اجتمع الجموع واظہر شتم معاویۃ ودعا الی حربہ وزعم ان الامر لا یصلح الا فی الطالبین))^۱

مختصر یہ ہے کہ حجر بن عدی اور ان کی سہائی پارٹی اس وقت کے نظام حکومت اور انتظامی خلافت کو الٹ کر کوئی دوسرا اقتدار قائم کرنے کا منصوبہ رکھتے تھے اور لوگوں کو اس تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ گویا اسلام کی متفقہ قوت میں پھر انتشار ڈالنا ضروری سمجھتے تھے۔

ارسال شہادات اور اس کے نتائج

ان حالات کے تحت زیاد نے اس معاملے کے متعلق ان شہادتوں کو مرتب کر کے مرکزی حکومت کو ارسال کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ چنانچہ گزشتہ واقعات پر شہادت دینے والے ستر افراد میں درج ذیل شاہدین شامل تھے (جن میں بعض صحابہ کرام اور بعض تابعین ہیں)

ابو بردہ بن ابی موسیٰ، وائل بن حجر، عمرو بن سعد بن ابی وقاص، اسحاق و اسمعیل و موسیٰ فرزند ان طلحہ بن عبید اللہ، منذر بن زبیر، کثیر بن شہاب اور ثابت بن ربیع وغیرہم۔

یہ شہادتیں مرتب کر کے زیاد بن ابیہ والی کوفہ و بصرہ نے خلیفہ وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں سمیت ارسال کیں اور ساتھ ہی مذکورہ ستر شاہدین میں سے کچھ افراد کو بھی خلیفہ کے سامنے براہ راست شہادت پیش کرنے کے لیے دمشق بھیجا۔ ان میں سے وائل بن حجر اور کثیر بن شہاب مشہور ہیں۔

چنانچہ حجر بن عدی اپنے ساتھیوں سمیت مذکورہ شاہدین کے ہمراہ پیش ہوئے اور مرتب شدہ شہادتیں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئیں۔ آپ نے مرتب شدہ شہادتیں ملاحظہ کرنے اور شاہدین سے براہ راست شہادت لینے کے بعد جرم ثابت ہونے پر حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو عذرا کے مقام (جو دمشق کا ایک قریہ ہے) پر لے جا کر قتل کرنے کا حکم صادر کیا۔

فلہذا خلیفہ وقت کے احکام کے مطابق حجر بن عدی، شریک بن شداد، صہبی بن نسیل، قبیصہ بن ضبیحہ، محرز بن شہاب منکری اور کدام بن حبان، ان چھ افراد کو عذرا کے مقام پر لے جا کر قتل کر دیا گیا۔^۲

حجر بن عدی کے بعض دیگر ساتھیوں کا معاملہ قتل کی سزا تک نہیں پہنچا تھا اور بعض مزید عوارض بھی پیش نظر ہوں گے لہذا ان کو سزا نہیں دی گئی اور آزاد کر دیا گیا۔

۱ تاریخ ابن خلدون ص ۲۶ ج ۳ ق اول (تحت واقعات ہذا) طبع بیروت۔

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۲ ج ۸ تحت واقعہ ہذا ص ۵۱

ازالہ شبہات

واقعہ ہذا میں معترضین نے بہت کچھ شبہات پیدا کر دیے ہیں جن میں سے ضروری شبہات کا ازالہ کرنا مناسب خیال کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق ذیل میں چند امور پیش کیے جاتے ہیں۔ طعن کرنے والے احباب حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کو بلا جواز شرعی ظلماً قتل کیا جانا شمار کرتے ہیں اور ان کے قول کے مطابق یہ مقتولین اس وقت حق گوئی کرتے تھے اور والیوں کے مظالم کے خلاف آواز اٹھاتے تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ بقول معترضین یہ لوگ خلیفہ وقت کے خلاف باغی نہ تھے اور بغاوت کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی۔

ازالہ

حقیقت واقعہ اور ان لوگوں کے مقاصد کی وضاحت معلوم کرنے کے لیے تاریخوں میں مفصل مواد موجود ہے جس میں مورخین نے ان کے خلیفہ وقت کے خلاف نظریات کو برملا طور پر ذکر کر دیا ہے۔ گزشتہ حوالہ جات میں ابن جریر، ابن کثیر، ابن خلدون کی عبارات بلفظ نقل کر دی گئی ہیں جو ان لوگوں کے نظریات کی پوری طرح آئینہ دار ہیں۔

اسی طریق سے بے شمار مورخین نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ مسلمانوں کا اس وقت ایک خلیفہ اسلام پر اتفاق ہو گیا تھا اور ہاشمی حضرات سمیت اکابرین وقت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے امت کے اختلاف و افتراق کو ختم کر دیا تھا۔ اس طریقہ سے اسلام کی ایک نئی شیرازہ بندی ہو گئی تھی، اسلامی حکومت کا نظام ایک مرکز کے تحت قائم ہو گیا تھا۔ اب ان حالات میں مسلمانوں کی اس اجتماعی قوت اور مرکزی طاقت کو ختم کرنے کے لیے یہ ایک گونہ سبائی پارٹی کی طرف سے تحریک تھی جو کسی طرح جائز نہیں تھی اور اس میں افتراق پیدا کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہ تھا۔

اسلام میں اطاعت امیر واجب ہے اور اس کا خلاف کرنا شرعاً منع ہے نبی اقدس ﷺ کی احادیث میں امت میں اتفاق قائم رکھنے اور افتراق سے بچنے کی بڑی تاکید آئی ہے حتیٰ کہ بعض جگہ افتراق جماعت پر وعیدیں مذکور ہیں۔ چنانچہ چند ایک ارشادات نبوی یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

① ((عن اسامة بن زيد رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ أُمَّتِي وَهَمَّ

جَمِيعَ فَاضْرِبُوا رَأْسَهُ كَأَنَّمَا مِنْ كَانٍ))

”یعنی نبی اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: درآں حالے کہ امت مجتمع ہے پھر ان کے درمیان کوئی

تفریق کھڑی کرتا ہے تو اس کا سرازا، وخواہ وہ کوئی بھی ہو۔“

نیز دوسری روایت میں فرمایا کہ:

② ((عن عرفجة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ أَنَّهُ سَيَكُونُ هِنَاتٌ هِنَاتٌ فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَفْرُقَ أَمْرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَهِيَ جَمِيعٌ فَاضْرِبْهُ بِالسِّيفِ كَأَنَّ مَا كَانَ))

”عرفجہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب نبی اقدس ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ عنقریب کئی شر و فساد ہوں گے۔ پس جو شخص اس امت کے اجتماع میں تفریق ڈالے اسے تہ تیغ کر دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔“

اس نوع کے بہت سے فرامین نبوی احادیث میں موجود ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا فرامین نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ اقدام کرنا ضروری سمجھا۔

شیعہ کی طرف سے اس مسئلے کی تائید

شیعہ کے قدیم ترین مورخ ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری شیعہ (المتوفی ۲۸۲ھ) نے مسئلہ ہذا کے متعلق چند تصریحات ذکر کی ہیں جو اس مرحلے کے واقعات کو صاف کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ شیعہ لوگ حجر بن عدی و عمرو بن حمق وغیرہ مقتولین کے حامی ہیں اور ان کو بہتر سمجھنے والے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں، فلہذا ان لوگوں کے بیانات ان واقعات میں ضرور قابل توجہ ہیں۔

بنا بریں ہم ناظرین کرام کی خدمت میں ان چیزوں کو ایک ترتیب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جو منصف طبائع کے لیے حقیقت واقعہ معلوم کرنے میں مفید ہوں گی اور اختلاف کھڑا کرنے والی جماعت کا پس منظر معلوم کرنے میں معاون ہوں گی:

① ایک تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمودات۔

② دوسرے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے اقوال۔

③ اور تیسرے نمبر پر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ارشادات ہیں۔

اب علی الترتیب ان مندرجات پر بغور نظر فرمائیں:

(۱) ابوالائمہ کے فرمودات

① شیعہ مورخ احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری شیعہ اپنی مشہور تصنیف اخبار الطوال میں ذکر کرتے ہیں کہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خاص طرفداروں میں سے حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ (حضرت) امیر معاویہ اور اہل شام کو بر ملا سب و شتم اور لعن طعن کرتے تھے۔ جب یہ چیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی

۱ مشکوٰۃ شریف ۳۲۰ باب الامارۃ بحوالہ مسلم شریف

مسلم شریف ص ۱۲۸ ج ۲ باب وجوب ملازمتہ جماعت المسلمین..... الخ

تو جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اپنا فرستادہ بھیج کر یہ فرمان جاری کیا کہ سب و شتم اور لعن طعن سے آپ لوگ باز آ جائیں۔ اس پیغام کے بعد وہ دونوں حضرات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے امیر المومنین! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم یہ بات بالکل درست ہے۔ پھر وہ کہنے لگے کہ آنجناب ان کو سب و شتم اور لعن طعن کرنے سے ہمیں کیوں منع کرتے ہیں؟ تو جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہارے سب و شتم اور لعن طعن کرنے کو مکروہ جانتا ہوں لیکن تم لوگوں کو دعا کرتے ہوئے یوں کہنا چاہیے کہ اے اللہ! ہم دونوں فریق کو خوں ریزی سے بچا لے اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح فرما دے اور ان کو بھٹک جانے سے ہدایت فرما۔ حتیٰ کہ جو حق سے ناواقف ہے وہ حق بات کو پہچان لے اور نزاع کھڑا کرنے والا سخت جھگڑے سے باز آ جائے۔

((وبلغ علیا ان حجر بن عدی وعمرو بن الحمق یظہران شتم معاویة ولعن اهل الشام، فارسل الیہما ان کفا عما یبلغنی عنکما فاتیاه فقالا "یا امیر المومنین" السنا علی الحق، وهم علی الباطل؟ قال بلی ورب الکعبة المسندة قالوا: فلم تمنعنا من شتمهم ولعنهم؟ قال کرهت لکم ان تکنونوا شتامین لعانین ولكن قولوا اللهم احقن دماءنا ودماءهم واصلح ذات بیننا وبینهم واهدہم من ضلالتہم حتی یعرف الحق من جہلہ ویرعوی عن الغی من لجاج بہ))

② اسی طرح شیعہ کا دیگر قدیم مورخ جو خالص رافضی ہے اور دینوری سے بھی سابق دور کا آدمی ہے یعنی نصر بن مزاحم منقری المتوفی ۲۱۲ھ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فرمان کو اپنی سند کے ساتھ اپنی تصنیف "وقحہ الصغیر" میں مفصل طور پر درج کیا ہے۔ چونکہ ان دونوں دینوری و منقری کی روایات کا مضمون و مفہوم ایک ہی ہے اس لیے منقری کی روایت کی عبارت کو ترک کر کے صرف حوالہ پر اکتفا کیا ہے۔ تمام عبارات دینے میں بہت تطویل ہو جاتی ہے۔

③ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان نہج البلاغہ میں بھی مذکور ہے، چند الفاظ کا جزوی فرق پایا جاتا ہے باقی مضمون ایک ہی ہے۔

ناظرین کرام پر واضح رہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان قبل ازیں ہماری کتاب مسئلہ

۱ اخبار الطوال (دینوری شیعہ) ص ۱۶۵ طبع مصر (تحت واقعات صفین)

وقحہ الصغیر (نصر بن مزاحم منقری) ص ۱۱۵ طبع مصر تحت نصیحة علی لبحر بن عدی وعمرو بن حمق۔

۲ نہج البلاغہ ج ۱ ص ۲۲۰ تحت من کلام لہ علیہ فی الہمی عن سب الی الشام

اقربانوازی ص ۱۸۵-۱۸۶ میں درج ہو چکا ہے۔ البتہ منقری کا حوالہ یہاں اضافہ کیا گیا ہے۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے جسے قدیم شیعہ مورخین دینوری و منقری وغیرہ نے نقل کیا ہے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ

① جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کو سب و شتم اور لعن طعن کرنے کے روا دار نہیں تھے اور باوجود سیاسی اختلافات کے اس طریق کار کو مکروہ و مبغوض جانتے تھے۔ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ جب ان چیزوں کا ارتکاب کرتے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کو اس طریق کار سے برطمانع فرماتے اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے۔ بلکہ ان کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تعلیم و تلقین ہوتی تھی کہ فریق مقابل کے حق میں صلح و مصالحت کے لیے دعائیں مانگیں اور حق بات کے قبول کرنے کے لیے ہدایت کی اللہ جل شانہ سے استدعا کریں۔

② نیز ان لوگوں کی سرشت میں تشدد اور تفرق کے جذبات یہاں سے ظاہر ہوتے ہیں اور خصوصاً حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ کے تشددانہ رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ابتدا ہی سے ان مسائل میں سخت ترین روش اختیار کیے ہوئے تھے جو خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے منشا و مقصد کے خلاف تھی اور ان کی تعلیم و تلقین کے برعکس تھی۔

(۲) سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے ارشادات

اب ذیل میں ہم سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور حجر بن عدی کا ایک مکالمہ شیعہ مورخین کی زبان سے مختصراً نقل کرتے ہیں:

① جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسئلہ خلافت میں مصالحت کر لی اور ”منصب خلافت“ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا اور ان سے اس امر پر بیعت کر لی تو اس وقت حجر بن عدی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کو اس فعل پر شرم و ندامت دلائی اور ملامت کرنے لگے اور تقاضا کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس معاملہ میں جنگ و قتال کرنا چاہیے اور مزید کہنے لگے کہ یہ معاملہ آپ نے ایسا کر دیا ہے کہ مجھے اس واقعہ سے پہلے موت آ جاتی تو بہتر ہوتا۔ اے حسن! آپ نے ہمیں عدل سے نکال کر ظلم کی طرف ڈال دیا ہے اور ہم حق کو چھوڑ کر باطل میں داخل ہو گئے ہیں جس سے ہم بھاگنا چاہتے تھے۔ آپ کی وجہ سے ہمیں وہ خست اور دنائت نصیب ہے جو ہمارے لائق نہیں تھی۔

((وکان اول من لقی الحسن بن علی فندمه علی ما صنع ودعاه الی ردا

الحرب حجر بن عدی۔ فقال له یابن رسول اللہ لوددت انی مت قبل ما

رأيت اخرجتنا من العدل الى الجور فتركنا الحق الذي كنا عليه وكدخلنا في
الباطل الذي كنا نهرب منه واعطينا الدنيا من انفسنا وقبلنا الخسيصة التي لم
تلق بنا))^۱

اس مکالمہ کا حاصل یہ ہے کہ حجر بن عدی اس صلح کو کسی قیمت پر قبول نہیں کرتے تھے اور وہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو اس فعل پر ملامت کرتے تھے اور ندامت دلاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ نے بڑا ظلم کیا ہے، حق کو چھوڑ کر باطل اختیار کر لیا ہے۔ حجر بن عدی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو صلح کے مقابلے میں جنگ و قتال کھڑا کرنے کی دعوت دیتے اور اس پر آمادہ کرتے تھے۔

② اس کے بعد یہ شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی کا کلام نہایت شاق گزرا اور سخت ناگوار ہوا۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کی بڑی خواہش صلح میں دیکھی ہے اور وہ جنگ کو مکروہ جانتے تھے۔ اس لیے میں نے یہ بات پسند نہیں کی کہ ان کو مکروہ بات پر برا بیخیز کروں۔ ان حالات میں اپنے ساتھیوں کے قتل و قتال سے بچاؤ کی خاطر میں نے صلح کر لی ہے اور میں نے جنگ و جدال کو ایک وقت تک موقوف کر دیا ہے۔

((فاشند علی الحسن رضی اللہ عنہ کلام حجر، فقال له اني رأيت هوى عظم الناس
في الصلح وكرهوا الحرب، فلم احب ان احملهم على ما يكرهون،
فصالحت بقيا على شيعتنا خاصة من القتل، فرأيت دفع هذه الحروب الى
يوم ما فان الله كل يوم هو في شأن))^۲

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو حجر بن عدی کے تشددانہ و متحاربانہ نظریات ناگوار تھے اور ان کی اپنی رائے اس معاملہ میں دوسری تھی یعنی وہ فساد و انتشار کے بجائے قوم میں صلح جوئی اور مصالحت کو پسند فرماتے تھے۔

(۳) سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرمودات

شیعہ مورخین لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا مکالمہ اور گفتگو کے بعد حجر بن عدی، عبیدہ بن عمرو کے ہمراہ اپنے مخالفانہ نظریات کے مطابق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے کہ تم نے عزت دے کر ذلت خرید لی ہے اور تم نے کثیر کو چھوڑ کر قلیل کو قبول کر لیا ہے۔ آج آپ اہل زمانہ کی نافرمانی کر کے ہماری بات تسلیم کیجیے اور اپنے بھائی حسن کو بھی چھوڑیے اور جو کچھ انھوں نے صلح کر رکھی ہے اسے جانے دیجیے۔ میں اہل

۱ اخبار الطوال (دینوری شیعہ) ص ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ طبع اول مصر

۲ اخبار الطوال (دینوری شیعہ) ص ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ

کوفہ وغیرہ میں سے آپ کے شیعوں اور خیر خواہوں کو جمع کر کے آپ کی خدمت میں لاتا ہوں، مجھے آپ اس معاملہ پر والی بنائیے تاکہ ہم ابن ہند (معاویہ) کے ساتھ تلواریوں سے جنگ و قتال کریں۔

((قال فخرج من عنده ودخل على الحسين رضی اللہ عنہ مع عبیدة بن عمرو فقال ابا عبد الله شريتم الذل بالعز و قبلتم القليل و تركتم الكثير اطعنا اليوم اعصينا الدهر دع الحسن و ما رأى من هذا الصلح و اجمع اليك شيعةك من اهل الكوفة و غيرها و ولني و صاحبي هذه المقدمة فلا يشعر ابن هند الا و نحن نقارعه بالسيوف))^۱

اس کے جواب میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور عبیدہ بن عمرو کی اس تلخ گفتگو اور قتال پر آمادہ کرنے والے کلام کے جواب میں فرمایا: ہم امیر معاویہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر چکے ہیں اور اس پر بیعت کر چکے ہیں، اب اس بیعت کے توڑنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

((فقال الحسين انا قد بايعنا و عاهدنا و لا سبيل الى نقض بيعتنا))^۲

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اہل اسلام میں مصالحت ہو چکی ہے، اب اس معاہدہ صلح کی عہد شکنی کر کے پھر قتال بین المسلمین زندہ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا، اب ہم سے معاہدہ کا خلاف نہیں ہو سکتا۔

مختصر یہ ہے کہ مسئلہ (ظلماً قتل) پر پہلے مشہور مورخین طبری، ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ کے بیانات ہم نے پیش کیے ہیں ان میں اس گروہ کے نظریات اور جارحانہ اقدامات واضح طور پر سامنے آ گئے ہیں۔ اس جماعت کے سرگروہ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق تھے۔ ان لوگوں کی تمام مساعی افتراقی نوعیت کی تھیں اور حرب و قتال کھڑا کرنے میں پیش پیش تھے۔

پھر اس کے بعد ہم نے شیعہ کے اکابر مورخین کے بیانات درج کیے ہیں جن سے اصل مسئلے کی تائید مطلوب ہے۔ اور شیعہ کے مندرجات سے بھی یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جن اکابر علوی حضرات کا یہ خانگی مسئلہ تھا (حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما) ان کے فرمودات و نظریات حجر بن عدی اور عمرو بن حمق وغیرہ کی جارحانہ رائے کے بالکل برعکس پائے جاتے تھے۔

ان تمام امور پر نظر کر لینے کے بعد یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو ان لوگوں کے قتل کا اقدام کیا ہے وہ حسب قواعد شرعی پوری شہادتیں حاصل کرنے اور جرم ثابت ہو جانے کے بعد کیا

۱ اخبار الطوال (دینوری شیعہ) ص ۲۲۰ تحت زیاد بن ابیہ

۲ اخبار الطوال (دینوری شیعہ) ص ۲۰۰ تحت زیاد بن ابیہ طبع اول مصر۔

ہے، یہ خلاف شرع نہیں کیا اور نہ ظلماً ہی قتل کیا ہے بلکہ اس کے لیے شرعی جواز کے اسباب و عوامل موجود تھے۔ یہ لوگ خلیفہ وقت کی نظروں میں فساد فی الارض کی سعی کر رہے تھے اور اہل اسلام کے مرکزی وفاق اور اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ چیزیں بغاوت کے حدود میں آتی ہیں جن کے فرو کرنے میں خلیفۃ المسلمین با اختیار ہے۔

اسی نوعیت کا ایک واقعہ

مورخین نے لکھا ہے کہ مرج عذرا کے مقام پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور اس کے چند ساتھیوں کو وجوہ قتل ثابت ہونے پر قتل کر دیا تھا۔ حجر بن عدی کے دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمن تھے جو اپنے آپ کو متشیع کہتے تھے۔ یہ دونوں بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے سخت خلاف تھے اور ان کی اطاعت تسلیم نہیں کرتے تھے اور ان کے خلاف بغاوت کی شورش برپا کیے ہوئے تھے۔

ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس بغاوت کی بنا پر ان دونوں بھائیوں کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی مصعب بن زبیر نے قتل کر دیا تھا۔

((حجر بن عدی فقتله معاویة بمرج عذراء مع عدة وکان له ابنان

متشیعان یعالی لہا عبداللہ و عبدالرحمن قتلہما مصعب بن زبیر صبرا))

مطلب یہ ہے کہ خلیفہ وقت کے خلافت بغاوت کرنے والوں کو ان کی شورش کی بنا پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ حجر بن عدی کا قتل جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا تھا وہ ان دونوں بھائیوں کے قتل کے مشابہ ہے۔ اسلامی مملکت کی حفاظت کی خاطر اس نوع کے قتل تاریخ میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تاثرات

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب معلوم ہوا کہ حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو خلیفہ وقت کے خلاف تشددانہ مساعی کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل کی سزا کا حکم صادر کیا گیا ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ازراہ شفقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کی سزا معاف کرنے کے لیے قاصد بھیجا۔ لیکن جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان لے کر قاصد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچا تو حجر بن عدی اور اس کے کچھ ساتھی پہلے ہی قتل ہو چکے تھے لہذا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کی رعایت نہ کی جاسکی۔ البدایہ میں ہے کہ

((وجاء رسول عائشة بعد ما فرغ من شأنهم))

جب یہ واقعہ رونما ہو چکا تو اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بار مدینہ منورہ تشریف لائے اور

۱ البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۴ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (حالات واقعہ ہذا)

تاریخ ابن خلدون ص ۲۹ ج ۳ تحت بحث معاویہ اعمال الی الامصار طبع بیروت

جب یہ واقعہ رونما ہو چکا تو اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بار مدینہ منورہ تشریف لائے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ دوران گفتگو میں حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا ذکر آیا۔

اس مقام پر مورخین نے متعدد روایات اس گفتگو کے متعلق ذکر کی ہیں:

① بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کے سلسلے میں بطور شکوہ گفتگو کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ((لست انا قتلتم انما قتلهم من شهد علیهم))^۱ ”یعنی میں نے ان لوگوں کو قتل نہیں کیا بلکہ جن لوگوں نے ان کے خلاف گواہی دی ہے انھوں نے قتل کیا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے قتل کا باعث اصل میں وہ شہادتیں ہیں جو ان کے خلاف حسب قاعدہ قائم ہوئیں اور ان کی بنا پر یہ نتیجہ مترتب ہوا۔

② ایک دوسری روایت میں ہے کہ

((قالت له اقلت حجرا فقال وجدت في قتله صلاح الناس وخفت من فسادهم))^۲

”یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کیا آپ نے حجر کو قتل کر دیا؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کے قتل میں لوگوں کی بھلائی اور بہتری تھی، میں نے ان لوگوں کے شر و فساد سے خوف کھایا (اس وجہ سے یہ اقدام کیا گیا)۔“

③ اسی طرح ایک دیگر روایت اس طرح ہے کہ

((فلما حج معاوية (رضی اللہ عنہ) قالت له عائشة (رضی اللہ عنہا): ابن غاب عنك حلمك حين قتلت حجرا؟ فقال حين غاب عني مثلك من قومي))^۳

۱ تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۵۶ ج ۶ تحت سنہ ۱۵ھ

سیرت حلبیہ ص ۱۹۱ ج ۳ تحت سریة الرجیع (حالات غیب کے آخر میں)

۲ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۷۶ ج ۲ تحت حجر بن عدی، طبع اول مصر

دول الاسلام (ذہبی) ص ۲۵ ج ۱ تحت سنہ ۱۵ھ

البدایہ (ابن کثیر) ص ۵۵ ج ۸ تحت واقعہ ہذا، سنہ ۱۵ھ

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۳ ج ۸ تحت واقعہ ہذا سنہ ۱۵ھ

تاریخ ابن خلدون ص ۲۹ ج ۳ تحت بعث معاویہ بالعمل الی الامصار

”یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حجر کے قتل کے موقع پر اے معاویہ! آپ کا علم و بردباری کہاں غائب ہو گئی؟ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گزارش کی کہ قوم میں سے جب جناب جیسی (خیر خواہ) شخصیت میرے پاس موجود نہ تھی تو اس بنا پر یہ واقعہ رونما ہوا۔“

(۴) نیز اس مقام پر یہ چیز بھی اہل روایات ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجر بن عدی وغیرہ کے قتل سے متعلق گفتگو ہوئی اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اہل عذراء کے قتل کا ذکر کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے امت کی اصلاح ان لوگوں کے قتل میں دیکھی اور ان کی بقا میں امت کا فساد معلوم کیا، اس بنا پر یہ معاملہ پیش آیا۔

تنبیہ

مذکورہ بالا روایت کے بعض مقامات پر مندرجہ ذیل کلمات کا اضافہ پایا جاتا ہے:

((فقال سمعت رسول الله ﷺ يقول سيقتل بعذراء ناس بغضب الله لهم
واهل السماء))^۱

”یعنی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے عنقریب عذراء کے مقام پر بعض لوگ قتل کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور آسمان والے ان کی وجہ سے غضبناک ہوں گے۔“

ناظرین کرام اس اضافہ کے متعلق یاد رکھیں کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق تحریر کیا ہے کہ هذا اسناد ضعيف منقطع۔^۲ یعنی یہ روایت راویوں کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے اور سلسلہ سند میں انقطاع پایا جاتا ہے۔ یہ اضافہ کئی مقامات پر دستیاب ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ناظرین کرام متنبہ رہیں کہ اصل روایت میں راویوں نے یہ جملہ الحاق کر کے اضافہ کر دیا ہے تاکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مزید تفسیح پائی جائے اور تضرع قائم رہ سکے۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ اگر بالفرض مندرجہ روایت کو علی سبیل التزول درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو علماء نے یہ تصریح کر دی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اپنے فعل پر برملا معذرت کر دی تھی اور آں موصوفہ نے ان کی اس معذرت کو قبول فرمایا تھا۔

((وفي رواية..... فلم يزل يعتذر حتى عذرته. وفي رواية فلما اعتذر اليها

۱ المعرفة والتاريخ (بسوی) ص ۳۲۰-۳۲۱ ج ۳ تحت سنہ ۵۱ھ

۲ البدایہ، ابن کثیر ص ۵۵ ج ۸ تحت سنہ ۵۱ھ (بحث ہذا)

عذرتہ) لہ

یہاں سے واضح ہے کہ اس طریقہ سے ان دونوں حضرات کا باہمی رنج و ملال ختم ہو گیا تھا اور یہ باہم کشیدہ خاطر نہیں رہے تھے۔

درایت کے اعتبار سے

کلام مذکور باعتبار روایت کے ذکر ہوا ہے۔ ذیل میں باعتبار درایت یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ اگر اہل عذرا کے قتل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اہل سماء ناراض ہیں (جیسا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت بالا میں مذکور ہے) تو پھر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اہل عذراء کے قاتلین (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حکام) کے ساتھ روابط اور مراسم کیسے جاری رکھے؟ جب کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے مغضوب تھے اور ظالم تھے اور حق سے تجاوز کرنے والے تھے۔

حضرت صدیقہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے تعلقات کے متعلق مستقل عنوان قائم کیے گئے ہیں اس کے تحت وہ مراسم مذکور ہیں۔ ہم بھی (ان شاء اللہ تعالیٰ) اس عنوان کو اسی تصنیف میں اپنے موقع پر ذکر کریں گے۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال کے بعد بھی ان سے تعلقات منقطع نہیں کیے اور بدستور سابق روابط قائم رکھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کے وظائف وغیرہ جاری رہے اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا تازیت یہ وظائف وصول فرماتی رہیں۔ مزید تفصیلات اپنے موقع پر درج ہوں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حاصل یہ ہے کہ حضرت صدیقہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی گفتگو سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بطور شکوہ کلام فرمایا اور اس واقعہ پر اظہار افسوس کیا لیکن اس قتل کو شرعاً ناجائز اور ظلم قرار نہیں دیا۔ یعنی ان کی خواہش تھی کہ حلم و بردباری کا برتاؤ کرتے ہوئے اہل عذرا کو معاف کر دیا جائے۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ انھوں نے امت میں ایک بہت بڑے قتال کھڑے ہونے سے قوم کو بچانا ضروری سمجھا اور فساد کی بیخ کنی کرنے کو لازم جانا، اس بنا پر درگزر نہیں کیا۔

ایک شبہ کا ازالہ برائے قول حسن بصری تابعی رضی اللہ عنہ

اس مقام پر طعن کرنے والے احباب کی طرف سے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے جس میں انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چند چیزوں کی بنا پر عیب لگایا ہے، ان میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ وقتلہ حجرا ویلا لہ من

حجر واصحاب حجر مرتین۔^۱

تو اس شبہ کے ازالہ کے متعلق ذیل میں بعض چیزیں ذکر کی جاتی ہیں، ان پر توجہ فرمائیں:

① گزارش یہ ہے کہ یہ روایت جو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی گئی ہے اس کا راوی ابو منصف (لوط بن یحییٰ) ہے اور لوط بن یحییٰ کثر شیعہ اور رافضی ہے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ درجے کے مخالفین و معاندین میں سے ہے۔ فافہم

چنانچہ ابو منصف نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منسوب اس قول کو خود تصنیف کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ”اربع خصال“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ان خصال میں سے ایک حجر بن عدی کا قتل ہے۔ فلہذا حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منسوب روایت جس میں چار خصال کا بطور طعن ذکر کیا گیا ہے یہ قابل قبول نہیں۔ ابو منصف لوط بن یحییٰ کے متعلق کتب رجال میزان الاعتدال (ذہبی) ولسان المیزان (ابن حجر) وغیرہ میں نقد و جرح موجود ہے ملاحظہ فرمائیں) اور کتاب مسئلہ اقربا نوازی وغیرہ میں ہم نے قبل ازیں یہ جرح درج کر دی ہے۔

② دوسری چیز یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین جو قتال و حروب واقع ہوئے ہیں ان کے حق میں خود حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرف سے امت کو نصائح موجود ہیں کہ ”ان حضرات کے ساتھ ہماری عقیدت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں کف لسان کریں اور عیب جوئی و نکتہ چینی سے زبان کو روک کر رکھیں۔“ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی یہ نصیحت بالفاظ ذیل مذکور ہے، ملاحظہ فرمائیں:

((وقد سئل الحسن البصری عن قتالہم فقال: قتال شہدہ اصحاب محمد

ﷺ وغبنا، وعلموا وجہلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا))^۲

”یعنی جب حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین قتال کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب ان واقعات میں خود حاضر اور شاہد تھے جب کہ ہم غائب تھے۔ انہیں ان واقعات کا براہ راست علم تھا اور ہم اصل حالات سے ناواقف ہیں۔ جن چیزوں پر ان کا اجماع ہوا ہم نے ان کی اتباع کی، اور جن امور میں ان کا اختلاف ہوا ہم ان میں متوقف ہیں (یعنی کف لسان کیے ہوئے ہیں)۔“

③ نیز اسی طرح ایک دیگر چیز حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ذہن نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی دینی عظمت کے قائل تھے۔

۱ تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۵۷ ج ۶ طبع قدیم تحت سنہ ۵۱ھ

۲ تفسیر قرطبی ص ۳۲۲ ج ۱۶ تحت آیات سورۃ الحجرات

وہ اس طرح ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ معاویہ اور ان کی جماعت دوزخ میں جائے گی۔ یہ بات سن کر حسن بصری رضی اللہ عنہ نہایت برا فروخت ہو کر کہنے لگے کہ ایسے لوگوں پر خدا کی لعنت ہو، ان کو کس شخص نے بتلا دیا کہ وہ دوزخ میں ہوں گے۔ یعنی اس چیز کا علم انہیں کیسے ہو گیا اور کس طرح یہ فیصلہ انہوں نے کر لیا؟

((حدثنا قتادة عن الحسن قالت قلت يا ابا سعيد! ان ناسا يشهدون علي

معاوية وذويه انهم في النار فقال لعنهم الله وما يدريهم انهم في النار))^۱

حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ان بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف رجحانات نہیں رکھتے تھے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے کے روادار نہیں تھے۔ پس مذکورہ روایت جس میں اربعہ خصال کا طعن مذکور ہے وہ روایت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دیگر واقعات اور بیانات کے خلاف پائی جاتی ہے، اس لیے اس کو صحیح نہیں سمجھا جاسکتا، حقیقت میں وہ ان کی طرف منسوب کی گئی ہے اور ان کا کلام نہیں ہے بلکہ بعض معاندین صحابہ نے ان کی طرف انتساب کر دیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس قول پر روایت اور درایتاً کلام کر دیا گیا ہے انصاف کے ساتھ اس پر غور فرمادیں اور جو حق بات ہو اس کو قبول کریں۔

عمرو بن حتمق کا قتل

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ طعن مشہور ہے کہ جس طرح انہوں نے دیگر لوگوں کو قتل کرایا اسی طرح عمرو بن حتمق خزاعی کو بھی بلا جواز شرعی قتل کرایا تھا۔ ان کا سر کاٹ کر گشت کرایا گیا اور پھر اسے لا کر ان کی زوجہ کی گود میں ڈال دیا گیا۔ کسی کا سر کاٹ کر گشت کرانے کا طریق کار شرعاً صحیح نہیں ہے اور یہ جاہلیت کے دور کے طریقے ہیں۔

ازالہ

اس طعن کے ازالہ سے متعلق چند چیزیں قابل ذکر ہیں جنہیں معلوم کر لینے کے بعد مسئلہ کی صحیح صورت حال سامنے آسکتی ہے۔

① عمرو بن حتمق خزاعی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ صحابی تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے اور بعض کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔

② مورخین نے یہ نقل کیا ہے کہ عمرو بن حتمق ان لوگوں میں سے تھے جو چاہتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اب اس عمر میں خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ اس پہلو سے ان کا شمار مخالفین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں ہوتا ہے۔

③ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ حجر بن عدی کے ساتھیوں میں سے تھے اور ان کے مخالفانہ اقدامات میں برابر کے شریک تھے۔ ہم نے حجر بن عدی سے متعلق واقعات میں بھی ان کا ذکر مختصراً دے دیا ہے۔

④ زیاد بن ابیہ کے دور میں زیاد کے ساتھ ان کی مخالفتیں بڑے واضح طور پر مورخین نے ذکر کی ہیں۔ خلیفہ اسلام کے خلاف ان کی یہ شورشیں ہی ان کے مواخذے کا باعث بنیں۔ ابو مخنف کی روایت اصابہ میں طبری سے بالفاظ ذیل نقل کی گئی ہے:

((وذكر طبري عن ابي مخنف انه كان من اعوان حجر بن عدی فلما قبض

زيداد على حجر بن عدی وارسله مع اصحابه الى الشام هرب عمرو بن

حقوق))^۱

”یعنی طبری نے ابو مخنف کے ذریعے سے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن حمق حجر بن عدی کے معاونین میں سے تھے۔ جب زیاد نے حجر بن عدی کو گرفتار کر کے اس کے ساتھیوں سمیت ان کو شام کی طرف بھیجا تو عمرو بن حمق فرار ہو گئے (اور موصل کے علاقے کی طرف نکل گئے)۔“

④ عمرو بن حمق کے متعلق علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں شریک تھے اور اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں اعانت کی تھی:

((وکان فی من سار الی عثمان واعان علی قتله))^۲

اور بعض لوگوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ

((ومع هذا كان احد الاربعة الذين دخلوا علی عثمان..... وکان من جملة من

اعان حجر بن عدی))^۳

”یعنی عمرو بن حمق ان چار افراد میں سے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے داخل ہوئے اور ان کے قتل پر اعانت کی۔“

مندرجہ بالا اقوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن حمق اس شورش میں شریک تھے اور ان لوگوں کو ان کا تعاون حاصل تھا لیکن وہ قتل عثمان میں شریک نہیں ہوئے۔ جیسا کہ محمد بن ابی بکر شورش اٹھانے والوں کے ساتھ تھے لیکن قتل عثمان میں شریک نہ تھے۔

⑤ پھر اس کے بعد یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ حجر بن عدی جب گرفتار کیے گئے تو ان کے ساتھیوں میں سے یہ عمرو بن حمق فرار ہو کر موصل کی طرف چلے گئے تھے۔ زیاد نے موصل کے عامل (عبدالرحمن بن عثمان ثقفی) کی طرف لکھا کہ عمرو بن حمق کو تلاش کر کے گرفتار کیا جائے۔ اس مقام پر اہل تاریخ کے دو قول پائے جاتے ہیں۔

اس باب میں بعض لوگوں نے یہ روایت بھی نقل کی ہے جو صحیح نہیں ہے کہ امیر موصل نے ان کو گرفتار کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کے متعلق احکامات حاصل کیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا کہ

۱ اصابہ (ابن حجر) ص ۵۲۶ ج ۲ تحت عمرو بن حمق

تہذیب التہذیب ص ۲۴ ج ۸ تحت عمرو بن حمق

تاریخ ابن خلدون ص ۲۴ ج ۳ تحت احوال زیاد و حجر بن عدی، طبع بیروت

۲ طبقات ابن سعد ص ۱۵ ج ۶ تحت عمرو بن حمق

۳ البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نو نیزے لگائے تھے اس لیے انہیں بھی نو نیزے لگائے جائیں، اس سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔ چنانچہ حاکم موصل نے اس حکم کی تعمیل میں عمرو بن حتم کو نیزے لگوائے مگر آپ دوسرے نیزے کے لگتے ہی فوت ہو گئے۔

((فکتب فیہ الی معاویۃ فکتب الیہ معاویۃ انہ زعم انہ طعن عثمان تسع طعنات بمشاقص ونحن لا نعتدی علیہ فاطعنہ کذالك ففعل بہ ذالك فمات فی الثانية))^۱

یگر مورخین نے نقل کیا ہے کہ عمرو بن حتم فرار ہو کر علاقہ موصل کے ایک غار میں جا چھپے تھے۔ وہاں انہیں ایک بڑے سانپ نے ڈس لیا اور وہ وہاں اسی سے فوت ہو گئے۔
یہ دوسری روایت زیادہ صحیح ہے۔ علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

((قلت هذا اصح مما مر))^۲

”یعنی یہ بات کہ عمرو بن حتم کی موت سانپ کے ڈسنے سے ہوئی وہ قتل نہیں کیے گئے، زیادہ صحیح ہے۔“
اور ابن حبان رضی اللہ عنہ نے کتاب الثقات میں یہ واقعہ بالفاظ ذیل نقل کیا ہے کہ
((هرب الی الموصل فدخل غارا فنهشته حية فقتله وبعث الی الغار فی طلبه فوجدوه ميتا))^۳

اسی چیز کو دوسرے الفاظ میں علامہ ذہبی اور ابن کثیر بہت نے یوں نقل کیا ہے:

((فهرب الی الموصل فبعث معاویۃ الی نائبها فوجدوه قد اختفی فی غار فنهشته حية فمات))^۴

ان الفاظ کے بعد البدایہ میں ہے کہ

((فقطع رأسه فبعث بہ الی معاویۃ))^۵

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں ان کی وفات کے لیے دو صورتیں منقول ہیں: یا تو موصل کے والی کے حکم سے سابقہ عوامل و اسباب (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش میں شرکت اور حجر بن عدی کی شورشوں

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۵ ج ۲ تحت عمرو بن حتم

تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۴۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۱ھ

۲ تاریخ اسلام (ذہبی) ج ۲ ص ۲۳۵ تحت عمرو بن حتم

۳ کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۲۷۵ ج ۳ تحت عمرو بن حتم

۴ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۵ ج ۲ تحت عمرو بن حتم

البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۰ھ

میں شمول) کی بنا پر قتل کیے گئے، یا ان کو غار میں مختفی (پوشیدہ) ہونے کی صورت میں سانپ نے ڈس لیا اور ان کی وفات ہو گئی۔ پھر اس کا سر کاٹ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا گیا۔

⑥ ان کی وفات کی تاریخ بھی مورخین نے دو طرح ذکر کی ہے: بعض کے نزدیک ان کی وفات ۵۰ھ میں ہے، اور بعض ان کی وفات ۵۱ھ میں ذکر کرتے ہیں۔

ایک تشریح

سطور بالا میں عمرو بن حتم کی وفات کی جو صورتیں مورخین نے ذکر کی ہیں ان کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ مذکورہ دو صورتوں میں سے ایک صورت مورخین نے یہ لکھی ہے کہ عمرو بن حتم فرار ہو کر ایک غار میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک سانپ نے انہیں ڈس لیا جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

بعض مقامات پر مزید لکھا ہے کہ اس کے بعد ان کا سر کاٹ کر حاکم موصل کے حکم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا گیا۔ معترضین اور طعن کنندگان نے عمرو بن حتم کے سر کو گشت کرانے کی بڑی تشہیر کی ہے اور اسے اسلام کے خلاف قرار دیا ہے اور اسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے ایک طعن پیدا کیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر جب زیاد نے حاکم موصل کو عمرو بن حتم کو گرفتار کرنے کے لیے لکھا تو حاکم موصل نے چند افراد ان کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجے جنہوں نے انہیں غار میں مردہ پایا۔ ان افراد نے حاکم موصل کی تسلی اور حکم کی تعمیل کے بین ثبوت کے لیے ان کا سر کاٹ کر پیش کیا، پھر حاکم موصل نے خلیفہ وقت کی خدمت میں یہ سر شام بھیج دیا۔

((وذلك انه لدغ فمات فخشيت الرسل ان تتهم به فقطعوا رأسه فحملوه))^۱

اور علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے اس مقام پر یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:

((قلت هذا أصح مما مر))

”اس کا حاصل یہ ہے کہ سانپ کے ڈسنے سے موت واقع ہونے کی روایت ان کے قتل کیے جانے

کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔“

پھر یہ بھی ہے کہ ان کے کارندوں نے اپنی کارگزاری کو ظاہر کرنے کے لیے جو قطع راس کیا اور اسے حکام بالا کی طرف روانہ کیا، یہ ان کارندوں کا اپنا عمل اور اپنی تدبیر ہے اور یہ بات بہ نسبت دوسرے امور کے زیادہ صحیح ہے۔

۱ المعروف والتاریخ (یعقوب ابن سفیان بسوی) ص ۸۱۳ ج ۲

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۳۵ ج ۲ تحت عمرو بن حتم

مختصر یہ ہے کہ عمرو بن حتم کا قتل اور پھر ان کا سر کاٹ کر گشت کرانے کا طعن جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا جاتا ہے صحیح نہیں، یہ صرف ان کارندوں کا ذاتی عمل تھا، جسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ اس کی حقیقت یہی کچھ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قطع راس کا کوئی حکم نہیں دیا۔ قطع راس کا فعل دیگر ولایہ اور حکام نے اپنی کارگزاری کا ثبوت پیش کرنے کے لیے از خود کیا تھا۔ کٹے ہوئے سر کا گشت کرانا، پھر اسے ان کی زوجہ کی گود میں لا ڈالنا وغیرہ وغیرہ روایہ کی طرف سے اس واقعہ میں اضافہ جات ہیں جو داستان کو وحشت ناک اور رقت انگیز بنانے کے لیے بڑھائے گئے ہیں۔

مندرجات بالا کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن قائم کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اگر عمرو بن حتم قتل ہوئے تو ان کے قتل کے اسباب و عوامل (بغوات کے) موجود تھے اور اگر سانپ کے کاٹنے سے ان کی موت واقع ہوئی ہے تو سر کاٹنے کا حکم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہی نہیں تھا، یہ تو حکام کا ذاتی فعل تھا جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یقیناً ان کی سرزنش کی ہوگی جو عام مورخین نے ذکر نہیں کی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ لا یلزم من عدم ذکر الشی ذکر عدم الشی۔ فلہذا اس تشبیہ کا غیر مذکور ہونا اس کے انکار کی دلیل نہیں۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ولایہ و حکام سے اس موقع پر کوئی گرفت نہیں کی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حاکم وقت کو بعض حالات کے تحت ایسے جرائم کو معاف کرنے کا حق نہیں؟ اس نوع کے واقعات کا وقوع تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی مورخین نے ذکر کیا ہے جس میں ان کے حکام کی زیادتیوں اور تجاوزات پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوئی گرفت اور سرزنش کرنے کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

مثلاً جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو ایک دستہ فوج دے کر بسر بن ارطاة سے معارضہ کے لیے نجران بھیجا تو اس نے وہاں نجران والوں کو سخت سزائیں دیں حتیٰ کہ ان کے قریہ کو جلا ڈالا اور حامیان عثمان کو قتل کر دیا:

((فسار جاریہ (بن قدامة) حتی بلغ نجران فحرق بها وقتل ناسا من شیعۃ

عثمان و ہرب بسر وأصحابہ فاتبعہم حتی بلغ مکة))^۱

اس طرح کے واقعات جانبین کے متعلق تاریخوں میں دستیاب ہوتے ہیں تاہم ان ہر دو حضرات (حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) پر ہماری طرف سے اعتراض کرنا صحیح نہیں۔ بطور حاکم انھیں

مواخذہ کرنے اور درگزر کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی کارکن جاریہ بن قدامہ کی چند ایک زیادتیوں کے اجمالی حالات قبل ازیں ہم نے اپنی تالیف (سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) میں بعنوان ”بعض انتظامی امور“ کے ذکر کر دیے ہیں وہاں رجوع فرمائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بھی ان ناروا و ناجائز کارروائیوں کے متعلق کوئی سزا یا کوئی سرزنش اہل تاریخ نہیں نقل کرتے۔ واللہ اعلم کیا حالات پیش آئے؟ کیا صورت احوال تھی؟ ناقلین نے واقعات کو کس رنگ میں نقل کیا؟ مختصر یہ ہے کہ تاریخی ”ملغوبات“ کے ذریعہ سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراضات وارد کرنا ہمارے لیے کسی طرح درست نہیں۔ ایسے مراحل میں ہمیں فرمان نبوی فراموش نہیں کرنا چاہیے:

((اللہ اللہ فی أصحابی لا تتخذوہم من بعدی غرضا))

قطع ایدی (یعنی ہاتھ کاٹنے) کا طعن اور اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطاعن میں ایک خاص طعن یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بصرہ اور کوفہ پر زیاد بن ابیہ کو حاکم اور والی مقرر کیا تو زیاد نے اہل اسلام پر بے دریغ ظلم کیا اور ان کے لیے کئی مشکلات اور مصائب پیدا کر دیے چنانچہ طبری نے ایک واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ مسجد کوفہ میں زیاد نے ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیا اور خطبہ کے دوران میں کچھ لوگوں نے اس پر کنکر پھینکے تو زیاد نے جوابی کارروائی کے طور پر مسجد کے دروازے بند کروا دیے اور جن لوگوں (بعض کہتے ہیں کہ وہ تیس آدمی تھے اور بعض کے قول کے مطابق وہ اسی آدمی تھے) نے کنکر پھینکے تھے، ان کو گرفتار کروالیا اور پھر سزا کے طور پر ان کے موقع پر ہی ہاتھ کٹوا دیے۔

((وأمرهم فأخذوا ابواب المسجد ثم قال ثم أمر بكرسي فوضع على باب المسجد فدعاهم اربعة اربعة يحلفون بالله ما منا من حصبك فمن حلف خلاه من لم يحلف حبسه وعزله حتى صار الى ثلاثين ويقال بل كانوا ثمانين فقطع أيديهم على المكان))^۱

اتنے بڑے ظالمانہ واقعہ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حاکم زیاد پر کوئی مواخذہ نہیں کیا اور کم از کم اس کو معزول تک نہیں کیا۔ یہ ظلم بالائے ظلم ہے۔

جواب

برائے جواب مندرجہ ذیل امور پر نظر فرمائیں، امید ہے اطمینان کا باعث ہو سکے گا:

① ابن جریر طبری نے ہاتھ کاٹنے کا واقعہ ۵۰ھ کے حالات میں ذکر کیا ہے۔ طبری کے متعلق علماء فرمایا کرتے ہیں کہ یہ ایک غیر ناقد مورخ ہے اور رطب و یابس، ضعیف وقوی، صحیح و سقیم ہر قسم کی روایات کو بغیر نقد کے جمع کر دیتا ہے۔ گویا کہ نقد و تنقید کا کام اس نے بعد میں آنے والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

نیز جس واقعہ کے متعلق دیگر مورخین اور قدیم مورخین کی طرف سے تائید یا موافقت نہیں پائی جاتی اس

میں صرف طبری کے بیان پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ اور یہاں اس واقعہ میں اسی طرح کی صورت حال پائی جاتی ہے جیسا کہ ہم آئندہ سطور میں ذکر کر رہے ہیں۔

② اس مقام پر طبری کا شیخ عمر درج ہے اور اس کا شیخ علی مذکور ہے اور علی کا شیخ مسلمہ بن محارب ہے و واقعہ کا ناقل ہے۔ عمر سے معلوم نہیں کہ کون شخص مراد ہے؟ اسی طرح علی سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کون ہے؟ پھر علی اور مسلمہ کے درمیان لفظ ”عن“ ہے جس میں انقطاع کی گنجائش ہے۔

ایک طالب تحقیق اگر کوشش کر کے سیاق و سباق پر نظر ڈالے تو عمر سے عمر بن شبہ بنا سکتا ہے مگر عمر بن شبہ نامی متعدد اشخاص ہیں، یہاں پھر تعین درکار ہے کہ یہاں عمر بن شبہ نامی کون شخص مراد ہے؟ اسی طرح علی کے متعلق جستجو کر کے قاری سیاق و سباق کے اعتبار سے علی بن محمد کہہ سکے گا۔ یہاں پھر علی بن محمد بے شمار رواۃ کے اسماء ہیں پھر اس کی تعین کہ یہاں کون علی بن محمد مراد ہے، یہ بھی ایک مستقل مرحلہ ہے جو ناظرین کے لیے خاصے اشکال و اشتباہ کا موجب ہے۔

اس کے بعد علی نے واقعہ ہذا کو مسلمہ بن محارب سے لفظ ”عن“ کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں انقطاع کا احتمال ہے۔ جس کو رفع کرنا اور اتصال ثابت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کوئی ماہر فن ہی اس کی عقدہ کشائی کر سکے گا۔ اس واقعہ کو ایسی سند کے ساتھ مورخ طبری نے نقل کیا ہے جس کو صاف کرنا قاری کے لیے اچھا خاصا پریشان کن مرحلہ ہے دوسری لطف کی بات یہ ہے کہ اگر ان رواۃ کی اس روایت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو ان کا کوئی متابع اور شاہد ان کے اپنے دور میں دستیاب نہیں ہوتا جو توثیق کا موجب بن سکے۔ فلہذا یہ اسناد اپنے واقعہ سمیت قابل قبول ہونے سے زیادہ قابل اشکال اور لائق اشتباہ ہے۔

③ اسناد کی تحقیق سے اگر صرف نظر کر لی جائے تاہم یہ بات قابل توجہ ہے کہ قطع ایدی کا مذکورہ واقعہ اولاً طبری نے ذکر کیا ہے اور پھر طبری سے نقل کرنے والے مورخین مثلاً ابن اثیر جزری وغیرہ نے طبری سے ہی نقل کیا ہے۔ ہماری ناقص جستجو کے مطابق دیگر قدیم مورخین اس مقام پر زیاد بن ابیہ کے ساتھ حجر بن عدی وغیرہ کے مناقشات ذکر کرتے ہیں لیکن زیاد کی طرف سے قطع ایدی کے واقعے کو نقل نہیں کرتے۔ لہذا اس

۱۔ مندرجہ ذیل قدیم مورخین اور متاخرین نے قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کے واقعہ کو نہیں نقل کیا مثلاً:

(۱) خلیفہ ابن خیاط رضی اللہ عنہ المتوفی ۲۴۰ھ نے اپنی تاریخ میں (سنہ ۵۰ھ کے تحت)

(۲) یعقوب بن سفیان بسوی رضی اللہ عنہ المتوفی ۲۷۰-۲۷۱ھ نے المعروفہ والتاریخ میں (۵۰ھ کے تحت)

(۳) علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ المتوفی ۴۸۸ھ نے تاریخ اسلام میں (سنہ ۵۰ھ کے تحت)

(۴) ابن خلدون رضی اللہ عنہ المتوفی ۷۷۹ھ نے اپنی تاریخ میں (اس موقع کے واقعات کے تحت)

(۵) علامہ ابن کثیر رضی اللہ عنہ المتوفی ۷۷۳-۷۷۵ھ نے البدایہ والنہایہ میں (اس مقام کے واقعات کے تحت)

حاصل یہ ہے کہ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا واقعہ ان مورخین نے نہیں بیان کیا حالانکہ یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت سنگین صورت کا حامل ہے۔

واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے مورخین کو قطع ایدی کے اس واقعہ کو ذکر کرنا ایک ضروری امر تھا تا کہ زیاد کی زیادتیاں اور ظلم لوگوں پر واضح ہو سکیں۔

اسی طرح شیعہ کے قدام مورخین مثلاً ابو حنیفہ دینوری نے اخبار الطوال میں احوال زیاد کے تحت، یعقوبی نے اپنی تصنیف تاریخ یعقوبی جلد ثانی کے تحت، مسعودی نے مروج الذهب جلد ثالث ایام معاویہ کے تحت وغیرہ نے بھی اس مقام پر زیاد کے واقعات کے تحت ”قطع ایدی“ کا واقعہ درج نہیں کیا حالانکہ یہ لوگ طعن کی چیزوں کو ذکر کرنے سے ہرگز گریز نہیں کرتے بلکہ طعن کو بنا سجا کر ثابت کرنا تو ان کا فرض منصبی ہے۔ فلہذا یہ بھی اس چیز پر قوی قرینہ ہے کہ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا واقعہ تاریخ طبری میں مفردانہ حیثیت رکھتا ہے اور طبری اس قسم کے کئی واقعات درج کرنے میں مشہور ہے۔

④ دیگر بات یہ ہے کہ اسی یا کم از کم تیس آدمیوں کے ہاتھوں کا کٹوا دیا جانا کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جو ایک ملک میں خاموشی سے برداشت کر لیا جاتا اور خاص کر کوفہ اور اس کے ملحقہ قبائل اس پر کوئی شورش نہ کھڑی کر دیتے اور اس کے برخلاف آواز تک نہ اٹھاتے۔ یہ چیز بھی واقعہ کے بے اصل ہونے کا قرینہ ہے۔

⑤ یہ واقعہ بقول ابن جریر ۵۰ھ میں پیش آیا۔ اس دور تک بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ موجود تھے مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ، قیس بن سعد بن عبادہ، سعد بن ابی وقاص، حکیم بن حزام، ابو ایوب انصاری، عبدالرحمن بن ابی بکر، ام المومنین عائشہ صدیقہ، حسین بن علی، اسامہ بن زید، معقل بن یسار مزنی، عقیل بن ابی طالب، فضالہ بن عبید انصاری، سمرہ بن جندب وغیرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

تو ان حضرات میں سے کسی صاحب نے قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور واقعہ پر نکیر نہیں کی۔ حالانکہ اس دور میں بعض لوگوں مثلاً حجر بن عدی وغیرہ کے قتل کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اکابرین کی طرف سے اعتراض کیا جانا تاریخ میں دستیاب ہوتا ہے۔ فلہذا اس دور کے اکابر صحابہ کرام اور تابعین کی طرف سے واقعہ مذکورہ پر نقد و نکیر کا نہ ذکر کیا جانا بھی ایک مستقل قرینہ ہے کہ قطع ایدی (یعنی ہاتھوں کو کاٹنے کا واقعہ) بے اصل ہے اور اس وقت ایسا کوئی سنگین معاملہ رونما نہیں ہوا۔

⑥ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا یہ واقعہ اگر وقوع پذیر ہوا ہے تو عام عادت کے مطابق اس کی اطلاع دربار خلافت میں بھی پہنچی ہوگی۔ اور نہیں تو مظلومین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دادرسی کے لیے لازماً درخواست کی ہوگی۔ اور ایک خلیفہ عادل اور شرعی احکام کے تابع امیر المومنین سے ہرگز یہ توقع نہیں

۱۔ سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۶۲۳، ۶۳۳ ج ۱، تحت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور اعمش رضی اللہ عنہ کا بیان (تالیف مصنف

کی جاسکتی کہ وہ ایسے ظالمانہ فعل کے پائے جانے پر خاموش رہیں اور معزولی کی سزایا کم از کم سرزنش کا کوئی حکم صادر نہ فرمائیں حالانکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب اس قسم کے واقعات پیش آئے ہیں تو ان کے متعلق باز پرس یا معزولی ہوتی رہی ہے۔ مثال کے طور پر مندرجہ ذیل واقعات موجود ہیں:

① بصرہ پر عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم تھے۔ وہاں اہل بصرہ کی طرف سے فساد کھڑا ہوا اور اس علاقے کی فضا مخالفین کی طرف سے فاسد بننے لگی۔ اس سلسلے میں ابن عامر رضی اللہ عنہ اپنی نرمی طبع کی وجہ سے کوئی موثر کارروائی نہ کر سکے اور شر و فساد کو دبانے میں ناکام رہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی ولایت سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ حارث بن عبداللہ ازدی کو والی مقرر فرمایا۔

② نیز اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن غیلان والی بصرہ کی طرف سے قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا ایک واقعہ پیش آیا تھا (جس کی تشریح اپنی جگہ پر ذکر ہوگی ان شاء اللہ) تو اس موقع پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مظلوم کو بیت المال سے دیت ادا کر دی اور عبداللہ بن عمرو بن غیلان کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو والی مقرر فرمایا۔ مگر ہاتھ کاٹنے کے اس واقعہ کے تحت صورت حال یہ ہے کہ ہماری معلومات کی حد تک اس دور کے اکابر مورخین زیاد کے اس ظلم پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مواخذے کا ذکر تک نہیں لائے۔ فلہذا یہ چیز بھی واقعہ ہذا کے بے اصل ہونے کی طرف نشان دہی کرتی ہے۔

(۷) نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ زیاد کی طبعی صلاحیت اور جبلی فراست اور تدبیر سیاست کے بھی یہ واقعہ برعکس پایا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے کبار علمائے فن کی طرف سے اس کے حق میں بحث استلحاق زیاد کے تحت تبصرے و تجزیے درج کر دیے ہیں کہ یہ شخص حسن سیاست اور حسن تدبیر میں ضرب المثل تھا اور وافر دانش کا حامل تھا۔ قطع ایدی (ہاتھ کاٹنے) کا واقعہ تو ایک جذباتی قسم کے آدمی اور مغلوب الغضب فطرت والے انسان کا فعل ہو سکتا ہے جسے انجام و نتائج کی کچھ فکر نہ ہو۔ لیکن عواقب و ثمرات پر نظر رکھنے والے مدبر شخص سے ایسے فعل کا سرزد ہونا تدبیر سیاست کے خلاف ہے۔

خارجیوں کے حق میں سخت گیری

البتہ تاریخ کی کتابوں میں زیاد بن ابیہ کے رجحانات کے بارے میں اتنی چیز ملتی ہے کہ وہ ”خوارج“

۱ تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۲۱ ج ۶ تحت سنہ ۵۳۳ھ

البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۷ ج ۸ تحت سنہ ۵۳۳ھ

۲ البدایہ (ابن کثیر) ص ۷۱ ج ۸ تحت سنہ ۵۵۵ھ

تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۶۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۵۵ھ

کے حق میں نہایت سخت گیر حاکم تھا۔ جیسا کہ مورخ طبری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ
 ((ان زیادا اشتد فی أمر الحرورۃ بعد قریب وزحاف فقتلہم وامر سمرة (بن
 جندب) بذالك وكان يستخلفه علی البصرة إذا خرج الی الکوفة فقتل سمرة
 منهم بشرا کثیرا))^۱
 ”یعنی قریب وزحاف کے بعد حروریہ (خوارج) کے معاملے میں زیاد بہت سخت گیر تھا۔ اس نے
 خوارج کو قتل کیا اور حضرت سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ کو بھی اس بات کا حکم تھا۔ حضرت سمرة رضی اللہ عنہ نے بھی
 کثیر خوارج کو قتل کیا۔“

یہ بات واضح ہے کہ حروریہ اور خوارج جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے اسی طرح یہ
 لوگ حضرت عثمان غنی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی شدید ترین عناد اور کینہ رکھتے تھے۔ چنانچہ زیاد
 بن ابیہ کے متعلق تشدد و سخت گیری کی جو کارروائیاں لوگ ذکر کرتے ہیں وہ عام طور پر حروریہ اور خوارج کے
 فرقوں کے متعلق ہیں۔ ان لوگوں کی جماعتی قوت توڑنے کے لیے زیاد نے اپنے حلقہ اثر میں سر توڑ کوشش
 جاری رکھی۔

مختصر یہ ہے کہ زیاد کی کارگزاری انتظامی معاملات میں مصلحت پر مبنی تھی۔ جس طرح وہ امیر المومنین
 معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظام خلافت کو درہم برہم کرنے والوں سے سختی سے پیش آتا تھا اسی طرح وہ خوارج کے ساتھ
 بھی سخت گیری کا معاملہ کرتا تھا۔ لیکن ہاتھ کاٹنے کا واقعہ زیاد کی تدبیر حکمرانی کے برعکس ہے۔ ایسے امور سے
 رعایا حکام سے متنفر ہوتی ہے۔

ان امور پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ درست نہیں۔

① اسی سلسلے میں ایک اور واقعہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جو اس بات کا قوی قرینہ ہے
 کہ زیاد بن ابیہ سے ہاتھ کاٹنے کا وقوع بعید از قیاس ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں زیاد نے بصرہ کی
 سابقہ مسجد میں بہت کچھ اضافہ کیا اور اس کی پختہ عمارت تعمیر کرائی، ساگون کی لکڑی سے مسجد کی چھت کو
 مسقف کیا اور دارالامارۃ کو سابقہ جگہ سے منتقل کر کے مسجد سے ملحق اس طرح تعمیر کرایا کہ حاکم وقت مسجد کے
 محراب میں قبلہ کی طرف سے آسانی کے ساتھ امامت کے لیے داخل ہو سکے۔ اور اس تبدیلی مکان کی وجہ یہ
 بیان کی کہ:

((قال لا ینبغی لإمام ان یتخطی الناس فحول دارالإمارۃ من الدهناء الی قبلۃ

المسجد فكان الإمام يخرج من الدار في الباب الذي في حائطة القبلة))^۱
 ”یعنی امام اور حاکم وقت کے لیے مناسب نہیں ہے کہ لوگوں کی گردنوں پر سے قدم پھلانگ کر
 گزرے۔ پس دارالامارۃ کو سابقہ مقام سے منتقل کر کے مسجد کے قبلہ کی طرف قائم کیا تاکہ امام
 اپنے مکان سے خارج ہو کر مسجد کی محراب میں آسانی سے داخل ہو سکے۔“

یہاں قابل توجہ یہ چیز ہے کہ زیاد بن ابیہ نے ایک شرعی مسئلہ ”نہی عن تخطی رقاب الناس“
 کی رعایت کرتے ہوئے دارالامارۃ کو منتقل کر دیا اور ایذااء المسلمین سے اجتناب کی تدبیر اختیار کی۔
 ایک ایسا شخص جو ”تخطی رقاب الناس“ سے اجتناب کرتا ہے وہ اتنے کثیر مسلمانوں کی بلا وجہ ایذا رسانی
 کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہے؟

مختصر یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی ہاتھ کاٹنے کے واقعہ کے بے اصل ہونے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔
 واقعہ ”قطع ایدی“ کے متعلقہ چند اشیاء ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کی ہیں اور ساتھ ہی واقعے کے
 بے اصل ہونے پر چند قرائن ذکر کر دیے ہیں تاکہ قارئین کو اس پر غور کرنے اور صحیح صورت حال سے آگاہی
 کا موقع میسر آئے اور وہ خود ایک صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔

مختصر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مذکورہ بالا قرائن کی روشنی میں یہ واقعہ بے اصل نظر آتا ہے نیز اس کے
 حق میں شواہد و متابع نہیں پائے جاتے جو اس کی صحت کے لیے موید ثابت ہوں۔ واقعہ کو صرف طبری کا مذکور
 اسناد کے ساتھ درج کر دینا قابل اعتماد نہیں ہے اور اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن تجویز کرنا صحیح نہیں ہے۔
 جن لوگوں نے طبری کی روایت پر یقین کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کیا ہے انہوں نے نہایت نا انصافی
 کی ہے۔

قطع ید کا ایک دوسرا طعن

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک یہ طعن بھی قائم کیا جاتا ہے کہ ان کے حکام شرعی احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی تھی۔ دوسرے الفاظ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ولایت و حکام کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور ان سے خلاف شرع فعل سرزد ہونے پر کوئی مواخذہ نہیں کرتے تھے۔ دلیل میں مندرجہ ذیل روایت طعن کرنے والے بطور حوالہ پیش کرتے ہیں:

((خطب عبداللہ بن عمرو بن غیلان علی منبر البصرة فحصبه رجل من بنی ضبة..... فأمر به فقطعت یدہ))^۱

”یعنی عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک دفعہ بصرہ کے منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ بنی ضبہ کے ایک شخص نے کنکر دے مارا۔ عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے اس شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔“

جب بنی ضبہ نے یہ معاملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بطور استغاثہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی صورت نہیں لیکن اگر تم چاہو تو دیت ادا کی جاسکتی ہے۔

جواب

اس طعن کو صاف کرنے کے لیے ذیل میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ توجہ سے ملاحظہ فرمائیں:

اس طعن کا دارومدار روایت مذکور بالا پر ہے۔ فلہذا اس روایت پر پہلے باعتبار سند کے کلام پیش کیا جاتا ہے، اس کے بعد متن روایت کے اعتبار سے چند چیزیں پیش کی جائیں گی۔

روایت کے اسناد

اصل یہ روایت تاریخ طبری میں ہے اور دیگر مورخین طبری سے ناقل ہیں اور روایت کی سند اس طرح

ہے:

((حدثنی عمر قال حدثنا ولید بن ہشام وعلی بن محمد و اختلفا فی بعض

الحدیث قالوا خطب عبداللہ بن عمرو بن غیلان..... الخ))

روایت ہذا کے اسناد میں عمر سے مراد غالباً عمر بن شبہ ہے عمر بن شبہ کو ولید بن ہشام اور علی بن محمد نے بیان کیا، پھر ان دونوں میں متن روایت کے متعلق تھوڑا سا اختلاف ہے۔ پھر یہ دونوں کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے خطبہ دیا۔

مطلب یہ ہے کہ ولید اور علی بن محمد نے یہ تمام واقعہ نقل کیا اور ہماری جستجو کے مطابق علی بن محمد سے مراد ابو الحسن علی بن محمد المدائنی ہے جو ۱۳۵ھ میں پیدا ہوا اور اس کی وفات ۲۱۵ھ، ۲۲۲ھ، ۲۲۵ھ علی اختلاف الاقوال اہل تراجم نے ذکر کی ہے۔ جب کہ واقعہ مذکور حسب قول مورخ طبری ۵۵ھ میں پیش آیا تھا۔

فلہذا راوی (مدائنی) کی ولادت اور واقعہ کے وقوع پذیر ہونے میں کم از کم اسی سال کا ایک طویل عرصہ ہے۔ اسی طرح ولید بن ہشام، ابو الحسن علی بن محمد کا ہم عصر وہم زمان ہے اور ۵۵ھ کے اس واقعہ کو نقل کرنے میں علی بن محمد کے ساتھ شریک ہے۔ واقعہ مذکورہ اور ان راویوں کے درمیان عرصہ دراز کا فاصلہ پایا جاتا ہے اس بنا پر یہ روایت اہل علم کی اصطلاح میں منقطع ہے اور انقطاع بھی ایک طویل عرصہ پر مشتمل ہے جس میں کم از کم دو یا تین راوی پائے جاسکتے ہیں جو سند ہذا میں غیر مذکور ہیں۔ واللہ اعلم وہ کس قسم کے اور کس حیثیت کے افراد تھے اور نظریاتی طور پر وہ کس طبقہ سے وابستہ تھے؟ ایسے انقطاع والی روایت قابل اعتماد و اعتبار نہیں اور نہ اس نوع کی روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کرنا درست ہے۔

مفہوم روایت

پھر سند کی بحث سے اگر صرف نظر بھی کر لیا جائے تو متن روایت کی روشنی میں واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عمرو بن غیلان منبر بصرہ پر خطبہ دے رہے تھے۔ قبیلہ بنی ضبہ کے ایک شخص نے کسی بات پر عبداللہ کو کنکر مار دیا تو عبداللہ بن عمرو نے بقول مورخین اس شخص کے قطع ید کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کے بعد بنو ضبہ قبیلہ کے لوگ اس سلسلے میں حاکم مذکور کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آدمی نے جنایت اور قصور کیا لیکن آپ نے اس پر سخت سزا دے دی یعنی ہاتھ کٹوا دیا۔ ہم اس بات سے بے خوف نہیں ہیں کہ اس معاملے کی اطلاع امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچے گی پھر ان کی جانب سے سزا کا حکم عموماً یا خصوصاً جس صورت میں آئے آسکتا ہے۔ ان حالات میں اگر امیر وقت مناسب خیال فرمائیں تو ہمیں ایک تحریر لکھ دیں کہ یہ ایک مشتبہ صورت میں ہاتھ کاٹنے کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس کا معاملہ واضح نہیں تھا۔

اس نوع کی تحریر عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھ دی۔ بنو ضبہ نے

تحریر حاصل کر کے اپنے پاس محفوظ کر لی۔ سال یا چھ ماہ کے بعد وہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا معاملہ استغاثہ کی صورت میں حاکم بصرہ کے خلاف پیش کیا اور کہا کہ ہمارے ایک شخص کا ہاتھ حاکم عبداللہ نے ظلماً کاٹ دیا ہے اور یہ اس کی اپنی تحریر آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر ملاحظہ فرمائی اور واقعہ معلوم کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: موجودہ صورت میں عمال سے قصاص کی کوئی صورت نہیں ہے لیکن اپنے ساتھی کے لیے دیت اگر تم چاہو تو ہم ادا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ہاتھ کی دیت (یعنی عوضانہ) حاصل کرنے کو اختیار کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے اس کی دیت ادا کر دی (اور اس غلطی کی پاداش میں) اپنے حاکم عبداللہ کو اس کے منصب سے معزول کر دیا۔

((فاتہ بنوضبہ فقالوا ان صاحبنا جنی ما جنی علی نفسہ وقد بلغ الامیر فی عقوبہ ونحن لا نأمن ان یبلغ خبرہ امیر المؤمنین فیاتی من قبلہ عقوبہ تخص او نعم فان رأی الامیر ان یکتب ان کتابا یخرج بہ احدنا الی امیر المؤمنین یخبرہ انه قطعہ علی شبہة وامر لم یضح فکتب لهم بعد ذالک الی معاویة فقالوا یا امیر المؤمنین انه قطع صاحبنا ظلما وهذا کتابہ الیک وقرأ الكتاب فقال اما القود من عمالی فلا یصح ولا سبیل الیه ولكن ان شتم و دیت صاحبکم قالوا فده فوداه من بیت المال وعزل عبداللہ))^۱

مطلب یہ ہے کہ پیش آمدہ صورت ایک مشتبہ صورت تھی اور غیر واضح تھی جسے عبداللہ بن عمرو بن غیلان نے اپنے خط میں تحریری طور پر تسلیم کیا تھا۔ اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ استغاثہ والوں کو قطع ید (ہاتھ کاٹنے) کا عوضانہ (بطور دیت کے) بیت المال سے دلویا ہے اور اپنے ماتحت حاکم کو اس غلطی کی بنا پر منصب سے معزولی کی سزا دے دی۔ یہ ایک جائز فیصلہ ہے، اس میں دونوں فریق کو ملحوظ رکھا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ الزام کہ انہوں نے اپنے والیوں اور حکام کو قانون سے بالاتر قرار دے رکھا تھا اور خود ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کیے ہوئے تھے، بالکل بے جا اور بے وزن ہے اور قلبی عناد پر مبنی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ طعن پیدا کرنے والی اصل روایت اہل فن کے نزدیک جس درجے کی ہے وہ

۱ الہدایہ (ابن کثیر) ص ۱۷۸ ج ۸ تحت سنہ ۵۵ھ طبع اول مصر

تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۶۸ ج ۶ تحت سنہ ۵۵ھ

ناظرین نے ملاحظہ کر لی ہے کہ واضح الانقطاع ہے۔ اس نوع کی روایت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن تجویز کرنا، پھر اس کو صحیح تسلیم کرنا فن کے قواعد کے برعکس ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کینہ و رآدی ہی اسے باور کر سکتا ہے۔

نیز تاریخی روایات میں جو مواد فراہم کیا جاتا ہے اس کے لیے بڑے مراحل ہوتے ہیں۔ اصل واقعہ کچھ ہوتا ہے نقل کرنے والے اسے کچھ سے کچھ بنا کر نقل کرتے ہیں۔ پھر یہ نقل در نقل باعتبار روایت بالمعنی کے چلتی رہتی ہے اور اس کی تعبیریں بدلتی رہتی ہیں۔ آخر کار مولف کتاب اسے اپنی عبارت کے ساتھ تعبیر کرتا ہے۔ ان تمام تغیرات کو پیش نظر رکھ کر واقعات کو جانچنا چاہیے اور مقام صحابہ اور ان کے کردار کو سامنے رکھنا چاہیے۔ جو چیز ان کی شان دیانت کے موافق ہو اسے قبول کرنا چاہیے اور جو چیزیں ان کی دیانت و امانت کے برعکس ہوں ان کو ترک کر دینا چاہیے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر زہر خورانی کا طعن اور مقدم بن معدی کرب والی

روایت کا جواب

قارئین کرام پر واضح رہے کہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا بذریعہ زہر خورانی واقع ہونا بعض مورخین اور موفین نے ذکر کیا ہے لیکن تمام محدث اور تمام مورخ اس کے وقوع کے قائل نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ مسلم الکمل اور متفق علیہ امر نہیں ہے۔ مثلاً تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ بغداد (خطیب) وغیرہ میں زہر خورانی کے واقعہ کا کوئی ذکر تک نہیں پایا گیا۔ پھر جو حضرات اس زہر خورانی کے واقعہ کو ذکر کرنے والے ہیں ان میں بعض ایسے حضرات ہیں (مثلاً حاکم فی المستدرک اور ابن حجر فی الاصابہ) جنہوں نے امام موصوف کو زہر دیا جانا تو ذکر کیا ہے مگر زہر دینے والے کا نام ندارد، نہ ان کی بیوی کی طرف نسبت کی ہے نہ کسی دوسرے شخص کی جانب اس چیز کو منسوب کیا ہے۔

اور بعض مورخ ایسے ہیں جنہوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور اس کی نسبت براہ راست حضرت موصوف کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کنندی کی طرف کی ہے اور کسی شخص کو ساتھ نہیں ملایا (مثلاً ابن اشیر جزری نے تاریخ الکامل میں)، البتہ بعض حضرات ایسے بھی ہیں کہ زہر خورانی کی نسبت حضرت کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کی طرف کرنے کے بعد "قالت طائفہ" کے الفاظ سے یاد کر او یقال (یعنی ایک گروہ کہتا ہے یا کہا جاتا ہے) کے لفظوں سے اس بات کو اپنے ہاں درج کرتے ہیں (مثلاً ابن عبدالبر فی الاستیعاب وغیرہ) کہ یہ معاملہ اس عورت نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارہ کی بنا پر کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ یزید بن معاویہ کے کہنے پر اس نے کیا ہے۔

اس معاملے میں انصاف کے ساتھ غور و خوض کرنے کے لیے چند چیزیں ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں، ناظرین حضرات توجہ سے ملاحظہ فرمائیں اس سے یہ طعن صاف ہو جائے گا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں مطعون کرنے کا جواب مکمل ملے گا۔

جواب

مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حالت دگرگوں ہو گئی تو ان کے بھائی (حضرت حسین

رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ جناب کو کس نے زہر دیا ہے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کیوں دریافت کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ آپ کے دفن سے قبل ہی اللہ کی قسم اس کو قتل کر دیں گے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ برادر عزیز! اس بات کو ترک کر دیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں فیصلہ ہوگا۔ الغرض اس کا نام بیان کرنے سے انکار کر دیا۔^۱

مطلب یہ ہوا کہ اگر زہر خورانی کا واقعہ درست بھی ہے تو بھی واقعہ میں موجود حضرات اور عینی شاہدوں کو زہر دلانے والے کا علم بالکل نہ ہو سکا۔ اسی بنا پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کسی پر یہ الزام قائم نہ کر سکے اور سزا دینے کی کوئی صورت سامنے نہ آ سکی۔

اس قریب تر دور گزر جانے کے بعد رواۃ پر یہ کس طرح منکشف ہوا کہ زہر دلانے والے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں؟ اور شام میں یہ سازش تیار کی گئی اور وہاں سے مدینہ میں لا کر اس پر عمل درآمد کرایا گیا۔ طعن تیار کرنے والوں کے ہاں اس چیز پر کوئی دلیل نہیں ہے یہ خالص بدگمانی ہے۔ عام مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی کرنا درست نہیں (ان بعض الظن اثم) پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدظنی کرنا تو بالکل جائز نہیں۔

اس مقام پر ذیل میں چند امور ذکر کیے جاتے ہیں، ان کی طرف نظر غائر فرمائیں:

① ایک گزارش تو یہ ہے کہ جن مصنفین نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر اس معاملہ میں کیا ہے انھوں نے بغیر دلیل اور بغیر حجت کے ہی ذکر کر ڈالا ہے اس واقعہ کی خاطر کوئی باسند صحیح روایت انھوں نے ذکر نہیں کی۔ چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کے مصنفین ایک واقعہ کو (جو ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں گزرا ہے) بلا سند صحیح اور بلا دلیل قوی ذکر کر دیں، اس کو بغیر تحقیق و تفتیش کے تسلیم کر لینا قواعد مسلمہ اور درایت صحیحہ کے برعکس ہے۔

② دوسری عرض یہ ہے کہ زہر خورانی کے معاملے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کچھ دخل نہیں ہے یہ چیز ان کی جانب تاریخی روایات غیر صحیحہ کی بنا پر بعض غالی رواۃ نے نسبت کر دی ہے پھر اس دور کے بعد والے ناقلین نے چشم پوشی کرتے ہوئے نقل در نقل کو اپنی تصنیفات میں جاری رکھا ہے۔ امیر شام موصوف کی اس معاملے میں براءت آج ہم پندرھویں صدی میں بیٹھ کر نہیں پیش کر رہے بلکہ آج سے صدیوں قبل محققین علماء نے اس تراشیدہ الزام کی خوب تردید فرمادی ہے، چشم بصیرت کی ضرورت ہے۔

ابن تیمیہ حرانی (المتوفی ۷۲۸ھ)، علامہ ابن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ)، ابن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) اور حافظ ذہبی وغیرہ رضی اللہ عنہم اکابر علماء کی اس بارے میں جو تصریحات ملتی ہیں ان میں سے چند ایک یہاں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ منہاج السنۃ میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ مسئلہ پر بحث کی ہے اس میں سے چند جملے نقل کیے جاتے ہیں:

((واما قوله ان معاوية سم الحسن فهذا مما ذكره بعض الناس ولم يثبت ذلك ببينة شرعية او اقرار معتبر ولا نقل يجزم به وهذا مما لا يمكن العلم به فالقول به قول بلا علم))^۱

”مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں نے سیدنا رضی اللہ عنہ کے زہر دیے جانے کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کیا ہے۔ یہ چیز دلیل شرعیہ سے ہرگز ثابت نہیں ہے اور نہ کسی اقرار معتبر سے اور نہ کسی نقل یقینی سے ثابت ہے۔ یہ تو ایسی بات ہے کہ جس کے ساتھ یقین کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ پس ایسی بات کو تسلیم کر لینا تو ایک چیز کے ساتھ بلا دلیل یقین کرنا ہوگا اور یہ کسی حال میں درست نہیں ہے۔“

۲۔ اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ

((وعندی ان هذا ليس بصحيح وعدم صحة عن ابيه معاوية بطريق الاولى والآخرى))^۲

”یعنی ابن کثیر کہتے ہیں کہ (یزید کا امام حسن رضی اللہ عنہ کی زوجہ کو زہر خورانی کے متعلق کہلا بھیجنا) میرے نزدیک تو یہ بھی صحیح نہیں ہے اور اس کے والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان کرنا تو بطریق اولیٰ درست نہیں ہے۔“

۳۔ اور مورخ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تاریخ ابن خلدون جلد دوم میں بالتصریح لکھا ہے کہ:

((وما ينقل ان معاوية رس اليه السم مع زوجته جعدة بنت اشعث بن قيس فهو من احاديث الشيعة وحاشا لمعاوية من ذلك))^۳

”یعنی یہ بات جو نقل کی جاتی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے پوشیدہ طور پر جعدہ بنت اشعث کے واسطے سے زہر دلویا تھا، یہ شیعہ لوگوں کی روایات ہیں۔ اللہ کی پناہ! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اس داغ سے صاف ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیانت دارانہ اخلاق سے یہ بات بہت بعید ہے۔“

۱۔ منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۲۲۵ ج ۲

۲۔ البدایہ (ابن کثیر) ص ۴۳ ج ۸ تحت تذکرہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ

۳۔ تاریخ ابن خلدون ص ۱۱۳۹ ج ۲ طبع بیروت تحت بیعت الحسن و تسلیم الامر لمعاویہ

۴۔ اور حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے اپنی مشہور تاریخ اسلام جز ثانی میں اس مسئلے کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ ((وقالت طائفة كان ذلك بتدسيس معاوية اليها وبذل لها على ذلك وكان لها ضرائر۔ قلت هذا شيء لا يصح فمن الذي اطلع عليه))^۱ ”یعنی ایک طائفہ نے یہ قول کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زہر دینے کی سازش کی اور حیلہ کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر زور صرف کیا اور حسن کے لیے سوکنیں تھیں (ان کے ذریعے سے یہ معاملہ کیا)۔ ذہبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل صحیح نہیں بلکہ غلط ہے۔ اس معاملے پر کون مطلع ہو سکا؟“

مختصر یہ ہے کہ ان تمام مشہور علماء نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف زہر خورانی کی نسبت کو غلط قرار دیا ہے اور اس کی تردید کر دی ہے۔

③ شیعہ مورخ کا ایک بیان

اس سلسلے میں شیعہ کے اکابر مورخین کا مزید ایک ضروری بیان ہم ناظرین کی خدمت میں ذکر کرتے ہیں جس سے مذکورہ طعن کی حقیقت خوب واضح ہو جائے گی۔

ابوضیفہ احمد بن داود دینوری شیعہ (صاحب اخبار الطوال) نے اپنی تصنیف ہذا میں ذکر کیا ہے کہ ((ولم ير الحسن ولا الحسين طول حياة معاوية منه سوء في انفسهما ولا مكروها ولا قطع عنهما شيئا مما كان شرط لهما ولا تغير لهما عن بر))^۲ ”یعنی حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں بزرگوں نے اپنی ذات کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت میں ان سے کوئی بری بات اور مکروہ چیز نہیں دیکھی۔ جو شرائط معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ طے کی تھیں معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا ایفا کیا، ان کو ضائع نہیں کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو احسان اور بہتر سلوک ان کے حق میں جاری کیا ان کو تبدیل نہیں کیا۔“

شیعہ اکابر کے ان واضح بیانات نے مسئلے کو صاف کر دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسین شریفین رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدت العمر کوئی بدسلوکی اور برائی نہیں کی۔ تو پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلانے کا قصہ کیسے صحیح ہوا؟ یاد رہے کہ یہ دینوری ۲۸۲ھ کا متوفی ہے، بہت قدیم پختہ شیعہ مورخ ہے۔ اس کے بیانات شہادت دیتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ زہر دلانے کی بدخواہی اور بدسلوکی قطعاً اختیار نہیں کی۔ یہ سب بعض اخباری شیعوں کے افسانے ہیں۔ دینوری کا مذکورہ حوالہ قبل ازیں اپنی کتاب مسئلہ اقربا

۱۔ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۱۹ ج ۲ تحت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما طبع مصر۔

۲۔ اخبار الطوال (ابوضیفہ احمد بن داود دینوری شیعہ) ص ۲۲۵ بحث معاویہ و عمرو بن عاص طبع قاہرہ مصر۔

نوازی ص ۱۹۴ پر درج شدہ ہے یہاں مسئلہ ہذا کی وضاحت کے لیے دہرایا گیا ہے۔

④ نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف زہر خورانی کی نسبت درایت کے اعتبار سے بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات (جو ۴۹ھ میں واقع ہوئی تھی) کے بعد ملک شام میں متعدد غزوات پیش آئے۔ ان غزوات میں بہت سے ہاشمی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرات شامل ہوتے رہے۔ خصوصاً امام حسن رضی اللہ عنہ کے سگے برادر سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ ان غزوات میں شامل ہوئے۔

چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ

((ولما توفي الحسن كان الحسين يفد الى معاوية في كل عام فيعطيه ويكرمه وقد كان في الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد في سنة احدى و خمسين))^۱

”یعنی جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ فوت ہو چکے تو اس کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ہر سال تشریف لے جاتے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا اکرام کرتے اور انھیں عطایا دیتے تھے۔ چنانچہ ۵۱ھ میں غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا تو اس جیش میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شریک ہوئے جب کہ یزید بن معاویہ امیر جیش تھا۔“

یہ غزوات جن میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر ہاشمی حضرات شامل ہوئے ہیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیش آئے۔ ہاشمی حضرات کا ان غزوات میں شریک و شامل ہونا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ زہر خورانی کا طعن مذکور جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ قطعاً غلط ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

قبیلہ کے اکابر اور اقارب کو جن لوگوں نے قتل کیا ہو، ان لوگوں کے ہمراہ غزوات میں شرکت نہیں کی جا سکتی اور ان لوگوں سے عطایا اور وظائف وصول نہیں کیے جا سکتے۔ کیونکہ یہ چیزیں ان حضرات کی عزت نفس اور فطری غیرت کے برخلاف ہیں۔

⑤ یہاں یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کثرت ازدواج میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ اس چیز کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((قال علي يا اهل العراق او يا اهل الكوفة لا تزوجوا حسنا فانه رجل مطلق..... قال علي ما زال الحسن تزوج ويطلق حتى حسبت ان يكون

۱۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۵۰-۱۵۱ ج ۳ تذکرہ خروج حسین الی العراق وکیفہ مقتله

تہذیب تاریخ ابن عساکر، ص ۳۱۱ ج ۴ تذکرہ حسین ابن علی رضی اللہ عنہ

عداوة فی القبائل))^۱

”یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے عراق والو! کوفہ والو! حسن کو تزویج مت کر دو کیونکہ یہ بہت طلاق دینے والے آدمی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حسن بیاہ کرتے ہیں اور پھر طلاق دے دیتے ہیں حتیٰ کہ مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ چیز قبائل میں عداوت کا باعث بن جائے گی۔“

اور مختلف مزاج خواتین اور متنوع طباع ازواج سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سابقہ پڑا اور عموماً عورت کم فہم اور کج فطرت ہوتی ہے اس کی ناعاقبت اندیشی اور احسان فراموشی محتاج بیان نہیں۔ عورت جب کسی معاملے میں خاوند کے ساتھ ضد پر اتر آتی ہے تو وہ عواقب و نتائج کو برطرف کر کے سب کچھ کر گزرتی ہے (الا ماشاء اللہ)۔

پھر خصوصاً ایسے مواقع جہاں ضرار (سوکنوں) کے درمیان حسد و بغض کی آگ بھڑک اٹھی ہو یہ خار و خلش بعض اوقات پورے قبیلے اور خاندان کی بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہاں بھی قرین عقل و دانش یہی بات ہے کہ زہر خورانی کا واقعہ اگر فی الواقع درست ہے تو بلاشبہ امام مرحوم کے لیے ان سوکنوں کے آپس میں تحاسد و تباغض اور کینہ و عداوت نے یہ مصیبت عظمیٰ پیدا کر ڈالی جس کی وجہ سے حضرت موصوف جانبر نہ ہو سکے۔ اس معاملے کو کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرنا قیاس و قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ اور یہ ایک واقعہ کے قوی قرآن اور اسباب کو پس پشت ڈال کر خیالات و اہیہ اور محتملات رکیکہ کو پیش نظر رکھنا انصاف پسند اور عقل مند حضرات کے نزدیک صحیح نہیں۔

نیز یہ بات بھی قابل تامل ہے کہ ان اکابر ہاشمی حضرات کے خانگی انتظام میں اتنا تساہل پایا جائے اور اتنی بے ضابطگی ہو کہ ان کے اہل خانہ کی خواتین کے ساتھ کسی مخالف و معاند کی طرف سے رابطہ قائم ہو اور وہ ایسے خطرناک و مہلک معاملے تک رسائی پیدا کر لے، یہ چیز بہت مشکل ہے اور ان حضرات کے دیانتدارانہ طرز معاشرت کے برعکس ہے اور ان کے بے داغ کردار کو داغدار بنانے کے مترادف ہے۔ فلہذا اہل خانہ کے سوا کسی غیر آدمی کی طرف زہر خورانی کی نسبت کرنا کسی صورت میں درست نہیں۔

⑤ گزارشات بالا کے اختتام پر ایک اور چیز عرض کرنا ہم مناسب خیال کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مشہور قول کے موافق سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۹ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی۔ جب ان کا جنازہ تیار ہوا تو جنازہ کی نماز اس وقت کے مدینہ کے والی سعید بن عاص اموی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی (جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ کے حاکم تھے) اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو نماز

جنازہ پڑھانے کے لیے مقدم کیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ طریقہ (حاکم کا نماز جنازہ پڑھانا) مستون نہ ہوتا تو میں تمہیں مقدم نہ کرتا۔

((كان اميرا على المدينة فقدمه الحسين للصلوة عليه وقال لولا انها السنة لما قد منك))^۱

جنازہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔

مختصر یہ ہے کہ اگر زہر خورانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے تھی تو پھر ان ہاشمی حضرات نے اموی حاکم سے امام مرحوم کے جنازہ پڑھوانے کی کس طرح پیش کش کر دی؟ بلکہ ان کو تو جنازے میں شامل بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ زہر خورانی کا قصہ ایک مدت دراز کے بعد راویوں نے تصنیف کر کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کر دیا ہے اور یہ نسبت بالکل غلط ہے (جیسا کہ اوپر کی گزارشات میں ذکر کیا گیا)

حاصل یہ ہے کہ اس وقت کے ہاشمی اکابر کے اقوال و اعمال سے کسی طرح بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان کے نزدیک اس فعل شنیع کے ارتکاب کرنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ گزارشات بالا پر نظر کرنے سے ایک صاحب بصیرت آدمی واقعہ ہذا کی صحت و سقم کو خوب سمجھ سکتا ہے۔ البتہ زینغ عن الحق کا کوئی علاج نہیں ہے۔

۱۔ اسد الغابہ (ابن اثیر) ص ۱۵ ج ۲ تحت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

مقال الطالین (ابو الفرج اصفہانی شیبی) ص ۵۱ جز اول آخر تذکرہ امام حسن۔ طبع بیروت

المعرفہ والتاریخ (یعقوب بن سفیان بسوی) ص ۲۱۶ ج ۲ تحت ۵۲۴

وفات حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت اور اس کا

جواب

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ اور دیگر شرکائے مجلس موجود تھے اس وقت حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آچکی تھی چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خبر شرکائے مجلس کو دی تو مقدم رضی اللہ عنہ نے کلمہ استرجاع (انا للہ وانا الیہ راجعون) کہا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا تم اسے مصیبت خیال کرتے ہو کہ کلمہ استرجاع کہا ہے؟ مقدم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس کو مصیبت کیوں نہ تصور کروں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی گود میں بٹھایا اور فرمایا: هذا منی و حسین من علی۔ وہاں قبیلہ بنی اسد کا ایک شخص بیٹھا تھا اس نے کہا: جمرہ اطفاءھا اللہ۔ مقدم رضی اللہ عنہ یہ سن کر ناراض ہو گئے اور کہا کہ میں تمہیں غضبناک کروں گا اور ایسی باتیں سناؤں گا جنہیں تم مکروہ جانتے ہو (یہ روایت کا ابتدائی حصہ ہے)۔

اور روایت ہذا کے آخری حصہ میں بھی قابل اعتراض چیزیں مذکور ہیں (جیسا کہ ذکر آ رہا ہے)۔ اس تمام روایت سے معترض لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف متعدد طعن تیار کرتے ہیں مثلاً:

① حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصیبت شمار کرنے پر تعجب کا اظہار کیا، گویا کہ ان کے نزدیک وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مصیبت نہیں تھی بلکہ اچھی چیز اور مطلوب تھی۔

② روایت ہذا میں مقدم رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ ”هذا منی و حسین من علی“ یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اتنی گراں قدر ہستی تھے کہ ان کے حق میں یہ ارشاد نبوی موجود ہے۔

③ نیز ایک اسدی شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اطفاء جمرہ (انگارہ بجھ جانے سے) تعبیر کیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی گرفت نہیں کی۔

④ ان حالات میں مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور انہوں نے ممنوع اشیاء کے ارتکاب کا طعن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیا۔

یہ چیزیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر خوشی تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ایک مصیبت ختم ہو گئی اور فتنہ فرو ہو گیا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اشیائے ممنوعہ کے ارتکاب میں ملوث تھے جس طرح کہ مقدم رضی اللہ عنہ نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

جواب

یہ روایت جو مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے راویوں نے ذکر کی ہے اور یہاں سے چند قابل اعتراض چیزیں مرتب کی ہیں اس کے متعلق ذیل میں کلام کیا جاتا ہے جس کی اجمالاً ترتیب درج ذیل ہے:

پہلے روایت ہذا کی سند پر کلام ہوگا، اس کے بعد وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو مصیبت شمار کرنے پر تعجب کے مسئلے پر گفتگو ہوگی، پھر حضرت مقدم رضی اللہ عنہ سے جو حدیث منقول ہے اس پر اختصاراً بحث ہوگی، اور آخر میں اشیائے ممنوعہ کے ارتکاب کے جواب کی وضاحت درج ہوگی (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

سند پر کلام

پہلی چیز یہ ہے کہ صحت اعتراض کے لیے یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ وہ روایت جس سے اعتراض قائم کیا گیا ہے وہ فی الواقع صحیح سند سے ثابت ہو۔ اگر وہ صحیح سند سے ثابت نہیں تو اسے اعتراض کی بنیاد بنانا بے محل اور بے جا ہے اور اس کا جواب پیش کرنا ضروری نہیں رہتا۔ ذیل میں سند پر کلام کیا جاتا ہے:

اس روایت کے راویوں میں ایک شخص بقیہ بن ولید ہے اس کی توثیق بھی ذکر کی گئی ہے لیکن اس پر متعدد علمائے رجال نے جرح و تنقید کر دی ہے جو درج ذیل ہے۔ الجرح مقدم علی تعدیل ہوتی ہے فلہذا اس کے بعد اس کی یہ روایت قابل استدلال نہیں اور اس کو تسلیم کرنا مشکل ہے۔

بقیہ بن ولید کے متعلق علمائے تراجم نے لکھا ہے کہ:

((فاذا قال عنه فليس بحجة..... قال ابو حاتم..... لا يحتج به قال ابو مسهر
احادیث بقیہ لیست نقیة فکن منها علی تقیة..... قال ابن خزیمة لا احتج
ببقیة))^۱

مذکورہ بالا کوائف سے مزید یہ بات ابن حجر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ

((قال البيهقي في الخلافيات اجمعوا علی ان بقیة لیس بحجة))^۲

یعنی جب بقیہ بن ولید اپنے شیخ سے روایت کو عن سے ذکر کرے تو وہ حجت نہیں۔ (جیسا کہ روایت

۱ میزان الاعتدال (ذہبی) ج ۱ تحت بقیہ بن ولید

۲ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۴۷۸ ج ۱ تحت بقیہ بن ولید

الکامل (ابن عدی) ص ۵۰۳ ج ۲ تحت بقیہ بن ولید

پیش کردہ میں بقیہ عن بحیر مذکور ہے۔

● ابو حاتم کہتے ہیں کہ بقیہ قابل حجت نہیں۔

● ابوسعہ کہتے ہیں کہ بقیہ کی روایات صاف نہیں ان سے بچ کر رہنا چاہیے۔

● ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ میں بقیہ کی روایات کے ساتھ حجت نہیں پکڑتا۔

● اور بیہقی نے خلافت میں ذکر کیا ہے کہ علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ بقیہ قابل حجت اور قابل استدلال نہیں۔

اور اس روایت پر نقد قبل ازیں کبار علماء (حافظ منذری و خطابی وغیرہ) فرما چکے ہیں چنانچہ اس کے تحت مختصر سنن ابی داؤد (منذری) میں ذکر کیا ہے کہ وفی اسنادہ بقیہ بن الولید وفیہ مقال لغلظہذا روایت بالا اعتراض کے مقام پر لائق استدلال نہیں اور اس کے ذریعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کرنا صحیح نہیں۔

وفات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خبر پر گفتگو

نیز یہ چیز قابل غور ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع پانے پر حضرت مقدم رضی اللہ عنہ نے انا للہ کہا تو وہاں ایک شخص (یا بقول معترض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ تم اس کو مصیبت شمار کرتے ہو؟ یہ کلام نہایت عجیب ہے جب کہ شریعت اسلامی میں جب کوئی مصیبت پہنچے تو کلمہ استرجاع کہنے کی ہدایت موجود ہے۔ فرمان خداوندی ہے: إِذَا أَصَابْتَهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ لَرَاغِبُونَ اور احادیث نبوی رضی اللہ عنہم میں ہے کہ آنجناب رضی اللہ عنہم کے خانہ اقدس میں چراغ گل کیا گیا تو جناب نبی کریم رضی اللہ عنہم نے کلمہ استرجاع فرمایا۔ اہل خانہ نے عرض کیا کہ کیا یہ کوئی مصیبت ہے جس پر آنجناب رضی اللہ عنہم نے کلمہ استرجاع ارشاد فرمایا ہے؟ جناب رسول اللہ رضی اللہ عنہم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کے دل پر جو چیز بھی ناگوار گزرنے وہ مصیبت ہے۔ (او کما ذکر فی الحدیث)

ایک دیگر ارشاد نبوی ہے کہ جب کسی شخص کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ کلمہ استرجاع پڑھے فلیسترجع فانہ من المصائب کیونکہ یہ بھی ایک مصیبت ہے (او کما ذکر فی الحدیث)۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو مصیبت قرار دینے یا نہ قرار دینے کی گفتگو بہت قابل تعجب ہے۔ کیا یہ حضرات موت فوت کے احکام شرعی سے نابلد تھے؟ یا ان امور سے واقف ہونے کے باوجود ان پر عمل درآمد کرنے سے قاصر تھے؟

ان چیزوں کے علاوہ یہ مسئلہ توجہ کے قابل ہے کہ حضرت مقدم بن معدنی کرب رضی اللہ عنہ والی مذکورہ روایت میں اس واقعہ کا جو رنگ پایا جاتا ہے وہ دوسرا ہے اور کئی عجائبات کا حامل ہے۔ لیکن حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا یہی واقعہ دیگر روایات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی

موجودگی میں پیش آیا وہ دوسری طرح ہے۔ یعنی وہاں کوئی منکر کلمات یا ناروا گفتگو نہیں ہے بلکہ عام دستور کے مطابق تعزیت کی خبر ذکر کی گئی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تعزیت کا جواب احسن طریق سے ارشاد فرمایا جیسا کہ ان اکابر کی شان دیانت اور اوصاف شرافت کے موافق ہے۔ چنانچہ اس امر پر ذیل میں حوالہ جات پیش خدمت ہیں، ان پر نظر غائر فرمائیں۔ دقت نظر اور صحت فکر سے کام لے کر اس کا تجزیہ کریں کہ صحیح واقعہ کس طرح ہے؟

① ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اس مقام پر واقعہ ہذا کے متعلق ذکر کیا ہے کہ

((فلما جاء الكتاب بموت الحسن بن علي اتفق كون ابن عباس عند معاوية و عزاه فيه باحسن تعزية ورد عليه ابن عباس ردا حسنا كما قدمنا))^۱
 ”یعنی جناب حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات کی خبر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچی تو اتفاق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس موجود تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں اس خبر پر عمدہ طریقہ سے تعزیت کی اور پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہتر کلام کے ساتھ تعزیت کا جواب دیا۔“

اس واقعہ سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی تعزیت کا مسئلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جس طرح پیش آیا وہ ان کے اخلاق حمیدہ کے موافق ہے اور یہی ان حضرات کی شان دیانت کے مطابق ہے اور حضرت مقدم رضی اللہ عنہ والی مذکورہ روایت میں منکر اور ناپسندیدہ الفاظ کے ساتھ جو گفتگو پائی جاتی ہے وہ درست نہیں اور راویوں کے تصرفات سے خالی نہیں۔

② نیز اس موقع پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں تعزیت کے کلمات ذکر کرنے کے بعد مزید کلام کرتے ہوئے کہا:

((قال معاوية يا عجباً للحسن بن علي! شرب شربة عسل يمانية بماء رومة فقضى نحبه ثم قال لابن عباس لا يسوك الله ولا يحزنك في الحسن بن علي فقال ابن عباس لمعاوية لا يحزنني الله ولا يسؤني ما أبقى الله امير المؤمنين قال فاعطاه الف الف درهم وعروضا واشياء وقال خذها فأقسمها في أهلك))^۲

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۴ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

۲ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۸ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

تاریخ ابن عساکر (قلمی) ص ۷۳ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

”یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا جناب حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی وفات بھی قابل تعجب ہے کہ انہوں نے شہد کا شربت نوش فرمایا جو شہد یمانی کے ساتھ آب چاہ رومنہ کو ملا کر تیار کیا گیا تھا اور اس سے آپ کا انتقال ہو گیا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کی وفات پر اللہ تعالیٰ آپ کو مصیبت اور برائی سے محفوظ رکھے اور غم سے بچائے۔ جواب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو باقی اور سلامت رکھیں کہ آپ کے ہوتے ہمیں کوئی مصیبت اور غم نہیں پہنچے گا۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دس لاکھ درہم نقد اور مزید سامان اور مختلف اشیاء دیں اور کہا کہ یہ آپ قبول کر لیجیے اور اپنے اہل و عیال میں تقسیم کر دیجیے۔“

مورخین نے لکھا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر جب پہنچی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود بھی تعزیت کی جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے اور پھر ایک دوسرے وقت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بھیجا۔ یزید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں حاضر ہو کر بڑے بہتر طریقے سے عمدہ کلمات کے ساتھ تعزیت پیش کی اس فعل پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی قدر دانی کی اور شکر یہ ادا کیا۔

((وبعث معاویة ابنہ یزید فجلس یدی ابن عباس وعزاء بعبارة فصیحة وجیزة شکرہ علیہا ابن عباس))^۱

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کو افسوس ناک خبر ہی قرار دیا اور حسب دستور شرعی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں خود بھی تعزیت کی اور اپنے فرزند یزید کو بھی تعزیت و اظہار افسوس کے لیے روانہ کیا۔

یہ اس واقعہ کی ایک شکل ہے۔ اور اس موقع کی دوسری صورت حال وہ ہے جو حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ والی روایت میں مجروح و مقدوح راوی نے نقل کی ہے (اور طعن کرنے والوں نے اسے بڑا اچھالا ہے) امید ہے کہ انصاف پسند حضرات ان دونوں صورتوں میں سے اس چیز کو درست قرار دیں گے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شایان شان ہے اور ان کی دیانت و شرافت کے مطابق ہے۔

متن روایت کی نکارت

اس کے بعد یہ چیز بھی لائق توجہ ہے کہ حضرت مقدم رضی اللہ عنہ سے جو روایت (هذا منی و حسین من

۱۔ بیرومہ مدینہ شریف میں ایک کنواں تھا جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خرید کر اہل مدینہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۰۴ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۸ ج ۸ تحت ترجمہ یزید بن معاویہ

علی) منقول ہے اس کے متعلق علماء فرماتے ہیں کہ اس میں لفظاً و معنیاً نکارت پائی جاتی ہے یعنی یہ روایت معروف روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اس پر درج ذیل کلام کیا ہے کہ:

((وقال بقية عن بجير بن سعيد عن خالد بن معدان عن المقدم بن معدى كرب قال سمعت رسول الله ﷺ: "الحسن منى والحسين من على" فيه نكارة لفظاً ومعناً))^۱

روایت ہذا کے ایک راوی بقیہ بن ولید کے متعلق سابقاً ذکر کر دیا گیا ہے کہ وہ ضعیف اور مجروح ہے اور استدلال و استناد کے لائق نہیں فلہذا اس بنا پر ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے بھی اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس موقع کی عام روایات میں جو حسین شریفین رضی اللہ عنہما کے حق میں موجود ہیں ان میں دونوں حضرات کا جناب نبی اقدس ﷺ کی دختر طاہرہ کے نسب مبارک سے ہونے کی تصریحات صحیحہ مروی ہیں پھر یہاں یہ فرق کرنا کہ حسن مجھ سے ہیں اور حسین علی سے ہیں یہ امتیاز عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اور ان دونوں حضرات کے لیے جو فضائل صحیح روایات میں دستیاب ہوتے ہیں وہ بالکل درست ہیں۔ ان میں یہ تفریق اور یہ امتیاز مفقود ہے۔ اس مقام پر ایک دیگر چیز بھی قابل توجہ ہے کہ نبی اقدس ﷺ سے یعلیٰ بن مرہ عامری مرفوعاً ذکر کرتے ہیں کہ آنجناب ﷺ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کرتے ہوئے ان کی تعظیم فرمائی (یعنی ان کو چوما) اور ارشاد فرمایا:

((حسین منى وانا من حسين، اللهم احب من احب حسينا، حسين سبط من الأسباط))^۲

”مطلب یہ ہے کہ حسین مجھ سے ہیں (میری اولاد سے ہیں) اور میں حسین سے ہوں (میرا اور حسین کا نسبی تعلق ہے۔ میں نانا ہوں) اے اللہ! جو حسین سے محبت رکھے تو اس کے ساتھ محبت فرما اور حسین نو اسوں میں سے نواسے ہیں۔“

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۶ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ ذکر وفات حسن بن علی رضی اللہ عنہما

۲ الطح الربانی ترتیب مسند احمد ج ۲۳ تحت الباب الرابع وفات امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما (روایت نمبر ۳۶۵)

۳ کتاب فضائل الصحابہ (امام احمد) ۷۷۲ روایت ۱۳۶۱ تحت فضائل حسین شریفین رضی اللہ عنہما

۴ الاحسان بترتیب الصحیح (ابن باری) ص ۵۹ ج ۱۰ تحت ذکر اثبات محبۃ اللہ لخصی الحسن بن علی رضی اللہ عنہما

۵ مکتوٰۃ شریف ص ۵۷ بحوالہ ترمذی (تحت مناقب اہل بیت)

یہ روایت متعدد محدثین نے باسند ذکر کی ہے مثلاً امام احمد اور امام ترمذی اور ابن حبان وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ اسی طرح حسین شریفین رضی اللہ عنہما کے فضائل میں ایک ذخیرہ روایات دستیاب ہوتا ہے ان میں سے صحیح مواد پر نظر کرنے سے علی العموم زیر بحث روایت مذکورہ (ہذا منی و حسین من علی) کی تائید نہیں پائی جاتی۔

فلہذا ہماری جستجو کی حد تک اس روایت کا دوسرا متابع اور شاہد نہیں پایا گیا تو قواعد کی رو سے یہ روایت معروف روایات کے خلاف ہونے کی بنا پر منکر ہوئی (جیسا کہ حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ کی تصریح ماقبل میں ذکر کر دی گئی ہے کہ اس میں نکارت پائی جاتی ہے اور منکر روایت قابل قبول نہیں ہوتی)۔

اطفاء جمرہ

روایت ہذا میں ایک شخص اسدی کا قول حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیا گیا ہے (جمرة اطفاءھا اللہ) یہ اسدی کون شخص ہے؟ واللہ اعلم کس مزاج کا آدمی ہے؟ بظاہر یہ ہے کہ یہ شخص حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کے خلاف ذہن رکھتا ہے اور اس کے ان کلمات سے اس کی عداوت قلبی ظاہر ہے۔ اگر اس واقعہ کو تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیا جائے تو اس کا یہ قول ناروا اور قبیح ہے۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض قائم کرنا کہ انھوں نے اسدی کے اس قول پر مواخذہ نہیں کیا، یہ محض احتمال کے درجے میں ہے۔ خدا جانے اس وقت کیا صورت احوال تھی اور کیا کچھ وہاں پوری گفتگو ہوئی؟ اور کس قدر ناقلین نے نقل کی اور کس قدر ترک کر دی؟

نیز ہر فرد کے شخصی رجحانات الگ الگ ہوتے ہیں اور ہر شخص واقعات میں ایک دوسری رائے رکھتا ہے جس پر دیگر شخصیات کا کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر گرفت اور مواخذہ کیا ہو اور ناقلین رواۃ نے اسے ذکر نہیں کیا۔ اور عدم ذکر اشی سے ذکر عدم اشی لازم نہیں آتا۔ اس کے آخر میں اس امر کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ حضرت مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو محدثین نے دیگر مقام پر بھی ذکر کیا ہے لیکن وہاں نہ اسدی مذکور ہے اور نہ یہ کلمہ (جمرة اطفاءھا اللہ) منقول ہے۔ یہاں سے راویوں کے تصرفات کا اندازہ ہو سکتا ہے کسی راوی نے یہ جملہ مذکورہ اعتراض والی روایت میں اضافہ فرمادیا ہو کہ اعتراض کی بحث گرم رہے اور سلسلہ طعن جاری رہے۔ فافہم۔

ممنوع اشیاء کے ارتکاب کا طعن

معارض دوست روایت مذکورہ کے آخری حصے سے یہ اعتراض تجویز کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ پہنچے (اور کچھ دوسرے ساتھی بھی ان کے ساتھ تھے)۔ گفتگو کے دوران میں مقدم رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں یہ چیز ذکر کی کہ سونے اور حریر (ریشم) کے پہننے اور جلو دسباع کے استعمال سے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا یا نہیں؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ ان

چیزوں کے استعمال سے نبی اقدس ﷺ نے واقعی منع فرمایا ہے اس کے بعد مقدم رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ
 ((فوالله لقد رأيت هذا كله في بيتك يا معاوية))

”یعنی اللہ کی قسم! یہ تمام چیزیں میں نے آپ کے گھر میں دیکھی ہیں۔“

تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ میں تمہارے اعتراض سے نہیں بچ سکوں گا۔
 معترض اس روایت سے یہ اعتراض قائم کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا ہر سہ اشیاء کا استعمال حضرت معاویہ
 رضی اللہ عنہ کرتے تھے جن کے استعمال سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ گویا شرعی احکام کے خلاف ان کا طرز
 عمل تھا اور منہیات کے مرتکب تھے۔

اس چیز کے جواب کے لیے معروضات ذیل پیش خدمت ہیں ان کی طرف توجہ فرمائیں:

① روایت ہذا کی سند پر سابقاً کلام کر دیا ہے کہ یہ مجروح ہے اگر سند پر جرح کرنے سے صرف نظر کر
 لی جائے تب بھی دوسری یہ بات قابل غور ہے کہ یہی روایت اسی سند کے ساتھ امام بیہقی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب
 ”السنن الکبریٰ“ میں نقل کی ہے لیکن اس میں وہ تمام الفاظ جو بنائے اعتراض ہیں (قال فوالله لقد
 رأيت هذا كله في بيتك يا معاوية فقال معاوية قد علمت اني لن انجو منك يا مقدم)
 نہیں پائے جاتے۔

یہاں سے رواۃ کی طرف سے روایت میں تصرف پائے جانے کی نشاندہی ہوتی ہے اور راوی کی جانب
 سے روایت میں اضافہ کا سراغ ملتا ہے۔

② نیز یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حمص کے مقام پر خطبہ دیا اور
 خطبے میں آپ نے ذکر کیا کہ نبی اقدس ﷺ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور منع فرمایا ہے میں ان کو
 تمہارے ہاں پاتا ہوں اور ان کے ارتکاب سے تمہیں منع کرتا ہوں۔ وہ چیزیں یہ ہیں:

((النوع والشعر والتصاوير والتبرج وجلود السباغ والذهب والحريرا))^۱

مذکورہ ممنوعہ اشیاء کی منع کی روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے دیگر کئی مقامات پر بھی نقل کی گئی ہے۔

③ مثلاً محدث نسائی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب سنن نسائی (کتاب اللباس باب تحریم الذهب علی الرجال)
 میں اپنی سند کے ساتھ ابوشیخ ہنائی کے ذریعے سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی متعدد روایات ذکر کی ہیں جس
 میں مذکور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجاز (مکہ و مدینہ) میں خطبات دیے، ان خطبات میں یہ مسئلہ ذکر کیا

۱ مسند احمد بن حنبل ص ۱۰۱ ج ۴ تحت منادات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

مسند احمد بن حنبل ص ۹۲ ج ۴ تحت منادات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

السنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۲۷۷ ج ۳ باب ما ننہی عن المراكب

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۶ ج ۸ تحت کتاب العقیقہ طبع کراچی

کہ اے مہاجرین و انصار! تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حریر اور ریشم کے لباس سے منع فرمایا ہے؟ حاضرین نے کہا کہ بے شک اسی طرح ہے پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا سونے کے پہننے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ بے شک منع فرمایا ہے۔

اور بعض روایات کے اعتبار سے اس کلام کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انا اشہد یعنی میں بھی اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات بالکل اسی طرح ہے۔

((اخبرنا ابو شیخ الہنائی قال سمعت معاویة وحواله ناس من المهاجرین

والانصار وقال لهم اتعلمون ان رسول الله ﷺ نهى عن لبس الحریر قالوا

اللهم نعم قال ونهى عن لبس الذهب الا مقطعا قالوا نعم))^۱

تو یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان اشیاء کے ارتکاب سے منع کو نبی اقدس ﷺ سے خود نقل کرنے والے ہیں تو پھر وہ خود ان امور کے کیسے مرتکب ہو سکتے ہیں؟ درآں حالے کہ نصوص قطعی ان کے پیش نظر تھیں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۗ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ**

اور اگر یہ کہا جائے کہ ان کو ان اشیاء کے استعمال کی منع تو معلوم تھی لیکن انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور ان امور کے مرتکب ہوئے تو یہ چیز بہت مشکل ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت اور مقام عدالت سے بعید ہے اور ان کے کردار و اخلاق کے خلاف ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرعی احکام کے پابند تھے اور شریعت پر عمل کرنے والے تھے یہ چیزیں غلط طور پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ اس نوع کی روایات مقام صحابہ کو مجروح نہیں کر سکتیں اور ایسی روایات قابل اعتبار نہیں اور محدثین نے یہاں ایک قاعدہ ذکر کیا ہے اس کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے گا:

((فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفى كل رذيلة عنهم واذا انسدت

الطرق (طرق تاویلها) نسبنا الكذب الى الرواة))^۲

”یعنی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن رکھنے اور ہر عیب کی چیز

سے نفی کرنے کے ہم مامور ہیں اور جب تاویل و توجیہ کے طریقے مسدود ہو جائیں تو ہم جھوٹ

اور دروغ کی نسبت راویوں کی طرف کر دیں گے۔“

فلہذا ان قواعد کے پیش نظر مذکورہ قسم کی طعن پیدا کرنے والی روایات ہرگز قبول نہیں ہو سکتیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کردار ان کے پیش نظر مجروح نہیں ہو سکتا اور اسلام کی اس نامور شخصیت کے دامن کو ان چیزوں سے داغدار نہیں کیا جاسکتا۔

۱ سنن نسائی ص ۲۳۲ ج ۲ باب تحریم الذهب علی الرجال، کتاب اللباس طبع دہلی

۲ شرح مسلم شریف (امام نووی) ج ۲ باب حکم النبی (تحت الجہاد والسر) بحوالہ ماہری۔

استلحاق زیاد کا مسئلہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر جو مطاعن طعن کرنے والوں کی طرف سے وارد کیے جاتے ہیں ان میں سے ایک مشہور طعن ”استلحاق زیاد بن سمیہ“ ہے۔ یعنی زیاد بن سمیہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ لاجن کر کے نسبی برادر قرار دیا۔ اور یہ ”استلحاق“ خاص سیاسی مصالح کے لیے کیا گیا تھا اور یہ امر شرعی قواعد کے برخلاف تھا۔

ازالہ

اس مسئلے کی وضاحت کے لیے ہم چند امور بطریق ذیل پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے مسئلہ ہذا کی اصل صورت حال واضح ہو جائے گی:

- ① زیاد بن ابیہ کے ذاتی کوائف (نام، کنیت، خاندان، ولادت، وفات وغیرہ)
- ② زیاد کی لیاقت و صلاحیت اور اکابرین امت کا اس کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنا۔
- ③ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں واقعہ استلحاق اور تصویر مسئلہ کے دو پہلو۔
- ④ یہ شخص زیاد بن ابیہ کے نام سے مشہور ہے جو بعد میں زیاد بن ابی سفیان کے نام سے پکارا گیا۔ اور عبید مولیٰ ثقیف کے فراش پر اس کا تولد ہوا تھا اس لیے اس کو زیاد بن عبید بھی کہا گیا اسے اپنی والدہ کی نسبت سے زیاد بن سمیہ بھی کہہ دیتے تھے۔ اس کی ماں کے نام کے سلسلے میں متعدد اقوال مورخین ذکر کرتے ہیں اس کی والدہ کا نام سمیہ بنت ابی بکرہ بتایا جاتا ہے اور اس کی والدہ کا ایک دوسرا نام اسماء بنت اعور بھی بعض مورخین نے لکھا ہے۔ زیاد کی کنیت ابو مغیرہ تھی۔

عام الفتح میں طائف کے مقام پر اس کی ولادت ذکر کی گئی ہے اور بعض مورخین نے اس کی ولادت عام ہجرت بھی بتائی ہے۔ زیاد کے والدہ کی طرف سے ایک مشہور اخیانی بھائی ابو بکرہ ہیں جن کا نام (نفسج بن مسروح) بتایا جاتا ہے ان کی ماں کا نام سمیہ بنت ابی بکرہ ہے بیان کرتے ہیں کہ یہ اہل اسلام کے محاصرہ طائف کے دوران میں مسلمان ہوئے۔

زیاد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۵۳ھ یا عند بعض ۵۴ھ میں فوت ہوا اور وہ اس

وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے بصرہ و کوفہ پر امیر تھا۔ اہل تراجم نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ زیاد بن سمیہ صحابی نہیں ہے۔ (حوالہ جات کے لیے درج ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے)۔
 ② اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ زیاد کے لیے صحبت نبوی حاصل نہیں اور نہ اس سے کوئی مرفوع روایت مروی ہے لیکن یہ شخص فطری طور پر نہایت قابل، باصلاحیت اور فصیح اللسان تھا۔ تدبیر سیاست میں بہترین رائے رکھتا تھا اور عمدہ انتظامی صلاحیتوں کا حامل تھا۔ چنانچہ عہد علوی میں ایک موقع پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی اہلیت کے پیش نظر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ رائے پیش کی تھی کہ زیاد پختہ رائے رکھتا ہے اور سیاسی امور میں ماہر ہے اس بنا پر اس کو فلاں فلاں علاقے کا والی بنایا جائے۔

((فاستشار علی الناس فیمن یولیہ علیہم فأشار ابن عباس وجاریۃ بن قدامة ان یولی علیہم زیاد بن ابیہ فانہ صلیب الرأی عالم بالسیاسة فقال علی ہو لها فولاه فارس و کرمان وجہزہ الیہما فی اربعة الاف فارس))

”مطلب یہ ہے کہ فارس اور کرمان کے علاقہ جات میں بعض شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور خلیفہ وقت کی مخالفت میں زحمانات پیدا ہو گئے اور وہ لوگ خراج کی ادائیگی اور دیگر حقوق میں کوتاہی کرنے لگے۔ ان حالات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان علاقوں میں کسی مدبر حاکم اور والی کی ضرورت تھی آپ نے مشورہ طلب کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جاریہ بن قدامہ نے یہ مشورہ دیا کہ زیاد صاحب الرائے ہے اور امور سیاست میں مہارت رکھتا ہے لہذا اس کو وہاں کا والی بنا دیا جائے چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ قبول فرما کر فارس اور کرمان کے علاقے میں زیاد بن ابیہ کو والی اور حاکم بنا کر اسپ سواروں کا ایک دستہ دے کر روانہ کیا۔“

چنانچہ زیاد نے مذکورہ علاقوں میں پہنچ کر شورشیں ختم کر دیں، حالات خلیفہ کے حق میں سازگار بنا دیے اور خراج و دیگر حقوق کی ادائیگی کے معاملات کو درست کر کے واپس ہوا۔ بقول مورخین ۳۹ھ میں یہ واقعہ پیش آیا تھا نیز شیعہ مورخین نے بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد ولایت میں زیاد کو

۱ طبقات ابن سعد ج ۱ تحت زیاد بن ابی سفیان

المعارف (ابن قتیبہ) ص ۱۵۱ ج ۱ تحت اسما الخلفاء

تہذیب الاسماء (نودی) ص ۱۹۸، ۱۹۹ ج ۱ تحت زیاد بن سمیہ

الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

۲ الہدایہ (ابن کثیر) ص ۳۲۰ ج ۲ تحت سنہ ۳۹ھ

تاریخ ابن جریر طبری ص ۲۲۳ ج ۵ تحت سنہ ۳۹ھ

فارس کا راکم اور والی بنایا تھا اور جناب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں زیاد کا حکومت کے اہم مناصب پر فائز کیا جانا مسلمات میں سے ہے۔ مورخین کے نزدیک عہد علوی میں اس کے کارنامے ناقابل انکار حقیقت کے درجے میں ہیں۔ ہم نے قبل ازیں زیاد کے متعلقات سیرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں ”بعض انتظامی امور“ کے عنوان کے تحت مختصراً بیان کر دیے ہیں۔

زیاد کی صلاحیتوں کو حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے بالفاظ ذیل تحریر کیا ہے:

((وكان يضرب به المثل في حسن السياسة ووفور العقل وحسن الضبط لما

يتولاه))^۱

”یعنی حسن سیاست، کمال عقل اور عمدہ نظم و ضبط کی صلاحیتوں میں ایک ضرب المثل فرد تھا۔“

زیاد بن ابیہ کی ایک اور صلاحیت و اعتماد کا ذکر کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ وہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت میں انشاء پردازی اور کاتب کے منصب پر فائز رہا ہے۔ مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ، عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم کے ہاں اس نے یہ خدمات سر انجام دی ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی مواقع پر زیاد کو اس کی اہلیت اور اعتماد کی بنا پر اپنا نائب بھی بنایا۔ اور یہ چند چیزیں علمائے تراجم نے متعدد مقامات پر ذکر کی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ زیاد کی توثیق کے بارے میں کبار علماء نے جو کچھ تحریر کیا ہے اس میں مندرجہ ذیل جملے

بھی پائے جاتے ہیں:

((قال العجلي تابعي ولم يكن يتهم بالكذب))^۲

”یعنی زیاد (صحابی نہیں) تابعی ہے (لیکن دیانت دار ہے) دروغ گوئی نہیں کرتا۔“

اگر اس کے یہ اوصاف اس کے نسب پر اثر انداز نہ ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے ان کمالات سے پورا فائدہ اٹھایا اور اسے اعلیٰ ذمہ داریاں بخشیں، اور اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی ان صلاحیتوں کی قدر کرتے ہوئے حقیقت حال کا سراغ لگا لیا اور اس بات کی توثیق کی کہ ان کے والد کا سہیہ

۱۔ اخبار الطوال (دینوری شیبی) ص ۲۱۹ تحت زیاد بن ابیہ (طبع مصر)

۲۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

۳۔ تہذیب الاسماء (نودی) ص ۱۹۸-۱۹۹ ج ۱ تحت زیاد بن سہیہ

العارف (ابن قتیبہ) ص ۱۵۱ تحت اسماء الخلفاء

الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

الحجر (ابو جعفر بغدادی) ص ۳۷۸ تحت اسماء اشراف الکتاب

۴۔ الاصابہ (ابن حجر) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

سے جاہلیت کے دور کا کوئی نکاح ہوا تھا، تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

③ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ادوار خلافت گزر جانے کے بعد جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو اس وقت آپ کو زیاد بن ابیہ کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ آپ نے اس کی ذاتی اہلیت و فطرتی صلاحیت کی بنا پر اسے حکومت کے بعض مناصب پر فائز کیا۔

استلحاق زیاد کا واقعہ ۴۲ھ میں

مورخین اور دیگر اس فن کے علماء نے اپنی تفصیلات کے ساتھ نقل کیا ہے اور اسے بہت طول دے دیا ہے لیکن اصل واقعہ مختصراً اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام سے قبل دور جاہلیت میں طائف میں بعض دفعہ اپنی ضرورت کے لیے گئے اور وہاں سمیہ نامی ایک عورت کے ساتھ اس دور کے رسم و رواج کے مطابق نکاح کیا۔ اس عورت کے بطن سے زیاد بن سمیہ متولد ہوا تو سمیہ نے زیاد کے تولد کی نسبت ابوسفیان سے کی اور ابوسفیان نے بھی اس کا اقرار کیا۔ مگر یہ انتساب عام لوگوں میں مشہور نہیں ہوا بلکہ مخفی رہا۔ جیسا کہ مشہور مورخ عبدالرحمن بن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

((كانت سمیة ام زیاد مولاة للحارث بن كندة الطیب، وولدت عنده ابا بكرة، ثم زوجها بمولى له وولدت زيادا وكان ابوسفیان قد ذهب الى الطائف في بعض حاجاته فاصابها بنوع من انكحة الجاهلية وولدت زيادا هذا ونسبته الى ابي سفیان وافر لها به الا انه كان يخفيه))^۱

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جاہلیت کے رسم و رواج کے مطابق زیاد کا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف انتساب ہوا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی اقرار کر چکے تھے مگر یہ نسبت عام لوگوں میں مشہور نہ تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بقول بعض مورخین زیاد بن سمیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبی استلحاق کی خواہش ظاہر کی۔ دیگر مورخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد بن سمیہ کو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ لاحق کرنے کا ارادہ کیا اور پھر اس معاملے کے متعلق شواہد طلب کیے۔

چونکہ اسلام میں جاہلیت کے نکاحوں کی اولاد کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا اور اولاد کی اپنے آباء سے نفی نہیں کی گئی۔ اس بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کی ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نسبت کو بر حال رکھتے ہوئے اپنے ساتھ نسبی استلحاق کا معاملہ کیا۔

اس سلسلے میں ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے استلحاق زیاد کا

واقعہ ۴۴ھ میں پیش آیا تھا اور اس معاملے (زیاد بن سمیہ کے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبی اغتساب) پر شواہد طلب کیے اور درج ذیل شاہدوں زیاد بن اسماء حرمازی، مالک بن ربیعہ سلولی، منذر بن زبیر، جویریہ بنت ابی سفیان، مسور بن قدامہ باہلی، ابن ابی نصر ثقفی، زید بن نفیل ازدی، شعبہ بن علقم مازنی، عمرو بن شیبان کے قبیلہ کے ایک شخص اور بنی مصطلق قبیلہ کے ایک شخص نے شہادت دی کہ ابوسفیان نے زیاد بن سمیہ کے حق میں اپنے فرزند ہونے کا اقرار کیا تھا۔ خصوصی طور پر ان میں سے منذر بن زبیر نے اس بات کی بھی گواہی دی کہ انہوں نے یہ بات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنی تھی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس بات کا اقرار کیا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ ایام جاہلیت کے اس واقعہ پر مذکور بالا تمام شاہدوں نے اثبات میں گواہی دی۔

((وكان استلحاق معاوية له في سنة اربع واربعين وشهد بذلك زياد بن اسماء الحرمازي ومالك بن ربيعة السلولى والمنذر بن الزبير فيما ذكر المدائني باسانيده وزاد في الشهود جويرية بنت ابى سفيان والمسور بن قدامة الباهلى وابن ابى نصر الثقفى وزيد بن نفيل الازدى وشعبة بن العلقم المازنى ورجل من بنى عمرو بن شيبان ورجل من بنى المصطلق شهدوا كلهم على ابى سفيان ان زيادا ابنه الا المنذر فيشهد انه سمع عليا يقول اشهد ان ابا سفيان قال ذلك))^۱

اور ابن خلدون رحمہ اللہ کے الفاظ میں یہ معاملہ اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

((ورأى معاوية ان يستميله باستلحاقه، فالتمس الشهادة بذلك ممن علم

لحوق نسبه بابى سفيان- فشهد له رجال من اهل البصرة والحقة))^۲

”یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے ٹھہری کہ زیاد کا اپنے ساتھ استلحاق کر لیا جائے۔ اس کے بعد

آپ نے اس بات پر شہادت تلاش کی اور جو لوگ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ زیاد کے نسب کے الحاق

کو جانتے تھے ان سے شہادت حاصل کی چنانچہ اہل بصرہ میں سے متعدد افراد نے اس بات پر

گواہی دی اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو اپنے ساتھ لاحق کر لیا۔“

حاصل کلام یہ ہے کہ ان شواہد کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ استلحاق کیا تھا اور ساتھ ہی یہ بات بھی

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس مسئلے کو اپنی رائے میں حق سمجھ کر حق کی حمایت کی تھی اور

۱ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ۔

۲ تاریخ علامہ ابن خلدون ص ۱۵ ج ۳ تحت استلحاق زیاد

کسی قلت کو کثرت میں بدلنے یا کسی ذلت سے عزت حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا۔ علامہ ابن خلدون رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کو عبارت ذیل نقل کیا ہے اور تاریخ طبری میں بھی اسی طرح ہے:

((وقال معاویة) انی لا اتکثر بزیاد من قلة ولا اتعزز به من ذلة ولكن عرفت

حق الله فوضعتہ موضعه))

اہل تراجم لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد زیاد نے اس معاملے کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے یوں کہا کہ اس معاملے کے بارے میں گواہوں نے جو گواہی دی ہے اگر وہ برحق ہے تو الحمد للہ، اور اگر یہ بات واقع میں درست نہیں ہے تو میں ان گواہوں کو اللہ تعالیٰ اور اپنے درمیان ذمہ دار ٹھہراتا ہوں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((فخطب معاویة فاستلحقه فتکلم زیاد فقال ان کان ما شهد الشهود به حقاً

فالحمد لله وان یکن باطلا فقد جعلتہم بینی وبين الله))

مسئلہ ہذا کا دوسرا رخ

مسئلہ ہذا کے متعلق یہ ایک رخ تھا جو ان تفصیلات کے ساتھ بقدر ضرورت لکھا گیا ہے۔ اب اس واقعہ کا دوسرا رخ تحریر کرنا مناسب سمجھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ”استلحاق زیاد“ کے واقعہ کو اس دور کے بعض دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم درست نہیں سمجھتے تھے اور وہ حضرات اس معاملے میں بایں طور معترض تھے کہ شرعی قاعدہ (الولد للفراس وللعاہر الحجر) یعنی اولاد اسی کی شمار کی جاتی ہے جس کے ہاں پیدا ہو اور بغیر نکاح والے کے لیے پتھر کی سزا ہے، صحیح ہے اور اس کا خلاف کرنا ناجائز ہے۔

اور علمائے کرام نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ ایک گونہ توجیہ ذکر کی ہے کہ روایت الولد للفراس وللعاہر الحجر کا قاعدہ صحیح ہے لیکن اس کا محمل اس وقت درست ہے جب صاحب فراس کی طرف سے اولاد کے حق میں دعویٰ پایا جائے۔ اور اگر صاحب فراس کی طرف سے دعویٰ نہیں پایا گیا لیکن اس کے مقابلے میں دوسرے شخص نے اولاد کا اقرار کر رکھا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس اقرار (اور عدم دعویٰ صاحب فراس) کی بنا پر اس الحاق کو جائز سمجھتے تھے خصوصاً اس حالت میں کہ یہ اقرار دور جاہلیت میں کیا گیا تھا۔

((بل الظاهر انه حمل قول النبی ﷺ: "الولد للفراس وللعاہر الحجر"

۱ تاریخ علامہ ابن خلدون ص ۱۶ ج ۳ تحت اختلاف زیاد

تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۲۳ ج ۶ تحت سنہ ۳۴ھ ذکر الخمر عن سب عزلہ

۲ الاصابہ (ابن حجر عسقلانی) ص ۵۶۳ ج ۱ تحت زیاد بن ابیہ

علی ما اذا ادعی صاحب الفراش كما ادعی عبد بن زمعة ابن ولیدة ابیه فی مورد الحدیث، واما اذا لم یدعه وافر اخر بانہ ابنہ فکان عند معاویة الحاقہ بالمقر لا سیما اذا ثبت انه اقر به فی الجاهلیة قبل الاسلام))

ان حالات میں اس مسئلے میں رائے کا اختلاف موجود تھا۔ لیکن بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی رائے کے خطا ہونے پر تائب ہوا اور آپ نے سابق موقف کو ترک کر دیا۔ وہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اسی نوعیت کا فریقین کی طرف سے ایک تنازع پیش ہوا۔ ایک شخص نصر بن حجاج بن علاط سلمی نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے ایک غلام عبداللہ بن رباح کے متعلق دعویٰ دائر کیا کہ یہ میرا بھائی ہے اور میرے بھائی نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی۔ اس مسئلے میں دوسرا فریق خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے فرزند عبدالرحمن رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے بیان کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور میرے غلام کے فراش پر پیدا ہوا ہے۔ دونوں فریق کے اس تنازع نے طول پکڑا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس مقدمہ کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ آنجناب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ الولد للفراش وللعاہر الحجر۔ مطلب یہ ہے کہ یہ شخص صاحب فراش کی اولاد ہے دوسرے کا حق نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر نصر بن حجاج نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اے امیر معاویہ! زیاد کے حق میں آپ نے کیسے فیصلہ کیا تھا؟ (وہ فیصلہ تو اس کے برخلاف تھا) تو جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ معاویہ کے فیصلہ سے بہتر اور برحق ہے۔

یہ دوسرا کیس اپنی جگہ واضح تھا جب کہ زیاد والے کیس میں عبد بن زمعہ کی طرح کوئی مدعی ہی نہیں تھا تو اگر ایسے الجھے ہوئے معاملے میں ظاہر حدیث منطبق نہیں کی گئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بالکل کھلے معاملے میں بھی اس کا خلاف کیا جائے۔ فلہذا اس مقدمے کے فیصلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہایت مومنانہ شان سے فرمایا کہ آنجناب رضی اللہ عنہ کا فیصلہ معاویہ کے فیصلے سے بہتر اور اولیٰ ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ معاملہ الزامی طور پر حدیث رسول کے اولیٰ بالعمل ہونے کی دعوت ہے۔

پہلے کیس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بطور ایک مجتہد کے ایک رائے رکھتے تھے اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے اس فیصلے کو صحیح سمجھا لیکن اس دوسرے کیس میں اجتہاد کو راہ نہ تھی۔ اس میں آپ نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ تھا کہ حدیث نبوی کے مقابلے میں معاویہ کے اجتہاد کی یہاں کوئی گنجائش ہی نہیں۔

چنانچہ محدث ابو یعلیٰ موصلی رضی اللہ عنہ نے اپنے مسندات میں اس مسئلے کو عبارت ذیل ذکر کیا ہے:

((فطالت خصومتهم فدخلوا معہ علی معاویة وفہو تحت رأسہ فادعیا فقال

معاویۃ سمعت رسول اللہ ﷺ يقول "الولد للفراس وللعاہر الحجر" قال نصر فاين قضاءك هذا؟ يا معاویۃ في زياد فقال معاویۃ قضاء رسول اللہ ﷺ خير من قضاء معاویۃ))^۱

اور فتح الباری میں یہی مضمون عبارت ذیل درج ہے:

((وفي حديث معاویۃ قصة اخرى له مع نصر بن حجاج و عبدالرحمن بن خالد بن وليد فقال له نصر فاين قضاءك في زياد؟ فقال قضاء رسول اللہ ﷺ خير من قضاء معاویۃ))^۲

مسئلہ ہذا کا دوسرا رخ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دیانت داری اور حق پسندی کا پہلو نمایاں طور پر پایا جاتا ہے اور حق بات کو قبول کرنے میں انھیں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا اور اتباع نبوی کو ہر صورت میں مقدم رکھتے تھے اور فرمان رسالت کو اپنی رائے پر فوقیت دیتے تھے۔

حقیقت حال

استلحاق زیاد کے واقعہ کے سابق و لاحق دونوں پہلو ناظرین کے سامنے آگئے۔ رائے سابقہ کے مالہ و ماعلیہ اور اس کے اسباب و دواعی کو بھی سامنے لایا گیا اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں جو رجوع کیا ہے اگرچہ وہ علی سبیل الاضام کے ہے وہ بالکل واضح اور برملا ہے اور اکابر محدثین نے بیان کیا ہے اور اس واقعہ کی عبارات بھی اہل علم کی تسلی کے لیے اوپر لکھ دی گئی ہیں۔

اور کسی مسئلہ میں اپنی سابق رائے سے رجوع کر لینا نہ اخلاقاً قبیح ہے نہ شرعاً غلط ہے نہ واقعاً برا ہے۔ اہل علم کو معلوم ہے کہ کئی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک عرصہ کے بعد اپنے بعض مسائل سے رجوع کیا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے متعہ کے مسئلے سے رجوع کر لیا۔ پہلے اس کے جواز کا قول کرتے تھے لیکن بعد میں اس کے عدم جواز کا فیصلہ کر لیا۔ اصول سرخسی جلد اول میں ہے:

((ابن عباس رضی اللہ عنہما كان يقول باباحة المتعة ثم رجع الى قول الصحابة))^۳

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے رجوع کر لینے کا یہ مسئلہ بے شمار محدثین و فقہاء نے نقل کیا ہے لیکن ہم نے یہاں صرف ایک حوالہ درج کرنا کافی خیال کیا ہے۔ اس چیز پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں کوئی نقد و

۱۔ مسند ابی یعلیٰ ص ۴۴۷ ج ۶ تحت مسندات معاویہ بن ابی سفیان

مجمع الزوائد (مجمعی) ص ۱۳ ج ۵ تحت باب الولد للفراس

۲۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۳۲ ج ۱۲ تحت آخر باب الولد للفراس حرة کانت اولمة

اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۴۸۸ ج ۱۵ کتاب الاقرار طبع کراچی

۳۔ اصول سرخسی (ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی) ص ۳۲۱ ج ۱ طبع اول دکن۔

طعن نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح اس مسئلے میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ طعن و ملامت کے مستحق نہیں ہیں بلکہ ان کی حق پسندی پر یہ واقعہ قوی دلیل ہے۔ لیکن مشہور ہے کہ

ع ہنر پشیم عداوت بزرگ تر عیب است۔

طعن کرنے والوں کی نظروں میں یہ عیب و نقص ہی معلوم ہوگا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف سے رجوع کر لینا بھی ثابت ہے اور اکابر محدثین نے اسے نقل کر دیا ہے۔ ان حالات میں حضرت موصوف پر طعن قائم رکھنا اور قبیح تنقید کی شکل میں اسے عوام میں بیان کرنا بڑا ظلم ہے اور قابل نفرت تعبیرات سے اسے ادا کرنا اور مذموم عبارات کی شکل میں لکھنا نہایت ناروا طریق اور برا انداز تحریر ہے۔ یہ ایک مقتدر صحابی کے حق میں بدظنی نشر کرنے کا معاندانہ رویہ ہے جو قابل مذمت ہے۔

۱۔ استحقاق زیادہ کے واقعہ کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے بعبارت ذیل تنقید ذکر کرتے ہیں مثلاً:

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شریعت کے مسلمہ قاعدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ (حالانکہ ایسا نہیں۔ یہاں ایک نارق موجود تھا جس کی تفصیل اوپر ہم نے ذکر کر دی ہے)۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی زنا کاری پر شہادتیں قائم کیں (کیا یہ دور جاہلیت کی بات نہیں؟)

③ اور اس معاملے میں حلال و حرام کی تمیز بھی روانہ نہیں رکھی۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ

لطیفہ: یہی زیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں کارکن تھا تو ثقہ، معتد، بہترین صالح شخص تھا مگر وہی شخص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچ

گیا تو وہ بڑا قبیح، بدکار، ظالم، ولد الحرام، ولد الزنا، حرامی بن گیا۔ یا للعجب!! (منہ)

مسئلہ استخلاف یزید

معرض دوست استخلاف یزید کے مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بہت کچھ اعتراضات قائم کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ منتخب کرنا درست نہیں تھا اس طریقہ سے سابقہ خلفاء کا انھوں نے خلاف کیا اور مخالفین اسلام قیصر و کسریٰ کے طریقہ کو مروج کیا۔ اس وجہ سے امت میں بڑے مفاسد کھڑے ہوئے۔ آپ نے قوم کو غلط راہ پر ڈال دیا۔ یہ کام انھوں نے ذاتی مفاد اور حفاظت اقتدار کی خاطر سرانجام دیا تھا جو امر مذموم تھا۔

اس مسئلے کو صاف کرنے کے لیے چند امور ذکر کیے جاتے ہیں، ان پر توجہ فرمائیں، امید ہے قابل اطمینان ہوں گے:

① مسئلہ استخلاف یزید میں پہلے یہ چیز معلوم کرنی چاہیے کہ شرعی طور پر فرزند کو اپنے والد کی جگہ پر والی و حاکم منتخب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق یہ چیز واضح ہے کہ نصوص قرآنی اور احادیث صحیحہ کے اعتبار سے یہ صورت منع نہیں بلکہ جائز ہے۔ شیعہ حضرات اس مسئلہ پر اپنی کتابوں سے بھی کوئی سند نہیں لاسکتے کہ بیٹے کو جانشین بنانا ناجائز ٹھہرے۔ اگر شرعی قوانین اور آئین کی رو سے بیٹے کو باپ کی جگہ پر والی منتخب کرنا ناجائز ہوتا تو حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اس دور کے اکابر نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قائم مقام کیسے منتخب کر لیا؟ انھیں کیوں یہ خیال نہ آیا کہ اس طرح امت ایک غلط راہ پر چل پڑے گی۔

بلکہ روایات میں اس طرح موجود ہے کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دفن سے فراغت کے بعد خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف دعوت دی اور بلایا۔ اس پر لوگوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

((ثم النصر فبالحسن بن علی من دفنه فدعا الناس إلى بيعته فبايعوه))^۱

یہاں سے واضح ہو گیا کہ والد کی جگہ اس کے فرزند کو والی اور حاکم بنانا درست ہے، یہ کوئی قابل اعتراض چیز نہیں اور نہ یہ قیصر و کسریٰ کے طریق کی اتباع ہے اور جو لوگ دن رات وَ ذَرَاهُ سُلَيْمٌ دَاوُدَ

پڑھتے ہوں وہ اس قسم کی غلط بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔ البتہ انتخاب میں اس کی اہلیت شرط ہوتی ہے اور اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے جیسا کہ ہم آئندہ سطور میں ذکر کر رہے ہیں۔

② مسئلہ اختلاف کے متعلق امت کے اکابر علماء نے شروط اور قیود ذکر کی ہیں جن کو ذیل میں ذکر کرنا ہم مناسب خیال کرتے ہیں۔

چوتھی اور پانچویں صدی کے حنابلہ و شوافع کے کبار علماء کے یہ بیانات ہیں ان کو پہلے درج کیا جاتا ہے، اس کے بعد دیگر مورخین و محدثین کے فرمودات اور مزید چیزیں ذکر کی جائیں گی جو اس مسئلہ کے سمجھنے میں مفید و معین ہیں:

شروط و قیود

چنانچہ علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاحکام السلطانیہ میں اس چیز کو بعبارت ذیل واضح کیا ہے:

((وقال الاكثر من الفقهاء والمتكلمين تجوز امامته و صحت بيعته ولا يكون وجود الافضل مانعا من امامة المفضول اذا لم يكن مقصرا عن شروط الامامة كما يجوز في ولاية القضاء تقليد المفضول مع وجود الافضل))^۱

”یعنی مسئلہ ہذا میں علماء کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اکثر فقہاء اور متکلمین کا قول یہ ہے کہ مفضول کی امامت افضل کے ہوتے ہوئے جائز ہے اور اس کی بیعت صحیح ہے اور افضل کا وجود اس بات سے مانع نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ مفضول میں امامت کے شروط میں کوتاہی نہ پائی جائے۔ جیسا کہ قضا کے معاملہ میں افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو قاضی بنانا جائز ہے۔“

اور قاضی ابو یعلیٰ محمد بن حسین الفراء اپنی تصنیف الاحکام السلطانیہ میں اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ

((ويجوز ان يعهد الي من ينتسب اليه بابوة او بنوة اذا كان المعهود له على صفات الائمة لان الامانة لا تنعقد للمعهود اليه بنفس العهد وانما تنعقد بعهد المسلمين والتهمة تنتفى عنه))^۲

”مطلب یہ ہے کہ اگر منصب یافتہ شخص صفات امامت کا حامل ہو تو عہدہ دینا جائز ہے اگرچہ وہ

۱ کتاب الاحکام السلطانیہ (ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی المادردی التوفی ۳۵۰ھ) ص ۵ تحت باب الاول فی عقد الامامت (طبع مصر)

۲ الاحکام السلطانیہ (ابو یعلیٰ محمد بن حسین الفراء التوفی سنہ ۳۵۸ھ) ص ۹ تحت فصول فی الامامہ طبع مصر (التوفی سنہ ۳۵۸ھ)

باپ ہو یا بیٹا ہو۔ کیونکہ کسی کو محض عہدہ عطا کر دینے سے وہ عہدے دار نہیں بن جاتا بلکہ وہ شخص اسی وقت عہدے دار کہلانے کا حق دار ہوتا ہے جب مسلمان اسے اس عہدے کے لیے قبول کریں اور اسی صورت میں عہدہ دینے کی تہمت سے بچا جاسکتا ہے۔“

چنانچہ ان شروط و قواعد کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اس منصب کے لیے اہلیت و صلاحیت کا پایا جانا لازم ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یزید کے انتخاب میں ان چیزوں کا لحاظ رکھا گیا جیسا کہ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔

③ اختلاف یزید کے متعلق اکابر فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین رضی اللہ عنہم اس مسئلے میں مختلف آراء رکھتے تھے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ اس انتخاب اور نامزدگی کا یہ طریق کار درست نہیں۔ لیکن دیگر صحابہ اور اکابرین امت کی رائے یہ تھی کہ موجودہ حالات کے مطابق یہ انتخاب اور نامزدگی درست ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنی رائے بھی یہی تھی کہ اگرچہ یزید سے افضل حضرات موجود ہیں تاہم حالات حاضرہ کے پیش نظر مفضول کی نامزدگی درست ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر و کسریٰ کی اتباع میں ایسا نہیں کیا تھا بلکہ اس وقت کی سیاسی و ملکی ضرورت کے تحت انہوں نے ایسا کیا تھا۔ یہ ان کا اجتہاد و فکر تھا۔ اختلاف یزید کے مسئلے میں تاریخوں کے اعتبار سے بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے تاہم بعض روایات کے پیش نظر یہ واقعہ ۵۶ھ میں پیش آیا تھا۔ چنانچہ اس مسئلے کے متعلق کبار علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا دیگر حضرات یہ رائے رکھتے تھے کہ اگر فاضل افراد (جو دین و اسلام اور عبادت میں سبقت رکھنے والے ہیں) موجود ہیں تو ان کو چھوڑ کر ایک مفضول کو جو رائے اور معرفت (یعنی ملک رانی اور تدبیر منست) میں قوی ہو، مقدم کر دیا جائے تو درست ہے۔

شرح بخاری میں ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ

① ((وكان رأى معاوية في الخلافة تقديم الفاضل في القوة والرأى والمعرفة على الفاضل في السبق الى الاسلام والدين والعبادة. فلماذا اطلق انه احق))

اور قاضی ابوبکر ابن العربی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اختلاف کے معاملے میں درست اقدام کیا تاہم انہوں نے یہ چیز تسلیم کی ہے کہ:

② ((ألا انا نقول ان معاوية ترك الافضل في ان يجعلها شوري والا يخص

بہا احدا من قرابته فكيف ولدا))^۱

”یعنی ہم کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلے کے متعلق شور مچا کرنا افضل تھا اور قرابت داری میں سے اگرچہ بیٹا ہو اس کو خاص نہیں کرنا چاہیے تھا۔ انھوں نے افضل اور بہتر چیز کو اس معاملے میں ترک کر دیا۔“

لیکن اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک مجبوری بھی تھی آپ کے حلقہ سیاست کے لوگ جو سنا لہا سال سے آپ کے وفادار چلے آ رہے تھے اور بڑی بڑی حوصلہ آزما جنگوں میں وہ آپ کے فدا کار ساتھی رہے تھے انھیں چھوڑنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بس میں نہ تھا۔ شامی لوگ اموی شخص کے بغیر کسی اور کی ولی عہدی پر راضی نہ ہو سکتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ ان کی رائے کے خلاف چلنے سے جمعیت اسلام پھر کہیں منتشر نہ ہو جائے اور دو تین سلطنتیں قائم نہ ہو جائیں۔ آپ نے ان کی رائے کا احترام کیا اور نظم سلطنت میں وہ تدبیر اختیار کی کہ آئندہ انتشار سلطنت کا کوئی عنوان قائم نہ ہو سکے۔

عراق کے لوگ اگرچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھی رہے تھے لیکن ان کا عدم استقلال اور غیر مستقل مزاجی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخفی نہ تھی۔ آپ کا سیاسی تدبیر اس کے سوا اور کوئی راہ نہ پاسکا کہ جانشین شام والوں میں سے چنیں اور یہ کہ اموی ہو۔ ان کے مشیروں کی رائے میں اس پہلو سے یزید کے سوا کوئی اور امیدوار ان شرطوں پر پورا نہ اترتا تھا۔

اور ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو عبارت ذیل بیان کیا ہے:

((وعدل عن الفاضل الى المفضول حرصا على الاتفاق واجتماع الاهواء الذي عند الشارع وإن كان لا يظن بمعاوية غير هذا۔ فعدالته وصحبته مانعة من سوى ذلك))^۲

”یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فاضل کو چھوڑ کر مفضول کی طرف عدول کیا۔ وہ قوم کے اتفاق اور اجتماع کی رعایت اور لوگوں کی خواہشات کا لحاظ کیے ہوئے تھے اور ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس معاملے میں بہتر گمان رکھتے ہیں کیونکہ اس کے سوا کوئی دیگر چیز ان کی عدالت اور صحابیت کی شان کے خلاف ہے۔“

نیز ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اس مسئلہ کو دیگر عبارات کی شکل میں بھی پیش کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

۱ العواصم من القواصم (ابن العربی) ص ۲۲۲ تحت بحث ہذا

۲ مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۱ تحت الفصل الثلاثون فی ولایۃ العہد طبع مصر (ص ۳۷۲-۳۷۳ طبع بیروت)

((والذی دعا معاویة لایثار ابنه یزید بالعهد دون من سواه انما هو مراعاة المصلحة فی اجتماع الناس واتفاق اهواءهم باتفاق اهل الحل والعقد علیہ حیثئذ من بنی امیة اذ بنو امیة یومئذ لا یرضون سواهم وهم عصابة قریش واهل الملة اجمع واهل الغلب منهم اثره بذالك دون غیره ممن یظن انه اولی بها))^۱

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی دوسرے شخص کو منصب خلافت نہیں دیا بلکہ اپنے فرزند یزید کو دیا۔ یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت کے لوگوں کے اجتماع کو قائم رکھنے کی مصلحت سامنے تھی اور بنو امیہ کے اہل حل و عقد کے اتفاق کی رعایت ملحوظ خاطر تھی۔ اس دور میں بنو امیہ قریش کی بڑی جماعت تھی اور ان کا غلبہ تھا، وہ کسی دوسرے شخص پر رضامند ہونے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ ان حالات کے پیش نظر یزید کو منتخب کیا اور اس منصب کے لیے بہتر سمجھا۔“

مسئلہ ہذا میں مصلحت اور حسن ظن

اور مقدمہ میں ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے اس چیز کو عبارت ذیل بھی پیش کیا ہے:

((و كذلك عهد معاویة الی یزید خوفا من افتراق الكلمة بما كانت بنو امیة لم یرضوا تسلیم الامر الی من سواهم فلو قد عهد الی غیره اختلفوا علیہ مع ان ظنهم كان به صالحا ولا یرتاب احد فی ذلك ولا یظن بمعاویة غیره فلم یکن لیعهد الیه وهو یعتقد ما كان علیہ من الفسق حاشا لله لمعاویة من ذلك))^۲

”مطلب یہ ہے کہ اپنے فرزند یزید کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو منصب سپرد کیا تھا وہ کلمہ اہل اسلام میں افتراق و انتشار سے بچانے کی بنا پر تھا۔ اس سبب سے کہ قبیلہ بنو امیہ امر خلافت کو اپنے سوا کسی دوسرے کی طرف سپرد کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ اگر یہ معاملہ ان کے غیر کی طرف سپرد کر دیا جاتا تو یہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف کر دیتے۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ یزید کے متعلق ان کا بہتر گمان تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ (بظاہر کوئی چیز اس کے خلاف نہ پائے جانے پر) ان کا یہ ظن فی نفسہ درست تھا۔ یزید میں فسق و فجور ظاہری طور پر اور بر ملا پایا جائے اور پھر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ ذمہ داری اس کے سپرد کر دیں، حاشا وکلا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ

۱ مقدمہ ابن خلدون تحت الفصل الثلاثون فی ولایة العهد ص ۲۱۱ مطبع مصر (ص ۳۷۲-۳۷۳ طبع بیروت)

۲ مقدمہ ابن خلدون ص ۳۶۵ ج ۱ تحت انقلاب الخلافة الی الملک (طبع بیروت)

چیز بعید ہے۔“

(حاشیہ) قولہ مع ان ظہم کان بہ صالحا یزید بن معاویہ کے قبائح اور معائب کے متعلق لوگوں کے بہت کچھ اقوال پائے جاتے ہیں۔ لیکن افراط و تفریط کے درمیان یہ چیز معلوم ہوتی ہے کہ جس دور میں یزید کا انتخاب اور نامزدگی کی گئی اس دور میں اس کے مفاسد اور قبائح علانیہ طور پر موجود نہیں تھے۔ چنانچہ اس پر مندرجہ ذیل قرآن دستیاب ہوتے ہیں:

● مورخین نے لکھا ہے کہ جب بلاد روم میں غزوات ہوئے اور غزوہ قسطنطنیہ پیش آیا تو اسلام کی طرف سے جو لشکر اس غزوہ کے لیے پہنچا اس کا امیر الحشیش یزید بن معاویہ تھا اور متعدد اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید کے زیر کمان اسلامی جہاد میں شریک تھے مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور ابو ایوب انصاری وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ اور ایک دیگر مقام پر یہ تصریح بھی موجود ہے کہ حضرت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما بھی اس جیش میں شریک و شامل تھے۔

((وفیہا) سنة ۴۹ھ) غزا یزید بن معاویة بلاد الروم حتی بلغ قسطنطنیة ومعه جماعة من سادات الصحابة منهم ابن عمر و ابن عباس وابن الزبیر وابوایوب الأنصاری رضی اللہ عنہم))

((وقد کان (الحسین بن علی رضی اللہ عنہما) فی الجیش الذین غزوا القسطنطنیة مع ابن معاویة یزید فی سنة احدى وخمسين))

● نیز مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ غزوہ قسطنطنیہ کے دوران میں جب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو یزید نے آپ کی بیمار پرسی کی اور آپ نے یزید کو بعض وصیتیں فرمائیں جن پر اس نے عمل کیا۔ اور جب آپ فوت ہو گئے تو یزید نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ چنانچہ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ:

((وکان (ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ) فی جیش یزید بن معاویة والیہ اوصی وهو الذی صلی علیہ))

مندرجات بالا سے معلوم ہوا کہ متعدد اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دور میں یزید کی سربراہی میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا۔ یزید نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عیادت کی اور ان کے وصایا پر عمل کیا اور اس نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۳۲ ج ۸ تحت سنہ ۴۹ھ

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۵۱ ج ۸ تحت قصۃ الحسین و سب خروجہ بالہ سنہ ۵۱ھ

۳۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۵۸ ج ۸ تحت تذکرہ حضرت ابو ایوب الانصاری سنہ ۵۲ھ

فلہذا یہ چیزیں اس بات کا قرینہ ہیں کہ اس دور میں یزید کے قبائح اور معائب ظاہر نہیں تھے اور اس کا کردار درست تھا۔ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے ساتھ کارہائے خیر میں شریک رہتے تھے اور جہاد جیسے اہم امور کو یزید کی معیت میں سرانجام دیتے تھے۔

اگر یزید کا کردار اس زمانہ میں خراب تھا اور عادات قبیحہ کا مرتکب تھا تو پھر ان اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے ساتھ تعاون کیسے روا رکھا؟ اور ان امور خیر میں کیسے شامل رہے؟ آیات و احادیث کیا ان کے پیش نظر نہیں تھیں؟

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبُيُوتِ وَالشَّقَايِ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَلَا تَزُكُّوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا
فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ

اس پر ایک دیگر قرینہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب اس دور کے لوگوں کا یزید کے متعلق کلام ہوا اس وقت انھوں نے یزید کے معائب ذکر کیے تو ان کے جواب میں محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((ما رأيت منه ما تذكرون وقد حضرته واقمت عنده فرأيتہ مواظبا على الصلاة متحريا للخير يسئل عن الفقه ملازما للسنة۔ قالوا فان ذلك كان منه تصنعاً لك))^۱

”یعنی محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا: معائب کی جو چیزیں تم ذکر کرتے ہو وہ میں نے اس میں نہیں دیکھیں۔ میں نے اس کے پاس اقامت کی ہے، میں نے اس کو نماز کا پابند، امر خیر کا تلاش کرنے والا، دینی مسائل کا دریافت کرنے والا اور سنت کو لازم پکڑنے والا پایا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ چیزیں اس سے بطور تصنع کے صادر ہوئی ہیں۔ محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو مجھ سے کیا خوف اور کیا امید تھی کہ اس نے ایسی چیز کا اظہار کیا؟“

مسئلہ ہذا کی تائید

اسی طرح حضرت مولانا نانوتوی رضی اللہ عنہ نے اپنے رسالہ ”اثبات شہادت حسین“ میں اس مسئلے کو بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے:

”وقتیکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید را ولی عہد خود کردند فاسق معلن نبود اگر چیزے کردہ باشد در پردہ باشد کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ را ازاں خبر نہ بود۔ علاوہ بریں حسن تدبیر در جہاد آنچہ کہ از مشہود شد مشہور است۔“^۲

۱ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۳۳ ج ۸ تحت حالات یزید

۲ تحقیق و اثبات شہادت حسین از مولانا محمد قاسم نانوتوی، ص ۶ مترجم انوار الحسن شیرکوٹی

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو جب اپنا ولی عہد بنایا تو اس وقت وہ علی الاعلان فاسق نہیں تھا۔ اگر اس میں کوئی خامی اور تقصیر تھی تو وہ در پردہ تھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر نہیں تھی۔ علاوہ ازیں جہاد میں اس کی صلاحیت اور حسن تدبیر مشہور ہے۔“

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہی ہے کہ یزید پہلے فاسق نہیں تھا بلکہ بعد میں ہوا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی اس صلاحیت کی بنا پر اس کو اپنا ولی عہد منتخب کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ نیز یہ چیز بھی مسلمات میں سے ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شیرازہ امت کو منتشر ہونے سے بچانے کے لیے یزید کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔ یہ بیعت اس لیے نہ تھی کہ وہ یزید کو ہر طرح سے حق دار خلافت سمجھتے تھے بلکہ اس لیے کہ امت مسلمہ میں خوں ریزی نہ ہو اور جس طرح بھی بن پڑے مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے مجتمع رہیں۔ یزید کی حکومت کو تسلیم کرنا اس شرط کے ساتھ تھا کہ ان کی اللہ اور رسول اللہ سے بیعت برقرار رہے گی اور وہ حکومت کی کسی ایسی بات کو ہرگز نہیں مانیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہو۔ بايعنا هذا الرجل على بيعة الله ورسوله (بخاری)

مذکورہ بالا اشیاء اس چیز کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس دور میں یزید کے ظاہری اعمال و احوال عموماً اس درجہ کے نہ تھے کہ اس کی مخالفت ضروری ہو، اور اسلام کے خلاف اس کا کردار نہیں تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس دور میں اس کا انتخاب کیا یا اس کی نامزدگی کی تو اس میں اہلیت سمجھ کر ہی ایسا کیا گیا تھا۔ آئندہ کے لیے کسی کو کیا معلوم ہوتا ہے کہ کیا حالات پیش آئیں گے؟ (والغیب عند اللہ تعالیٰ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بعد جو یزید کے کارنامے مثلاً واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور مکہ شریف پر چڑھائی وغیرہ جو کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان کا ذمہ دار خود یزید ہے نہ کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ان کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا بڑی زیادتی ہے اور آنجناب اس کے ذمہ دار نہیں۔

مولانا نانوتوی رضی اللہ عنہ کی طرف سے تائید

مکتوبات قاسمی میں مولانا مرحوم نے اسی مسئلے کو اس طرح نقل کیا ہے:

”واین طرف مذہب حضرت امیر معاویہؓ در بارہ خلافت آن بود کہ ہر کرا سلیقہ انتظام مملکت زائد از دیگران باشد گو افضل ازو باشد افضل است از دیگران۔ نظر بریں اورا افضل از دیگران دانستند و اگر افضل ندانستند پس بیش ازیں نیست کہ ترک افضل کردند۔ چنانچہ در مقدمات سابقہ واضح شدہ کہ استخلاف افضل، افضل است نہ واجب۔ لیکن ایں قدر را گناہ نتوان گفت کہ بسبب و شتم امیر معاویہؓ پیش آئیم ایں طرف امیر معاویہؓ را از اجلہ صحابہ نمیشماریم کہ بنسبت ترک افضل واولی ہم دریں چنین امور مغالرت نمائیم۔“

”یعنی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلافت کے بارے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ جس شخص کو انتظام مملکت کا سلیقہ دوسروں کے اعتبار سے زیادہ ہو (اگرچہ وہ دیگر امور میں اس سے افضل ہوں) تو وہ دوسروں کی بہ نسبت خلافت کے لیے افضل ہے۔ اس بنا پر وہ (یزید کو اس معاملے میں) دوسروں سے افضل جانتے تھے اور اگر افضل نہیں جانتے تھے تو اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ انہوں نے ترک افضل کیا، ترک واجب نہیں کیا۔“

چنانچہ مقدمات سابقہ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ افضل کو خلیفہ بنانا افضل ہے واجب نہیں۔ لیکن ترک افضل و ترک اولیٰ کو ایسا گناہ نہیں کہا جاسکتا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس پر سب و شتم کرنے لگیں اور ان کو اکابر صحابہ میں سے شمار نہ کریں۔

مندرجات بالا کے فوائد و ثمرات آئندہ عنوان ”بحث کا اختصار“ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

بحث کا اختصار

- ① حاصل کلام یہ ہے کہ استخلاف کے مسئلے میں چند اشیاء پیش کی گئی ہیں جن میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے انتخاب میں کسی شرعی قاعدہ اور اسلامی ضابطہ کا برخلاف نہیں کیا۔
- ② اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس دور کے حالات کے پیش نظر یہ انتخاب کیا تھا (اگرچہ بعض حضرات صحابہ اس انتخاب کے خلاف رائے رکھتے تھے) تاہم متعدد صحابہ کرام اور اکابرین امت اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نہ تھے بلکہ ہم نوا تھے۔
- ③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس دور میں امت مسلمہ کے مقاصد خیر اور اجتماعی مصالح تھے اور قریش کے بڑے اہم قبیلہ بنو امیہ کے اتفاق و اتحاد کو افتراق سے بچانا مقصود خاطر تھا تا کہ اہل اسلام کی مرکزی قوت میں انتشار واقع نہ ہو اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی قائم رہے پارہ پارہ نہ ہو جائے۔
- ④ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کے متعلق حسن ظن تھا کہ اس میں انتظام مملکت کی اہلیت اور صلاحیت پائی جاتی ہے اور ظاہر طور پر اس میں خلاف اسلام کوئی بات موجود نہیں تھی، اور غیب کی کسی بات پر اطلاع بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کسی کو نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے آں موصوف اس مسئلے میں معذور ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ

((معاویۃ معذور فیما وقع منه لیزید لانه لم یثبت عنده نقص فیہ))^۱

لہذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس میں مورد الزام بنانا کسی طرح درست نہیں۔

- ⑤ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند یزید کو خلیفہ نامزد کر کے تقویٰ کے اعلیٰ درجے کے خلاف

۱۔ تطہیر الجنان مع الصواعق المحرقة (ابن حجر مکی) ص ۲۵، الفصل الثانی فی فضائلہ و مناقبہ۔

جواز کے درجہ کو اختیار کیا، کسی امر واجب کا خلاف نہیں کیا۔ حضرات شیخین سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے جو طریق استخلاف اختیار فرمایا وہ تورع اور تقویٰ کا اعلیٰ مقام تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور کے حالات اور مصالح کے پیش نظر انتخاب کے مسئلے میں جو صورت اختیار کی وہ درجہ جواز میں تھی، اور غایت سے غایت یہی کچھ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس مسئلے میں ترک افضل کیا۔

لیکن اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو امیہ اور ان کے حلیف قبائل ایک بہت بڑی طاقت تھے انہیں نظر انداز کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کسی کو نامزد نہیں کر سکتے تھے۔ لہذا ان کا یہ طریق کار شرع کے برخلاف نہیں اور نہ نفرت و تفریح کے لائق ہے اس وجہ سے ان پر نہ تو سب و شتم روا ہے اور نہ طعن و تشنیع درست ہے اور نہ ملامت جائز ہے۔

بدعنوانیاں

استخلاف یزید کے سلسلے میں معترض احباب کئی روایات کا سہارا لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرتے ہیں کہ انہوں نے بیعت یزید کے معاملے میں کئی بدعنوانیاں کیں۔ اب اس کے جواب کے لیے چند عنوانات قائم کر کے کلام کیا جاتا ہے ان پر غور فرمائیں:

① طمع و تحریص

معترض دوست حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اعتراض قائم کرتے ہیں کہ آپ نے لوگوں کو طمع و لالچ دلا کر اپنے فرزند کی خلافت کے لیے بیعت پر آمادہ کیا اور اس سلسلے میں زر کثیر صرف کیا۔ اسی طرح کئی لوگوں نے طمع و لالچ میں آ کر بیعت یزید قبول کر لی۔

اس سلسلے میں معلوم ہونا چاہیے کہ اس اعتراض کی بنیاد عموماً تاریخی روایات پر ہے اور وہ اس درجہ کی قابل اعتماد نہیں کہ ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مطاعن کی بنیاد بنایا جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طرز و طریق لوگوں سے حسن سلوک کا تھا اور وہ لوگوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرتے تھے، لوگوں کو اموال عطا کرنا ان کا شیوہ تھا اور وہ اکابر کو عطایا، ہدایا اور وظائف دیا کرتے تھے۔ لیکن ان واقعات کو معترض احباب نے بیعت یزید کے سلسلے میں اعتراض قائم کرنے کا ایک زینہ بنا لیا ہے اور اپنے فاسد اغراض کی خاطر واقعات کا رخ دوسری طرف کر دیا ہے اور اس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک پسندیدہ فعل کو بغض و عداوت کی نظر سے دیکھتے ہوئے طمع و لالچ دلانے اور رشوت کا نام دے کر ایک معیوب چیز اور قابل طعن چیز بنا دیا ہے۔ سچ ہے کہ:

ع ہنر پنچشم عداوت بزرگ تر عیب است

نیز اس سلسلے میں جو روایت رشوت دینے دلانے کی بنیاد قرار دیتے ہیں یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے رشوت دی

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رشوت لی، اس روایت کے رواۃ میں سے بعض راویوں کا حال ذیل میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:

((ووقع عند الاسماعیلی من طریق مومل بن اسماعیل عن حماد بن زید))
 مومل بن اسماعیل کے متعلق اگرچہ توثیق بھی پائی جاتی ہے تاہم نقد و جرح بھی مذکور ہے۔ چنانچہ یعقوب بن سفیان بسوی ذکر کرتے ہیں کہ

((وقد يجب على اهل العلم ان يقفوا عن حديثه ويتخفوا من الرواية عن فانه منكر يروى المناكير عن ثقات شيوخنا))^۱
 اور حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

((وقال البخاری منكر الحديث وقال ابو زرعة في حديثه خطأ كثير))^۲
 اور ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ

((وقال محمد بن نصر المروزي المومل اذا انفرد بحديث وجب ان يتوقف ويثبت فيه لانه كان سيئ الحفظ كثير الغلط))^۳

* اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس فن کے علماء فرماتے ہیں کہ اہل علم پر لازم ہے کہ مومل کی حدیث سے رک جائیں اور اس سے روایت لینا کم کر دیں۔ یہ منکر الحدیث ہے، ثقہ شیوخ سے منکر روایات نقل کرتا ہے (جو معروف روایات کے خلاف ہوتی ہیں)۔

* امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومل منکر الحدیث ہے اور ابو زرعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مومل کی حدیث میں بہت خطا ہوتی ہے۔

* محمد بن نصر مروزی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مومل جب حدیث کے نقل کرنے میں منفرد ہو تو اس کی روایت سے توقف کرنا لازم ہے اس لیے کہ اس کا حافظہ خراب تھا، کثیر غلطیاں کرنے والا تھا۔

مطلب یہ ہے کہ اس نوع کی روایات پر رشوت دینے دلانے کے طعن کی بنیاد قائم کرنا درست نہیں۔ ایسے مجروح راویوں کی روایت کے ذریعے سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت اور وثاقت کو داغدار نہیں کیا جا سکتا۔ فلہذا یہ روایات قابل اعتناء نہیں۔

۱ المعرفة والتاريخ (بسوی) ص ۵۲ ج ۳ طبع بیروت۔

۲ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۲۸ ج ۴ تحت مومل بن اسماعیل (طبع بیروت)

۳ تہذیب التہذیب ص ۳۸۱ ج ۱۰ تحت مومل بن اسماعیل۔

② فریب کاری و حیلہ سازی

نیز یہ چیز بھی مخالفین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف یزید کے معاملے میں بڑی حیلہ سازی کی تھی اور مکرو فریب سے کام لیا تھا۔

اس طعن کا مدار طبری کی ایک روایت پر ہے جس میں بیعت یزید کے سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زیاد کی طرف مشورے کے طور پر خط تحریر کرنا اور پھر زیاد کا عبید بن کعب کی طرف قاصد بھیجنا مذکور ہے۔ اس روایت کی سند اس طرح مذکور ہے کہ:

((حدثني الحارث قال حدثنا علي عن مسلمة قال لما اراد معاوية ان يبايع ليزيد كتب الي زياد..... الخ))

اس روایت کی سند کا مختصر سا حال ملاحظہ فرمائیے جو بنائے طعن ہے کہ یہاں طبری کا شیخ حارث ہے لیکن معلوم نہیں کہ یہ شخص کون بزرگ ہیں۔ کیونکہ طبری کے شیوخ میں کئی حارث مذکور ہیں مثلاً حارث بن محمد، حارث بن کعب اور حارث بن حصیر وغیرہم۔ اور ان حوارث میں بعض شیعہ بزرگ بھی ہیں۔ سند میں دوسرا راوی علی ہے، اور علی سے مراد کون علی ہیں؟ بظاہر علی سے مراد علی بن محمد مدائنی ہے جو ایک مورخ اور اخباری آدمی ہے۔

سلسلہ سند میں تیسرے راوی مسلمہ ہیں جن کے متعلق حسب سابق معلوم نہیں کہ کون مسلمہ ہیں۔ بظاہر یہ ہے کہ مسلمہ بن محارب کوئی ہے جو اس دور کا آدمی نہیں ہے جس دور میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ طبری کی بعض روایات میں یہ سلسلہ سند اس طرح مذکور ہے کہ

((حدثني عمرو بن شبة قال حدثني ابوالحسن المدائني (علي بن محمد)

اخبرنا مسلمة بن محارب عن داود بن أبي هذا عن شعبي..... الخ))

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمہ بن محارب بعد کے دور کا آدمی ہے اور جس دور میں مذکورہ بالا مسئلہ پیش آیا تھا اس دور میں یہ شخص موجود نہیں تھا۔ فلہذا بنائے طعن کی روایت کے اسناد پر نظر کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ روایت مرسل ہے، راوی اور واقعہ کے درمیان انقطاع زمانہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسی روایت کی بنا پر ایک مقتدر صحابی پر الزام تراشی اور فریب کاری وغیرہ کا طعن قائم کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ مخالفین کی طرف سے اس نوع کی روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کے لیے لوگوں میں پھیلائی جاتی ہیں جو لائق اعتبار اور قابل اعتناء نہیں۔

③ جبر و اکراہ

اور دیگر یہ چیز اس مقام پر بطور طعن ذکر کرتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر مسئلہ بیعت کی خاطر بہت کچھ دباؤ ڈالا اور لوگوں کو بیعت یزید پر مجبور کر دیا اور انھیں اس کے بغیر چارہ کار نہ رہا۔ چنانچہ لوگوں نے اضطراری حالت میں بیعت یزید قبول کر لی۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالفین کو نظر انداز کرتے ہوئے معائب اور مطاعن کے متعلق بہت کچھ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے یہ طعن اور اعتراض بھی اسی درجے میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیعت یزید کا مسئلہ ایک مجتہد فیہ مسئلے کے درجے میں تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا اور اس میں (جیسا کہ اپنی جگہ پر ذکر کیا جاتا ہے) رائے کا اختلاف ہوا تھا۔ بعض اس کے خلاف تھے اور بعض دیگر اس رائے کے حق میں تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس دور کے حالات اور سیاسی و ملی مصالحوں کے پیش نظر اسے صحیح سمجھتے تھے۔

لوگوں پر اس معاملے میں کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا گیا حتیٰ کہ جو شیعہ مورخ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف ہیں انھوں نے بھی برملا طور پر اپنی شیعہ تواریخ میں لکھ دیا ہے کہ

((و حج معاویة تلك السنة۔ فتألف القوم ولم یکرههم علی البیعة))^۱

”یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سال حج کیا اور قوم کے ساتھ الفت سے پیش آئے اور انھیں

بیعت (یزید) پر ہرگز مجبور نہیں کیا۔“

یہ تصدیق اعدائے معاویہ کی طرف سے اس طعن کا صحیح جواب ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قوم پر بیعت یزید کے سلسلے میں کوئی جبر و اکراہ نہیں کیا۔

④ تہدید قتل

اس مقام پر بیشتر تاریخی روایات اس نوع کی ہیں جو مجروح اور مقدوح رواۃ سے مروی ہیں اور اس وجہ سے درجہ صحت تک نہیں پہنچ سکتیں۔ چنانچہ ان کا اجمالی محاسبہ ذکر کیا جاتا ہے:

سند پر کلام

ایسی تاریخی روایات جن میں بیعت نہ کرنے والوں کے حق میں قتل کی سزا کی تہدید مذکور ہے ان روایات کی سند میں بعض جگہ راوی کہتا ہے کہ

((قال سمعت أشیاخ المدینة یحدثون))

۱ تاریخ یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب کاتب العباسی الشیبی المعروف یعقوبی) ص ۲۲۹ ج ۲ تحت واقعات وفات امام حسن رضی اللہ عنہ

”میں نے یہ روایت شیوخ مدینہ سے سنی ہے۔“

یہ اہل مدینہ کے اشیاء خدا جانے کون حضرات ہیں؟ کس ذہنیت کے مالک ہیں؟ اور ان کا دینی معیار کیسا ہے؟ ایسے مجہول الذات رواۃ کی روایت کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت اور دینی وقار کو مجروح نہیں کیا جاسکتا۔

بعض دیگر روایات جن میں بیعت نہ کرنے والوں کے لیے وعید اور تہدید کی گئی ہے اور قتل کی سزا کا خوف دلایا گیا ہے ان روایات کی سند میں مذکور ہے کہ قال حدثنی رجل بنخلۃ یعنی مجھے ایک شخص نے نخلہ کے مقام پر بیان کیا۔

یہ رجل مجہول الذات والصفات ہے۔ خدا جانے وہ کیسا شخص ہے؟ کس ذہنیت کا مالک ہے؟ اور کیسے نظریات کا حامل ہے؟ اس قسم کے مجہول رواۃ کی روایات کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کو گرانا اور ان پر طعن و تشنیع کرنا ہرگز صحیح نہیں۔

اور اس مسئلے کے متعلقہ بعض روایات جو حدیث کی کتابوں میں دستیاب ہوتی ہیں ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس مسئلے میں اپنے خلاف رائے رکھنے والے حضرات کے ساتھ گفتگو پائی جاتی ہے۔ وہاں دونوں فریق کے درمیان خلاف رائے کے درجے تک تکلم اور کلام پایا جاتا ہے اور بعض اوقات اس معاملے میں شدت بھی مذکور ہے جیسا کہ مختلف فیہ مسئلے پر فریقین کے کلام میں شدت آجایا کرتی ہے اور سخت کلامی تک نوبت پہنچتی ہے، لیکن اس سے زیادہ چیز وہاں مذکور نہیں۔

کسی مسئلے میں اختلاف رائے کا پایا جانا معاشرے کا ایک لازمہ ہے جس سے اجتناب ایک مشکل امر ہے۔ اور بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کئی مسائل میں اختلاف رائے ہوتا رہا ہے مثلاً:

① صدیقی دور خلافت میں مالک بن نویرہ وغیرہ کے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل کی سزا و جزا کے معاملے میں اختلاف رائے ہوا۔ بعض صحابہ فرماتے تھے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سزا ملنی چاہیے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ یہ واقعہ ایک غلط فہمی کی بنا پر سرزد ہوا ہے فلہذا مالک بن نویرہ وغیرہ کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سزا کے مستحق نہیں۔ چنانچہ جناب صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل درآمد ہوا اور انھوں نے مالک بن نویرہ کی دیت ادا کی اور ان کے قیدیوں کو واپس کر دیا اور ان کا مال و اسباب لوٹا دیا۔

② ابولولو مجوسی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد اس کے رشتہ داروں اور ساتھیوں کو عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بے قابو اور مغلوب الغضب ہو کر قتل کر دیا تو اس وقت

ان کے قتل کے بدلے اور عوضانہ کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے میں اختلاف واقع ہوا۔ بعض حضرات کی رائے تھی کہ ابولولو کے رشتہ داروں کے قتل کے عوض میں عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے قتل کا بدلہ لیا جانا چاہیے، مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو اس وقت خلیفہ منتخب ہو چکے تھے انھوں نے ان حضرات کی رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے ان مقتولین کا معاوضہ اپنی طرف سے ادا کر کے تنازع کو ختم کر دیا۔

اس نوع کے کئی معاملات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ملتے ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے میں اختلاف کا واقع ہونا پایا جاتا ہے۔ اسی طرح استخلاف یزید کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے جواز کے حق میں تھے اور بعض اس معاملے میں خلاف رائے رکھتے تھے (مثلاً عبید اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر، حضرت حسین بن علی، عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم)۔ ان حضرات میں سے عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے اختلاف کیا تھا لیکن بعد میں انھوں نے اس معاملے میں موافقت اختیار کر لی تھی اور امت کو مزید خون ریزی سے بچا لیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے استخلاف کے مسئلے میں نہ کسی کو زد و کوب کیا ہے، نہ کسی کو قید میں ڈالا ہے، نہ کسی کو قتل کیا ہے اور نہ کسی کو سزا دی ہے۔ مورخین کی روایات پر نظر کر کے معترضین نے یہ تمام مطاعن مرتب کیے ہیں اور ایسی دلکش عبارات میں عوام کے سامنے ان کو پیش کیا ہے کہ اسے پڑھ کر ناواقف شخص حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب چالاکی ہے، فریب دہی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدظنی پیدا کرنے کی تدبیر ہے اور صحابہ کے ساتھ اپنے بغض و عداوت کا اظہار ہے جس کو یہ لوگ اپنے سینوں میں مستور کیے ہوئے ہیں۔

اس مسئلے کی حقیقت اسی قدر ہے جو ہم نے مندرجات بالا میں ذکر کر دی ہے۔ جس سے ایک منصف مزاج آدمی اصل معاملے کو صحیح طور پر معلوم کر سکتا ہے۔

خود غرضی و مفاد پرستی سے براءت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق معترض لوگ استخلاف یزید کے معاملے کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے قبیلے کے مفاد کی خاطر یہ خود غرضی اور مفاد پرستی کا معاملہ کیا تھا۔ وہ اس معاملے میں مخلص نہیں تھے اور انھوں نے اپنے اقتدار کو محفوظ کرنے کی تدبیر اختیار کی تھی۔

یہ چیز واقعات کے برخلاف ہے اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیانات اس کے خلاف پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ان کے خطبے کا ایک حصہ ناظرین کی خدمت میں ذکر کیا جاتا ہے جو حافظ ذہبی اور ابن کثیر رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے مقام پر ذکر کیا ہے۔

((وقال ابوبکر بن ابی مریم عن عطیة بن قیس قال خطب معاویة فقال اللهم

ان كنت انما عهدت ليزيد لما رأيت من فضله۔ فبلغه ما املت واعنه۔ وان

كنت انما حملني حب الوالد لولده وانہ ليس باهل فاقبضه قبل ان يبلغ
ذالك))۱

”یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کرتے ہوئے خطبہ میں فرمایا: اے اللہ! میں نے یزید کو اس کی
اہلیت کی بنا پر ولی عہد بنایا ہے۔ اس کے متعلق مجھے جو امید ہے اس تک اسے پہنچا دے اور اس کی
اعانت فرما۔ اور اگر میں نے محبت پدری کی بنا پر (ولی عہد) بنایا ہے اور وہ اس کا اہل نہیں تو اس
مقصد تک پہنچنے سے پہلے اس کی روح قبض فرمائے (اور ولی عہدی کو پورا نہ کر)۔“

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کسی خود غرضی اور مفاد پرستی کی بنا پر یہ اقدام نہیں کیا
تھا بلکہ وہ اپنی رائے میں مخلص اور دیانت دار تھے۔ اس بنا پر وہ مجمع عام میں اس قسم کی دعا کر رہے ہیں۔ اس
نوع کے بیانات کے بعد بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نوا صحابہ و تابعین حضرات کے حق میں مفاد
پرستی اور فاسد اغراض کی طعنہ زنی کرنا نہایت ناروا فعل ہے بلکہ ان کی نیت پر حملہ اور ان کے ساتھ سوء ظنی کا
مظاہرہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ان چیزوں سے اسلام نے ہمیں منع فرمایا ہے۔ (اللہ اللہ فی
اصحابی۔ لا تتخذوا ہم من بعد غرضاً..... الخ) یعنی ارشاد نبوی ہے کہ لوگو! میرے اصحاب
کے معاملے میں اللہ سے خوف کرو۔ میرے بعد میرے صحابہ کو اعتراضات کا نشانہ نہ بنا لینا۔ جس نے ان
سے محبت کی وہ ان کے علم و عمل کے باعث نہیں، بلکہ میری محبت کی اساس پر ہے اور جس نے ان سے بغض
رکھا وہ ان کے کسی عمل کی بنا پر نہ ہوگا ان کا حقیقت میں مجھ سے بغض ہوگا جس کے باعث وہ ان سے بغض
کرنے لگیں گے۔

۱ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۶۷ ج ۲ تحت بیعت یزید

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۸۰ ج ۸ تحت سنہ ۵۶ھ، طبع اول مصر۔

شرب خمر (یعنی شراب پینے) کا شبہ پھر اس کا ازالہ

بعض حلقوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب پینے کا طعن وارد کیا جاتا ہے۔ اس اعتراض کی بنیاد مندرجہ ذیل قسم کی روایات پر ہے:

((حدثنا زيد بن الحباب حدثني حسين حدثنا عبدالله بن بريدة قال دخلت انا و ابي على معاوية فاجلسنا على الفراش ثم أتينا بالطعام فاكلنا ثم أتينا بالشراب فشرب معاوية ثم ناول ابي ثم قال ما شربته منذ حرمه رسول الله ﷺ ثم قال معاوية كنت اجمل شباب قريش واجوده ثغرا وما شيء كنت اجد له لذة كما كنت اجده وانا شاب غير اللبن او انسان حسن الحديث يحدثني))

”اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میرا باپ اور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے۔ انہوں نے ہمیں فرش پر بٹھایا پھر ہمارے لیے طعام لایا گیا پس ہم نے کھایا پھر مشروب لایا گیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نوش کیا پھر انہوں نے میرے باپ کو پکڑایا پھر انہوں نے کہا جب سے نبی کریم ﷺ نے اسے حرام کیا ہے میں نے اسے نہیں پیا۔ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں قریش کے جوانوں میں اجمل تھا اور میرے سامنے کے دانت عمدہ تھے یعنی میں خوب رو تھا۔ میں جوانی کے دور میں اس سے زیادہ لذت والی چیز نہیں پاتا تھا۔ ایک تو دودھ اور دوسرا ایسا انسان جو مجھے عمدہ گفتگو بیان کرے (یہ دونوں چیزیں میرے لیے پسندیدہ تھیں)۔“

اس روایت میں ”فشراب معاویة“ کے لفظ سے مخالفین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شراب خوری کا طعن تجویز کیا ہے۔

الجواب

یہ واضح بات ہے کہ معترض لوگ اصل چیز سے چشم پوشی کر کے اپنے زعم کے مطابق اعتراض پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاندین مخالفین نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

اب اس مقام پر اعتراض ہذا رفع کرنے کے لیے چند چیزیں ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں بنظر انصاف اگر توجہ فرمائیں گے تو مسئلہ صاف ہو جائے گا اور اعتراض مندرجہ ہوگا۔

سند کے اعتبار سے بحث

① پہلی بات یہ ہے کہ روایت ہذا کے اسناد میں ایک راوی ”حسین بن واقد مروزی“ ہے اس کے متعلق علماء نے وثاقت ذکر کی ہے مگر ساتھ ہی یہ چیز بھی لکھی ہے کہ امام احمد رضی اللہ عنہ کے پاس حسین بن واقد کی مرویات کا ذکر ہوا تو امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی مرویات کیا چیز ہیں، کچھ بھی نہیں اور اس کی مرویات کی بے وزنی بیان کرتے ہوئے ہاتھ کو جھاڑ دیا۔

۱۔ فاضل عقیلی رضی اللہ عنہ نے امام احمد رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((ذكر ابو عبدالله حسين بن واقد فقال واحاديث حسين ما أرى أي شيء هي؟ ونفض يده))^۱

حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ

۲۔ ((وربما أخطأ في الروايات قال احمد في احاديثه زيادة ما ادرى اي شيء هي؟ ونفض يده))

((قال احمد احاديثه ما ادرى اي شيء هي))^۲

۳۔ ((ثقة له او هام))^۳

۴۔ اور علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے میزان الاعتدال اور المغنی میں وثاقت ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

((واستنكر احمد بعض حديثه..... الخ))^۴

راوی پر اس طرح نقد پائے جانے کے بعد روایت کا وزن جس درجے کا رہ جاتا ہے وہ اہل علم و فن پر

واضح ہے۔

② بالفرض اس سند میں نقد کا اعتبار نہ کیا جائے اور اس سے صرف نظر کر لی جائے تو بھی اس روایت کے متن کے متعلق اتنا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اس کی عبارت کا مفہوم واضح نہیں اور معنی کے اعتبار سے مفہوم میں تدافع پایا جاتا ہے۔

۱۔ ضعفاء الکبیر (عقیلی) ص ۲۵۱ ج ۱ تحت حسین بن واقد الروزی

۲۔ تہذیب التہذیب ص ۳۷۲ ج ۲ تحت حسین بن واقد الروزی

۳۔ تقریب التہذیب ص ۱۱۳ تحت الحسین بن واقد (طبع لکھنؤ)

۴۔ میزان الاعتدال ص ۵۳۹ ج ۱ تحت الحسین بن واقد، طبع بیروت

المغنی (ذہبی) ص ۱۷۶ ج ۱ تحت حسین بن واقد (طبع حلب)

وجہ یہ ہے کہ لفظ ”ثم ناول ابی“ کے بعد ”ثم قال“ مذکور ہے۔ اس ”قال“ کا فاعل اگر لفظ ”ابی“ کو بنایا جائے تو ”ثم قال“ کے بجائے نحوی لحاظ سے ”فقال“ ہونا چاہیے۔ اور اگر ”ثم قال“ کا فاعل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بنایا جائے تو روایت کا مفہوم باہم متعارض بن جاتا ہے اس وجہ سے کہ ما قبل میں شرب معاویہ موجود ہے پھر یہ کہنا کہ ما شربة منذ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس سے متعارض مفہوم تیار ہوتا ہے۔

نیز اہل علم کی توجہ کے لیے یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ روایت ہذا ”مصنف ابن ابی شیبہ“ میں بعض دیگر الفاظ کے ساتھ اس طرح مذکور ہے اور واقعہ ایک ہی ہے:

((حدثنا عبد الله بن بريدة قال دخلت انا وأبى على معاوية فاجلس أبى على السرير واوتى بالطعام واطعمنا واوتى بشراب فشرب فقال معاوية ما شىء كنت استلذه وانا شاب فاخذة اليوم الا اللبن فأخذه كما اخذه قبل اليوم اليوم والحديث الحسن))^۱

مذکورہ روایت کے متن اور مصنف ابن ابی شیبہ و دیگر محدثین کے متن روایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ثم قال ما شربة منذ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات رواۃ کی طرف سے مدرج اور الحاقی ہیں۔ ان کلمات کو عبارت سے الگ کر لیا جائے تو متن روایت میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اور مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ قابل اعتراض روایت کی تعبیر اپنے معنی کے لحاظ سے غیر واضح ہے اور ناقلین کے تصرف سے خالی نہیں۔ اسی بنا پر فاضل پیشی نے مجمع الزوائد میں یہ روایت ذکر کرتے وقت قابل اشکال کلمات کو حذف کر دیا اور آخر میں لکھا کہ وفى كلام معاوية شىء تركته^۲

③ درایت کے اعتبار سے

اس کے بعد ہم دوسرے طریقے سے اس مسئلے پر کلام کرنا چاہتے ہیں:

ایک بات تو یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام کتاب اللہ کے حامل اور عامل تھے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو قائم کرنے والے اور فرمان نبوی پر عمل کرنے والے تھے۔ کتاب اللہ اور احادیث اس مضمون پر دال ہیں۔ بنا بریں صریح حکم شرعی کی خلاف ورزی کوئی صحابی بھی نہیں کرتا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو مشاہیر صحابہ میں سے ہیں اور خلیفۃ المسلمین کے منصب پر فائز ہیں وہ حرام فعل کے کیسے مرتکب ہوئے اور انھوں نے

۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۹۴-۹۵ ج ۱۱ تحت ما ذکر من حدیث الامراء والدخول علیہم (طبع کراچی)

۲ مجمع الزوائد ص ۴۶ ج ۵ کتاب الاطعمہ

شرعی مسئلے کا کیسے خلاف کر دیا؟ حالانکہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حرمت خمر پر کئی روایات اور احادیث منقول ہیں مثلاً:

① ((عن یعلیٰ بن شداد بن اوس سمعت معاویۃ یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول کل مسکر حرام علی کل مؤمن))^۱

② ((عن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من شرب الخمر فاضربوه وان عاد فاضربوه وان عاد فاضربوه فان عاد فاقتلوه))^۲

”ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سماعت کیا آپ نے فرمایا کہ ہر نشہ دینے والی چیز ہر مومن پر حرام اور ناجائز ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص شراب خوری کرے اس کو (حد) لگاؤ۔ اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو (حد) لگاؤ۔ اور اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو (حد) مارو۔ (اور پھر چوتھی مرتبہ وعیداً اور تہدیداً فرمایا) کہ اگر پھر یہ فعل کرے تو اس کو مار ڈالو۔“

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حرمت خمر کی روایات خود نقل کرنے والے ہیں اور نبی اقدس ﷺ سے شراب خوری کی وعیدیں خود سماعت کر چکے تھے اور کاتب نبوی اور منشی رہ چکے ہیں فلہذا یہ مسئلہ ان پر مخفی نہیں تھا اور انھوں نے ارشاد نبوی ﷺ کے خلاف ہرگز عمل درآمد نہیں کیا۔ یہ تو ان کے مقام دیانت کے خلاف ہے۔

(۲) فقہی قواعد

① قابل اعتراض روایت مذکورہ بالا کا جواب علمائے کرام اس قاعدے کے اعتبار سے بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ روایت جو مورد اعتراض ہے درست تسلیم کر لی جائے تو وہ فعلی ہے اور یہ ابن ماجہ و مسند احمد وغیرہ کی روایات قولی ہیں فلہذا قولی اور فعلی کے تعارض کی صورت میں قولی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

② نیز یہ روایات جو اب ذکر کی گئی ہیں محرم ہیں اور قابل اعتراض روایت صحیح ہے۔ محرم اور صحیح روایات کے تقابل کی صورت میں محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔

۱ سنن ابن ماجہ ص ۲۵۱، ابواب الاشریہ باب کل مسکر حرام (طبع دہلی)

۲ مسند امام احمد ص ۹۷ ج ۴ تحت مسندات معاویہ

موارد العلماء الی زوائد ابن حبان (نور الدین ہمشی) ص ۶۳ باب ماجاء فی شراب الخمر

اسنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۳۱۳ ج ۸ کتاب الاشریہ والحد فیہا۔

رفع اشتباہ

اگر کوئی ناواقف شخص یہ اعتراض کرے کہ راوی کا عمل جب اپنی مروی روایت کے خلاف پایا جائے تو وہ قواعد کے اعتبار سے قابل اعتراض اور لائق طعن ہے تو اس کے متعلق جواب یہ ہے کہ علمائے اصول حدیث و فقہ نے قاعدہ ذکر کیا ہے کہ

۱- ((وان كان قبل الرواية او لم يعرف تاريخه لم يكن جرحاً))^۱

۲- ((قال في التوضيح وان عمل بخلافه قبلها او لم يعلم التاريخ لا يجرح))^۲

”مطلب یہ ہے کہ اگر روایت کنندہ کا عمل روایت کرنے سے قبل اپنی مروی کے خلاف پایا گیا یا اس کے عمل کا قبل روایت ہونا یا بعد روایت ہونا متعین نہیں ہو سکا تو اس صورت میں یہ چیز راوی کے حق میں قابل طعن نہیں ہے۔“

۳- نیز یہ چیز قابل توجہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام اور اکابر ہاشمی حضرات مثلاً حسین شریفین، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم وغیر ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کرتے تھے اور ان کے ہدایا اور وظائف قبول اور وصول کرتے تھے اور اس دور کی جہاد کی مساعی میں شامل رہتے تھے۔^۳

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شراب خوری کے مرتکب تھے تو ان حضرات نے کیوں منع نہیں کیا؟ اور ان کے ساتھ دینی و دنیوی تعلقات کیوں استوار رکھے؟ کیا یہ حضرات ایک گناہ اور ظلم پر تعاون کرتے رہے؟ اور ظلم پر تعاون کے مرتکب ہوئے؟ کیا یہ آیات ان کے پیش نظر نہیں تھیں:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

وَلَا تَرَكَوْا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَمَا سَكَمُ النَّارِ

④ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں آنجناب رضی اللہ عنہ کی دعائیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ آنجناب رضی اللہ عنہ نے ان کو ”ہادیاً مہدیاً“ کے الفاظ کے ساتھ دعا دے کر مشرف فرمایا ہے اور آنجناب رضی اللہ عنہ کی دعائیں یقیناً منظور ہوئیں۔

اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر شراب خوری کا اعتراض درست ہے تو وہ قوم کے لیے ”ہادی“ اور اپنے

۱ نور الانوار تحت بیان طعن بلحق الحدیث

۲ بذل المجہود شرح ابی داؤد ص ۸ ج ۲ بحث رفع الیدین

۳ مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۹۵ تا ۲۰۹ (مؤلف کتاب ہذا)

⑤ بالفرض اگر قابل اعتراض روایت مذکورہ کو کسی درجے میں تسلیم کر لیا جائے تو اس کا محمل اور مفہوم یہ ہوگا کہ وہ چیز جو ان حضرات نے نوش فرمائی وہ خمر نہیں تھا جو شرعاً حرام ہے اور ناجائز ہے بلکہ وہ اس دور میں ایک قسم کا مشروب تیار کیا جاتا تھا اور وہ مسکر نہیں ہوتا تھا اور بطور مقوی غذا کے بعض اوقات اس کو استعمال میں لاتے تھے اور راوی کی تعبیر نے اس چیز کو ایسے الفاظ میں نقل کیا ہے کہ جس سے اس کے حرام ہونے کا شبہ پیدا کر لیا گیا۔

نبیز کا استعمال اکابرین امت کی نظر میں

مذکورہ مقوی غذا جو ہم نے ذکر کی ہے وہ نبیز تھی۔ اور اس دور میں نبیز تمر (کھجور) سے تیار کی جاتی تھی اور بعض اوقات منقہ اور شہد سے بھی بنائی جاتی تھی اور نبیز شرعاً حلال تھی۔ اس دور میں اکابر حضرات اس کی حلت کی بنا پر ہی استعمال فرماتے تھے۔

فقہائے کرام نے شرب نبیز کے واقعات میں حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی المرتضیٰ وغیرہم رضی اللہ عنہم کے اسماء ذکر کیے ہیں۔ مقام ذیل ملاحظہ فرمائیں۔^۱

نیز اس مقام پر خصوصی طور پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد شریف اور حسن بصری رضی اللہ عنہ کے متعلق علماء نے ذکر کیا ہے:

① ایک شخص موسیٰ بن طریف اپنے والد سے نقل کرتا ہے (طریف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیت المال کا منشی تھا) وہ کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبیز نوش فرمایا جو سبز رنگ کے مثلے سے لیا گیا تھا۔

۱- ((عن موسیٰ بن طریف عن ابیہ قال وکان علی بیت مال علی بن ابی طالب ان علیا شرب نبیز جرة خضراء))^۲

۲- اور علماء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کے متعلق شرب نبیز کا ذکر کیا ہے کہ وہ مثلے سے نبیز نوش فرمایا کرتے تھے۔

((عن منذر الثوری عن ابن الحنفیة انه کان یشرّب نبیز الدن))^۳

② اسی طرح حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے متعلق مذکور ہے کہ خالد بن بسیط کہتے ہیں کہ ایک دعوت طعام کا اہتمام کیا گیا اس میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ بھی مدعو تھے پس ہم سب لوگوں نے کھانا کھایا اور اس

۱- قوله النبیز: التمر ینبذ فی جرة الماء او غیرها ای یلقى فیہا حتی یغلی وقد یکون من الزبیب والعسل (المغرب للمطرزی) ص ۱۹۶ ج ۲ تحت النبیز، طبع دکن۔

۲- البسوط (شمس الائمہ سرخسی) ص ۱۳۶ ج ۲۳ کتاب الاشریہ (طبع مصر)

۳- طبقات ابن سعد ص ۱۷۱ ج ۶ تحت طریف طبع لیڈن

۴- طبقات ابن سعد ص ۸۵ ج ۵ تحت محمد بن حنفیہ طبع لیڈن

کے بعد پینے کے لیے نبیذ لایا گیا تو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے نوش کیا اور ہم نے بھی پیا۔

((حدثنا ابو العریان خالد بن بسیط قال دعینا الی دعوة فیها الحسن البصری

فاکلنا فاتی بنیذ فشرب الحسن و شربنا))^۱

③ نیز قدیم مورخ و محدث یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ نے اپنی تاریخ میں مندرجہ ذیل کلام ذکر کیا ہے یہ بھی اس مسئلے کی وضاحت کے لیے بڑا بین ثبوت ہے:

((سمعت یحییٰ (بن معین) یقول سمعت یعقوب بن ابراہیم بن سعد عن

ابیہ قال اخبرنی من رأی بریدة بن سفیان یشرب الخمر فی طریق الری۔ قال

یحییٰ وقد روی محمد بن اسحق عن بریدة بن سفیان هذا۔ قال ابو الفضل:

اهل المدینة ومكة یسمون النبیذ خمرًا والذی عندنا انه رأی بریدة یشرب

نبیذا فی طریق الری فقال رأیته یشرب خمرًا))^۲

”یعنی یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یعقوب بن ابراہیم سے سنا وہ اپنے والد سے ذکر

کرتے تھے کہ مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جس نے بریدہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کو طریق الری میں خمر

پیتے ہوئے دیکھا۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ محمد بن اسحاق نے بریدہ بن سفیان سے اس چیز کو روایت کیا۔

اور ابو الفضل کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اور اہل مکہ نبیذ پر خمر کا اطلاق کرتے تھے اور نبیذ کو خمر کہہ دیتے

تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ بریدہ رضی اللہ عنہ کو جو طریق الری میں نبیذ پیتے دیکھا گیا ہے اسی کو دیکھنے

والے نے خمر کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔“

حاصل یہ ہے کہ اس دور میں نبیذ پر خمر کا اطلاق ہوتا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ واقعات مذکورہ بالا کے ذریعے سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ طعام کے بعد

بعض اوقات بعض مقوی مشروب استعمال کیے جاتے تھے جن میں سے ایک نبیذ ہے جو شرعاً حلال اور جائز

ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق جو واقعہ معترضین پیش کرتے ہیں اس میں بھی مشروب اسی نوعیت کا تھا

جو شرعاً جائز تھا۔ شراب نوشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی نہیں کرتا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس طعن

کا مورد صرف عناد کی بنا پر قرار دیا گیا ہے۔

۱ کتاب الکنی دولابی ص ۳۰ ج ۲ تحت کنیت ابو العریان طبع حیدرآباد دکن۔

۲ تاریخ یحییٰ بن معین ص ۷۰ ج ۳ التونی ۲۳۳ھ طبع ام القرئی مکہ مکرمہ

تاریخ یحییٰ بن معین ص ۳۹۶ ج ۳ تحت روایت نمبر ۱۹۲۳ طبع ام القرئی مکہ مکرمہ

اسم معاویہ پر طعن پھر اس کا جواب

بعض حلقوں کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ”معاویہ“ کے معنی آواز کرنے والی سگ مادہ کے ہیں۔ اس کے جواب کے لیے ذیل میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں جن کے ملاحظہ کر لینے سے شبہ بالارفع ہو جاتا ہے:

① سب سے پہلے اس کے لغوی معنی اور مادہ کے اعتبار سے بعض چیزیں پیش کی جاتی ہیں اس کے بعد دیگر امور پیش خدمت ہوں گے۔

اہل لغت نے لکھا ہے کہ ”معاویہ“ اگر معروف بلام ہو تو اس کا معنی ”سگ مادہ آواز کنندہ“ (بھونکنے والی کتیا) کے ہیں اور بغیر الف لام کے لوگوں کے نام کے طور پر مستعمل ہے جیسے معاویہ بن ابی سفیان اور اس کو اصطلاح لغت میں ”اسم منقول عنہ“ کہتے ہیں۔ صاحب قاموس مجد الذین فیروز آبادی رضی اللہ عنہ نے اسی مقام پر اسی مادہ (عوی) سے ایک محاورہ دعاواہم ای صایحہم (یعنی اس شخص نے لوگوں کو آواز دی) بھی ذکر کیا ہے۔ اس محاورہ کے اعتبار سے ”معاویہ“ کا معنی ”لوگوں کو آواز دینے والا“ بھی درست ہے۔

یاد رہے کہ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیدا کرے کہ اسم ”معاویہ“ میں ”ة“ تانیث ہے تو مذکورہ بالا محاورہ اس میں کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ تو اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے یہ پیش کر دینا کافی ہے کہ رجال کے اسماء اور اعلام میں بعض دفعہ ”ة“ تانیث کے لیے نہیں ہوتی جیسے ”یا ساریۃ الجبل“ میں اسم ”ساریۃ“ ایک معروف شخص کا مشہور نام ہے۔ اس طرح طلحہ، عکرمہ وغیرہ بھی اعلام و اسماء الرجال مذکور ہیں اور ان میں ”ة“ پائی جاتی ہے جو کسی طرح بھی تانیث پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی طرح اسم ”معاویۃ“ میں ”ة“ تانیث کے لیے نہیں ہے۔

نیز اہل لغت کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ اسماء اور اعلام میں ان اسماء کے اصل مادہ کا لغوی معنی مراد نہیں

۱۔ القاموس ص ۸۹۶ طبع قدیم تحت مادہ عوی

تاج العروس ۲۵۹-۲۶۰ ج ۱۰ طبع بیروت تحت مادہ عوی۔

۲۔ القاموس ص ۸۹۶ طبع قدیم تحت عوی

لیا جاتا اور علم بن جانے کی صورت میں لغوی معنی اور اس کا اصل مفہوم متروک ہو جاتا ہے مثلاً عباس اور جعفر جب کہ علم (اسماء) ہوں تو ان کے لغوی معنی اور مفہوم مراد نہیں لیے جاتے۔ کیونکہ ”عبوسیت“ کا لغوی معنی ”برا منہ بنانا“ اور تیوری چڑھانا ہے اور اسی طرح ”جعفر“ کا لغوی معنی ”شتر“ بھی ہے جب کہ عباس اور جعفر اکابر بنی ہاشم حضرات کے اسماء ہیں اور ان کا لغوی معنی و مفہوم کبھی مراد نہیں لیا جاتا۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نسب شریف میں یعنی ساتویں پشت میں ایک نام کلاب ہے جو مرہ کا بیٹا ہے، وہاں بھی لغوی معنی مراد نہیں بلکہ وہ مفہوم متروک ہے۔ ٹھیک اسی طرح حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے نام میں لغوی معنی و مفہوم مراد نہیں لیا جاتا۔

اعلام (اسماء) میں طریق کار نبوی

مزید گزارش یہ ہے کہ نبی اقدس ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ قبیح اسماء کو تبدیل فرما دیا کرتے تھے چنانچہ وہ اسماء جو نبی اقدس ﷺ نے تبدیل فرمائے ان میں سے چند ایک بطور نمونہ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

① ایک لڑکی یعنی (بنت عمر بن خطاب) کا نام ”عاصیہ“ تھا اس کا نام آنجناب ﷺ نے تبدیل کرتے ہوئے فرمایا ”انت جمیلہ“

② ایک لڑکی کا نام ”برہ“ تھا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کا نام ”زینب“ رکھو ”سموہا زینب“

③ ایک شخص سے آنجناب ﷺ نے نام دریافت فرمایا تو اس نے کہا ”حزن“۔ آپ نے فرمایا ”انت سہل“

④ محدثین نے ذکر کیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے ”العاص“ کا نام تبدیل فرما دیا تھا۔ اسی طرح عتله، شیطان اور غراب وغیرہم جیسے متعدد اسماء تبدیل فرمائے۔

⑤ ایک شخص عبد شرجنب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جناب نے ارشاد فرمایا تیرا نام عبد خیر ہے۔^۱ مطلب یہ ہے کہ اگر معاویہ نام قبیح تھا تو آنجناب ﷺ حسب دستور اس کو تبدیل فرما دیتے لیکن اسے تبدیل نہیں فرمایا۔ یہ چیز اس کے صحیح ہونے کی تائید ہے اور اس کو محدثین کی اصطلاح میں تقریر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

”معاویہ“ نام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں

نیز نبی اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام ”معاویہ“ تھا اور آنجناب ﷺ نے

اپنی زبان مبارک پر اسی اسم کو استعمال فرمایا اور اسے تبدیل نہیں فرمایا۔ لہذا آنجناب رضی اللہ عنہم کا ان اصحاب کے نام ”معاویہ“ کو تبدیل نہ فرمانا صحت اسم کی قوی دلیل ہے۔ ذیل میں بطور مثال چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے اسمائے گرامی ”معاویہ“ تھے:

① معاویہ بن ثور بن عبادہ بن بکاء العامری البکائی۔

② معاویہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف۔^۱

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ”معاویہ“ کے نام سے ذکر کیے ہیں۔ اسی طرح حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تجرید اسماء الصحابہ میں بہت سی جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ”معاویہ“ نام سے ذکر کی ہے۔^۲

صاحب ”تاج العروس“ نے لکھا ہے کہ ”معاویہ“ نام کے سترہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ پائے جاتے تھے۔

((والمسمى بمعاوية سواه من الصحابة سبعة عشر رجلا))^۳

بصورت الزام شیعہ حضرات کی کتب میں ”معاویہ“ بطور اسماء الرجال

① معاویہ صحابی رسول

معاویہ بن الحکم اسلمی عدہ الشیخ فی رجالہ من اصحاب رسول اللہ ﷺ

② معاویہ شاگرد امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ

معاویہ بن صعصعة ابن اخی لاحقف: عدہ الشیخ فی رجالہ من اصحاب

امیر المؤمنین

③ معاویہ ہاشمی حضرات میں

معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر الطیار: ذاک ولد بعد وفات امیر المؤمنین ع

④ معاویہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں

① معاویہ بن سعید الکندی الکوفی: عدہ الشیخ فی رجالہ تارة مثل ما فی

۱ الاصابہ (ابن حجر) ص ۴۱۰ ج ۳ تحت اسمہ معاویہ

۲ تجرید اسماء الصحابہ ص ۹۰، ۸۹ ج ۲ تحت اسمہ معاویہ

۳ تاریخ العروس (زبیدی) ص ۲۶۰، ۲۵۹ ج ۱۰ تحت مادہ عوی

۴ عمدة الطالب ص ۳۸ تحت عقب جعفر طیار

تنقیح المقال (ماقانی) ص ۲۴۲ ج ۳ تحت باب معاویہ

العنوان فی اصحاب الصادق

② معاویہ بن سلمة النضری: عدہ الشیخ من رجال الصادق!

مندرجہ بالا مقامات پر معاویہ کا نام مستعمل ہے اور اس پر کسی قسم کا طعن معترضین نہیں کیا کرتے تو امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو کیوں مطعون کیا جاتا ہے اس حکمت عملی کی وجہ کیا ہے؟

ایک لطیفہ

ناظرین کرام نے مذکورہ بالا اسماء کو شیعہ کتب سے ملاحظہ فرمایا ہے کہ عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے ایک فرزند کا نام معاویہ تھا۔ یہاں ہم ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لیے ایک لطیفہ پیش کرتے ہیں جو شیعہ کے اکابر علماء نے اس مقام پر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ کتاب عمدة الطالب میں جمال الدین ابن عدبہ شیعہ ذکر کرتے ہیں کہ

((فولد عبدالله عشرين ذكرا وقيل اربعة وعشرين منهم معاوية بن عبدالله كان وصي أبيه وانما سمي معاوية لان معاوية بن ابى سفیان طلب منه ذلك۔ فبذل له مائة الف درهم وقيل الف الف))^۱

”یعنی عبداللہ کے بیس یا چوبیس لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام معاویہ بن عبداللہ تھا اور وہ اپنے باپ کے ”وصی“ تھے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امیر معاویہ بن ابی سفیان نے عبداللہ بن جعفر کو ایک لاکھ درہم اور بقول بعض دس لاکھ درہم دیے تاکہ وہ اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھے۔“
(فلہذا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما نے اس وجہ سے اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھا۔)

مندرجہ بالا روایت کی روشنی میں اکابر شیعہ کے نزدیک آل ابی طالب حضرات کی یہی کچھ حیثیت ہے کہ وہ چند درہم لے کر اپنی اولاد کے اسماء اپنے دشمنوں کے نام کے مطابق رکھ دیتے تھے (سبحان اللہ) یہ چیز واضح طور پر ہاشمی حضرات کی کردار کشی ہے جو شیعہ کے اکابر علماء نے بڑے عجیب طریقے سے درج کر دی ہے مگر یہ چیز ہمارے نزدیک ہرگز صحیح نہیں۔

علمائے انساب کے نزدیک

علمائے انساب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رملہ کا نکاح اور شادی مروان بن حکم کے لڑکے معاویہ کے ساتھ ذکر کی ہے۔ عبارات ذیل ملاحظہ فرمائیں:

① ((وتزوج (معاوية بن مروان بن الحكم) رملة بنت علی بن ابی طالب بعد

۱ تنقیح المقال (ما مقانی) ص ۲۲۳-۲۲۴ ج ۳ تحت باب معاویہ

۲ عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب ص ۳۸ تحت عقب جعفر طیار طبع ثانی نجف

ابی الہیاج عبداللہ بن ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب))^۱

② رملہ بنت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابو ہبیاج کے نکاح میں تھیں، اس کے بعد

((ثم خلف علیہا معاویۃ بن مروان بن الحکم بن ابی العاص))^۲

مذکورہ بالا ہر دو حوالہ جات سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رملہ کا معاویہ بن مروان کے نکاح

میں ہونا بین طور پر ثابت ہے۔ فلہذا معاویہ کا نام قابل طعن و تشنیع نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ائمہ کرام کی اولاد، رشتہ داروں، تلامذہ اور خدام وغیرہ میں معاویہ کا نام مروج و مستعمل

اور متداول ہے۔ ان حقائق کے بعد حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے نام پر اعتراض و طعن قائم کرنے کا

کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ انصاف درکار ہے۔

۱۔ جمہورۃ انساب العرب (ابن حزم) ص ۸۷ تحت اولاد حکم بن ابی العاص

۲۔ نسب قریش (مصعب زبیری) ص ۳۵ تحت ولد علی بن ابی طالب۔

عدم فضیلت کا شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن تجویز کرنے والے دوستوں کی طرف سے یہ چیز بڑے آب و تاب سے پیش کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی روایت صحیح دستیاب نہیں ہوتی۔ اس بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو اسلام میں کوئی صحیح اہمیت نہیں اور نہ ان کے حق میں زبان نبوت سے کوئی شرف منقول ہے۔

ازالہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب، شرف و مدائح، کردار و اخلاق اور اسلامی خدمات وغیرہ کے متعلق ان شاء اللہ تعالیٰ ایک مستقل تصنیف زیر تالیف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تو وہاں حتی المقدور ان مسائل کو بیان کرنے کا قصد ہے۔ اب سردست اس مقام پر چند ایک فضائل و مناقب اختصاراً و اجمالاً پیش خدمت ہیں جو بطور نمونہ ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان سے مندرجہ بالا عدم صحت فضیلت کے شبہ کا ازالہ ہو سکے گا اور ان پر توجہ فرم لینے سے مسئلہ ہذا واضح ہو جائے گا۔ اور مزید اشیاء بھی جو اس مقام کے متعلق ہیں وہ بھی پیش کی جاتی ہیں ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اثبات فضیلت کے لیے پہلے یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قبل از فتح مکہ اور بقول بعض فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ان کا اسلام لانا سید الکونین ﷺ کی خدمت اقدس میں قبول ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اظہرت اسلامی فحشہ فرحب لی یعنی میں اسلام لایا پس آنجناب ﷺ کی خدمت میں حاضری دی تو نبی کریم ﷺ نے میرے حق میں ”مرحبا“ کا کلمہ ارشاد فرمایا۔

نیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کے دور مقدس میں بہت سے اہم امور میں شریک رہے اور متعدد مناصب اور اعزازات کے شرف سے مشرف ہوئے مثلاً:

۱۔ حضور نبی کریم ﷺ کے دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے

مواقع نصیب ہوئے۔ یہ ان کے قبول اسلام کی بہت بڑی علامت ہے اور نشر اسلام کے لیے واضح مساعی ہیں۔ اس کی تفصیلات اپنے مقام پر پائی جاتی ہیں مثلاً غزوہ حنین و طائف میں شمولیت و شرکت کرنا۔ ان کے اعادہ کا یہ موقع نہیں ہے کیونکہ یہ چیز مسلمات میں سے ہے۔

۲۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو ”کاتبین نبوی“ میں شامل کیا گیا اور عہدہ کتابت وحی و غیر وحی کی اہم ذمہ داری دربار نبوت سے ان کو نصیب ہوئی۔ جیسا کہ علمائے کرام نے اس مسئلے کو اپنی جگہ پر وضاحت سے درج کیا ہے اور ہم نے اس مسئلے کی تفصیل بقدر ضرورت اپنی کتاب ”مسئلہ اقربانوازی“ کے ص ۱۳۶-۱۳۷ پر ذکر دی ہے۔ رجوع فرما کر تسلی کی جاسکتی ہے۔

۳۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کو بعض انتظامی امور پر بھی مامور فرما کر روانہ فرمایا کرتے تھے مثلاً وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ یمن کے ایک مقام حضرموت میں اراضی کا ایک قطعہ عنایت فرمانے کا قصد فرمایا تو اس اہم کام کے لیے آنجناب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تاکہ آپ وہاں پہنچ کر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو اراضی کا مناسب قطعہ سپرد کر دیں۔

یہ خصوصی اعتماد اور وثوق کی علامت ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتظامی امور میں طبعی صلاحیت کا واضح ثبوت ہے اور ان کے حق میں بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

((فبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معی معاویۃ بن ابی سفیان قال وأمرہ أن یعطینی ارضاً فیدفعها الی))^۱

۲۔ نسبی روابط

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خاندان کے ساتھ نسبی روابط ہیں جو

۱۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۶۲ ج ۱ تحت تسمیۃ من کتبہ

مجمع الزوائد (بخاری) ص ۳۵۷ ج ۹ باب معاویہ

زاد المعاد (ابن قیم) ص ۳۰ ج ۱ فصل فی کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم (طبع قدیم)

تاریخ یعقوبی شیعی ص ۸۰ ج ۲ تحت کتاب النبی

۲۔ تاریخ کبیر (امام بخاری) ص ۱۷۵-۱۷۶ ج ۳ قسم ثانی تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ

صحیح ابن حبان ص ۱۶۶، ۱۶۷ ج ۱۰، ۹ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ

کتاب الثقات (ابن حبان) ص ۳۲۵ ج ۳ باب الواؤ تحت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ

مکتوٰۃ شریف ص ۲۵۹ الفصل الثانی باب احوال الموت الشرب (بحوالہ ترمذی و دارمی)

مزید حوالہ جات مسئلہ اقربانوازی ص ۶۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمات میں سے ہیں مثلاً:

(الف) جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا (جن کا اسم گرامی رملہ ہے) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر اور ہم شیر ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برادر نسبتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

(ب) علمائے انساب نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ”ہم زلف“ (سانڈھو) بھی ہیں۔ کیونکہ جناب ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہم شیر جن کا نام ”قریہۃ الصغریٰ“ ہے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں مگر ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ مزید رشتہ داریاں بھی ہیں جن کو ہم نے کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ کے ص ۱۲۶-۱۲۷ کے تحت درج کر دیا ہے اور کتب انساب سے حوالہ جات ساتھ ذکر کر دیے ہیں۔ مذکورہ بالا چند ایک امور فضیلت نمونہ کے طور پر ذکر کر دیے ہیں۔ تمام فضائل کا احاطہ کرنا یہاں مقصود نہیں۔

② فضیلت کی صحیح روایت کے فقدان کا جواب

بعض اہل علم کی طرف سے کتابوں میں یہ قول دستیاب ہے کہ لم یصح فی فضل معاویۃ شیء اور عدم فضیلت کے طعن کا مدار اس نوع کے اقوال پر ہے۔ یہ قول بعض اہل علم کا ہے۔ نہ فرمان نبوی ہے نہ صحابہ کا فرمان ہے نہ تابعی کا نہ جمہور علمائے امت کا یہ بیان ہے بلکہ یہ اس عالم کا اپنا ذاتی خیال ہے۔ اور شاذ قول کے درجہ میں ہے اس وضاحت کے بعد اس مسئلے کے متعلق علمائے کرام نے جو چیزیں ذکر کی ہیں ذیل میں ایک ترتیب سے ذکر کی جاتی ہیں۔

ناظرین باہمکین کی خدمت میں گزارش ہے کہ مندرجہ بالا اشیاء جو ہم نے بطور نمونہ پیش کی ہیں ان میں سے ہر ایک مستقل فضیلت کا باب ہے۔ اگر بالفرض فضیلت کی کوئی دیگر روایت صحیح دستیاب نہ بھی ہو تب بھی مذکورہ اشیاء حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف کے اثبات میں اور ان کے اعزاز یافتہ ہونے میں کسی طرح کم نہیں۔ تاہم مندرجہ بالا قول عدم صحت فضیلت کے جواب میں علمائے کرام نے لکھا ہے کہ قائل کی ”عدم صحت روایت“ سے کیا مراد ہے؟

اگر عدم صحت روایت سے مراد یہ ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں تو یہ قول درست نہیں کیونکہ متعدد روایات جو درجہ حسن میں ہیں وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں موجود اور ثابت ہیں

۱۔ مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۲۶-۱۲۷ پر حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

۲۔ مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۲۷ بحوالہ کتاب الحجر ص ۱۰۲ طبع دکن۔

اگرچہ ان کا اسناد اصطلاحی صحت کے درجے سے کم ہے۔ اور جو روایات درجہ حسن میں ہوں وہ محدثین کے نزدیک مقبول ہیں اور ان سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ عند العلماء تسلیم شدہ ہے۔ فلہذا حسان روایات کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں پایا جانا عدم صحت روایت کے قول کے جواب میں کافی ہے۔

چنانچہ مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

((فان ارید بعدم الصحة عدم الثبوت فهو مردود لما مر بین المحدثین فلا ضیر فان فسحتها ضيقة وعامة الأحكام والفضائل انما تثبت بالاحادیث الحسان لعزة الصحاح ولا ينحط ما فی المسند والسنن عن درجة الحسن))^۱
اور کبار علماء نے متعدد روایات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں درج کی ہیں جن کو درجہ حسن میں شمار کیا جاتا ہے مثلاً:

۱۔ ((يقول (عرباض بن سارية السلمی رضی اللہ عنہ) سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول:
اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقره العذاب))^۲

”یعنی عرباض بن ساریہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سردار دو جہاں رضی اللہ عنہ سے سنا آپ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے حق میں فرماتے تھے کہ اے اللہ! اس کو حساب و کتاب کا علم عنایت فرما اور عذاب سے محفوظ فرما۔“

۲۔ ((عبدالرحمن بن عميرة المزنی رضی اللہ عنہ يقول: سمعت النبي صلی اللہ علیہ وسلم يقول فی معاوية بن ابی سفیان: اللهم اجعله هاديا مهديا واهداه واهد به)) قال الترمذی حدیث حسن غریب۔^۳

۱۔ الناہیہ عن ذم معاویہ ص ۳۴ فصل فی الایوبۃ عن مطاعنہ (عبدالعزیز پرہاروی) طبع ملتان

۲۔ فضائل الصحابہ (امام احمد) ص ۹۱۳-۹۱۴ ج ۲ تحت فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ

مسند امام احمد ص ۱۴۷ ج ۴ تحت مسند عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ

صحیح ابن حبان ص ۱۶۹-۱۷۰ ج ۹ تحت ذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

موارد الظمان، نور الدین رضی اللہ عنہ ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

کتاب المعروف والتاریخ (بسوی) ص ۳۳۵ ج ۲

مجمع الزوائد (بیہقی) ص ۳۵۶ ج ۹ باب ما جاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

۳۔ التاریخ الکبیر (امام بخاری) ص ۳۲۷ ج ۴ قسم اول تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

کتاب فضائل الصحابہ (امام احمد) ص ۹۱۳-۹۱۴ ج ۲ تحت فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ

موارد الظمان (نور الدین رضی اللہ عنہ) ص ۵۶۶ باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

مکتوٰۃ شریف ص ۵۷۹ بحوالہ ترمذی شریف باب جامع المناقب الفصل الثانی

ترمذی شریف ص ۵۴۷ ابواب المناقب، تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ طبع لکھنؤ (قال الترمذی بذات حدیث حسن غریب)

”یعنی عبدالرحمن بن عمیرہ مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے حق میں ارشاد فرماتے سنا: اے اللہ! معاویہ کو ہادی اور ہدایت یافتہ فرما، اس کو ہدایت دے اور اس کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت فرما۔“

۳۔ ((عن أبي ادريس الخولاني عن عمير بن سعد قال: لا تذكروا معاوية الا بخير فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول: اللهم اهده))^۱

”یعنی عمیر بن سعد خولانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ خیر و خوبی کے بغیر مت کرو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا اے اللہ! انھیں ہدایت عطا فرما۔“

یہ چند ایک روایات ہم نے پیش کی ہیں جو علماء کے نزدیک درجہ حسن سے کم نہیں اور علمائے کرام اس طرح بھی فرماتے ہیں کہ یہ روایات حسن لغیرہ کے درجے کی ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمن بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو حسن غریب سے تعبیر کیا ہے۔ یہ قاعدہ عند العلماء تسلیم ہے کہ ”درجہ حسن“ کی روایات کو قبول کیا جاتا ہے اور اس سے احکام شرعی ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے۔ فلہذا مذکورہ بالا روایات کی موجودگی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے متعلق صحت روایت کے فقدان کا قول کرنا درست نہیں۔

③ تائیدات

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ بلدہ دمشق میں تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ روایت فضیلت کی عدم صحت کا جواب ذکر کرتے ہوئے درج ذیل قول کیا ہے:

((واصح ما روى في فضل معاوية حديث أبي حمزة عن ابن عباس رضي الله عنهما انه كان كاتب النبي ﷺ فقد اخرجہ مسلم في صحيحه وبعده حديث العرباض ”اللهم علمه الكتاب والحساب“ وبعده حديث ابن ابي عميرة ”اللهم اجعله هاديا مهديا“))^۲

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مندرجہ بالا قول نقل کیا ہے جو حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی من و عن

۱۔ تاریخ الکبیر (المم بخاری) ص ۳۲۸ ج ۳ قسم اول تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، طبع حیدرآباد دکن۔

جامع الترمذی ص ۵۴۷ ابواب المناقب تحت مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ بلدہ دمشق ص ۶۸۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (عکسی قلمی)

۲۔ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوط عکس شدہ ص ۶۹۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تائید ہے۔

((وقال السيوطي الشافعي اصح ما ورد في فضل معاوية حديث ابن عباس رضي الله عنهما انه كاتب النبي ﷺ فقد اخرجہ مسلم في صحيحه وبعده حديث العرباض رضي الله عنه "اللهم علمه الكتابة" وبعده حديث ابن ابي عميرة رضي الله عنه "اللهم اجعله هاديا مهديا")^۱

مندرجہ بالا تائیدات کی روشنی میں یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتب نبوی ہونے کی فضیلت کو، جو امام مسلم رضی اللہ عنہ نے ذکر کی ہے، علمائے کرام "اصح" چیز فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ علماء کے نزدیک فضیلت کتابت نبوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں صحیح تر فضیلت ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے فلہذا ان کی فضیلت کی عدم صحت کا قول کرنا اپنی جگہ پر درست نہیں۔

اور جو روایات اس سے کم درجے کی ہیں ان کے حق میں اکابر علماء "حسن" ہونے کا حکم درجہ بدرجہ لگا رہے ہیں فلہذا یہ بھی اپنے مقام پر مقبول اور لائق اعتماد ہیں اور قابل حجت ہیں اور مردود نہیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ حسن روایات سے شرعی مسائل اور فقہی احکام ثابت ہوتے ہیں فلہذا ان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اثبات بلاشبہ درست ہے۔

مزید تائید

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے متعلق جہاں دیگر چیزیں دستیاب ہیں وہاں ایک اور بہترین فضیلت صحیح روایات میں پائی جاتی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے سمندر میں پہلے جہاد کرنے والے جیش (لشکر) کے متعلق جنت کی خوشخبری ذکر فرمائی اور اس لشکر کے امیر اور سپہ سالار خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ اس پیش گوئی کا مختصر واقعہ صحیح بخاری میں اس طرح ہے:

((ان عمير بن اسود العنسي حدثه انه اتى عبادة بن الصامت رضي الله عنه وهو نازل في ساحل حمص وهو في بناء له ومعه ام حرام قال عمير فحدثتنا ام حرام رضي الله عنها انها سمعت النبي ﷺ يقول: اول جيش من امتي يغزون البحر قد اوجبوا۔ قالت: ام حرام قلت يا رسول الله! انا فيهم؟ قال انت فيهم۔ قالت: ثم قال النبي ﷺ اول جيش من امتي يغزون مدينة القيصر مغفور لهم۔

۱۔ تزيه الشريعة (ابن عراق کنانی) ص ۸ ج ۲ تحت باب فی طائفہ من الصحابہ، الفصل الاول

ذیل اللالی (سیوطی) ص ۵۷ کتاب المناقب مطبع علوی لکھنؤ طبع قدیم۔

فقلت: انا فيهم يا رسول الله؟ قال: لا! ۱

”اس کا مطلب یہ ہے کہ عمیر بن اسود غنسی کہتے ہیں کہ حمص کے ساحل پر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر فروکش تھے اور آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا بھی رفیق سفر تھیں۔ اس موقع پر جناب ام حرام رضی اللہ عنہا نے واقعہ بیان کیا (کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں میرے مکان پر تشریف فرما تھے، خواب سے بیدار ہوئے) تو ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے پہلا لشکر جو بحر میں جہاد اور غزا کرے گا اس نے اپنے لیے جنت واجب کر لی ہے (یعنی انہوں نے ایسا عمل کیا ہے جس سے ان کو جنت ملے گی)۔ ام حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ میں ان لوگوں میں شامل ہوں۔ جناب نے ارشاد فرمایا کہ تم ان میں داخل ہو۔ پھر دوسری بار جناب نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے اول جیش جو مدینہ قیصر پر غزا اور جہاد کرے گا ان کے لیے مغفرت ہے۔ پھر میں نے دوبارہ عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں ان میں داخل ہوں؟ فرمایا کہ نہیں (بلکہ تم پہلے جیش میں ہو)۔“

محدثین کے نزدیک یہ ایک مسلم امر ہے کہ پہلی بار بحری غزوہ جو ۲ھ میں پیش آیا تھا اور جس کو غزوہ قبرص کہتے ہیں اس میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ محترمہ ام حرام رضی اللہ عنہا شامل تھیں۔ اس بحری غزوہ کے امیر جیش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی زوجہ محترمہ فاختہ بنت قرظہ نامی ان کے ہمراہ تھیں۔ اس جیش کے حق میں زبان نبوت سے مژدہ جنت ثابت ہے۔ فلہذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور اس عالم فانی میں جنت کی خوشخبری اور وہ بھی زبان نبوت سے، یہ ایک نہایت سعادت مندی ہے پس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں عدم فضیلت کا قول کسی طرح درست نہیں۔

مذکورہ بالا فضیلت کی صحت میں کوئی اشتباہ نہیں محدثین کے نزدیک یہ بالکل صحیح ہے۔ اور کوئی شخص اگر تعصب کی بنا پر اس کی صحت کا انکار کر دے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تحاسد اور تعاند کرنا (یعنی حسد اور عناد رکھنا) آخرت میں نقصان دہ ثابت ہوگا۔ ارشاد نبوت ہے کہ

((لا تحاسدوا ولا تباعدوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا))

”یعنی اے ایماندارو! آپس میں حسد مت رکھو! باہم بغض مت کرو! ایک دوسرے سے روگردانی مت کرو! اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو کر رہو۔“

④ بصورت دیگر

اکابر علمائے کرام نے محدثین کی ”مصطلحات“ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو محدثین کا

قول ”لا یصح، ولا ثبت هذا الحدیث“ کے مفہوم کو سمجھنے میں غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس قول کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ روایت ”موضوع“ ہے یا ”ضعیف“ ہے ان لوگوں سے یہ قول محدثین کی مصطلحات سے ناواقفیت اور لاعلمی کی بنا پر صادر ہوا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ

((کثیرا ما یقولون ما لا یصح ولا یثبت هذا الحدیث۔ ویظن منه من لا علم له انه موضوع أو ضعیف وهو مبني علی جهله بمصطلحاتهم وعدم وقوفه علی مصطلحاتهم))^۱

چنانچہ اس کی چند ایک تمثیلات اہل علم کے لیے یہاں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ اس مسئلے میں اطمینان خاطر کا باعث ہو سکیں:

۱۔ ((قال الحافظ ابن حجر فی تخریج احادیث الاذکار المسمی ”بتناج الافکار“ ثبت عن احمد بن حنبل انه قال لا اعلم فی التسمیة ای فی الموضوع حدیثا ثابتا۔ قلت: لا یلزم من نفی العلم ثبوت العدم، وعلی التنزل: لا یلزم من نفی الثبوت ثبوت الضعف، لاحتمال ان یراد بالثبوت الصحة فلا ینتفی الحسن))^۲

اور ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے تزییہ الشریعہ میں لکھا ہے کہ

۲۔ ((وقول الامام احمد ”لا یصح“ لا یلزم منه ان یکون باطلا کما فہمہ ابن القيم فقد یکون الحدیث غیر صحیح وهو صالح للاحتجاج به بان یکون حسنا واللہ تعالیٰ اعلم))^۳

۳۔ ((وقال نور الدین السمہودی فی ”جواهر العقیدین فی فضل الشرفین“ قلت لا یلزم من قول احمد فی حدیث التوسعة علی العیال یوم عاشوراء لا یصح ان یکون باطلا فقد یکون غیر صحیح وهو صالح للاحتجاج به إذا الحسن رتبته بین الصحیح والضعیف انتھی))^۴

۱۔ کتاب الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل (مولانا محمد عبدالحی لکھنوی متوفی ۱۳۰۳ھ) ص ۸۶ طبع حلب تحت ایقاظ نمبر ۶۔

۲۔ کتاب الرفع والتکمیل (مولانا محمد عبدالحی لکھنوی) ص ۸۶ تحت ایقاظ نمبر ۶ طبع حلب

۳۔ تزییہ الشریعہ المرفوعہ (ابوالحسن علی بن محمد بن عراق کنانی) ص ۱۵۸ ج ۲ فصل ثانی حدیث عاشورہ

موضوعات کبیر (ملا علی قاری ہروی حنفی) ص ۱۰۵ تحت فصل ومنہا الاحتمال یوم عاشورہ (طبع دہلی)

۴۔ کتاب الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل (مولانا محمد عبدالحی لکھنوی) ص ۸۷ طبع حلب تحت ایقاظ نمبر ۶

الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ (مولانا محمد عبدالحی لکھنوی) ص ۹۵، ۹۳ ج طبع لاہور تحت حدیث فضل یوم عاشورہ۔

مطلب یہ ہے کہ قول لا یصح کے مفہوم کو کبار علمائے حدیث حافظ ابن حجر، ابن عراق، مولانا نور الدین بیہقی، مولانا عبدالحی لکھنوی وغیرہم بیہقی نے واضح کر دیا ہے جس میں اشتباہ باقی نہیں رہا۔ یعنی اگر بعض لوگوں کی جانب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی روایت کے متعلق ”عدم صحت“ کا قول پایا گیا ہے تو وہ کوئی مضرت نہیں، اس سے واقع میں مقبول روایت کی نفی نہیں ہو سکتی۔ یعنی عدم صحت کا قول صحت عدم کو مستلزم نہیں ہے بلکہ اثبات فضیلت ہذا میں درجہ حسن کی روایات موجود ہیں اور قابل احتجاج ہیں۔ ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شرف اور فضیلت بہتر طریق سے ثابت ہے اور جمہور علمائے امت اس کو صحیح قرار دیتے ہیں اور درست تسلیم کرتے ہیں۔

بالفرض اگر ہم تسلیم کر لیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں تو بھی یہ چیز پیش کی جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں مرویات بقول معترض ضعیف ہیں تو عند الحمد شین ایک قاعدہ جاری ہے اس کے پیش نظر ضعیف چیز اگر متعدد طریقوں سے مروی ہو تو وہ بھی ایک دوسرے کی موید ہو کر تقویت کا قاعدہ بخشتی ہے۔

چنانچہ علامہ بیہقی رضی اللہ عنہ نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے جس کو بعد والے علماء اپنی اپنی عبارت میں ذکر کیا کرتے ہیں۔ فی الحال یہاں اس کے لیے دو حوالہ جات علامہ سخاوی و کنانی رضی اللہ عنہما کی عبارات میں پیش کیے جاتے ہیں:

① ((قال (البیہقی) ان اسانیدہ کلہا ضعیفۃ ولكن اذا ضم بعضها الی بعض افاد قوۃ))^۱

② ((وقال (البیہقی) فیہما وفی حدیث أبی ہریرۃ وابن مسعود (رضی اللہ عنہما) اسانیدہا ضعیفۃ ولكنها اذا ضم بعضها الی بعض اخذت قوۃ انتہی))^۲

قاعدہ ہذا کی رو سے یہ چیز واضح ہو گئی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فضائل کی مرویات میں اگر ضعف بھی پایا جائے تو بھی تعدد مرویات کی وجہ سے قابل قبول ہیں اور ان کے اثبات شرف میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں صحت مرویات کی نفی کرنے پر زور دیا ہے ان کی وہ چیز تحقیق کے برخلاف ہے اور مرجوح ہے۔ غایت سے غایت اگر نفی فضیلت کے قول کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس سے حقیقی طور پر نفی مراد نہیں بلکہ اضافی طور پر یہ نفی مراد ہے۔ یعنی بہ نسبت اکابر صحابہ کرام خلفائے راشدین وغیرہم کے فضائل کثیرہ کے ان کے فضائل کم پائے جاتے ہیں۔

۱ المقاصد الحسنہ (شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ) ص ۴۳۱ تحت حدیث من وسع علی عیالہ فی یوم عاشورہ۔

۲ تنزیہ الشریعہ (محمد بن عراق کنانی ۹۶۳ھ) ص ۱۵۷ ج ۲ تحت حدیث من وسع علی عیالہ۔ الخ

ایک تنبیہ

بعض لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تنقیص و عیب کے طور پر یہ چیز ذکر کرتے ہیں کہ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے بخاری شریف کے کتاب المناقب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مرویات کو ”باب ذکر معاویہ“ کے عنوان سے تحریر کیا ہے، ”باب مناقب معاویہ“ کا عنوان تجویز نہیں کیا۔ فلہذا امام بخاری رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت اور فضیلت کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس شبہ کا جواب عند العلماء وہ چیز ہے جو مولانا عبدالعزیز پرہاروی رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر سے رسالے ”الناہیۃ عن طعن معاویہ“ میں ذکر کی ہے:

((واما الجواب عما فعله البخاری فانه تفضن فی الکلام فانه فعل کذا فی اسامة بن زید و عبداللہ بن سلام و جبیر بن مطعم ف ذکر لهم فضائل جلیلة معنونة بالذکر))^۱

”یعنی جو طریقہ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا ہے وہ تفضن فی الکلام کے درجے میں ہے۔ اسی طرح امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اسامہ بن زید، عبداللہ بن سلام اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم کے ابواب میں یہی طریقہ اختیار کرتے ہوئے ان کے فضائل جلیلہ ذکر کیے ہیں اور عنوان باب ذکر فلاں (اسامہ بن زید وغیرہ) قائم کیا ہے۔“

اسی طرح امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب بخاری شریف کے کتاب المناقب میں باب ذکر عباس بن عبدالمطلب اور باب ذکر عبداللہ بن عباس اور باب ذکر حذیفہ بن یمان کے عنوان سے تحریر کیے ہیں۔ حالانکہ ان حضرات کے عمدہ فضائل موجود ہیں۔ ان تمام حضرات کے حق میں امام بخاری رضی اللہ عنہ کا یہ طریق تحریر تفضن فی الکلام کے طور پر ہی ہے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کی کمی کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ”باب ذکر معاویہ“ کے عنوان سے جو ذکر کیا ہے وہ عدم فضیلت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ محض تفضن عبارت کے طور پر ہے جو بلغاء کے کلام میں پایا جاتا ہے۔

۱۔ الناہیۃ عن طعن معاویہ ص ۳۳ تحت فصل فی الاجوبۃ عن مطاعنہ، طبع ملتان از مولانا عبدالعزیز پرہاروی

ازالہ شبہات

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بعض عبارات کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کو جمہور علمائے اہل سنت متقدمین اور متاخرین مثلاً حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی، ابن العربی، امام ربانی، ملا علی قاری اور ابن حجر مکی وغیرہ حضرات رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے دور میں جس طرح بیان کیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے منصب کو پیش کیا ہے وہ طریق صحیح اور درست ہے اور ان کے مقابلے میں اگر کسی بزرگ کی بعض مشتبہ اور موہم عبارات پائی جائیں جن سے تنقیص شان کا پہلو نکلتا ہو تو وہ متروک اور مرجوح قرار دی جائیں گی۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام و منصب بعد والے حضرات کے مرتبہ سے بدرجہ با اعلیٰ و ارفع ہے اور کم درجے والے شخص کو اپنے سے فائق شخصیت پر کلام کرنا مناسب نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض عبارات ایسی پائی جاتی ہیں جن سے معترض لوگ کئی قسم کے اعتراضات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان کر۔ اور ان کی خلافت و امارت کو ناحق قرار دینے کے لیے پیش کرتے ہیں مثلاً:

① ایک مقام پر لکھا ہے کہ ولیس هذا باول قارورة كسرت في الاسلام۔

② ایک دیگر مقام پر مذکور ہے کہ

”بعضے جانب داران معاویہ بن ابی سفیان اس لفظ را تاویل میکنند و گویند مرادش اس بود کہ چرا با

حضرت علی مرتضیٰ درشتی در کلام نمے کتی ونے فہمانی کہ دست از حمایت قاتلان عثمان بردارو۔“

③ ایک اور مقام پر درج ہے کہ

”اس حرکات او خالی از شائبہ نفسانی نبود و خالی از تہمت تعصب امویہ و قریشیہ کہ بجناب ذی النورین

داشت نبوده است۔“

④ نیز ایک اور مقام پر مذکور ہے کہ

”محققین اہل سنت از اطلاق لفظ ”خلیفہ“ ہم تماشائی میکردند چنانکہ در حدیث صحیح (الخلافة بعدی

ثلاثون سنة) و با تلمذ نزد اہل سنت از مقررات است کہ امامت حقہ بدشبہ تاسی مال اعتماد یافت و بصل

حضرت امام حسنؑ کہ پانزدہم ماہ جمادی الاولیٰ در سنہ چہل و یک بوقوع آمد انقطاع پذیر رفت۔“
 ⑤ ایک دوسرے مقام پر محاربین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض کلمات یوں ذکر کیے ہیں کہ
 ”ومحاربت با ایشان از راه شامت نفس وحب جاہ از راه تاویل باطل و شبہ فاسد فسق عملی یا فسق
 اعتقادی است نہ کفر..... الخ“

مذکورہ بالا قابل اعتراض اور موہم عبارات کے جواب کے سلسلے میں ذیل میں بعض امور ذکر کیے جاتے
 ہیں ان پر نظر غائر کر لینے سے اس چیز سے متعلقہ شبہات رفع ہو جائیں گے:

① شاہ عبدالعزیز دہلوی رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ
 رضی اللہ عنہ کے منصب اور مقام کے متعلق اپنی مشہور تصنیف ”ازالۃ الخفا“ (مقصد اول کی تمہید تنبیہ سوم) میں تحریر کیا
 ہے کہ

”باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کیے از اصحاب آنحضرت بود رضی اللہ عنہم و صاحب فضیلت
 جلیلہ در زمرہ صحابہ رضی اللہ عنہم از نہار در حق او سوء ظن کنی و در ورطہ سب او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی۔
 اخرج ابوداود وعن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تسبوا
 اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل احد ذہبا ما یبلغ مد
 احدہم ولا نصیفہ

واخرج ابوداود عن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تسبوا
 علی رضی اللہ عنہما ان ابنی ہذا سید وانی ارجو ان یصلح اللہ بہ بین فئین من امتی۔

وفی روایۃ لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئین من المسلمین عظیمتین

وأخرج الترمذی من حدیث عبدالرحمن بن عمیرہ رضی اللہ عنہ وکان من اصحاب
 رسول اللہ ﷺ عن النبی ﷺ انه قال لمعاویۃ اللہم اجعلہ ہادیا مہدیا
 واهد بہ۔

وأخرج ابن سعد وابن عساکر عن مسلمۃ بن مسلمۃ بن مخلد رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی
 ﷺ یقول لمعاویۃ اللہم علمہ الكتاب ومکن لہ فی البلاد وقہ العذاب
 وأخرج الترمذی من حدیث عمیر بن سعید رضی اللہ عنہ سمعت النبی ﷺ یقول
 اللہم اهد بہ۔

وعقل نیز برآں دلالت میکند زیرا کہ از طرق کثیرہ معلوم شد کہ آنحضرت رضی اللہ عنہم فرمودند کہ وی فی

وقت من الاوقات خلیفہ خواہد شد۔^۱

یہ تمام تنبیہ بڑی عمدہ ہے اور جمہور اہل سنت کے نظریات کے عین مطابق ہے۔ اس مقام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ اور فضیلت کو خوب بیان کیا ہے۔ ان چیزوں کے پیش نظر مذکورہ تعبیرات متروک ہوں گی اور ناقابل التفات قرار پائیں گی۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق کوئی منفردانہ چیز نہیں ہے بلکہ ہر دور میں اہل سنت والجماعت کے اکابر علماء حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ اور مقام کو اسی طرح بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مطاعن سے براءت اور ان کی صفائی ان حضرات نے اپنی اپنی تصنیفات میں پیش کی ہے۔ پس یہی مسلک اور طریق صحیح اور درست ہے اور اس کے مقابلے میں اگر کوئی مشتبہ اور موہم عبارات پائی جائیں تو وہ متروک اور ناقابل التفات ہوں گی۔

② نیز حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات و تصنیفات کی بعض عبارات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تعریضات پائے جانے کی شکایت بعض لوگوں نے خود آنجناب کو تحریر کی تھی اور بطور اعتراض اس چیز کو پیش کیا تھا تو اس شکایت نامہ کے جواب میں خود شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ خط جواب ارسال کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔ وہ جواب آنجناب کے مطبوعہ خطوط میں مذکور ہے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

”و تعریضات در باب معاویہ رضی اللہ عنہ از بس فقیر واقع نہ شدہ اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بنائے مذہب ایشاں یعنی گروہ رافضہ از قدیم بر ہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔ اللہ خیر حافظا۔ و ایں تعریضات در نسخ معتبرہ البتہ یافتہ نخواہد شد۔“^۲

حضرت شاہ صاحب موصوف کی اس تحریر کے ذریعے سے مندرجہ بالا قابل اعتراض اور تمام موہم عبارات کا مسئلہ حل ہو گیا کہ آنجناب نے اپنی تصنیفات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں تنقیص شان کی کوئی چیز تحریر نہیں فرمائی اور نہ وہ اس چیز کو صحیح اور جائز قرار دیتے تھے۔ یہ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں کی طرف سے تصرفات ہیں جن کو شاہ صاحب کی جانب منسوب کر دیا گیا۔

③ حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے ایک وسیع النظر بزرگ اور تبحر عالم دین تھے ان کی دیانت اور وفور علم سے یہ چیز بعید ہے کہ وہ کسی ذی قدر اور مشہور صحابی کی تنقیص کریں اور اس کو اپنے

۱ از لہ الخفا کامل فارسی ص ۱۳۶-۱۳۷ تحت تسمیہ سوم (طبع قدیم بریلی)

۲ مکتوبات شاہ عبدالعزیز نمبر سوم ص ۲۶۵-۲۶۶ مع مقدمہ محمد ایوب قادری مطبوعہ پاک اکیڈمی ص ۱۴۱ ج ۱ وحید آباد کراچی نمبر

مقام سے گرا کر بیان کریں۔

اس بنا پر ان کے بعد میں آنے والے متعدد علماء نے ان کی قابل اعتراض اور موہم عبارات کو الحاقی قرار دیا ہے اور ان میں لوگوں کے عبارتی تصرفات کو واضح کر دیا ہے جیسا کہ خود شاہ صاحب موصوف نے اس چیز کو تسلیم کر کے اس کا رد کیا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل اکابر اہل علم کی اس نشاندہی کو ہم ایک ترتیب سے ذکر کرتے ہیں:

۱۔ امداد الفتاویٰ میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کی ایک عبارت کا جواب دیتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ

”اول تو اس میں کلام ہے کہ وہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کا ہے بھی؟ مجھ کو تو قوی شک ہے۔“

۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (کراچی والے) اپنی کتاب ”مقام صحابہ“ میں لکھتے ہیں کہ

”اسی طرح کا ایک مضمون شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ان کے فتاویٰ کے حوالے سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ مضمون کسی وجہ سے ایسا ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جامع العلوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہ خود اس کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ معلوم نہیں وفات کے کتنا عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدبیر اس میں کی ہو اور کوئی غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کے لیے فتاویٰ کے مجموعے میں شامل کر دی ہو۔ اور اگر بالفرض یہ واقعی شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تو بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔“

③ اس کے بعد ان بعض عبارات کے متعلق اشتباہ کا ازالہ کیا جاتا ہے جو ابتداء ذکر کی گئی ہیں۔

خلافت اور امامت کے متعلقہ بحث تحت عنوان ”ملوکیت کا شبہ اور اس کا ازالہ“ مفصل ذکر کر دی گئی ہے اس کے تحت ان عبارات کا جواب آچکا ہے۔ تاہم اختصاراً مندرجہ ذیل کلام ذکر کیا جاتا ہے کہ حدیث سفینہ جس میں ثلاثون سنہ کی میعاد منقول ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے اور اس میں خلافت کا ملہ راشدہ کی میعاد ذکر کی گئی ہے لیکن اس کے مقابلے میں دیگر متعدد صحیح روایات مروی ہیں جن میں اثنا عشر خلیفہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور

۱۔ امداد الفتاویٰ ص ۳۰۷ ج ۵ کتاب البدعات طبع مجتہائی دہلی۔

۲۔ مقام صحابہ ص ۷۴-۷۵ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (کراچی)۔

اس سے زائد بھی خلفاء اور خلافت کا مذکور ہونا روایات میں موجود ہے۔

ان روایات میں مطلق خلافت کا ذکر کیا گیا ہے جس کو امارت اور ملوکیت بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر امارت و ملوکیت اور خلافت میں باہم تضاد نہیں۔ آیات اور روایات میں امیر اور ملک (یعنی بادشاہ) ہونا مومنین اور صالحین کے حق میں بطور نعمت ذکر کیا گیا ہے۔

ان معروضات کی روشنی میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ماسوا لوگوں پر خلیفہ کے اطلاق کرنے سے تماشی (گریز) اور اجتناب کرنے کا کچھ مطلب نہیں نیز ان لوگوں کو بدترین ملوک کہنا بھی درست نہیں اور ”خلافت راشدہ“ کے بعد ”امامت حقہ“ جاری ہے اگرچہ خلافت راشدہ سے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے کم ہے فلہذا تیس سال کے بعد امامت اور خلافت حقہ کے انقطاع کا قول کرنا درست نہیں۔

نمبر ۶ والی عبارت (ومحاربت با ایشان از راه شامت نفس) میں جو فسق اعتقادی کا مسئلہ ذکر کیا ہے اس کی وضاحت اور تشریح کے لیے اسی مقدمہ کے اوائل میں مصنف نے خود مندرجہ ذیل عبارت ذکر کی ہے وہ جواب کے لیے کافی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”اول آنکہ انکار معنی نص و مدلول آں بنا بر تاویل فاسد کفر نیست بلکہ نوعی است از فسق اعتقادی کہ آزاد عرف اہل سنت ”خطائے اجتہادی“ نامند۔“

”مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر جو فسق اعتقادی کا ذکر ہے اسی کو عرف اہل سنت میں ”خطائے اجتہادی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ فلہذا محاربتین علوی کے حق میں جہاں فسق عملی یا فسق اعتقادی کا ذکر پایا جاتا ہے وہ خطائے اجتہادی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

تاہم اس عبارت میں معبر کی طرف سے ”تعبیری تصرف“ کا احتمال مزید برآں ہے اور اہل علم کو معلوم ہے کہ راوی و ناقل کی تعبیر بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے اور اصل مفہوم کا رنگ ہی بدل دیتی ہے۔

حق گوئی کا مسلوب ہونا یعنی آزادی رائے کا خاتمہ پھر اس کا جواب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما پر طعن کرنے والے احباب نے اس چیز کو بڑے عجیب انداز سے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی گئی تھی اور حق بات کہنا جرم تھا اور زبانیں حق کہنے سے بند کر دی گئی تھیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لیے ورنہ چپ رہو۔ حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے ہو تو قتل، قید و بند اور کوڑے کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ زبانوں پر قفل چڑھا دیے گئے تھے اور آزادی رائے کا خاتمہ کر دیا گیا تھا اور حق گوئی سلب کر لی گئی تھی۔

معرضین دوستوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے دور خلافت کے حق میں نقشہ بالا مرتب کیا ہے۔ لیکن اب ہم اس کے متعلق چند ایک واقعات کتب حدیث اور اسلامی تاریخ و تراجم سے پیش کرتے ہیں جن کے ملاحظہ کر لینے سے مذکورہ امور کا جواب ہو جائے گا اور ایک منصف مزاج پر اس کی حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مذکورہ بالا نقشہ جو طاعنین نے پیش کیا ہے وہ کہاں تک درست ہے اور اس میں کس قدر صداقت پائی جاتی ہے؟ کیا اس دور کے واقعات اس کی تائید کرتے ہیں یا اس کے برعکس پائے جاتے ہیں؟

اس مسئلے پر واقعات پیش کرنے سے قبل بعض تمہیدی امور ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بعض دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو ناصحانہ کلام تحریر کیا اور اس میں ایک نصیحت کی جس کو مورخین نے ایک پختہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے:

((عن عبدالله بن مبارك عن هشام بن عروة قال كتبت عائشة رَضِيَ اللهُ عَنْهَا الى معاوية رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اتق الله فانك اذا اتقيته كفاك الناس اذا اتقيت الناس لم يغنوا عنك من الله شيئا))^۱

”یعنی عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی طرف لکھا اس میں نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے معاویہ اللہ سے ڈرتے رہنا جب تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں کی طرف

سے کافی ہوگا اور جب تم لوگوں سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے لوگ تم کو نفع نہ دے سکیں گے۔“

اس مکتوب میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حق گوئی فرماتے ہوئے خدا خوفی کی ترغیب دی ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور یقین رکھنے کی نصیحت کی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان نصائح کو دل و جان سے قبول کیا اور اس سے نفع اٹھایا۔

اسی طرح ایک مشہور صحابی ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ان سے ایک خیر خواہانہ کلام فرمایا جو بہت مفید تھا۔

((اخبرنی العتبی قال دخل ابو امامة الباهلی رضی اللہ عنہ علی معاویة رضی اللہ عنہ فقال یا امیر المؤمنین! انت رأس عیوننا فان صفوت لم یضرنا کدر العیون وان کدرت لم ینفعنا صفونا واعلم انه لا یقوم فسطاط الا بعمد))^۱

”یعنی ایک دفعہ ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ (صحابی) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور آ کر فرمایا کہ اے امیر المؤمنین آپ ہمارے چشموں کے لیے اصل ہیں۔ آپ صاف رہیں گے تو چشموں کا میلا ہونا ہمیں ضرر نہ دے گا اور اگر آپ میں تکدر اور میلا پن ہوگا تو ہمارا صاف رہنا ہمیں نفع نہ دے گا، اور یقین جانے کہ ستونوں کے بغیر خیمہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔“

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کلام کے بعد یہ دوسرے صحابی کا ناصحانہ کلام ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صاف گوئی کے ساتھ نصیحت کی گئی ہے اور انھوں نے اس کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا ہے۔ یہ دو حوالہ جات آنے والے واقعات کے لیے بطور تمہید کے پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد حق گوئی کے دیگر واقعات ایک ترتیب کے ساتھ ناظرین کرام کی خدمت میں ہم پیش کرتے ہیں ان پر نظر انصاف فرمائیں:

① ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے آ کر کہا کہ اے معاویہ! اللہ کی قسم آپ خود ٹھیک رہیے ورنہ ہم آپ کو درست کر دیں گے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ ٹھیک کرو گے؟ اس شخص نے کہا کہ لاشی کے ساتھ ہم ٹھیک کریں گے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ پھر ہم درست ہو جائیں گے۔

۱۔ ((اخبرنا محمد قال اخبرنا معاذ بن معاذ قال اخبرنی ابو عبیدة قال ان کان

۱ کتاب الجہنی ص ۳۹ تحت کلام معاویہ مطبوعہ دائرة المعارف دکن (امام لغت و ادب ابو بکر محمد بن حسن بن درید الازدی البصری التونی بغداد سنہ ۳۲۱ھ)

الرجل ليقول لمعاوية والله لتستقيمين يا معاوية! او لنقومنك- فيقول بما ذا؟
فيقول بالخشب فيقول اذا نستقيم))^۱

مطلب یہ ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگ حق بات کہتے اور راست گوئی کا حق ادا کرتے تھے ان پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی رکاوٹ اور زبان بندی نہیں تھی۔

اسی نوع کی ایک دیگر روایت بلاذری رضی اللہ عنہ نے انساب الاشراف میں ذکر کی ہے اس میں سعید بن عاص اپنے والد سے ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اور اسی اثنا میں وہ کہنے لگا اللہ کی قسم اے معاویہ! آپ درست اور ٹھیک رہیں یا ہم آپ کی کجی کو درست کر دیں گے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ اللہ تم پر رحمت فرمائے۔ اس نے کہا کہ میں فلاں ابن فلاں حمیری ہوں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو اس سے نرم کلام کر دیتا تو تجھ پر کوئی حرج نہیں تھا۔ اس کے بعد جب وہ چلا گیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لڑکے یزید نے کہا کہ اے امیر المومنین! اگر آپ اس کو ایسی سخت گفتگو پر سزا دیتے تو اس کے ذریعے سے دوسروں کی تادیب ہوتی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اے بیٹے! بعض دفعہ ایسے سخت کلام کی وجہ سے تیرے باپ کو سخت تکلیف پہنچتی ہے تاہم اس کا وبال اس پر ہوتا ہے جس نے قصور کیا۔

((عن سعيد بن العاص عن أبيه قال بينما رجل يخاطب معاوية! اذ قال والله يا معاوية لتستقيمين او لنقومن صعرك قال ومن انت رحمك الله؟ قال انا فلان بن فلاں الحميري قال وما كان عليك لو كان كلامك اللين من هذا فلما ولي قال يزيد بن معاوية يا امير المومنين لو نكلت بهذا تادب به غيره فقال يا بني لرب غيظ قد تحطم بين جوانح ابيك لم يكن وباله الا على من جناه))^۲

(۲) محدثین نے اپنی سند کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو احقاق حق کے طور پر کلام کرنے کا

۱ کتاب الجہنی (ابن درید) ص ۴۱ طبع حیدرآباد دکن تحت کلام معاویہ رضی اللہ عنہ

سیر اعلام النبلاء (ذہبی) ص ۱۰۲ ج ۳ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۳ تحت معاویہ رضی اللہ عنہ

تاریخ الخلفاء (سیوطی) طبع دہلی ص ۱۳۶ تحت سہ ۴۱ حالات معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

مخطوط ابن عساکر ص ۶۷ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ (بروایت ابن عساکر)

مخطوط ابن عساکر ص ۳۵ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ (بروایت ابی عبیدہ)

مختصر تاریخ ابن عساکر ص ۶۰ ج ۲۵ طبع دمشق تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

۲ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۴۰ ج ۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

ایک واقعہ اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔

ہشام بن سعید بن عقبہ کہتے ہیں کہ ایک روز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور خطبہ میں ایسی بات ذکر کی جس کو حاضرین نے ناپسند کیا اور منکر جانا۔ پس ایک شخص نے بروقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام کو رد کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس چیز پر مسرور ہوئے (یا اس کو عجیب معلوم کیا) پھر فرمایا کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آئندہ دور میں) امراء ہوں گے وہ گفتگو کریں گے لیکن لوگ ان کی بات کا رد نہ کر سکیں گے (حالانکہ ان کا کلام قابل تردید ہوگا) ایسے امراء لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے دوزخ میں گریں گے۔

((حدثنا محمد بن السكن بن ابراهيم الايلي قال ثنا ابو عامر قال ثنا هشام بن سعيد بن عقبة قال خطب معاوية فتكلم بشيء مما ينكر الناس فرد عليه وقتا واحد فسرا واعجبه ثم قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول: يكون امراء فيقولون فلا يرد عليهم يتهافتون في النار يتبع بعضهم بعضا))^۱

④ نیز اس مقام پر محدثین اور مورخین دونوں حضرات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حق بات کہنے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے (جس کو ہم قبل ازیں مسئلہ اقربا نوازی کے ص ۱۵۹-۱۶۰ پر صرف مورخین کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں) تاہم اس واقعہ کو متعدد محدثین کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں اور مورخین کی طرف سے اس واقعہ کی جو تائید پائی جاتی ہے اس کے حوالہ جات ساتھ ذکر کر رہے ہیں۔

علامہ نور الدین ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع الزوائد میں مندرجہ ذیل واقعہ نقل کیا ہے:

((عن ابی نقیل عن معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ انه صعد المنبر يوم القمامة فقال عند خطبة انما المال مالنا والفقء فينا فمن شئنا اعطيناه ومن شئنا منعناه فلم يجبه احد فلما كان الجمعة الثانية قال مثل ذلك فلم يجبه احد فلما كان في الجمعة الثالثة قال مثل مقالة فقام اليه رجل من حضرا المسجد فقال كلا انما المال مالنا والفقء فينا فمن حال بيننا وبينه حاكمناه الى الله باسيافنا فنزل معاوية فارسا الى الرجل فادخله فقال القوم هلك الرجل ثم دخل الناس فوجدوا الرجل معه على السرير فقال معاوية للناس ان هذا احياني احياء الله سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول سيكون بعدى امراء

۱ کتاب التوحید واثبات صفات الرب ص ۲۳۸ طبع مصر تحت بحث كل من يشهد الله بالوحدانية يخرج من النار (شیخ ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی سنہ ۳۱۱ھ)

يقولون ولا يرد عليهم يتقاحمون في النار كما تقاحم القردة واذا تكلمت اول جمعة فلم يرد على احد فخشيت ان اكون منهم ثم تكلمت في الجمعة الثانية فلم يرد على احد فقلت في نفسي انى من القوم ثم تكلمت في الجمعة الثالثة فقال هذا الرجل فرد على فاحيانى احياء الله))^۱ (طبرانی فی الکبیر واللاوسط والابو یعلی ورجالہ ثقات)

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قمامہ کے روز منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا۔ فرمانے لگے بیت المال کا مال ہمارا مال ہے اور فے کا مال بھی ہمارا مال ہے۔ جس کو ہم چاہیں گے دیں گے اور جس سے ہم چاہیں گے روک لیں گے۔ حاضرین میں سے کسی نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ جب دوسرے جمعہ کا دن آیا تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا کلام فرمایا لیکن پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ جب تیسرا جمعہ آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا پھر کلام کیا جس طرح کا پہلے جمعہ میں کلام کیا تھا۔ تو اس دفعہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ بات ہرگز اس طرح نہیں ہے بلکہ بیت المال کا مال ہمارا ہے اور فے کا مال بھی ہمارا ہے۔ جو شخص اس بات کے متعلق ہمارے درمیان حائل ہوگا اس کا فیصلہ ہم تلواریں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ہاں پہنچائیں گے۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اپنے مقام پر تشریف لے گئے اور اس شخص کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ لوگ کہنے لگے کہ اب یہ سزا پا کر ہلاک ہوگا۔ لیکن جب لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چار پائی پر بیٹھا ہے۔

اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کو زندہ رکھے اس نے مجھے گویا زندہ کر دیا ہے اور فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد عنقریب امراء و حکام ہوں گے۔ وہ جو بات کہیں گے ان کے جواب میں کوئی کلام نہیں کر سکے گا اور وہ امراء و وزخ میں اس طرح ڈالے جائیں گے جس طرح

۱ مجمع الزوائد (قلمی) ص ۲۳۶ ج ۵ تحت باب فی ائمة الظلم والجور وائمة الضلالة

مخطوط ابن عساکر (قلمی) عکس شدہ ص ۲۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۲ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تطہیر الجنان (ابن حجر مکی) ص ۶۷ طبع دوم مصری مع الصواعق المحرقة۔

بندر ایک دوسرے کے پیچھے گرتے ہیں۔

تحقیق میں نے پہلے جمعہ میں کلام کیا لیکن کسی نے بھی میرے کلام کا جواب نہیں دیا تو میں نے خوف کھایا کہ کہیں میرا شمار بھی ان امراء میں نہ ہو۔ پھر میں نے دوسرے جمعہ کے روز اسی طرح کا کلام کیا تو پھر بھی میری بات کی کسی نے تردید نہیں کی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ کہیں میں ان احکام و امراء میں سے تو نہیں؟ پھر میں نے تیسرے جمعہ میں اسی طرح کا کلام کیا تو یہ شخص کھڑا ہوا اور اس نے میری بات کو رد کر دیا (اور صحیح مسئلہ بیان کیا) اللہ تعالیٰ اس کو زندہ رکھے اس نے مجھے (دین کے معاملے میں) زندہ کر دیا ہے (اور میں اس وعید سے بچ گیا ہوں)۔“

حق گوئی کا یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو پیش آیا۔ اس واقعہ کو محدثین مثلاً طبرانی اور ابو یعلیٰ موصلی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم نے ثقہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور حافظ نور الدین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مجمع الزوائد میں نقل کیا ہے اور ساتھ اس کی توثیق بھی درج کر دی ہے۔ نیز مشہور مورخین مثلاً ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ بلدہ دمشق میں اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ اسلام میں اور ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے تطہیر الجنان میں اپنی اپنی عبارات میں مفصل درج کیا ہے جس سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حق بات کہنے کا مسئلہ واضح ہو گیا اور آزادی رائے کا پایا جانا بھی ثابت ہو گیا۔

حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید لکھا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت عظیم پائی گئی ہے کیونکہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منفرد نظر آتے ہیں۔

④ اس کے بعد ہم ایک اور واقعہ ذکر کرتے ہیں جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی انصاف پسندی اور حق بات کو تسلیم کرنا واضح طور پر پایا جاتا ہے:

ایک دفعہ طاعون سے فرار کے متعلق حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا مکالمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ طاعون سے فرار کر کے کہیں جانا شرعاً ناجائز ہے پھر اس پر فرمان نبوی بیان کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس معاملے میں دوسری رائے تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس مقام پر طاعون کی وبا پھیل جائے وہاں سے گریز کرنا اور چلا جانا جائز ہے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سخت مخالفت کی اور ان کو بر ملا ٹوک دیا۔

اس صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نماز عصر کے بعد منبر پر تشریف لائے اور بیان فرمایا کہ عبادہ بن صامت نے جو اس مسئلے میں مجھے حدیث بیان کی ہے وہ درست ہے۔ پس عبادہ سے دین کے مسائل میں اقتباس کیا کرو، وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

((عن یعلیٰ بن شداد قال ذکر معاویۃ الفرار من الطاعون ف ذکر قصۃ له مع

عبادة فقام معاوية عند المنبر بعد صلاة العصر فقال الحديث كما حدثني
عبادة فاقتبسوا منه فهو افقه مني))^۱

اس واقعہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حق پرستی اور انصاف پسندی واضح ہے۔

⑤ اب اس مسئلے پر ایک دیگر واقعہ اکابر علماء نے ذکر کیا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے حق و صداقت کا برملا اظہار کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے قلبی مسرت کے ساتھ قبول کیا۔

((عن ابی مسلم الخولانی انه نادى معاوية بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وهو جالس
على منبر دمشق فقال يا معاوية انما انت قبر من القبور ان جئت بشيء كان
لك شيء وان لم تجئ بشيء فلا شيء لك- يا معاوية رضی اللہ عنہ لا تحسبن
الخلافة جمع المال وتفرقة ولكن الخلافة العمل بالحق والقول بالمعدلة
واخذ الناس في ذات الله عزوجل- يا معاوية انا لا نبالي بكدر الانهار ما
صفت لنا رأس عيننا وانك رأس عيننا يا معاوية اياك ان تحيف على قبيلة
من قبائل العرب فيذهب حيفك بعدلك فلما قضى ابو مسلم مقالة اقبل عليه
معاوية فقال يرحمك الله))^۲

”مطلب یہ ہے کہ ایک مشہور تابعی راست گو بزرگ ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ

۱ الاصابہ مع الاستیعاب (ابن حجر عسقلانی) ص ۲۶۰ ج ۲ تحت عبادہ بن صامت بن قیس رضی اللہ عنہ۔

۲ حلیۃ الاولیاء (ابو نعیم اصفہانی) ص ۱۲۶ ج ۲ تحت (۱۶۸) ابی مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ۔

حلیۃ الاولیاء (ابو نعیم اصفہانی) ص ۱۲۵ ج ۲ تحت ابی مسلم الخولانی۔

۳ ابو مسلم خولانی کا اسم گرامی عبد اللہ بن ثوب اور بقول بعض عبد بن ثوب ہے اور کنیت ابو مسلم ہے۔ بلاد یمن کے علاقے خولان سے ہیں۔ بڑے بزرگ اور پایہ کے تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ راست گو طبیعت تھی۔ ان کی حق گوئی اور صداقت پسندی کے متعدد واقعات دستیاب ہوتے ہیں۔ ہم اس مقام پر ان کی کرامت اور عظمت کے بعض واقعات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ان کی رفعت مقام واضح ہوتی ہے:

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں یمن میں ایک شخص ”اسود غسی“ نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا۔ ابو مسلم رضی اللہ عنہ ان ایام میں مشرف باسلام ہو چکے تھے لیکن جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری اور شرف زیارت کا موقع نصیب نہیں ہوا تھا اپنے علاقے میں ہی مقیم تھے۔ اسود غسی نے اپنی نبوت کی تصدیق کی خاطر آپ کو بلوایا۔ اسود کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے آپ سے کہا کہ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی شہادت دیتے ہو؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد اسود نے کہا کیا تم میری نبوت کی شہادت دیتے ہو اور مجھے نبی تسلیم کرتے ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں یہ بات سننا گوارا نہیں کرتا (اور اس چیز کو تسلیم نہیں کرتا)۔

انہوں نے ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت جامع دمشق کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ کہنے لگے اے معاویہ! آپ قبروں میں سے ایک قبر ہیں (یعنی آپ قبر میں پہنچنے والے ہیں) اگر آپ کوئی بہتر چیز لائیں گے تو آپ کو فائدہ ہوگا اور اگر کوئی بہتر چیز نہیں لائیں گے تو آپ کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ اے معاویہ! یہ گمان نہ کریں کہ مال جمع کرنا اور پھر اسے تقسیم کرنے کا نام ”خلافت“ ہے بلکہ خلافت تو حق بات پر عمل کرنے، انصاف کی بات کہنے اور لوگوں کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے معاملہ کرنے کا نام ہے۔

اے معاویہ! جب تک کہ سرچشمہ صاف رہے ہمیں نہروں کے میلا اور گدھے ہونے کی پروا نہیں اور آپ ہمارے اصل چشمہ ہیں۔ اے معاویہ! آپ کو قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ پر ظلم کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ آپ کا ظلم آپ کے عدل کو ضائع کر دے گا۔

← اس کے بعد اسود غنسی نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ ایک آتش عظیم تیار کی جائے اور اس میں ابو مسلم کو پھینک دیا جائے چنانچہ ابو مسلم بڑے آتش کدہ میں ڈالا گیا۔ مگر آگ نے آپ پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں کیا اور آپ صبح اور سلامت زندہ رہے۔

پھر اسود کو اس کے حاشیہ نشینوں نے مشورہ دیا کہ اگر خولانی کو اس شہر میں رہنے دیں گے تو آپ کے خلاف یہ فضا خراب کرے گا تو اسود غنسی نے آپ کو شہر بدر کر دیا۔ اس کے بعد ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے تو آنجناب رضی اللہ عنہ کا وصال ہو چکا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر فائز ہو چکے تھے۔

حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی مجلس میں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو اپنے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درمیان بیٹھنے کے لیے جگہ عنایت فرمائی اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر ازراہ محبت و شفقت بوسہ دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں امت محمدیہ کے ایسے شخص کو دیکھا جس کے ساتھ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام والا معاملہ کیا گیا (اور وہ محفوظ رہے)۔

چنانچہ ابونعیم اصفہانی رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ:

ارعن شہر حبیل الخولانی قال بینا الاسود بن قیس بن ذی الحمار العنسی باليمن، فارسل الی ابی مسلم فقال له: اتشهد ان محمداً رسول اللہ؟ قال نعم قال فتشهد انی رسول اللہ قال ما اسمع قن فامر بنار عظیمة فاحجت وطرح فیہا ابو مسلم فلم تضره فقال له اهل مملکة ان ترکت هذا فی بلدک افسدھا علیک فامرہ بالرحیل فقدم المدینة وقد قبض رسول اللہ ﷺ واستخف ابوبکر...

اور ابن کثیر نے اس واقعہ میں یہ چیز ذکر کی ہے کہ:

حلیۃ الاولیاء (ابونعیم اصفہانی) ص ۱۲۹ ج ۲ تحت ابی مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ (۱۶۸)

پس جب ابو مسلم رضی اللہ عنہ اپنی گفتگو تمام کر چکے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا (اس راست گوئی پر) اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو۔“

«(ثم هاجر فوجد رسول الله ﷺ قد مات، فقدم على الصدوق فاجلسه بينه وبين عمر - وقال له عمر رضي الله عنه: الحمد لله الذي لم يمتني حتى ارى في امة محمد ﷺ) من فعل به كما فعل بابر اھيم الخليل ﷺ و قبله بين عينيه))»

اسی طرح ان کی دینی عظمت اور کرامت کا ایک دیگر واقعہ علمائے کرام نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ جب مسجد سے اپنے گھر کی طرف تشریف لاتے تو بلند آواز سے اپنے گھر کے پاس اللہ اکبر کہتے پھر ان کی اہلیہ جو اباً اسی طرح الفاظ تکبیر کہتی تھی۔ ایک رات آپ تشریف لائے اور گھر کے دروازے کے پاس تکبیر کہی لیکن جواب میں گھر سے کسی کلمہ کی آواز نہیں سنائی دی۔ آپ گھر میں داخل ہوئے اور صحن میں کھڑے ہو کر پھر تکبیر اور سلام کہا مگر پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔ گھر میں معمول یہ تھا کہ جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو ان کی اہلیہ ازراہ خدمت آپ کی چادر وغیرہ اتار کر رکھ دیتی اور آپ کے جوتے درست کر دیتی پھر طعام لا کر سامنے رکھتی۔ لیکن اب جب گھر میں تشریف لائے تو گھر کے اندر چراغ روشن نہیں تھا اور آپ کی اہلیہ گھر میں مغموم حالت میں سرنگوں کیے ہوئے پریشانی کے عالم میں زمین کرید رہی تھی۔ آپ نے گھر میں داخل ہو کر صورت حالات سے متعلق اپنی اہلیہ سے دریافت فرمایا۔

((قالت انت لك منزلة من معاوية وليس لنا خادم لو سألته فاخدمنا واعطاك فقال اللهم من افسد على امراتي فاعم بصرها قال وقد جاءتها امرأة قبل ذلك فقالت لها زوجك له منزلة من معاوية فلو قلت له يسأل معاوية بخدمه ويعطيه عشم قال فبينما تلك المرأة جالسة نفي بينها اذا انكرت بصرها فقالت ما لسراجكم طففي؟ قالوا لا! فعرفت ذنبها فاقبلت الى ابي مسلم تبكي وتسأله ان يدعو الله عز وجل لها ان يرد عليها بصرها قال فرحمها ابو مسلم فدعا الله لهما فرد عليها بصرها))

۱ البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۶ ج ۸ تحت فصل ممن ذکر انہ توفی ہذہ النہ (۶۰ھ)

۲ حلیۃ الاولیاء (ابو نعیم اصفہانی) ص ۱۳۰ ج ۲ تحت (۱۶۸) ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ

کتاب مجاب الدعویٰ ص ۱۲۳-۱۲۴ تحت دعا ابی مسلم الخولانی وفضلہ مصنفہ الامام الحافظ ابی بکر عبداللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا القرشی متوفی ۲۸۲ھ

”یعنی اہلیہ نے عرض کیا کہ آپ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک مقام ہے (یعنی آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے) اور ہمارے لیے گھر میں کام کاج کے لیے کوئی خادم نہیں۔ اگر آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے طلب کرتے تو وہ ہمیں ایک خادم دیتے اور کچھ عطایا بھی عنایت فرماتے۔

یہ سن کر حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ برہم ہوئے اور فرمایا اے اللہ! جس نے میری بیوی کو یہ فساد ڈالنے والی بات سکھائی ہے اس کی پینائی ختم کر دے۔ اس سے قبل آپ کے گھر میں ایک خاتون آئی تھی اور اس نے آپ کی اہلیہ سے بطور مشورہ کہا تھا کہ تمہارے خاوند کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں مقام احترام ہے، اگر وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خادم اور کچھ عطیہ طلب کریں تو وہ دے دیں گے اور تمہاری معاشرتی حالت بہتر ہو جائے گی۔ وہ مشورہ دینے والی عورت ان کے گھر میں ہی بیٹھی

⑥ سابقہ واقعات کی طرح ایک دیگر واقعہ ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کے نقد کرنے کا علماء نے ذکر کیا ہے۔ اس میں بھی حق گوئی اور آزادی رائے کا مسئلہ واضح طور پر موجود ہے:

((عن عبد الله بن عروة عن ابى مسلم الخولانى عن معاوية بن أبى سفيان رضي الله عنه انه خطب الناس وقد حبس العطاء شهرين او ثلاثة فقال له ابو مسلم يا معاوية! ان هذا المال ليس بمالك ولا مال ابيك ولا مال امك فاشار معاوية الى الناس ان امكثوا ونزل فاغتسل ثم رجع فقال ايها الناس ان ابا مسلم ذكر ان هذا المال ليس بمالى ولا مال ابى ولا مال امى وصدق ابو مسلم انى سمعت رسول الله ﷺ يقول الغضب من الشيطان- والشيطان من النار والماء يطفى النار فاذا غضب احدكم فليغتسل- اغدوا على عطاياكم على بركة الله عز وجل))

”یعنی ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگوں کے عطایا اور وظائف ادا کرنے میں دو یا تین ماہ کی (کسی وجہ سے) تاخیر ہو گئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطبہ دینے لگے۔ اس اثنا میں جناب ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے سخت کلامی کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (بر ملا ٹوک کر) کہا کہ یہ (بیت المال کا) مال نہ آپ کا ہے نہ آپ کے ماں باپ کی ملک ہے (بلکہ مسلمانوں کا حق ہے۔ بہ تقاضائے بشریت) اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناراضی ہوئی لیکن آپ نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ آپ یہیں ٹھہریں۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لے گئے، وہاں غسل کیا اور پھر واپس تشریف لا کر حاضرین کو خطاب کیا کہ ابو مسلم خولانی نے درست کہا

← ہوئی تھی کہ ناگہاں اس کی آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی اور وہ کہنے لگی تمہارے گھر کے چراغ کو کیا ہوا، کیا چراغ بجھ گیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں چراغ تو روشن ہے۔ اس پر عورت کو یقین ہو گیا کہ میری بینائی ابو مسلم کی بددعا سے ختم ہو گئی ہے۔

اس عورت نے رونا شروع کر دیا اور کہتی تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میری بینائی کے متعلق دعا کریں۔ اس پر ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو اس عورت پر رحم آ گیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس عورت کے حق میں دعا فرمائی اور اس عورت کی بینائی بحال ہو گئی۔“

حاصل کلام یہ ہے کہ اس واقعے سے یہ بات واضح ہوتی کہ ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلق اور حسن سلوک قائم تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی قدر دانی کرتے تھے اور احترام کرتے تھے، باوجودیکہ ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حق گوئی کرتے اور راست گوئی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ نیز معلوم ہوا کہ ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں معاشرتی خوشحالی پسند نہیں تھی اور وہ طلب دنیا سے نفور تھے، جیسا کہ اہل اللہ کا طریقہ ہے۔

۱۔ مخطوطہ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) قلمی نکس شدہ ص ۶۰ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

حلیۃ الاولیاء (ابو نعیم اصفہانی) ص ۱۳۰ ج ۲ طبع مصر تحت (۱۶۸) ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ۔

ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے اور نہ میرے ماں باپ کا ہے۔ میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ غضبناک ہونا شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور پانی آگ کو فرو کر دیتا ہے۔ پس جب ایسی صورت پیش آئے تو غسل کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ آپ لوگوں کو عطا یا دو وظائف مل جائیں گے۔ کل صبح آ جانا۔“

حاصل کلام

مختصر یہ ہے کہ معترض احباب نے حق گوئی کے مسلوب ہونے اور آزادی رائے کے خاتمے کے عنوانات کو بہت بنا سجا کر تحریر کیا ہے (جیسا کہ ابتدائے عنوان میں عرض کیا گیا)۔

ناظرین کرام کی خدمت میں ہم نے حدیث شریف اور تاریخ اسلام و تراجم سے اس دور کے صرف چند ایک واقعات بطور نمونہ پیش کر دیے ہیں۔ یہ صحابہ کرام اور تابعین سے منقول ہیں اور برملا مجالس عامہ میں پیش آئے ہیں۔ اس نوع کے خدا جانے کتنے مواقع سامنے آئے ہوں گے؟

ان امور پر انصاف کے ساتھ نظر غائر فرمائیں کہ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں

① زبانوں پر قفل ڈال دیے گئے تھے؟

② کیا حق گوئی کا مسلوب کیا جانا اسی کا نام ہے؟

③ کیا آزادی رائے کا خاتمہ اسی طرح ہوتا ہے؟

④ کیا بیت المال کے مال کو صرف ذاتی مفاد کے لیے صرف کرنا اسی کو کہتے ہیں؟

خدا را انصاف فرمائیے اور جو چیز حق ثابت ہو اسے تسلیم کیجیے۔ تاریخ میں ہر قسم کا رطب و یابس، صحیح و غلط

مواد موجود ہے۔ اس فن کے قواعد و ضوابط کے تحت جو چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت کے شایان شان ہو اس

کو قبول کیا جاتا ہے اور جو چیز ان حضرات کے مقام و مرتبہ کے خلاف منقول ہو اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔

اکابرین امت کے نزدیک یہ بات مسلمات میں سے ہے۔

اب طعن کرنے والے دوستوں نے برعکس معاملہ کیا ہے۔ جس مواد سے طعن فراہم ہو سکتے ہیں اس کو

لے کر مطاعن تیار کر لیے ہیں اور جن امور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فوقیت قائم اور براءت ثابت ہوتی ہے یا

مطاعن سے دفاع ہو سکتا ہے ان کو نظر انداز کر کے عوام ناظرین کو غلط فہمی میں ڈال دیا ہے انا للہ وانا الیہ

راجعون۔۔۔ فیا حسرتاہ! یہ طریق تحریر دیانت داری کے برخلاف ہے اور اہل اسلام کے ساتھ دھوکا دہی کے

مترادف ہے اور صحابہ کی جماعت کے ساتھ عناد پر وال ہے اور بہتر دور کو سیاہ دور قرار دینے کی سعی لا حاصل

ہے۔ مالک کریم سب مسلمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن کی توفیق

بخشنے۔

بیت المال کے اموال کی بحث

معرض احباب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور سے متعلق جہاں دیگر اعتراضات بڑے عمدہ عنوانات کے ساتھ تحریر کیے ہیں وہاں ”قانون کی بالاتری کا خاتمہ“ کے تحت مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں یہ طعن بھی ثبت کیا ہے کہ اس میں کتاب و سنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی گئی پھر اس پر بطور دلیل جو حوالہ جات دیے ہیں ان میں خاص طور پر مندرجہ ذیل واقعہ کو پیش نظر رکھا ہے۔

وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بصرہ کا حاکم زیاد تھا۔ اس نے خراسان کے علاقے کی طرف حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا اور وہاں ان کے ذریعے سے خراسان کے علاقے میں فتوحات کثیرہ ہوئیں اور بے شمار غنائم حاصل ہوئے۔ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اموال غنائم کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی دوران میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے زیاد کو ایک مکتوب موصول ہوا کہ علاقہ خراسان سے حاصل ہونے والے غنائم میں سے سونا چاندی اور عمدہ اموال ان کے لیے الگ نکال لیے جائیں اور باقی مال کو حسب قاعدہ شرعی تقسیم کر دیا جائے۔

معرض احباب نے یہ واقعہ کتب سے نقل کر کے طعن قائم کیا ہے کہ اموال غنائم کی تقسیم کا یہ طریق کار کتاب و سنت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

الجواب

سب سے پہلے واقعہ ہذا کی سند پر مختصراً کلام کرنا مناسب سمجھا گیا ہے تاکہ اس واقعہ کی صحت یا عدم صحت کے متعلق فیصلہ کیا جاسکے اور ان روایات کے درجہ اعتماد کو جانچا جاسکے اور ان کا محاسبہ کیا جاسکے۔

سند پر بحث

بعض کتابوں میں جو سند منقول ہے ان میں ایک راوی ہشام بن حسان قرظوسی ہے جو حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔ اور ہشام قرظوسی کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بیشتر روایات مرسل نقل کرتا ہے اور درمیان کے راوی یا رواۃ کو ساقط کر دیتا ہے اور معلوم نہیں ہو سکتا کہ درمیان کا راوی کیسا شخص ہے؟ ثقہ ہے یا غیر ثقہ؟ کس ذہنیت کا حامل ہے؟ اور علماء فرماتے ہیں کہ ہشام بن حسان کی

جو روایت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے ہے اسے محدثین کسی درجہ اعتماد میں شمار نہیں کرتے۔

((حدثنا عبدالرحمن نا أبي قال سمعت ابا بكر بن ابي شيبة يقول سمعت

اسماعيل بن علية يقول كنا لا نعد هشام بن حسان في الحسن شيئا))^۱

اسی طرح حسن بصری رضی اللہ عنہ کے معروف شاگرد جریر بن حازم کہتے ہیں کہ میں حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ساتھ سات سال رہا ہوں، میں نے ہشام بن حسان کو آپ کے پاس کبھی نہیں دیکھا۔

((جرير بن حازم فقال قاعدت الحسن سبع سنين ما رأيت هشاما عنده قط۔

فقلت يا ابا النضر قد حدثنا عن الحسن باشياء فيمن تراه اخذه؟ قال اراه

اخذ عن حوشب))^۲

موجب اعتراض روایت اس قسم کے رواۃ سے مروی ہے جو اپنے مروی عنہ کو نہیں ذکر کرتے بلکہ اپنے شیخ کو ترا کر اوپر کے راوی کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ اور اس مقام کی دوسری روایات اس حیثیت کی ہیں کہ ان میں اتصال نہیں بلکہ انقطاع پایا جاتا ہے اور اخباری لوگ اس کے ناقل ہیں جو ہر رطب و یابس کو فراہم کرنے والے ہوتے ہیں۔ فلہذا ایسی روایات کی بنا پر ایک مقتدر صحابی پر طعن قائم کرنا اور ان کی شان دیانت کو مجروح کرنا ہرگز درست نہیں۔

چند دیگر امور

اب اس کے بعد اس واقعہ کے متعلق چند دیگر امور ذکر کیے جاتے ہیں:

① واقعہ ہذا کی متعلقہ روایات پر نظر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ ہذا میں ان حضرات کا اس دور میں رائے کا اختلاف پایا گیا جس کو فکر و نظر کا اختلاف کہنا بجا ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے جو انھوں نے زیاد کی معرفت ارسال کی وہ یہ تھی کہ اس موقع کے غنائم سے سیم و زر (چاندی سونا) اور عمدہ اموال مرکزی بیت المال میں جمع کرانے چاہئیں۔ جب کہ قلم بن عمرو رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان غنائم کی تقسیم بر موقع ہونی چاہیے۔ فلہذا انھوں نے اپنی فکر کے مطابق مرکز کی رائے کو تسلیم نہ کرتے ہوئے حسب قاعدہ غنائم کے مال کو موقع پر ہی تقسیم کر دیا۔ اندریں حالات اگر دونوں حضرات کی آراء کو اپنی اپنی جگہ تسلیم کر لیا جائے تو کسی قسم کا اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

② نیز یہاں معترضین کا یہ طعن کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی ذات کے لیے سیم و زر اور عمدہ مال جمع

۱ کتاب الجرح والتعديل (ابن ابی حاتم رازی) ص ۵۶ ج ۳ قسم ثانی تحت ہشام بن حسان القردوسی

۲ میہ ان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۹۶ ج ۴ تحت ہشام بن حسان القردوسی

تہذیب التہذیب ص ۳۵ ج ۱۱ تحت ہشام بن حسان القردوسی

کرنا چاہتے تھے درست نہیں۔ مورخین نے تصریح کر دی ہے کہ جو حکم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جمع مال کے لیے زیاد کو تحریر کیا تھا اس میں الفاظ یہ ہیں کہ:

((بجمع كله من هذه الغنيمة لبیت المال... الخ))^۱

اور ایک دوسرے مقام پر حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ

((ان يصطفى من الغنيمة لمعاوية ما فيها من الذهب والفضة لبیت ماله... الخ))^۲

یعنی اس نوع کی تعبیرات کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیت المال کے لیے یہ اموال مرکز میں جمع کرانا چاہتے

تھے اور خاص طور پر اپنی ذات کے لیے یہ حکم ارسال نہیں کیا تھا۔ ان عبارات سے خواہ مخواہ یہ مطلب اخذ کرنا کہ انھوں نے اپنی ذات کے لیے یہ مال الگ کرنا چاہا تھا ہرگز درست نہیں۔

ان روایات کا یہ محمل جو ہم نے ذکر کیا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت کے مطابق بھی ہے اور اسی طرح علمائے کرام فرمایا کرتے ہیں۔ زمانہ قریب کے ایک بہترین مورخ اور عمدہ سیرت نگار عالم (علامہ شبلی نعمانی رضی اللہ عنہ) نے بھی تقسیم مال کے مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے تیسرا جواب یہی تحریر کیا ہے کہ:

((انه ليس في هذه العبارة ما يستدل به على استيثار معاوية المال لنفسه فان

مراده ان العمال ليس لهم تقسيم الفئ بل الامر موكول الى الخليفة فعلى

العامل ان يجمع الاموال ويرسلها الى الخليفة وللخليفة ان يضعها

موضعها))^۳

”مطلب یہ ہے کہ اس عبارت سے یہ استدلال کرنا درست نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

اپنی ذات کے لیے جمع اموال کو ترجیح دینا اور ان پر اپنی دسترس قائم کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ ان کا

مقصد یہ تھا کہ تقسیم اموال نے (وغیرہ) کا معاملہ عمال کی طرف مفوض نہیں بلکہ یہ معاملہ خلیفہ

مسلمین کے سپرد ہے۔ خلیفہ کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اموال کو جمع اور فراہم کریں اور خلیفہ وقت کے

ہاں ارسال کر دیں۔ پھر خلیفہ مسلمین اموال کو ان کے مواقع میں صرف کرنے کا اختیار رکھتا

ہے۔“

۱۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۹ ج ۸ تحت ۳۵۵

۲۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۴۷ ج ۸ تحت ۵۰

۳۔ الانتقاد علی تمدن اسلامی از مولانا شبلی نعمانی ص ۳۳ تحت جواب الثالث طبع قدیم

اموال غنیمت کے مسائل بھی یہی حکم رکھتے ہیں کہ شرعی حدود کے تحت خلیفہ وقت کی ہدایت کے مطابق ان پر عمل درآمد کیا جائے۔ عمال و حکام خلیفہ اسلام کے فرمان سے بے نیاز ہو کر اموال کے صرف کرنے اور تقسیم کرنے کے مجاز نہیں۔

۳) ایک آزمائشی مکالمہ

واقعہ ہذا کے متعلق ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے ایک دیگر روایت ذکر کی ہے جس میں اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے آزمائشی طور پر کلام کیا تھا۔ بعض اوقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حاضرین سے بطور سوال و جواب مکالمہ فرمایا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ”حق گوئی اور آزادی رائے“ کے عنوان کے تحت بھی اسی قسم کا ایک مکالمہ پایا جاتا ہے (جیسا کہ قبل ازیں تحریر کر دیا ہے) جس میں آپ نے فرمایا ”والمال مالنا والفتی فیئنا“ اس پر حاضرین میں سے ایک شخص کا بروقت جواب دینا مذکور ہے۔

اس مقام پر بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آزمائشی طور پر حاضرین سے کلام کیا۔ اس مکالمہ کو ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تاریخ بلدہ دمشق میں مفصل ذکر کیا ہے۔ ایک مشہور راوی قتادہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ جب حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کا جوابی مراسلہ زیاد کی طرف پہنچا تو زیاد نے اس مراسلہ اور اپنی طرف سے ایک مکتوب کو یک جا کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ جب یہ مکتوب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موصول ہوا تو آپ لوگوں کے سامنے تشریف لائے اور زیاد کے مکتوب کی خبر دی اور حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے رد عمل کو بیان کیا (حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مرکز کی طرف سے موصولہ ہدایات کے برخلاف اموال غنائم سے خمس علیحدہ کر کے باقی اموال مجاہدین میں بر موقع تقسیم کر دیے تھے) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں۔ اس پر بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ اس خلاف ورزی پر صلیب پر چڑھائے جانے کے قابل ہیں۔ بعض نے یہ رائے دی کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جانے چاہئیں۔ اور بعض نے یہ رائے دی کہ جتنا مال انھوں نے وہاں تقسیم کیا ہے اس کا ضامن اور تادان ان سے وصول کیا جائے۔

ان آراء کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کلام فرمایا کہ تم لوگ برے وزیر ہو۔ تم سے تو فرعون کے رائے دہندگان بھی بہتر تھے۔ کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں ایسے شخص کو سزا دوں اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں جس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو میرے مکتوب پر ترجیح دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو میرے طریقے سے مقدم رکھا ہے۔ اس شخص نے بڑا اچھا اور عمدہ کردار ادا کیا ہے اور درست کارگزاری کا مظاہرہ کیا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمدہ مناقب اور بہترین محامد میں شمار کیا جاتا ہے۔

((عن سعید بن ابی عروبة عن قتادة قال لما انتهى كتاب الحكم بن عمرو الى زياد كتب بذالك الى معاوية وجعل كتاب الحكم في جوف كتابه فلما قدم الكتاب على معاوية خرج الى الناس فاخبرهم بكتاب زياد وصنيع الحكم فقال ما ترون؟ فقال بعضهم أرى ان تصلبه وقال بعضهم أرى تقطع يديه ورجليه وقال بعضهم أرى ان تغرمه المال الذي اعطا. فقال معاوية بشس الوزراء انتم!! وزراء فرعون كانوا خيرا منكم. اتأمروني ان اعمد الى رجل اثر كتاب الله تعالى على كتابي و سنة رسول الله ﷺ على سنتي فاقطع يديه ورجليه؟ بل احسن و اجمل * واصاب فكانت هذه مما تعد من مناقب معاوية))^۱

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کردار و عمل کی قدر دانی فرمائی اور اس کو درست قرار دیا۔ اور علمائے امت اس چیز کو محامد و محاسن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں شمار کرتے ہیں۔ لہذا اس واقعہ سے کتاب و سنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا مستبد کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اور معترض احباب کے اس واقعہ کے متعلق معلومات خاصے کمزور پائے جاتے ہیں ورنہ اس موقع کی تمام مرویات پر نظر کرنے کے بعد کوئی بات محل اعتراض اور جائے طعن نہیں ہے۔

بصورت دیگر

یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تقسیم مال کے مسئلے میں عوام الناس کے ساتھ درست معاملہ رکھتے تھے اور مال کو شرعی قواعد کے مطابق تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس سے متعلق ایک دیگر واقعہ تحریر کیا جاتا ہے اور علامہ ذہبی اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہما نے اس واقعہ کو اپنی اپنی عبارات میں نقل کیا

۱ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوطہ عکس شدہ ص ۵۲، ج ۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

☆ قولہ احسن و اجمل..... بعض روایات میں اس موقع پر یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مرکز کے حکم کی خلاف ورزی پر قید میں ڈال دیا گیا اور ان پر کئی قسم کے تشدد کیے گئے حتیٰ کہ وہ قید ہی میں فوت ہو گئے۔ یہ سب چیزیں راویوں کی طرف سے روایت میں تجاوزات ہیں اور داستان کو دردناک بنانے کے لیے اضافہ کی گئی ہیں اور یہ ہرگز درست نہیں۔ جیسا کہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ مندرجہ بالا واقعہ نے اس مسئلے کو صاف کر دیا ہے۔ یہی درست ہے اور حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ موصوف کی وفات طبعی طور پر خراسان میں ہوئی تھی۔

ہے۔ ہم قبل ازیں کتاب اقربانوازی ص ۱۶۱ تحت ”اسلامی خزانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں“ ذکر کر چکے ہیں لیکن اب ابن عساکر رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا جاتا ہے۔

عطیہ بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو میں نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ کہہ رہے تھے کہ اے لوگو! تمہیں عطیات دینے کے بعد تمہارے بیت المال میں جو مال باقی ماندہ موجود ہے اسے میں تمہارے درمیان تقسیم کر دوں گا اور اگر آئندہ سال بھی زیادہ مال پہنچ گیا تو وہ بھی تم لوگوں میں تقسیم کر دیں گے اور اگر یہ صورت نہ پائی گئی تو ہم پر کوئی الزام نہ ہوگا۔ یقیناً بیت المال کا مال میرا مال نہیں ہے۔ بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کا مال ہے جو اس نے تمہاری طرف لوٹا دیا ہے۔

((عن عطیة بن قیس قال خطبنا معاویة فقال ان فی بیت مالکم فضلا عن

عطاءکم وانا قاسم بینکم ذالک فان کان فیہ قابلا فضلا قسمته علیکم والا

فلا عتیبة علی فانہ لیس مالی وانما هو فی اللہ الذی افا علیکم))^۱

اس واقعہ سے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تقسیم مال کے متعلق طریق کار واضح ہو گیا اور ان کا بیت المال کے حق میں نظریہ بھی سامنے آ گیا کہ وہ ان اموال کو اللہ اور مسلمانوں کا مال تصور کرتے تھے اور اموال کو اسلامی قواعد کے خلاف نہیں استعمال کرتے تھے۔ ان مسائل میں شرعی احکام کی صریح خلاف ورزی کا پروپیگنڈا اور بیت المال میں ناروا تصرف کے الزامات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بالکل غلط بیانی پر مبنی ہیں اور اس دور کے واقعات کے برعکس ہیں۔

شرعی احکام کی رعایت

مسئلہ مذکورہ کے متعلق یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دین کے معاملات میں شرعی قواعد کی پوری رعایت رکھتے تھے اور اس پر عمل درآمد کی دیگر اہل اسلام کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کے کئی خطبات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک خطبہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے جس کو اکابر مورخین اور محدثین نے اپنی تصانیف میں اپنی اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن نجی ابو عامر البوزنی کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں حج ادا کیا۔ آپ جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کو اطلاع ملی کہ ایک شخص قاص (قصہ گو) ہے جو لوگوں کے سامنے عجیب چیزیں بیان کرتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے بلا بھیجا۔ جب وہ شخص آیا تو

۱ تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوط کس شدہ ص ۲۸ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

منہاج السنہ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۵ ج ۳ تحت السبب السابق

المستغنی (ذہبی) ص ۳۸۸ تحت ثناء الائمة علی معاویہ۔

آپ نے فرمایا کہ تجھے اس بات کی کس نے اجازت دی ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے کسی نے حکم نہیں دیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ پھر تو یہ کام کس لیے کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ ایک علم (اخباری روایات) ہے جسے ہم پھیلاتے ہیں۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اگر پہلے میں نے تجھے منع کیا ہوتا تو اب میں تجھے سزا دیتا۔ اب تو یہاں سے چلا جا اور اس کے بعد تیرے متعلق یہ شکایت سننے میں نہ آئے۔ اس کے بعد جب ظہر کا وقت ہوا تو آپ نماز کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا۔

((حدثني عبد الله بن نجى ابو عامر الهوزنى قال حججت مع معاوية فلما قدم مكة اخبر ان بها قاصا يحدث باشيء تنكر فأرسل اليه معاوية فقال أمرت بهذا؟ قال لا۔ قال فما حملك عليه؟ قال علم نشره فقال له معاوية لو كنت تقدمت اليك لفعلت بك۔ انطلق فلا اسمع انك حدثت شيئا۔ فلما صلى الظهر قعد على المنبر فحمد الله و اثنى عليه ثم قال يا معشر العرب والله لئن تقوموا بما جاء به نبيكم ﷺ فغيركم من الناس احرى ان لا يقوم به الا ان رسول الله ﷺ قام فينا يوما فقال ان من كان قبلكم واهل الكتاب افترقوا على ثنتين وسبعين ملة يعنى الاهواء وان هذه الامة ستفترق على ثلاث وسبعين ملة يعنى الاهواء اثنتين وسبعين فى النار وواحدة فى الجنة وهى الجماعة فاعتصموا بها فاعتصموا بها))^۱

اور یعقوب بسوی نے بہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((انه سيخرج فى امتى اقوام تتجارى بهم تلك الاهواء كما يتجارى الكلب بصاحبه فلا يبقى منه عرق ولا مفصل الا دخله۔ والله يا معشر العرب لئن لم تقوموا بما جاء محمد ﷺ بغيركم من الناس احرى ان لا يقوم به))^۲

”اس خطبے کا اجمالی مضمون اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے جماعت عرب! اللہ کی قسم اگر آپ لوگ نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کو قائم نہیں کریں گے تو باقی اقوام بطریق ادنیٰ اس دین کو قائم نہیں کریں گی۔ (فلہذا تمھارے لیے دین کا قائم کرنا بہت ضروری ہے) اور آپ نے ارشاد نبوی نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اور اہل کتاب بہتر طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور اس امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ وہ

۱ کتاب السنہ (محمد بن نصر مروزی التوفیٰ سنہ ۲۹۴ھ) ص ۱۴-۱۵ مطبوعہ ریاض

۲ کتاب المعرفہ والتاریخ (یعقوب بسوی) ص ۳۳۱-۳۳۲ ج ۲ تحت ابی عامر عبد اللہ بن نجی الہوزنی۔

سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک جماعت جنت میں جائے گی اور وہ اہل اسلام کی بڑی جماعت ہوگی۔ پس تم لوگ مضبوطی سے جماعت کے ساتھ رہو۔

اور بعض روایات میں یہ ارشاد بھی موجود ہے کہ اس امت میں کئی لوگ صاحب ابواء یعنی خواہش پرست پیدا ہوں گے اور نفسانی خواہشات ان کی رگ و پے میں سمائی ہوں گی۔ ان لوگوں سے تم اجتناب اور اعراض کرنا اور دین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم رہنا۔

مندرجہ بالا خطبے کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرنے اور دین اسلام پر قائم رہنے کی اہل اسلام کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔ فلہذا وہ دین کے مسائل اور احکام شرعی کے برخلاف کرنا کیسے پسند کر سکتے تھے؟ وہ شخص جو دین اسلام پر عمل پیرا ہونے کی دوسروں کو تلقین کرتا ہے اگر وہ خود شرعی احکام کا پابند نہ ہو تو اس کی ترغیب و تلقین کیسے موثر ہو سکتی ہے؟ اور اس پر کیا ثمرہ مرتب ہو سکتا ہے؟

اسی چیز کی تائید میں بعض اکابر مورخین کا قول ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ

((ومعاویة ومن كان في عصره بالشام من الصحابة والتابعين اتقى لله واشد محافظة على اداء فرائضه وافقه في دينه))^۱

”یعنی اکابر علماء فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم عصر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر تابعین رضی اللہ عنہم ملک شام میں موجود تھے وہ اللہ تعالیٰ سے بہت خائف اور متقی تھے اور فرائض کی ادائیگی پر بہت محافظت اور پابندی کرنے والے تھے۔ دین کے معاملات میں نہایت فقیہ تھے اور ان سے یہ معاملات مخفی نہیں تھے۔“

ایک تائید

نیز گزارشات بالا کے بعد یہ چیز قابل غور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان ایام میں جن میں یہ واقعات پیش آئے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک خاصی تعداد موجود تھی۔ مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، مسور بن مخرمہ، زید بن ثابت، سائب بن یزید، عقیل بن ابی طالب، حسین بن علی، ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ ان حضرات میں سے کسی بزرگ نے ان اموال کی تقسیم کے معاملے میں کوئی اعتراض نہیں کھڑا کیا۔ حالانکہ یہ حضرات خلاف شرع معاملہ پائے جانے پر خاموشی اختیار کرنے والے نہیں تھے اور

۱ تاریخ بلدہ دمشق کامل (ابن عساکر) ص ۳۵۱ ج ۱ (طبع اول دمشق) تحت باب ماوردنی ذم اہل الشام و بیان بطلانہ عند ذوی الافہام۔

شرعی قواعد کی صریح خلاف ورزی کی تائید کرنے والے نہیں تھے۔ اور اس پر مستزاد یہ بات ہے کہ بیت المال سے اس دور میں ان تمام حضرات کو درجہ بدرجہ وظائف اور عطایا جاری ہوتے تھے۔ بیت المال کے اموال میں اگر شرعی احکام کی صریح خلاف ورزی پائی گئی تھی تو ان حضرات نے اعتراض کیوں نہیں کیا؟ اور وہاں سے اموال حاصل کرنے سے اجتناب کیوں نہیں کیا؟

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ أَوْ لَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِلْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوا اللَّهَ كِتَابَ وَسُنَّتِ كِ اس نوع کے فرامین کیا ان کے پیش نظر نہیں تھے؟ اور کیا یہ حضرات ان پر علم پیرا نہیں ہوتے تھے؟ اس معاملے میں ان حضرات کا تعامل ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں صفائی پیش کرنے اور دفاع کرنے کے لیے کافی و دانی ہے۔

اموال کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت

سیرت نگار علماء اور مورخین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری ایام کے متعلق تحریر کیا ہے کہ جب آپ کے آخری اوقات آگئے تو آپ نے جہاں دیگر وصایا فرمائیں ان میں سے ایک وصیت یہ بھی فرمائی کہ میری مالی جائداد میں سے نصف مال لے کر بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ مقصد یہ تھا کہ اگر مال کے معاملے میں فروگزاشتیں ہوئی ہوں تو ان کا مداوا ہو جائے اور باقی مال صاف ہو سکے۔ اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح معاملہ فرمایا تھا۔ چنانچہ علامہ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ

((ان معاویة اوصی بنصف ماله ان یرد الی بیت المال کانه ارادہ ان یطیب له

الباقی لان عمر قاسم عماله))^۱

حاصل یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے اموال کے سلسلے میں حتی المقدور قواعد شرعی کا لحاظ رکھا اور دینی احکام کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کی حتیٰ کہ آخری وصایا میں بھی بیت المال کے متعلق اپنے ذاتی اموال میں سے نصف مال داخل بیت المال کرنے کی وصیت فرمائی۔

فلہذا معترض احباب نے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اموال کے معاملے میں کتاب و سنت کے احکام کی صریح خلاف ورزی کا طعن ذکر کیا ہے وہ درست نہیں اور اس دور کے واقعات اس بات کے خلاف پائے جاتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اس اعتراض سے ملوث نظر نہیں آتا اور قانون کی بالاتری کے خاتمے کا اعتراض سراسر بے جا معلوم ہوتا ہے۔

۱ کتاب انساب الاشراف (بلاذری) ص ۲۲، ۲۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

تاریخ بلدہ دمشق (ابن عساکر) مخطوط نکسی ص ۷۵۲ ج ۱۶ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ

توریت مسلم و کافر کا مسئلہ

معرض احباب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ طعن بھی قائم کیا ہے کہ نبی اقدس ﷺ اور خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا تھا لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث نہیں قرار دیا۔ یہ سنت طریقہ کے خلاف بدعت تھی۔ اس کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے آ کر موقوف کیا۔

جواب

ناظرین کرام اس بات کو یاد رکھیں کہ توریت مذکورہ کا مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ ہے پھر تابعین اور تبع تابعین میں مختلف فیہ رہا، اور پھر اکابر فقہاء میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ پہلے ہم اس اختلاف کی نوعیت ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں اس کے بعد اس کے متعلقہ دیگر امور ذکر کریں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اس تمام بحث پر نظر کر لینے کے بعد اس مسئلہ کے نشیب و فراز سامنے آ جائیں گے اور معترضین کے اس اعتراض کی خفت اور سبکی کے ساتھ ساتھ اس کا بے محل ہونا بھی واضح ہو جائے گا۔ عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ مسئلہ اس طرح تھا کہ

((لا یرث المسلم کافرا ولا الکافر مسلما))

”یعنی مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔“

اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت معاذ بن جبل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ

((یرث المسلم من الکافر من غیر عکس))

اور اس کی دلیل ان حضرات کی طرف سے علماء نے جو لکھی ہے وہ مسند امام احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ

میں باسند مذکور ہے:

((عن یحییٰ بن یعمر عن ابی الاسود الدبلی قال کان معاذ بالیمن فارتفعوا

الیہ فی یہودی مات وترک اخا مسلما فقال معاذ انی سمعت رسول اللہ

ﷺ يقول: "ان الاسلام يزيد ولا ينقص" فورثه) ۱

"یعنی ابو الاسود دلی کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن میں تھے وہاں ایک یہودی مر گیا جس کا بھائی مسلمان ہو چکا تھا۔ لوگوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس کی توریث کا معاملہ پیش کیا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی اقدس ﷺ سے سنا ہوا ہے کہ اسلام بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے، کم نہیں ہوتا۔ پس آپ نے مسلمان بھائی کو یہودی بھائی کا وارث قرار دیا۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عبداللہ بن معقل نے پورا تابعی نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب کے فیصلوں کے بعد میں نے کوئی بہترین قضا اور عجیب فیصلہ نہیں دیکھا جس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل کتاب کے حق میں قضاء (فیصلہ) کیا تھا۔ وہ اس طرح تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں گے مگر اہل کتاب ہمارے وارث نہیں ہوں گے۔ جس طرح کہ ہمیں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز اور حلال ہے مگر ان کے لیے ہماری عورتوں سے نکاح کرنا حلال نہیں۔

((حدثنا وكيع قال ثنا اسماعيل بن ابي خالد عن الشعبي عن عبدالله بن معقل قال ما رأيت قضاء بعد قضاء اصحاب رسول الله ﷺ احسن من قضاء قضى به معاوية في اهل الكتاب۔ قال نرثهم ولا يرثوننا كما يحل لنا النكاح فيهم ولا يحل لهم النكاح فينا)) ۲

اور سعید بن منصور رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے کو بعبارت ذیل نقل کیا ہے:

((حدثنا سعيد قال ثنا هشيم قال انا اسماعيل بن ابي خالد عن الشعبي قال لما قضى معاوية بما قضى به من ذلك فقال عبدالله بن معقل ما احدث في الاسلام قضاء بعد قضاء اصحاب رسول الله ﷺ هو اعجب الى من قضاء معاوية انا نرثهم ولا يرثوننا كما ان النكاح يحل لنا فيهم (اهل الكتاب) ولا يحل لهم فينا)) ۳

۱۔ مسند امام احمد ص ۲۳۰-۲۳۶ ج ۵ تحت حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۳ ج ۱۱ روایت نمبر ۱۱۳۹۶ تحت کتاب الفرائض طبع کراچی

البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۰۳ ج ۵ تحت بعث رسول اللہ ﷺ الامراء الی الیمن۔

۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۷۳ ج ۱۱ روایت نمبر ۱۱۳۹۷ تحت کتاب الفرائض طبع کراچی۔

۳۔ کتاب السنن (سعید بن منصور) ص ۳۵ ج ۳ ق اول تحت باب لا تجوز اہل الملکتین

دیگر تائید

ایک مشہور تابعی مسروق رضی اللہ عنہ ہیں، ان سے شععی رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ مسروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
 ((عن الشعبي عن مسروق قال كان معاوية يورث المسلم من الكافر ولا يورث الكافر من المسلم قال قال مسروق (بن اجدع) وما حدث في الاسلام قضاء احب الى منه))^۱

یہ حضرات (عبداللہ بن معقل اور مسروق بن اجدع رضی اللہ عنہما) تابعین اور تبع تابعین میں سے مشاہیر لوگوں میں سے ہیں انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے اس فیصلے کو احسن و اعجب قرار دیا لیکن اس کو بدعت نہیں قرار دیا۔

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے دلائل میں علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرات فرماتے تھے کہ نبی اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ الاسلام یعلو ولا یعلیٰ۔ نیز یہ فرمان نبوی بھی بیان فرماتے تھے کہ الاسلام یزید ولا ینقص جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے۔ ان فرامین نبوی کی روشنی میں ان حضرات کا یہ فیصلہ تھا کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو ایک یہودی کی موت پر پیش آیا تھا پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے۔

اس مقام کی مزید معلومات اور وضاحت مطلوب ہو تو مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع کریں:

① المبسوط ص ۳۰ ج ۳۰ باب مواریث اہل الکفر

② فتح الباری ص ۴۱ ج ۱۲ باب لایرث المسلم الکافر..... الخ

③ عمدة القاری شرح بخاری ص ۲۶۰ ج ۲۳ کتاب الفرائض باب لایرث المسلم..... الخ

اس مقام کی تھوڑی سی وضاحت ذیل میں اکابر علماء کی عبارات سے پیش کی جاتی ہے۔ اکابر محدثین اور فقہاء نے یہ چیز ذکر کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے قول کے موافق مندرجہ ذیل علماء نے قول کیا ہے:

① ((وقول معاذ بن جبل و معاوية بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) وبه اخذ مسروق

والحسن و محمد بن الحنفیة و محمد بن علی بن الحسین (رضی اللہ عنہ))^۲

۱۔ مسند داری ص ۳۹۷ باب فی میراث اہل الشریک و اہل الاسلام مطبوعہ کاپور قدیم

سنن سعید بن منصور ص ۴۳ ج ۳ قسم اول۔

۲۔ عمدة القاری (بدر الدین عینی) شرح بخاری شریف ص ۲۶۰ ج ۲۳ کتاب الفرائض باب لایرث المسلم..... الخ

② ((وہ قال مسروق و سعید بن المسيب و ابراهيم النخعي و اسحق))^۱
 ③ ((ذهب معاذ بن جبل و معاوية و الحسن و محمد بن الحنفية و محمد بن
 علی بن الحسين و مسروق الی ارثه اخذا من حدیث الاسلام یعلوا ولا
 یعلی۔ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط و البیہقی دلائل کذا ذکرہ الحافظ فی
 الدرايته))^۲

ان ہر سہ حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متفرد نہیں ہیں بلکہ دیگر
 بعض صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین اور مشہور ہاشمی حضرات کا اس مسئلے میں یہی قول ہے۔ اسی طرح ابن
 عبدالبر رحمہ اللہ نے کتاب التمهید ص ۱۶۳ ج ۹ طبع جدید میں تحت اول حدیث لابن شہاب عن علی بن الحسین یہ
 مسئلہ مندرجہ تفصیل کے موافق نقل کیا ہے۔ فلہذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلے میں متفرد نہیں کہا جاسکتا
 اور وہ اس مسئلے میں بدعت کے مرتکب نہیں قرار دیے جاسکتے۔

تنبیہ

بعض روایات میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ

((و اول من ورث المسلم من الکافر معاویة))

تو اس کے متعلق اتنی بات معلوم ہونی چاہیے کہ یہ قول ابن شہاب زہری نے اپنی طرف سے ذکر کیا ہے یہ کسی
 صحابی کا قول نہیں۔ اور زہری کا یہ قول بھی متصل نہیں بلکہ مرسل ہے۔ علاوہ ازیں دیگر صحابہ کرام اور تابعین
 کے اقوال اس کے برخلاف موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلے کے اول قائل
 قرار دینا درست نہیں۔ (جیسا کہ ماقبل میں درج ہے)۔

اسی طرح بعض دیگر علماء نے اس کو قضیۃ محدثہ فی الاسلام کہا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی
 تحقیق کو ساقط القول قرار دے کر رد کیا ہے۔ یہ ان کی متفردانہ رائے ہے ورنہ اس مسئلے پر دیگر صحابہ و تابعین و
 تبع تابعین کے اقوال موجود ہیں جن سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مسلک کی تائید پائی جاتی ہے۔

مختصر بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس دور کا مختلف فیہ اور مجتہد فیہ ہے۔ مندرجات بالا کی روشنی میں اس مسئلے
 کو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدعت قرار نہیں دیا جاسکتا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اول قول کرنے والا
 بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اور قانون کی بالاتری کے خاتمے کے تحت لا کر اسے اسلامی قوانین کی خلاف ورزی قرار
 دینا انصاف کے خلاف ہے اور زلیغ عن الحق ہے۔

۱ فتح الباری شرح بخاری شریف ص ۳۱ ج ۱۲ کتاب الفرائض باب لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم

۲ حاشیہ موطا امام محمد ص ۳۱۷ باب لایرث المسلم الکافر، طبع مصطفائی۔

۳ تاریخ یحییٰ بن یعین ص ۲۲۱ ج ۳ تحت روایت نمبر ۱۰۲۷۔

مسئلہ دیت کی بحث

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والے احباب نے دیت کے مسئلے میں بھی آپ کو مطعون کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ سنت طریقہ یہ تھا کہ معاہدہ (ذمی) کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہوگی مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو نصف کر دیا اور باقی نصف دیت خود یعنی شروع کر دی اور ذاتی تصرف میں لائے۔ اس طرح آپ نے یہ طریقہ سنت طریقہ کے خلاف رائج کیا اور بقول معترض اسلامی آئین کی خلاف ورزی کی۔

الجواب

اس مسئلے کے متعلق مختصراً بعض روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے مسئلہ ہذا کی نوعیت واضح ہو جائے گی۔ اس کے بعد اصل طعن کا جواب ان روایات کی روشنی میں پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مشہور صحابی ذکر کرتے ہیں کہ

((لما دخل رسول الله ﷺ مكة عام الفتح قام في الناس خطيباً فقال يا ايها الناس! لا يقتل مؤمن بكافر دية الكافر نصف دية المسلم الخ))^۱

یہ روایت مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ ابوداؤد مرقوقاً درج ہے:

((لا يقتل مؤمن بكافر (ای الحربی) دية الكافر نصف دية المسلم لا جلب ولا جنب... الخ))

((وفی رواية قال دية المعاهد نصف دية الحر۔ رواه ابوداؤد))^۲

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جناب نبی اقدس ﷺ عام الفتح میں جب مکہ شریف میں داخل ہوئے تو آنجناب ﷺ نے لوگوں میں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے

۱۔ قتل کے بدلے میں بنی معاویہ کو دیت کے الفاظ سے تعبیر لیا جاتا ہے۔

۲۔ مسند امام احمد ص ۱۸۰، کتاب التہذیب، حدیث عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما

۳۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۰۳، باب الدیات، الفصل الثانی۔

لوگو! مومن شخص کا فر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور کافر کی دیت مسلم کی دیت سے نصف ہوگی۔“

”اور ایک دوسری روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ معاہد (ذمی) کی دیت حر (آزاد) کی دیت کے نصف ہوگی۔“

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں واضح ہوا کہ آنجناب ﷺ کے اس مسئلے میں نصف دیت کے ارشادات بھی موجود ہیں۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم کے بعض اقوال میں دیت اہل الذمہ کے تحت یہی منقول ہے کہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے مقابلے میں نصف ہوتی ہے۔

اگرچہ اس مسئلے کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہوتی ہے اور بہت سے اکابر فقہاء کا مسلک بھی یہی ہے اور اس پر مرفوع روایات بھی موجود ہیں۔ اس بنا پر اکابر فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے جیسا کہ ہم نے مختصراً پیش کر دیا ہے اس مسئلے کی تفصیلات مع دلائل مطولات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

یہاں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نصف دیت کا جو قول کیا ہے یہ ان کا متفرد قول نہیں ہے، ان کے سامنے مرفوع روایات اور بعض دیگر دلائل موجود ہیں اس بنا پر ان کا یہ قول قابل اعتراض نہیں ہے اور نہ اس کو بدعت کہا جاسکتا ہے اور نہ یہ طریقہ خلافت سنت ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی اس دور کے مختلف فیہ اور مجتہد فیہ مسائل میں سے ہے، اس کو بدعت قرار دینا درست نہیں۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باختیار حاکم اور امیر المومنین تھے اور اجتہاد کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ انھوں نے اپنے دور کے تقاضوں کے تحت اپنے اجتہاد فکر سے اس مسئلے میں نصف دیت کی صورت اختیار کی جبکہ مندرجہ بالا مرفوع روایات بھی ان کی تائید میں موجود ہیں اور اس موقف کی موید ہیں۔

نصف دیت کا خود لے لینا

معرضین نے اپنی عبارات میں یہ تاثر دیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نصف دیت مقتول کے ورثاء کو دیتے تھے اور باقی نصف خود لے لیتے تھے۔ اس کے متعلق محدثین اور فقہاء کے مندرجہ ذیل حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں جن سے اصل مسئلے کی نوعیت سامنے آ جائے گی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بقایا نصف دیت خود نہیں لیتے تھے بلکہ مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کراتے تھے۔

① مشہور محدث ابوداؤد سجستانی رحمہم نے اپنی کتاب المراسیل میں باب ذمیہ کے تحت یہ مسئلہ بالفاظ

ذیل درج کیا ہے:

((وعن ربیعہ بن عبد الرحمن قال کان عقل الذمی مثل عقل المسلم فی زمن

رسول اللہ ﷺ و زمن أبى بكر و زمن عمر و زمن عثمان حتى كان صدر من خلافة معاوية فقال معاوية ان كان اهله اصابوا به فقد اصاب به بيت مال المسلمين فاجعلوا لبيت المسلمين النصف ولاهله النصف خمسمائة دينار))^۱

”یعنی ربیعہ بن عبدالرحمن (تابعی) ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے ثلاثہ کے زمانے میں ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر تھی۔ حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں جب یہ صورت پیش آئی تو آپ نے فرمایا کہ ذمی کے اہل و عیال کو اگر نقصان پہنچا ہے اور وہ مصیبت زدہ ہوئے ہیں تو مسلمانوں کے بیت المال کا بھی نقصان ہوا ہے۔ پس اس طرح کرو کہ دیت کا نصف ذمی کے اہل و عیال کو دے دو اور باقی نصف مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دو۔ اس دور میں نصف دیت کی مالیت پانچ صد دینار تھی چنانچہ پانچ پانچ صد دینار بیت المال اور ذمی کے اہل و عیال میں تقسیم کر دیے گئے۔“

حوالہ ہذا سے یہ بات واضح ہوگئی کہ محدثین حضرات کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ایک خلیفہ تھے اسی لیے ان کی حکومت کو خلافت سے تعبیر کیا جاتا تھا جیسا کہ روایت مذکورہ بالا کے الفاظ سے واضح ہے۔

دوسرا یہ مسئلہ واضح ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نصف دیت اپنے لیے نہیں لیتے تھے بلکہ اسے بیت المال میں داخل کروایا کرتے تھے۔ نصف دیت خود لینے کا پروپیگنڈا درست نہیں۔

② اب مسئلے پر دوسرا حوالہ فقہ کی ایک مشہور کتاب الدیات سے پیش کیا جاتا ہے:

((كانت (دية الذمی) على عهد رسول الله ﷺ الف دينار و ابى بكر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم حتى كان معاوية رضی اللہ عنہ اعطى اهل القتيل خمس مائة دينار و وضع فى بيت المال خمس مائة دينار))^۲

”یعنی امام ابو بکر احمد بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ذمی کی دیت جناب نبی کریم ﷺ اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ایک ہزار دینار تھی۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ نے مقتول کے رشتہ داروں کو پانچ سو دینار دلوائے اور پانچ سو دینار بیت المال میں داخل کرائے۔“

③ اور مشہور مالکی فاضل ابن رشد نے بدایۃ المجتہد (کتاب الدیات) میں بھی مسئلہ ہذا اسی طرح ذکر

۱ المرابیل (ابوداؤد سلیمان بن اشعث جستانی التونی ۲۷۵ھ) ص ۲۹ طبع مصر تحت باب دية الذمی

۲ کتاب الدیات (امام ابو بکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم ضحاک شیبانی متونی ۲۸۷ھ) ص ۴۶ باب دية الذمی

اسنن الکبری (بیہقی) ص ۱۰۲ ج ۸

بدایۃ المجتہد (ابن رشد) تحت کتاب الدیات

کیا ہے۔

اکابر فقہاء کے حوالہ سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نصف دیت اپنی ذات کے لیے نہیں لیتے تھے بلکہ مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کراتے تھے۔ فلہذا نصف دیت خود لے لینے کا الزام ان تصریحات کے خلاف ہے اور بالکل بے جا الزام ہے۔

لفظ ”لنفسہ“ کا جواب

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ بعض روایات میں جو یہ الفاظ ”اخذ لنفسہ“ کے پائے جاتے ہیں یہ اس مسئلہ میں عموماً ابن شہاب زہری کی طرف سے اپنی تعبیر ہے اور یہ ان کے اپنے الفاظ ہیں۔ یعنی یہ الفاظ کسی صحابی کا قول نہیں ہے اور واقعات کے برخلاف ہے جیسا کہ گزشتہ حوالہ جات سے واضح ہے۔ ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ صغار تابعین میں سے ہیں اور ثقہ شخص ہیں لیکن یہ قول ان کا روایت میں بطور اوراج کے مذکور ہے۔ اور مسئلہ مذکور کو اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ عام طور پر ان روایات پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض ناقلین روایات نے یہ اپنی رائے ذکر کی ہے۔ فلہذا ان کے ذاتی نظریہ کی وجہ سے (جو واقعات کے برخلاف ہو) کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون نہیں کیا جاسکتا اور ان کی شان دیانت میں اس قول سے تنقیص واقع نہیں کی جاسکتی۔

مختصر یہ ہے کہ نصف دیت خود لے لینے کا طعن ایک راوی کے قول کی بنا پر ذکر کیا گیا ہے جو واقعات کے اعتبار سے درست نہیں فلہذا قانون کی بالاتری کے خاتمے میں اس مسئلے کو لا کر طعن قائم کرنا کسی صورت میں صحیح نہیں۔

مسئلہ ہذا کے متعلق مالہ و ماعلیہ اور اس کے نشیب و فراز کو افراط و تفریط کے بغیر ہم نے پیش کر دیا ہے، منصف مزاج آدمی اس سے مطمئن ہو سکے گا۔ باقی ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ واللہ العالیٰ۔

بیمین مع الشاہد کا مسئلہ

بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بدعات کے ارتکاب کا ایک سلسلہ چلایا ہوا ہے اور آپ کے متعلق اولیات معاویہ کے عنوان سے کئی چیزوں کا ان کی طرف انتساب کیا ہے۔ ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی چلایا ہے کہ بیمین مع الشاہد بدعت ہے اور اس کو پہلے کھڑا کرنے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ گویا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان مسائل میں سنت طریقہ کے برخلاف دین میں ایک نئی چیز قائم کرنے والے ہیں۔

الجواب

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ اس مسئلے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مخالفین جو تاثر دینا چاہتے ہیں وہ درست نہیں، یہ یک گونہ اور یک طرفہ کارروائی ہے۔ اور اس مسئلہ کی دوسری جانب کو طعن کرنے والے دوستوں نے قصداً پیش نہیں کیا تا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس طعن میں خفت ظاہر نہ ہو اور اعتراض میں ایک قسم کی سبکی پیدا نہ ہو جائے۔ واضح رہے کہ ہم پہلے اس مسئلے کی دوسری جانب قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد پھر دیگر جواب جو قابل ذکر ہوں گے وہ پیش کریں گے۔

عوام دوستوں کے لیے ذکر کیا جاتا ہے کہ ”بیمین مع الشاہد“ کا مفہوم یہ ہے کہ مثلاً ایک دعویٰ ہو، اس میں دلائل پیش کرنے کے لیے ایک گواہ پیش کیا جائے اور پھر اس کے ساتھ ایک حلف اٹھوا دیا جائے تو اس کو ”بیمین مع الشاہد“ کہا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ کی مشہور صورت ہے کہ دعویٰ میں مدعی کے ذمہ شہادت پیش کرنا ہوتا ہے مدعا علیہ کے ذمہ حلف ہوتا ہے (اگر شہادت نہ مل سکے) اور یہی جمہور علمائے حنفیہ کے نزدیک راجح اور مفتی بہ ہے۔ لیکن مسئلہ ہذا کی دوسری جانب یہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام مثلاً حضرت زید بن ثابت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”القضاء بشاہد وبیمین“ جائز ہے، اور مرفوع روایت یہ پیش کرتے ہیں کہ

((ان رسول اللہ ﷺ قضی بیمن وشاہد))^۱

اور نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ

۱ سنن اکبری (بیہقی) ص ۱۷۲-۱۷۳ ج ۱۰ باب القضاء بالیمین مع الشاہد۔

((انہ حلف المدعی فبناء علی مذہبہ لانہ کان یحلف مع تمام حجة القضاء
بالبينة))^۱

”مطلب یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک تھا کہ شاہد کے ساتھ حلف بھی لیتے تھے۔“
اور کبار فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے (جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ رہا) شوافع حضرات اس
طرف ہیں کہ یحیٰ اور شاہد ملا کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے (کتب شوافع کی طرف رجوع کر کے تسلی کی جاسکتی ہے)
اور دیگر فقہاء اس مسئلہ میں دوسرا قول کرتے ہیں۔

اس مسئلے میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ محلی لابن حزم میں درج ہے کہ
((قال عطاء اول من قضی بہ عبدالملک بن مروان))^۲

”یعنی عطاء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پہلے پہل حلف مع شاہد فیصلہ کرنے کا طریقہ اپنے دور میں عبدالملک
بن مروان نے جاری کیا تھا۔“

یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں یہ طریقہ اختیار کرنے والا عبدالملک مروانی خلیفہ ہے تو پھر
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس طعن کا بوجھ کیسے ڈالا جا رہا ہے؟ قابل غور بات ہے۔

مختصر یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں دوسری جانب مرفوع روایات بھی ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (مع سیدنا علی
المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کے اقوال بھی ہیں اور اکابر فقہاء کے فرامین بھی موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ نے قضا بالیسین مع الشاہد کا اگر قول کیا ہے تو اس کو اول اول کہہ کر بدعت شمار کرنا اور حضرت امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ کے حق میں نفرت پھیلانا کون سا دیانتدارانہ طریق ہے؟ اور کون سا کار خیر ہے؟

مطلب یہ ہے کہ اول من قضی بہ معاویہ روایات میں موجود ہے لیکن یہ ابن شہاب زہری کا اپنا
متفردانہ قول ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ قول ایک تابعی کا مرسل ہے جو ایک متفرد قول کی حیثیت رکھتا ہے۔ وما
وجدنا له متابعا حتی الان پھر اس کو پیش نظر لا کر مشاہیر صحابہ کو مطعون کرنا اور انہیں قابل نفرت قرار
دینا قرین انصاف و دیانت نہیں ہے۔ اس مسئلے میں نہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بدعت کے مرتکب ہو کر قابل
اعتراض ہیں اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بدعتی ہیں۔ یہ ان کے دور کا نظریاتی و اجتہادی مسئلہ تھا جس میں ان
حضرات نے اپنی اپنی صوابدید پر عمل کیا۔ اس طرح کے بے شمار مسائل عہد صحابہ میں پائے جاتے ہیں۔
معرض دوست ان مسائل پر اعتراض و طعن کا رنگ پیدا کر کے عوام میں سوء ظنی پھیلانا کار ثواب سمجھتے ہیں۔
(انما لامر ما نوی)

۱۔ البسوط (سرخسی) ص ۳۲ ج ۱۷ کتاب الدعوی۔ طبع اول مصر

۲۔ الجوبر الہی علی السنن للہیثمی (ترکانی) ص ۷۵ ج ۱۰ طبع اول دکن، باب القضاء بالیسین مع الشاہد

اعلاء السنن ص ۳۸۱ ج ۱۵ کتاب الدعوی تحت مسئلہ الیسین مع الشاہد۔

جالساً (بیٹھ کر) خطبہ دینا

اعتراض کرنے والوں کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن بھی وارد کیا جاتا ہے کہ جمعۃ المبارک اور عیدین کے خطبات کھڑے ہو کر ادا کرنا سنت ہے، بیٹھ کر خطبہ دینا سنت نبوی کے خلاف ہے۔ جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اولاً بیٹھ کر خطبہ دیا اور سنت کے خلاف رسم ڈالی۔

ازالہ

اس طعن کے جواب کے لیے ذیل میں چند امور پیش کیے جاتے ہیں ان پر نظر ڈال لینے کے بعد طعن زائل ہو جائے گا۔ ایک قدیم مورخ یعقوب بن سفیان بسوی نے اپنی کتاب میں اس مسئلہ کو امام اوزاعی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((حدثني العباس قال: أخبرني ابي قال: سمعت الاوزاعي قال كان معاوية

بن ابي سفیان (رضی اللہ عنہما) اول ما اعتذر الى الناس في الجلوس في الخطبة،

الاولى في الجمعة ولم يصنع ذلك الا لكبر سنه وضعفه))^۱

اور ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے میمون و شعبی رضی اللہ عنہما سے جلوس فی الخطبہ کی معذرت کا مسئلہ بسوی کی طرح نقل کیا

ہے۔ تاریخ ابن عساکر ص ۴۷۳ ج ۱۶ (مخطوطہ) معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔

”یعنی امام اوزاعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے جمعہ کے

پہلے خطبہ میں بیٹھنے کے لیے لوگوں کے سامنے معذرت کی تھی اور یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ سن رسیدہ

اور ضعیف ہو چکے تھے (یعنی کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی طاقت نہیں رہی تھی)۔“

یہ تو ایک قدیم مورخ کا بیان ہے جسے امام اوزاعی رضی اللہ عنہ جیسے معتمد شخص نے نقل کیا ہے اور اس میں واضح

طور پر بیٹھ کر خطبہ دینے کی معذرت کرتے ہوئے علت ذکر کر دی ہے۔ اب اس کے بعد اس مسئلہ میں قدیم

محدثین کی چند ایک روایات پیش خدمت ہیں جن میں جلوس فی الخطبہ کی معذرت کا مسئلہ واضح طور پر مذکور

ہے:

① ((جعفر بن محمد عن أبيه قال فلما كان معاوية استأذن الناس في الجلوس في إحدى الخطبتين وقال اني قد كبرت وقد أردت اجلس إحدى الخطبتين فجلس في خطبة الاولى))^۱

② ((قال: اول خطب قاعدا معاوية قال ثم اعتذر الى الناس ثم قال اني اشتكى قدمي))^۲

③ اسی طرح امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معذرت اپنے سنن کبریٰ میں باسند ذکر کی ہے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ جالساً یعنی بیٹھ کر خطبہ دینا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا معذوری کی بنا پر تھا اور عذر کی بنا پر جو فعل ادا کیا جاسکتا ہے وہ قابل اعتراض نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر ان کبار محدثین نے بیٹھ کر خطبہ دینے کی معذرت ذکر کر دی ہے۔ فلہذا اول من احدث کا اعتراض ساقط ہے اور مقولہ مشہور ہے کہ والعذر عند کرام الناس مقبول۔

مزید چیز یہ ہے کہ حالت عذر میں فرض نماز میں قیام (جو فرض ہے) معذور نمازی سے ساقط ہو جاتا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت عذر اور تکلیف میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا ثابت ہے (اس مسئلے پر کسی کتابی حوالہ کی چنداں ضرورت نہیں) تو جمعہ کے خطبہ میں قیام فرض نماز کے قیام سے زیادہ اہم نہیں۔ پس نماز میں قیام جب ساقط ہو سکتا ہے تو جمعہ کے خطبہ میں بھی بحالت عذر ساقط ہوگا۔ فلہذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حالت عذر کے اس فعل پر اعتراض وارد کرنا درست نہیں۔

۱ مصنف عبدالرزاق ۱۸۸-۱۸۹ ج ۳ طبع مجلس علمی

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۶۸، ۶۹، ۱۰۶ ج ۱۳ کتاب الاوائل طبع کراچی

۲ سنن الکبریٰ (بیہقی) ص ۱۹ ج ۳ کتاب الجمعہ باب الخطبۃ قائم۔

مقصورہ میں نماز ادا کرنا

بعض لوگوں کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی نماز کے لیے مخصوص مقام دوسرے مسلمانوں سے الگ تجویز کیا ہوا تھا یہ چیز سنت نبوی کے خلاف ہے اور یہ نوعیت ایک گونہ تکبر کی علامت ہے جو مومنین کی شان کے لائق نہیں۔

ازالہ

اس اعتراض کے ازالہ کے لیے ذیل میں چند چیزیں درج کی جاتی ہیں ملاحظہ فرمائیں، ان سے شبہ ہذا زائل ہو سکے گا:

ایک چیز تو یہ ہے کہ مقصورہ اس مقام کو کہتے ہیں جو مساجد میں مسلمانوں کے امیر کے لیے بطور تحفظ و تحصن کے تجویز کیا جاتا ہے اور یہ ایک حفاظتی تدبیر تھی جو اس دور کی ضرورت کے تحت عمل میں لائی گئی۔ چنانچہ اس سلسلے میں قدیم مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے واقعہ شہادت کے بعد پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے ایک مقصورہ خام اینٹوں سے تیار کرایا تھا اور اس میں ایک دریچہ تھا جس سے مقتدی لوگ اپنے امام کے احوال سے مطلع رہتے تھے اور اس مقصورہ کی نگرانی پر ایک شخص سائب بن خباب مقرر تھے۔

((ان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما اول من وضع المقصورة من لبن واستعمل علیہا

السائب بن خباب وكان رزقه دينارين في كل شهر))^۱

اس تدبیر کی وجہ یہ ہوئی کہ اس دور کے اعدائے اسلام مثلاً خوارج وغیرہ خلفائے اسلام پر ناگہانی حملہ کرنے سے نہیں چوکتے تھے۔ خوارج کی طرف سے خلفاء کی زندگی گویا غیر محفوظ ہو گئی تھی۔ جیسا کہ حضرت علی، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما پر ایک ہی تاریخ میں ایک منصوبہ کے تحت ان لوگوں نے حملہ کیا تھا جس کی تفصیلات اپنی جگہ مذکور ہیں۔

اس واقعہ کے بعد حفاظتی طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما نے بھی مقصورہ تیار کرایا تھا اور اس میں خلفاء اپنے معتمدین کے ساتھ مل کر نماز ادا کیا کرتے تھے اور یہی چیز طبری نے عبارت ذیل نقل کی ہے:

۱ تاریخ مدینہ (ابن شبہ) ص ۶ ج ۱

وفاء الوفاء (سمبوری) ص ۵۱۰-۵۱۱ ج ۲ تحت الفصل الخامس عشر (۱۵) اصل وافی المقصورہ۔

((وامر معاویة عند ذلك بالمقصورات وحرس الليل وقيام الشرط على رأسه اذا سجد))^۱

مقصورہ ہذا میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی نماز ادا کی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کی۔

((ان کریبا مولیٰ ابن عباس اخبرہ انه رأى ابن عباس یصلی فی المقصورة مع معاویة))^۲

نیز محدثین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مشہور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں نماز ادا کی۔

((الثوری عن عبدالله بن یزید الهذلی قال رأیت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یصلی مع عمر بن عبدالعزیز فی المقصورة))^۳

یہ مقصورہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ساج (ساگوان) کی لکڑی سے تیار کروایا تھا۔

اسی طرح محدثین لکھتے ہیں کہ سائب بن خلاد انصاری رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی ہیں انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز جمعہ مقصورہ میں ادا فرمائی اور اس کے بعد ان کا ایک مسئلے میں آپ کے ساتھ مکالمہ ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو نبی کریم ﷺ کی نماز کے متعلق فرمان ذکر کیا کہ فرض نماز کے بعد دوسری نماز کے درمیان کوئی کلام کرنا چاہیے یا اس جگہ سے ہٹ جانا چاہیے تاکہ دو نمازوں کے درمیان وصل نہ رہے (یعنی فصل ہو جائے)۔

((وعن عمرو بن عطاء قال ان نافع بن جبیر أرسله الى السائب لیسأله عن شیء راہ منه معاویة فی الصلوة فقال نعم صلیت معہ الجمعة فی المقصورة فلما سلم الامام قمت فی مقامی فصلیت فلما دخل أرسل الی فقال لا تعد لما فعلت اذا صلیت الجمعة فلا تصلها بصلوة حتی تکلم او تخرج فان رسول الله ﷺ امرنا بذلك ان لا نوصل بصلوة حتی نتکلم او نخرج))
(رواہ مسلم)^۴

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوئی کہ مقصورہ میں نماز ادا کرنا کوئی بدعت نہیں۔ یہ

۱ تاریخ الامم والملوک (ابن جریر طبری) ص ۸۶ ج ۶ تحت سنہ ۴۰ھ

۲ مصنف عبدالرزاق ص ۴۱۴ ج ۲ باب الصلوة فی المقصورہ

۳ مشکوٰۃ ص ۱۰۵ تحت باب السنن وفضائلها، الفصل الثالث، طبع نور محمدی

ایک حفاظتی تدبیر ہے اور اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متفرد نہیں تھے اس کی ابتداء عثمانی دور سے ہو چکی تھی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ مقصورہ میں مل کر نماز ادا فرماتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس مسئلے میں کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔ فلہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فعل حجت ہے اور اس سے اس کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔ معترض کا اعتراض بے جا ہے اور اس کی اپنی لاعلمی کی بنا پر صادر ہوا ہے۔

خطبہ و اذان قبل العید

جن لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں مطاعن پیدا کرنے کا شوق ہے اور ان کے عہد کو خلاف سنت قرار دینے کی دلی آرزو ہے وہ کئی قسم کے فروعی مسائل کو پیش نظر رکھ کر عوام میں ایک قسم کا ذہنی انتشار پیدا کرنے اور سوء ظنی کی فضا قائم کرنے کے خواہش مند ہیں حالانکہ یہ چیز دین اسلام کے اجتماعی تقاضوں کے خلاف ہے اور اتحاد ملت کی فضا کو مگر کرنے کی مساعی ہیں جو کسی طرح بھی دین میں مستحسن نہیں۔

معتبرین اس سلسلے میں مندرجہ ذیل چیزیں بھی ذکر کیا کرتے ہیں

((اول من احدث خطبة قبل الصلوة فی العید معاویة))

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھنے کو اولاً رائج کیا۔“

اور اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عید کی نماز سے پہلے اذان کی ابتدا کی۔

((اول من احدث الاذان فی العید معاویة))

مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں سنت طریقتہ کے برخلاف ہیں اور ان کو اولاً رائج کرنے والے

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں۔ فلہذا وہ بدعات کے مرتکب ہیں۔

الجواب

مندرجہ بالا امور کے جواب کے لیے ذیل میں چند اشیاء پیش کی جاتی ہیں ان پر نظر غائر فرمائیں، مذکورہ

شبہات کے ازالہ میں مفید اور باعث اطمینان ہوں گی:

① گزارش ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا منصب یہ ہے کہ نبی اقدس ﷺ سے دین حاصل کر کے آنے

والی امت کو پہنچانے والے ہیں اور حصول دین کے لیے پیغمبر اور ان کی امت کے درمیان مضبوط واسطہ اور

قوی رابطہ ہیں اور ہم تک شریعت اسلام پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ اس بنا پر ان حضرات نے جو دین نبی اقدس ﷺ

سے حاصل کیا تھا وہی انہوں نے امت کو پہنچایا اور اسی دین اسلام کے احیا اور بقا کے لیے انہوں نے اپنی

زندگیاں صرف کر دیں۔ اس چیز پر ان کے اعمال و اقوال شاہد کامل ہیں۔

چنانچہ نماز کے مسائل میں اتباع سنت کے سلسلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق احادیث میں مذکور

ہے کہ

① ایک بار نافع بن جبیر نے عمرو بن عطاء رضی اللہ عنہما کو سائب رضی اللہ عنہ کی طرف اس مسئلے کی دریافت کے متعلق روانہ کیا جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے نماز کے متعلق ذکر کیا تھا تو اس موقع پر سائب نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں نے ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقصورہ میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی مقام پر کھڑا ہو گیا اور میں نے کچھ نوافل ادا کیے۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مقام پر تشریف لے گئے تو مجھے بلا بھیجا اور فرمایا کہ جس طرح تو نے اب کیا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد اسی مقام پر نوافل پڑھ لیے ہیں اس طرح پھر نہ کرنا، حتیٰ کہ یا تو کلام کر لے یا اس جگہ سے ہٹ جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اسی طرح حکم دیا تھا کہ ہم نماز باجماعت کے ساتھ باقی نماز ملا کر نہ پڑھیں حتیٰ کہ باہم کلام کر لیں یا اس جگہ سے الگ ہو جائیں چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول درج ہے:

((فلما دخل ارسل الی فقال لا تعد لما فعلت اذا صلیت الجمعة فلا تصلها بصلوة حتی تکلم أو تخرج فان رسول الله ﷺ أمرنا بذلك ان لا نوصل بصلوة حتی نتکلم او نخرج)) (رواہ مسلم) ۱

② اسی طرح ایک دوسرا قول حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرماتے تھے کہ میں نے نبی اقدس ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے مشابہ نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا مگر اس کو یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔ چنانچہ مجمع الزوائد (پیشی) میں ہے کہ

((وعن ابي درداء رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ مَا رَأَيْتُ احداً بعد رسول الله ﷺ اشبه صلوة برسول الله ﷺ من اميركم هذا يعني معاوية)) (رواه الطبرانی) ۲

یہاں سے معلوم ہوا کہ دیگر مسائل کے علاوہ نماز کے مسائل میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی طرف سے نبی کریم ﷺ کے فرمودات کے خلاف بالکل نہیں کرتے تھے اور مندرجہ بالا روایات اس چیز پر قرآن ہیں کہ سنت نبوی پر عمل کرنا ان کی زندگی کا نصب العین تھا تو خطبہ اور اذان کے مسائل میں انھوں نے خلاف سنت کیسے عمل درآمد کر لیا؟ اب کوئی شخص یا کوئی راوی یہ آواز دیتا ہے کہ فلاں صحابی نے آنحضور ﷺ کی سنت جاریہ کے خلاف عمل کیا اور کرایا تو یہ بات قابل مسوع نہ ہوگی اور اس کے متفردانہ اور شاذ قول کو جو کسی صحابی کی دیانت کے متصادم ہو قبول نہیں کیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ اقوال شاذہ کے لیے قاعدہ ہے کہ الشقة اذا شد لا يقبل ما شد فيه ۳ یعنی ثقہ شخص اگر شاذ قول کرے تو وہ قول قبول نہیں کیا جاتا۔

۱ مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۵ (طبع قدیم) تحت باب السنن وفضائلها الفصل الثالث (بحوالہ مسلم شریف ص ۲۸۸ ج ۱ آخر کتاب الجمعہ)

۲ مجمع الزوائد (پیشی) ص ۳۵۷ ج ۹ تحت باب ما جاء في معاوية بن ابي سفيان ج ۱

۳ مرقاة شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۸ ج ۶ طبع لبنان

تدریب الراوی (سیوطی) ص ۱۳۶ تحت النوع ۱۳۰ (الشاذ)

مسئلہ بالا کی طرف توجہ فرمائیں کہ عید کی نماز سے قبل خطبہ پڑھنے کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں قول کرنا جناب علامہ زہری کا مفردانہ قول ہے جو انہوں نے اپنی طرف سے کہا ہے اور اس دور کے کسی صحابی کا قول نہیں کیا اور نہ اس کا متابع ملا اور بعض دفعہ ابن شہاب زہری وغیرہ اس طرح مفرد قول ذکر کر دیا کرتے ہیں جس کو شاذ کہا جاتا ہے۔ فلہذا اس نوع کے اقوال کے پیش نظر ایک مشہور صحابی کے حق میں یوم عید میں خطبہ قبل الصلوٰۃ اور اذان کا طعن قائم کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔

نیز اس مسئلہ کی صورت حال یہ ہے کہ بعض روایات کے اعتبار سے عید الفطر میں نماز عید سے قبل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اولاً خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی روایت دستیاب ہوتی ہے کہ آپ نے قبل صلوٰۃ العید خطبہ ارشاد فرمایا۔

ان روایات کے اعتبار سے اس مسئلہ میں ابتدا کرنے والے حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ فلہذا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس مسئلے میں سبقت کرنے والے قرار نہیں دیے جاسکتے۔

ایک توجیہ

اس مقام پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے شارح حدیث نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ان حضرات کے اس فعل کی توجیہ ذکر کی ہے کہ

((ان الحسن البصری قال اول من خطب قبل الصلوٰۃ عثمان صلی بالناس ثم خطبہم یعنی علی العادة فرای ناسا لم یدرکوا الصلوٰۃ ففعل ذلك ای صار یخطب قبل الصلوٰۃ..... الخ))

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات نماز عید سے قبل بیشتر لوگ نہیں پہنچ سکتے تھے ان کو نماز عید میں شامل کرنے کے لیے اور ان کے ادراک الصلوٰۃ کی خاطر نماز عید سے قبل بطور پند و نصائح کچھ ارشادات ان حضرات نے حاضرین کے سامنے فرمائے تاکہ اس قلیل سی تاخیر کے ذریعے سے بعد میں آنے والے لوگ نماز میں شامل ہو سکیں۔ اور پھر نماز عید کے بعد خطبہ مسنونہ پڑھا گیا۔

اب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی اس توجیہ کے پیش نظر یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ اگر بالفرض بعض اوقات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے قبل خطبہ دیا تھا تو وہ اسی نوع کی ضرورت کے تحت نماز عید سے پہلے کچھ ارشادات فرمائے تھے تاکہ لوگ مجتمع ہو کر نماز میں شامل ہو سکیں (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

اسی بیان کو راویوں نے خطبہ سے تعبیر کر دیا) جب کہ نماز عید کے بعد خطبہ مسنونہ حسب قاعدہ پڑھا گیا۔
اب صورت مسئلہ ہذا واضح ہوئی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کی
اور اس مسئلہ میں کسی بدعت کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ حکمت عملی کے طور پر بعض دفعہ انہوں نے قبل الصلوٰۃ
کچھ چیزیں بیان کیں۔

طعن دوم کا تجزیہ

اب دوسرے طعن کے متعلق یہ تحریر کیا جاتا ہے کہ نماز عید سے قبل اذان کا احداث (بدعت) حضرت
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے منسوب کرنا بھی ایک تابعی کے ایک شاذ قول کے ذریعہ سے ہے اس دور کے کسی صحابی کی
طرف منسوب نہیں۔ نیز اس قول کا متابع نہیں دستیاب ہوا اور متابع کا نہ پایا جانا عدم قبول کے لیے کافی ہے۔
معرض احباب اس قسم کے شاذ اقوال اور منقطع روایات تلاش کر کے مطاعن کو پختہ کرتے ہیں اور ان کی تشبیہ
میں کوشاں رہتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ مرسل قول کے ذریعے سے کسی صحابی کی دیانت داری کو مجروح نہیں
کیا جاسکتا اور ان کے دینی وقار کو گرا یا نہیں کیا جاسکتا۔ درآں حالے کہ ان کے متابع بھی میسر نہیں آئے۔ نیز
حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی سابقہ توجیہ کی طرح یہاں بھی اس بات میں گنجائش ہے کہ ہو سکتا ہے کہ عید کی
نماز سے قبل بعض دفعہ عوام کے شمول کے پیش نظر نماز کے قیام کی اطلاع عام کرائی گئی ہو تاکہ لوگ بروقت
نماز میں شریک ہو سکیں۔ روایت کے ناقلین نے اسی عمل کو اذان سے تعبیر کر دیا ہو۔ یہ احتمال اس میں ہو سکتا
ہے۔ لیکن نماز عید سے قبل باقاعدہ معروفہ اذان (صلوٰۃ) جاری کر دی گئی ہو یہ ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ یہ
چیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر ہم نوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت اور معمول کے برخلاف ہے اور
اس دور کے واقعات بھی اس چیز کی تائید نہیں کرتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعض واقعات

مسئلہ ہذا کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے چند واقعات ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیے
جاتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے معمولات کے ذریعے سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ
عید کی نماز سے قبل نہ اذان ہوتی تھی اور نہ خطبہ عید ہوتا تھا۔

① محدثین و فقہاء نے مندرجہ ذیل روایت اپنی سند کے ساتھ ذکر کی ہے ملاحظہ فرمائیں:

((ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انه كان في

مسجد الكوفة و معه حذيفة و ابو موسى رضی اللہ عنہما) حتى خرج عليهم الوليد بن

عقبة وهو امير الكوفة فقال غدا عيدكم فكيف اصنع فقالوا اخبره يا ابا

عبدالرحمن فأمره عبدالله بن مسعود (رضی اللہ عنہ) ان یصلی بغیر اذان ولا اقامة وان یکبر فی الاولی خمساً وفی الاخیرة اربعا ویوالی بین القراءتین و یخطب بعد الصلوة علی راحلته^۱

”یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے استاذ حماد رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں اور حماد رضی اللہ عنہ ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں اور ابراہیم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ابو عبدالرحمن) سے ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کی جامع مسجد میں تشریف فرما تھے اور ان کے ہمراہ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما بھی تشریف رکھتے تھے۔ اسی دوران میں کوفہ کے امیر ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا کہ کل عید ہے اس کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے، اسے میں کس طرح ادا کروں؟ تو ان حضرات صحابہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ولید بن عقبہ کو اس کا جواب فرمادیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ آپ عید کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھیں۔ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں کہیں اور دونوں قراءتیں لگاتار ادا کریں اور نماز کے بعد اپنی سواری پر (بیٹھ کر) خطبہ عید پڑھیں۔“

یہاں سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں عید کی نماز بغیر اذان اور بغیر اقامت کے ادا کی جاتی تھی اور خطبہ عید بعد الصلوة پڑھا جاتا تھا۔ غالباً یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ہے اس دور میں ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کوفہ کے امیر تھے۔ ان کو نماز عید ادا کرنے کا پورا طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعلیم فرمایا اور اسی کے مطابق کوفہ کے حاکم نے نماز عید پڑھائی۔ پھر اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی ولایت کے دوران میں اسی کے مطابق عمل جاری رکھا جیسا کہ آئندہ سطور میں ذکر کیا جا رہا ہے۔

② چنانچہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو ایک مشہور صحابی تھے ان کے متعلق مندرجہ ذیل روایت موجود ہے کہ

۱۔ ((عن سماک قال بلغنی انه شهد المغیرة بن شعبه فی یوم عید۔ فصلی بهم قبل الخطبة بغیر اذان ولا اقامة))^۲

۲۔ ((عن سماک بن حرب عن مغیرہ بن شعبه رضی اللہ عنہ انه صلی یوم عید بغیر اذان ولا اقامة))^۳

”یعنی مطلب یہ ہے کہ عید کے روز مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بغیر اذان اور اقامت کے نماز

۱۔ فتح الباری شرح بخاری شریف (ابن حجر عسقلانی) ص ۲ ج ۲ تحت باب المشی والركوب الی العید..... الخ

۲۔ مصنف عبدالرزاق ص ۲۷۸ ج ۳ تحت باب الاذان لهما (عیدین) بیروت

۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۶۸-۱۶۹ ج ۲ تحت بحث ہذا (طبع دکن)

پڑھائی۔“

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے علاقہ کے والی و حاکم تھے۔ یہ حضرات اس دور میں اذان و اقامت کے بغیر عید کی نماز پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ یہ چیز عام دستور شرعی کے مطابق ہے اور اس دور کا دوامی معمول بھی یہی ہے۔

نیز اس دور کا ایک دیگر واقعہ احادیث میں موجود ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا فرمان نبوی کی اتباع میں اپنی پوری سعی کرنے کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے اور یہ واقعہ بھی عید اور جمعہ سے متعلق ہے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں عید اور جمعہ ایک روز میں جمع ہو گئے تو آپ نے اپنے دور کے مشہور صحابی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے سامنے نبی اقدس ﷺ کے دور میں عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہوئے تھے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میری موجودگی میں آنجناب ﷺ کے ایام میں عید اور جمعہ ایک روز میں مجتمع ہوئے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آنجناب ﷺ نے کس طرح کیا؟ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اقدس ﷺ نے پہلے نماز عید ادا فرمائی اور پھر اس کے بعد جمعہ کے متعلق دور سے پہنچنے والوں کے لیے رخصت عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص چاہے یہیں نماز جمعہ میں بھی شریک ہو جائے (اور جو شخص نماز جمعہ سے قبل جانا چاہے واپس جاسکتا ہے)۔

((عن ایاس بن ابی رملۃ قال شهدت معاویۃ (رضی اللہ عنہ) یسئل زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) اشهدت مع النبی ﷺ عیدین اجتماعاً فی یوم قال نعم قال فکیف صنع؟ قال صلی العید ثم رخص فی الجمعة فقال من شاء ان یصلی فلیصل))^۱

مطلب یہ ہے کہ مندرجہ بالا واقعات سے نماز عید کے مسنون طریقے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں واضح طریقے سے سامنے آ گئے اور خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نماز کے مسائل میں اور خصوصاً عید کے مسائل میں بھی اتباع سنت کی خاص رعایت رکھتے تھے اور اپنے دور کے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان مسائل میں حسب موقع راہنمائی حاصل کرتے تھے اور ان کے دور میں معمولات کے مطابق عمل کرتے تھے۔ تاہم اس مسئلہ پر اگر مزید قرآن و شواہد مطلوب ہوں تو ہماری تالیف سیرت و سوانح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور چہارم فصل ہفتم تحت عنوان ”اتباع سنت“ کی طرف رجوع کریں وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اتباع سنت کو ملحوظ رکھنا بیان کیا گیا ہے اور بیشتر مواد حدیث سے پیش کیا ہے۔

بنا بریں آپ سنت نبوی ﷺ کے خلاف اذان اور خطبہ قبل صلوة العید کے کیسے مرتکب ہو سکتے تھے؟
فلہذا جو چیز اس کے خلاف پائی جاتی ہے وہ شاذ کے درجے میں ہے اور شاذ روایات کے ذریعے سے مقدر
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن تجویز کرنا ہرگز درست نہیں۔

درایت کے اعتبار سے

- قبل ازیں چند چیزیں باعتبار روایت کے پیش کی گئی ہیں، اب باعتبار درایت کے درج ذیل اشیاء پر نظر فرمائیں:
- طعن پیدا کرنے والے احباب کے ذمے ہے کہ یہ بات واضح کریں کہ خطبہ قبل صلوة العید اور اذان قبل صلوة العید کو کس سنہ اور کس سال میں جاری کیا گیا؟
- تمام ممالک اسلامیہ میں اس کا اجراء کیا گیا یا صرف بلاد شام میں؟
- جس علاقہ میں یہ حکم جاری کیا گیا اس میں اس کا کیا رد عمل ہوا؟ کیا اس دور کے سب اہل اسلام (صحابہ کرام و تابعین وغیرہم) نے اس کو قبول کیا یا مخالفت ہوئی؟
- پھر اس مخالفت کی وضاحت درکار ہوگی کہ کن حضرات نے مخالفت کی؟ اور کن حضرات نے تائید کی؟
- خصوصاً اہل حرین شریفین نے اس حکم پر عمل کیا یا اس کو رد کر دیا؟
- ہاشمی اکابر حضرات نے اس سے کیا تاثر لیا؟ تعاون کیا یا بخالف کیا؟

ان تمام تفصیلات کو سامنے لا کر پھر اس کا تجزیہ کرنا ہوگا اور مسئلہ کے نشیب و فراز کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔
یہ چیزیں معترض احباب کے ذمہ ہیں کہ ان کو صاف کریں۔ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کو
مطعون کرنا مطلوب ہے تو پھر ان مندرجات کو واضح کیجیے اور اگر اس دور کے اکابرین امت نے مخالفت کی
تھی تو وہ حکم نافذ کیسے ہو سکا؟ نیز اس مخالفت کی وضاحت کسی صحیح حوالہ کے ساتھ مطلوب ہے۔ مقام طعن میں
مجروح و مقدوح روایات کام نہیں دے سکتیں۔

اور اگر اکابر نے موافقت کی تھی تو اس کے نتیجہ میں صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ ان تمام
حضرات پر ارتکاب بدعت کا طعن وارد ہوتا ہے جنہوں نے تعاون علی الاثم والعدوان کا ارتکاب کیا۔ حالانکہ یہ
حضرات تعاون علی الاثم والعدوان کرنے والے نہیں تھے۔

حاصل کلام

روایت و درایت دونوں کے اعتبار سے کلام پیش کرنے کے بعد یہ چیز واضح ہے کہ معترض لوگوں نے
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عید سے قبل اذان اور خطبہ کے اصدائیات جو منسوب کیے ہیں وہ واقعات کے
اعتبار سے درست نہیں ہیں اور اثبات طعن کے لیے جو چیزیں فراہم کی گئی ہیں ان سے ارتکاب بدعت کا طعن
قائم نہیں ہو سکتا۔

۱۔ خطبہ و اذان قبل الصلوة برائے عیدین، یہ دونوں امور دور نبوی اور دور خلافت راشدہ کے معمول کے خلاف ہیں۔ اس بنا پر قرین
قیاس یہ ہے کہ جس کتاب سے یہ طعن نقل کیا گیا ہے اس مقام میں یہ عبارت الحاقی ہے اور یہ اس دور کے عالم ابراہیم نخعی کا قول
نہیں ہے۔ بعد میں کسی معتزلی کا قول ہے اور معتزلہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں۔

ایک دیگر طعن (مورتیوں کو ہندوستان کی سرزمین میں بھیجنا)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والوں نے ایک دیگر طعن فقہ کی بعض کتابوں سے تلاش کر کے ”معاویہ اور سمگلنگ“ کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور طعن کے ثبوت میں درج ذیل واقعہ پیش کیا ہے:

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیتل کی چند مورتیاں (جو کفار کے خلاف جنگ سے بطور مال غنیمت حاصل ہوئی تھیں) ارض ہند کی طرف ارسال کیں تاکہ ان کو ہندوستان میں فروخت کیا جائے۔ اس دور کے ایک مشہور تابعی مسروق بن اجدع رضی اللہ عنہ حق گو بزرگ تھے جب ان کے ہاں سے یہ مال گزرا اور انھیں معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ مال فروخت کے لیے ہندوستان بھیجا جا رہا ہے تو انھوں نے اس مسئلے میں اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ کفار کے ہاتھوں مورتیوں کی فروخت ناجائز ہے اور مزید کہا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ مجھے قتل کر دیں گے تو میں اس مال کو غرق کر دیتا۔ لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے عذاب میں مبتلا کر دیں گے۔ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ ایک شخص جس کو اپنا برا عمل اچھا معلوم ہوتا ہے اور ایک شخص جو دنیا سے متمتع ہو کر آخرت سے مایوس ہو چکا ہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں میں سے کس زمرے میں شامل ہیں؟

روایت ہذا کی روشنی میں معترض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر متعدد الزامات وارد کیے ہیں مثلاً معاویہ نے بت فروش کر کے ہنود کے لیے بت پرستی میں مدد کی، وہ شیطانی فریب خوردہ اور آخرت کے منکرین میں سے تھے اور معاویہ اسلام سے لاتعلق تھے وغیرہ وغیرہ۔

جواب

اعتراض ہذا کا جواب ذکر کرنے کے لیے ذیل میں چند معروضات پیش کی جاتی ہیں ان پر توجہ فرمائیں:

○ ایک بات یہ ہے کہ یہ روایت اس مقام پر بلفظ ذکر (بصیغہ مجہول) ذکر کی گئی ہے۔ یہاں نہ تو اس روایت کی سند بیان کی گئی ہے اور نہ اس کا ماخذ ذکر کیا گیا ہے۔ اس مقام سے معلوم نہیں ہو سکتا کہ واقعہ کو بیان کرنے والا کون صاحب ہے اور کہاں سے نقل کیا ہے؟ اور تاریخ ابن عساکر میں تحت مسروق بن الاجدع واقعہ ہذا ندارد ہے۔ اسی طرح تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی رضی اللہ عنہ نے تحت مسروق اس کو ذکر نہیں کیا، اور

علیٰ اختلاف الاقوال صاحب کتاب شمس الائمہ امام سرخسی رضی اللہ عنہما المتوفی ۴۸۳ھ نے اس کو ذکر کیا ہے جب کہ روایت میں مذکور واقعہ جس دور میں پیش آیا وہ خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما ۴۱ھ تا ۶۰ھ کا زمانہ ہے۔ ان دونوں ادوار میں مدت مدید کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔

❁ دیگر بات یہ ہے کہ امام سرخسی رضی اللہ عنہ کی جس مشہور کتاب سے یہ طعن تلاش کر کے طاعنین نے ذکر کیا ہے اسی مقام پر ذرا آگے چل کر صاحب کتاب نے ہی اس طعن کے جواب کے طور پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں اور ان کی صفائی میں بہترین چیزیں بیان کی ہیں۔ چونکہ یہ سب چیزیں طعن کرنے والوں کے طعن کو زائل کر دیتی ہیں اس لیے معترض نے ان کو بالارادہ چھوڑ دیا ہے اور چشم پوشی کرتے ہوئے صرف طعن پیش کر دیا ہے حالانکہ جواب طعن وہیں موجود ہے۔ یہ کمال علمی خیانت ہے اور صحابہ سے بغض کی واضح علامت ہے اور عام لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بدظن کرنے کی مذموم کوشش ہے۔

نیز یہاں قابل وضاحت یہ چیز ہے کہ یہ تمائیل (مورتیاں) جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مال غنیمت میں حاصل ہوئی تھیں اور انھیں فروخت کے لیے ارض البندروانہ کیا گیا تھا اس کا مقصد علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ

((فبعث (عبدالله بن قیس بن مغلد) بها (اصنام) الى معاوية فوجه بها معاوية

الى البصرة لتحمل الى الهند فتباع هناك ليشمن بها))^۱

اور شمس الائمہ امام سرخسی رضی اللہ عنہ نے تحریر کیا ہے کہ

((فأمر معاوية رضي الله عنه ببيعها بارض الهند ليتخذ بها الاسلحة والكراع

للغزاة..... الخ))^۲

”یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ان مورتیوں کو ہندوستان میں فروخت کر کے اس مال

سے جنگی ضروریات کے لیے جنگی اسلحہ اور سواریوں کا انتظام کیا جائے۔“

۱ فتوح البلدان (بلاذری) ص ۲۴۴ تحت فتح جزائری البحر

۲ المبسوط (سرخسی) ص ۴۶، ۴۷ ج ۲۴ تحت کتاب الاکراه۔

☆ حاشیہ قولہ: ببيعها بارض الهند..... الخ

یہاں ایک فقہی اختلاف موجود ہے، مناسبت مقام کے لحاظ سے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک صنم و صلیب وغیرہ کی بیع ان کی عبادت کرنے والوں کے ہاتھوں فروخت کر دینا جائز ہے اور

تمثال کی بیع کا یہ واقعہ امام صاحب رضی اللہ عنہ کا متدل ہے جب کہ امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ بیع مکروہ ہے جیسا

کہ یہاں مسروق بن اجدع تابعی رضی اللہ عنہ کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔

((فيكون دليلاً لابي حنيفة رضي الله عنه في جواز بيع الصنم والصليب ممن يعبده كما هو طريقة ←

مسروق رضی اللہ عنہ کے قول کی توجیہ

صاحب کتاب "البسوط" نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کو مقدم اور راجح قرار دیا ہے اور مسروق رضی اللہ عنہ کے قول کو مرجوح اور متروک کہا ہے۔ اس کے بعد ساتھ ہی مسروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مسروق رضی اللہ عنہ کے یہ نظریات بطور اعتقاد نہیں تھے (بلکہ فرط جوش میں آ کر انہوں نے ایسا کہہ دیا تھا) کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کبار صحابہ میں سے ہیں اور ان کا مرتبہ کاتب الوحی کا ہے اور وہ اپنے دور کے امیر المؤمنین تھے اور آنجناب رضی اللہ عنہم نے ان کے حق میں حکمرانی کی بشارت فرمائی تھی۔

((وانما قلنا هذا لانه لا يظن بمسروق رضي الله عنه انه قال في معاوية رضي الله عنه ما قال عن اعتقاد وقد كان هو من كبار الصحابة وكان كاتب الوحى وكان امير المؤمنين وقد اخبره رسول الله صلى الله عليه وسلم بالملك بعده فقال له يا ايها النبي ما اذا ملكت امر امتي فأحسن اليهم))^۱

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگوئی پر تنبیہ

شمس الائمہ امام سرحسی رضی اللہ عنہ نے فرق مراتب کا ذکر کرتے ہوئے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فائق مرتبہ ذکر کیا ہے اور ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا درجہ بیان کیا ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگوئی کرنے والے ایک شخص کا واقعہ ذکر کیا ہے جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے

← القياس۔ وقد استعظم ذلك مسروق رضي الله عنه كما هو طريق الاستحسان الذي ذهب اليه ابو يوسف و محمد رحمهما الله في كراهة ذلك))^①

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مسروق تابعی رضی اللہ عنہ کے مسلک کو بیان کرنے کے بعد صاحب کتاب امام سرحسی رضی اللہ عنہ نے خود اس بات کا موازنہ کر کے یہ کہا ہے کہ بیع تمثال و اصنام کے مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول مقدم ہے اور اسی کو قابل عمل سمجھا جاتا ہے اور مسروق تابعی رضی اللہ عنہ کا قول اس میں متروک ہے۔

((ولكن مع هذا قول معاوية رضي الله عنه مقدم على قوله))

اور ساتھ ہی صاحب کتاب نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ مسائل فقہی مجتہدات میں سے ہیں اور بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے ایک دوسرے کے حق میں وعید کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں (یہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے وعید کا ایک قول دوسرے شخص کے بارے میں نقل کیا ہے) مطلب یہ ہے کہ مجتہد فیہ مسائل میں بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے درمیان وعید کے الفاظ کا پایا جانا کوئی معیوب چیز نہیں ہے اور اظہار مافی الضمیر اور احقاق حق کے درجے میں اس طرح کا کلام پایا جانا کچھ بعید نہیں۔

① البسوط (شمس الائمہ سرحسی) ص ۴۶-۴۷ ج ۲۲ (طبع مصر) تحت کتاب الاکراہ۔

② کتاب البسوط (شمس الائمہ سرحسی) ص ۴۷ ج ۲۲ (طبع مصر) تحت کتاب الاکراہ۔

دفاع پایا جاتا ہے۔

ایک واقعہ

وہ اس طرح ہے کہ ابتداء میں محمد بن فضل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بدگوئی اور عیب جوئی کیا کرتے تھے۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے منہ سے لمبے لمبے بال نکل کر پاؤں تک لٹک رہے ہیں اور وہ ان بالوں کو اپنے پاؤں میں روندتے ہیں اور زبان سے خون جاری ہے جس سے ان کو سخت اذیت اور تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ جب محمد بن فضل نے اپنے اس خواب کی معبر سے تعبیر پوچھی تو اس نے کہا کہ آپ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی صحابی کی بدگوئی کرتے ہیں اور طعن کرتے ہیں۔ اس فعل سے بچے اور اجتناب کیجیے۔

((ويحكي ان ابا بكر محمد بن الفضل رضي الله عنه كان ينال منه في الابتداء فرأى في منامه كان شعرة تدلت من لسانه الى موضع قدمه فهو يطؤها ويتألم من ذلك ويقطر الدم من لسانه فسأل المعبر عن ذلك فقال انك تنال من واحد من كبار الصحابة فايك ثم اياك))^۱

صاحب کتاب نے یہ واقعہ اس لیے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بدگوئی اور طعن زنی کرنا درست نہیں، وہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

دیگر معروضات

طعن وانی روایت کی ابتدا میں مسروق بن اجدع رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں جو سخت الفاظ پائے جاتے ہیں اور معترضین نے ان الفاظ کو خوب اچھال کر طعن پیدا کرنے کے لیے عجیب و غریب عنوانات قائم کیے ہیں، اس کے متعلق اتنا ذکر کرنا ضروری سمجھا گیا ہے کہ واقعہ ہذا میں یہ الحاقی کلمات معلوم ہوتے ہیں۔ مسروق بن اجدع رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقام کو بہتر طریق پر ملحوظ رکھتے تھے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ

① بعض مسائل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث نہیں بنایا۔ جب یہ مسئلہ مسروق بن اجدع رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو مسروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

۱۔ ((قال مسروق (بن اجدع) وما احدث في الاسلام قضاء احب الي منه))^۲

۲۔ ((ما احدث في الاسلام قضاء اعجب منه))^۳

۱۔ البسوط (نسخی) ص ۴۶-۴۷ ج ۲۳ تحت کتاب الاکراه

۲۔ مسند داری ص ۳۹۷ باب فی میراث اہل الشریک والی الاسلام (طبع ہند)

۳۔ سنن سعید بن منصور ص ۴۳ ج ۳ قسم اول۔

”یعنی مسروق رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اسلام میں اس سے زیادہ پسندیدہ اور زیادہ عجیب فیصلہ میرے سامنے نہیں آیا۔“

یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ مسروق رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قضا اور فیصلوں کو نہایت پسندیدہ خیال کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو کسی قسم کا عناد اور رنجش نہیں تھی۔

② نیز قدیم مورخ ابن خیاط رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ قاضی شریح رضی اللہ عنہ کوفہ سے بصرہ گئے تو ان کے قائم مقام مسروق رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کا قاضی بنایا گیا۔ اگر وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قابل اعتراض و لائق طعن سمجھتے تو ان کی طرف سے منصب قضا کیسے قبول کر سکتے تھے؟ بنا بریں طعن کی مذکورہ روایت کے ابتدائی سخت الفاظ راوی کی اپنی تعبیر معلوم ہوتے ہیں۔

③ دیگر قرینہ یہ ہے کہ اس واقعہ کو شمس الائمہ سرخسی رضی اللہ عنہ نے اپنی دوسری تصنیف شرح السیر الکبیر جلد ثانی تحت مسئلہ ہذا میں بھی ذکر کیا ہے مگر وہاں اس قسم کے شدید الفاظ جو یہاں مذکور ہیں بالکل نہیں پائے جاتے۔ یہ بھی اس بات کی تائید ہے کہ یہ ناقلین کی تعبیرات ہیں جو موجب شبہ بن رہی ہیں۔ چنانچہ السیر الکبیر میں ہے کہ

((والذی یروی ان معاویة بعث بها لیباع بارض الہند فقد استعظم ذالک

مسروق علی ما ذکرہ محمد ذالک فی کتاب الزکوٰۃ)) ۱

④ اور مزید اس چیز پر قرآن موجود ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کسی پر حق گوئی کی پاداش میں ظلم و زیادتی روا نہیں رکھتے تھے۔ اس چیز پر ایک مشہور تابعی اعمش رضی اللہ عنہ کا بیان ہے جس میں انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف کے معاملے کو بڑی اہمیت دی ہے حتیٰ کہ مشہور عادل خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عدل و انصاف میں فائق قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ:

((حدثنا محمد بن جواس حدثنا ابوہریرۃ المکتب قال کنا عند الاعمش

(سلیمان بن مہران) فذکروا عمر بن عبدالعزیز وعدلہ فقال الاعمش فکیف

لو ادرکتہ معاویۃ۔ قالوا فی حلمہ؟ قال لا واللہ بل فی عدلہ)) ۲

۱ تاریخ خلیفہ ابن خیاط ص ۲۱۷ ج ۱ تحت القضاة فی خلافت معاویہ

۲ شرح السیر الکبیر ص ۲۷۸ ج ۲

۳ منہاج السنۃ (ابن تیمیہ) ص ۱۸۵ ج ۳

المستغنی (ذہبی) ص ۳۸۸ (طبع مصر)

”یعنی امام اعمش رضی اللہ عنہ کے ہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف کا ذکر ہوا۔ انہوں نے کہا اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کو پالیتے تو کیا کیفیت ہوتی۔ یعنی وہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے فائق تھے۔ لوگوں نے کہا علم و حوصلہ میں؟ حضرت اعمش رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں بلکہ عدل و انصاف میں بڑھے ہوئے تھے۔“

امام اعمش رضی اللہ عنہ کا یہ بیان قبل ازیں اپنی کتاب مسئلہ اقربا نوازی ص ۱۵۵ میں ہم نے ذکر کیا ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اس مسئلہ پر ذکر کی ہے۔

مندرجہ بالا بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق گوئی پر کوئی ظلم و زیادتی کرنے والے نہیں تھے اور معاملات میں عدل و انصاف کے پہلو کو پیش نظر رکھتے تھے۔

اور مسروق تابعی رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں مبالغہ فی الاحتیاط کرتے ہوئے مورتیوں کو اہل ہند کے ہاتھوں فروخت کرنا جائز قرار دیا ہے۔ نفس بیع کے اعتبار سے یہ جائز ہے (علی طریق القیاس) جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف اور دیانت دارانہ معاملات کی روشنی میں یہ چیز درست معلوم ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سختی کے الفاظ جو امام مسروق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں وہ درست نہیں اور ناقلمین کی تعبیر کو اس میں بڑا دخل ہے۔ کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان کے خلاف کسی مسئلہ بیان کرنے والے پر سختی اور تشدد نہیں کیا جاتا تھا اور اس پر اس دور کے واقعات شاہد ہیں۔ چنانچہ اس مسئلے پر ایک مستقل عنوان ”حق گوئی اور آزادی رائے کے خاتمہ کا جواب“ ہم نے مرتب کر دیا ہے اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

منبر نبوی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق طعن کرنے والوں نے کئی مسائل ایجاد کیے ہیں اور اپنی روایات کے ذریعے سے لوگوں میں پھیلائے ہیں۔ یہ سلسلہ مطاعن بہت طویل ہے مگر جو چیزیں عام لوگوں کے لیے زیادہ پریشان کن ہیں اور ذہنی کوفت کا باعث بنتی ہیں ان میں سے چند ایک چیزیں پیش کی جاتی ہیں اور ساتھ ہی ان کا جواب تحریر کیا جاتا ہے:

① مثال کے طور پر بعض روایات میں پایا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر رسول (ﷺ) کے متعلق حکم دیا کہ اس کو مدینہ منورہ سے اٹھا کر ملک شام لے جایا جائے۔ لیکن جب منبر نبوی کو اپنی جگہ سے ہلایا گیا تو فوراً آفتاب بے نور ہو گیا حتیٰ کہ آسمان پر ستارے نظر آنے لگے اور لوگوں نے اس معاملے کو بڑا اہم خیال کیا۔ جب یہ صورت حال پیدا ہو گئی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا اور کہنے لگے میں منبر نبوی کو اپنی جگہ سے اٹھا کر لے جانا نہیں چاہتا تھا بلکہ مجھے خوف تھا کہ کہیں اس کو نیچے سے دیمک نہ لگ گئی ہو اس لیے میں نے اس کو اپنی جگہ سے اٹھایا ہے۔ پھر منبر نبوی کو وہیں نصب کر دیا اور اس پر غلاف پوشی کر دی۔ چنانچہ علامہ طبری نے اسے بالفاظ ذیل تحریر کیا ہے:

((قال محمد بن عمر (الواقدي) وفي هذه السنة أمر معاوية بمنبر رسول الله ﷺ ان يحمل الى الشام فحرك فكسفت الشمس حتى رأيت النجوم بادية يومئذ فاعظم الناس ذلك فقال لم ارد حملة انما خفت ان يكون ارض فنظرت اليه ثم كساه يومئذ))

اطلاع..... تاریخ طبری کی اس روایت کو شیعی مورخین مسعودی وغیرہ نے ”مروج الذهب“ میں بڑے عمدہ پیرائے میں بطور طعن درج کیا ہے۔ وہاں یہی روایت ہے کوئی الگ واقعہ نہیں ہے۔ مخالفین صحابہ نے اس کو خوب اچھالا ہے۔ روایت بھی ان کی ہے پھر طعن بھی ان کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ (یا للعجب) الجواب

طبری کی روایت ہذا میں اس واقعہ کو نقل کرنے والا محمد بن عمر واقدی ہے اور واقدی نے جہاں دیگر بہت سی بے اصل اور متروک روایات نقل کی ہیں وہاں یہ روایت بھی واقدی ہی کی مرہون منت ہے۔ اس

مقام پر طبری نے کچھ دیگر واقعات بھی واقدی سے ہی نقل کیے ہیں جو قابل قبول نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ واقدی کے متعلق علمائے رجال نے تعدیل کے ساتھ ساتھ تنقیدات بھی ذکر کی ہیں اور اہل علم حضرات ان سے بخوبی واقف ہیں۔ ان تنقیدات میں سے کسی قدر ہم نے قبل ازیں کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ کے ص ۲۲۸-۳۲۵ پر ذکر کر دی ہیں۔ اب یہاں بھی بقدر ضرورت واقدی پر نقد پیش کیا جاتا ہے تاکہ مذکورہ بالا مطاعن کی روایات کا بے اصل ہونا پایہ ثبوت تک پہنچے۔

(۱) واقدی پر نقد

علامہ ابن حجر اور حافظ ذہبی وغیرہم بیضا نے اکابرین امت کے حوالہ سے واقدی پر مندرجہ ذیل نقد نقل کیا ہے

① ((قال احمد بن حنبل رحمہ اللہ: الواقدي كذاب..... قال الشافعي رحمہ اللہ: كتب الواقدي كلها كذب..... الخ))^۱

② ((قال احمد بن حنبل هو كذاب يقلب الاحاديث..... قال البخاري وابو حاتم متروك..... واستقر الاجماع على وهن الواقدي..... الخ))^۲

حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بغداد کا ساکن تھا اور متروک الحدیث ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واقدی کذاب ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام کتابیں دروغ محض ہیں۔ نیز امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ شخص (واقدی) جھوٹے ہونے کے ساتھ ساتھ احادیث میں کئی قسم کی تبدیلیاں کر دیتا تھا۔ امام بخاری اور امام ابو حاتم بیضا نے فرمایا واقدی متروک ہے اور واقدی کے ضعیف ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔

نیز بہت سے دیگر علماء مثلاً ابن حبان رحمہ اللہ نے کتاب المجروحین میں، ابو نعیم اصفہانی رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں، ابن عدی رحمہ اللہ نے الکامل میں، یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں، عقیلی رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں، ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان میں اور ذہبی رحمہ اللہ نے المغنی میں واقدی پر خوب جرح و نقد کر دیا ہے جو اس کی منقولہ روایات کے عدم قبول کے لیے کافی ہے۔

۲۔ واقدی کا مسلک

اس کے بعد واقدی کے نظریاتی مسلک کے متعلق ایک خاص تائید مشہور شیعہ مورخ کی طرف سے پیش کی جاتی ہے۔ چنانچہ ابن ندیم شیعہ نے اپنی مشہور تالیف الفہرست لابن ندیم میں ص ۱۵۰ پر ”اخبار الواقدي“

۱۔ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۳۶۳-۳۶۶ ج ۹ تحت محمد بن عمر الواقدي الاسلمی

۲۔ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۱۱۰ ج ۳ طبع قدیم مصر تحت محمد بن عمر الواقدي الاسلمی۔

کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے کہ

((وكان يتشيع حسن المذهب، يلزم التقية، وهو الذي روى ان علياً عليه السلام كان من المعجزات النبي ﷺ كالعصاء لموسى عليه السلام واحياء الموتى لعيسى ابن مريم عليه السلام وغير ذلك من الاخبار))^۱

”مطلب یہ ہے کہ ابن ندیم کے قول کے مطابق محمد بن عمر واقدی اچھے مذہب والا شیعہ بزرگ تھا اور تقیہ کو لازم کیے ہوئے تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سے تھے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے لیے مردوں کو زندہ کرنا معجزہ تھا۔ نیز اس قسم کی دیگر اخبار بھی اس نے نقل کی ہیں۔“

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ چونکہ مورخ ابن ندیم خود شیعہ بزرگ ہے اس لیے واقدی کو اس نے ”حسن المذہب“ کہا ہے اور ”تقیہ کو لازم کرنا“ واقدی کی عمدہ صفت قرار دیا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ابن ندیم شیعہ کے قول کی روشنی میں واقدی عمدہ تقیہ باز شیعہ بزرگ تھا۔

۳۔ واقدی کا سیاسی نظریہ

نیز واقدی کے متعلق روایات میں یہ چیز دستیاب ہوتی ہے کہ سیاسی نظریات کے طور پر یہ بزرگ عباسی دور (ہارون الرشید وغیرہم) کا اپنے فن میں لائق فائق اور یگانہ فرد تھا اور اس دور میں اس کو دس ہزار درہم انعام ملا تھا۔ علاوہ ازیں اس پر بہت کچھ انعام و اکرام ہوتا تھا۔^۲

واقدی عباسی دور کے خلفاء اور خصوصاً ان کے وزیر خالد بن یحییٰ برکنی کا خاص درباری تھا اور بعض اوقات قاضی بغداد بھی رہا۔ عموماً عباسی امراء بنو امیہ کے سیاسی طور پر سخت خلاف تھے لیکن مامون بن ہارون الرشید کے متعلق تو تاریخوں میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ بعد میں شیعہ ہو گیا تھا۔^۳ اور یہ چیز بھی مورخین نے واقدی کے متعلق تحریر کی ہے کہ

((ثم رجع الى بغداد فلم يزل بها الى ان قدم المامون من خراسان فولاه القضاء بعسكر المهدي فلم يزل قاضيا حتى مات ببغداد (۲۰۷ھ))^۴

۱۔ المہرست لابن ندیم ص ۱۵۰ تحت اخبار الواقدی

۲۔ طبقات ابن سعد ص ۳۱۳-۳۲۱ ج ۵ تحت محمد بن عمر الواقدی، طبع لیڈن

۳۔ الاثنا عشری تمدن اسلامی (علامہ شبلی نعمانی) ص ۲۳، ۲۵۔

۴۔ دول الاسلام (ذہبی) ص ۹۳ ج ۱ تحت ۲۱۱ھ

العمر فی خبر من غیر (ذہبی) ص ۳۵۹ ج ۱ تحت ۲۱۱ھ طبع کویت

۵۔ طبقات ابن سعد ص ۷۷ ج ۷ تحت محمد بن عمر الواقدی

فلہذا قرین قیاس یہ ہے کہ بنو امیہ کی مذمت میں ان ہوا خواہ افراد نے اپنے امراء کی خوشنودی میں خوب روایات تالیف کیں اور اسی ضمن میں حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہما کے خلاف مرویات بھی اسی سلسلے کے باقیات میں سے ہیں۔

پس جو روایات ان لوگوں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے خلاف اور ان کی تنقیص میں دستیاب ہوتی ہیں ان کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ (اس چیز کو ناظرین کرام ہمیشہ خوب ملحوظ رکھیں۔ یہ ہماری ملٹی تاریخ کا اصولی اور بنیادی ضابطہ ہے)۔

۴۔ مرویات واقدی کا درجہ

بعض لوگ اس مقام پر اگر یہ شبہ پیدا کرنا چاہیں کہ مندرجات بالا کی روشنی میں تو واقدی کی تمام مرویات اور روایات قابل رد ہوئیں اور متروک ٹھہریں حالانکہ اہل علم اس کی روایات کو قبول کرتے ہیں اور اپنی تصانیف میں جگہ دیتے ہیں، جیسا کہ اس پر واقعات شاہد ہیں تو پھر اس دورخی پالیسی کا کیا مطلب ہے؟ اس کے متعلق ازالہ شبہ کے درجے میں عرض ہے (اور اس چیز کو کبار علماء خوب جانتے ہیں) کہ واقدی بزرگ ہو یا کوئی دوسرا شخص، ان کی روایات کے مقبول ہونے کے لیے عند العلماء قاعدہ یہ ہے کہ دیگر اکابر محدثین اور با اعتماد مورخین کی جانب سے ان چیزوں کی توثیق اور موافقت پائی جائے اور کسی ضابطہ شرعی اور آئین اسلامی کے خلاف بھی نہ ہوں تو ان کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ان کو اخذ کرنا درست ہے۔ اور جہاں واقدی وغیرہ ان اشیاء میں متفرد ہوں اور ان کا کوئی متابع بھی نہ پایا جائے تو وہ چیزیں قابل اعتماد اور لائق قبول نہیں ہوتیں۔ اب اس ضابطہ کو معلوم کر لینے کے بعد مذکورہ شبہ زائل ہو جائے گا اور اہل علم حضرات کے طریق کار پر اعتراض وارد نہ ہوگا۔

مختصر یہ ہے کہ اس نوع کی روایات کے رد و قبول کے متعلق علماء نے اپنے اپنے مقام پر قاعدے اور ضابطے ذکر کر دیے ہیں۔ مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع کر کے تسلی کی جاسکتی ہے، عبارات نقل کرنے میں تطویل ہوتی ہے:

فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للعراقی (سخاوی) ص ۲۳۹-۲۵۰ ج ۱ تحت بحث ہذا

تدریب الراوی شرح تقریب النووی (سیوطی) تحت النوع ۲۱ ص ۱۸۰

شرح نخبۃ الفکر ص ۵۵ تحت بحث ہذا طبع مجتہائی دہلی۔

ایک عجوبہ

معرض دوستوں کے ایک طبقہ (قرامطہ) کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے بیت اللہ سے حجر اسود اکھاڑ لیا تھا اور اپنے علاقے میں لے گئے تھے اور پھر ایک مدت کے بعد زر کثیر وصول کر کے واپس کیا تھا۔ حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے معترض لوگوں نے منبر نبوی کے ملک شام لے جانے کے متعلق جو قصہ تصنیف کیا ہے وہ اگرچہ سراسر بے بنیاد ہے لیکن اگر بالفرض اس کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو انھوں نے منبر نبوی کو اپنی جگہ سے ہٹانے کے بعد پھر وہیں نصب کر دیا اور غلاف پوشی کی مگر یہ لوگ تو آثار اسلامی یعنی ”حجر اسود“ کو اپنے مقام سے اکھیڑ کر اپنے علاقے میں لے گئے تھے اور خرق عادت کسی چیز کا ظہور نہ ہوا۔ نہ زلزلہ آیا نہ شمس و قمر بے نور ہوئے اور نہ پہاڑوں ہی میں جنبش ہوئی۔

معترض دوستوں کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے سے پہلے اپنے ایک طبقہ کے لوگوں پر توجہ کرنی چاہیے تھی جو ”آثار اسلامی“ کی توہین کے مرتکب ہوئے اور انھوں نے اپنی خست طبع کا مظاہرہ کیا اور کافرانہ کردار ادا کیا۔ شیعوں کے فرقہ اسماعیلیہ میں یہ قرامطہ ہیں انھوں نے ۳۱۷ھ میں حجر اسود کے ساتھ جو اہانت کا معاملہ کیا تھا اور حجر اسود کو بائیس سال کے بعد زرکثیر کے عوض واپس کیا تھا اس کی تفصیلات مندرجہ ذیل مقامات پر ملاحظہ فرمائیں:

① کتاب دول الاسلام (ذہبی) ص ۱۴۰-۱۴۱ ج ۱ تحت ۳۱۷ھ طبع حیدرآباد

② البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۶۰، ۱۶۱ ج ۱۱ تحت ۳۱۷ھ طبع اول مصر

③ البدایہ (ابن کثیر) ص ۲۲۳ ج ۱۱ تحت ۳۳۹ھ طبع اول مصر

④ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۰ ج ۵ باب دخول مکہ

⑤ تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۱۵، ۱۶، ۱۹ طبع سہیل اکیڈمی لاہور، تحت باب اول در کیفیت

حدوث مذہب تشیع و انشعاب آل

(۲) منبر پر دیکھو تو قتل کر دو

اور بعض دیگر روایات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس طرح پایا جاتا ہے کہ نبی اقدس ﷺ

نے ارشاد فرمایا:

① ((اذا رأیتموہ علی المنبر فاقتلوہ))

اور اس طرح بھی روایات میں دستیاب ہوتا ہے کہ

② ((اذا رأیتم معاویہ بن ابی سفیان یخطب علی منبرہ فا ضربوا عنقہ۔ قال

الحسن فما فعلوا فلا افلحوا))

اس مضمون کی کئی روایات بعض کتب میں پائی جاتی ہیں جن کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن

کرنے والے لوگوں میں تنفر کی فضا قائم کرتے ہیں اور اپنے بغض و عناد کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ

روایات بالکل جعلی اور بے اصل ہیں۔

الجواب

مندرجہ بالا روایات کے کذب و افترا ہونے پر علماء نے سابقاً کلام کر دیا ہے۔ ہم اس پر ذیل میں روایتاً اور درایتاً نقد ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جس سے ان روایات کا دروغ محض ہونا واضح ہو جائے گا۔

روایتاً نقد

مندرجہ بالا روایت کے متعلق امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اپنی مشہور تصنیف تاریخ الصغیر میں اس روایت کے بے اصل ہونے پر عمدہ جرح کر دی ہے چنانچہ امام بخاری رضی اللہ عنہ تحریر کرتے ہیں کہ

۱۔ ((وہذا مدخول لم یثبت))

۲۔ ((وہذا واہ))

”یعنی روایت میں یہ الفاظ زبردستی داخل کیے ہیں اور درجہ ثبوت کو نہیں پہنچتے۔ نیز فرمایا کہ یہ روایت بے اصل ہے (ثابت نہیں)۔“

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اعمش رضی اللہ عنہ سے اسی مقام پر نقل کیا ہے کہ

((انہ قال نستغفر اللہ من اشیاء کنا نرویہا علی وجہ التعجب اتخذوها دینا))

”یعنی اعمش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کی پناہ! جن روایات کو ہم تعجب کے طور پر نقل کرتے تھے لوگوں نے ان کو دین بنا لیا۔“

اور دوسری روایت جو حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اسے ایک مقام پر منسوب کرنے والا عمرو بن عبید معترلی ہے۔ عمرو بن عبید معترلی کے متعلق علماء نے تصریح کر دی ہے کہ یہ شخص روایت میں جھوٹ بولتا تھا۔ کان عمرو یکذب فی الحدیث ابن عون کہتے ہیں کہ مالنا والعمرو۔ عمرو یکذب علی الحسن یعنی ابن عون کہتے ہیں کہ عمرو جناب حسن بصری رضی اللہ عنہ پر جھوٹ لگاتا تھا۔

((قیل لایوب ان عمرو بن عبید روی عن الحسن ان رسول اللہ ﷺ قال

اذا رأیتم معاویة علی المنبر فاقتلوہ۔ فقال کذب عمرو))

”یعنی ایوب سے کہا گیا کہ عمرو بن عبید حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا جب تم منبر پر معاویہ کو دیکھو تو قتل کر دو۔ تو ایوب نے کہا کہ عمرو بن عبید نے جھوٹ

کہا۔“

نیز علماء نے ذکر کیا ہے کہ اس دور کے اہل علم فرماتے تھے:

((لا تأخذ عن هذا شيء فانه يكذب على الحسن))

”یعنی عمرو بن عبید سے روایت کے بارے میں کوئی چیز نہ لو۔ یہ شخص حسن بصری رضی اللہ عنہ پر جھوٹ لگاتا ہے۔“

خلاصہ یہ ہے کہ منبر پر قتل کی روایت جو حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے یہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ پر افتراء ہے، جھوٹ ہے۔ انھوں نے ایسی کوئی روایت نہیں ذکر کی۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے تاریخ صغیر میں اور خطیب بغدادی رضی اللہ عنہ نے اپنی تاریخ بغداد میں اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے۔

③ اس مقام پر مضمون مذکورہ بالا کی روایت نصر بن مزاحم منقری نے اپنی مشہور تصنیف ”وقعة اللفین“ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے

((قالا: قال رسول الله ﷺ اذا رأيتم معاوية بن أبي سفيان يخطب على

منبري فاضربوا عنقه۔ قال الحسن فما فعلوا ولا افلحوا))

”یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب معاویہ بن ابی سفیان کو میرے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے

دیکھو تو اس کی گردن مار دو۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے اس پر عمل نہ کیا اور انھوں نے

فلاح نہ پائی۔“

جرح و نقد

یہ اس مضمون کی تیسری روایت ہے جو منقری نے اپنی سند کے ساتھ کتاب ”وقعة اللفین“ میں ذکر کی ہے۔ اس پر ہم مختصر سا کلام کرنا چاہتے ہیں، ناظرین کرام توجہ فرمائیں۔

حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے البدایہ والنہایہ تحت ترجمہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں اس روایت کے متعلق ذکر کیا ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک شخص حکم بن ظہیر راوی ہے۔ وهو متروك (وہ محدثین کے نزدیک متروک ہے اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی)۔

ابن کثیر رضی اللہ عنہ اس روایت کے متعلق یہ بھی فرماتے ہیں کہ وهذا الحديث كذب بلا شك۔ یعنی یہ روایت بلا شک دروغ محض ہے۔

اور ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی رضی اللہ عنہ نے اپنے تذکرہ الموضوعات میں اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ

۱ تاریخ بغداد (خطیب بغدادی) ج ۱۲ ص ۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲ تحت ترجمہ عمرو بن عبید منقری

البدایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ

۲ وقعة اللفین (نصر بن مزاحم منقری المتوفی ۲۱۲ھ) تحت ماورد من الاحادیث فی شان معاویہ

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

((اذا رأيتم معاوية على منبري فاقتلوه فيه الحكم بن ظهير الفزاري وهو يضع وسرقته منه عباد بن يعقوب الرواجني وهو من غلاة الروافض))^۱
 ”یعنی یہ روایت کہ میرے منبر پر جب تم معاویہ کو دیکھو تو اسے قتل کر دو، اس روایت کی سند میں حکم بن ظہیر فزاری ہے، وہ روایت کو وضع (تصنیف) کر لیا کرتا ہے اور حکم بن ظہیر سے عبادہ بن یعقوب رواجی نے روایت کو سرقہ کیا ہے اور وہ عالی رافضیوں میں سے ہے۔“

نصر بن مزاحم منقری کے متعلق بقدر ضرورت تشریح کی جاتی ہے۔ اس کے معلوم کر لینے کے بعد اس کی موجودہ روایت سمیت تمام مرویات کا درجہ اعتماد سامنے آ جائے گا کہ یہ شخص کس قسم کا بزرگ ہے اور اس کی مرویات قابل قبول ہیں یا نہیں؟

ناظرین کرام پر واضح ہو کہ منقری نے کتاب ”وقعة الصفین“ واقعہ صفین کے متعلق لکھی ہے۔ اس کتاب میں ایک مستقل فصل تحریر کی ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت اور تنقیص شان کے متعلق مرفوع اور مرسل روایات جمع کی ہیں اور ساتھ ہی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال فراہم کیے ہیں۔ کتاب ہذا کی صرف یہی ایک فصل دیکھ لینے سے نصر بن مزاحم منقری کا مذہب اور مسلک واضح ہو جاتا ہے۔ یہ بزرگ نہایت درجے کا بد زبان رافضی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مطاعن تالیف کرنا اس کا نصب العین ہے۔ اس شخص کے متعلق اہل سنت اور شیعہ علماء کے صرف چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں جن سے اس کا مذہب و مسلک واضح ہو رہا ہے۔ اس کی مرویات ہم پر کچھ حجت نہیں اور کسی درجے میں قابل قبول نہیں۔

① علامہ عقیلی رضی اللہ عنہ نے کتاب الضعفاء میں مندرجہ ذیل الفاظ اس کے حق میں ذکر کیے ہیں:

((كان يذهب الى التشيع وفي حديثه اضطراب وخطاء كثير))^۲

② حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق لسان المیزان میں اور حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ یہ رافضی ہے اور متروک ہے اور کذاب ہے زائغ الحدیث ہے۔ قال العجلی رافضی غال۔^۳

③ اور خطیب بغدادی رضی اللہ عنہ نے اپنی تاریخ بغداد ج ۱۳ میں لکھا ہے کہ منقری پختہ رافضی تھا۔

④ اور شیعہ کے علمائے تراجم نے مندرجہ ذیل الفاظ میں منقری کے شیعہ ہونے کی توثیق کی ہے۔ شیخ

۱ تذکرۃ الموضوعات (ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی) ص ۶ (تحت الروایہ)

۲ کتاب الضعفاء الکبیر (عقیلی) ص ۳۰۰ ج ۴ تحت نصر بن مزاحم المنقری

۳ لسان المیزان (ابن حجر) ص ۱۵۷ ج ۶ تحت نصر بن مزاحم المنقری

عبداللہ مامقانی لکھتے ہیں

”منقری مستقیم الطریقت تھا اور صالح الامر تھا۔ اس نے بہت سی تصانیف کی ہیں مثلاً کتاب الجمل، کتاب الصغیر اور کتاب نہروان اور مقتل حسین وغیرہ وغیرہ۔ اور لکھا ہے کہ یہ شخص ممدوح ہے اور بلاشبہ امامی ہے اور بااعتماد ہے، صحیح النقل ہے وغیرہ وغیرہ۔“^۱

درایت کے اعتبار سے

روایات پر سند کے اعتبار سے بحث کرنے کے بعد اب باعتبار درایت کلام پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اس مقام پر ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے حکم سے شام کے علاقے میں امیر بنایا گیا اور آپ کم و بیش دس سال امیر شام رہے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک بھی ان کو منبر پر قتل کرنے کے لیے نہیں اٹھا جو ان کا منبر پر خاتمہ کر دیتا۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کی مذکورہ بالا روایات بے اصل ہیں، ان کے لیے کوئی اصل نہیں اور نہ اس نوع کا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کسی ایک صحابی کے حق میں موجود ہے ورنہ اس فرمان نبوی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور عمل کرتے۔

((وقد ادرك اصحاب النبي ﷺ معاوية اميرا في زمان عمر بأمر عمر وبعد ذلك عشر سنين فلم يقم اليه احد فيقتله. وهذا مما يدل على هذه الاحاديث ان ليس لها اصول ولا يثبت عن النبي ﷺ خبره على هذا النحو في احد من اصحاب النبي ﷺ))^۲

اسی طرح حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے البدایہ والنہایہ میں اس روایت کے بے اصل ہونے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

((ولو كان صحيحا لبادر الصحابة الى فعل ذلك، لانهم كانوا لا تأخذهم في الله لومة لائم))^۳

”یعنی اگر یہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحیح ہوتا تو اس پر عمل کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلدی کرتے، اس لیے کہ ان کو دین کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خوف نہیں ہوتا تھا۔“

۱۔ تنقیح المقال فی علم الرجال (شیخ عبداللہ مامقانی شیعہ) ص ۲۶۹-۲۷۰ تحت نصر بن مزاحم الکوفی المنقری (طبع تہران)

۲۔ تاریخ الصغیر (امام بخاری) ص ۶۸-۶۹ طبع اول قدیم، الہ آباد تحت عصر من بین الستین الی السبعین

۳۔ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۱۳۳ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

ابن کثیر رضی اللہ عنہ مزید تحریر کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور کو بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پایا ہے۔ مثلاً حضرت اسامہ بن زید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت مسلمہ بن مخلد، حضرت ابو سعید خدری، حضرت رافع بن خدیج، حضرت ابو امامہ، حضرت انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ پھر لکھا ہے کہ یہ حضرات ہدایت کے چراغ تھے، علم دین کے ظروف تھے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نازل ہوتے دیکھنے والے تھے اور دین کی تبدیلی (جاہلیت سے اسلام کی طرف) ان کے سامنے ہوئی تھی اور اسلام سے انھوں نے دین میں وہ معرفت حاصل کی جو دوسروں کو حاصل نہیں ہو سکی اور قرآن کے معانی کو انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا۔

فلہذا یہ حضرات دین میں ہر طرح کامل تھے اور اطاعت نبوی میں بعد میں آنے والوں لوگوں سے فائق تھے۔ یہ تمام صحابہ کرام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان سے بیعت کرنے کے بعد ان کے ساتھ ہو گئے تھے کسی صاحب نے کوئی مخالفانہ رویہ اختیار نہیں کیا تھا چہ جائیکہ یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منبر پر قتل کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے اور وہ قول جو روایت میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے ”قال الحسن فما فعلوا ولا افلحوا“ یہ کلمہ دروغ بے فروغ ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عام الجماعۃ کے بعد اتفاق کر کے دین کے فروغ کے لیے جدوجہد کی اور ہر مرحلے میں کامیاب اور فتح یاب ہوئے۔

اندریں حالات یہ کہنا کہ انھوں نے فلاح نہیں پائی اور فتح انھیں نصیب نہیں ہوئی یہ سب منقری کے اکاذیب میں سے ہے۔ اس بے چارے کو صحابہ کرام اور اسلام کی ترقی سے دلی عناد تھا اس بنا پر ایسی روایات اپنی تصانیف میں بھرتا چلا گیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ منبر پر قتل کی روایات روایتاً و درایتاً بے اصل ہیں مقام طعن میں ان کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔

③ طعن کرنے والے لوگوں کا طریق کار یہ ہے کہ جہاں کہیں روایات میں بنو امیہ کی مذمت اور ان کے خلاف مواء پایا جائے اسے فراہم کر کے عوام میں نفرت کی فضا قائم کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ان روایات میں بنو امیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء مذکور نہ ہوں تب بھی ان روایات کا محمل اور مصداق ان چند اموی صحابہ کو قرار دے کر مطعون کرنے اور ان کو مبعوض ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں کئی روایات کتابوں میں پائی جاتی ہیں ان کو مطاعن صحابہ میں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام کی بعض روایات میں اس طرح ہے کہ حضرت حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور منصب خلافت ان کو تفویض کر دیا اس وقت ایک شخص نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو عار دلانے

کے طور پر کہا ”اے مومنوں کے چہروں کو سیاہ کر دینے والے! تو نے اس شخص کی بیعت کر لی؟ (یعنی معاویہ بن ابی سفیان کی بیعت کر لی)۔“

تو روایت میں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جواب میں مندرجہ ذیل روایت ذکر کی:

نبی اقدس ﷺ کو خواب میں دکھلایا گیا کہ آنجناب رضی اللہ عنہم کے منبر پر بنی امیہ چڑھ رہے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ آنجناب رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ بنو امیہ آنجناب رضی اللہ عنہم کے منبر پر یکے بعد دیگرے خطبہ دے رہے ہیں اور بعض روایات کے اعتبار سے ہے کہ یوں دکھلایا گیا کہ بنو امیہ آنجناب رضی اللہ عنہم کے منبر پر چڑھتے اور اترتے ہیں جیسے کہ بندر نیچے اوپر کودتا ہے، تو آنجناب رضی اللہ عنہم کو یہ چیز شاق گزری اور مکروہ معلوم ہوئی۔

بقول بعض روایات اس کے بعد آنجناب رضی اللہ عنہم کبھی کھل کر نہیں بنے اور اس پریشانی کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو سورتیں نازل ہوئیں اِنَّا آغْصَيْنَاكَ اور اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ نَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾ حَيْثُ مِّنَ الْاَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾ روایت کرنے والوں میں سے بعض راوی کہتے ہیں کہ ہم نے الف شہر کو شمار کیا تو وہ بنی امیہ کے عہد امارت کے بالکل موافق ٹھہرا۔

مطلب یہ ہے کہ معترض لوگوں نے اس روایت کے اعتبار سے بنی امیہ کی خلافت و امارت کو نبی کریم ﷺ کے نزدیک قبیح اور مکروہ قرار دیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنجناب رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ تمام دور امارت ناپسندیدہ اور قابل نفرت ہے اور بنو امیہ کے تمام امراء آنجناب رضی اللہ عنہم کے نزدیک مبغوض و مکروہ ہیں اور مندرجہ روایات کے عموم الفاظ (بنو امیہ) کے اعتبار سے حضرت عثمان، عتاب بن اسید اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم بھی ان میں شمار و شریک ہیں۔ فلہذا یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس زمرہ میں شامل ہیں۔

الجواب

اس مقام پر یہ چیزیں ان روایات کی تحقیق کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں، ان کو پیش نظر رکھنے سے تجویز کردہ طعن کا ازالہ ہو سکے گا۔ اس بحث کے تمام مندرجات پر انصاف کے ساتھ نظر غائر فرمائیں تو امید ہے کہ اطمینان کا باعث ہوگا:

- ① پہلی گزارش یہ ہے کہ پیش کردہ روایات میں ایک ہی واقعہ کا ذکر ہے، یہ متعدد واقعات نہیں اور ایک ہی خواب سے متعلق ہے۔ اسی ایک واقعہ کو رواۃ نے اپنی مختلف تعبیرات کے ساتھ بیان کیا ہے۔
 - ② دوسری چیز یہ ہے کہ طعن کو مضبوط کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اثبات طعن کے لیے جو مواد پیش کیا جائے وہ عند الخصم اپنی جگہ پر صحیح ہو اور وہ واقعات کے برخلاف نہ پایا جائے۔
- اس صورت حال کے پیش نظر ہم پہلے اس واقعہ کی روایات پر باعتبار سند کلام کرتے ہیں اور پھر اس کے

متعلق اکابر علماء کے بیانات پیش کریں گے اور اس کے بعد باعتبار روایت کلام کیا جائے گا۔ تاکہ طعن ہذا کے ثبوت اور عدم ثبوت کا درجہ واضح ہو سکے اور اس اعتراض کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کیا جاسکے۔
روایت کے اعتبار سے کلام

اس مقام پر بعض روایات کی سند میں ایک راوی ابو الخطاب جارودی ہے۔

① ابو الخطاب جارودی

اس شخص کو اسماء الرجال میں زیدی شیعوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کا نام سہیل بن ابراہیم ہے۔ چنانچہ شیعہ علماء نے لکھا ہے کہ

((الجارودية فرقة من زيدية نسبت الى الجارود))^۱

اور ہمارے علماء نے ابو الخطاب جارودی کے متعلق لکھا ہے کہ

((قال ابن حبان يخطئ و يخالف))^۲

”یعنی یہ اپنی مرویات میں خطا کرتا ہے اور معروف روایات کا خلاف کرتا ہے۔“

اور اسی سند میں ایک راوی قاسم بن فضل حدانی ہے اس کی کنیت ابو مغیرہ بصری ہے۔

② قاسم بن فضل حدانی

اس شخص کے متعلق علمائے رجال نے لکھا ہے کہ

((رمی بالارجاء قال يحيى بن سعيد ذاك منكر قال يحيى القطان كان منكر))^۳

علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ

((ذكره ابن عمرو العقيلي في الضعفاء))^۴

اور قاسم بن فضل حدانی اس روایت کو یوسف بن مازن سے نقل کرتا ہے۔ اس شخص یوسف کو بعض

مقامات پر یوسف بن سعد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

③ یوسف بن مازن

امام ترمذی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یوسف بن مازن رجل مجہول ہے۔ اور علماء نے یہاں یہ چیز بھی ذکر کی

ہے کہ اس کی جہالت باعتبار ذات کے نہیں بلکہ باعتبار صفات و احوال کے ہے، اور اس کی روایت کا جو درجہ

۱ ختمی المقال ص ۲۲۶-۲۰۸ طبع قدیم ایران (تحت تشریح فرقة الجارودية)

۲ لسان المیزان (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۲۳ ج ۳ طبع دکن

۳ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۳۲۹ ج ۸ تحت قاسم بن فضل

۴ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۳۲۲ ج ۲ تحت قاسم بن فضل۔

ہے وہ عنقریب ہم علماء کے بیانات کے تحت ذکر کر رہے ہیں (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

اسی روایت (صعود علی المنبر) کے راویوں میں موسیٰ بن اسمعیل ہے۔

④ موسیٰ بن اسمعیل

اس کے متعلق علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

((وتكلم الناس فيه قلت نعم تكلموا فيه بانه ثقة ثبت اما رافضی))^۱

”مطلب یہ ہے کہ یہ شخص ثقہ تو ہے لیکن رافضی ہے۔“

اس روایت کے بعض اسانید میں محمد بن اسحاق صاحب المغازی ہے۔

⑤ محمد بن اسحاق صاحب المغازی

اس شخص کے متعلق جرح و تعدیل کے دونوں پہلو علمائے رجال نے ذکر کیے ہیں اور یہاں تک لکھا ہے

کہ

((صدوق مشہور بالتدلیس عن الضعفاء والمجهولين وعن شرمهم وصفه

بذلك احمد والدارقطنی وغيرهما))^۲

اور حواشی نصب الراية میں مذکور ہے کہ

((قال النووی فی شرح المہذب ج ۵ ص ۱۳۳، اسنادہ ضعیف فیہ محمد بن

اسحاق صاحب المغازی وهو مدلس واذا قال المدلس ”عن“ لا یتحج بہ۔

انتہی کلامہ))^۳

اور روایت مذکور کے بعض اسانید میں سری بن اسمعیل بجلی ہمدانی کوئی راوی ہے۔

⑥ سری بن اسمعیل

اس راوی کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ

((هو متروك الحديث..... قال الدارمی عن ابن معین لیس بشیء قال

الآجری عن أبی داود ضعیف متروك الحديث قال ابن حبان كان یقلب

الأسانید ويرفع المراسیل ^۴ قال النسائی متروك الحديث وقال غیرہ لیس

۱ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۲۰۸ ج ۳ تحت موسیٰ بن اسمعیل، طبع قدیم معری

۲ طبقات المدلسین (ابن حجر عسقلانی) ص ۱۹

۳ حواشی نصب الراية ص ۲۵۱ ج ۲ باب البنائز۔

۴ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۳۵۹-۳۶۰ ج ۳ تحت سری بن اسمعیل

بشیء قال أحمد ترك الناس حديثه))^۱
روایت مذکور میں ایک اور راوی سفیان بن لیث ہمدانی کوئی ہے۔

④ سفیان بن لیث

اس کے متعلق علمائے رجال نے درج ذیل نقد اور جرح ذکر کی ہے:

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ

((قال العقيلي كان ممن يغلو في الرفض لا يصح حديثه قال ابو الفتح

الازدي سفیان مجهول والخبر منكر))^۲

”اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سفیان ہمدانی کوئی عالی رافضی ہے، اس کی روایت صحیح نہیں اور یہ سخت

مجهول ہے اور اس کی روایت منکر ہے یعنی معروف روایات کے خلاف ہے۔“

اس روایت کی بعض اسانید میں محمد بن حسن بن زبالہ مخزومی ایک راوی ہے۔

⑤ محمد بن حسن بن زبالہ

اس راوی کے متعلق علماء نے درج ذیل نقد ذکر کیا ہے:

((قال ابن معين والله ما هو بثقة قال هاشم بن مرثد عن ابن معين كذاب،

خبیب لم یکن بثقة ولا مامون یسرق الاحادیث قال ابو زرعة واهی

الحديث قال النسائی لا یکتب حديثه قال احمد بن صالح کتبت عنه مائة

الف حديث ثم تبين لي انه كان يضع الحديث فتركت حديثه))^۳

اور علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن زبالہ کے متعلق مندرجہ ذیل کلام کیا ہے:

((كان يسرق الحديث كان كذابا ولم یکن بشیء عنده مناكير))^۴

اور آیت الشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ کے تحت جو روایات پیش کی جاتی ہیں اور اس سے مراد بنو امیہ لیتے ہیں اس

کی سند میں یہی بزرگ (محمد بن حسن بن زبالہ ثنا عبدالمہسن بن عباس) ہے۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں

اس پر سخت تنقید کر دی ہے جو عدم قبولیت کے لیے کافی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

۱ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۳۷۰ ج ۱، تحت سری بن اسمعیل

۲ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۳۹۷ ج ۱ تحت سفیان بن لیث

۳ لسان المیزان (ابن حجر) ص ۵۳-۵۴ ج ۳ تحت سفیان بن لیث

۴ تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۱۱۶ ج ۹ تحت محمد بن حسن بن زبالہ

۵ الضعفاء (عقیلی) ص ۵۸ ج ۴ تحت محمد بن حسن بن زبالہ المخزومی

((وهذا السند ضعيف جدا فان محمد بن الحسن بن زباله متروك وشيخه
أيضاً ضعيف بالكلية)) (تفسیر ابن کثیر جلد ۸ ص ۱۰۷ تحت الآیہ)
اور اسی طرح روایت ہذا کے دیگر اسناد میں عبدالمہیمن بن عباس بن سہل ایک راوی ہے جو محمد بن حسن کا
استاد ہے۔

⑨ عبدالمہیمن بن عباس بن سہل

اس شخص کے متعلق علمائے رجال نے لکھا ہے کہ

((قال ابن معين هو ضعيف قال البخاري منكر الحديث قال النسائي ليس
بثقة قال ابن حبان لما فحش الوهم في روايته بطل الاحتجاج به قال علي
بن جنيد ضعيف الحديث روى عن ابيه الحديث منكرة - لاشيء))^۱

⑩ علی بن زید بن جدعان

اور بعض مرویات کے اسناد میں ایک شخص علی بن زید بن جدعان ہے۔ اس کو علماء نے ضعیف لکھا ہے۔^۲
علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

((قال شعبة وكان رفاعا وكان ابن عيينة يضعفه قال حماد بن زيد كان يقلب
الاحاديث عن يزيد بن ربيع قال كان علي بن زيد رافضيا عن يحيى ليس
بشيء كان يتشيع قال البخاري وابو حاتم لا يحتج به))^۳

اسی طرح روایت مذکورہ بالا کے بعض دیگر اسانید میں متعدد افراد قابل نقد و جرح ہیں لیکن ان میں سے
صرف ایک پر مختصر سا کلام درج ذیل ہے اور روایت پر جرح کے لیے یہی کافی ہے:

① ابو جحاف

اس شخص کا نام داود بن ابی عوف ہے۔ اس کے متعلق ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

((وهو من غالية اهل التشيع وعامة حديثه في اهل البيت وهو عندى ليس

۱۔ المفعاء (عقيلي) ص ۱۱۳-۱۱۵ ج ۳ تحت عبدالمہیمن بن عباس

میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۶۷۱ ج ۲ تحت عبدالمہیمن، طبع بیروت

تہذیب التہذیب (ابن حجر) ص ۴۳۲ ج ۶ تحت عبدالمہیمن بن عباس

۲۔ البدایہ ص ۲۴۳ ج ۶ تحت الاخبار عن خلفاء بنی امیہ جملہ من جملہ

۳۔ میزان الاعتدال (ذہبی) ج ۳ ص ۱۲۷-۱۲۸ تحت علی بن زید بن جدعان، طبع بیروت

بالقوی ولا ممن یحتج بہ فی الحدیث))^۱

اور حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے بحوالہ ابن عدی رضی اللہ عنہ لکھا ہے کہ

((لیس ہو عندی ممن یحتج بہ شیعی عامة یرویہ فی فضائل اهل البیت))^۲

حاصل کلام

روایت ہذا کے اسناد پر نقد و جرح کے سلسلے میں ہم نے چند ایک راویوں پر مختصر سا کلام علمائے رجال کے حوالہ جات سے ذکر کر دیا ہے۔ اس روایت کے تمام اسانید کو فراہم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ القلیل یدل علی الكثير۔

جو اسانید ہمارے سامنے آئے ہیں ان پر نقد و جرح کی ہے اور سقم روایت کے لیے اس میں کفایت ہے اور صحیح روایت کے اوصاف و شرائط یہاں نہیں پائے گئے فلہذا اس روایت کو عند الحمدین صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔ خاص طور پر جب کہ بعض رواۃ شیعہ ہوں تو ظاہر ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مذہب کی روایات کو نشر کرنا اپنا مسلک سمجھتے ہیں فلہذا ایسے رواۃ کی روایت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت اور تنقیص میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

روایت ہذا کے متعلق اکابر علماء کے بیانات

گزشتہ سطور میں روایت مذکورہ بالا کے اسانید کے متعلق بقدر ضرورت ناقدانہ گفتگو ذکر کی ہے اور اس مضمون کی جو روایات تاحال دستیاب ہو سکی تھیں ان کی سند پر بقدر کفایت نقد ذکر دیا ہے۔ اب اس کے بعد اس روایت کے متعلق اکابر علماء کی تنقیدات اور ان کے ناقدانہ بیانات ایک ترتیب سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ علمائے کرام کے ان بیانات سے روایت کے عدم قبولیت کا درجہ واضح ہے۔

① مشہور محدث امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے روایت ہذا نقل کرنے کے بعد یہ تحریر کیا ہے کہ

((هذا حدیث غریب لا نعرفہ الا من هذا الوجه من حدیث القاسم بن الفضل وقد قیل عن القاسم بن الفضل عن یوسف بن مازن والقاسم بن الفضل الحدانی ہو ثقة یحیی بن سعید و عبدالرحمن بن مہدی ویوسف بن سعد رجل مجہول ولا نعرف هذا الحدیث علی هذا اللفظ الا من هذا

۱ اکامل (ابن عدی) ص ۹۵۱ ج ۳ تحت ابی الحکاف داود بن ابی عوف۔

۲ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۱۸ ج ۲ تحت داود بن ابی عوف، طبع بیروت

الضعفاء (عقلمی) ص ۳۷ ج ۲ تحت داود بن ابی عوف۔

الوجه))^۱

اس مقام پر امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے واضح کر دیا ہے کہ روایت ہذا غریب ہے اور قاسم بن فضل کے ذریعے ہی سے اس کی معرفت ہوئی ہے۔ اس شخص کے بغیر معروف نہیں ہو سکی۔ اور پھر بعض دفعہ قاسم مذکور یوسف بن مازن سے نقل کرتا ہے اور بعض دفعہ یوسف بن سعید سے۔ اور یہ یوسف رجل مجہول ہے۔ مختصر یہ ہے کہ یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ صرف اسی ایک واسطہ سے ہمیں معلوم ہوئی ہے۔

② علامہ ابن کثیر دمشقی رضی اللہ عنہ نے اس روایت پر گفتگو کی ہے اور امام ترمذی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا تحقیق نقل کرنے کے بعد مزید چیزیں بھی ذکر کی ہیں اور لکھا ہے کہ

((رواہ ابن جریر من طریق القاسم بن الفضل عن یوسف بن مازن کذا قال وهذا یقتضی اضطراباً فی الحدیث واللہ اعلم ثم هذا الحدیث علی کل تقدیر منکر جدا۔ قال شیخنا الامام الحافظ الحجۃ ابو الحجاج المزنی ہو حدیث منکر))^۲

اور حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے البدایہ کے دوسرے مقام پر اس روایت پر بحث کرتے ہوئے یہ بات ذکر کی ہے کہ

((وقد سألت شیخنا الحافظ ابو الحجاج المزنی رضی اللہ عنہ عن هذا الحدیث فقال و حدیث منکر))^۳

مطلب یہ ہے کہ امام ترمذی رضی اللہ عنہ کی تصریحات اور حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ کے بیانات نے واضح کر دیا کہ یہ روایت غریب ہے اور منکر جدا ہے یعنی معروف روایات کے خلاف پائی جاتی ہے اور سو اس ایک واسطہ کے کسی دوسرے صحیح طریقے سے دستیاب نہیں ہوتی۔

③ مشہور محدث ابن جوزی رضی اللہ عنہ نے العلیل المتناہیہ میں اس روایت کو اپنی سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اس پر نقد کیا ہے اور اس روایت کے عدم صحت کا قول کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

((هذا حدیث لا یصح، واحمد بن محمد بن سعید ہو ابن عقد: قال الدارقطنی کان رجل سوء قال ابن عبدی رأیت مشائخ بغداد یسیئون اثنا

۱ جامع ترمذی ص ۲۸۴ ابواب التفسیر تحت سورة القدر، طبع مکتبہ

۲ تفسیر ابن کثیر ص ۵۳۰ ج ۴ تحت سورة القدر

البدایہ والنہایہ ص ۱۸-۱۹ ج ۸ تحت تذکرہ خلافت الحسن

۳ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۲۴۴ ج ۲ تحت ذکر الاخبار عن خلفاء بنی امیہ جملہ من جملہ

علیہ ویقولون لا یتدین بالحديث ويحمل شیوخنا بالكوفة علی الکذب
ویسوی لهم نسخا ویأمرهم بروایاتها واكثر رجال هذا الاسناد مجاہیل) ۱
نیز اس روایت کے بعض اسانید میں ابن عقده ہے اس پر علمائے رجال نے مفصل ناقدانہ کلام کیا ہے۔
یہ شخص زیدی جارودی شیعہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مثالب و معائب الما کراتا تھا۔ حاشیہ میں چند ایک
نوالے درج کر دیے ہیں تاکہ اہل علم رجوع کر سکیں۔ اس قسم کے بزرگ کی روایت اس مقام پر قبول نہیں ہو
سکتی۔

④ اور حاکم نے مستدرک میں یہ روایت قاسم بن الفضل عن یوسف بن مازن نقل کی ہے۔ اس پر
تلخیص میں حافظ ذہبی رضی اللہ عنہ نے نقد کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ
(وما ادري آفة من أين؟)

”یعنی علامہ ذہبی رضی اللہ عنہ اس روایت کے متعلق اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ
آفت نہیں معلوم کہاں سے آئی؟“
مطلب یہ ہوا کہ وہ اس روایت کے مضمون کو صحیح نہیں سمجھتے لیکن متعین طور پر کسی شخص پر نقد کرنے میں
متردد نظر آتے ہیں۔

⑤ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر مظہری میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر وہی
نقد و جرح ذکر کی ہے جو امام ترمذی اور حافظ ابن کثیر رحمہما نے ذکر کی ہے اور لکھا ہے کہ
(قال الترمذی غریب و قال المزی وابن کثیر منکرا جدا) ۲

مختصر یہ ہے کہ مذکورہ روایت کے متعلق کبار علماء نے اپنی اپنی عبارات میں نقل کر دیا ہے کہ یہ روایت
غریب ہے اور کوئی مشہور و متداول نہیں اور منکر ہے (معروف روایات کے خلاف ہے) اور منکر جدا ہے،
نکارت رفع نہیں ہو سکی اور بعض علماء اس روایت کی عدم صحت کا قول بھی کرتے ہیں، اس کے راویوں میں
بعض رجل سوء موجود ہیں اور بعض رجل مجہول ہیں اور اس کے مضمون کو ”آفت و بلا“ سے تعبیر کیا ہے۔

۱ اعلل المتأبہ (ابن جوزی) ص ۲۹۴ ج ۱ تحت حدیث آخری ذم بنی امیہ

۲ میزان الاعتدال (ذہبی) ص ۶۵ ج ۱ تحت احمد بن محمد بن سعید ابن عقده، طبع مصر قدیم

سان المیزان ص ۲۶۶ ج ۱ تحت احمد مذکور

البدایہ والنہایہ ص ۷۸ ج ۶ تحت روایت ردشس

تراجم رجال شیعہ کتب ملاحظہ ہوں۔ یہ زیدی شیعہ اور جارودی شیعہ ہے اور شیعہ کے نزدیک معتد شخصیت ہے۔

۳ تفسیر مظہری ص ۳۰۱ پارہ نمبر ۳۰ تحت سورۃ القدر

اکابر علمائے کرام کی ان تصریحات اور تعبیرات سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ روایت درجہ صحت کو نہیں پہنچتی اور قابل اعتماد نہیں ہے۔

درایت کے اعتبار سے کلام

ما قبل میں اس روایت کے متعلق باعتبار روایت کلام کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں اکابر علمائے کرام کے بیانات بھی مختصراً ذکر کیے ہیں۔ اب اس مقام پر یہ چیز ذکر کرنا مناسب خیال کیا ہے کہ جو روایت معترض دوستوں نے بنو امیہ کی مذمت اور تنقیص کے طور پر ذکر کی ہے اس کو باعتبار درایت جانچ لیا جائے اور واقعات کے پیش نظر اس کا جائزہ لیا جائے۔

پیش کردہ روایت میں یہ مضمون مذکور ہے کہ بنو امیہ کا منبر نبوی پر پایا جانا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار معلوم ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ منبر کے منصب پر ان لوگوں کا فائز ہونا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شاق ہے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو امیہ کے لیے یہ عہدہ ناپسند اور مکروہ ہے۔

اس تمہیدی گزارش کے بعد حالات واقعی پر نظر فرما کر غور فرمائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر جانشینوں نے منصب عہدہ کے مسئلے میں بنو امیہ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا اور ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک روارکھا؟ اس پر ذیل میں اجمالاً چند امور پیش خدمت ہیں، ان کو ملاحظہ فرمائیں:

① نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جانے کے دوران میں جناب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب اور قائم مقام بنایا۔

((استخلف رسول الله ﷺ على المدينة في غزوة الی ذات الرقاع عثمان

بن عفان رضی اللہ عنہ واستخلفه ایضاً على المدينة في غزوة الی غطفان))

”یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا جب کہ آپ غزوہ

ذات الرقاع کی طرف تشریف لے گئے اور اسی طرح جب آپ غزوہ غطفان کی طرف تشریف

لے گئے تھے تو اس وقت بھی مدینہ طیبہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔“

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو متعدد بار مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام فرمایا۔

اور ظاہر بات ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ اور منبر پر بطور نائب کے فرائض منصبی سر انجام دیتے تھے۔

نیز خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تمام صحابہ

۱ طبقات ابن سعد ص ۳۹ ج ۳ قسم اول تحت ذکر اسلام عثمان طبع اول لیڈن

منہاج السنہ (ابن تیمیہ) ص ۱۶ ج ۳

کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بلا نزاع (متفقہ طور پر) خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا اور مصلیٰ نبوی کا منصب انھیں امت کی طرف سے حاصل ہوا اور کسی قبیلہ اور کسی شخص نے ان کے اس منصب پر فائز ہونے پر کوئی نقد اور اعتراض نہیں کیا۔ بنو امیہ کے منبر نبوی پر کودنے والی روایت کیا ان سب حضرات کے سامنے نہیں تھی؟ غور فرمائیں۔

② نیز یہ چیز قابل توجہ ہے کہ جس وقت مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شریف سے رخصت ہونے سے قبل بنو امیہ کے ایک مشہور فرد جناب عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ رضی اللہ عنہ کو مکہ شریف کا والی اور حاکم مقرر فرمایا (جو زمین پر افضل ترین مقام ہے) اور جناب عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ اپنے منصب ولایت کے دور میں جہاں دیگر دینی امور سرانجام دیتے تھے وہاں منبر اور مصلیٰ کے فرائض بھی انھی کے سپرد تھے اور تمام اکابر صحابہ بنو ہاشم ہوں یا بنو امیہ یا قریش کے دیگر قبائل، اس منصب کے حصول پر رضامند تھے اور کسی نے اس معاملے میں اعتراض نہیں پیدا کیا اور مندرجہ روایت کو پیش نظر نہیں لائے۔

③ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بنو امیہ کو دینی امور کے فرائض انجام دینے کے لیے متعدد بار منصب عطا کیے جاتے تھے جس کی تھوڑی سی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں بحث ثالث ص ۳۱۴ کے تحت ذکر کر دی ہے۔ وہاں یہ بھی ہم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حما کے علاقے پر امیر بنا کر بھیجا تھا۔ مرکز اسلام کی طرف سے جو کسی علاقے کا امیر مقرر کیا جاتا تھا ظاہر ہے کہ وہ دیگر امور کے ساتھ ساتھ مصلیٰ اور منبر کے متعلق فرائض بھی سرانجام دیتا تھا۔

(و یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (امرہ) علی تیما..... الخ)

ایک تجزیہ

روایت ہذا میں بعض راویوں کی جانب سے بنو امیہ کے عہد کی مذمت ظاہر کرنے کے لیے حساب لگایا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ روایت کے مضمون کے مطابق جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو امیہ کا منبر پر صعود اور نزول دکھایا گیا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پریشان ہوئی اور جناب کو یہ چیز ناگوار معلوم ہوئی۔ پس اطمینان و تسکین کی خاطر سورۃ القدر و سورۃ کوثر کا نزول ہوا اور سورۃ القدر میں لیلۃ القدر کا بیان ہے کہ یہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور ہزار مہینوں کے ۸۳ سال اور ۴ ماہ ہوتے ہیں اور یہ مدت دولت بنو امیہ کے مطابق ہے یعنی ان کا عہد بھی ایک ہزار مہینہ بنتا ہے (لا تزید یوما ولا تنقص)

گویا معترض لوگوں کے نزدیک یہ تمام عہد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند اور مبغوض ہے۔ راوی کے

اس قول کا علماء نے تجزیہ کر کے اسے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل چیزیں قابل غور ہیں:

① سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد (جو بارہ روز کم بارہ برس ہے) حساب کے اعتبار سے دو ات بنو امیہ میں شامل و داخل کیا جائے گا۔ حالانکہ یہ عہد جمہور امت کے نزدیک مدوح ہے مذموم نہیں، پسندیدہ ہے مکروہ نہیں۔

② پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت و صلح کے بعد ۴۱ھ سے شروع ہوتا ہے (اور قریباً انیس برس سے زائد) وہ بھی اس مدت میں شمار ہوگا۔ اور اہل تاریخ کے نزدیک مسلم چیز ہے کہ بنو امیہ کا دور ایک سو بیس ہجری تک قائم رہا پھر بنو عباس کی طرف خلافت منتقل ہوئی۔ تو اس حساب سے قریباً ایک سو چار سال تک مدت خلافت بنی امیہ بنتی ہے جو اعتراض پیدا کرنے والے راوی کے حساب کے بالکل متعارض و مخالف ہے۔ اور اگر بالفرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت (بارہ برس) وضع بھی کر لی جائے تو اس کے بعد بھی قریباً بانوے سال ہوتے ہیں اور یہ بھی راوی کے قول کے حساب سے درست نہیں ہے۔

③ نیز روایت کے مقتضا کے اعتبار سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اس مدت میں داخل ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ ”محمود عہد“ بھی مذموم و مبغوض ٹھہرے حالانکہ اس دور کی مذمت کا ائمہ اسلام میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔ پس یہ چیز بھی روایت کے منکر اور ناقابل قبول ہونے پر واضح دلیل ہے۔

④ طعن کرنے والوں نے روایت بنو امیہ کی مذمت کے لیے ذکر کی ہے اور ان کے عہد کی تنقیص کے لیے پیش کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی فضیلت جو ان ایام پر ہے وہ بنو امیہ کے عہد کے مذموم ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

((فما يلزم من تفضيلها على دولتهم ذم دولتهم فليتأمل هذا فانه دقيق يدل على ان الحديث في صحته نظر لانه انما سيق لزم ايامهم والله تعالى اعلم))^۱

مختصر یہ ہے کہ روایت اپنے مضمون کے تقاضوں کے اعتبار سے محل نظر ہے اور اپنے مفہوم میں صحیح ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر اکابر علماء کو اس کی صحت پر اعتماد نہیں اور قابل تامل قرار دیتے ہیں۔ نیز اہل علم کے اطمینان کے لیے تفسیر ابن کثیر کی عبارت بعینہ درج ہے، اور مذکورہ بالا عبارت البدایہ سے نقل کی تھی۔

((ومما يدل على ضعف هذا الحديث انه سيق لزم بنى امية ولو اريد ذلك لم يكن بهذا السياق فان تفضيل ليلة القدر على ايامهم لا يدل على ذم

ایامہم فان لیلة القدر شریفة جدا والسورة الکریمة انما جاءت لمدح لیلة القدر فکیف تمدح بتفضیلها علی ایام بنی امیة الی هی مذمومة بمقتضی هذا الحدیث))^۱

حاصل کلام یہ ہے کہ منبر نبوی پر بنو امیہ کے چڑھنے اور اترنے کی روایات کے متعلق ایک طریقے سے کلام کر دیا ہے اور ساتھ ساتھ اس کا مختصر سا تجزیہ بھی پیش کر دیا ہے۔ ان تمام مندرجات پر نظر انصاف فرمائیں۔ مثلاً

((رأی رسول الله ﷺ بنو امیة علی منبره فساء ه ذالك ینزون علی منبری کما تنزو القردة))

((رأی بنو امیة یخطبون علی منبره رجلا رجلا)) وغیرہ وغیرہ۔

بالفرض اگر یہ روایات درست ہیں تو نبی اقدس ﷺ کے ساتھ معاملات جن میں سے بعض کا قلیل سا ذکر کیا ہے یہ کیسے درست ہوئے؟ اور آنجناب نے بنو امیہ کے مذکورہ لوگوں کو دینی معاملات میں کیسے اپنا قائم مقام بنایا اور اپنے مصلیٰ اور منبر پر فائز فرمایا؟

اور جناب نبی کریم ﷺ کے اکابر خلفائے راشدین حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی بنو امیہ کے اکابر کو کس طرح دینی مناصب تفویض فرمائے؟ جب کہ وہ اس بات کے اہل نہیں تھے اور آنجناب ﷺ کی نگاہوں میں مبغوض و مکروہ تھے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر کوئی شخص یہ صورت اختیار کرے کہ مندرجہ بالا روایات جو اعتراض میں پیش کی جاتی ہیں ان سے مراد صرف بنو امیہ کے وہ افراد ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اپنے اپنے عہد میں مسلمانوں کے امراء اور خلفاء ہوئے اور ان سے کئی چیزیں قابل اعتراض سرزد ہوئیں یعنی روایات میں روئے سخن ان کی طرف ہے۔ تو اس چیز کے ازالے کے لیے اتنی گزارش ہے کہ اعتراض میں بطور طعن جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان کے الفاظ عام ہیں۔ ان کے عموم الفاظ میں صحابہ بنو امیہ داخل ہیں۔ اور ساتھ یہ بات بھی ہے کہ معترض احباب صحابہ بنو امیہ (مثلاً حضرت عثمان غنی، حضرت عتاب بن اسید، حضرت امیر معاویہ اور ان کے والد حضرت ابوسفیان اور ان کے برادر کلاں یزید بن ابی سفیان وغیرہم رضی اللہ عنہم) کو اعتراض کرتے وقت ان روایات سے مستثنیٰ نہیں قرار دیتے اور ان تمام کے حق میں ان روایات کے ذریعے سے طعن قائم کرتے ہیں اور عوام میں نفرت پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس بنا پر اس اعتراض کے جواب میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفائی پیش کرنی ضروری سمجھی گئی اور ہمارا موقف بھی مدح صحابہ کے مقام پر یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام سے دفاع کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں اور جو خلفاء اور امراء صحابی نہیں، خواہ وہ بنو امیہ سے ہوں یا غیر بنو امیہ، ان کے دفاع سے ہمیں سروکار نہیں۔ پس ان کے اعمال ان کے ساتھ ہیں اور اپنے اعمال کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۗ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (القرآن الکریم)

طعن کی ایک روایت

بعض روایات میں یہ چیز ذکر کی گئی ہے کہ ایک دفعہ جناب نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب مسجد میں تشریف فرما تھے۔ واقعہ کا ناقل کہتا ہے کہ میں جب مسجد نبوی میں داخل ہوا تو آنجناب ﷺ کے اصحاب کی زبانوں پر یہ کلمات جاری تھے:

((نعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسوله))

یہ کلمات سن کر میں نے کہا کہ کیا چیز پیش آئی ہے؟ تو جواب میں کہنے لگے کہ قبل ازیں معاویہ اپنے والد ابو سفیان کا ہاتھ پکڑے ہوئے یہاں مسجد سے نکلے ہیں اور اسی دوران میں جناب نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور آنجناب ﷺ نے ان دونوں کے حق میں ایک ایسا فرمان دیا ہے جس کی وجہ سے ہم نعوذ باللہ کہہ رہے تھے۔

جواب

اس روایت کے جواب کے لیے ذیل میں چند امور ذکر کیے جاتے ہیں ان کو انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں:

① یہ روایت جن کتابوں میں مذکور ہے وہ تاریخ اور تراجم کی کتب میں شمار ہوتی ہیں، کوئی معتمد کتب احادیث میں سے نہیں۔

② روایت کی سند کے اعتبار سے جو کلام کیا جاتا ہے اس کو پیش نظر رکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ اگر سند صحیح پائی جائے تب یہ روایت قابل قبول ہوگی ورنہ نہیں۔

③ ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ صاحب کتاب کی طرف سے اس کی سند اس طرح شروع ہوئی ہے کہ "قال اخبرت عن فلان" یعنی مجھے فلاں شخص کی جانب سے خبر پہنچی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ کس طرح خبر حاصل ہوئی اور کون اور کیسا شخص خبر دینے والا تھا؟ اس کی کوئی وضاحت نہیں ملتی، یہ معرض خفا میں ہے۔ وہ شخص راست گو تھا، یا دروغ گو تھا اس کی کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔ پھر سند پر نظر کرنے سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ سند ہذا کا آخری راوی "نصر بن عاصم اللثمی عن ابیہ" ہے۔ اس شخص کے حق میں علمائے رجال نے

اگرچہ توشیح کے الفاظ ذکر کیے ہیں تاہم اس راوی کا فطری رجحان یہ لکھا ہے کہ رائے خوارج رکھتا ہے۔

((قال ابو داود كان خارجيا قال المرزبانى فى معجم الشعراء كان على رأى

الخوارج ثم تركهم))

مختصر یہ ہے کہ روایت ہذا اس شخص کے خارجی رجحانات کے دور کی یادگار ہے اور خوارج حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سخت خلاف ہیں۔ لہذا یہ روایت قابل تسلیم نہیں اور اس سے طعن قائم کرنا از روئے قاعدہ درست نہیں۔

درایت کے اعتبار سے تجزیہ

اس سلسلے میں یہ چیز نہایت قابل توجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد گرامی جب سے مشرف باسلام ہوئے ہیں ان کے ساتھ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ کس طرح رہا؟ اور کیا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی عزت و شرف بخشا ہے؟ اور کوئی منصب یا اعزاز فرمایا ہے یا نہیں؟ یا اس کے برعکس معاملہ ان کے ساتھ کیا گیا؟

حقیقت حال یہ ہے کہ ان دونوں باپ بیٹے کے ساتھ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات اور تعلقات احادیث اور تاریخ و تراجم کی کتابوں میں بڑے عمدہ طریقے سے مصنفین نے ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ ناظرین کرام کی خدمت میں یاد دہانی کے طور پر یہ امور اختصاراً ذکر کیے جاتے ہیں۔ تمام واقعات کا احاطہ کرنا مقصود نہیں۔ ان پر نظر کر لینے سے یہ مسئلہ واضح ہو جائے گا:

- ① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی اعتماد کے ساتھ اپنے کاتبوں میں داخل فرمایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کتابت کے اس منصب پر تمام عہد نبوت میں آخر تک فائز رہے۔
 - ② حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد انھیں علاقہ یمن میں حضرموت کے مقام پر ایک قطعہ اراضی عطا کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔
- قبل ازیں یہ واقعہ ہم نے کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں عنوان ”شام“ کے تحت ص ۶۱-۶۲ پر ذکر کر دیا ہے۔

اسی طرح اور بھی بہت امور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعزاز و شرف میں پائے جاتے ہیں جن کو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی سیرت و سوانح میں درج کرنے کا قصد ہے۔ مالک کریم توفیق عنایت فرمائیں تو ان کے رحم و کرم سے کچھ بعید نہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ابوسفیان رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو ان کو کئی اعزازات و مناصب

آنجناب رضی اللہ عنہم کی جانب سے عنایت فرمائے گئے مثلاً:

- ① آنجناب رضی اللہ عنہم نے فتح مکہ کے موقع پر دارالابی سفیان کو دارالامن قرار دیا۔
- ② حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نجران کے علاقے پر عامل اور حاکم بنا کر روانہ فرمایا۔
- ③ قبیلہ بنی ثقیف کے بت کو پاش پاش کرنے کے لیے جناب نبی اقدس رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ روانہ فرمایا۔
- ④ قبیلہ بنی ثقیف میں عروہ اور اسود نامی دو مقروض شخصوں کے قرض کی ادائیگی کے لیے آنجناب رضی اللہ عنہم کی طرف سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا گیا۔
- ⑤ ایک دفعہ قریش مکہ میں کچھ مال و اسباب تقسیم کرنا مقصود تھا تو جناب نبی کریم رضی اللہ عنہم نے وہ مال عمر بن فحوا کے ذریعے سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طرف ارسال فرمایا تاکہ وہ اسے قریش مکہ میں تقسیم کر دیں۔

مذکورہ بالا واقعات کے حوالہ جات کے لیے کتاب ”مسئلہ اقربا نوازی“ ص ۳۱۸ تا ۳۲۱ کی طرف رجوع فرمائیں، وہاں اس کی بقدر ضرورت تفصیل درج کر دی ہے۔

اور اپنے کتابچہ ”حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ“ میں کسی قدر مزید تفصیل لکھ دی ہے۔ مندرجات بالا کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ نبی اقدس رضی اللہ عنہم کی طرف سے حضرت امیر معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ دونوں کے لیے کئی مناصب اور متعدد اعزازات عنایت فرمائے گئے، اور یہ واقعات عند العلماء مسلمات میں سے ہیں۔

فلہذا قابل اعتراض روایت مذکورہ بالا یا اس نوع کی دیگر روایات جن میں نعوذ باللہ من غضبہ و غضب رسولہ وغیرہ کے الفاظ مذکور ہیں، صحیح نہیں بلکہ غلط اور بے سرو پا ہیں اور قابل قبول نہیں۔ علمائے کرام نے صاف طور پر یہ مسئلہ واضح کر دیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت میں جو روایات دستیاب ہیں وہ دروغ بے فروغ اور بے بنیاد ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں۔ وکل حدیث فی ذمہ فہو کذب۔^۱

۱ المنار السیف فی الصحیح والضعیف (ابن قیم جوزیہ) ص ۱۱۷ مطبوعہ حلب (نصل ۳۷)
الموضوعات الکبیر (ملا علی قاری) ص ۱۰۶ تحت مسئلہ ہذا، طبع مجبائی دہلی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کا الزام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مخالفین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ طعن قائم کیا ہے کہ

”جب معاویہ یزید کے لیے بیعت لینے کی خاطر مدینہ منورہ آیا تو حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے ان کو ملامت کی۔ معاویہ نے اپنے گھر میں ایک کنواں کھودا اور اسے گھاس پھونس سے ڈھانپ دیا اور اس پر آبنوس کی کرسی رکھ دی پھر حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی ضیافت کی اور انھیں اس کرسی پر بٹھایا۔ وہ اسی وقت کنویں میں گر گئیں۔ معاویہ مضبوطی سے کنویں کو بند کر کے مکہ چلا گیا اور ام المومنین اس میں مر گئیں۔“ (نستغفر اللہ العظیم)

یہ ایک مشہور طعن ہے۔ شیعہ لوگ اس کی تشہیر کیا کرتے ہیں۔

جواب

طعن ہذا کے جواب کے لیے مندرجہ ذیل امور تحریر کیے جاتے ہیں۔ مندرجات ہذا ملاحظہ کرنے سے جواب مکمل ہو سکے گا:

جن کتابوں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کا طعن اخذ کیا گیا ہے وہ علمی طبقہ میں غیر معروف اور اعتماد کے لحاظ سے کسی درجے میں شمار نہیں ہوتیں، بیکار اور ردی مواد کی حامل ہیں۔ اب اس واقعہ کو صاف کرنے کے لیے ہم حدیث، تاریخ اور تراجم کی مشہور روایات سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کا اصل واقعہ نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد باعتبار درایت اس پر کلام کیا جائے گا۔

روایات کے اعتبار سے

یہاں صرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال اور وفات کے موقع کی روایات ذیل میں مختصراً پیش کی جاتی ہیں جن سے ان کے قتل کے افسانے کا جواب ہو سکے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب اور کمالات کا یہاں ذکر مقصود نہیں۔ احادیث اور تراجم کی کتابوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا واقعہ منقول ہے۔

① ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور بیماری نے شدت اختیار کی تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عیادت کے لیے تشریف لائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان کے ذریعے سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے برادر زادے عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما موجود تھے انھوں نے بھی کہا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ پہلے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی پریشانی کے باعث معذرت کرنے لگیں تاہم ان کے برادر زادے کے اصرار سے انھوں نے اجازت دے دی۔

((فلما ان سلم وجلس قال البشرى قالت بما؟ قال ما بينك وبين ان تلقى محمد ﷺ والاحبته الا ان تخرج الروح من الجسد كنت احب نساء رسول الله ﷺ الى رسول الله ﷺ ولم يكن رسول الله ﷺ يحب الا طيبا))

”یعنی جب ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئے، سلام پیش کیا اور بیٹھ گئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اے ام المومنین! آپ کو بشارت ہو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کس بات کی بشارت دے رہے ہو؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ جسم سے روح الگ ہونے کی دیر ہے کہ آپ کی جناب رسول اللہ ﷺ اور دوستوں سے ملاقات ہوگی اور کہا کہ آپ نبی اقدس ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے سب سے زیادہ آپ (ﷺ) کو محبوب تھیں اور آنجناب ﷺ نہیں پسند فرماتے تھے مگر بہترین چیز کو۔ (اسی طرح مزید بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے گفتگو کی اور اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔“

② اسی طرح اس موقع کی ایک دیگر روایت بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اکابر علمائے امت نے نقل کی ہے اس کا مفہوم بھی گزشتہ روایت کے مفہوم کے قریب ہے اور مزید چیزیں بھی مذکور ہیں۔ روایت اس طرح ہے کہ

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انه استاذن على عائشة رضی اللہ عنہا في مرضها فأرسلت اليه اني اجد غما وكربا فانصرف فقال للرسول ما انا الذي ينصرف حتى ادخل فاذنت له فقالت اني اجد غما وكربا وانا مشفقة مما اخاف ان اهجم عليه فقال لها ابن عباس البشرى فوالله لقد سمعت رسول الله ﷺ يقول

عائشة زوجتی فی الجنة وكان رسول الله ﷺ اكرم على الله ان يزوجه
 جمرة من جمر جهنم فقالت فرجت عنى فرج الله عنك))^۱
 ”مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہما کی مرض الوفا کے موقع پر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عیادت
 کے لیے تشریف لائے اور حاضری کی اجازت طلب کی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہما نے جواباً فرمایا کہ
 بیماری کی پریشانی ہے اور طبیعت مغموم ہے، آپ واپس چلے جائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے واپس
 ہونا پسند نہیں کیا اور پھر حاضری کے لیے اذن چاہا اور حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہما
 فرمانے لگیں کہ موت سامنے ہے اور سخت پریشان ہوں کہ موت کے بعد کیا ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما
 نے اطمینان دلاتے ہوئے عرض کیا کہ سردار دو جہاں ﷺ سے میں نے سنا تھا آپ فرماتے تھے
 کہ عائشہ جنت میں بھی میری زوجہ ہوں گی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی کریم ﷺ اپنے خدا
 کے ہاں اس بات سے بلند و بالا ہیں کہ جہنم کے ایک (انگارہ) کو ان کی زوجیت میں دیا جائے۔
 یہ سن کر ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم نے میری پریشانی کو زائل کر دیا، اللہ تعالیٰ تمہاری
 تکالیف کو بھی رفع فرمائے۔“

مسند امام ابوحنیفہ کی یہ روایت قبل ازیں ”رحماء بینہم“ حصہ صدیقی ص ۸۵-۸۶ پر ہم ذکر کر چکے ہیں۔
 اس مقام کی مزید ایک دو روایات ذکر کی جاتی ہیں تاکہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہما کے انتقال کا مسئلہ اپنی جگہ پر منعقد
 ہو جائے۔

③ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہما کا ایک غلام ذکوان تھا اس کے متعلق قبل از انتقال
 یوں ارشاد فرمایا کہ جب بعد از وفات مجھے کفن دیا جائے اور خوشبو لگائی جائے پھر میرا غلام مجھے قبر میں داخل
 کرے اور بعد از دفن او پر قبر کی مٹی درست کر دی جائے تو ذکوان آزاد ہے۔

((ان عائشة رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ إِذَا كَفَنْتُ وَحْنَطْتُ ثُمَّ دَلَانِي ذُكْوَانَ فِي حَفْرَتِي

وَسِوَاهَا عَلِيٌّ فَهُوَ حُرٌّ))^۲

④ اسی طرح طبقات ابن سعد میں ایک دیگر روایت ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہما کا انتقال بتاریخ ۱۷
 رمضان المبارک بعد از عشاء (بعد الوتر) ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہما نے فرمان دے رکھا تھا کہ میری تدفین
 انتقال کی رات ہی میں کر دی جائے۔ بہت سے لوگ جنازے میں حاضر ہوئے۔ رات کے وقت اتنا بڑا

۱ جامع مسانید الامام الاعظم، الباب الثالث فی الایمان، الفصل الرابع فی الفعائل ج ۱ ص ۲۱۵

۲ مسند امام ابی حنیفہ عند اختتام باب الفعائل والشمال ص ۹۷ طبع طلب

طبقات ابن سعد ص ۵۳ ج ۸ تحت ترجمہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما

اجتماع کبھی نہیں دیکھا گیا حتیٰ کہ عوالی مدینہ کے لوگ بھی پہنچے اور جنت البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔
 ((ماتت عائشة ليلة سبع عشرة من شهر رمضان بعد الوتر فأمرت ان تدفن
 من ليلتها فاجتمع الناس وحضروا فلم نر ليلة اكثر ناسا منها نزل اهل
 العوالى فدفنت بالبقيع))^۱

⑤ نیز اس مقام پر اس طرح بھی مروی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھایا اور ان کی وفات کی تاریخ رمضان المبارک ۵۸ھ تھی اور وتر کے بعد ان کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔

((صلی ابو هريرة على عائشة في رمضان سنة ثمان و خمسين و دفنت بعد
 الايتار))^۲

مندرجہ بالا روایات نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال، تجہیز و تکفین اور تدفین کے مسئلہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ صاف کر دیا ہے اور طبعی وفات کی صورت میں پیش کیا ہے۔ فلہذا مخالفین صحابہ نے جو واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کا بصورت قتل پیش کیا وہ بالکل افسانہ ہے، تصنیف شدہ قصہ ہے، حقیقت واقعہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عداوت کو ظاہر کیا ہے۔

ایک قاعدہ

اور قاعدہ یہ ہے کہ الزام کی مدافعت اپنے مسلمات سے پیش کرنے کا حق ہمیں حاصل ہے۔ اس اعتبار سے ان روایات کے ذریعے سے مذکورہ الزام قتل کا جواب مکمل ہو گیا۔

متنبیہ

مسئلہ ہذا کے لیے ہم نے صرف چند ایک روایات، احادیث اور تراجم کی کتابوں سے پیش کی ہیں ورنہ اس مسئلے کی تفصیلات دیگر تراجم اور تاریخ کی کتابوں میں بہت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً:

① البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) ص ۹۳-۹۴ ج ۸ تحت ترجمہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

② الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۴۹-۳۵۰ ج ۲ تحت ترجمہ حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

شیعہ کی طرف سے تائید

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے متعلق شیعہ کے اکابر علماء نے جو تفصیلات ذکر کی ہیں وہ بھی افسانہ قتل کے جواب کے لیے خود ان علماء کی زبان سے کافی ودانی ہیں۔ ہم ان کی تفصیلات کو بخوف تطویل نقل

۱ طبقات ابن سعد ص ۵۳ ج ۸ تحت ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

۲ تاریخ اسلام (ذہبی) ص ۲۶۵ ج ۲ تحت سنہ ۵۸ھ

نہیں کر سکتے لیکن مسئلہ کو مدلل کرنے کے لیے صرف دو عدد حوالہ جات ذکر کرتے ہیں، ان کے ذریعے سے طعن کا جواب مکمل ہو جائے گا:

① چنانچہ تنقیح المقال میں ہے کہ

((عدها) عائشة بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما) الشیخ فی رجالہ من الصحابیات قال المقدسی تزوج بها رسول اللہ ﷺ بکرا ولم تزوج بکرا غیرها وہی بنت ست قبل الهجرة بستین وبنی بها وہی بنت تسع وقبض رسول اللہ ﷺ وہی بنت ثمان عشرة الی ان قال توفیت سنة ثمان و خمسين انتھی))^۱

② اور منتخب التواریخ میں ہے کہ

”در میان زوجات آل بزرگوار ہمیں یکزن باکراہ بود و باقی ثیبہ بودند کہ زوجہ آنحضرت شدند و عائشہ در سنہ پنجاہ و ہفت ہجری در مدینہ از دنیا رفت و در بقیع دفن شد۔“^۲

”یعنی شیعہ عالم مامقانی کہتے ہیں کہ ان کے شیخ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنی رجال کی کتاب میں ”صحابیات“ میں شمار کیا ہے اور مقدسی نے کہا کہ نبی اقدس ﷺ نے ان کے ساتھ نکاح کیا درآں حالے کہ یہ باکرہ تھیں اور ان کے سوا آپ کی ازواج میں کوئی عورت باکرہ نہیں تھیں۔ ہجرت سے دو سال پہلے ان سے نکاح ہوا جب کہ ان کی عمر چھ سال تھی اور نو سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی تھی اور نبی اقدس ﷺ کے انتقال کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا۔“

اور محمد بن ہاشم خراسانی شیعہ نے منتخب التواریخ میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ آنجناب ﷺ کی ازواج میں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باکرہ تھیں باقی ثیبہ (بیوہ) تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ۵۷ھ میں مدینہ شریف میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں اور جنت البقیع میں ان کا دفن ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ شیعہ علماء نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کو طبعی حالت سے ذکر کیا ہے اور اسے قتل کی صورت میں بیان نہیں کیا اور جنت البقیع میں ان کا مدفون ہونا درج کیا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ قتل کا افسانہ تصنیف شدہ ہے اور حقیقت واقعہ کے ساتھ اس کا کچھ تعلق نہیں۔ شیعہ و سنی دونوں فریقوں کے علماء نے یہ مسئلہ صاف کر دیا ہے۔

۱۔ تنقیح المقال (شیخ عبداللہ مامقانی) ص ۸۱ ج ۳ من فضل النساء تحت عائشہ بنت ابی بکر

۲۔ منتخب التواریخ (محمد بن ہاشم خراسانی) ص ۲۱ فصل چہارم امر دوم تحت الثانیہ عائشہ دختر ابابکر۔

درایت کے اعتبار سے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کے متعلق جو واقعہ تیار کر کے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس میں قتل کے وجوہ جو معترض لوگ بیان کرتے ہیں ان پر نظر کی جائے تو وہ جواز قتل کے اسباب کے قابل نہیں:

① وجہ یہ ہے کہ یزید کی بیعت کے مسئلے میں اختلاف پیش آیا تھا تو اس وقت اختلاف کرنے والے چار پانچ مردوں کا ذکر عام تاریخوں میں پایا جاتا ہے لیکن عورتوں خصوصاً ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے باعتبار صحیح روایات اختلاف مذکور نہیں۔ اور جن حضرات نے اس مسئلے میں اختلاف کیا تھا ان کے ساتھ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے قتل یا قید و بند کی سزا کا معاملہ نہیں کیا گیا۔ اور اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیعت یزید کے سلسلے میں اختلاف تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی ان کے ساتھ سختی اور سزا کا معاملہ بالکل نہیں روا رکھا گیا۔ جب مردوں کے ساتھ سزا کا معاملہ نہیں کیا گیا تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ یہ کس طرح کر دیا؟

② نیز بیعت یزید کی دعوت کا معاملہ بقول مورخین ۵۶ھ میں پیش آیا تھا جب کہ مشہور اقوال کے مطابق حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا۔ اگر بالفرض ان کو سزا دینا مقصود تھا تو جلدی اس کے متعلق کارروائی کرتے۔ قریباً دو سال کے بعد سزا کا اقدام درایت کے ہی خلاف ہے۔

③ مزید برآں یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے روابط تازیت خوشگوار تھے اور ان کے باہمی عمدہ تعلقات کے کئی واقعات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے درمیان کسی قسم کی عداوت یا رنجش نہیں تھی۔ ذیل میں ہم اس پر چند شواہد پیش کرتے ہیں:

۱۔ چنانچہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک عجیب فضیلت ذکر کی جو ان کے مقام و مرتبہ کو بہتر طور پر واضح کرتی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس کلام کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے:

((عن عبد الله بن وردان قال معاوية ان من الناس من لا يرد عليه امره وان عائشة منهم))^۱

”یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بعض لوگوں کا درجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی بات کو رد نہیں کیا جاسکتا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ان ہی لوگوں میں سے ہیں۔“

اس روایت سے ایک تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں مقام و مرتبہ

معلوم ہوتا ہے اور دوسری چیز یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیعت یزید کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہوتی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے ہی مذکورہ بالا قول کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بات کو رد نہیں کر سکتے تھے۔

۲۔ دیگر چیز یہ ذکر کی جاتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک قیمتی قلادہ (ہار) بطور تحفہ ارسال کیا جس کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی جانب سے یہ تحفہ قبول فرمایا اور اپنے سمیت تمام امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں تقسیم فرما دیا۔

((عن حجاج بن عطاء ان عائشة بعث اليها معاوية قلادة قومت بمائه الف۔

فقبلتها وقسمتها بين امهات المؤمنين))^۱

حضرت امیر معاویہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کے باہمی خوشگوار اور عمدہ تعلقات پر اسی نوع کے کئی واقعات احادیث اور روایات کی کتابوں میں دستیاب ہیں (ان کو ہم ان شاء اللہ سیرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں تفصیل سے بیان کریں گے بعونہ تعالیٰ)۔

ان واقعات کے پیش نظر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی رنجش عداوت یا عناد نہیں تھا جو ان کے معاملات کو قتل تک پہنچائے۔ معترض لوگوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قتل کا جو افسانہ تیار کیا ہے جانہن کی طرف سے اس دور کے حالات اور واقعات اس کی تائید نہیں کرتے۔ اور جو روایت امر واقع کے خلاف پائی جائے وہ قابل قبول نہیں ہوتی اہل علم حضرات اس قاعدہ سے خوب واقف ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا ایک دیگر سلسلہ

(حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول پھر اس کا جواب)

بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا ایک حیرت انگیز سلسلہ چلایا ہے، مثلاً ”معاویہ اور اسلام“، ”معاویہ اور رسول“ اور ”معاویہ کا شوق رسالت“ وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان عنوانات کے تحت ایسے بے بنیاد، بے ہودہ اور بے سرو پا اتہامات ذکر کیے ہیں جنہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایمان رکھنے والا کوئی مسلمان نہ ذکر کر سکتا ہے اور نہ ان کی سماعت برداشت کر سکتا ہے۔ زمانہ قدیم سے اعدائے صحابہ کرام اس طرح کا طریق کار اختیار کیے ہوئے ہیں کہ مقتدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مطعون کرنا ان کا نصب العین اور مقصد زندگی ہے۔

اس دور میں ایک بار پھر اس مذموم مقصد کو ایک تحریک کی شکل میں اٹھایا گیا ہے اور اپنے ”دیرینہ ساتھیوں“ کے ہاتھوں کو مضبوط کیا جا رہا ہے۔

بزم خویش اس ”کار خیر“ کے لیے ایک گروہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ”ناموس اہل بیت“ کے محافظین کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اہل سنت والجماعت کا نام بھی استعمال کیے ہوئے ہیں تاکہ عام مسلمانوں کا ان پر مذہبی اعتماد بھی بحال رہے اور مقام صحابہ کو خوب مجروح اور مقدوح کیا جائے۔ ایسے لوگوں کی یہ دیرینہ پالیسی چلی آئی ہے اور یہی ان کا شاطرانہ طریق کار رہا ہے۔

طعن کی روایت

چنانچہ طعن کرنے والے ان لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قلبی عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیعہ بزرگوں کی تاریخی کتب سے مندرجہ ذیل واقعہ اپنی تازہ تصانیف میں درج کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے فرزند مطرف بیان کرتے ہیں کہ میرے والد بعد از عشاء گھر واپس تشریف لائے تو بڑے مغموم نظر آ رہے تھے۔ دریافت کرنے پر کہنے لگے کہ اے بیٹے! میں دنیا کے ”انجسٹ الناس“ کے ہاں سے لوٹ کر آ رہا ہوں۔ میں نے کہا کیا بات ہے؟ تو کہنے لگے کہ میں نے معاویہ سے کہا کہ تم بوڑھے ہو گئے ہو، بہتر یہ ہے کہ عدل و انصاف کیا کرو اور اچھا ہوتا کہ تم بنو ہاشم کی طرف التفات کرتے، اب تو ان سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ جواب میں معاویہ نے (دیگر ناگفتہ بہ چیزوں کے علاوہ) یہ بات بھی کہی کہ تینوں خلفاء (ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) ہلاک ہو گئے اور ان کا ذکر بھی ختم ہو گیا اور تحقیق اس ہاشمی

کے لیے دن میں پانچ بار چلا کر آواز دی جاتی ہے اشہد ان محمد رسول اللہ اور یہ عمل باقی رہے تو ہمارا کون سا کام باقی رہا اللہ کی قسم! اگر ہم اس کو دفن نہ کر سکیں۔

((وان اخا ہاشم یصرخ بہ فی کل یوم خمس مرات اشہد ان محمدا رسول اللہ فأی عمل یبقی مع ہذا؟ لا ام لك واللہ الا دفنا دفنا)) (نعوذ باللہ من ذالك) ۱

جواب

اعتراض کرنے کے لیے ہوشمندی کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ یہاں بھی اس بات کی ضرورت تھی کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سنی حضرات کے سامنے معترض اپنا اعتراض پیش کر رہا ہے تو اسے چاہیے تھا کہ وہ سنی احباب کے مسلمات میں سے قابل طعن روایت پیش کرتا۔ سنی حضرات کے سامنے شیعہ بزرگوں کی کتابوں اور ناقابل اعتماد تاریخ ملعوبات سے مقتدر صحابہ پر نقد اور طعن پیش کرنا اصولاً سو فیصد غلط ہے۔

یہاں معترض لوگوں نے شیعہ مورخ کی تاریخی کتاب سے مندرجہ بالا طعن پیش کر کے بے اصولی کا ثبوت دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شیعہ مورخین کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دیرینہ دشمنی اور قلبی عناد ہے لہذا ان کا پیش کردہ مواد عداوت پر مبنی ہوگا۔ ان حضرات سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

معترض نے اس مقام پر روایت بالا اور دیگر کئی روایات مسعودی شیعہ سے نقل کی ہیں۔ عوام نہیں جانتے کہ مسعودی کون ہے اور کیسا شخص ہے؟ لیکن اہل علم کو معلوم ہے کہ ”مسعودی“ پختہ شیعہ اور رافضی شخص ہے۔ اس چیز پر اطمینان کے لیے شیعہ علمائے تراجم کے صرف دو حوالہ جات ملاحظہ ہوں زیادہ کی حاجت نہیں۔ دو شاہدوں کی شہادت سے مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے۔

① قریبی دور کے مشہور شیعہ مورخ شیخ عبداللہ مامقانی اپنی تصنیف تنقیح المقال میں ابوالحسن علی بن حسین بن علی مسعودی ہذلی المتوفی ۳۴۶ھ کے متعلق لکھتے ہیں کہ

((انہ امامی ثقة وهو الحق))

اور اس کی تصنیفات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

((لہ کتب فی الامامة وغیرہا منها کتاب فی اثبات الوصیة لعلی بن ابی

طالب“ وهو صاحب مروج الذهب)) ۲

② اور شیخ عباس قمی شیعہ نے اپنی مشہور تصنیف ”تحفۃ الاحباب“ میں مسعودی کا تذکرہ عبارت ذیل نقل کیا ہے:

۱ مروج الذهب (مسعودی) ص ۴۱ ج ۳ تحت ذکر ایام مامون عبداللہ بن ہارون الرشید

۲ تنقیح المقال (شیخ عبداللہ مامقانی شیعہ) ص ۲۸۲-۲۸۳ ج ۲ تحت باب علی ابن حسین

”علی بن حسین بن علی الہذلی معروف المسعودی مورخ امین و معتمد عند الفریقین صاحب کتاب اثبات الوصیہ و مروج الذهب و کتب دیگر است و ابن شیخ جلیل از اجلہ امامیہ است۔“
 ”حاصل یہ ہے کہ مسعودی امامی ہے، ثقہ ہے، اثبات وصیہ علی و مروج الذهب وغیرہ اس کی تصانیف ہیں، امامیہ کا شیخ جلیل ہے۔“

بنابریں اصولاً ہم اس طعن کا جواب پیش کرنے کے ذمہ دار نہیں۔ تاہم اس سے قطع نظر کر لیں تب بھی درج ذیل چیزیں قابل توجہ ہیں:

معرض احباب کی پیش کردہ روایت میں ہے کہ

((يقول (المدائنی) قابل المطرف بن مغيرة بن شعبة))

”مدائنی کہتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے فرزند مطرف رضی اللہ عنہ نے کہا۔“

یعنی یہ سارا واقعہ مدائنی نے مطرف سے نقل کیا ہے۔

روایت میں انقطاع

اس طریق اسناد میں ایک واضح انقطاع پایا جاتا ہے کیونکہ مدائنی (ابوالحسن علی بن محمد) المولود ۱۳۵ھ و المتوفی ۲۲۲ھ مطرف رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتا ہے اور مطرف بن مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ انھوں نے حجاج بن یوسف (المتوفی ۹۵ھ) کے سامنے بعض چیزوں کے متعلق حق گوئی کی تھی اور حجاج نے اپنے ظالمانہ رویے کے مطابق مطرف رضی اللہ عنہ کو قتل کروا دیا تھا۔

حجاج بن یوسف کا زمانہ عبدالملک بن مروان کا دور ہے۔ جب کہ مدائنی بہت بعد میں یعنی ۱۳۵ھ میں متولد ہوا۔ لہذا مطرف بن مغیرہ کے دور اور مدائنی کے تولد میں کم و بیش چالیس پچاس سال کا فاصلہ پایا جاتا ہے اور یہ ایک بین انقطاع ہے۔ اس دور انقطاع میں خدا جانے کن کن لوگوں نے اس واقعہ کو نقل کیا؟ اور معلوم نہیں وہ کیسے تھے جن کے ذریعے سے یہ بات مدائنی تک پہنچی؟

مدائنی خود کوئی محدث نہیں کہ جس پر اعتماد کیا جائے بلکہ یہ ایک مورخ ہے جو صحیح و غلط اور رطب و یابس جمع کر دیا کرتا ہے۔ چنانچہ ایسی شدید الانقطاع تاریخی روایت کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایسا سنگین طعن قائم کرنا کسی طرح درست نہیں اور ہرگز قابل تسلیم نہیں۔

قصہ گوئی کے درجے میں

مزید برآں روایت ہذا کے شروع میں درج ہے کہ

((منها ان بعض سمارة حدث بحديث عن مطرف))

۱۔ تحفۃ الاحباب (شیخ عباس ثنی شیبی) ص ۲۲۷ تحت علی بن حسین المسعودی الہذلی (طبع ایران)

”یعنی یہ واقعہ بعض قصہ گو لوگوں نے مطرف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔“

مختصر یہ ہے کہ طعن والی روایت کی یہ روایتی حیثیت ہے جو اہل فن کے نزدیک لائق اعتماد نہیں ہے اور بے سرو پا روایات کے درجے میں ہے۔

درایت کے اعتبار سے

اب روایت ہذا کے متعلق باعتبار درایت کے مختصراً چند چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان پر نظر کر لینے سے اس قصہ کا دروغ بے فروغ ہونا واضح ہو جائے گا:

① اگر بالفرض (بہ تقاضائے روایت) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ”اشہد ان محمد رسول اللہ“ ندائے شہادت رسالت نہیں سن سکتے تھے اور اس ندائے اسلامی کو منانے کا عزم رکھتے تھے تو پھر ان حالات میں اس دور کے تمام صحابہ کرام بشمول ہاشمی حضرات خاموش کیوں رہے اور ان کے خلاف علم بغاوت کیوں نہیں بلند کیا؟ اور قرآنی آیات مثلاً وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ پر عمل درآمد کیوں ترک کر دیا؟

② ایسے منکر رسالت شخص کے ساتھ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی بیچ گانہ نمازیں کیسے ادا کرتے تھے؟

③ ایسے منکر دین شخص کے ساتھ مل کر حج کیسے ادا کرتے رہے اور اسے امیر حج متعدد دفعہ کیوں بنائے رکھا؟

④ ایسے دشمن رسالت کے ساتھ مل کر دیگر ممالک میں فریضہ جہاد و غزوات کیوں قائم رکھا جب کہ خود ایسے شخص کے خلاف جہاد کرنا فرض اولین تھا؟

⑤ ایسے دشمن نبوت کے دربار میں اکابرین صحابہ بشمول ہاشمی حضرات کیوں تشریف لے جایا کرتے تھے؟ اور اس سے مالی عطیات، ہدایا، وظائف وغیرہ کیوں حاصل کرتے تھے؟

⑥ ایسے دشمن دین و اسلام کی طرف سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے بڑے مناصب اور عہدے حاصل کر کے نظام حکومت میں کیسے تعاون کیا؟ جب کہ یہ شخص دینی و دنیوی لحاظ سے مقاطعہ کے قابل تھا اور ہر نوع کے روابط و تعلقات کو منقطع کر دینے کے لائق تھا۔

ایک عجوبہ

اہل علم حضرات اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہم نوا اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرح خلافت کے معاملات میں سب سے زیادہ مدد و معاون تھے حتیٰ کہ بقول بعض مورخین یزید کے استخلاف کے بارے میں انھوں نے ہی اولاً رائے دی تھی۔

نیز حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں کوفہ پر والی اور حاکم کے منصب پر فائز رکھا اور ان حالات میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا یعنی ان کو معزول نہیں کیا گیا تھا۔ اندریں حالات حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قسم کا بیان کیسے دے سکتے ہیں جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دین اسلام کا دشمن، شہادت رسالت کا سخت مخالف اور دین کا باغی دکھلایا گیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو انجسٹ الناس سے تعبیر کیا ہے۔ یہ چیز عقل و درایت کے سخت خلاف ہے فلہذا اس روایت کو کوئی عقلمند آدمی تسلیم نہیں کر سکتا۔ کسی شخصیت کے ساتھ عداوت کا معاملہ کرنا ہو تو کسی تدبیر و حکمت عملی کے ذریعے سے تمام کرنا چاہیے مگر یہاں تو طعن کرنے والوں نے عقل مندی و ہوش مندی کو پس پشت ڈال کر آنکھ بند کر کے یہ روایت چلا دی۔

نیز اس مقام پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت اور قدر دانی کے بے شمار واقعات پیش کیے جاسکتے ہیں جو اس بات کے واضح قرائن ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے حد عقیدت مندی اور کمال محبت تھی یہ واقعات خود مذکورہ روایت کے جعلی اور وضعی ہونے کے شواہد میں سے ہیں۔ مزید کسی جواب کی حاجت نہیں۔ ان واقعات میں سے یہاں صرف دو واقعات ناظرین کے سامنے پیش جاتے ہیں۔ اصل مسئلہ کی تائید کے لیے یہ کافی ہیں۔

① مشابہت نبوی کا احترام

کہار علمائے محدثین اور مورخین نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ بصرہ کے علاقے میں ایک شخص ہے جن کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قسم کی کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر بن کریم رضی اللہ عنہ کو مراسلہ ارسال کیا کہ وہ اس شخص کو جس کی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادنیٰ سی مشابہت پائی جاتی ہے (اس کا نام کابس بن ربیعہ تھا) ہمارے ہاں بطور وفد روانہ کریں۔

جب یہ شخص (کابس بن ربیعہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی مسند سے نیچے اترے اور پیدل آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور تکریم و تعظیم کرتے ہوئے کابس بن ربیعہ کی پیشانی پر بوسہ دیا نیز انھیں بطور اکرام اپنے ہاں رکھا اور ان کی قدر دانی کرتے ہوئے ان کی کفالت کے لیے علاقہ مرو میں ”مرغاب“ کے نام سے موسوم ایک قطعہ اراضی متعین کر دیا تاکہ وہ خوشحال زندگی بسر کر سکیں۔

یہ واقعہ ابو جعفر بغدادی نے الحبر میں ذکر کیا ہے۔ نیز شیخ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الشفایں اس واقعہ کو عمدہ طریقہ سے درج کیا ہے۔ ذیل میں ابو جعفر کی عبارت ذکر کی جاتی ہے:

((وکان بلغ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ان بالبصرة رجلا یشبه برسول اللہ

فكتب الى عامله عليها وهو عبدالله بن عامر بن كريز رضي الله عنه ان يؤفده اليه فأوفد نابساً فلما دخل الى معاوية نزل عن سريره ومشى اليه حتى قبل بين عينيه واقطعه المرغاب))^۱

بتوفيقہ تعالیٰ ان واقعات کو تفصیل کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوانح میں درج کیا جائے گا

(ان شاء اللہ)

② آثار نبوی سے تبرک

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی تمام زندگی میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت اور تبلیغ میں کوشاں رہے اور ابتدائے قبول اسلام سے لے کر زندگی کے آخری مراحل تک دینی خدمات سرانجام دیتے رہے جیسا کہ اہل علم حضرات پر یہ مسئلہ واضح ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے چند تبرکات حاصل کر کے محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ ان تبرکات میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قمیص مبارک اور بعض روایات کے مطابق ایک چادر مبارک کے علاوہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن مبارک کے کچھ تراشے اور موئے مبارک شامل تھے۔ یہ تبرکات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری سفر کے لیے محفوظ کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو ان تبرکات میں سے قمیص مبارک اور چادر مبارک کو میرے کفن میں شامل کیا جائے اور ناخن مبارک کے تراشوں اور بال مبارک کو میرے منہ، نکتھوں اور سینہ پر رکھ دیا جائے۔

یہ مضمون متعدد تاریخ اور رجال کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن ہم یہاں اختصاراً صرف دو عدد حوالہ جات پیش کرتے ہیں:

① ((ميمون بن مهران عن أبيه ان معاوية قال في مرضه الذي مات كنت

اوضني رسول الله ﷺ) فقال لي الا اكسوك قميصاً؟ قلت بلى بأبي انت

وأمي فنزع قميصاً كان عليه فكسا منه وقلم اظفاره فاخذت قلامتها فاذا مت

فالبسوني القميص وخذوا القلامه فاجعلوها في عيني..... الخ))^۲

۲- ((وفي رواية لابن عساكر..... فاذا انا مت فالبسوني قميص رسول الله

ﷺ وازروني بازاره وادرجوني في رداءه وخذوا هذا الشعر فاحشوا به

۱ کتاب الحجر (ابو جعفر بغدادی) ص ۳۶-۳۷ تحت المشہون بالنبی

نیم الریاض شرح النفا (خفاجی) ص ۳۶۳ ج ۳ فصل من توقیرہ... الخ

۲ انساب الاشراف (بلاذری) ص ۱۳۰-۱۳۱ ج ۴ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ قسم اول

شدقی ومنخری وذروا سائرہ علی صدری واخلوا بینی وبین ارحم .
الراحمین)۱

یہ واقعات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے پیغمبر کے ساتھ محبت اور عقیدت کے شواہد میں سے ہیں اور جس شخص کے قلب میں احترام نبوت نہ ہو اس سے ایسے امور صادر نہیں ہو سکتے۔

آخر کلام

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام زندگی میں دین اسلام کے احیا و بقا کے لیے بہت سے اہم کارنامے سرانجام دیے اور اشاعت اسلام کے لیے مقدور بھر م سعی کیں۔ اپنے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و غلامی میں عمر صرف کر دی اور دین اسلام کے فروغ کے لیے کوششیں کیں حتیٰ کہ قبر میں داخل ہونے تک آثار نبوت کے ساتھ تبرک حاصل کیا۔ تاریخ اسلامی اور کتب احادیث ان چیزوں پر شاہد عادل ہیں۔

اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی دشمن صحابہ یہ ندا بلند کرے کہ یہ دشمن نبی تھے اور نبی کے دین کے مخالف تھے، پیغمبر اسلام کی رسالت ان کو ناگوار تھی، بیخ گانہ اذان میں ”شہادت رسالت“ ان کو برداشت نہیں ہوتی تھی وغیرہ وغیرہ، تو یہ سب دروغ بے فروغ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں مسلمہ واقعات اور مشاہدات کے خلاف ہونے کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قرآن مجید کے شاہی وعدوں کے تقاضوں کے بھی برعکس ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید (سورہ حدید رکوع اول) میں ان مومنوں کے ساتھ جو فتح مکہ سے قبل ایمان لائے اور انفاق و جہاد فی سبیل اللہ کیا اور جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور انفاق مال و قتال فی سبیل اللہ کیا (ان کے مابین فرق مراتب بیان فرمانے کے بعد) دونوں فریقوں کے ساتھ ”محبوبہ الحسنی“ یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے: **وَكَلَّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنٰی**

اور نیز دوسری آیت کریمہ میں فرمایا کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِمَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (الانبیاء)

”یعنی جن سے ہماری جانب سے الحسنی کا سابقاً وعدہ فرمایا گیا وہ لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔“

اللہ جل شانہ کے ان ارشادات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ (قبل الفتح و بعد الفتح) دونوں جماعتوں کو ”الحسنی“ (جنت) ملے گی اور یہ لوگ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اللّٰهُ لَا یُخْلِفُ الْوَعْدَ

”اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا اور صحیح ہے وہ اس کا خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔“

اللہ تعالیٰ کے ان فرمودات کے مطابق بعد الفتح (یعنی فتح مکہ کے بعد) ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی (بشمول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) اس بشارت عظمیٰ کے مستحق ہیں اور مغفرت کے مژدہ پانے والوں میں داخل ہیں۔ فلہذا ان ارشادات خداوندی کی مقتضیات کے پیش نظر ان حضرات سے رسالت کی نفی اور نبوت کے ساتھ عناد و اسلام دشمنی وغیرہ وغیرہ کے واقعات کا صدور کسی طرح درست نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ و آئندہ تمام واقعات کا علیم و بصیر ہے اس کی طرف سے کسی دشمن نبوت و مخالف دین کے حق میں مہوبۃ الحسنیٰ کے صحیح وعدوں کا دیا جانا صادر نہیں ہو سکتا۔

بنا بریں معاندین کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر رسالت کی نفی کا طعن اور نبوت کے ساتھ معاندانہ رویہ کا اتہام کسی بھی صورت میں درست نہیں۔ قرآن مجید کے قطعی فرمودات کے تقاضوں کے مقابلہ میں تاریخی ملفوظات کو کوئی باخبر مسلمان وزن نہیں دے سکتا۔ اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ یہ تاریخی روایات بالکل بے سرو پا اور دروغ محض ہیں جن کی بنا پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دشمن نبوت اور مخالف اسلام قرار دینے کی سعی لاجاصل اور مذموم کوشش کی گئی ہے۔ مع ”درخانہ کس است ہمیں گفتمہ بس است“

غدراً (دھوکے سے) قتل کا طعن پھر اس کا جواب

اعتراض کرنے والوں نے ایک اور اعتراض جستجو کر کے پیش کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا ذکر ہوا تو ایک یہودی ابن یامین نے کہا کہ کان قتله غدرا (یعنی یہ قتل بدعہدی کی صورت میں ہوا تھا) محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ اسی مجلس میں موجود تھے، انہوں نے کہا ((یا معاویۃ ایغدر عندک رسول اللہ ﷺ ثم لا تنکر واللہ لا یظلنی وایاک سقف بیت ابداء ولا یخلو لی دم هذا الاقتلته))

معرض نے اس واقعہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معاویہ کی قلبی کیفیات کا یہاں سے پتا چل جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کو کتنی محبت تھی؟ اور کتنا قلبی لگاؤ یا بغض تھا؟ طاعن کا مقصد یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ کچھ محبت نہ تھی بلکہ وہ آنجناب ﷺ کے ساتھ بغض رکھتے تھے اس بنا پر انہوں نے یہودی ابن یامین کے قول کا کچھ رد نہیں کیا۔ سوال مذکور کے جواب سے پہلے اصل واقعہ ذکر کرنا مناسب ہے تاکہ واقعہ کے متعلقات عام قاری کو بھی صحیح طور پر معلوم ہو سکیں۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ نبی اقدس ﷺ کے مبارک دور ۳ھ میں یہود کے ساتھ چند امور کے متعلق ایک معاہدہ طے پایا تھا۔ اس سلسلے میں یہود کی طرف سے بدعہدی کا ارتکاب ہوا اور یہودی گروہ کے سرداروں میں سے ایک مشہور یہودی کعب بن اشرف تھا۔ اس نے معاہدہ کے خلاف مکہ جا کر قریش کے ساتھ اہل اسلام کے خلاف گفتگو کی اور انہیں مسلمانوں کے خلاف برا بیختہ کیا اور پھر مدینہ واپس آیا۔ یہ شخص نبی کریم ﷺ کی ہجو بھی کرتا تھا۔ نبی اقدس ﷺ کو اس کی کارگزاری کی اطلاع ہوئی تو اس پر آنجناب ﷺ نے فرمایا کہ کعب بن اشرف کو بدعہدی اور ہجو گوئی کی بنا پر ختم کرنا چاہیے اس پر کون تیار ہے تو اس وقت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں اس کو ختم کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک دو اور صحابہ بھی شامل ہو گئے اور اس کام کے لیے آنجناب ﷺ سے اجازت طلب کی اور کعب بن اشرف کو اس کے گھر پر جا کر قتل کر دیا۔ (جیسا کہ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں مفصل واقعہ ہذا مذکور ہے، ہم نے یہاں اجمالاً ذکر کیا ہے)۔

جواب

اس مقام پر غور و فکر کرنے کی یہ چیز ہے کہ معترض نے یہ روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف منسوب کر کے اعتراض قائم کیا ہے اور اسی مقام پر یہی روایت ایک دوسرے طریقے سے بالفاظ ذیل مروی ہے لیکن معترض نے اس سے بعد والی روایت کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ وہ ان کے طعن کو بے وزن بنا دیتی ہے:

((حدثني ابراهيم بن جعفر عن أبيه قال قال مروان بن الحكم وهو على المدينة وعنده ابن يامين النضري كيف كان قتل ابن الاشرف قال يامين كان غدرا و محمد بن مسلمة جالس شيخ كبير فقال يا مروان ايغدر رسول الله ﷺ عندك والله ما قتلناه الا بأمر رسول الله ﷺ والله لا يؤديني واياك سقف بيت الا المسجد واما انت يا ابن يامين فله على ان افلت و قدرت عليك وفي يدي سيف الا ضربت به رأسك))

”یعنی واقعہ ہذا نقل کرنے والے راوی نے مروان بن حکم کی مدینہ طیبہ میں ایک مجلس میں گفتگو کا ذکر کیا ہے کہ مروان بن حکم کی مجلس میں مذکورہ قول ابن یامین نے ذکر کیا، وہاں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شیخ کبیر بھی اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس واقعہ کو غدر کہنے کے قول پر ناراض ہو کر مروان بن حکم سے کہنے لگے کہ تمہاری مجلس میں نبی اقدس ﷺ کی طرف غدر کی نسبت کی جاتی ہے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم! کعب بن اشرف کا قتل ہم نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے تحت کیا تھا (اور ابن یامین یہودی غلط کہتا ہے کہ یہ غدر تھا) اور ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ابن یامین سے مخاطب ہو کر فرمایا اللہ کی قسم! جب میں قادر ہوں گا اور میرے ہاتھ میں تلوار ہوگی تو میں تیرا سر قلم کر دوں گا۔“

یعنی بعض رواۃ کی طرف سے واقعہ ہذا کا مروان بن حکم کی مجلس میں وقوع پذیر ہونا مذکور ہے جب کہ بعض دیگر رواۃ نے اس واقعہ کا صدور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیان کیا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ درحقیقت واقعہ ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور اس کے لیے قرآن پائے جاتے ہیں مثلاً ابن یامین یہودی ہی دونوں روایات میں غدر (دھوکا) کا قول کرنے والا ہے اور دونوں روایات میں محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ ہی اس کے قول پر ناراض ہو کر ابن یامین کو قتل کرنے کی قسم اٹھاتے ہیں اور واقعہ ہذا کے دیگر الفاظ اور گفتگو قریب قریب ایک ہی جیسی پائی جاتی ہے۔

ان قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ متعدد نہیں بلکہ ایک ہی ہے لیکن بعض رواۃ نے اسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف منسوب کر دیا ہے اور بعض دوسرے راویوں نے مروان کا ذکر کیا ہے۔

مزید برآں یہاں ایک اور چیز قابل غور ہے کہ اسی روایت میں ذرا آگے مذکور ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ابن یامین یہودی کو جنت البقیع میں دیکھ لیا (تلوار تو ان کے پاس نہیں تھی) لیکن کھجور کی جرائد (چھڑیاں) مل سکیں انھی کے ساتھ آپ نے اس یہودی کو مارنا پینٹنا شروع کر دیا اور اس کے چہرے اور سر کو زخمی کر دیا اور فرمایا کہ میرے پاس تلوار نہیں ورنہ میں تجھے قتل کر دیتا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو عبارت ذیل نقل کیا ہے:

((فکان ابن یامین لا ینزل من بنی قریظۃ حتی یبعث لہ رسولاً ینظر محمد بن مسلمۃ فان کان فی بعض ضیاعہ نزل ففضی حاجتہ ثم صدر والا لم ینزل۔ فبینا محمد فی جنازۃ وابن یامین فی البقیع..... فقام الیہ الناس فقال یا ابا عبدالرحمن ما تصنع نحن نکفیک فقام الیہ فلم یزل یضربہ جریدۃ جریدۃ حتی کسر ذالک الجرید علی وجہہ و رأسہ حتی لم یتربک بہ مصحاً ثم قال واللہ لو قدرت علی السیف لضربتک بہ))^۱

مندرجہ بالا روایت اس بات کا قرینہ ہے کہ ابن یامین مدینہ شریف کے علاقے کا باشندہ تھا اور یہ تمام واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا اور مروان بن حکم والی مدینہ رہا ہے اس واقعے کا تعلق اس کے دور کے ساتھ تھا۔ واقعہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف منسوب کرنے کے قرآن مضبوط نہیں پائے جاتے۔

بالفرض اگر اس واقعہ کی نسبت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس کی طرف تسلیم کر بھی لی جائے تو بھی یہ احتمال موجود ہے کہ مجلس میں جو گفتگو ہوئی اور ابن یامین نے قتل کعب کو غدر کہا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی تردید کرنے یا کچھ دیگر کلام کرنے ہی نہ پائے تھے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے دینی جذبہ کے باعث برفروختہ ہو گئے اور ابن یامین کے قتل کی قسم اٹھالی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تردید یا دیگر کچھ کلام کیا ہو اور راوی نے اسے اپنی روایت میں ذکر نہ کیا ہو۔ علاوہ ازیں روایات میں ”ثم لا تنکر“ کے الفاظ راوی کی اپنی تعبیر ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں تو یہ لفظ پائے جاتے ہیں اور دیگر روایت میں یہ الفاظ ندارد ہیں حالانکہ یہ روایات ایک ہی واقعہ کے متعلق ہیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و فرامین جو صحیح طور پر ثابت ہیں ان کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہ دل و جاں تسلیم کرتے ہیں اور ان کی صداقت میں ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہیں کرتے۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیگر حالات زندگی اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار و فرامین کی

قدردانی حدیث اور تاریخ میں واضح طور پر ثابت ہے اور اس پر بے شمار واقعات موجود ہیں۔ یہاں آثار نبوت کی قدردانی کا صرف ایک واقعہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

ایک شخص کعب بن زہیر جو پہلے اسلام کے خلاف تھے اور اسلام و اہل اسلام کے خلاف شاعری کرتے تھے مسلمان ہوئے اور انھوں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر انصار و مہاجرین کی مدد میں چند اشعار کہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرماتے ہوئے اپنی چادر مبارک جسے آپ زین تن فرمائے ہوئے تھے اتار کر کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں یہ چادر مبارک ایک معقول معاوضہ کے عوض حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے حاصل کرنی چاہی مگر حضرت کعب رضی اللہ عنہ اس پر رضا مند نہ ہوئے۔ کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے وارثوں سے بیس ہزار درہم کے عوض وہ چادر نبوی حاصل کر لی اور اپنے پاس تاحیات بطور تبرک محفوظ رکھی۔ چنانچہ سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ

((القی علیہ صلی اللہ علیہ وسلم بردة كانت عليه صلی اللہ علیہ وسلم وقد اشتراها معاوية بن ابي سفيان رضی اللہ عنہ من آل كعب بمال كثير اى بعد ان دفع لكعب فيها عشرة الاف فقال ما كنت لا وثر بثوب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم احدا فلما مات كعب رضی اللہ عنہ اخذها من ورثة بعشرين الفا وتوارثها خلفاء بني امية ثم خلفاء بني العباس))

اس نوع کے بے شمار واقعات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال عقیدت، محبت اور اخلاص رکھتے تھے۔ تو ان حالات میں مسرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے قتل کو اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس فرمان کے خلاف غدر کہنے کو کس طرح درست تسلیم کر سکتے ہیں؟ اور ان کی طرف سے اس بات کی تصدیق یا تائید کس طرح پائی جا سکتی ہے؟ یہ چیز تو اس دور کے واقعات اور حالات ہی کے خلاف ہے۔

ایک قاعدہ

چنانچہ اس فن کے علماء کے نزدیک روایت کی صحت و سقم معلوم کرنے کے لیے جو قواعد ذکر کیے ہیں ان میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ جو روایت مشاہدات و واقعات اور عام عادت کے خلاف پائی جائے اور حالات و واقعات اس کی تائید نہ کرتے ہوں وہ قابل قبول نہیں ہوتی اور اسے درست تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس قاعدہ کی عبارت درج ذیل ہے۔

((ومنها قرينة في المروى كمخالفة لمقتضى العقل بحيث لا يقبل التأويل،

ویلتحق به ما يدفع الحس والمشاهدة او العادة وکمنافاته لدلالة الكتاب القطعية أو السنة المتواترة أو الاجماع القطعی)) (تزیہ الشریعہ لابن العراق ص ۶ مقدمہ

الکتاب)

آخر کلام

مختصر یہ ہے کہ اعتراض کنندگان اس واقعہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اپنے نبی کریم ﷺ کے ساتھ عدم محبت بلکہ بغض و عناد ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ”معاویہ اور رسول اللہ ﷺ“ کا عنوان دے کر یہ بحث چلائی ہے اور واقعہ جو دلیل میں پیش کیا ہے اس کا حال آپ معلوم کر چکے ہیں۔ اس کے بالمقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں محبت نبوی اور اطاعت نبوی کے واقعات موجود ہیں۔ اب اس چیز کا موازنہ کر کے ناظرین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ معترض دوست اپنے مخصوص مقصد میں کہاں تک کامیاب ہو سکے ہیں؟

”معاویہ کا شوق رسالت“ (یعنی ایک دیگر روایت کا جواب)

طعن کرنے والے لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن قائم کرنے کے لیے ایک جدید عنوان ”معاویہ کا شوق رسالت“ قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے درج ذیل تاریخی واقعہ تاریخ طبری سے نقل کیا ہے۔ طبری اصل ماخذ ہے اور باقی مورخین اس سے نقل ہیں (اصل ماخذ کا جواب ہونے کے بعد ناقلین کے جواب کی حاجت نہیں رہتی)۔

طبری کی سند کا آخری راوی کہتا ہے کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر سے وفد لے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہہ رکھا تھا کہ جب تم معاویہ کے پاس پہنچو تو اسے خلافت کے ساتھ سلام نہ کہنا (السلام علیک یا امیر المؤمنین یا خلیفۃ المسلمین) کیونکہ ان میں ان کی بڑائی ہے اور تم اس کو مقدور بھر حقیر قرار دینا۔

جب وفد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دربانوں سے کہہ دیا کہ ابن نابغہ (حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) نے میرے معاملے کو قوم کے سامنے حقیر قرار دیا ہے۔ تم خیال رکھنا کہ جب وفد آئے تو تم بھی ان کو خوب سرزنش کرنا اور جھنجھوڑنا حتیٰ کہ ان میں سے جو بھی میرے پاس پہنچے اسے اپنی ہلاکت کا خوف ہو۔

مصریوں کے وفد میں سے پہلا شخص جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ابن خیاط تھا اور اس نے آتے ہی کہا ”السلام علیک یا رسول اللہ“ پھر اس کے باقی ساتھیوں نے بھی اسی طرح کیا۔ جب یہ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس سے باہر آئے تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انہیں برا بھلا کہتے ہوئے کہا: لعنکم اللہ! میں نے تمہیں خلافت کے ساتھ سلام کرنے سے منع کیا تھا، الناتم نے رسالت

کے ساتھ سلام کہہ دیا.....

اس روایت کے بعد طعن کرنے والے بزرگ کہتے ہیں کہ معاویہ نے اپنے نبی و رسول ہونے کا اقرار لوگوں سے سنا اور منع نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ اس پر راضی تھا اور نبوت کا دعوے دار تھا۔ ختم نبوت پر ایمان تو بعد کی بات ہے.....

جواب

معارض حضرات نے جو روایت تلاش کر کے اعتراض کے لیے پیش کی ہے اس کے متعلق ذیل میں چند معروضات تحریر کی جاتی ہیں ان پر نظر غائر فرمائیں۔ اس کے بعد اس کا جائزہ لیں کہ طعن کرنے والا اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے؟

باعتبار روایت کے کلام

پہلے روایت کے اعتبار سے اس پر کلام کیا جاتا ہے اس کے بعد روایت کے اعتبار سے اس واقعہ کی صحت کا جائزہ لیا جائے گا:

① یہ روایت طبری کی ہے اور طبری کا مقام روایات کے باب میں جس نوعیت کا ہے وہ اس فن کے کبار علماء سے مخفی نہیں۔ تاریخ ابن جریر طبری مرویات کا ایک مشکول ہے جس میں ہر طرح کا مال دستیاب ہو جاتا ہے۔ صحیح و سقیم، ضعیف و قوی، رطب و یابس، راست و دروغ سب قسم کا مواد اس تاریخ میں فراہم ہے اور طبری مکمل یا نامکمل سند پیش کر کے ناظرین کے سامنے روایات کا ایک انبار لگا دیتا ہے۔ اب اس سے صحیح چیزیں اخذ کرنا اور بیکار اور ردی مواد کو ترک کر دینا قارئین و ناظرین کی صوابدید پر ہے۔ پھر اس فن کے قواعد کی روشنی میں مواد حاصل کرنا ایک متیقظ اور بیدار مغز اہل علم کا کام ہے، عام آدمی کو سوائے حیرت و استعجاب کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

② روایت کی سند جو طبری نے پیش کی ہے اس میں کئی رداۃ تو ایسے موجود ہے جن کی صحیح تعیین کرنا ایک مرحلہ ہے۔ پھر راوی کی تعیین کے بغیر اس پر جرح و قدح کرنا علمی دیانت کے برخلاف ہے۔

③ اور پھر اس روایت کا آخری راوی جس نے یہ طعن کا تمام واقعہ فراہم کیا ہے اس کا نام ”فلیح“ ہے اور وہ بھی کہتا ہے کہ ”اخبارت“ یعنی مجھے اس واقعہ کی خبر دی گئی ہے۔

④ فلیح راوی کے حق میں علماء کی جرح و تعدیل دونوں موجود ہیں۔ فلیح کے متعلق علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یحییٰ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے کہ تین اشخاص عاصم بن عبداللہ، ابن عقیل اور فلیح کی روایات قابل حجت اور لائق استدلال نہیں لایکچھ بحد شہم۔ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ فلیح ضعیف ہے

اگرچہ اس کی توثیق بھی پائی جاتی ہے۔

نیز حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے تقریب التہذیب میں فلیح بن سلیمان مذکور کے متعلق لکھا ہے کہ کثیر الخطا ہے اور

اس کا انتقال ۱۶۸ھ میں ہوا۔^۱

⑤ دیگر بات یہ ہے کہ فلیح نے یہ تمام واقعہ ”اخبرت“ کے لفظ سے نقل کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ ”مجھے خبر دی گئی“ اب خبر دینے والا کون ہے؟ کس ذہنیت کا حامل ہے؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں کس قسم کی رائے رکھتا ہے؟ راست گوشخص ہے یا دروغ گو؟ یہ تمام چیزیں مخفی ہیں اور قابل توجہ ہیں۔

⑥ جس دور کا یہ واقعہ ہے اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ زندہ و سلامت موجود تھے اور وفد لے

کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تشریف لائے تھے۔ اہل علم کو معلوم ہونا چاہیے کہ مشہور روایات کے اعتبار سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ یوم الفطر ۴۳ھ میں مصر میں انتقال فرما گئے تھے جب کہ واقعہ کے ناقل فلیح کا سن وفات ۱۶۸ھ ہے۔ اس طرح اس روایت کی سند میں شدید انقطاع ہے اور رواۃ کے درمیان ایک طویل مدت کا فصل ہے۔ خدا معلوم اس دوران میں کن کن اشخاص نے اس واقعہ کو نقل کیا؟ اور اس میں کیا کچھ تصرفات ہوئے؟ ان حالات میں اصل واقعے کی صحت و ثبوت میں بے شمار شبہات پیدا ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر روایت قابل قبول نہیں رہتی۔

مضمون روایت کے اعتبار سے کلام

ایک بات تو یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان بعد از صفین واقعہ تحکیم سے لے کر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے انتقال ۴۳ھ تک بہترین تعلقات قائم تھے اور امور مملکت کی تدبیر میں یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں ہمیشہ معین اور معاون رہتے تھے اور مصر میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو ۳۸ھ سے لے کر ان کے آخری ایام تک والی اور حاکم قائم رکھا۔

((فلحق بمعاویة فكان معه يدبر أمره في الحرب إلى ان جرى أمر الحكمين

ثم سار في جيش جهزه معاوية الى مصر فولها لمعاوية من صفر سنة ثمان

و ثلاثين الى ان مات سنة ثلاث و اربعين على الصحيح))^۲

اور طبری کے انھی اوراق میں یہ چیز بھی درج ہے کہ ایک بار عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ذکر کیا کہ اے امیر المؤمنین! کیا میں آپ کے حق میں لوگوں میں سے بہترین خیر خواہ نہیں

۱۔ تقریب التہذیب تحت فلیح بن سلیمان

۲۔ الاصابہ ص ۳ ج ۳ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

ہوں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بے شک آپ ہمارے حق میں خیر خواہ ہیں، اسی بنا پر تو آپ اس رتبہ پر فائز ہیں۔

((قال عمرو بن العاص لمعاویة یا امیر المؤمنین! الست انصح الناس لك؟

قال بذالك نلت ما نلت))

مندرجات بالا پر ناظرین کرام نظر فرمائیں اور پھر طعن کی اصل روایت کے متن پر غور فرمائیں کہ کیا ان میں کسی قسم کی مطابقت پائی جاتی ہے؟ واضح ہے کہ ان دونوں چیزوں کے درمیان بون بعید ہے کیونکہ اس روایت میں دونوں حضرات کے درمیان شدید منافرت اور مناقشہ کا نقشہ کھینچا گیا ہے مثلاً:

① جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وفد لے کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے ہیں تو وفد والوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ معاویہ کو خلیفۃ المسلمین کے الفاظ کے ساتھ سلام نہ کہنا تا کہ ان کی عظمت اور وقار نہ بنے اور حتی المقدور ان کو حقیر جاننا۔

② حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دربانوں سے کہا کہ ابن نابذ آ رہے ہیں یہ میری قوم کے سامنے تحقیر کرنا چاہتے ہیں۔ خبردار جب یہ وفد آئے تو ان سے درشتی سے پیش آنا اور خوب جھنجھوڑنا اور میرے پاس وہ اپنی ہلاکت کا خوف لیے ہوئے حاضر ہوں۔

③ غور کرنا چاہیے کہ بالفرض جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس قسم کی سکیم بنائی اور وفد کے لوگوں کو سمجھایا لیکن معا اس تمام کارگزاری کی اطلاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کس طرح ہو گئی؟ پھر انھوں نے اپنے خدام کو جلد تر جوابی کارروائی سمجھا دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب رواۃ کی ذہنی ساخت ہے۔

④ وفد میں سے پہلے ابن خیاط حاضر ہوا اور اس نے آتے ہی السلام علیک یا رسول اللہ کہہ دیا اور پھر اس کی متابعت میں اس کے باقی ساتھیوں نے بھی اسی طرح کہہ دیا۔

⑤ پھر جب یہ وفد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت سے واپس ہوا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کو نفرین و ملامت کی اور کہا کہ تم پر لعنت ہو، میں نے تم کو خلافت کے ساتھ سلام کہنے سے منع کیا تھا، انا تم نے معاویہ پر نبوت کے ساتھ سلام کہہ دیا۔

قابل غور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کیا گنجائش کہیں مل سکتی ہے کہ کوئی مسلمان اپنے خلیفۃ المسلمین کو "یا رسول اللہ" کہہ کر سلام پیش کرے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدت حیات میں نبی اقدس ﷺ کے بعد کسی شخصیت کو

رسول و نبی کا درجہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ مسیلمہ کذاب نے صحابہ کے دور میں نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علمی بحث و مباحثہ سے جواب نہیں پیش کیا تھا بلکہ تلوار سے مسئلہ ختم نبوت کو حل کیا تھا۔

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب کے مقابلے کی جنگ یمامہ میں خود شریک واقعہ تھے اور اس کذاب کے قتل کرنے میں شامل تھے۔ یہ مسلمہ واقعات ہیں، ان پر حوالہ جات کی حاجت نہیں۔ اب اپنے دور خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نبی و رسول قرار دیے جانے پر رضا مند کیسے ہو گئے؟ اور یہ کلمات انھوں نے کیسے تسلیم کر لیے؟ یہ سب دروغ بانی ہے کوئی ہوش مند اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے مابین جو عمدہ تعلقات اور اعلیٰ روابط مدت دراز سے قائم تھے ان کے مقابلے میں طعن والی روایت ہذا کے مندرجات ایک ایک کر کے برعکس اور برخلاف پائے جاتے ہیں۔

معترض بزرگوں کو اگر طعن کرنا ہی ہے تو پہلے حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے درمیان شدید عداوت و عناد صحیح روایات کے ذریعے سے ثابت کریں پھر اس کے بعد یہ روایت (جس درجے کی بھی ہے) مقام طعن میں لائیں۔ ایسی بے سرو پا روایات کے پیش نظر جلیل القدر صحابہ پر طعن کرنا اور ان کو مطعون کرنا دشمنان صحابہ کا کام ہی ہو سکتا ہے اور کوئی مسلمان محبت صحابہ ایسا نہیں کر سکتا۔ طبری کے تاریخی ملغوبات تسلیم کر لینے سے تو قرآن مجید کی نفی لازم آتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ

✽ قرآن مجید صحابہ کی مدح و ثنا کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کی قدح کرتے ہیں۔
 ✽ قرآن مجید صحابہ کی عظمت شان بیان کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کی تحقیر و حقارت کرتے ہیں۔
 ✽ قرآن مجید صحابہ کی طرف سے دفاع کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کچڑا اچھالتے ہیں۔
 ✽ قرآن مجید صحابہ کی نجات و مغفرت کے وعدے کرتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کی اخروی ہلاکت کے گیت گاتے ہیں۔

✽ قرآن مجید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ”خیر امت“ ہونے کا مژدہ سناتا ہے اور یہ لوگ صحابہ کو شر امت ثابت کرنے میں زندگی صرف کرتے ہیں۔

بنا بریں ایسی تمام اخبار و روایات جو اپنے مفہوم و معانی کے اعتبار سے قرآن مجید کی قطعیات کے خلاف پائی جاتی ہیں ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں اور ان کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رفیع مقام و مرتبہ کو گرایا نہیں جاسکتا۔

برہنہ لونڈی پیش کرنے کا اعتراض

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن قائم کرنے والوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بے حیائی اور بے شرمی کا طعن ایک تاریخی روایت کے حوالہ سے ذکر کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک آزاد کردہ غلام خدیج خصی نے آپ کی خدمت میں ایک خوبصورت رومی لونڈی خرید کر برہنہ حالت میں پیش کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جسم کو اسی حالت میں دیکھا اور پھر اس لونڈی کو یزید کے پاس لے جانے کو کہا.....

جواب

اس طعن کے جواب کے لیے چند امور پیش کیے جاتے ہیں ان پر توجہ فرمائیں، امید ہے مزید کسی جواب کی حاجت نہیں رہے گی۔

اعتراض کنندگان نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بے حیائی اور بے شرمی کا اعتراض قائم کرنے کے لیے جو واقعہ تلاش کر کے پیش کیا ہے وہ ایک تاریخ کی کتاب ”تاریخ ابن عساکر“ سے نقل کیا گیا ہے۔ تاریخ ابن عساکر تاریخی کتاب ہے حدیث کی کتاب نہیں۔ اس میں ہر نوع کی روایات فراہم ہیں۔ ابن عساکر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو جس سند کے ساتھ پیش کیا ہے اگر وہ صحیح ہے اور اس کے رواۃ قابل اعتماد ہیں تو واقعہ کو معتبر سمجھا جائے گا اور اگر سند مجروح ہے اور اس کے رواۃ قابل اعتماد نہیں تو واقعہ غیر معتبر ہوگا اور لائق اعتبار نہیں ہوگا۔

اگر بالفرض روایت کی سند پر بحث کرنے سے صرف نظر کر لی جائے تو بھی مورخین کے اقوال کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ رومی لونڈی خریدی تھی (اور اسلام میں خرید کردہ جاریہ سے انتفاع اور تمتع جائز ہے)۔

نیز اگر یہ واقعہ درست ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس زر خرید لونڈی کے جسم پر نظر ڈالنا خلوت کی بات ہے جس کو ناقلمین ایسی صورت میں نقل کر رہے ہیں گویا یہ واقعہ مجلس میں دیگر لوگوں کی موجودگی میں پیش آیا ہے حالانکہ یہ بات سو فیصد غلط ہے۔ ایک مقتدر صحابی کی دیانت اور شرافت اس بات کی متقاضی ہے کہ

ایسے واقعے کا صدور برسر عام مجلس میں نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امت کو دیانت اور شرافت کی تعلیم دی ہے اور بے حیائی کے امور اور منکرات سے منع فرمایا ہے۔ فلہذا ان سے ایسے واقعہ کا صدور جلوت میں کیسے ممکن ہے؟ اور مسلمہ قاعدہ کے مطابق ایسی منکر روایت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت و شرافت کے خلاف ہو اسے قبول نہیں کیا جاتا۔ ایسے مواقع کے متعلق علمائے کبار نے قاعدہ ذکر کیا ہے کہ

((فانا مامورن بحسن الظن بالصحابۃ ونفی کل رذیلة عنہم))^۱

نیز قابل توجہ یہ بات ہے کہ دیگر مورخین نے اسی واقعہ کو بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

((وقال محمد بن الحکم الانصاری عن عوانة قال حدثنی خدیج خصی قال

قال لی معاویة ادع لی عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری فدعونه وکان ادم شدید

الادمة فقال دونک هذه الجاریة لجاریة رومیة بیض بها ولدک))^۲

”یعنی محمد بن حکم انصاری عوانہ سے نقل کرتے ہیں کہ خدیج خصی نے مجھے یہ واقعہ بیان کیا۔ خدیج

کہتا ہے کہ مجھے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عبداللہ بن مسعدہ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ میں اسے بلا

لایا۔ وہ شخص گہرے سانولے رنگ کا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا یہ لونڈی تمہیں ہبہ کی

جاتی ہے۔ یہ رومی لونڈی ہے اس سے تو اپنی اولاد سفید رنگ والی پیدا کر لے۔“

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ لونڈی عبداللہ بن مسعدہ کو ہبہ کر دی تھی۔

روایت کے ابتدائی حصے کا ذکر اہم نہیں تھا وہ انھوں نے نقل نہیں کیا۔ خدا جانے وہ کس طرح واقعہ پیش آیا؟

کیا کچھ بات ہوئی؟

اگر واقعہ صحیح ہے تو اس کی حقیقت حال اس طرح ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زر خرید لونڈی

پر خلوت میں نظر ڈالی جو شرعاً درست تھی۔ پھر اس لونڈی کو اپنے بیٹے یزید کو دینے کا ارادہ کیا، اور ازراہ احتیاط

اس معاملے میں اس وقت کے فقیہ ربیعہ بن عمرو جرش سے رائے طلب کی۔ انھوں نے یزید کو یہ لونڈی دینے

سے منع کر دیا کہ آپ کے بیٹے کے لیے جائز نہیں۔ اس صورت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ شرعی کی

پاسداری کرتے ہوئے یہ لونڈی عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو ہبہ کر دی اور فرمایا کہ تو اس سے گورے رنگ کی

اولاد پیدا کر لے۔

اس صورت میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ اس دور میں لونڈیوں کو خرید کرنا اور ان سے انتفاع کیا جانا پھر

ان کو کسی کی طرف ہبہ کر دینا کوئی معیوب نہ تھا اور آئین اسلامی کے اعتبار سے بھی کوئی سقم نہیں تھا۔ ان

۱ شرح مسلم شریف (نوی) ص ۹۰ ج ۲ بحوالہ مازری تحت الجہاد والسریر باب حکم الفسی

۲ الاصابہ (ابن حجر) ص ۳۵۹ ج ۲ تحت حرف العین (عبداللہ بن مسعدہ فزاری)

مسائل کے حدود و قیود تھے ان کے تحت یہ عمل ہوتا تھا۔

اور اس واقعہ کا برہنگی کی حالت میں برسر مجلس پایا جانا کسی طرح بھی درست نہیں۔ اسلامی اخلاق و عادات اور اطوار کے برعکس یہ چیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان دیانت و شرافت کے خلاف ہے، اور ساتھ ساتھ اس دور کے واقعات کے بالکل متضاد ہے۔ واقعہ ہذا کی ان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی۔ ایسی صورت حال کے متعلق امام نووی کی جانب سے ایک ہدایت ہم نے قبل ازیں نقل کر دی ہے وہ ملحوظ رکھنے کے قابل ہے۔

نیز طعن کرنے والوں نے مذکورہ طعن کے تحت مزید یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رقص و سرود کی محفلیں قائم کرتے تھے اور رقاصوں کو خوب داد دیتے تھے۔ اور حوالہ کے لیے عمرو بن بحر الجاحظ کی کتاب التاج کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے متعلق ناظرین کرام یاد رکھیں کہ جس مصنف اور اس کی کتاب سے حوالہ پیش کیا گیا ہے اس کی علمی قابلیت اور دیانت کے متعلق علمائے رجال نے درج ذیل چیزیں ذکر کی ہیں: عمرو بن بحر الجاحظ صاحب تصانیف کثیرہ ہے لیکن اس کی وثاقت پر کچھ اعتماد نہیں اور نہ یہ مامون شخص ہے بلکہ بدعتیوں کے پیشواؤں میں سے ہے۔ اس کا دین عیب دار ہے اور ابو الفرج اصفہانی نے اس کو زندیق قرار دیا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور لوگوں پر جھوٹ بولتا تھا۔

لسان المیزان میں ہے کہ

((قال ثعلب ليس بثقة ولا مامون۔ قلت: وكان من ائمة البدع انتهي۔۔۔۔۔ قال

الخطابي هو مغموص في دينه وذكر ابو الفرج الاصبهاني انه كان يرمى

بالزندقة قال ثعلب كان كذابا على الله وعلى رسوله وعلى الناس))^۱

مختصر یہ ہے کہ ایسے بے دین، زندیق اور کذاب شخص کی روایات کی بنا پر ایک مقتدر صحابی پر رقص و سرود کی محفلوں کا طعن قائم کرنا ہرگز جائز نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی مدت العمر لوگوں کو دین کی تعلیم دی ہے اور اس قسم کی لغو مجالس اور منکر محافل قائم کرنے سے لوگوں کو منع فرمایا ہے۔ فلبنہذا۔۔۔۔۔ تم کے مطاعن کی ان حضرات سے نسبت کر کے معترضین نے اپنے بغض و عداوت کو پورا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے ورنہ حقیقت حال اس کے برخلاف ہے۔

علامت نفاق پر موت کا طعن (یعنی دبیلا سے موت)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مخالفین نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک عجیب طعن تلاش کر کے ذکر کیا ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی موت دبیلا سے ہوئی (دبیلا لغت عرب میں پھوڑے کو کہتے ہیں) معترضین نے حدیث کی کتابوں سے روایت تلاش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ”میرے صحابہ میں بارہ منافق ہیں جو جہنم میں جائیں گے اور ان کی موت دبیلا سے واقع ہوگی۔ اعتراض کرنے والوں نے یہاں یہ ذکر کیا ہے کہ چونکہ معاویہ کی وفات بھی دبیلا سے ہوئی تھی لہذا یہ اس پیش گوئی کا مصداق ہیں اور منافقین کے زمرے میں آنے کی وجہ سے معاویہ کا مقام خود بخود متعین ہے۔

جواب

اس مقام پر ایک تو یہ چیز قابل غور ہے کہ اعتراض کرنے والے لوگوں نے جو احادیث کی کتابوں سے طعن کی روایات فراہم کی ہیں وہ اپنی جگہ پر اپنے مفہوم کے اعتبار سے درست ہیں لیکن اس مقام پر معترض لوگوں نے جو روایا اختیار کیا ہے وہ اس مقولہ کا مصداق ہے کہ کلمۃ حق ارید بہ الباطل (یہ مقولہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب خوارج لوگ آپ کے بعض امور پر اعتراض کرتے تھے اور آواز بلند کہتے تھے کہ **إِن الْحُكْمُ لِلَّهِ** تو اس کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا الفاظ فرمایا کرتے تھے) یعنی بات تو ٹھیک ہے لیکن اس سے ارادہ غلط لیا گیا ہے۔ وہی معاملہ یہاں کیا جا رہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر پیش کردہ روایات جو معترضین نے فراہم کی ہیں ان میں منافقوں کے متعلق ایک پیش گوئی ذکر کی گئی ہے کہ وہ بارہ منافق ہیں اور وہ جنت میں نہیں جائیں گے اور ان میں سے بعض کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ ان کی موت دبیلا سے ہوگی۔ لیکن ان روایات میں کسی قبیلہ یا گروہ یا کسی مخصوص شخص (مثلاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کا نام تک مذکور نہیں تاکہ ان کو وجہ اعتراض بنایا جا سکتا۔

یہ روایات اپنے مفہوم کے اعتبار سے درست ہیں اور منافقین کے متعلق فرمائی گئی ہیں۔ چنانچہ شارحین حدیث نے ان روایات کے تحت جو کچھ ذکر کیا ہے اس کی طرف رجوع کر کے تسلی کی جا سکتی ہے۔ ان روایات کا مصداق سفر تبوک میں منافقوں کی ایک جماعت ہے ان کے حق میں یہ فرمان صادر ہوا تھا۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ صاحب مسلم شریف نے ان روایات کو ”صفات المنافقین واحکامہم“ کے عنوان کے تحت ذکر کیا

ہے۔ لیکن اعتراض کرنے والوں نے ان روایات کا مصداق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو از خود قرار دیا ہے اور اپنے بغض و عناد اور قلبی عداوت کا اظہار اس طریقہ سے پورا کیا ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ شارحین حدیث کے قول کے موافق منافقین کے متعلق یہ واقعہ غزوہ تبوک میں پیش آیا تھا۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بارہ منافقوں کے متعلق یہ پیش گوئی فرمائی کہ لا یدخلون الجنة وہ لوگ غزوہ تبوک سے واپسی کے سفر میں لیلۃ العقبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے متعلق ایک منصوبہ کے تحت رات کے اندھیرے میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم پر یک دم حملہ کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنی آنکھوں کے سوا چہروں پر نقاب لگا رکھا تھا۔ جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ معلوم کرو کہ یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حملہ آوروں کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا اور وہ جلدی سے واپس لوٹ کر لوگوں میں جا ملے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے پہچانا کہ یہ کون کون افراد تھے؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ لوگ اپنے چہرے پوشیدہ کیے ہوئے تھے پہچان نہیں سکا، لیکن میں نے ان کی سوار یوں کو پہچان لیا ہے۔

اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان افراد اور ان کے آباء کے اسماء سے متعلق خبر دی ہے اور میں تم کو صبح کے وقت ان کے متعلق خبر دوں گا۔ اسی بنا پر منافقوں کے متعلق لوگ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ چنانچہ مسلم کے محشی اس واقعہ کو بعبارت ذیل ذکر کرتے ہیں:

((وذلك لانه كان ليلة العقبه مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم قوله عَلَيْكُمْ في امتي اثنا عشر منافقا لا يدخلون الجنة يعني وهم الذين قصدوا قتل النبي صلی اللہ علیہ وسلم ليلة العقبه مرجعه من تبوك حين اخذ النبي صلی اللہ علیہ وسلم مع عمار و حذيفة طريق الشية والقوم بطن الوادي فطمع اثنا عشر رجلا في المكر به فاتبعوه ساترين وجوههم غير اعينهم فلما سمع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خشعة القوم من وراءه امر حذيفة ان يردهم فخوفهم الله حين بصروا حذيفة فرجعوا مسرعين على اعقابهم حتى خالطوا الناس فادرك حذيفة فقال هل عرفت احدا منهم قال لا فانهم كانوا متلثمين ولكن اعرف رواحلهم فقال عَلَيْكُمْ ان الله اخبرني بأسماءهم وأسماء آباءهم وسأخبرك بهم ان شاء الله عند الصباح فمن ثمة كان الناس سیراجعون حذيفة في أمر المنافقين))^۱

۱ حاشیہ صحیح مسلم (علامہ محمد ذہبی) ص ۱۲۳ ج ۸ تحت الحدیث طبع مصر

البدایہ والنہایہ ص ۲۱، ۲۰، ۱۹ ج ۵ تحت غزوة نبوی احوال منافقین۔

اور یہی مضمون مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۰۶ ج ۱۱ تحت ہذا الحدیث مذکور ہے۔ نیز دیگر شارحین نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

اور اس مقام کی ایک دیگر روایت میں اس طرح ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیفہ رضی اللہ عنہ کو ان منافقین کے بارے میں اطلاع فرمائی اور حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان کی ہلاکت کی خبر دی تھی وہ لوگ بالکل اسی طرح ہلاک ہو گئے۔

((عن حدیفۃ رضی اللہ عنہ انه صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ ایاہم وانہم ہلکوا کما أخبرہ الرسول صلوات اللہ وسلامہ علیہ)) ۱

تنبیہ

واضح ہو کہ حضرت حدیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مدائن میں ۳۵-۳۶ھ میں فوت ہو گئے اور وہیں ان کا مزار ہے۔ بعض اقوال کے مطابق آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے انتقال کے چالیس دن بعد وفات پائی۔ ۲
مذکورہ بالا روایات کے مطابق حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن منافقوں کے متعلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی اور نشاندہی کی تھی وہ تمام اشخاص آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے عین مطابق ہلاک ہو گئے۔ اور اس کے بعد حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ خود بھی ۳۵-۳۶ھ میں انتقال فرما گئے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جن کا انتقال حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے بھی پچیس سال بعد ۶۰ھ میں ہوا وہ منافقین سے متعلق پیش گوئی والی اس روایت کا مصداق کس طرح ٹھہرے؟ انصاف کے ساتھ غور فرمائیں۔

مختصر یہ ہے کہ منافقین کے حق میں دہیلہ سے موت والی روایات کا مصداق و محمل حضرت حدیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں پورا ہو گیا اور انہوں نے اس کی تصدیق کر دی تو اس صورت حال کے باوجود ان روایات کا مصداق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار دینا بالکل غلط ہے اور اس میں حجبہ بھر صداقت نہیں۔

بعض قرآن

معرض لوگوں نے یہاں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) منافق تھے اور ان کا خاتمہ نفاق کی علامت پر ہوا۔ اس چیز کے دفاع کے متعلق از روئے روایات ہم نے گزشتہ سطور میں کلام کر دیا ہے جو اصل طعن کے صاف کرنے میں کافی ہے۔ تاہم اس مقام پر مختصراً چند چیزیں دیگر ذکر کی جاتی ہیں جن سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نفاق کے طعن کا ازالہ ہوتا ہے اور منافقت کے شبہ کی نفی ہوتی ہے:

۱ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۰۶ ج ۱۱ تحت ہذا الحدیث

۲ اسماء الرجال لصاحب مشکوٰۃ ص ۵۹۰ تحت حدیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

① حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ سے رشتہ کے اعتبار سے نہایت قریب ہیں۔ اس طرح کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا آجنگاب ﷺ کی زوجہ محترمہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہر (بہن) ہیں۔ اس مبارک رشتہ داری کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آجنگاب ﷺ کے ”برادر نسبتی“ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ رشتہ داری اور دیگر نسبی تعلقات جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم ﷺ اور ان کے خاندان سے ہیں وہ ہم نے ”مسئلہ اقربا نوازی“ میں ص ۱۲۶ تا ۱۳۰ مستقل عنوان کے تحت ذکر کر دیے ہیں۔

② نبی کریم ﷺ کی زبان سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بہت سی دعائیں منقول ہیں مثلاً

۱۔ ((اللهم اجعله هاديا مهديا واهده واهد به))

۲۔ ((سمعت رسول الله ﷺ يقول: اللهم علم معاوية الكتاب والحساب وقره العذاب))

ان دعاؤں کے سلسلے میں وضاحت مطلوب ہو تو ”مسئلہ اقربا نوازی“ ص ۱۳۰ تا ۱۳۳ ملاحظہ فرمائیں وہاں دیگر دعاؤں کے تذکرہ کے علاوہ ان دعائیہ کلمات کے لیے مکمل حوالہ جات درج کر دیے گئے ہیں۔

③ نبی کریم ﷺ کے کاتبین وحی وغیر وحی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شامل ہیں اور کاتب نبوی ہونے کا شرف انھیں آجنگاب ﷺ کی طرف سے مدت العمر حاصل رہا۔ اس منصب سے معزول نہیں کیے گئے۔ اس مقام پر غزوہ تبوک کا ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر ایک شاہی قاصد نے قیصر روم کا مراسلہ آجنگاب ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ اس وقت آجنگاب ﷺ کے پہلو میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی اقدس ﷺ نے قیصر روم کے خط کو پڑھنے کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ خط آجنگاب ﷺ کی خدمت میں پڑھ کر سنایا۔

شاہی قاصد کہتا ہے کہ

((فاتيت رسول الله ﷺ وهو مع اصحابه وهم محتبون بحمائل سيوفهم حول بئر تبوك فقلت ايكم محمد؟ فاوما بيده الي نفسه فدفعت اليه الكتاب فدفعه الي رجل الي جنبه۔ فقلت من هذا؟ فقالوا معاوية بن ابي سفيان فقراءه فاذا فيه..... الخ))

④ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو منافقوں کے بارے میں فرمان دیا کہ

۱۔ سند ابی یعلیٰ الموصلی ص ۱۷۱ ج ۳ تحت عنوان رسول قیصر (مطبوعہ دمشق)

مجمع الزوائد (شمسی) ص ۲۳۳-۲۳۶ ج ۸ (رجال ابی یعلیٰ ثقات)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

”یعنی اے پیغمبر! کفار اور منافقوں کے ساتھ جہاد کیجیے اور ان پر درستی اور سختی کا معاملہ کیجیے۔“

فرمان خداوندی کے موافق پیغمبر خدا کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے اور منافقوں کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنے کا حکم ہے۔ اگر بالفرض والتقدیر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صفت نفاق اور منافقت سے متصف تھے تو خدا کے پیغمبر کو ان کے ساتھ ہمیشہ سختی اور درستی کا معاملہ کرنا چاہیے تھا۔ حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ ہمیشہ جاری و ساری رہا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے لے کر انتقال نبوی کی مدت تک باہمی معاملات پر نظر کر لی جائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دواماً جاری پائے جاتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے کاتبین میں دواماً شامل رکھنا، تقسیم اراضی کے لیے بھیجنے کا اعزاز بخشنا، جنگی معاملات میں شریک رکھنا اور غنائم سے حصہ عنایت فرماتے رہنا وغیرہ وغیرہ حسن سلوک اور حسن معاملات کی بین علامات ہیں۔

شیعہ کی طرف سے تائید

شیعہ کے اکابر مصتفین نے اپنے ائمہ کرام سے ایک چیز نقل کی ہے جس سے مسئلہ بالا کی تائید پائی جاتی ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مقابلین (اہل جہل و اہل صفین) کے حق میں شرک اور نفاق کی نسبت نہیں کرتے تھے بلکہ شرک اور نفاق کی ان حضرات سے نفی کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں، ہمارے خلاف زیادتی کرنے لگے ہیں۔

((جعفر عن أبيه ان علياً عليه السلام لم يكن ينسب احدا من اهل حربہ الى الشرك

ولا الى النفاق ولكن يقول هم اخواننا بغوا علينا))^۱

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اس بیان کے ذریعے سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے مقابل میں قتال کرنے والوں کو نہ مشرک کہتے تھے اور نہ منافق قرار دیتے تھے بلکہ ان کو اسلامی اور دینی برادر ہی سمجھتے تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین میں محاربہ مسلمات میں سے ہے تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے شرک و نفاق کی نفی ان حضرات کے فرامین سے پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ اندریں حالات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو منافق قرار دینا شیعہ کے نزدیک بھی ائمہ کرام کے فرامین کی خلاف ورزی کرنا ہے۔

⑤ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات بڑی کوشش سے حاصل کر کے اپنے

پاس عمر بھر محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ جب آپ کے آخری ایام آئے اور وفات قریب آ پہنچی تو آپ نے ان تبرکات (موئے مبارک اور ناخن کے تراشے) کے متعلق وصیت فرمائی کہ ان کو میرے منہ، آنکھوں اور چہرے پر رکھ دیں اور چادر نبوی کے متعلق فرمایا کہ یہ میرے کفن میں شامل کر دی جائے۔ چنانچہ ان وصایا پر عمل کیا گیا اور اس شرف و اعزاز کے ساتھ آپ کا سفر آخرت شروع ہوا اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئے۔

فلہذا نصوص اور واقعات اور ائمہ کرام کے فرامین کی روشنی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو منافقین میں شمار کرنے کا کوئی جواز نہیں پایا جاتا۔ بلکہ آپ کی تمام زندگی ان کے حسن اسلام پر شاہد عادل ہے۔

حاصل یہ ہے کہ

① نبی اقدس ﷺ کے مبارک خاندان کے ساتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رشتہ داری اور نسبی تعلق آپ میں نفاق کی نفی کے لیے کافی ہے۔ منافقوں اور خبیث خاندان کے ساتھ آنجناب ﷺ کا رشتہ داری کا تعلق ہرگز نہیں تھا۔

② نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں کتابت وحی کا منصب اور خطوط پڑھنے اور ان کے جواب ارسال کرنے کا شرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تازیت حاصل رہا جو نبی اقدس ﷺ کے آپ پر خصوصی اعتماد کا بین ثبوت ہے۔ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب ﷺ کے پہلو میں بیٹھنے کے شرف سے مشرف تھے اور حاضر باش خادم تھے۔ کوئی منافق یا عام قسم کا آدمی اس جلیل القدر منصب کا حامل نہیں ہو سکتا۔

③ بین ثبوت ہے۔ نیز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آنجناب ﷺ کے پہلو میں بیٹھنے کے مشرف تھے اور حاضر باش خادم تھے۔ کوئی منافق یا عام قسم کا آدمی اس جلیل القدر منصب کا حامل نہیں ہو سکتا۔

④ نص قرآنی کے اعتبار سے پیغمبر خدا ﷺ کو منافقوں پر غلظت اور سختی کا معاملے کرنے کا حکم ہے جب کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاملہ روا رکھا گیا اور کبھی درستی اور سختی کا معاملہ نہیں کیا گیا۔

⑤ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سفر آخرت جناب نبی کریم ﷺ کے مبارک تبرکات سے انتفاع کے اعزاز سے شروع ہوا جو آپ کے ایمان کی سلامتی اور خاتمہ بالخیر کی قوی دلیل ہے اور نفاق کے شبہ سے کوسوں دور ہے۔ یہ عز و شرف کسی بے دین اور منافق کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور علامات نفاق پر مرنے والوں کو یہ چیزیں نصیب نہیں ہو سکتیں۔ اندریں حالات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نفاق اور منافقت کا قول کرنا ان حقائق و مشاہدات کو جھٹلانے کے مترادف ہے جسے کوئی ذی شعور انسان درست تسلیم نہیں کر سکتا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال بعض طبعی عوارض سے ہوا۔ اس مقام میں مورخین کے اقوال مختلف پائے جاتے ہیں۔ ان کے پیش نظر موصوف کے حق میں کھینچ تان کر علامات نفاق کا قول کرتے ہوئے ایک

جلیل القدر صحابی کو مطعون کرنا ہرگز درست نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں منافقت کی علامات کا اثبات کرنا محض عناد و عداوت کو پورا کرتا ہے۔ اسلامی نصوص اور تاریخی واقعات اس امر کی تائید نہیں کرتے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد
الأولين والآخرين وعلى آله وأصحابه واهل بيته وعلى اتباعه باحسان الى
يوم الدين۔

اللهم تقبل منا هذا التآليف واجعله لنا وسيلة للنجاة في الآخرة۔

دعا جو

محمد نافع عفا الله عنه

محمدی شریف ضلع جھنگ

صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

اگست ۱۹۹۰ء

فہرست مراجع و مصادر (ہر دو جلد)

- ۱۔ مسند عمر بن عبدالعزیز
- ۲۔ المسند لامام ابی حنیفہ (امام اعظم)
- ۳۔ الموطا امام مالک بن انس
- ۴۔ کتاب الزہد والرقائق لعبد اللہ بن مبارک المروزی
- ۵۔ کتاب الآثار لامام ابی یوسف الانصاری
- ۶۔ کتاب الخراج امام ابی یوسف انصاری
- ۷۔ المصنف عبدالرزاق لابن بکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری
- ۸۔ سیرۃ لابن ہشام (ابو محمد عبدالملک بن ہشام)
- ۹۔ المسند للحمیدی (امام ابو بکر عبداللہ بن زبیر الحمیدی)
- ۱۰۔ کتاب الاموال لابن عبید القاسم بن سلام الہروی
- ۱۱۔ السنن لسعید بن منصور (مجلس علمی)
- ۱۲۔ الطبقات الکبیر محمد بن سعد (لیڈن)
- ۱۳۔ المصنف لابن ابی شیبہ (ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ)
- ۱۴۔ نسب قریش لمصعب الزبیری
- ۱۵۔ مسند اسحاق بن راہویہ (اسحاق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی المروزی)
- ۱۶۔ تاریخ خلیفہ ابن خیاط (ابو عمر)
- ۱۷۔ المسند لامام احمد بن حنبل الشیبانی
- ۱۸۔ کتاب السنۃ لامام احمد بن حنبل الشیبانی
- ۱۹۔ فضائل الصحابہ لامام احمد الشیبانی
- ۲۰۔ کتاب الخیر لابن جعفر محمد بن امیہ البغدادی
- ۲۱۔ المنتخب مسند عبد بن حمید
- ۲۲۔ المسند للدارمی (ابی عبداللہ بن عبد الرحمن بن الفضل التمیمی الدارمی)
- ۲۳۔ صحیح البخاری لامام محمد بن اسماعیل البخاری

المتوفی ۱۰۱ھ

۱۵۰ھ

۱۷۹ھ

۱۸۱ھ

۱۸۲ھ

۱۸۲ھ

۲۱۱ھ

۲۱۳/۲۱۸ھ

۲۱۹ھ

۲۲۲ھ

۲۲۷ھ

۲۳۰/۲۳۵ھ

۲۳۵ھ

۲۳۶ھ

۲۳۸ھ

۲۴۰ھ

۲۴۱ھ

۲۴۱ھ

۲۴۱ھ

۲۴۵ھ

۲۴۳/۲۴۹ھ

۲۵۶ھ

- ۲۳۔ ادب المفرد للبخاری
 ۲۵۔ تاریخ الکبیر للبخاری
 ۲۶۔ تاریخ الصغیر للبخاری
 ۲۷۔ جزء الحسن بن عرفہ العبدی
 ۲۸۔ صحیح المسلم لامام مسلم بن حجاج القشیری
 ۲۹۔ تاریخ المدینۃ المنورۃ لابن زید عمرو بن شبہ الحمیری البصری
 ۳۰۔ تاریخ الثقات للعجلی (احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی)
 ۳۱۔ الجامع للترمذی (ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی)
 ۳۲۔ کتاب المرانی لابن داود البجستانی
 ۳۳۔ السنن لابن ماجہ (ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ)
 ۳۴۔ السنن لابن داود سلیمان بن اشعث البجستانی
 ۳۵۔ غریب الحدیث لابن قتیبہ
 ۳۶۔ الامامہ والسیاسہ لابن قتیبہ
 ۳۷۔ المعارف لابن قتیبہ
 ۳۸۔ فتوح البلدان لاحمد بن یحییٰ البلاذری
 ۳۹۔ انساب الاشراف للبلاذری
 ۴۰۔ کتاب المعروفہ والتاریخ للیبسوی (ابی یوسف یعقوب بن سفیان البسوی)
 ۴۱۔ کتاب مجاب الدعویۃ لابن ابی الدنیا
 ۴۲۔ کتاب السنۃ لابن عبداللہ محمد بن نصر المروزی
 ۴۳۔ السنن الکبریٰ ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی
 ۴۴۔ الخصائص للنسائی ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی
 ۴۵۔ مسند لابن یعلیٰ الموصلی (احمد بن علی الموصلی)
 ۴۶۔ المستثنیٰ لابن جارود (ابی محمد عبداللہ بن علی بن الجارود نیشاپوری)
 ۴۷۔ تاریخ محمد ابن جریر الطبری
 ۴۸۔ کتاب الکنیٰ للذولابی
 ۴۹۔ کتاب المصاحف لابن بکر عبداللہ بن داود سلیمان بن اشعث
 ۵۰۔ علل الحدیث لابن ابی حاتم الرازی
 ۵۱۔ کتاب المجرح والتعدیل

- ۵۲۔ انجم الاوسط للطبرانی
۵۳۔ الفتحة الواقعة للجمل سيف بن عمرو الاسدي
۵۴۔ الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان
۵۵۔ كتاب الحجر وحين لابن حبان (ابو حاتم محمد بن حبان البستي)
۵۶۔ المستدرک للحاکم (ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم النیشاپوری)
۵۷۔ حلیۃ الاولیاء لابن نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی
۵۸۔ ذکر اخبار اصحاب لابن نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی
۵۹۔ المحلی لابن حزم (ابو محمد علی بن احمد بن سعید المعروف ابن حزم الاندلسی)
۶۰۔ جمهرة الانساب لابن حزم الاندلسی
۶۱۔ جوامع السيرة لابن حزم الاندلسی
۶۲۔ كشف الحجب للشيخ علی بن عثمان الجوزی ثم لاهوری المعروف داتا گنج بخش
۶۳۔ السنن الکبریٰ للشیخ (لابی بکر احمد بن الحسین البیهقی)
۶۴۔ الاعتقاد علی مذهب السلف للشیخ
۶۵۔ دلائل النبوة للشیخ
۶۶۔ الاستیعاب لابن عبد البر (مع الاصابه)
۶۷۔ تاریخ بغداد للخطیب بغدادی
۶۸۔ کتاب الکفایہ للخطیب بغدادی
۶۹۔ کتاب التمهید لابن الشکور السالمی
۷۰۔ التبصیر فی الدین لابن المنظر الاسفرائینی
۷۱۔ الاصول للسرخسی (شمس الائمہ ابی بکر محمد بن احمد بن ابی سهل السرخسی)
۷۲۔ المہبوط للسرخسی
۷۳۔ شرح السیر الکبیر للسرخسی
۷۴۔ کیمیائے سعادت لامام غزالی (محمد بن محمد بن محمد ابو حامد الغزالی الطوسی)
۷۵۔ شرح السنۃ لامام بغوی (ابو محمد حسنین بن مسعود الفراء البغوی)
۷۶۔ مصابیح السنۃ للبغوی
۷۷۔ کتاب الفائق للبخاری
۷۸۔ شرح الجامع الترمذی لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی
۷۹۔ العواصم من القواصم لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی

- ۵۵۳۳- ۸۰۔ احکام القرآن لابن العربی لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی
- ۵۵۶۱- ۸۱۔ غنیۃ الطالبین للشیخ کامل ابو محمد عبدالقادر بن ابی صالح جنگلی دوست البیلانی
- ۵۵۷۱- ۸۲۔ تاریخ ابن عساکر کامل (ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ المعروف ابن عساکر)
- ۵۵۹۷- ۸۳۔ کتاب القصاص والمذکرین لابن الجوزی
- ۵۵۹۷- ۸۳۔ العلل المتناہیہ لابن جوزی
- ۵۶۰۲- ۸۵۔ الشفاء بعریف حقوق المصطفیٰ للقاضی ابی الفضل عیاض بن موسیٰ اندلسی من علماء قرن سادس
- ۵۶۰۲- ۸۶۔ جامع الاصول لابن اثیر الجزری (محمد بن محمد المعروف بابن اثیر الجزری)
- ۵۶۰۲- ۸۸۔ اسد الغابہ لابن اثیر الجزری
- ۵۶۱۰- ۸۸۔ المغرب (ابو الفتح ناصر الدین المطرزی)
- ۵۶۲۰- ۹۸۔ المغنی لابن قدامہ (ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ)
- ۵۶۲۶- ۹۰۔ معجم البلدان لشہاب الدین ابی عبداللہ المعروف یاقوت الحموی
- ۵۶۳۰- ۹۱۔ الکامل لابن اثیر (ابو الحسن علی بن ابی المکرّم)
- ۵۶۳۰- ۹۲۔ تجرید اسماء الصحابہ للجزری
- ۵۶۵۶- ۹۳۔ الترغیب والترہیب لذکی الدین المنذری
- ۵۶۶۵- ۹۴۔ جامع مسانید امام اعظم لابی المویذ محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی
- ۵۶۷۱- ۹۵۔ تفسیر الجامع لاحکام القرآن لابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی المالکی الاندلسی
- ۵۶۷۲- ۹۶۔ مشنوی مولانا روم (جلال الدین رومی)
- ۵۶۷۶- ۹۷۔ شرح مسلم شریف للنووی (محمی الدین یحییٰ بن شرف النووی)
- ۵۶۷۶- ۹۸۔ تہذیب الاسماء للنووی (محمی الدین یحییٰ بن شرف النووی)
- ۵۶۸۱- ۹۹۔ وفيات الاعیان لابن خلکان
- ۵۷۱۰- ۱۰۰۔ فیض القدر شرح الجامع الصغیر لعبدالرؤف السناوی
- ۵۷۲۸/۷۲۸- ۱۰۱۔ منہاج السنۃ لاحمد بن عبدالخلیم الحرانی الدمشقی الحسنبلی ابن تیمیہ
- ۵۷۲۸/۷۲۸- ۱۰۲۔ الصارم المسلمول لابن تیمیہ لاحمد بن عبدالخلیم الحرانی الدمشقی الحسنبلی ابن تیمیہ
- ۵۷۳۷- ۱۰۳۔ مشکوٰۃ المصابیح لولی الدین خطیب تبریزی تالیف
- ۵۷۴۱- ۱۰۴۔ کتاب التہمید والبیان فی مقتل شہید عثمان محمد بن یحییٰ بن ابی بکر الاندلسی
- ۵۷۴۵- ۱۰۵۔ الجواهر الثقی للترکمانی
- ۵۷۴۸- ۱۰۶۔ سیر اعلام النبلاء للذہبی (شمس الدین ابی عبداللہ الذہبی)
- ۵۷۴۸- ۱۰۷۔ میزان الاعتدال للذہبی

۵۷۲۸

۱۰۸۔ المستفی للذہبی

۵۷۲۸

۱۰۹۔ تاریخ الاسلام للذہبی

۵۷۲۸

۱۱۰۔ العبر للذہبی

۵۷۲۸

۱۱۱۔ دول الاسلام للذہبی

۵۷۲۸

۱۱۲۔ المغنی فی الضعفاء للذہبی

۵۷۵۱/۷۵۶

۱۱۳۔ المنار المہیف لابن قیم

۵۷۵۱/۷۵۶

۱۱۴۔ کتاب الروح لابن قیم

۵۷۵۱/۷۵۶

۱۱۵۔ زاد المعاد لابن قیم

۱۱۶۔ نصب الرایہ للزیلعی (جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی)

۵۷۷۲/۷۷۵

۱۱۷۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر (عماد الدین الدمشقی)

۵۷۸۶

۱۱۸۔ الکرمانی شرح صحیح البخاری لعلاء شمس الدین محمد بن علی الکرمانی

۵۷۹۲

۱۱۹۔ شرح الطحاوی فی عقیدۃ السلفیہ لقاضی صدر الدین علی بن علی محمد بن ابی العزائم الحنفی

۵۸۰۷

۱۲۰۔ مجمع الزوائد لنور الدین السیثمی

۵۸۰۷

۱۲۱۔ موارد النظمآن لنور الدین السیثمی

۵۸۱۶

۱۲۲۔ شرح المواقف للسید شریف علی بن محمد البحر جانی

۵۸۱۷

۱۲۳۔ القاموس للشیخ محمد بن یعقوب مجد الدین فیروز آبادی

۵۸۵۲

۱۲۴۔ الاصابہ لابن حجر العسقلانی

۵۸۵۲

۱۲۵۔ تہذیب التہذیب

۵۸۵۲

۱۲۶۔ طبقات المدلسین

۵۸۵۲

۱۲۷۔ شرح نخبة الفکر لابن حجر العسقلانی

۵۸۵۲

۱۲۸۔ لسان المیزان لابن حجر العسقلانی

۵۸۵۲

۱۲۹۔ المطالب العالیہ لابن حجر العسقلانی

۵۸۵۲

۱۳۰۔ تقریب التہذیب لابن حجر العسقلانی

۵۸۵۲

۱۳۱۔ تجلیل المنفعہ لابن حجر العسقلانی

۵۸۵۲

۱۳۲۔ فتح الباری فی شرح البخاری لابن حجر العسقلانی

۵۸۵۲

۱۳۳۔ الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ لابن حجر العسقلانی

۵۸۵۵

۱۳۴۔ عمدۃ القاری فی شرح البخاری لبدر الدین العینی

۵۸۶۱

۱۳۵۔ فتح القدیر لابن ہمام شرح ہدایہ مع العنایہ

- ۱۳۶۔ سیرۃ الحلیبیہ لعلی بن برہان الدین الحلیمی
 ۱۳۷۔ فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث لشمس الدین السخاوی
 ۱۳۸۔ مقاصد الحسنہ لشمس الدین السخاوی
 ۱۳۹۔ المسامرة لکمال الدین بن محمد بن محمد بن ابی شرف القدسی الشافعی
 ۱۴۰۔ تاریخ الخلفاء لجلال الدین السیوطی
 ۱۴۱۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب لنووی للسیوطی
 ۱۴۲۔ ذیل التالی للسیوطی (جلال الدین السیوطی)
 ۱۴۳۔ درمنثور (امام سیوطی)
 ۱۴۴۔ وفاء الوفاء للشیخ نور الدین السہودی
 ۱۴۵۔ کتاب البواقیت والجواہر للشیخ عبدالوہاب الشعرانی تالیف
 ۱۴۶۔ تاریخ انجیس للدیار البکری (الشیخ حسین بن محمد بن الحسن)
 ۱۴۷۔ تنزیہ الشریعة المرفوعہ لابن عراق الکنانی
 ۱۴۸۔ الصواعق المحرقة مع تطہیر البنان لابن حجر المکی
 ۱۴۹۔ کنز العمال لعلی متقی البندی
 ۱۵۰۔ تطہیر البنان لابن حجر المکی
 ۱۵۱۔ الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر المکی
 ۱۵۲۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ لملا علی بن سلطان القاری
 ۱۵۳۔ الموضوعات الکبیر لعلی القاری
 ۱۵۴۔ شرح فقہ اکبر لعلی القاری
 ۱۵۵۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی از حضرت شیخ احمد سرہندی
 ۱۵۶۔ نسیم الریاض شرح الشفاء لشہاب الدین الخفاجی
 ۱۵۷۔ نور الانوار از مولانا احمد جیون
 ۱۵۸۔ عقیدۃ السفارینی (محمد بن احمد السفارینی)
 ۱۵۹۔ ازالۃ الخفاء للشیخ احمد بن عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہ
 ۱۶۰۔ قرۃ العینین لشاہ ولی اللہ محدث دہلوی
 ۱۶۱۔ تحفۃ اثنا عشریہ نشاہ عبدالعزیز بن احمد بن عبدالرحیم دہلوی
 ۱۶۳۔ رسائل ابن عابدین الشامی (محمد امین ابن عابدین الشامی)
 ۱۶۴۔ فتاویٰ الشامی لابن عابدین

- ۱۶۵۔ تفسیر روح المعانی للسیّد محمود آلوسی بغدادی
 ۱۶۶۔ الفتح الربانی للاحمد عبدالرحمان انباء الساعاتی
 ۱۶۷۔ فیض الباری حواشی صحیح البخاری از مولانا انور شاہ کشمیری
 ۱۶۸۔ مجمع البحار للشیخ محمد طاہر النفتی
 ۱۶۹۔ الآثار المرفوعہ از مولانا عبدالحی لکھنوی
 ۱۷۰۔ الرفع والتکمیل از مولانا عبدالحی لکھنوی
 ۱۷۱۔ اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی
 ۱۷۲۔ مرآة العاشقین ملفوظات حضرت خواجہ اعلیٰ سیالوی
 ۱۷۳۔ احکام شریعت از مولانا احمد رضا خان بریلوی
 ۱۷۴۔ فتاویٰ امدادیہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
 ۱۷۵۔ شرح عقد الایمان فی معاویہ بن ابی سفیان، مخطوطہ فی مکتبہ الاسدیہ، سوریا
 ۱۷۶۔ اکمال اکمال المعلم شرح مسلم شریف الوشتانی الابی
 ۱۷۷۔ کتاب الکامل لابن عدی
 ۱۷۸۔ تاریخ یحییٰ بن معین
 ۱۷۹۔ کتاب الجندی لابن درید
 ۱۸۰۔ تہذیب و تلخیص ابن عساکر لابن بدران عبدالقادر
 ۱۸۱۔ بذل المجموع شرح ابی داؤد
 ۱۸۲۔ تاج العروس شرح القاموس لعلامہ مرتضیٰ زبیدی
 ۱۸۳۔ مرآة الجنان للیافعی
 ۱۸۴۔ البیان المغرب فی اخبار المغرب لابن العذاری المراكشی
 ۱۸۵۔ الخطط للمقریزی
 ۱۸۶۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ للخصری
 ۱۸۷۔ بلاد العرب لحسن بن عبداللہ الاصفہانی
 ۱۸۸۔ الفہرست لابن ندیم
 ۱۸۹۔ الاحکام السلطانیہ لابی الحسن الماوردی
 ۱۹۰۔ ادب الہدنیہ والذین لابی الحسن الماوردی
 ۱۹۱۔ کتاب المواعظ والاعتبار المقریزیہ
 ۱۹۲۔ الکامل للمبرد

۱۹۳۔ لطائف المعارف لابی المنصور الثعالبی

۱۹۴۔ تذکرۃ الموضوعات للمقدسی

۱۹۵۔ کتاب الدیات لابی بکرا احمد الشیبانی

۱۹۶۔ کتاب مناسک الحج واماکن طرق الحج

۱۹۷۔ مکتوبات شاہ عبدالعزیز دہلوی از ایوب قادری

۵۹۴۴

۹۸۔ منتخب مکتوبات قدوسیہ لکشیخ عبدالقدوس گنگوہی

۱۹۹۔ احکام القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع کراچی

۲۰۰۔ مقام صحابہ از مولانا مفتی محمد شفیع کراچی

۲۰۱۔ الانتقاد علی تمدن الاسلامی از علامہ شبلی نعمانی

۵۲۳۰

۲۰۲۔ مسند ابن جعد (الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوهری)

۵۵۴۳

۳۰۲۔ کتاب الاباطیل ابی عبداللہ الحسین بن ابراہیم الجوزقانی

کتب شیعہ

- ۱۔ کتاب سلیم بن قیس الہدلی الکوفی الشیبی
 ۲۔ تاریخ یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب بن جعفر الکاتب العباسی)
 ۳۔ کتاب البلدان للیعقوبی
 ۴۔ اخبار الطوال لاحمد بن داود ابی حنیفہ الدینوری
 ۵۔ قرب الاسناد لعبد اللہ بن جعفر الحمیری من اصحاب حسن العسکری
 ۶۔ فروع کافی لمحمد بن یعقوب الکلبینی الرازی
 ۷۔ کتاب الروضہ من الکافی لمحمد بن یعقوب الکلبینی الرازی
 ۸۔ مروج الذهب لابن الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی
 ۹۔ مقاتل الطالبین لابن الفرج علی بن حسین بن محمد الاصبہانی
 ۱۰۔ علل الشرائع للشیخ صدوق ابی جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ ابن بابویہ قمی
 ۱۱۔ کتاب معانی الاخبار لابن بابویہ قمی
 ۱۲۔ کتاب الارشاد للشیخ محمد بن العثمان المفید (الشیخ مفید)
 ۱۳۔ نبح البلاغہ للسید الشریف الرضی ابی الحسن محمد بن ابی احمد الحسین
 ۱۴۔ الامالی للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن شیخ الطائف الطوسی
 ۱۵۔ الاحتجاج للطبرسی (الشیخ ابی منصور احمد بن علی الطبرسی)
 ۱۶۔ شرح نبح البلاغہ لابن ابی الحدید عبد الحمید بن بہاؤ الدین المدائنی
 ۱۷۔ شرح نبح البلاغہ لکمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی
 ۱۸۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ لعلی بن عیسیٰ الارملی تالیف
 ۱۹۔ الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ از محمد بن علی بن طباطبائی المعروف لقطقی تالیف
 ۲۰۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب للسید جمال الدین ابن عدب
 ۲۱۔ بحار الانوار لمحمد باقر بن محمد تقی المجلسی
 ۲۲۔ عین الحیاة لمحمد باقر بن محمد تقی المجلسی
 ۲۳۔ جلاء العیون لمحمد باقر بن محمد تقی المجلسی
 ۲۴۔ منتہی الآمال للشیخ عباس قمی
 ۲۵۔ تحفۃ الاحباب للشیخ عباس قمی
 ۲۶۔ ناسخ التواریخ از لسان الملک میرزا احمد تقی وزیر اعظم سلطان ناصر الدین قاجار
 ۲۷۔ تنقیح المقال لعبد اللہ المامقانی
 ۲۸۔ منتخب التواریخ از محمد ہاشم الخراسانی

التوفی ۹۰ھ

۲۵۶/۲۵۸ھ

۲۵۶/۲۵۸ھ

۲۸۲ھ

قرن ثالث

۳۲۹ھ

۳۲۹ھ

۳۳۶ھ

۳۵۶ھ

۳۸۱ھ

۳۸۱ھ

۴۱۳ھ

۴۱۴ھ

۴۶۰ھ

۵۴۸ھ

۶۵۶ھ

۶۷۹ھ

۶۸۷ھ

۷۱۰ھ

۸۴۸ھ

۱۱۱۰-۱۱۱۱ھ

۱۱۱۰-۱۱۱۴ھ

۱۱۱۰-۱۱۱۱ھ

۱۲۵۹ھ

۱۲۵۹ھ

۱۲۹۷ھ

۱۳۰۰ھ

۱۳۵۲ھ